فضائلِ اعمال

حکایاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم

فضائلِ قرآن کریم

فضائلِ نماز

فضائلِ ذکر

فضائلِ تبلیغ

فضائلِ رمضان

فضائلِ دُرود شریف

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ

نور حراء
DIGITIZED ISLAMIC BOOKS
noorhiraislamicbooks.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فضائلِ اعمال

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ

معاونت خصوصی ترتیب و کمپوزنگ:

حضرت جناب آفتاب احمد صاحب مدینہ منورہ

ترتیب و کمپوٹر کمپوزنگ: محمد نور باری

Specialist in

DIGITIZING ISLAMIC BOOKS

Contact: noorbari786@gmail.com

Visit: noorhiraislamicbooks.com

۱۱ ذالقعدہ ۱۴۴۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تعلیمات

فہرست مضامین

محترم قارئین۔
السلام و علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔

☆ ۱۔ فضائل اعمال ۷ کتابوں پر مشتمل ہے، جنکے نام مندرجہ ذیل دائروں میں لکھ دیے ہیں۔



☆ ۲۔ ان ۷ کتابوں میں سے کسی مطلوبہ کتاب تک پہنچنے کے لیے اوپر درج شدہ کتاب کے نام پر کلک کرنے سے اُس مطلوبہ کتاب کی فہرست مضامین والا صفحہ کھل جائے گا۔

☆ ۳۔ کتاب کی فہرست مضامین والا صفحہ کھلنے کے بعد اس فہرست میں موجود کسی بھی مضمون پر کلک کرنے سے اُس مضمون کا صفحہ سامنے آجائے گا۔

☆ ۴۔ اس مطلوبہ کتاب سے واپس اِس کتاب کی فہرست مضامین تک واپس جانے کے لیے صفحہ کے اوپر بائیں جانب والے بٹن (فہرست مضامین فضائل۔۔۔) پر کلک کریں۔

☆ ۵۔ اگر کسی دوسری کتاب تک پہنچنا ہو تو، صفحہ کے اوپر دائیں جانب والے بٹن (فضائل اعمال صفحہ اول) کو (جو کہ کتاب کے ہر صفحہ پر موجود ہے) کلک کرنے سے واپس صفحہ اول پر پہنچ جائینگے، جہاں سے کسی بھی دوسری کتاب کے نام پر کلک کرنے سے اُس کتاب کی فہرست مضامین سامنے آجائے گی۔

☆ ۶۔ صفحہ نمبر ۱ کے علاوہ صفحہ نمبر ۳ پر بھی کسی کتاب کے نام پر کلک کرنے سے اُس کتاب کی فہرست مضامین سامنے آجائے گی۔

آپ کی دعاوں کا محتاج و متمنی
از، احقر
محمد نور باریؔ ۲۳ ذالقعدہ ۱۴۴۶

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ط

بیشک ان کے قصّے میں (بڑی) عبرت ہے سمجھداروں کیلئے



حکایاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم

یعنی

سچّی کہانیاں

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمّد زکریّا کاندھلوی رحمۃ اللہ



DIGITIZED ISLAMIC BOOKS
noorhiraislamicbooks.com

فہرست مضامین حکایات صاحبہؓ

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	تمہید۔	۲۲
	بابِ اوّل (دین کی خاطر سختیاں برداشت کرنا اور تکالیف ومشقت کا جھیلنا)	۲۵
۱	حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے طائف کے سفر کا قصہ۔	۲۵
۲	قصہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بن نضر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا۔	۲۸
۳	صلح حدیبیہ اور ابوجندل رضی اللہ عنہ وابوبصیر رضی اللہ عنہ کا قصہ۔	۲۹
۴	حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا اسلام اور مصائب۔	۳۱
۵	حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اسلام۔	۳۳
۶	خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کی تکلیفیں۔	۳۵
۷	حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور ان کے والدین کا ذکر۔	۳۶
۸	حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا اسلام۔	۳۷
۹	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا۔	۳۸
۱۰	مسلمانوں کی حبشہ کی ہجرت اور شعبِ ابی طالب میں قید ہونا۔	۴۰
	باب دوم (اللہ جلّ جلالہٗ کا خوف اور ڈر)	۴۵
۱	آندھی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ۔	۴۵
۲	اندھیرے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا فعل۔	۴۶
۳	سورج گرہن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل۔	۴۷
۴	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام رات روتے رہنا۔	۴۷
۵	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اللہ کا ڈر۔	۴۸
۶	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حالت۔	۴۹
۷	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نصیحت۔	۵۱
۹	تبوک کے سفر میں قوم ثمود کی بستی پر گزر۔	۵۲
۱۰	تبوک میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی غیر حاضری اور توبہ۔	۵۴

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۱	صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہنسنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ اور قبر کی یاد۔	۶۱
۱۲	حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو نفاق کا ڈر۔	۶۲
۱۳	تکمیل (اللہ کے خوف کے متفرق احوال)۔	۶۳
	باب سوم (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زہد اور فقر کے بیان میں)	۶۷
۱	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہاڑوں کو سونا بنا دینے سے انکار۔	۶۷
۲	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وسعت طلب کرنے پر تنبیہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گذر کی حالت۔	۶۷
۳	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بھوک میں حالت۔	۷۰
۴	حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا بیت المال سے وظیفہ۔	۷۰
۵	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیت المال سے وظیفہ۔	۷۲
۶	حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا حضورؐ کے لئے ایک مشرک سے قرض لینا۔	۷۴
۷	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بھوک میں مسئلہ دریافت کرنا۔	۷۶
۸	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ رضی اللہ عنہم سے دو شخصوں کے بارے میں سوال۔	۷۷
۹	حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے پر فقر کی دوڑ۔	۷۸
۱۰	سریۃ العنبر میں فقر کی حالت۔	۷۹
	باب چہارم (صحابہ رضی اللہ عنہم کے تقویٰ کے بیان میں)	۸۰
۱	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جنازہ سے واپسی اور ایک عورت کی دعوت۔	۸۰
۲	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقے کی کھجور کے خوف سے تمام رات جاگنا۔	۸۱
۳	حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ایک کاہن کے کھانے سے قے کرنا۔	۸۱
۴	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صدقہ کے دودھ سے قے۔	۸۲
۵	حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا احتیاطاً باغ وقف کرنا۔	۸۳
۶	حضرت علی بن معبد رضی اللہ عنہ کا کرایہ کے مکان سے تحریر خشک کرنا۔	۸۳
۷	حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک قبر پر گذر۔	۸۴
۸	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جس کا کھانا پینا حرام ہو اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔	۸۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۹	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنی بیوی کو مشک تولنے سے انکار۔	۸۶
۱۰	حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا حجاج کے حاکم کو حاکم نہ بنانا۔	۸۷
	باب پنجم (نماز کا شغف اور شوق اور اس میں خشوع وخضوع)	۸۸
۱	اللہ تعالیٰ کا ارشاد نوافل والے کے حق میں۔	۸۸
۲	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام رات نماز پڑھنا۔	۸۸
۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چار رکعت میں چھ پارے پڑھنا۔	۸۹
۴	حضرت ابوبکر، حضرت ابنِ زبیر، حضرت علی رضی اللہ عنہم وغیرہ کی نمازوں کے حالات۔	۹۰
۵	ایک مہاجر اور ایک انصاری کی چوکیداری اور انصاری کا نماز میں تیر کھانا۔	۹۲
۶	ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا نماز میں خیال آجانے سے باغ وقف کرنا۔	۹۳
۷	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نماز کی وجہ سے آنکھ نہ بنوانا۔	۹۴
۸	صحابہ رضی اللہ عنہم کا نماز کے وقت فوراً دکانیں بند کرنا۔	۹۵
۹	حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا قتل کے وقت نماز پڑھنا اور زید رضی اللہ عنہ و عاصم رضی اللہ عنہ کا قتل۔	۹۶
۱۰	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جنت میں معیت کیلئے نماز کی مدد۔	۱۰۰
	باب ششم (ایثار و ہمدردی اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا)	۱۰۱
۱	صحابی رضی اللہ عنہ کا مہمان کی خاطر چراغ بجھا دینا۔	۱۰۱
۲	روزہ دار کے لئے چراغ بجھا دینا۔	۱۰۲
۳	ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا زکوٰۃ میں اونٹ دینا۔	۱۰۲
۴	حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کا صدقہ میں مقابلہ۔	۱۰۳
۵	صحابہ رضی اللہ عنہم کا دوسروں کی وجہ سے پیاسے مرنا۔	۱۰۴
۶	حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کفن۔	۱۰۵
۷	بکرے کی سری کا چکر کاٹ کر واپس آنا۔	۱۰۶
۸	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنی بیوی کو زچگی میں لے جانا۔	۱۰۷
۹	ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا باغ وقف کرنا۔	۱۰۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۰	ابوذر رضی اللہ عنہ کا اپنے خادم کو تنبیہ فرمانا۔	۱۰۹
۱۱	حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا قصہ۔	۱۱۱
	باب ہفتم (بہادری، دلیری اور موت کا شوق)	۱۱۴
۱	ابنِ جحش رضی اللہ عنہ اور سعد رضی اللہ عنہ کی دعا۔	۱۱۴
۲	اُحد کی لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہادری۔	۱۱۵
۳	حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شہادت۔	۱۱۶
۴	عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کی تمنائے شہادت۔	۱۱۷
۵	مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت۔	۱۱۸
۶	قادسیہ کی لڑائی میں سعد رضی اللہ عنہ کا خط۔	۱۱۹
۷	وہب بن قابوس رضی اللہ عنہ کی اُحد میں شہادت۔	۱۲۰
۸	بیرِ معونہ کی لڑائی۔	۱۲۱
۹	عمیر رضی اللہ عنہ کا قول کہ کھجوریں کھانا طویل زندگی ہے۔	۱۲۳
۱۰	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہجرت۔	۱۲۴
۱۱	غزوۂ مُوتہ کا قصہ۔	۱۲۵
۱۲	سعید بن جبیر رحمہ اللہ اور حجاج کی گفتگو۔	۱۲۸
	باب ہشتم (علمی ولولہ اور اس کا انہماک)	۱۳۲
۱	فتویٰ کا کام کرنیوالی جماعت کی فہرست۔	۱۳۳
۲	حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مجموعہ کو جلا دینا۔	۱۳۴
۳	تبلیغ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ۔	۱۳۵
۴	ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی تعلیم۔	۱۳۶
۵	حذیفہ رضی اللہ عنہ کا اہتمام فتن۔	۱۳۷
۶	ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا احادیث کو حفظ کرنا۔	۱۳۹
۷	قتل مسیلمہ و جمع قرآن۔	۱۴۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۸	ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی احتیاط روایت حدیث میں۔	۱۴۲
۹	ابودرداء رضی اللہ عنہ کے پاس حدیث کیلئے جانا۔	۱۴۳
۱۰	ابن عباس رضی اللہ عنہ کا انصاری کے پاس جانا۔	۱۴۵
۱۱	مختلف علمی کارنامے۔	۱۴۶
	باب نہم (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اور امتثال کا حکم)	۱۵۳
۱	حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا چادر کو جلا دینا۔	۱۵۴
۲	انصاری کا مکان کو ڈھا دینا۔	۱۵۴
۳	صحابہ رضی اللہ عنہم کا سرخ چادروں کو اتار دینا۔	۱۵۶
۴	وائل رضی اللہ عنہ کا ذباب کے لفظ سے بال کٹوا دینا۔	۱۵۷
۵	سہیل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ کی عادت اور خُریم کا بال کٹوا دینا۔	۱۵۷
۶	ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے بیٹے سے نہ بولنا۔	۱۵۸
۷	ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کہ نماز قصر قرآن میں نہیں۔	۱۵۹
۸	ابن مغفل رضی اللہ عنہ کا خذف کی وجہ سے کلام چھوڑ دینا۔	۱۶۰
۹	حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کا سوال نہ کرنے کا عہد۔	۱۶۰
۱۰	حذیفہ رضی اللہ عنہ کا جاسوسی کے لئے جانا۔	۱۶۱
	باب دہم (عورتوں کا دینی جذبہ)	۱۶۳
۱	تسبیحات حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا۔	۱۶۳
۲	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا صدقہ۔	۱۶۵
۳	ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو صدقے سے روکنا۔	۱۶۶
۴	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حالت اللہ کے خوف سے۔	۱۶۷
۵	اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے خاوند کی دعا اور ہجرت۔	۱۶۸
۶	اُمِ زیاد کی چند عورتوں کے ساتھ خیبر میں شرکت۔	۱۷۰
۷	اُمِ حرام رضی اللہ عنہا کی غزوۃ البحر میں شرکت کی تمنّا۔	۱۷۱
۸	اُم سلیم رضی اللہ عنہا کا لڑکے کے مرنے پر عمل۔	۱۷۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۹	اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کا اپنے باپ کو بستر پر نہ بٹھانا۔	۱۷۳
۱۰	حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا افک کے معاملہ میں صفائی اور صدقہ۔	۱۷۴
۱۱	خنساء رضی اللہ عنہا کی اپنے چاروں بیٹوں سمیت جنگ میں شرکت۔	۱۷۶
۱۲	حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا یہودی کو تنہا مارنا۔	۱۷۸
۱۳	اسماء رضی اللہ عنہا کا عورتوں کے اجر کے بارے میں سوال۔	۱۷۹
۱۴	اُمِ عمارہ رضی اللہ عنہا کا اسلام اور جنگ میں شرکت۔	۱۸۰
۱۵	اُمِ حکیم رضی اللہ عنہا کا اسلام اور جنگ میں شرکت۔	۱۸۳
۱۶	سمیہ رضی اللہ عنہا اُمِ عمار کی شہادت۔	۱۸۳
۱۷	اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی زندگی اور تنگی۔	۱۸۴
۱۸	حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہجرت کے وقت مال لے جانا اور اسماء رضی اللہ عنہا کا دادا کو اطمینان دلانا۔	۱۸۶
۱۹	حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی سخاوت۔	۱۸۷
۲۰	حضور کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ہجرت اور انتقال۔	۱۸۸
۲۱	ربیع رضی اللہ عنہا بنتِ معوذ کی غیرتِ دینی۔	۱۸۹
۲۱	(معلومات) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیاں اور اولاد۔	۱۹۰
۲۲	(معلومات) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد۔	۲۰۲
	باب یازدہم (بچوں کا دینی جذبہ)	۲۰۹
۱	بچوں کا روزہ رکھوانا۔	۲۰۹
۲	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی احادیث اور آیت کا نزول۔	۲۱۰
۳	عمیر رضی اللہ عنہ کا جہاد کی شرکت کا شوق۔	۲۱۱
۴	عمیر رضی اللہ عنہ کا بدر کی لڑائی میں چُھپنا۔	۲۱۱
۵	دو انصاری بچوں کا ابوجہل کو قتل کرنا۔	۲۱۲
۶	رافع رضی اللہ عنہ اور ابنِ جندب رضی اللہ عنہ کا مقابلہ۔	۲۱۳
۷	زید رضی اللہ عنہ کا قرآن کی وجہ سے تقدم۔	۲۱۵
۸	ابوسعید رضی اللہ عنہ خدری کے باپ کا انتقال۔	۲۱۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۹	سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی غابہ پر دوڑ۔	۲۱۶
۱۰	بدر کا مقابلہ اور براء رضی اللہ عنہ کا شوق۔	۲۱۸
۱۱	عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عبداللہ بن ابی کا اپنے باپ سے معاملہ۔	۲۱۹
۱۲	جابر رضی اللہ عنہ کی حمراء الاسد میں شرکت۔	۲۲۱
۱۳	ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی بہادری روم کی لڑائی میں۔	۲۲۲
۱۴	عمرو رضی اللہ عنہ بن سلمہ کا کفر کی حالت میں قرآن یاد کرنا۔	۲۲۳
۱۵	ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اپنے غلام کے پاؤں میں بیڑی ڈالنا۔	۲۲۴
۱۶	ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بچپن میں حفظ قرآن۔	۲۲۴
۱۷	عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کا حفظ حدیث۔	۲۲۵
۱۸	زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا حفظ قرآن۔	۲۲۷
۱۹	امام حسن رضی اللہ عنہ کا بچپن میں علمی مشغلہ۔	۲۲۸
۲۰	امام حسین رضی اللہ عنہ کا علمی مشغلہ۔	۲۲۹
	باب دوازدہم (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کے واقعات)	۲۳۱
۱	ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اعلانِ اسلام اور تکلیف۔	۲۳۲
۲	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر رنج۔	۲۳۴
۳	ایک عورت کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کے لئے بے قرار ہونا۔	۲۳۶
۴	حدیبیہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ اور مغیرہ رضی اللہ عنہ کا فعل اور عام صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل۔	۲۳۶
۵	ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا خون پینا۔	۲۴۰
۶	مالک رضی اللہ عنہ بن سنان کا خون پینا۔	۲۴۰
۷	زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا اپنے باپ کو انکار۔	۲۴۱
۸	انس بن نضر رضی اللہ عنہ کا عمل اُحد کی لڑائی میں۔	۲۴۳
۹	سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا پیام اُحد میں۔	۲۴۴
۱۰	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر دیکھ کر ایک عورت کی موت۔	۲۴۴
۱۱	صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت کے متفرق قصے۔	۲۴۵
۱۲	خاتمہ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ برتاؤ اور ان کے اجمالی فضائل)	۲۵۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ وَ نُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَ اٰلِہٖ وَ صَحْبِہٖ وَ اَتْبَاعِہٖ الْحُمَاۃِ لِلدِّیْنِ الْقَوِیْمِ امابعد: اللہ کے ایک برگزیدہ بندے اور میرے مربی ومحسن کا ارشاد ۵۳ھ میں ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے چند قصّے بالخصوص کم سِن صحابہ رضی اللہ عنہم اور عورتوں کی دینداری کی کچھ حالت اردو میں لکھی جائے تا کہ جو لوگ قصّوں کے شوقین ہیں وہ واہی تباہی جھوٹی حکایات کے بجائے اگر ان کو دیکھیں تو ان کے لئے دینی ترقی کا سبب ہو اور گھر کی عورتیں اگر راتوں میں بچوں کو جھوٹی کہانیوں کی بجائے اِن کو سنائیں تو بچوں کے دل میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبّت اور عظمت کے ساتھ دینی امور کی طرف رغبت پیدا ہو۔ میرے لئے اس ارشاد کی تعمیل بہت ہی ضروری تھی کہ احسانات میں ڈوبے ہوئے ہونے کے علاوہ اللہ والوں کی خوشنودی دو جہان میں فلاح کا سبب ہوتی ہے۔ مگر اس کے باوجود اپنی کم مائیگی سے یہ امید نہ ہوئی کہ میں اس خدمت کو مرضی کے موافق ادا کر سکتا ہوں۔ اس لئے چار برس تک بار بار اس ارشاد کو سنتا رہا اور اپنی نااہلیت سے شرمندہ ہوتا رہا کہ صفر ۱۳۵۷ھ میں ایک مرض کی وجہ سے چند روز کے لئے دماغی کام سے روک دیا گیا۔ تو مجھے خیال ہوا کہ ان خالی ایّام کو اس بابرکت مشغلہ میں گذار دوں کہ اگر یہ اوراق پسندِ خاطر نہ ہوئے تب بھی میرے یہ خالی اوقات تو بہترین اور بابرکت مشغلہ میں گذر ہی جائیں گے۔

اس میں شک نہیں کہ اللہ والوں کے قصّے ان کے حالات یقیناً اس قابل ہیں کہ ان کی تحقیق اور تفتیش کی جائے اور ان سے سبق حاصل کیا جائے، بالخصوص صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت جس کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے اپنے لاڈلے نبی اور پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کے لئے چُنا اس کی مُستحق ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے۔ اس کے علاوہ اللہ والوں کے ذکر سے اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ صوفیاء کے سردار حضرت جُنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ حکایتیں اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے جس سے مُریدین کے دلوں کو تقوِیت حاصل ہوتی ہے۔

کسی نے دریافت کیا کہ اس کی کوئی دلیل بھی ہے؟ فرمایا: ہاں! اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا ارشاد ہے:

"وَكُلًّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَانُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ وَجَآءَكَ فِي هٰذِهِ الْحَقُّ وَ مَوْعِظَةٌ وَّ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝"

ترجمہ: "اور پیغمبروں کے قصّوں میں سے ہم یہ سارے قصّے آپ سے بیان کرتے ہیں جن کے ذریعہ سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں (ایک فائدہ تو یہ ہوا) اور ان قصّوں میں آپ کے پاس ایسا مضمون پہنچتا ہے جو خود بھی راست اور واقعی ہے اور مسلمانوں کے لئے نصیحت ہے (اور اچھے کام کرنے کی) یاددہانی ہے۔" (بیان القرآن)

ایک ضروری بات یہ بھی دل میں جما لینے کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں ہوں یا بزرگوں کے حالات، اسی طرح مسائل کی کتابیں ہوں یا مُعتبر لوگوں کے وعظ وارشادات یہ ایسی چیزیں نہیں ہوتیں کہ ایک مرتبہ دیکھ لینے کے بعد ہمیشہ کو ختم کر دیا جائے، بلکہ اپنی حالت اور استعداد کے مُوافق بار بار دیکھتے رہنا چاہیئے۔ ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک وعظ کی مجلس میں حاضر ہوا تو ان کے وعظ نے میرے دل پر اثر کیا، مگر جب وعظ ختم ہوا تو وہ اثر بھی ختم ہو گیا میں دوبارہ ان کی مجلس میں حاضر ہوا تو اس وعظ کا اثر فارغ ہونے کے بعد گھر کے راستہ میں بھی رہا تیسری مرتبہ پھر حاضر ہوا تو اس کا اثر گھر میں پہنچنے پر بھی رہا۔ میں نے گھر جا کر اللہ کی نافرمانی کے جو اسباب تھے سب توڑ دیئے اور اللہ کا راستہ اختیار کر لیا۔ اسی طرح دینی کتابوں کا بھی حال ہے کہ محض سرسری طور پر ایک مرتبہ ان کے پڑھ لینے سے اثر کم ہوتا ہے، اس لئے کبھی کبھی پڑھتے رہنا چاہیئے، پڑھنے والوں کی سہولت اور مضامین کے دل نشین ہونے کے خیال سے میں نے اس رسالہ کو بارہ ۱۲ بابوں اور ایک خاتمہ پر تقسیم کیا ہے۔

۱: پہلا باب : دین کی خاطر سختیوں کا برداشت کرنا اور تکالیف و مشقّت کا جھیلنا۔
۲: دوسرا باب : اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا خوف اور ڈر جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی خاص عادت تھی۔
۳: تیسرا باب : صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی کا نمونہ۔

۴: چوتھا باب : صحابہ رضی اللہ عنہم کے تقویٰ اور پرہیز گاری کی حالت۔

۵: پانچواں باب: نماز کا شوق اور اس کا اہتمام۔

۶: چھٹا باب : ہمدردی اور اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دینا اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا۔

۷: ساتواں باب: بہادری و دلیری اور ہمّت و شُجاعت اور موت کا شوق۔

۸: آٹھواں باب: علمی مَشاغل اور علمی اِنہماک کا نمونہ۔

۹: نواں باب : حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تعمیل۔

۱۰: دسواں باب : عورتوں کا دینی جذبہ اور بہادری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں اور اولاد کا بیان۔

۱۱: گیارہواں باب: بچوں کا دینی وَلوَلہ اور بچپن میں دین کا اہتمام۔

۱۲: بارھواں باب: حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبّت کا نمونہ۔

☆ خاتمہ : صَحابہ رضی اللہ عنہم کے حقوق اور ان کے مختصر فضائل۔

پہلا باب

دین کی خاطر سختیوں کا برداشت کرنا اور تکالیف و مَشَقَّت کا جھیلنا

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے دین کے پھیلانے میں جس قدر تکلیفیں اور مشقّتیں برداشت کی ہیں، ان کا برداشت کرنا تو درکنار اس کا ارادہ کرنا بھی ہم جیسے نالائقوں سے دُشوار ہے۔ تاریخ کی کتابیں ان واقعات سے بھری ہوئی ہیں۔ مگر اِن پر عمل کرنا تو علیحدہ رہا، ہم اِن کے معلوم کرنے کی بھی تکلیف نہیں کرتے۔ اس باب میں چند قِصّوں کو نمونہ کے طور پر ذکر کرنا ہے۔ ان میں سب سے پہلے خود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قصّہ سے ابتدا کرتا ہوں کہ حضور کا ذکر برکت کا ذریعہ ہے۔

(۱) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طائف کے سفر کا قصّہ

نُبوّت مِل جانے کے بعد نو۹ برس تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ مکرمہ میں تبلیغ فرماتے رہے اور قوم کی ہدایت اور اصلاح کی کوشش فرماتے رہے، لیکن تھوڑی سی جماعت کے سوا جو مسلمان ہوگئی تھی اور تھوڑے سے ایسے لوگوں کے علاوہ جو باوجود مسلمان نہ ہونے کے آپ کی مدد کرتے تھے، اکثر کُفّارِ مکّہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو ہر طرح کی تکلیفیں پہنچاتے تھے، مذاق اُڑاتے تھے اور جو ہوسکتا تھا اس سے درگذر نہ کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اَبوطالِب بھی انہی نیک دل لوگوں میں تھے جو باوجود مسلمان نہ ہونے کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر قسم کی مدد فرماتے تھے۔ دسویں سال میں جب ابوطالب کا بھی انتقال ہوگیا تو کافروں کو اور بھی ہر طرح کھلے مُہار اسلام سے روکنے اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کا موقع ملا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اِس خیال سے طائف تشریف لے گئے کہ وہاں قبیلۂ ثَقِیف کی بڑی جماعت ہے، اگر وہ قبیلہ مسلمان ہوجائے تو مسلمانوں کو اِن تکلیفوں سے نجات ملے اور دین کے پھیلنے کی بنیاد پڑ جائے، وہاں پہنچ کر قبیلہ کے تین سرداروں سے جو بڑے درجے کے سمجھے جاتے تھے گفتگو فرمائی اور اللہ کے دین کی طرف بُلایا اور اللہ کے رسول کی یعنی اپنی مدد کی طرف مُتوجّہ کیا، مگر ان لوگوں نے بجائے اس کے کہ دین کی بات کو قُبول کرتے یا کم سے کم

عرب کی مشہور مہمان نوازی کے لحاظ سے ایک نَو وارد مہمان کی خاطِر ومُدارات کرتے صاف جواب دے دیا اور نہایت بے رُخی اور بداخلاقی سے پیش آئے۔

اُن لوگوں نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ آپ یہاں قیام فرمالیں۔ جن لوگوں کو سردار سمجھ کر بات کی تھی کہ وہ شریف ہوں گے اور مُہَذَّب گفتگو کریں گے اُن میں سے ایک شخص بولا کہ اوہو! آپ ہی کو اللہ نے نبی بنا کر بھیجا ہے۔ دوسرا بولا کہ اللہ کو تمہارے سوا کوئی اور ملتا ہی نہیں تھا جس کو رسول بنا کر بھیجتے۔ تیسرے نے کہا کہ میں تجھ سے بات کرنا نہیں چاہتا، اس لئے کہ اگر تو واقعی نبی ہے جیسا کہ دعویٰ ہے تو تیری بات سے انکار کر دینا مصیبت سے خالی نہیں اور اگر جھوٹ ہے تو میں ایسے شخص سے بات کرنا نہیں چاہتا۔ اس کے بعد اِن لوگوں سے نا اُمید ہو کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور لوگوں سے بات کرنے کا ارادہ فرمایا کہ آپ تو ہمّت اور استقلال کے پہاڑ تھے، مگر کسی نے بھی قُبول نہ کیا، بلکہ بجائے قبول کرنے کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہمارے شہر سے فوراً نکل جاؤ، اور جہاں تمہاری چاہت کی جگہ ہو وہاں چلے جاؤ۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اُن سے بالکل مایوس ہو کر واپس ہونے لگے تو اِن لوگوں نے شہر کے لڑکوں کو پیچھے لگا دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑائیں، تالیاں پیٹیں، پتھر ماریں، حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں جوتے خون کے جاری ہونے سے رنگین ہو گئے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت میں واپس ہوئے۔

جب راستہ میں ایک جگہ ان شریروں سے اطمینان ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ اِلَیْكَ اَشْكُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ	اے اللہ! تجھی سے شکایت کرتا ہوں میں
وَ قِلَّةَ حِیْلَتِیْ وَ ھَوَانِیْ عَلَی	اپنی کمزوری اور بے کسی کی اور لوگوں میں
النَّاسِ. یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ! اَنْتَ	ذلّت اور رسوائی کی۔ اے اَرْحَمَ الرَّاحمین! تو
رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ وَ اَنْتَ رَبِّیْ	ہی ضُعفاء کا رب ہے اور تو ہی میرا پروردگار
اِلٰی مَنْ تَكِلُنِیْ اِلٰی بَعِیْدٍ	ہے، تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے، کسی
یَتَجَھَّمُنِیْ اَمْ اِلٰی عَدُوٍّ مَلَّكْتَهٗ	اجنبی بیگانہ کے جو مجھے دیکھ کر تُرش رُو ہوتا
اَمْرِیْ. اِنْ لَّمْ یَكُنْ بِكَ عَلَیَّ	ہے اور منہ چڑھاتا ہے یا کہ کسی دشمن کے
غَضَبٌ فَلَا اُبَالِیْ وَلٰكِنْ عَافِیَتُكَ	جس کو تو نے مجھ پر قابو دے دیا۔ اے اللہ!

هِيَ اَوْسَعُ لِيْ، اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ مِنْ اَنْ تُنْزِلَ بِيْ غَضَبَكَ اَوْيَحُلَّ عَلَيَّ سَخَطُكَ، لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَ لَاحَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ. (كَذَا فِيْ سِيْرَةِ ابْنِ هِشَام، قلت: واختلفت الروايات فى ألفاظ الدعاء كما فى "قرّة العيون")

اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے، تیری حفاظت مجھے کافی ہے، میں تیرے چہرہ کے اُس نور کے طفیل جس سے تمام اندھیریاں روشن ہو گئیں اور جس سے دنیا اور آخرت کے سارے کام درست ہو جاتے ہیں اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غصّہ ہو یا تو مجھ سے ناراض ہو۔ تیری ناراضگی کا اس وقت تک دور کرنا ضروری ہے جب تک تو راضی نہ ہو، نہ تیرے سوا کوئی طاقت ہے نہ قوّت۔

مَالِكُ الْمُلک کی شانِ قہاری کو اس پر جوش آنا ہی تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر سلام کیا اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کی وہ گفتگو جو آپ سے ہوئی سُنی اور ان کے جوابات سُنے اور ایک فرشتہ کو جس کے مُتعلق پہاڑوں کی خدمت ہے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ جو چاہیں اس کو حکم دیں۔ اس کے بعد اس فرشتہ نے سلام کیا اور عرض کیا کہ جو اِرشاد ہو میں اس کی تعمیل کروں، اگر ارشاد ہو تو دونوں جانب کے پہاڑوں کو ملا دوں جس سے یہ سب درمیان میں کچل جائیں یا اور جو سزا آپ تجویز فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحیم و کریم ذات نے جواب دیا کہ میں اللہ سے اس کی امید رکھتا ہوں کہ اگر یہ مسلمان نہیں ہوئے تو اُن کی اولاد میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو اللہ کی پرستش کریں اور اس کی عبادت کریں۔

ف: یہ ہیں اخلاق اس کریم ذات کے جس کے ہم لوگ نام لیوا ہیں کہ ہم ذرا سی تکلیف سے، کسی کی معمولی سی گالی دے دینے سے ایسے بھڑک جاتے ہیں کہ پھر عمر بھر اس کا بدلہ نہیں اترتا، ظلم پر ظلم اس پر کرتے رہتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں اپنے محمدی ہونے کا، نبی کے پیرو بننے کا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اتنی سخت تکلیف اور مشقّت اٹھانے کے باوجود نہ بددُعا فرماتے ہیں نہ کوئی بدلہ لیتے ہیں۔

(۲) قصّہ حضرت اَنَس بن نَضر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے جو بدر کی لڑائی میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ ان کو اس چیز کا صدمہ تھا، اس پر اپنے نفس کو ملامت کرتے تھے کہ اسلام کی پہلی عظیمُ الشّان لڑائی اور تُو اس میں شریک نہ ہوسکا، اُس کی تمنّا تھی کہ کوئی دوسری لڑائی ہو تو حوصلے پورے کروں۔ اِتّفاق سے اُحد کی لڑائی پیش آ گئی جس میں یہ بڑی بہادری اور دلیری سے شریک ہوئے۔ اُحد کی لڑائی میں اوّل اوّل تو مسلمانوں کو فتح ہوئی، مگر آخر میں ایک غلطی کی وجہ سے مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ وہ غلطی یہ تھی کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ آدمیوں کو ایک خاص جگہ مقرر فرمایا تھا کہ تم لوگ اتنے میں نہ کہوں اس جگہ سے نہ ہٹنا کہ وہاں سے دشمن کے حملہ کرنے کا اندیشہ تھا۔ جب مسلمانوں کو شروع میں فتح ہوئی تو کافروں کو بھاگتا ہوا دیکھ کر یہ لوگ بھی اپنی جگہ سے یہ سمجھ کر ہٹ گئے کہ اب جنگ ختم ہو چکی، اس لئے بھاگتے ہوئے کافروں کا پیچھا کیا جائے اور غنیمت کا مال حاصل کیا جائے۔ اس جماعت کے سردار نے منع بھی کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مُمانعت تھی تم یہاں سے نہ ہٹو، مگر ان لوگوں نے یہ سمجھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد صرف لڑائی کے وقت کے واسطے تھا وہاں سے ہٹ کر میدان میں پہنچ گئے۔ بھاگتے ہوئے کافروں نے اس جگہ کو خالی دیکھ کر اس طرف سے آ کر حملہ کر دیا۔ مسلمان بے فکر تھے، اس اچانک بے خبری کے حملہ سے مغلوب ہو گئے اور دونوں طرف سے کافروں کے بیچ میں آ گئے، جس کی وجہ سے اِدھر اُدھر پریشان بھاگ رہے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ سامنے سے ایک دوسرے صحابی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ آ رہے ہیں۔ ان سے کہا کہ اے سعد! کہاں جا رہے ہو؟ خدا کی قسم! جنّت کی خوشبو اُحد کے پہاڑ سے آ رہی ہے۔ یہ کہہ کر تلوار تو ہاتھ میں تھی ہی کافروں کے ہُجوم میں گھس گئے اور اتنے شہید نہیں ہو گئے واپس نہیں ہوئے۔ شہادت کے بعد اُن کے بدن کو دیکھا گیا تو چھلنی ہو گیا تھا۔ اَسّی[۸۰] سے زیادہ زخم تیر اور تلوار کے بدن پر تھے۔ ان کی بہن نے انگلیوں کے پوروں سے ان کو پہچانا۔

ف: جو لوگ اخلاص اور سچّی طلب کے ساتھ اللہ کے کام میں لگ جاتے ہیں ان کو

دنیا ہی میں جنّت کا مزہ آنے لگتا ہے۔ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ زندگی ہی میں جنّت کی خوشبو سونگھ رہے تھے۔ اگر اخلاص آدمی میں ہو جاوے تو دنیا میں بھی جنّت کا مزہ آنے لگتا ہے۔ میں نے ایک مُعتبر شخص سے جو حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے مخلص خادم ہیں حضرت کا مقولہ سنا ہے کہ ”جنّت کا مزہ آرہا ہے“۔ فضائلِ رمضان میں اس قصّہ کو لکھ چکا ہوں۔

(۳) صلح حُدَیبیّہ اور اَبُو جَندَل رضی اللہ عنہ اور اَبُو بَصیر رضی اللہ عنہ کا قصّہ

۶ھ میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے ارادہ سے مکّہ تشریف لے جا رہے تھے۔ کفارِ مکّہ کو اس کی خبر ہوئی اور وہ اس خبر کو اپنی ذِلّت سمجھے، اس لئے مُزاحمت کی، اور حُدَیبیہ میں آپ کو رکنا پڑا۔ جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم ساتھ تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جان قربان کرنا فخر سمجھتے تھے لڑنے کو تیار ہو گئے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ والوں کی خاطر سے لڑنے کا ارادہ نہیں فرمایا اور صلح کی کوشش کی، اور باوجود صحابہ رضی اللہ عنہم کی لڑائی پر مُستَعدّی اور بہادری کے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کُفّار کی اس قدر رعایت فرمائی کہ ان کی ہر شرط کو قبول فرمالیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس طرح دب کر صلح کرنا بہت ہی ناگوار تھا، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے سامنے کیا ہو سکتا تھا کہ جاں نثار تھے اور فرمانبردار، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے بہادروں کو بھی دبنا پڑا۔ صلح میں جو شرطیں طے ہوئیں ان شرطوں میں ایک یہ شرط بھی تھی کہ کافروں میں سے جو شخص اسلام لائے اور ہجرت کرے، مسلمان اس کو مکّہ واپس کر دیں اور مسلمانوں سے خدانخواستہ اگر کوئی شخص مُرتَد ہو کر چلا آئے تو وہ واپس نہ کیا جائے۔

یہ صلح نامہ ابھی تک پورا لکھا بھی نہیں گیا تھا کہ حضرت ابو جَندل رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے جو اسلام لانے کی وجہ سے طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کر رہے تھے اور زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے۔ اسی حالت میں گرتے پڑتے مسلمانوں کے لشکر میں اس امید پر پہنچے کہ ان لوگوں کی حمایت میں جا کر اس مصیبت سے چھٹکارا پاؤں گا۔ ان کے باپ سہیل نے جو اس صلح نامہ میں کفار کی طرف سے وکیل تھے اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے،

فتح مکّہ میں مسلمان ہوئے، انہوں نے صاحبزادے کے طمانچے مارے اور واپس لے جانے پر اصرار کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابھی صلح نامہ مُرَتَّب بھی نہیں ہوا، اس لئے ابھی پابندی کس بات کی، مگر انہوں نے اصرار کیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی مجھے مانگا ہی دے دو، مگر وہ لوگ ضد پر تھے، نہ مانا۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو پکار کر فریاد بھی کی کہ میں مسلمان ہو کر آیا اور کتنی مصیبتیں اٹھا چکا، اب واپس کیا جا رہا ہوں۔ اس وقت مسلمانوں کے دلوں پر جو گذر رہی ہوگی اللہ ہی کو معلوم ہے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے واپس ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلّی فرمائی اور صبر کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ عنقریب حق تعالیٰ شانہٗ تمہارے لئے راستہ نکالیں گے۔

صلح نامہ کے مکمّل ہو جانے کے بعد ایک دوسرے صحابی ابو بصیر رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہو کر مدینہ مُنوّرہ پہنچے۔ کفار نے ان کو واپس بُلانے کے لئے دو آدمی بھیجے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حسبِ وعدہ واپس فرما دیا۔ ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے عرض بھی کیا کہ یا رسول اللہ! میں مسلمان ہو کر آیا، آپ مجھے کفار کے پنجہ میں پھر بھیجتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے بھی صبر کرنے کو ارشاد فرمایا اور فرمایا کہ ان شاء اللہ عنقریب تمہارے واسطے راستہ کُھلے گا۔ یہ صحابی رضی اللہ عنہ ان دونوں کافروں کے ساتھ واپس ہوئے۔ راستہ میں ان میں سے ایک سے کہنے لگے کہ یار! تیری یہ تلوار تو بڑی نفیس معلوم ہوتی ہے۔ شیخی باز آدمی ذرا سی بات میں پھول ہی جاتا ہے، وہ نیام سے تلوار نکال کر کہنے لگا کہ ہاں! میں نے بہت سے لوگوں پر اس کا تجربہ کیا ہے۔ یہ کہہ کر تلوار ان کے حوالہ کر دی، انہوں نے اسی پر اس کا تجربہ کیا۔ دوسرا ساتھی یہ دیکھ کر کہ ایک کو تو نمٹا دیا اب میرا نمبر ہے بھاگا ہوا مدینہ آیا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا ساتھی مر چکا ہے، اب میرا نمبر ہے۔ اس کے بعد ابو بصیر رضی اللہ عنہ پہنچے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اپنا وعدہ پورا فرما چکے کہ مجھے واپس کر دیا اور مجھ سے کوئی عہد ان لوگوں کا نہیں ہے جس کی ذمہ داری ہو۔ وہ مجھے میرے دین سے ہٹاتے ہیں، اس لئے میں نے یہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لڑائی بھڑکانے والا ہے۔ کاش! کوئی اس کا مُعین و مددگار ہوتا۔ وہ اس کلام سے سمجھ گئے کہ اب بھی اگر کوئی میری طلب میں آئے گا تو میں

واپس کر دیا جاؤں گا۔ اس لئے وہ وہاں سے چل کر سمندر کے کنارے ایک جگہ آپڑے۔

مکّہ والوں کو اس قصّہ کا حال معلوم ہوا تو اَبُو جَندل رضی اللہ عنہ بھی جن کا قصّہ پہلے گذرا چُھپ کر وہیں پہنچ گئے۔ اسی طرح جو شخص مسلمان ہوتا وہ ان کے ساتھ جا ملتا۔ چند روز میں یہ ایک مختصر سی جماعت ہوگئی۔ جنگل میں جہاں نہ کھانے کا کوئی انتظام، نہ وہاں باغات اور آبادیاں، اس لئے ان لوگوں پر جو گذری ہوگی وہ تو اللہ ہی کو معلوم ہے، مگر جن ظالموں کے ظلم سے پریشان ہو کر یہ لوگ بھاگے تھے ان کا ناطِقہ بند کر دیا۔ جو قافلہ ادھر کو جاتا اس سے مقابلہ کرتے اور لڑتے، حتیٰ کہ کفارِ مکّہ نے پریشان ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عاجزی اور مِنّت کر کے اللہ کا اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر آدمی بھیجا کہ اس بے سَری جماعت کو آپ اپنے پاس بلا لیں کہ یہ مُعاہدہ میں تو داخل ہو جائیں اور ہمارے لئے آنے جانے کا راستہ کھلے۔ لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اجازت نامہ جب ان حضرات کے پاس پہنچا تو ابوبصیر رضی اللہ عنہ مرضُ الموت میں گرفتار تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ ہاتھ میں تھا کہ اسی حالت میں انتقال فرمایا (رضی اللہ عنہ وارضاہ)[1]

ف: آدمی اگر اپنے دین پر پکّا ہو، بشرطیکہ دین بھی سچّا ہو، تو بڑی سے بڑی طاقت اُس کو نہیں ہٹا سکتی اور مسلمان کی مدد کا تو اللہ کا وعدہ ہے بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔

(۴) حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا اسلام اور مصائب

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں جو مسجدِ نبوی کے ہمیشہ مُؤَذِّن رہے۔ شروع میں ایک کافر کے غلام تھے، اسلام لے آئے جس کی وجہ سے طرح طرح کی تکلیفیں دیئے جاتے تھے۔ اُمَیّہ بن خَلَف جو مسلمانوں کا سخت دشمن تھا ان کو سخت گرمی میں دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت پر سیدھا لٹا کر ان کے سینہ پر پتھر کی بڑی چٹان رکھ دیتا تھا تاکہ وہ حرکت نہ کر سکیں اور کہتا تھا کہ یا اس حال میں مر جائیں، اور زندگی چاہیں تو اسلام سے ہٹ جائیں، مگر وہ اس حالت میں بھی ''اَحد اَحد'' کہتے تھے، یعنی معبود ایک ہی ہے۔ رات کو زنجیروں میں باندھ کر کوڑے لگائے جاتے اور اگلے دن اُن زخموں کو گرم زمین پر ڈال کر اور زیادہ زخمی

[1] بخاری و فتح

کیا جاتا، تاکہ بے قرار ہوکر اسلام سے پھر جاویں یا تڑپ تڑپ کر مر جائیں۔ عذاب دینے والے اُکتا جاتے، کبھی ابوجہل کا نمبر آتا، کبھی امیّہ بن خلف کا، کبھی اوروں کا، اور ہر شخص اس کی کوشش کرتا کہ تکلیف دینے میں زور ختم کر دے۔ حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ نے اس حالت میں دیکھا تو اُن کو خرید کر آزاد فرمایا۔

ف: چونکہ عرب کے بُت پرست اپنے بتوں کو بھی معبود کہتے تھے، اس لئے ان کے مقابلہ میں اسلام کی تعلیم توحید کی تھی، جس کی وجہ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زبان پر ''ایک ہی ایک'' کا وِرد تھا۔ یہ تعلّق اور عشق کی بات ہے، ہم جھوٹی محبتوں میں دیکھتے ہیں کہ جس سے محبّت ہوجاتی ہے اس کا نام لینے میں لطف آتا ہے، بے فائدہ اس کو رٹا جاتا ہے تو اللہ کی محبّت کا کیا کہنا جو دین اور دنیا میں دونوں جگہ کام آنے والی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ہر طرح سے ستایا جاتا تھا، سخت سے سخت تکلیفیں پہنچائی جاتی تھیں۔ مکّہ کے لڑکوں کے حوالہ کر دیا جاتا کہ وہ اُن کو گلی کوچوں میں چکر دیتے پھریں اور یہ تھے کہ ''ایک ہی ایک ہے'' کی رَٹ لگاتے تھے۔ اسی کا یہ صِلہ ملا کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں مؤذّن بنے اور سفر حضر میں ہمیشہ اذان کی خدمت اُن کے سُپرد ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مدینہ طیّبہ میں رہنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کو خالی دیکھنا مشکل ہوگیا۔ اس لئے ارادہ کیا کہ اپنی زندگی کے جَے دن ہیں جہاد میں گذاردوں، اس لئے جہاد میں شرکت کی نیت سے چل دیئے۔ ایک عرصہ تک مدینہ منورہ لوٹ کر نہیں آئے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلال! یہ کیا ظلم ہے ہمارے پاس کبھی نہیں آتے؟ تو آنکھ کھلنے پر مدینہ طیّبہ حاضر ہوئے۔ حضرت حسن حسین رضی اللہ عنہما نے اذان کی فرمائش کی۔ لاڈلوں کی فرمائش ایسی نہیں تھی کہ انکار کی گنجائش ہوتی۔ اذان کہنا شروع کی اور مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی اذان کانوں میں پڑ کر کُہرام مچ گیا۔ عورتیں تک روتی ہوئی گھر سے نکل پڑیں۔ چند روز قیام کے بعد واپس ہوئے اور ۲۰ھ کے قریب دمشق میں وصال ہوا۔ (اسد الغابہ)

(۵) حضرت ابوذر غِفاری رضی اللہ عنہ کا اسلام

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں جو بعد میں بڑے زاہدوں اور بڑے علماء میں سے ہوئے۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ ابوذر ایسے علم کو حاصل کئے ہوئے ہیں جس سے لوگ عاجز ہیں، مگر انہوں نے اس کو محفوظ کر رکھا ہے۔ جب ان کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی پہلے پہل خبر پہنچی تو اُنہوں نے اپنے بھائی کو حالات کی تحقیق کے واسطے مکّہ بھیجا کہ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میرے پاس وحی آتی ہے اور آسمان کی خبریں آتی ہیں اس کے حالات معلوم کریں اور اس کے کلام کو غور سے سنیں۔ وہ مکّہ مکرمہ آئے اور حالات معلوم کرنے کے بعد اپنے بھائی سے جا کر کہا کہ میں نے ان کو اچھی عادتوں اور عمدہ اخلاق کا حکم کرتے دیکھا اور ایک ایسا کلام سنا جو نہ شعر ہے، نہ کاہنوں کا کلام ہے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کی اس مُجمل بات سے تَشَفّی نہ ہوئی تو خود سامانِ سفر کیا اور مکّہ پہنچے اور سیدھے مسجدِ حرام میں گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچانتے نہیں تھے اور کسی سے پوچھنا مَصلحت کے خلاف سمجھا، شام تک اسی حال میں رہے۔

شام کو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے دیکھا کہ ایک پردیسی مسافر ہے۔ مسافروں کی، غریبوں کی، پردیسیوں کی خبر گیری، ان کی ضرورتوں کا پورا کرنا، ان حضرات کی گھٹّی میں پڑا ہوا تھا، اس لئے ان کو اپنے گھر لے آئے، میزبانی فرمائی، لیکن اس کے پوچھنے کی کچھ ضرورت نہ سمجھی کہ کون ہو، کیوں آئے؟ مسافر نے بھی کچھ ظاہر نہ کیا۔ صبح کو پھر مسجد میں آ گئے اور دن بھر اسی حال میں گذرا کہ خود پتہ نہ چلا اور دریافت کسی سے کیا نہیں، غالباً اس کی وجہ یہ ہوگی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنی کے قصّے بہت مشہور تھے۔ آپ کو اور آپ کے ملنے والوں کو ہر طرح کی تکلیفیں دی جاتی تھیں۔ ان کو خیال ہوا ہو کہ صحیح حال معلوم نہیں ہوگا اور بدگمانی کی وجہ سے مفت کی تکلیف علیحدہ رہی۔ دوسرے دن شام کو بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خیال ہوا کہ پردیسی مسافر ہے، بظاہر جس غرض کے لئے آیا ہے وہ پوری نہیں ہوئی، اس لئے پھر اپنے گھر لے گئے اور رات کو کھلایا سُلایا، مگر پوچھنے کی اس رات بھی نوبت نہ آئی۔ تیسری رات کو پھر یہی صورت ہوئی تو حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے دریافت کیا کہ تم کس کام

سے آئے ہو، کیا غرض ہے؟ تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اول ان کو قسم اور عہد و پیمان دیئے اس بات کے کہ وہ صحیح بتائیں۔ اس کے بعد اپنی غرض بتلائی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا کہ وہ بیشک اللہ کے رسول ہیں اور صبح کو جب میں جاؤں تو تم میرے ساتھ چلنا، میں وہاں تک پہنچادوں گا، لیکن مخالفت کا زور ہے، اس لئے راستہ میں اگر مجھے کوئی شخص ایسا ملا جس سے میرے ساتھ چلنے کی وجہ سے تم پر کوئی اندیشہ ہو تو میں پیشاب کرنے لگوں گا یا اپنا جوتا درست کرنے لگوں گا، تم سیدھے چلے چلنا، میرے ساتھ ٹھہرنا نہیں جس کی وجہ سے تمہارا میرا ساتھ ہونا معلوم نہ ہو۔ چنانچہ صبح کو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے پیچھے پیچھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ وہاں جا کر بات چیت ہوئی، اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی تکلیف کے خیال سے فرمایا کہ اپنے اسلام کو ابھی ظاہر نہ کرنا، چپکے سے اپنی قوم میں چلے جاؤ۔ جب ہمارا غلبہ ہو جائے اس وقت چلے آنا۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس کلمۂ توحید کو ان بے ایمانوں کے بیچ میں چلّا کے پڑھوں گا۔ چنانچہ اسی وقت مسجدِ حرام میں تشریف لے گئے اور بلند آواز سے "اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" پڑھا۔ پھر کیا تھا؟ چاروں طرف سے لوگ اٹھے اور اس قدر مارا کہ زخمی کر دیا، مرنے کے قریب ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو اس وقت تک مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے ان کے اوپر بچانے کے لئے لیٹ گئے اور لوگوں سے کہا کہ کیا ظلم کرتے ہو؟ یہ شخص قبیلۂ غِفار کا ہے اور یہ قبیلہ ملکِ شام کے راستہ میں پڑتا ہے، تمہاری تجارت وغیرہ سب ملکِ شام کے ساتھ ہے۔ اگر یہ مر گیا تو شام کا جانا آنا بند ہو جائے گا۔ اس پر ان لوگوں کو بھی خیال ہوا کہ ملکِ شام سے ساری ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، وہاں کا راستہ بند ہو جانا مصیبت ہے، اس لئے ان کو چھوڑ دیا۔ دوسرے دن پھر اسی طرح انہوں نے جا کر بآواز بلند کلمہ پڑھا اور لوگ اس کلمہ کے سننے کی تاب نہ لا سکتے تھے، اس لئے ان پر ٹوٹ پڑے۔ دوسرے دن بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسی طرح ان کو سمجھا کر ہٹایا کہ تمہاری تجارت کا راستہ بند ہو جائے گا۔

ف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے باوجود کہ اپنے اسلام کو چھپاؤ، ان کا یہ فعل حق

کے اظہار کا وَلوَلہ اور غلبہ تھا کہ جب یہ دین حق ہے تو کسی کے باپ کا کیا اجارہ ہے جس سے ڈر کر چھپایا جائے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منع فرمانا شفقت کی وجہ سے تھا کہ ممکن ہے تکالیف کا تحمّل نہ ہو، ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ مجال ہی نہ تھی۔ چنانچہ اس کا کچھ نمونہ مستقل باب میں آرہا ہے، چونکہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی دین کے پھیلانے میں ہر قسم کی تکلیفیں برداشت فرمارہے تھے، اس لئے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے سہولت پر عمل کے بجائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اِتّباع کو ترجیح دی۔ یہی ایک چیز تھی کہ جس کی وجہ سے ہر قسم کی ترقی دینی ودُنیوِی صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قدم چوم رہی تھی اور ہر میدان ان کے قبضہ میں تھا کہ جو شخص بھی ایک مرتبہ کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام کے جھنڈے کے نیچے آجاتا تھا، بڑی سے بڑی قوّت بھی اس کو روک نہ سکتی تھی اور نہ بڑے سے بڑا ظلم اس کو دین کی اِشاعت سے ہٹا سکتا تھا۔

(۶) حضرت خَبّاب بن الاَرَتّ رضی اللہ عنہ کی تکلیفیں

حضرت خباب بن اَلاَرَتّ رضی اللہ عنہ بھی انہی مُبارک ہستیوں میں ہیں جنہوں نے امتحان کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا تھا اور اللہ کے راستہ میں سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کیں۔ شروع ہی میں پانچ چھ آدمیوں کے بعد مسلمان ہوگئے تھے اس لئے بہت زمانہ تک تکلیفیں اٹھائیں۔ لوہے کی زِرَہ پہنا کر ان کو دھوپ میں ڈال دیا جاتا جس سے گرمی اور تپش کی وجہ سے پسینوں پر پسینے بہتے رہتے تھے۔ اکثر اوقات بالکل سیدھا گرم ریت پر لٹا دیا جاتا جس کی وجہ سے کمر کا گوشت تک گَل کر گر گیا تھا۔ یہ ایک عورت کے غلام تھے، اس کو خبر پہنچی کہ یہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے ہیں تو اس کی سزا میں لوہے کو گرم کر کے ان کے سر کو اس سے داغ دیتی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ عرصہ کے بعد اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے ان تکالیف کی تفصیل پوچھی جو ان کو پہنچائی گئیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ میری کمر دیکھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کمر دیکھ کر فرمایا کہ ایسی کمر تو کسی کی دیکھی ہی نہیں، انہوں نے عرض کیا کہ مجھے آگ کے انگاروں پر ڈال کر گھسیٹا گیا۔ میری کمر کی چربی اور خون سے وہ آگ بُجھی۔ ان حالات کے باوجود جب اسلام کو ترقی ہوئی اور فُتوحات کا دروازہ کُھلا تو اس

پر رویا کرتے کہ خدانخواستہ ہماری تکالیف کا بدلہ کہیں دنیا ہی میں تو نہیں مل گیا۔
حضرت خباب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافِ عادت بہت ہی لمبی نماز پڑھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کے متعلق عرض کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ رغبت و ڈر کی نماز تھی۔ میں نے اس میں اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں کی تھیں، دو ان میں سے قبول ہوئیں اور ایک کو انکار فرما دیا:

(۱) میں نے یہ دعا کی کہ میری ساری اُمّت قحط سے ہلاک نہ ہو جائے، یہ قبول ہوگئی۔

(۲) دوسری یہ دعا کی کہ ان پر کوئی ایسا دشمن مُسلّط نہ ہو جو اُن کو بالکل مٹا دے، یہ بھی قبول ہوگئی۔

(۳) تیسری یہ دعا کی کہ ان میں آپس میں لڑائی جھگڑے نہ ہوں، یہ بات منظور نہیں ہوئی۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ کا انتقال سینتیس ۳۷ ہجری میں ہوا اور کوفہ میں سب سے پہلے صحابی یہی دفن ہوئے۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہ کا گذر ان کی قبر پر ہوا تو ارشاد فرمایا: اللہ خباب پر رحم فرمائیں، اپنی رغبت سے مسلمان ہوا اور خوشی سے ہجرت کی اور جہاد میں زندگی گذار دی اور مصیبتیں برداشت کیں۔ مبارک ہے وہ شخص جو قیامت کو یاد رکھے اور حساب کتاب کی تیاری کرے اور گذارہ کے قابل مال پر قناعت کرے اور اپنے مولیٰ کو راضی کر لے۔ (اسد الغابہ)

ف: حقیقت میں مولیٰ کو راضی کر لینا انہی لوگوں کا حصّہ تھا کہ ان کی زندگی کا ہر کام مولیٰ ہی کی رضا کے واسطے تھا۔

(۷) حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور ان کے والدین کا ذکر

حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور ن کے ماں باپ کو بھی سخت سے سخت تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ مکّہ کی سخت گرم اور ریتلی زمین میں ان کو عذاب دیا جاتا اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرف گذر ہوتا تو صبر کی تلقین فرماتے اور جنّت کی بشارت فرماتے۔ آخر ان کے والد حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اسی حالتِ تکلیف میں وفات پا گئے کہ ظالموں نے مرنے تک چین نہ لینے دیا اور ان کی والدہ حضرت سُمیّہ رضی اللہ عنہا کی شرمگاہ میں ابو جہل ملعون نے ایک برچھا مارا جس سے وہ شہید ہوگئیں مگر اسلام سے نہ ہٹیں، حالانکہ بوڑھی تھیں، ضعیف تھیں، مگر اس بدنصیب نے کسی چیز کا

بھی خیال نہیں کیا۔ اسلام میں سب سے پہلی شہادت ان کی ہے اور اسلام میں سب سے پہلی مسجد حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی بنائی ہوئی ہے۔ جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک مکان سایہ کا بنانا چاہئے جس میں تشریف رکھا کریں، دوپہر کو آرام فرمالیا کریں اور نماز بھی سایہ میں پڑھ سکیں تو قُبا میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اول پتھر جمع کئے اور پھر مسجد بنائی۔ لڑائی میں نہایت جوش سے شریک ہوتے تھے، ایک مرتبہ مزے میں آکر کہنے لگے کہ اب جا کر دوستوں سے ملیں گے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جماعت سے ملیں گے۔ اتنے میں پیاس لگی اور پانی کسی سے مانگا۔ اس نے دودھ سامنے کیا۔ اس کو پیا اور پی کر کہنے لگے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ دنیا میں سب سے آخری چیز تو دودھ پیئے گا۔ اس کے بعد شہید ہو گئے اس وقت چورانوے ۹۴ برس کی عمر تھی۔ بعض نے ایک آدھ سال کم بتلائی ہے۔ (اسد الغابہ)

(۸) حضرت صُہیب رضی اللہ عنہ کا اسلام

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بھی حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسلمان ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقم رضی اللہ عنہ صحابی کے مکان پر تشریف فرما تھے کہ یہ دونوں حضرات علیحدہ علیحدہ حاضرِ خدمت ہوئے اور مکان کے دروازہ پر دونوں اِتّفاقیہ اکٹھے ہو گئے۔ ہر ایک نے دوسرے کی غرض معلوم کی تو ایک ہی غرض یعنی اسلام لانا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے مُستفِید ہونا دونوں کا مقصود تھا۔ اسلام لائے اور اسلام لانے کے بعد جو اس زمانہ میں اس قلیل اور کمزور جماعت کو پیش آتا تھا وہ پیش آیا، ہر طرح ستائے گئے، تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ آخر تنگ آکر ہجرت کا ارادہ فرمایا تو کافروں کو یہ چیز بھی گوارا نہ تھی کہ یہ لوگ کسی دوسری ہی جگہ جا کر آرام سے زندگی بسر کرلیں۔ اس لئے جس کسی کی ہجرت کا حال معلوم ہوتا تھا اس کو پکڑنے کی کوشش کرتے تھے کہ تکالیف سے نجات نہ پاسکے۔ چنانچہ ان کا بھی پیچھا کیا گیا اور ایک جماعت ان کو پکڑنے کے لئے گئی۔ انہوں نے اپنا ترکش سنبھالا جس میں تیر تھے اور ان لوگوں سے کہا کہ دیکھو تمہیں معلوم ہے کہ میں تم سب سے زیادہ تیرانداز ہوں، اتنے ایک بھی تیر میرے پاس باقی رہے گا تم لوگ مجھ تک نہیں آسکو گے اور جب ایک بھی تیر نہ رہے گا تو میں اپنی تلوار سے

مقابلہ کروں گا، یہاں تک کہ تلوار بھی میرے ہاتھ میں نہ رہے۔اس کے بعد جو تم سے ہو سکے کرنا۔اس لئے اگر تم چاہو تو اپنی جان کے بدلہ میں اپنے مال کا پتہ بتلا سکتا ہوں جو مکّہ میں ہے،اور دو باندیاں بھی ہیں وہ سب تم لے لو۔اس پر وہ لوگ راضی ہو گئے اور اپنا مال دے کر جان چھڑائی۔اسی بارے میں آیت پاک "وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ" ؕ (البقرۃ:۲۰۷) نازل ہوئی۔(درمنثور)

ترجمہ: بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی رضا کے واسطے اپنی جان کو خرید لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بندوں پر مہربان ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت قُبا میں تشریف فرما تھے۔صورت دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ نفع کی تجارت کی۔صُہیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کھجور نوش فرما رہے تھے اور میری آنکھ دُکھ رہی تھی، میں بھی ساتھ کھانے لگا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آنکھ تو دُکھ رہی ہے اور کھجوریں کھاتے ہو، میں نے عرض کیا کہ حضور! اُس آنکھ کی طرف سے کھاتا ہوں جو تندرست ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ جواب سن کر ہنس پڑے۔حضرت صُہیب رضی اللہ عنہ بڑے ہی خرچ کرنے والے تھے، حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ تم فضول خرچی کرتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ناحق کہیں خرچ نہیں کرتا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جب وصال ہونے لگا تو ان ہی کو جنازہ کی نماز پڑھانے کی وصیّت فرمائی تھی۔(اسد الغابہ)

(۹) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قِصّہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کے پاک نام پر آج مسلمانوں کو فخر ہے اور جن کے جوشِ ایمانی سے آج تیرہ سَو۱۳۰۰ برس بعد تک کافروں کے دلوں میں خوف ہے۔اسلام لانے سے قبل مسلمانوں کے مقابلہ اور تکلیف پہنچانے میں بھی ممتاز تھے۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے درپے رہتے تھے۔ایک روز کُفّار نے مشورہ کی کمیٹی قائم کی کہ کوئی ہے جو محمد کو قتل کر دے؟ عمر نے کہا کہ میں کرونگا۔لوگوں نے کہا کہ بیشک تم ہی کر سکتے ہو۔عمر تلوار لٹکائے ہوئے اٹھے اور چل دیئے۔اسی فکر میں جا رہے تھے کہ ایک صاحب قبیلۂ زُہرہ کے جن کا نام حضرت سَعْد بن اَبی وقّاص ہے اور بعضوں نے اور صاحب لکھے ہیں ملے۔انہوں نے

پوچھا کہ عمر! کہاں جارہے ہو؟ کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قتل کی فکر میں ہوں (نعوذ باللہ)۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بَنو ہاشم اور بنوزُہرہ اور بنوعبدِ مَناف سے کیسے مطمئن ہو گئے، وہ تم کو بدلہ میں قتل کر دیں گے۔ اس جواب پر بگڑ گئے اور کہنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے کہ تو بھی بے دین (یعنی مسلمان) ہو گیا۔ لا پہلے تجھی کو نمٹا دوں۔ یہ کہہ کر تلوار سونت لی اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بھی یہ کہہ کر کہ ہاں میں مسلمان ہو گیا ہوں تلوار سنبھالی، دونوں طرف سے تلوار چلنے کو تھی کہ حضرت سعد نے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لے، تیری بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔ یہ سُننا تھا کہ غصّہ سے بھر گئے اور سیدھے بہن کے گھر گئے۔ وہاں حضرت خباب رضی اللہ عنہ جن کا ذکر نمبر ۶ پر گذرا، کواڑ بند کئے ہوئے ان دونوں میاں بیوی کو قرآن شریف پڑھا رہے تھے۔ حضرت عمر نے کِواڑ کھلوائے۔ ان کی آواز سے حضرت خباب رضی اللہ عنہ تو جلدی سے اندر چھپ گئے اور وہ صحیفہ بھی جلدی میں باہر ہی رہ گیا جس پر آیاتِ قرآنی لکھی ہوئی تھیں۔ ہمشیرہ نے کواڑ کھولے۔ حضرت عمر کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جس کو بہن کے سر پر مارا جس سے سر سے خون بہنے لگا اور کہا کہ اپنی جان کی دشمن تو بھی بددین ہو گئی۔

اس کے بعد گھر میں آئے اور پوچھا کہ کیا کر رہے تھے اور یہ آواز کس کی تھی؟ بہنوئی نے کہا کہ بات چیت کر رہے تھے۔ کہنے لگے۔ ”کیا تم نے اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لیا؟“ بہنوئی نے کہا کہ اگر دوسرا دین حق ہو تب۔ یہ سننا تھا کہ ان کی ڈاڑھی پکڑ کر کھینچی اور بے تحاشا ٹوٹ پڑے اور زمین پر گرا کر خوب مارا۔ بہن نے چھڑانے کی کوشش کی تو ان کے منہ پر ایک طمانچہ اس زور سے مارا کہ خون نکل آیا۔ وہ بھی آخر عمر ہی کی بہن تھی کہنے لگیں کہ عمر! ہم کو اس وجہ سے مارا جاتا ہے کہ ہم مسلمان ہو گئے۔ بیشک ہم مسلمان ہو گئے، جو تجھ سے ہو سکے تو کر لے۔

اس کے بعد حضرت عمر کی نگاہ اس صحیفہ پر پڑی جو جلدی میں باہر رہ گیا تھا اور غصّہ کا جوش بھی اس مار پیٹ سے کم ہو گیا تھا۔ اور بہن کے اس طرح خون میں بھر جانے سے شرم سی بھی آرہی تھی۔ کہنے لگے کہ اچھا مجھے دکھلاؤ، یہ کیا ہے؟ بہن نے کہا کہ تو ناپاک ہے اور اس کو ناپاک ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ ہر چند اِصرار کیا، مگر وہ بے وضو اور غسل کے دینے کو تیار نہ ہوئیں۔

حضرت عمر نے غسل کیا اور اس کو لے کر پڑھا اس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی اس کو پڑھنا شروع کیا۔ اور "اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ" (طٰہٰ:۱۴) تک پڑھا کہ حالت ہی بدل گئی۔ کہنے لگے کہ اچھا مجھے بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے چلو۔ یہ الفاظ سُن کر حضرت خباب رضی اللہ عنہ اندر سے نکلے اور کہا کہ اے عمر! تجھے خوشخبری دیتا ہوں کہ کل شب پنجشنبہ میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی تھی کہ یا اللہ! عمر اور ابو جہل میں جو تجھے زیادہ پسند ہو اس سے اسلام کو قوت عطا فرما (یہ دونوں قوت میں مشہور تھے)۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تمہارے حق میں قبول ہوگئی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جمعہ کی صبح کو مسلمان ہوئے (خصائص) ان کا مسلمان ہونا تھا کہ کُفّار کے حوصلے پست ہونا شروع ہوگئے، مگر پھر بھی یہ نہایت مختصر جماعت تھی اور وہ سارا مکّہ بلکہ سارا عرب، اس لئے اور بھی جوش پیدا ہوا اور جلسے کر کے مشورہ کر کے ان حضرات کو ناپید کرنے کی کوشش ہوتی تھی اور طرح طرح کی تدبیریں کی جاتی تھیں۔ تاہم اتنا ضرور ہوا کہ مسلمان مکّہ کی مسجد میں نماز پڑھنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمر کا اسلام لانا مسلمانوں کی فتح تھی اور ان کی ہجرت مسلمانوں کی مدد تھی اور ان کی خِلافت رحمت تھی۔ (اسد الغابہ)

(۱۰) مسلمانوں کی حَبشہ کی ہجرت اور شَعبِ اَبی طالب میں قید ہونا

مسلمانوں کو اور ان کے سردار فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کفار سے تکالیف پہنچتی ہی رہیں اور آئے دن ان میں بجائے کمی کے اضافہ ہی ہوتا رہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کی اجازت فرما دی کہ وہ یہاں سے کسی دوسرے جگہ چلے جائیں تو بہت سے حضرات نے حبشہ کی ہجرت فرمائی۔ حبشہ کے بادشاہ اگرچہ نصرانی تھے اور اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے، مگر ان کے رحم دل اور مُنصِف مزاج ہونے کی شہرت تھی۔ چنانچہ نبُوّت کے پانچویں برس رجب کے مہینہ میں پہلی جماعت کے گیارہ (۱۱) یا بارہ (۱۲) مرد اور چار (۴) یا پانچ (۵) عورتوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

مکّہ والوں نے ان کا پیچھا بھی کیا کہ یہ نہ جا سکیں، مگر یہ لوگ ہاتھ نہ آئے۔ وہاں پہنچ کر ان کو یہ خبر ملی کہ مکّہ والے سب مسلمان ہو گئے اور اسلام کو غلبہ ہو گیا۔ اس خبر سے یہ

حضرات بہت خوش ہوئے اور اپنے وطن واپس آ گئے، لیکن مکّہ مکرمہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی اور مکّہ والے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ دشمنی اور تکلیفیں پہنچانے میں مصروف ہیں تو بڑی دِقّت ہوئی۔ ان میں سے بعض حضرات وہیں سے واپس ہو گئے اور بعض کسی کی پناہ لے کر مکّہ مکرّمہ میں داخل ہوئے۔ یہ حَبشہ کی پہلی ہجرت کہلاتی ہے، اس کے بعد ایک بڑی جماعت نے جو تراسی[۸۳] مرد اور اٹھارہ[۱۸] عورتیں بتلائی جاتی ہیں متفرق طور پر ہجرت کی اور یہ حبشہ کی دوسری ہجرت کہلاتی ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے دونوں ہجرتیں کیں اور بعض نے ایک۔

کفار نے جب یہ دیکھا کہ یہ لوگ حَبشہ میں چین کی زندگی بسر کرنے لگے تو ان کو اور بھی غصّہ آیا اور بہت سے تحفے تحائف لے کر نَجاشی شاہِ حبشہ کے پاس ایک وفد بھیجا جو بادشاہ کے لئے بھی بہت سے تحفے لے کر گیا اور اس کے خواص اور پادریوں کے لئے بھی بہت سے ہدیے لے کر گیا۔ جا کر اوّل حکّام اور پادریوں سے ملا اور ہدیے دے کر ان سے بادشاہ کے یہاں اپنی سِفارش کا وعدہ لیا اور پھر بادشاہ کی خدمت میں یہ وفد حاضر ہوا۔ اول بادشاہ کو سجدہ کیا اور پھر تحفے پیش کر کے اپنی درخواست پیش کی اور رشوت خُور حُکّام نے تائید کی۔ انہوں نے کہا کہ اے بادشاہ! ہماری قوم کے چند بیوقوف لڑکے اپنے قدیمی دین کو چھوڑ کر ایک نئے دین میں داخل ہو گئے جس کو نہ ہم جانتے ہیں، نہ آپ جانتے ہیں اور آپ کے ملک میں آ کر رہنے لگے۔ ہم کو شُرفائے مکّہ نے اور ان لوگوں کے باپ، چچا اور رشتہ داروں نے بھیجا ہے کہ ان کو واپس لائیں، آپ ان کو ہمارے سپرد کر دیں۔ بادشاہ نے کہا کہ جن لوگوں نے میری پناہ پکڑی ہے، بغیر تحقیق ان کو حوالہ نہیں کر سکتا۔ اول ان سے بُلا کر تحقیق کر لوں، اگر صحیح ہوا تو حوالہ کر دوں گا۔

چنانچہ مسلمانوں کو بلایا گیا۔ مسلمان اوّل تو بہت پریشان ہوئے کہ کیا کریں، مگر اللہ کے فضل نے مدد کی اور ہمّت سے یہ طے کیا کہ چلنا چاہئے اور صاف بات کہنا چاہئے، بادشاہ کے یہاں پہنچ کر سلام کیا۔ کسی نے اعتراض کیا کہ تم نے بادشاہ کو آدابِ شاہی کے مُوافق سجدہ نہیں کیا۔ ان لوگوں نے کہا: ہم کو ہمارے نبی نے اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنے کی

اجازت نہیں دی۔ اس کے بعد بادشاہ نے ان سے حالات دریافت کئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور فرمایا کہ ہم لوگ جہالت میں پڑے ہوئے تھے۔ نہ اللہ کو جانتے تھے، نہ اس کے رسولوں سے واقف تھے۔ پتھروں کو پوجتے تھے، مُردار کھاتے تھے، بُرے کام کرتے تھے، رشتے ناتوں کو توڑتے تھے۔ ہم میں کا قوی ضعیف کو ہلاک کر دیتا تھا۔ ہم اسی حال میں تھے کہ اللہ نے اپنا ایک رسول بھیجا جس کے نسب کو، اس کی سچّائی کو، اُس کی امانت داری کو، پرہیز گاری کو ہم خوب جانتے ہیں۔ اس نے ہم کو ایک اللہ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ کی عبادت کی طرف بُلایا اور پتھروں اور بتوں کے پوجنے سے منع فرمایا۔ اُس نے ہم کو اچھے کام کرنے کا حکم دیا، برے کاموں سے منع کیا۔ اس نے ہم کو سچ بولنے کا حکم دیا، امانت داری کا حکم دیا، صلہ رحمی کا حکم کیا، پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا۔ نماز، روزہ، صدقہ خیرات، کا حکم دیا اور اچھے اخلاق تعلیم کئے۔ زنا بدکاری، جھوٹ بولنا، یتیم کا مال کھانا، کسی پر تہمت لگانا اور اس قسم کے بُرے اعمال سے منع فرمایا۔ ہم کو قرآن پاک کی تعلیم دی۔ ہم اس پر ایمان لائے اور اس کے فرمان کی تعمیل کی۔ جس پر ہماری قوم ہماری دشمن ہوگئی اور ہم کو ہر طرح ستایا۔

ہم لوگ مجبور ہو کر تمہاری پناہ میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے آئے ہیں۔ بادشاہ نے کہا: جو قرآن تمہارے نبی لے کر آئے ہیں وہ کچھ مجھے سناؤ۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کی اوّل کی آیتیں پڑھیں جس کو سُن کر بادشاہ بھی رو دیا اور اس کے پادری بھی جو کثرت سے موجود تھے سب کے سب اس قدر روئے کہ ڈاڑھیاں تر ہو گئیں۔ اس کے بعد بادشاہ نے کہا کہ خدا کی قسم! یہ کلام اور جو کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے ایک ہی نور سے نکلے ہیں اور ان لوگوں سے صاف اِنکار کر دیا کہ میں ان کو تمہارے حوالہ نہیں کر سکتا۔

وہ لوگ بڑے پریشان ہوئے کہ بڑی ذِلت اٹھانا پڑی، آپس میں صلاح کر کے ایک شخص نے کہا کہ کل میں ایسی تدبیر کروں گا کہ بادشاہ ان کی جڑ ہی کاٹ دے۔ ساتھیوں نے کہا بھی کہ ایسا نہیں چاہئے، یہ لوگ اگرچہ مسلمان ہو گئے، مگر پھر بھی رشتہ دار ہیں، مگر اس نے نہ مانا۔ دوسرے دن پھر بادشاہ کے پاس گئے اور جا کر کہا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، ان کو اللہ کا بیٹا نہیں مانتے، بادشاہ نے پھر مسلمانوں کو بلایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ دوسرے دن کے بلانے سے ہمیں اور بھی زیادہ پریشانی ہوئی۔ بہر حال گئے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا وہ ہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی شان میں نازل ہوا کہ وہ اللہ کے بندے ہیں، اس کے رسول ہیں، اس کی رُوح ہیں اور اس کا کلمہ ہیں، جس کو خدا نے کنواری اور پاک مریم کی طرف ڈالا۔ نجاشی نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اس کے سوا کچھ نہیں فرماتے۔ پادری لوگ آپس میں کچھ چخ چخ کرنے لگے۔ نجاشی نے کہا: تم جو چاہے کہو۔ اس کے بعد نجاشی نے ان کے تحفے واپس کر دیئے اور مسلمانوں سے کہا: تم امن سے ہو، جو تمہیں ستائے اس کو تاوان دینا پڑے گا اور اس کا اعلان بھی کروا دیا کہ جو شخص ان کو ستائے گا اس کو تاوان دینا ہوگا۔ (خمیس)

اس کی وجہ سے وہاں کے مسلمانوں کا اکرام اور بھی زیادہ ہونے لگا اور اس وفد کو ذِلّت سے واپس آنا پڑا تو پھر کُفّارِ مکّہ کا جتنا بھی غصّہ جوش کرتا ظاہر ہے۔ اس کے ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے نے اُن کو اور بھی جلا رکھا تھا اور ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ لوگوں کا ان سے ملنا جلنا بند ہو جائے اور اسلام کا چراغ کسی طرح بجھے۔ اس لئے سردارانِ مکّہ کی ایک بڑی جماعت نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب کُھلّم کُھلا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا جائے۔ لیکن قتل کر دینا بھی آسان کام نہ تھا، اس لئے کہ بنو ہاشم بھی بڑے جتھّے اور اونچے طبقہ کے لوگ شمار ہوتے تھے۔ وہ اگرچہ اکثر مسلمان نہیں ہوئے تھے، لیکن جو مسلمان نہیں تھے وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل ہو جانے پر آمادہ نہیں تھے۔ اس لئے ان سب کُفّار نے مل کر ایک معاہدہ کیا کہ سارے بنو ہاشم اور بنو المُطّلِب کا بائیکاٹ کیا جاوے، نہ ان کو کوئی شخص اپنے پاس بیٹھنے دے، نہ ان سے کوئی خرید و فروخت کرے، نہ بات چیت کرے، نہ انکے گھر جائے، نہ ان کو اپنے گھر میں آنے دے اور اس وقت تک صلح نہ کی جائے جب تک کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لئے حوالہ نہ کر دیں۔ یہ مُعاہدہ زبانی ہی گفتگو پر ختم نہیں ہوا، بلکہ یکم محرم ۷ سنہ نبوی کو ایک معاہدہ تحریری لکھ کر بیتُ اللہ میں لٹکایا گیا، تا کہ ہر شخص اس کا احترام کرے اور اس کو

پورا کرنے کی کوشش کرے، اور اس مُعاہدہ کی وجہ سے تین۳ برس تک یہ سب حضرات دو پہاڑوں کے درمیان ایک گھاٹی میں نظر بند رہے کہ نہ کوئی ان سے مل سکتا تھا، نہ یہ کسی سے مل سکتے تھے۔ نہ مکّہ کے کسی آدمی سے کوئی چیز خرید سکتے تھے، نہ باہر سے آنے والے کسی تاجر سے مل سکتے تھے۔ اگر کوئی شخص باہر نکلتا تو پیٹا جاتا اور کسی سے ضرورت کا اظہار کرتا تو صاف جواب پاتا۔ معمولی سا سامان غلّہ وغیرہ جو ان لوگوں کے پاس تھا وہ کہاں تک کام دیتا۔ آخر فاقوں پر فاقے گذرنے لگے اور عورتیں اور بچے بھوک سے بے تاب ہو کر روتے اور چلاتے اور ان کے اِعَزّہ کو اپنی بھوک اور تکالیف سے زیادہ ان بچوں کی تکالیف ستاتیں۔ آخر تین برس کے بعد اللہ کے فضل سے وہ صحیفہ دیمک کی نذر ہوا، اور ان حضرات کی یہ مصیبت دُور ہوئی۔ تین برس کا زمانہ ایسے سخت بائیکاٹ اور نظر بندی میں گذرا اور ایسی حالت میں ان حضرات پر کیا کیا مَشقتیں گذری ہوں گی وہ ظاہر ہے، لیکن اس کے باوجود صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نہایت ثابت قدمی کے ساتھ اپنے دین پر جمے رہے بلکہ اس کی اشاعت فرماتے رہے۔

ف: یہ تکالیف اور مشقتیں ان لوگوں نے اٹھائی ہیں جن کے آج ہم نام لیوا کہلاتے ہیں اور اپنے کو ان کا متبع بتلاتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔ ہم لوگ ترقی کے باب میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسی ترقیوں کے خواب دیکھتے ہیں، لیکن کسی وقت ذرا غور کر کے یہ بھی سوچنا چاہئے کہ ان حضرات نے قربانیاں کتنی فرمائیں اور ہم نے دین کی خاطر، اسلام کی خاطر، مذہب کی خاطر کیا کیا؟ کامیابی ہمیشہ کوشش اور سَعی کے مناسب ہوتی ہے۔ ہم لوگ چاہتے ہیں کہ عیش و آرام، بددینی اور دنیا طلبی میں کافروں کے دوش بدوش چلیں اور اسلامی ترقی ہمارے ساتھ ہو۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی کیں راہ کہ تو میروی بترکستان است

ترجمہ: مجھے خوف ہے اوبدوی! کہ تو کعبہ کو نہیں پہنچ سکتا، اس لئے کہ یہ راستہ کعبہ کی دوسری جانب ترکستان کی طرف جاتا ہے۔

دوسرا باب

اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ وعَمَّ نوالُہٗ کا خوف اور ڈر

دین کے ساتھ اس جانفشانی کے باوجود جس کے قصّے ابھی گذرے اور دین کے لئے اپنی جان، مال، آبرو سب کچھ فنا کر دینے کے بعد جس کا نمونہ ابھی آپ دیکھ چکے ہیں، اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا خوف اور ڈر جس قدر ان حضرات میں پایا جاتا تھا، اللہ کرے اس کا کچھ شمّہ ہم سے سیہ کاروں کو بھی نصیب ہو جائے۔ مثال کے طور پر اس کے بھی چند قصّے لکھے جاتے ہیں۔

(۱) آندھی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب اَبر، آندھی وغیرہ ہوتی تھی تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر اس کا اثر ظاہر ہوتا تھا اور چہرہ کا رنگ فَق ہو جاتا تھا اور خوف کی وجہ سے کبھی اندر تشریف لے جاتے، کبھی باہر تشریف لاتے اور یہ دعا پڑھتے رہتے:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَیْرَھَا وَ خَیْرَ مَافِیْھَا وَ خَیْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِہٖ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّھَا وَمِنْ شَرِّمَا فِیْھَا وَ شَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِہٖ"

ترجمہ: "یا اللہ اس ہوا کی بھلائی چاہتا ہوں اور جو اس ہوا میں ہو بارش وغیرہ اس کی بھلائی چاہتا ہوں اور جس غرض کے لئے یہ بھیجی گئی اس کی بھلائی چاہتا ہوں، یا اللہ! میں اس ہَوا کی بُرائی سے پناہ مانگتا ہوں اور جو چیز اس میں ہے اور جس غرض سے یہ بھیجی گئی اس کی بُرائی سے پناہ مانگتا ہوں۔"

اور جب بارش شروع ہو جاتی تو چہرہ پر اِنْبِساط شروع ہوتا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! سب لوگ جب اَبر دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں کہ بارش کے آثار معلوم ہوئے، مگر آپ پر گرانی محسوس ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عائشہ! مجھے اس کا کیا اطمینان ہے کہ اس میں عذاب نہ ہو۔ قومِ عاد کو ہوا کے ساتھ ہی عذاب دیا گیا اور وہ اَبر کو دیکھ کر خوش ہوئے تھے کہ اس اَبر میں ہمارے لئے پانی برسایا جائے گا، حالانکہ اس میں عذاب[1] تھا۔ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا

---

[1] درمنثور،

ارشاد ہے: "فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ" الآیۃ (الاحقاف:۲۴) ترجمہ: "ان لوگوں نے (یعنی قومِ عاد نے) جب اس بادل کو اپنی وادیوں کے مُقابل آتے دیکھا تو کہنے لگے: یہ بادل تو ہم پر بارش برسانے والا ہے۔ (ارشادِ خداوندی ہوا کہ) نہیں! برسنے والا نہیں، بلکہ یہ وہی (عذاب) ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے (اور نبی سے کہتے تھے کہ اگر تو سچّا ہے تو ہم پر عذاب لا)۔ ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے جو ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے ہلاک کر دے گی۔ چنانچہ وہ لوگ اس آندھی کی وجہ سے ایسے تباہ ہو گئے کہ بجز ان کے مکانات کے کچھ نہ دکھلائی دیتا تھا اور ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں"۔[1]

ف: یہ اللہ کے خوف کا حال اسی پاک ذات کا ہے جس کا سَیِّدُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْآخِرِیْن ہونا خود اسی کے ارشاد سے سب کو معلوم ہے۔ خود کلامِ پاک میں یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہ کریں گے کہ اُن میں آپ کے ہوتے ہوئے اُن کو عذاب دیں۔ اس وعدۂ خداوندی کے باوجود پھر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خوفِ الٰہی کا یہ حال تھا کہ اَبر اور آندھی کو دیکھ کر پہلی قوموں کے عذاب یاد آجاتے تھے۔ اسی کے ساتھ ایک نگاہ اپنے حال پر بھی کرنا ہے کہ ہم لوگ ہر وقت گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں اور زلزلوں اور دوسری قسم کے عذابوں کو دیکھ کر بجائے اس سے مُتاثّر ہونے کے، توبہ، اِستِغفار، نماز وغیرہ میں مشغول ہونے کے دوسری قِسم کی لَغْو تحقیقات میں پڑ جاتے ہیں۔

(۲) اندھیرے میں حضرت اَنَس رضی اللہ عنہ کا فعل

نَضر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ایک مرتبہ دن میں اندھیرا چھا گیا۔ مَیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی اس قسم کی چیزیں پیش آتی تھیں؟ انہوں نے فرمایا: خدا کی پناہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو ذرا سی ہوا تیز ہو جاتی تھی تو ہم لوگ قیامت کے آجانے کے خوف سے مسجدوں میں دوڑ جاتے تھے۔ ایک دوسرے صحابی اَبُوالدَّرْدَاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آندھی چلتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے ہوئے مسجد میں

---

[1] بیان القرآن،

تشریف لے جاتے۔[1]

ف: آج کسی بڑے سے بڑے حادثہ، مصیبت، بلا میں بھی مسجد کسی کو یاد آتی ہے؟ عوام کو چھوڑ کر خواص میں بھی اس کا اہتمام کچھ پایا جاتا ہے؟ آپ خود ہی اس کا جواب اپنے دل میں سوچیں۔

(۳) سورج گرہن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہو گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو فکر ہوئی کہ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا عمل فرمائیں گے کیا کریں گے اس کی تحقیق کی جائے۔ جو حضرات اپنے اپنے کام میں مشغول تھے چھوڑ کر دوڑے ہوئے آئے۔ نوعمر لڑکے جو تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے ان کو چھوڑ کر لپکے ہوئے آئے تاکہ یہ دیکھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کیا کریں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت کُسوف کی نماز پڑھی جو اتنی لمبی تھی کہ لوگ غش کھا کر گرنے لگے۔ نماز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روتے تھے اور فرماتے تھے: اے رب! کیا آپ نے مجھ سے اس کا وعدہ نہیں فرما رکھا کہ آپ ان لوگوں کو میرے موجود ہوتے ہوئے عذاب نہ فرمائیں گے اور ایسی حالت میں بھی عذاب نہ فرمائیں گے کہ وہ لوگ استغفار کرتے رہیں (سورۂ انفال میں اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے اس کا وعدہ فرما رکھا ہے "وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ") (الانفال:۳۳) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نصیحت فرمائی کہ جب کبھی ایسا موقع ہو اور آفتاب یا چاند گرہن ہو جائے تو گھبرا کر نماز کی طرف مُتوجّہ ہو جایا کرو۔ میں جو آخرت کے حالات دیکھتا ہوں اگر تم کو معلوم ہو جائیں تو ہنسنا کم کر دو اور رونے کی کثرت کر دو۔ جب کبھی ایسی حالت پیش آئے نماز پڑھو، دعا مانگو، صدقہ کرو۔

(۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام رات روتے رہنا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ تمام رات روتے رہے اور صبح تک نماز میں یہ آیت تلاوت فرماتے رہے "اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" (المائدۃ:۱۱۸) "اے اللہ! اگر آپ ان کو سزا دیں جب بھی آپ مختار ہیں کہ یہ آپ کے بندے

[1] جمع الفوائد،

ہیں اور آپ ان کے مالک اور مالک کو حق ہے کہ بندوں کو جرائم پر سزا دے اور اگر آپ ان کو معاف فرما دیں تو بھی آپ مختار ہیں کہ آپ زبردست قدرت والے ہیں، تو معافی پر بھی قدرت ہے، اور حکمت والے ہیں، تو معافی بھی حکمت کے موافق ہوگی"[1] امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بھی نقل کیا گیا ہے کہ وہ ایک شب تمام رات "وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ" (یس:۵۹) پڑھتے رہے اور روتے رہے۔ مطلب آیتِ شریفہ کا یہ ہے کہ قیامت کے دن مجرموں کو حکم ہوگا کہ دنیا میں تو سب مِلے جُلے رہے، مگر آج مجرم لوگ سب الگ ہو جائیں اور غیر مجرم علیحدہ۔ اس حکم کو سن کر جتنا بھی رویا جاوے تھوڑا ہے کہ نامعلوم اپنا شمار مُجرموں میں ہوگا یا فرمانبرداروں میں۔

(۵) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اللہ کا ڈر

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو باجماعِ اہلِ سنت انبیاء علیہم السلام کے علاوہ تمام دنیا کے آدمیوں سے افضل ہیں اور ان کا جنّتی ہونا یقینی ہے کہ خود حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنتی ہونے کی بشارت دی، بلکہ جنتیوں کی ایک جماعت کا سردار بتایا اور جنّت کے سب دروازوں سے اُن کی پکار اور بلاوے کی خوشخبری دی اور یہ بھی فرمایا کہ میری امت میں سب سے پہلے ابوبکر جنّت میں داخل ہوں گے۔

اس سب کے باوجود فرمایا کرتے کہ کاش! میں کوئی درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا، کبھی فرماتے: کاش! میں کوئی گھاس ہوتا کہ جانور اس کو کھا لیتے، کبھی فرماتے: کاش! میں کسی مومن کے بدن کا بال ہوتا۔

ایک مرتبہ ایک باغ میں تشریف لے گئے اور ایک جانور کو بیٹھا ہوا دیکھ کر ٹھنڈا سانس بھرا اور فرمایا کہ: تو کس قدر لُطف میں ہے کہ کھاتا ہے، پیتا ہے، درختوں کے سائے میں پھرتا ہے اور آخرت میں تجھ پر کوئی حساب کتاب نہیں۔ کاش! ابوبکر بھی تجھ جیسا ہوتا۔[2] ربیعہ اسلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی بات پر مجھ میں اور حضرت ابوبکر میں کچھ بات بڑھ گئی اور انہوں نے مجھ سے کوئی سخت لفظ کہہ دیا جو مجھے ناگوار گذرا۔ فوراً ان کو خیال ہوا، مجھ سے

---

[1] بیان القرآن، [2] تاریخ الخلفاء

فرمایا: تو بھی مجھے کہہ دے تا کہ بدلہ ہو جائے۔ میں نے کہنے سے انکار کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یا تو کہہ لو، ورنہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر عرض کروں گا۔ میں نے اس پر بھی جوابی لفظ کہنے سے انکار کیا۔ وہ تو اٹھ کر چلے گئے۔ بنو اسلم کے کچھ لوگ آئے اور کہنے لگے کہ یہ بھی اچھی بات ہے کہ خود ہی تو زیادتی کی اور خود ہی الٹی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کریں۔ میں نے کہا: تم جانتے بھی ہو یہ کون ہیں؟ یہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اگر یہ خفا ہو گئے تو اللہ کا لاڈلا رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے خفا ہو جائے گا۔ اور اس کی خفگی سے اللہ تعالیٰ شانہٗ ناراض ہو جائیں گے تو رَبیعہ کی ہلاکت میں کیا تردّد ہے؟ اس کے بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، تجھے جواب میں اور بدلہ میں کہنا نہیں چاہئے، البتہ اس کے بدلہ میں یوں کہہ کہ اے ابوبکر! اللہ تمہیں مُعاف فرما دیں۔

ف: یہ ہے اللہ کا خوف کہ ایک معمولی سے کلمہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بدلہ کا اس قدر فکر اور اہتمام ہوا کہ اوّل خود درخواست کی اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے اس کا ارادہ فرمایا کہ ربیعہ رضی اللہ عنہ بدلہ لے لیں۔ آج ہم سینکڑوں باتیں ایک دوسرے کو کہہ دیتے ہیں۔ اس کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ اس کا آخرت میں بدلہ بھی لیا جائے گا یا حساب کتاب بھی ہوگا۔

(۶) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حالت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بسا اوقات ایک تنکا ہاتھ میں لیتے اور فرماتے: کاش! میں یہ تنکا ہوتا، کبھی فرماتے: کاش! مجھے میری ماں نے جنا ہی نہ ہوتا۔ ایک مرتبہ کسی کام میں مشغول تھے۔ ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ فلاں شخص نے مجھ پر ظلم کیا ہے، آپ چل کر مجھے بدلہ دلوا دیجئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے ایک دُرّہ مار دیا کہ جب میں اس کام کے لئے بیٹھتا ہوں اس وقت تو آتے نہیں، جب میں دوسرے کاموں میں مشغول ہو جاتا ہوں تو آ کر کہتے ہیں کہ بدلہ دلوا دو، وہ شخص چلا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے آدمی بھیج کر اس کو بُلوایا اور درّہ اس کو دے کر فرمایا کہ بدلہ لے لو، اس نے عرض کیا کہ میں نے اللہ کے واسطے مُعاف کیا۔ گھر تشریف لائے، دو رکعت نماز پڑھی۔ اس کے بعد اپنے آپ کو خطاب کر کے فرمایا: ”اے عمر! تو کمینہ تھا، اللہ

نے تجھ کو اونچا کیا۔ تُو گمراہ تھا، اللہ نے تجھ کو ہدایت کی۔ تُو ذلیل تھا، اللہ نے تجھے عزت دی، پھر لوگوں کا بادشاہ بنایا۔ اب ایک شخص آ کر کہتا ہے کہ مجھے ظلم کا بدلہ دلوا دے تو تُو اس کو مارتا ہے۔ کل کو قیامت کے دن اپنے رب کو کیا جواب دیگا"۔ بڑی دیر تک اسی طرح اپنے آپ کو ملامت کرتے رہے۔[1]

آپ رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت اسلم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حَرَّہ[2] کی طرف جا رہا تھا۔ ایک جگہ آگ جلتی ہوئی جنگل میں نظر آئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شاید یہ کوئی قافلہ ہے جو رات ہو جانے کی وجہ سے شہر میں نہیں گیا، باہر ہی ٹھہر گیا، چلو اس کی خیر خبر لیں۔ رات کو حفاظت کا انتظام کریں، وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت ہے جس کے ساتھ چند بچے ہیں جو رو رہے ہیں اور چلّا رہے ہیں، اور ایک دیگچی چولہے پر رکھی ہے جس میں پانی بھرا ہوا ہے اور اس کے نیچے آگ جل رہی ہے۔ انہوں نے سلام کیا اور قریب آنے کی اجازت لے کر اس کے پاس گئے اور پوچھا کہ یہ بچے کیوں رو رہے ہیں؟ عورت نے کہا کہ بھوک سے لاچار ہو کر رو رہے ہیں۔ دریافت فرمایا کہ اس دیگچی میں کیا ہے؟ عورت نے کہا کہ پانی بھر کر بہلانے کے واسطے آگ پر رکھ دی ہے کہ ذرا ان کو تسلی ہو جائے اور سو جائیں۔ امیر المؤمنین عمر کا اور میرا اللہ ہی کے یہاں فیصلہ ہوگا کہ میری اس تنگی کی خبر نہیں لیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا کہ اللہ تجھ پر رحم کرے، بھلا عمر کو تیرے حال کی کیا خبر ہے۔ کہنے لگی کہ وہ ہمارے امیر بنے ہیں اور ہمارے حال کی خبر بھی نہیں رکھتے۔

اسلم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھے ساتھ لے کر واپس ہوئے اور ایک بوری میں بیت المال میں سے کچھ آٹا اور کھجوریں اور چربی اور کچھ کپڑے اور کچھ دِرہم لئے۔ غرض اس بوری کو خوب بھر لیا اور فرمایا کہ یہ میری کمر پر رکھ دے۔ میں نے عرض کیا کہ میں لے چلوں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں میری کمر پر رکھ دے۔ دو تین مرتبہ جب میں نے اصرار کیا تو فرمایا: کیا قیامت میں بھی میرے بوجھ کو تو ہی اٹھائے گا؟ اس کو میں ہی اٹھاؤں گا،

---

[1] اسد الغابہ، [2] مدینہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے

اِس لئے کہ قیامت میں مجھ ہی سے اس کا سُوال ہوگا۔ میں نے مجبور ہوکر بوری کو آپ کی کمر پر رکھ دیا۔ آپ نہایت تیزی کے ساتھ اس کے پاس تشریف لے گئے، میں بھی ساتھ تھا۔ وہاں پہنچ کر اس دیگچی میں آٹا اور کچھ چربی اور کھجوریں ڈالیں اور اس کو چلانا شروع کیا اور چولہے میں خود ہی پھونک مارنا شروع کیا۔ اسلم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کی گنجان ڈاڑھی سے دھواں نکلتا ہوا میں دیکھتا رہا حتیٰ کہ حَرِیرہ سا تیار ہوگیا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے دستِ مبارک سے نکال کر ان کو کھلایا۔ وہ سیر ہوکر خوب ہنسی کھیل میں مشغول ہوگئے اور جو بچا تھا وہ دوسرے وقت کے واسطے ان کے حوالے کر دیا۔ وہ عورت بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی: اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے، تم تھے اس کے مستحق کہ بجائے حضرت عمر کے تم ہی خلیفہ بنائے جاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو تسلّی دی اور فرمایا کہ جب تم خلیفہ کے پاس جاؤ گی تو مجھ کو بھی وہیں پاؤ گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے قریب ہی ذرا ہٹ کر زمین پر بیٹھ گئے اور تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد چلے آئے اور فرمایا کہ میں اس لئے بیٹھا تھا کہ میں نے ان کو روتے ہوئے دیکھا تھا۔ میرا دل چاہا کہ تھوڑی دیر ان کو ہنستے ہوئے بھی دیکھوں۔[1]

صبح کی نماز میں اکثر سورۂ کہف، طٰہٰ وغیرہ بڑی سورتیں پڑھتے اور روتے کہ کئی کئی صفوں تک آواز جاتی۔ ایک مرتبہ صبح کی نماز میں سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے "اِنَّمَا اَشْكُوْ بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَى اللّٰهِ" (یوسف:۸۶) پر پہنچے تو روتے روتے آواز نہ نکلی، تہجّد کی نماز میں بعض مرتبہ روتے روتے گر جاتے اور بیمار ہوجاتے۔

ف: یہ ہے اللہ کا خوف اس شخص کا جس کے نام سے بڑے بڑے نامور بادشاہ ڈرتے تھے، کانپتے تھے۔ آج بھی ساڑھے تیرہ سو برس کے زمانہ تک اس کا دَبْدَبہ مانا ہوا ہے۔ آج کوئی بادشاہ نہیں، حاکم نہیں، کوئی معمولی سا امیر بھی اپنی رعایا کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا ہے؟

(۷) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نصیحت

وَہب بن مُنَبِّہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ظاہری بینائی جانے کے بعد مَیں ان کو لئے جارہا تھا، وہ مسجدِ حرام میں تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر ایک

[1] اشہر مشاہیر منتخب کنز العمال

مجمع سے کچھ جھگڑے کی آواز آ رہی تھی۔ فرمایا: مجھے اس مجمع کی طرف لے چلو، میں اس طرف لے گیا۔ وہاں پہنچ کر آپ نے سلام کیا، ان لوگوں نے بیٹھنے کی درخواست کی تو آپ نے انکار فرمادیا اور فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ کے خاص بندوں کی جماعت وہ لوگ ہیں جن کو اس کے خوف نے چُپ کرا رکھا ہے۔ حالانکہ نہ وہ عاجز ہیں نہ گونگے بلکہ فصیح لوگ ہیں، بولنے والے ہیں، سمجھ دار ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کی بڑائی کے ذکر نے اُن کی عقلوں کو اُڑا رکھا ہے۔ اُن کے دل اس کی وجہ سے ٹوٹے رہتے ہیں اور زبانیں چُپ رہتی ہیں۔ اور جب اس حالت پر ان کو پختگی مُیَسّر ہو جاتی ہے تو اُس کی وجہ سے نیک کاموں میں وہ جلدی کرتے ہیں، تم لوگ ان سے کہاں ہٹ گئے؟ وہب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے دو آدمیوں کو بھی ایک جگہ جمع نہیں دیکھا۔

ف: حضرت اِبنِ عباس رضی اللہ عنہما اللہ کے خوف سے اس قدر روتے تھے کہ چہرہ پر آنسوؤں کے ہر وقت بہنے سے دو نالیاں سی بن گئیں تھیں۔ اوپر کے قصّہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نیک کاموں پر اہتمام کا یہ ایک سہل نسخہ بتلایا کہ اللہ کی عظمت اور اسکی بڑائی کا سوچ کیا جائے کہ اس کے بعد ہر قسم کا نیک عمل سہل ہے اور پھر وہ یقیناً اخلاص سے بھرا ہوا ہوگا۔ رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں اگر تھوڑا سا وقت بھی ہم لوگ اس سوچنے کی خاطر نکال لیں تو کیا مشکل ہے؟

(۸) تبوک کے سفر میں قومِ ثمود کی بستی پر گذر

غزوۂ[1] تبوک مشہور غزوہ ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ روم کا بادشاہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہا ہے اور بہت بڑا لشکر لے کر شام کے راستے سے مدینہ کو آ رہا ہے۔ اس خبر پر ۵ رجب ۹ھ پنجشنبہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مقابلہ کے لئے مدینہ طیّبہ سے روانہ ہو گئے۔ چونکہ زمانہ سخت گرمی کا تھا اور مقابلہ بھی سخت تھا، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اعلان فرمادیا تھا کہ روم کے بادشاہ سے مُقابلہ کے لئے چلنا ہے، تیاری کر لی جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کے لئے چندہ فرمانا شروع کیا۔

---

[1] غزوہ اس لڑائی کو کہتے ہیں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک ہوئے ہوں۔

یہی لڑائی ہے جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھر کا سارا سامان لے آئے اور جب ان سے پوچھا کہ گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا، تو فرمایا: کہ ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ آیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر کے پورے سامان میں سے آدھا لے آئے جس کا قصّہ نمبر ۴ باب نمبر ۶ میں آتا ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک تہائی لشکر کا پورا سامان مُہیّا فرمایا اور اسی طرح ہر شخص اپنی حیثیت سے زیادہ ہی لایا، اس کے باوجود چونکہ عام طور سے تنگی تھی اس لئے دس دس آدمی ایک اُونٹ پر تھے کہ نَوبت بنَوبت اس پر سوار ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے اس لڑائی کا نام "جیشُ العُسرۃ" (تنگی کا لشکر) بھی تھا۔ یہ لڑائی نہایت ہی سخت تھی کہ سفر بھی دُور کا تھا اور موسم بھی اس قدر سخت کہ گرمی کی انتہا نہیں تھی اور اس کے ساتھ ہی مدینہ طیّبہ میں کھجور کے پکنے کا زمانہ زور پر تھا کہ سارے باغ بالکل پکے ہوئے کھڑے تھے اور کھجور ہی پر مدینہ طیّبہ والوں کی زندگی کا زیادہ دارومدار تھا کہ سال بھر کی روزی جمع کرنے کا گویا یہی زمانہ تھا۔

ان حالات میں یہ وقت مسلمانوں کے لئے نہایت سخت امتحان کا تھا کہ ادھر اللہ کا خوف، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جس کی وجہ سے بغیر جائے نہ بنتی تھی اور دوسری جانب یہ ساری دِقّتیں کہ ہر دقّت مُستقل روک تھی۔ بِالخصوص سال بھر کی محنت اور پکے پکائے درختوں کا یوں بے یارومددگار چھوڑ جانا جتنا مشکل تھا وہ ظاہر ہے، مگر اس سب کے باوجود اللہ کا خوف ان حضرات پر غالب تھا۔ اس لئے بجز مُنافقین اور مَعذُورین جن میں عورتیں اور بچے بھی داخل تھے اور وہ لوگ بھی جو بضرورت مدینہ طیّبہ میں چھوڑے گئے یا کسی قسم کی سواری نہ مل سکنے کی وجہ سے روتے ہوئے رہ گئے تھے جنکے بارے میں آیت "تَوَلَّوا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمعِ" (التوبہ:۹۲) نازل ہوئی اور سب ہی حضرات ہم رکاب تھے، البتہ تین حضرات بلا عذر کے شریک نہیں تھے جن کا قصّہ آئندہ آرہا ہے۔ راستہ میں قومِ ثمود کی بستی پر گذر ہوا تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دامن سے اپنے چہرۂ انور کو ڈھانک لیا اور اونٹنی کو تیز کر دیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی حکم فرمایا کہ یہاں سے تیز چلو اور ظالموں کی بستیوں میں سے روتے ہوئے گذرو اور اس سے ڈرتے ہوئے گذرو کہ تم پر بھی خدانخواستہ وہ عذاب کہیں نازل نہ ہوجائے جو ان پر نازل ہوا تھا۔[1]

---

[1] اسلام خمیس

ف: اللہ کا پیارا نبی اور لاڈلا رسول صلی اللہ علیہ وسلم عذاب والی جگہ سے ڈرتا ہوا خوف کرتا ہوا گذرتا ہے اور اپنے جانثار دوستوں کو جو اس سخت مجبوری کے وقت میں بھی جاں نثاری کا ثبوت دیتے ہیں روتے ہوئے جانے کا حکم فرماتا ہے کہ خدانخواستہ وہ عذاب اُن پر نہ نازل ہو جائے۔ ہم لوگ کسی بستی میں زلزلہ آ جائے تو اس کو سیر گاہ بناتے ہیں۔ کھنڈروں کی تفریح کو جاتے ہیں اور رونا تو دَرکِنار رونے کا خیال بھی دل میں نہیں لاتے۔

(۹) تبوک میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی غیر حاضری اور توبہ

اسی تبوک کی لڑائی میں معذورین کے علاوہ اسّی[۸۰] سے زیادہ تو منافق انصار میں سے تھے اور اتنے ہی تقریباً بدوی لوگوں میں سے۔ ان کے علاوہ ایک بڑی جماعت باہر کے لوگوں میں سے ایسی تھی جو شریک نہیں ہوئے اور اتنا ہی نہیں بلکہ یہ لوگ دوسروں کو بھی "لَاتَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ" (التوبہ:۸۱) کہہ کر روکتے تھے (گرمی میں نہ نکلو)۔ حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں کہ "جہنّم کی آگ کی گرمی بہت سخت ہے"۔ ان کے علاوہ تین سچّے پکے مسلمان بھی ایسے تھے جو بلا کسی عذرِ قوی کے اس لڑائی میں شریک نہیں ہو سکے: ایک کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، دوسرے ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ، تیسرے مُرارۃ ابن ربیع رضی اللہ عنہ، یہ تینوں حضرات کسی نفاق یا عذر سے نہیں ٹھہرے بلکہ خوشحالی ہی رہ جانے کا سبب بن گئی۔ کعب رضی اللہ عنہ اپنی سرگذشت جو اس موقع پر پیش آئی مفصّل سناتے ہیں جو آئندہ آ رہی ہے۔

مرارۃ ابن ربیع رضی اللہ عنہ کا باغ خوب پھل رہا تھا، اُن کو خیال ہوا کہ اگر میں چلا گیا تو یہ سب ضائع ہو جائے گا، ہمیشہ مَیں لڑائیوں میں شریک ہوتا ہی رہا ہوں، اگر اس مرتبہ رہ گیا تو کیا مضائقہ ہے؟ اس لئے ٹھہر گئے۔ مگر جب تنبّہ ہوا تو چونکہ باغ ہی اس کا سبب ہوا تھا اس لئے سب کو اللہ کے راستہ میں صدقہ کر دیا۔

ہلال رضی اللہ عنہ کے اَہل و اَعزّہ جو کہیں گئے ہوئے تھے اتفاق سے اس موقع پر سب جمع ہو گئے، ان کو بھی یہی خیال ہوا کہ ہمیشہ شرکت کرتا ہی رہتا ہوں، اگر اس موقع پر نہ جاؤں تو کیا حرج ہے؟ اس لئے ٹھہر گئے، مگر تنبّہ ہونے پر سب سے تعلّقات مُنقطع کر لینے کا ارادہ کیا کہ یہ تعلّقات ہی اس لڑائی میں شرکت نہ کر سکنے کا سبب ہوئے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا قصہ احادیث میں کثرت سے آتا ہے، وہ اپنی سرگذشت بڑی تفصیل سے سُنایا کرتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں تبوک سے پہلے کسی لڑائی میں بھی اتنا قوی و مال دار نہیں تھا جتنا کہ تبوک کے وقت تھا۔ اس وقت میرے پاس خود اپنی ذاتی دو اونٹنیاں تھیں۔ اس سے پہلے کبھی بھی دو اونٹنیاں میرے پاس ہونے کی نوبت نہیں آئی۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمیشہ عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جس طرف لڑائی کا ارادہ ہوتا تھا اس کا اظہار نہیں ہوتا تھا، بلکہ دوسری جانبوں کے احوال دریافت فرماتے تھے، مگر اس لڑائی میں چونکہ گرمی بھی شدید تھی اور سفر بھی دور کا تھا۔ ان کے علاوہ دشمنوں کی بھی بہت بڑی جماعت تھی اس لئے صاف اعلان فرما دیا تھا، تاکہ لوگ تیاری کرلیں۔ چنانچہ مسلمانوں کی اِتنی بڑی جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگئی کہ رجسٹر میں اُن کا نام بھی لکھنا دُشوار تھا اور مجمع کی کثرت کی وجہ سے کوئی شخص اگر چُھپنا چاہتا کہ میں نہ جاؤں نہ پتہ چلے تو دشوار نہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی پھل بالکل پک رہے تھے۔ میں بھی سامانِ سفر کی تیاری کا صبح ہی سے ارادہ کرتا، مگر شام ہو جاتی اور کسی قسم کی تیاری کی نوبت نہ آتی، لیکن میں اپنے دل میں خیال کرتا رہا کہ مجھے وُسعت حاصل ہے، جب ارادہ پختہ کروں گا فوراً ہو جائے گا، حتیٰ کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم روانہ بھی ہو گئے اور مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ۔ مگر میرا سامانِ سفر تیار نہ ہوا۔ پھر بھی یہی خیال رہا کہ ایک دو روز میں تیار کر کے جاملوں گا۔ اسی طرح آج کل پر ٹلتا رہا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہاں پہنچنے کا زمانہ تقریباً آ گیا۔ اس وقت میں نے کوشش بھی کی، مگر سامان نہ ہو سکا۔

اب میں جب مدینہ طیّبہ میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہوں تو صرف وہی لوگ ملتے ہیں جن کے اوپر نِفاق کا بدنما داغ لگا ہوا تھا یا وہ معذور تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تبوک پہنچ کر دریافت فرمایا کہ کعب نظر نہیں پڑتے، کیا بات ہوئی؟ ایک صاحب نے کہا: یا رسول اللہ! اس کو اپنے مال و جمال کی اَکڑ نے روکا۔ حضرت مُعاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غلط کہا۔ ہم جہاں تک سمجھتے ہیں وہ بھلا آدمی ہے، مگر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل سُکوت فرمایا اور کچھ نہیں بولے، حتیٰ کہ چند روز میں مَیں نے واپسی کی خبر سنی تو مجھے رنج و غم سوار ہوا اور بڑا فکر ہوا۔

دل میں جھوٹے جھوٹے عذر آتے تھے کہ اس وقت کسی فرضی عذر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غصّہ سے جان بچالوں، پھر کسی وقت مُعافی کی درخواست کرلوں گا اور اس بارے میں اپنے گھرانے کے ہر سمجھ دار سے مشورہ کرتا رہا، مگر جب مجھے معلوم ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے ہی آئے تو میرے دل نے فیصلہ کیا کہ بغیر سچ کے کوئی چیز نجات نہ دے گی اور میں نے سچ سچ عرض کرنے کی ٹھان ہی لی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو اوّل مسجد میں تشریف لے جاتے اور دو رکعت تحیّۃُ المسجد پڑھتے اور وہاں تھوڑی دیر تشریف رکھتے کہ لوگوں سے ملاقات فرمائیں۔ چنانچہ حسبِ معمول حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما رہے اور مُنافق لوگ آکر جھوٹے جھوٹے عذر کرتے اور قسمیں کھاتے رہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ظاہرِ حال کو قبول فرماتے رہے اور باطن کو اللہ کے سپرد فرماتے رہے کہ اتنے میں مَیں بھی حاضر ہوا اور سلام کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کے انداز میں تبسّم فرمایا اور اِعراض فرمایا۔ میں نے عرض کیا: یا نبی اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض فرمالیا- میں خدا کی قسم! نہ تو منافق ہوں نہ مجھے ایمان میں کچھ تردُّد ہے۔ ارشاد فرمایا کہ یہاں آ۔ میں قریب ہو کر بیٹھ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے کس چیز نے روکا؟ کیا تو نے اونٹنیاں نہیں خرید رکھی تھیں؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر میں کسی دُنیادار کے پاس اس وقت ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ میں اس کے غصّہ سے معقول عذر کے ساتھ خَلاصی پالیتا کہ مجھے بات کرنے کا سلیقہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ لیکن آپ کے مُتعلق مجھے معلوم ہے کہ اگر آج جھوٹ سے آپ کو راضی کرلوں تو قریب ہے کہ اللہ جل جلالہٗ مجھ سے ناراض ہونگے اور آپ سے صاف صاف عرض کردوں تو آپ کو غصّہ آئے گا، لیکن قریب ہے کہ اللہ کی پاک ذات آپ کے عِتاب کو زائل فرمادے گی۔ اس لئے سچ ہی عرض کرتا ہوں کہ واللہ! مجھے کوئی عذر نہیں تھا اور جیسا فارغ اور وُسعت والا میں اس زمانہ میں تھا کسی زمانہ میں بھی اس سے پہلے نہیں ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس نے سچ کہا۔ پھر فرمایا کہ اچھا اٹھ جاؤ۔ تمہارا فیصلہ حق تعالیٰ شانہٗ فرمائیں گے۔

میں وہاں سے اٹھا تو میری قوم کے بہت سے لوگوں نے مجھے مَلامت کی کہ تو نے اس

سے پہلے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ اگر کوئی عذر کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اِستغفار کی درخواست کرتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار تیرے لئے کافی تھا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کوئی اور بھی ایسا شخص ہے جس کے ساتھ یہ معاملہ ہوا ہو؟ لوگوں نے بتلایا کہ دو شخصوں کے ساتھ اور بھی یہی معاملہ ہوا کہ انہوں نے بھی یہی گفتگو کی جو تو نے کی اور یہی جواب ان کو ملا جو تجھ کو ملا۔ ایک ہلال بن امیّہ رضی اللہ عنہ، دوسرے مُرارۃ بن ربیع رضی اللہ عنہ۔ میں نے دیکھا کہ دو صالح شخص جو دونوں بدری[1] ہیں وہ بھی میرے شریکِ حال ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تینوں سے بولنے کی مُمانعت بھی فرمادی کہ کوئی شخص ہم سے کلام نہ کرے۔

یہ قاعدہ کی بات ہے کہ غصّہ اسی پر آتا ہے جس سے تعلّق ہوتا ہے اور تنبیہ اسی کو کی جاتی ہے جس میں اس کی اہلیت بھی ہو۔ جس میں اصلاح وصلاح کی قابلیت ہی نہ ہو اس کو تنبیہ ہی کون کرتا ہے۔ کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت پر لوگوں نے ہم سے بولنا چھوڑ دیا اور ہم سے اِجتناب کرنے لگے اور گویا دنیا ہی بدل گئی، حتیٰ کہ زمین باوجود اپنی وُسعت کے مجھے تنگ معلوم ہونے لگی۔ سارے لوگ اجنبی معلوم ہونے لگے۔ در و دیوار اُوپرے بن گئے۔ مجھے سب سے زیادہ اس کا فکر تھا کہ میں اس حال میں مر گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنازے کی نماز بھی نہ پڑھیں گے اور خدانخواستہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایسا ہی رہوں گا، نہ مجھ سے کوئی کلام کرے گا، نہ میری نماز پڑھے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے خلاف کون کر سکتا ہے۔ غرض ہم لوگوں نے پچاس دن اسی حال میں گذارے۔ میرے دونوں ساتھی تو شروع ہی سے گھروں میں چُھپ کر بیٹھ گئے تھے۔ میں سب میں قوی تھا، چلتا پھرتا، بازار میں جاتا، نماز میں شریک ہوتا، مگر مجھ سے بات کوئی نہ کرتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہو کر سلام کرتا اور بہت غور سے خیال کرتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لَب مبارک جواب کے لئے ہِلے یا نہیں۔ نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہی کھڑے ہو کر نماز پوری کرتا اور آنکھ چُرا کر دیکھتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھتے بھی ہیں

---

[1] بدری وہ لوگ کہلاتے ہیں جو بدر کی لڑائی میں شریک ہوئے۔ ان کی بزرگی اور بڑائی مُسلّم ہے۔ احادیث میں بھی ان کی فضیلت آئی ہے۔ کتنی ہی حدیثوں میں ان کی مغفرت اور اللہ تعالیٰ کی ان سے خوش ہونے کی بشارتیں آئی ہیں۔

یانہیں، جب مَیں نماز میں مشغول ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھتے اور جب میں ادھر مُتَوَجِّہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم منہ پھیر لیتے اور میری جانب سے اعراض فرمالیتے۔

غرض یہی حالات گذرتے رہے اور مسلمانوں کا بات چیت بند کرنا مجھ پر بہت ہی بھاری ہوگیا تو میں ابوقتادہ کی دیوار پر چڑھا۔ وہ میرے رشتہ کے چچازاد بھائی بھی تھے اور مجھ سے تعلّقات بھی بہت ہی زیادہ تھے۔ میں نے اوپر چڑھ کر سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے اُن کو قسم دے کر پوچھا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول سے محبّت ہے؟ انہوں نے اس کا بھی جواب نہ دیا۔ میں نے دوبارہ قسم دی اور دریافت کیا: وہ پھر بھی چپ ہی رہے، میں نے تیسری مرتبہ پھر قسم دے کر پوچھا، انہوں نے کہا: اللہ جانے اور اس کا رسول۔ یہ کلمہ سُن کر میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور وہاں سے لوٹ آیا۔

اسی دوران میں ایک مرتبہ مدینہ کے بازار میں جارہا تھا کہ ایک قِبطی کو جو نصرانی تھا اور ''شام'' سے مدینہ مُنوّرہ اپنا غلّہ فروخت کرنے آیا تھا یہ کہتے ہوئے سنا کہ کوئی کعب بن مالک کا پتہ بتادو۔ لوگوں نے اس کو میری طرف اشارہ کر کے بتایا، وہ میرے پاس آیا اور غَسّان کے کافر بادشاہ کا خط مجھے لاکر دیا۔ اس میں لکھا ہوا تھا: ہمیں معلوم ہوا کہ تمہارے آقا نے تم پر ظلم کر رکھا ہے، تمہیں اللہ ذِلّت کی جگہ نہ رکھے اور نہ ضائع کرے، تم ہمارے پاس آجاؤ، ہم تمہاری مدد کریں گے (دنیا کا قاعدہ ہوتا ہے کہ کسی بڑے کی طرف سے اگر چھوٹوں کو تنبیہ ہوتی ہے تو ان کو بہکانے والے، اور زیادہ کھونے کی کوشش کیا کرتے ہیں اور خیر خواہ بن کر اس قسم کے الفاظ سے اِشْتِعال دلایا ہی کرتے ہیں)۔

کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ خط پڑھ کر اِنّا لِلّٰہ پڑھی کہ میری حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ کافر بھی مجھ میں طمع کرنے لگے اور مجھے اسلام تک سے ہٹانے کی تدبیریں ہونے لگیں۔ یہ ایک اور مصیبت آئی اور اس خط کو لے جاکر میں نے ایک تَنُّور میں پھونک دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جاکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کے اعراض کی وجہ سے میری یہ

حالت ہوگئی کہ کافر مجھ میں طمع کرنے لگے۔ اسی حالت میں چالیس روز ہم پر گذرے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد میرے پاس حضور کا یہ اِرشاد لے کر آیا کہ اپنی بیوی کو بھی چھوڑ دو۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا منشا ہے؟ اس کو طلاق دے دوں؟ کہا: نہیں، بلکہ علیحدگی اختیار کر لو۔ اور میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی ان ہی قاصد کی معرفت یہی حکم پہنچا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ تو اپنے میکے چلی جا۔ جب تک اللہ تعالیٰ اس امر کا فیصلہ فرمائیں وہیں رہنا۔ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ ہلال بالکل بوڑھے شخص ہیں، کوئی خبر گیری کرنے والا نہ ہوگا تو ہلاک ہو جائیں گے۔ اگر آپ اجازت دیں اور آپ کو گرانی نہ ہو تو میں کچھ کام کاج اُن کا کر دیا کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مضائقہ نہیں، لیکن صحبت نہ کریں۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس چیز کی طرف تو ان کو میلان بھی نہیں۔ جس روز سے یہ واقعہ پیش آیا آج تک ان کا وقت روتے ہی گذر رہا ہے۔ کعب[1] رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھ سے بھی کہا گیا کہ ہلال کی طرح تو بھی اگر بیوی کی خدمت کی اجازت لے لے تو شاید مل جائے۔ میں نے کہا: وہ بوڑھے ہیں، میں جوان ہوں، نہ معلوم مجھے کیا جواب ملے، اس لئے میں جرأت نہیں کرتا۔

غرض اس حال میں دس روز اور گذرے کہ ہم سے بات چیت، میل جول چُھٹے ہوئے پورے پچاس دن ہوگئے۔ پچاسویں دن کی صبح کی نماز اپنے گھر کی چھت پر پڑھ کر میں نہایت غمگین بیٹھا ہوا تھا۔ زمین مجھ پر بالکل تنگ تھی اور زندگی دوبھر ہو رہی تھی کہ سَلَع پہاڑ کی چوٹی پر سے ایک زور سے چلّانے والے نے آواز دی کہ کعب! خوشخبری ہو تم کو۔ میں اِتنا ہی سُن کر سجدے میں گر گیا اور خوشی کے مارے رونے لگا اور سمجھا کہ تنگی دور ہوگئی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد ہماری مُعافی کا اعلان فرمایا۔ جس پر ایک شخص نے تو پہاڑ پر چڑھ کر زور سے آواز دی کہ وہ سب سے پہلے پہنچ گئی۔ اس کے بعد ایک صاحب گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگے ہوئے آئے، میں جو کپڑے پہن رہا تھا وہ نکال کر بشارت دینے والے کی نذر کر دیئے۔ خدا کی قسم! ان دو کپڑوں کے سوا اور کوئی کپڑا[2] اس

[1] ممکن ہے بیوی نے کہا ہو کہ بیویوں سے علیحدگی کا حکم اب تک نہیں ہوا تھا یا کسی بچے یا منافق نے کہا ہو کہ صحابہ رضی اللہ عنہم تو بولتے ہی نہ تھے ۱۲

[2] اگرچہ کپڑے کے سوا اور مال موجود تھا، مگر اس وقت کی عام زندگی یہی تھی کہ فضول چیزیں زیادہ نہ ہوتی تھیں، اس لئے کپڑے دو ہی تھے ۱۲

وقت میری مِلک میں نہ تھا۔ اس کے بعد میں نے دو کپڑے مانگے ہوئے پہنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس طرح میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی خوشخبری لے کر لوگ گئے۔ میں جب مسجدِ نبوی میں حاضر ہوا تو وہ لوگ جو خدمتِ اَقدس میں حاضر تھے مجھے مُبارک باد دینے کے لئے دوڑے اور سب سے پہلے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر مُبارک باد دی اور مُصافحہ کیا جو ہمیشہ ہی یادگار رہے گا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جا کر سلام کیا تو چہرۂ انور کِھل رہا تھا اور انوار خوشی کے چہرے سے ظاہر ہو رہے تھے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی کے وقت میں چاند کی طرح سے چمکنے لگتا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میری توبہ کی تکمیل یہ ہے کہ میری جائیداد جو ہے وہ سب اللہ کے راستے میں صدقہ ہے (کہ یہ ثروت ہی اس مصیبت کا سبب بنی تھی)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں تنگی ہوگی۔ کچھ حصّہ اپنے پاس بھی رہنے دو۔ میں نے عرض کیا کہ بہتر ہے خیبر کا حصّہ رہنے دیا جائے۔ مجھے سچ ہی نے نجات دی اس لئے میں نے عہد کر لیا کہ ہمیشہ ہی سچ بولوں گا۔[1]

ف: یہ ہے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اطاعت اور دین داری کا اور اللہ کے خوف کا نمونہ کہ ہمیشہ جنگ میں یہ حضرات شریک رہے۔ ایک مرتبہ کی غیر حاضری پر کیا کیا عتاب ہوا اور اس کو کس فرمانبرداری سے برداشت کیا کہ پچاس دن رو کر گذار دیئے اور مال جس کی وجہ سے یہ واقعہ پیش آیا تھا وہ بھی صَدقہ کر دیا اور کافروں نے طمع دلائی تو بجائے مُشتعل ہونے کے اور زیادہ پشیمان ہوئے اور اس کو بھی اللہ کا عتاب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعراض کی وجہ سے سمجھا کہ میرے دین کا ضُعف اس درجہ تک پہنچ گیا کہ کافروں کو اُس کی طمع ہونے لگی کہ وہ مجھے بے دین بنا دیں۔ ہم لوگ بھی مسلمان ہیں، اللہ اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اِرشادات بھی سامنے ہیں۔ بڑے سے بڑا حکم نماز ہی کا لے لو کہ ایمان کے بعد اس کے برابر کوئی چیز بھی نہیں۔ کتنے ہیں جو اس حکم کی تعمیل کرتے ہیں؟ اور جو کرتے ہیں وہ بھی کیسی کرتے ہیں؟ اس کے بعد زکوٰۃ اور حج کا تو پوچھنا ہی کیا اس میں تو مال بھی خرچ ہوتا ہے۔

---

[1] درمنثور۔ فتح الباری

(۱۰) صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہنسنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ اور قبر کی یاد

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ نماز کے لئے تشریف لائے تو ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ کھِل کھِلا کر ہنس رہی تھی اور ہنسی کی وجہ سے دانت کھِل رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ اگر موت کو کثرت سے یاد کیا کرو تو جو حالت میں دیکھ رہا ہوں وہ پیدا نہ ہو، لہٰذا موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ قبر پر کوئی دن ایسا نہیں گذرتا جس میں وہ یہ آواز نہ دیتی ہو کہ میں بیگانگی کا گھر ہوں، تنہائی کا گھر ہوں، مٹی کا گھر ہوں، کیڑوں کا گھر ہوں۔ جب کوئی مؤمن قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ تیرا آنا مبارک ہے، بہت اچھا کیا، تُو آ گیا۔ جتنے آدمی زمین پر چلتے تھے، تُو اُن سب میں مجھے زیادہ پسند تھا۔ آج جب تُو میرے پاس آیا ہے تو میرے بہترین سُلوک کو دیکھے گا۔ اس کے بعد وہ قبر جہاں تک مُردے کی نظر پہنچ سکے وہاں تک وسیع ہو جاتی ہے اور ایک دروازہ اس میں جنّت کا کھُل جاتا ہے جس سے وہاں کی ہوا اور خوشبوئیں اس کو آتی رہتی ہیں اور جب کوئی بدکردار قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ تیرا آنا نامبارک ہے، بُرا کیا جو تو آیا۔ زمین پر جتنے آدمی چلتے تھے اُن سب میں تجھ ہی سے مجھے زیادہ نفرت تھی۔ آج جب تو میرے حوالہ ہوا ہے تو میرے برتاؤ کو بھی دیکھ لے گا۔ اس کے بعد وہ اس طرح سے اس کو دباتی ہے کہ پسلیاں آپس میں ایک دوسرے میں گُھس جاتی ہیں اور سنّڑ اژدھے اس پر ایسے مُسلّط ہو جاتے ہیں کہ اگر ایک بھی زمین پر پھونکار مارے تو اُس کے اثر سے زمین پر گھاس تک باقی نہ رہے وہ اس کو قیامت تک ڈستے رہتے ہیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ قبر یا جنّت کا ایک باغ ہے یا جہنّم کا ایک گڑھا ہے[1]۔

ف: اللہ کا خوف بڑی ضروری اور اہم چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اکثر کسی گہری سوچ میں رہتے تھے اور موت کا یاد کرنا اس کے لئے مفید ہے۔ اسی لئے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نسخہ ارشاد فرمایا، کبھی کبھی موت کو یاد کرتے رہنا بہت ہی ضروری اور مفید ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ

(۱۱) حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو نفاق کا ڈر

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تھے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ فرمایا جس سے قلوب نرم ہوگئے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اپنی حقیقت ہمیں ظاہر ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اٹھ کر میں گھر آیا، بیوی بچے پاس آگئے اور کچھ دنیا کا ذکر تذکرہ شروع ہوگیا اور بچوں کے ساتھ ہنسنا بولنا، بیوی کے ساتھ مذاق شروع ہوگیا اور وہ حالت جاتی رہی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تھی۔ دفعۃً خیال آیا کہ میں پہلے کس حال میں تھا، اب کیا ہوگیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ تُو تو مُنافق ہوگیا کہ ظاہر میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تو وہ حال تھا اور اب گھر میں آکر یہ حالت ہوگئی۔ میں اس پر افسوس اور رنج کرتا ہوا اور یہ کہتا ہوا گھر سے نکلا کہ حنظلہ تو منافق ہوگیا، سامنے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لا رہے تھے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ حنظلہ تو منافق ہوگیا۔ وہ یہ سُن کر فرمانے لگے کہ سبحان اللہ! کیا کہہ رہے ہو؟ ہرگز نہیں۔ میں نے صورت بیان کی کہ ہم لوگ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہوتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوزخ اور جنّت کا ذکر فرماتے ہیں تو ہم لوگ ایسے ہو جاتے ہیں گویا وہ دونوں ہمارے سامنے ہیں اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے آجاتے ہیں تو بیوی بچوں اور جائیداد وغیرہ کے دھندوں میں پھنس کر اس کو بھول جاتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ بات تو ہم کو بھی پیش آتی ہے، اس لئے دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جا کر حنظلہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مَیں تو منافق ہوگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا بات ہوئی؟ حنظلہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ جب ہم لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ جنّت و دوزخ کا ذکر فرماتے ہیں تب تو ہم ایسے ہو جاتے ہیں کہ گویا وہ ہمارے سامنے ہیں۔ لیکن جب خدمتِ اَقدس سے چلے جاتے ہیں تو جا کر بیوی بچوں اور گھر بار کے دھندوں میں لگ کر بُھول جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر تمہارا ہر وقت وہی حال رہے جیسا میرے سامنے ہوتا ہے تو فرشتے تم سے بستروں پر اور راستوں

میں مُصافحہ کرنے لگیں، لیکن حنظلہ! بات یہ ہے کہ گاہے گاہے، گاہے گاہے۔[1]

ف: یعنی آدمی کے ساتھ انسانی ضرورتیں بھی لگی ہوئی ہیں جن کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ کھانا پینا، بیوی بچے اور ان کی خیر خبر لینا، یہ بھی ضروری چیزیں ہیں۔ اس لئے اس قسم کے حالات کبھی کبھی حاصل ہوتے ہیں۔ نہ ہر وقت یہ حاصل ہوتے ہیں اور نہ اس کی اُمید رکھنی چاہئے۔ یہ فرشتوں کی شان ہے کہ ان کو کوئی دوسرا دھندا ہی نہیں، نہ بیوی بچے، نہ فکرِ معاش اور نہ دُنیوی قصّے۔ اور انسان کے ساتھ چونکہ بشری ضروریات لگی ہوئی ہیں اس لئے وہ ہر وقت ایک سی حالت پر نہیں رہ سکتا، لیکن غور کی بات ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے دین کی کتنی فکر تھی کہ ذرا سی بات سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو حالت ہماری ہوتی ہے وہ بعد میں نہیں رہتی، اس سے اپنے مُنافق ہونے کا ان کو فکر ہو گیا۔ ''عشق است و ہزار بدگمانی''۔ عشق جس سے ہوتا ہے اس کے متعلق ہزار طرح کی بدگمانی اور فکر ہو جاتا ہے۔ بیٹے سے محبّت ہو اور وہ کہیں سفر میں چلا جائے، پھر دیکھیے ہر وقت خیریت کی خبر کا فکر رہتا ہے اور جو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ وہاں طاعون ہے یا فساد ہو گیا، پھر خدا جانے کتنے خُطوط اور تار پہنچیں گے۔

تکمیل
اللہ کے خوف کے متفرّق احوال

قرآن شریف کی آیات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور بزرگوں کے واقعات میں اللہ جَلَّ شَانُہٗ سے ڈرنے کے متعلق جتنا کچھ ذکر کیا گیا ہے اس کا احاطہ تو دشوار ہے، لیکن مختصر طور پر اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ دین کے ہر کمال کا زینہ اللہ کا خوف ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حِکمت کی جڑ اللہ کا خوف ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بہت رویا کرتے تھے، حتیٰ کہ روتے روتے آنکھیں بھی بیکار ہو گئی تھیں۔ کسی شخص نے ایک مرتبہ دیکھ لیا تو فرمانے لگے کہ میرے رونے پر تعجب کرتے ہو، اللہ کے خوف سے سورج روتا ہے۔ ایک مرتبہ ایسا ہی قصّہ آیا تو فرمایا کہ اللہ کے خوف سے چاند روتا ہے۔ ایک نوجوان صحابی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا، وہ

[1] احیاء، مسلم

پڑھ رہے تھے۔ جب "فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ" (رحمٰن:۳۷) پر پہنچے تو بدن کے بال کھڑے ہو گئے، روتے روتے دم گھٹنے لگا۔ اور کہہ رہے تھے ہاں جس دن آسمان پھٹ جاویں گے (یعنی قیامت کے دن) میرا کیا حال ہوگا، ہائے میری بربادی! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اس رونے کی وجہ سے فرشتے بھی رونے لگے۔ ایک انصاری نے تہجّد پڑھی اور پھر بیٹھ کر بہت روئے۔ کہتے تھے کہ: اللہ ہی سے فریاد کرتا ہوں جہنّم کی آگ کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم نے آج فرشتوں کو رُلا دیا۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، رو رہے تھے، بیوی بھی انکی اس حالت کو دیکھ کر رونے لگیں۔ پوچھا کہ کیوں روتی ہو؟ کہنے لگیں کہ جس وجہ سے تم روتے ہو۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ جہنّم پر تو گذرنا ہے ہی، نہ معلوم نجات ہو سکے گی یا وہیں رہ جاؤں گا۔[1] زُرارۃ بن اَوفیٰ ایک مسجد میں نماز پڑھا رہے تھے، "فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ" (المدثر:۸) پر جب پہنچے تو فوراً گر گئے اور انتقال ہو گیا، لوگ اُٹھا کر گھر تک لائے۔ حضرت خُلَید رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے۔ "كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ" (آل عمران:۱۸۵) پر پہنچے تو اس کو بار بار پڑھنے لگے، تھوڑی دیر میں گھر کے ایک کونے سے آواز آئی کہ کتنی مرتبہ اس کو پڑھو گے، تمہارے اس بار بار کے پڑھنے سے چار جن مر چکے ہیں۔ ایک اور صاحب کا قصّہ لکھا ہے کہ پڑھتے پڑھتے جب "وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ" (یونس:۳۰) پر پہنچے تو ایک چیخ ماری اور تڑپ تڑپ کر مر گئے۔

اور بھی اس قسم کے واقعات کثرت سے گذرے ہیں۔ حضرت فُضیل رحمۃ اللہ علیہ مشہور بزرگ ہیں۔ کہتے ہیں کہ اللہ کا خوف ہر خیر کی طرف رہبری کرتا ہے۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے سب ہی واقف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب بھی میں اللہ سے ڈرا ہوں اس کی وجہ سے مجھ پر حکمت اور عبرت کا ایسا دروازہ کھلا ہے جو اس سے پہلے نہیں کھلا۔ حدیث میں آیا ہے: اللہ جَلَّ شَانُہٗ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے پر دو خوف جمع نہیں کرتا اور دو بے فکریاں نہیں دیتا۔ اگر دنیا میں مجھ سے بے فکر رہے تو قیامت میں ڈراتا ہوں اور دنیا میں ڈرتا رہے تو

---

[1] قیام اللیل

آخرت میں بے فکری عطا کرتا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے اس سے ہر چیز ڈرتی ہے اور جو غیر اللہ سے ڈرتا ہے اس کو ہر چیز ڈراتی ہے۔ یحییٰ بن مُعاذ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آدمی بے چارہ اگر جہنّم سے اتنا ڈرنے لگے جتنا تنگ دستی سے ڈرتا ہے تو سیدھا جنّت میں جائے۔ ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جس دل سے اللہ کا خوف جاتا رہتا ہے وہ برباد ہو جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس آنکھ سے اللہ کے خوف کی وجہ سے ذرا سا آنسو خواہ مکھی کے سر کے برابر ہی کیوں نہ ہو نکل کر چہرہ پر گرتا ہے اللہ تعالیٰ اس چہرہ کو آگ پر حرام فرما دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے کہ جب مسلمان کا دل اللہ کے خوف سے کانپتا ہے تو اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے درختوں سے پتے جھڑتے ہیں۔ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کے خوف سے روئے اس کا آگ میں جانا ایسا ہی مشکل ہے جیسا دودھ کا تھنوں میں واپس جانا۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ نجات کا راستہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی زبان کو روکے رکھو، گھر میں بیٹھے رہو اور اپنی خطاؤں پر روتے رہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ آپ کی امت میں کوئی ایسا بھی ہے جو بے حساب کتاب جنّت میں داخل ہو؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں جو اپنے گناہوں کو یاد کر کے روتا رہے۔ میرے آقا کا ایک اور ارشاد ہے کہ اللہ کے نزدیک دو قطروں سے زیادہ کوئی قطرہ پسند نہیں: ایک آنسو کا قطرہ جو اللہ کے خوف سے نکلا ہو، دوسرا خون کا قطرہ جو اللہ کے راستہ میں گرا ہو۔

ایک جگہ ارشاد ہے کہ قیامت کے دن سات آدمی ایسے ہوں گے جن کو اللہ جل شانہٗ اپنا سایہ عطا فرماویں گے۔ ایک وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی وجہ سے اس کی آنکھ سے آنسو بہنے لگیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: جو رو سکتا ہو وہ روئے اور جس کو رونا نہ آئے وہ رونے کی صورت ہی بنا لے۔ محمد بن مُنکدِر رحمۃ اللہ علیہ جب روتے تھے تو آنسوؤں کو اپنے منہ اور ڈاڑھی سے پونچھتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ جہنّم کی آگ اس جگہ کو نہیں چھوتی جہاں آنسو پہنچے ہوں۔

ثابت بُنانی رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھیں دکھنے لگیں۔ طبیب نے کہا کہ ایک بات کا وعدہ کرلو، آنکھ اچھی ہوجاوے گی کہ رویا نہ کرو۔ کہنے لگے کہ آنکھ میں کوئی خوبی ہی نہیں اگر وہ روئے نہیں۔ یزید بن مَیسَرہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رونا سات وجہ سے ہوتا ہے: خوشی سے[۱]، جنون[۲] سے، درد[۳] سے، گھبراہٹ[۴] سے، دکھلاوے[۵] سے، نشہ[۶] سے اور اللہ کے خوف سے۔ یہی ہے وہ رونا کہ اس کا ایک آنسو بھی آگ کے سمندر کو بجھا دیتا ہے۔

کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر میں اللہ کے خوف سے روؤں اور آنسو میرے رُخسار پر بہنے لگیں یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ پہاڑ کے برابر سونا صدقہ کروں۔ ان کے علاوہ اور بھی ہزاروں ارشادات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی یاد میں اور اپنے گناہوں کی فکر میں رونا کیمیا ہے اور بہت ہی ضروری اور مفید، اور اپنے گناہوں پر نظر کر کے یہی حالت ہونی چاہئے، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ کے فضل اور اسکی رحمت کی اُمید میں بھی کمی نہ ہو، یقیناً اللہ کی رحمت ہر شے کو وسیع ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اگر قیامت میں یہ اعلان ہو کہ ایک شخص کے سوا سب کو جہنّم میں داخل کرو تو مجھے اللہ کی رحمت سے یہ اُمید ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں اور اگر یہ اعلان ہو کہ ایک شخص کے سوا سب کو جنّت میں داخل کرو تو مجھے اپنے اعمال سے یہ خوف ہے کہ وہ شخص میں ہی نہ ہوں۔ اس لئے دونوں چیزوں کو علیحدہ علیحدہ سمجھنا اور رکھنا چاہئے۔ بالخُصوص موت کے وقت میں اُمید کا معاملہ زیادہ ہونا چاہئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص نہ مرے مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن رکھتا ہوا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا جب انتقال ہونے لگا تو انہوں نے اپنے بیٹے کو بلایا اور فرمایا کہ ایسی احادیث مجھے سناؤ جن سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُمّید بڑھتی ہو۔

تیسرا باب

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زُہد وفقر کے بیان میں

اس بارے میں خود نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا معمول اور اس کے واقعات جو اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خود اختیار فرمائی ہوئی اور پسند کی ہوئی تھی، اتنی کثرت سے حدیثوں کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں کہ ان کا مثال کے طور پر بھی جمع کرنا مشکل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ ''فقر مومن کا تحفہ ہے''۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہاڑوں کو سونا بنا دینے سے انکار

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے رب نے مجھ پر یہ پیش کیا کہ میرے لئے مکّہ کے پہاڑوں کو سونے کا بنا دیا جاوے۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ! مجھے تو یہ پسند ہے کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں تو دوسرے دن بھوکا رہوں تا کہ جب بھوکا ہوں تو تیری طرف زاری کروں اور تجھے یاد کروں اور جب پیٹ بھروں تو تیرا شکر کروں، تیری تعریف کروں۔[1]

فائدہ: یہ اس ذاتِ مُقدّس کا حال ہے جس کے ہم نام لیوا ہیں اور اس کی امت میں ہونے پر فخر ہے، جس کی ہر بات ہمارے لئے قابلِ اِتّباع ہے۔

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وُسعت طلب کرنے پر تنبیہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گذر کی حالت

بیویوں کی بعض زیادتیوں پر ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھالی تھی کہ ایک مہینہ تک اُن کے پاس نہ جاؤں گا تا کہ ان کو تنبیہ ہو، اور علیحدہ اوپر ایک حجرہ میں قیام فرمایا تھا۔ لوگوں میں یہ شہرت ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو طلاق دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت اپنے گھر تھے، جب یہ خبر سنی تو دوڑے ہوئے تشریف لائے، مسجد میں دیکھا کہ لوگ متفرق طور پر بیٹھے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رنج اور غُصّہ کی وجہ سے رو رہے ہیں۔ بیبیاں بھی سب اپنے اپنے گھروں میں رو رہی ہیں، اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف

[1] ترمذی

لے گئے، وہ بھی مکان میں رو رہی تھیں۔ فرمایا کہ اب کیوں رو رہی ہے؟ کیا مَیں ہمیشہ اس سے ڈرایا نہیں کرتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کی کوئی بات نہ کیا کر۔ اس کے بعد مسجد میں تشریف لائے۔ وہاں ایک جماعت منبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی، تھوڑی دیر وہاں بیٹھے رہے، مگر شدّتِ رنج سے بیٹھا نہ گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس جگہ تشریف فرما تھے اس کے قریب تشریف لے گئے اور حضرت رَباح رضی اللہ عنہ ایک غلام کے ذریعہ سے جو دوباری کے زینہ پر پاؤں لٹکائے بیٹھے تھے، اندر حاضری کی اجازت چاہی۔ انہوں نے حاضرِ خدمت ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے اجازت مانگی، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سُکوت فرمایا، کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت رباح رضی اللہ عنہ نے آکر یہی جواب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دے دیا کہ میں نے عرض کر دیا تھا، مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مایوس ہو کر منبر کے پاس آ بیٹھے، مگر بیٹھا نہ گیا۔ تو پھر تھوڑی دیر میں حاضر ہو کر حضرت رباح رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے اجازت چاہی۔ اسی طرح تین مرتبہ پیش آیا کہ یہ بیتابی سے غلام کے ذریعہ اجازت حاضری کی مانگتے۔ ادھر سے جواب میں سکوت اور خاموشی ہوتی۔ تیسری مرتبہ جب لوٹنے لگے تو حضرت رباح رضی اللہ عنہ نے آواز دی اور کہا کہ تمہیں حاضری کی اجازت ہوگئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضرِ خدمت ہوئے تو دیکھا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک بوریئے پر لیٹے ہوئے ہیں جس پر کوئی چیز بچھی ہوئی نہیں ہے، اس وجہ سے جسم اطہر پر بوریئے کے نشانات بھی اُبھر آئے ہیں۔ خوبصورت بدن پر نشانات صاف نظر آیا ہی کرتے ہیں اور سرہانے ایک چمڑے کا تکیہ ہے جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی ہے۔ میں نے سلام کیا اور سب سے اوّل تو یہ پوچھا: کیا آپ نے بیویوں کو طلاق دے دی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ اس کے بعد میں نے دل بستگی کے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم قریشی لوگ عورتوں پر غالب رہتے تھے، مگر جب مدینہ آئے تو دیکھا کہ انصار کی عورتیں مردوں پر غالب ہیں، ان کو دیکھ کر قریش کی عورتیں بھی اس سے مُتاثّر ہو گئیں۔ اس کے بعد میں نے ایک آدھ بات اَور کی جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر تبسّم کے آثار ظاہر ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ گھر کا کل سامان یہ تھا: تین چمڑے بغیر دباغت دیئے ہوئے اور ایک مٹھی جَو ایک کونے میں پڑے ہوئے تھے۔ میں نے اِدھر اُدھر نظر دوڑا کر دیکھا تو اس کے

سوا کچھ نہ ملا۔ میں دیکھ کر رو دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیوں رو رہے ہو؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیوں نہ روؤں کہ یہ بوریئے کے نشانات آپ کے بدن مبارک پر پڑ رہے ہیں اور گھر کی کل کائنات یہ ہے جو میرے سامنے ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! دعا کیجئے کہ آپ کی اُمّت پر بھی وُسعت ہو۔ یہ روم وفارس بے دین ہونے کے باوجود کہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے ان پر تو یہ وُسعت، یہ قَیصر وکِسریٰ تو باغوں اور نہروں کے درمیان ہوں اور آپ اللہ کے رسول اور اس کے خاص بندہ ہو کر یہ حالت۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے ہوئے لیٹے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سُن کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ عمر! کیا اب تک اس بات کے اندر شک میں پڑے ہوئے ہو۔ سنو! آخرت کی وُسعت دنیا کی وُسعت سے بہت بہتر ہے۔ ان کفار کو طیّبات اور اچھی چیزیں دنیا میں مل گئیں اور ہمارے لئے آخرت میں ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے لئے استغفار فرمائیں کہ واقعی میں نے غلطی کی۔[1]

ف: یہ دین اور دنیا کے بادشاہ اور اللہ کے لاڈلے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل ہے کہ بوریئے پر کوئی چیز بچھی ہوئی بھی نہیں، نشانات بدن پر پڑے ہوئے ہیں۔ گھر کے ساز وسامان کا حال بھی معلوم ہو گیا، اس پر ایک شخص نے دعا کی درخواست کی تو تنبیہ فرمائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بسترہ کیسا تھا؟ فرمایا کہ ایک چمڑہ کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بھی کسی نے پوچھا تھا کہ آپ کے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بسترہ کیا تھا؟ فرمایا کہ ایک ٹاٹ تھا جس کو دوہرا کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے بچھا دیتی تھی۔ ایک روز مجھے خیال ہوا کہ اگر اس کو چوہرا کر کے بچھا دوں تو زیادہ نرم ہو جائے، چنانچہ ہم نے بچھا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کو فرمایا کہ رات کیا بچھا دیا تھا؟ ہم نے عرض کیا کہ وہی ٹاٹ تھا، اس کو چوہرا کر دیا تھا۔ فرمایا: اس کو ویسا ہی کر دو جیسا پہلے تھا۔ اس کی نرمی رات کو اٹھنے میں مانعِ بنتی ہے۔[2] اب ہم لوگ اپنے نرم نرم اور روئیں دار گدّوں پر بھی نگاہ ڈالیں کہ اللہ نے کس قدر وُسعت فرما رکھی ہے اور پھر بھی بجائے شکر کے ہر وقت تنگی کی شکایت ہی زبان پر رہتی ہے۔

---

[1] فتح، [2] شمائل

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بھوک میں حالت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کَتّان کے کپڑے میں ناک صاف کر کے فرمانے لگے: کیا کہنے ابو ہریرہ کے! آج کَتّان کے کپڑے میں ناک صاف کرتا ہے، حالانکہ مجھے وہ زمانہ بھی یاد ہے جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور حجرہ کے درمیان بے ہوش پڑا ہوا ہوتا تھا اور لوگ مجنون سمجھ کر پاؤں سے گردن دباتے تھے، حالانکہ جنون نہیں تھا بلکہ بھوک تھی۔

ف: یعنی بھوک کی وجہ سے کئی کئی روز کا فاقہ ہو جاتا تھا، بے ہوشی ہو جاتی تھی اور لوگ سمجھتے تھے کہ جُنون ہو گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اُس زمانہ میں مجنون کا علاج گردن کو پاؤں سے دبانے سے کیا جاتا تھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بڑے صابر اور قانع لوگوں میں تھے، کئی کئی وقت فاقہ میں گذر جاتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ نے فُتوحات فرمائیں تو ان پر تونگری آئی، اس کے ساتھ ہی بڑے عابد تھے، ان کے پاس ایک تھیلی تھی جس میں کھجور کی گٹھلیاں بھری رہتیں، اس پر تسبیح پڑھا کرتے۔ جب وہ ساری تھیلی خالی ہو جاتی تو باندی اس کو پھر بھر کر پاس رکھ دیتی۔ ان کا یہ بھی معمول تھا کہ خود اور بیوی اور خادم تین آدمی رات کے تین حصے کر لیتے اور نمبر وار ایک شخص تینوں میں سے عبادت میں مشغول رہتا[1]۔ میں نے اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ میرے دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی تقریباً یہی معمول تھا کہ رات کو ایک بجے تک والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مُطالعہ میں مشغول رہتے۔ ایک بجے دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ تہجُّد کے لئے اٹھتے تو تقاضا فرما کر والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سُلا دیتے اور خود تہجُّد میں مشغول ہو جاتے اور صبح سے تقریباً پون گھنٹہ قبل میرے تائے صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو تہجّد کے لئے جگا دیتے اور خود اتباعِ سنت میں آرام فرماتے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِی اتِّبَاعَھُمْ۔

(۴) حضرت ابو بکر صِدّیق رضی اللہ عنہ کا بیتُ المال سے وظیفہ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے یہاں کپڑے کی تجارت ہوتی تھی اور اسی سے گذر اوقات تھا۔ جب خلیفہ بنائے گئے تو حسبِ معمول صبح کو چند چادریں ہاتھ پر ڈال کر بازار میں فروخت کے لئے تشریف لے چلے، راستہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملے۔ پوچھا: کہاں

[1] تذکرۃ الحفاظ

چلے؟ فرمایا: بازار جارہا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اگر تم تجارت میں مشغول ہو گئے تو خلافت کے کام کا کیا ہوگا؟ فرمایا: پھر اہل وعیال کو کہاں سے کھلاؤں۔ عرض کیا کہ ابوعُبیدہ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امین ہونے کا لقب دیا ہے اُن کے پاس چلیں، وہ آپ کے لئے بیتُ المال سے کچھ مقرّر کردیں گے۔ دونوں حضرات اُن کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے ایک مُہاجری کو جو اوسطاً ملتا تھا، نہ کم نہ زیادہ، وہ مقرر فرمادیا۔ ایک مرتبہ بیوی نے درخواست کی کہ کوئی میٹھی چیز کھانے کو دل چاہتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے پاس تو دام نہیں کہ خریدوں۔ اہلیہ نے عرض کیا کہ ہم اپنے روز کے کھانے میں سے تھوڑا تھوڑا بچالیا کریں، کچھ دنوں میں اتنی مقدار ہوجاوے گی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اجازت فرما دی۔ اَہلیہ نے کئی روز میں کچھ تھوڑے سے پیسے جمع کئے، آپ نے فرمایا کہ تجربے سے یہ معلوم ہوا کہ اتنی مقدار ہمیں بیتُ المال سے زیادہ ملتی ہے، اس لئے جو اَہلیہ نے جمع کیا تھا وہ بھی بیتُ المال میں جمع فرمادیا اور آئندہ کے لئے اتنی مقدار جتنا انہوں نے روزانہ جمع کیا تھا اپنی تنخواہ میں سے کم کردیا۔

ف: اتنے بڑے خلیفہ اور بادشاہ پہلے سے اپنی تجارت بھی کرتے تھے اور وہ ضروریات کو کافی بھی تھی جیسا کہ اس اعلان سے معلوم ہوتا ہے جو بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری قوم کو یہ بات معلوم ہے کہ میرا پیشۂ تجارت میرے اَہل وعیال کو نا کافی نہیں تھا، لیکن اب خِلافت کی وجہ سے مسلمانوں کے کاروبار میں مشغولی ہے، اس لئے بیت المال سے میرے اہل وعیال کا کھانا مقرّر ہوگا۔ اس کے باوجود جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وصال ہونے لگا تو حضرت عائشہ کو وصیّت فرمائی کہ میری ضرورتوں میں جو چیزیں بیتُ المال کی ہیں وہ میرے بعد آنے والے خلیفہ کے حوالہ کردی جائیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کے پاس کوئی دینار یا درہم نہیں تھا، ایک اونٹنی دودھ کی، ایک پیالہ، ایک خادم تھا۔ بعض روایات میں ایک اوڑھنا، ایک بچھونا بھی آیا ہے۔ یہ اشیاء جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس نیابت میں پہنچیں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابوبکر پر رحم فرمائیں کہ اپنے سے بعد والے کو مَشَقَّت میں ڈال گئے۔[1]

[1] فتح

(۵) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بیت المال سے وظیفہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تجارت کیا کرتے تھے۔ جب خلیفہ بنائے گئے تو بیت المال سے وظیفہ مُقرّر ہوا، مدینہ طیّبہ میں لوگوں کو جمع فرما کر ارشاد فرمایا کہ میں تجارت کرتا تھا۔ اب تم لوگوں نے اس میں مشغول کر دیا۔ اس لئے اب گذارہ کی کیا صورت ہو؟ لوگوں نے مختلف مقداریں تجویز کیں۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ چپ بیٹھے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا کہ توسُّط کے ساتھ جو تمہیں اور تمہارے گھر والوں کو کافی ہو جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور قبول کر لیا اور مُتوسِّط مقدار تجویز ہوگئی۔ اس کے بعد ایک مرتبہ ایک مجلس میں جس میں خود حضرت علی کرّم اللہ وجہہ بھی تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ شریک تھے یہ ذکر آیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وظیفہ میں اضافہ کرنا چاہئے کہ گذر میں تنگی ہوتی ہے، مگر اُن سے عرض کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس لئے ان کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہونے کی وجہ سے اُمُّ المؤمنین بھی تھیں ان کی خدمت میں یہ حضرات تشریف لے گئے اور ان کے ذریعہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اجازت اور رائے معلوم کرنے کی کوشش کی اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ ہم لوگوں کے نام معلوم نہ ہوں۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا تذکرہ کیا تو چہرہ پر غُصّہ کے آثار ظاہر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نام دریافت کئے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ پہلے آپ کی رائے معلوم ہو جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے ان کے نام معلوم ہو جاتے تو ان کے چہرے بدل دیتا یعنی ایسی سزائیں دیتا کہ منہ پر نشان پڑ جاتے۔ تُو ہی بتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عُمدہ سے عُمدہ لباس تیرے گھر میں کیا تھا؟ انہوں نے عرض کیا کہ دو کپڑے گیروی رنگ کے جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن یا کسی وفد کی وجہ سے پہنتے تھے۔ پھر فرمایا کہ کونسا کھانا تیرے یہاں عمدہ سے عمدہ کھایا؟ عرض کیا کہ ہمارا کھانا جَو کی روٹی تھی۔ ہم نے گرم گرم روٹی پر گھی کے ڈبہ کی تلچھٹ اُلٹ کر اس کو ایک مرتبہ چُپڑ دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اس کو مزے لے کر نوش فرما رہے تھے اور دوسروں کو بھی کھلاتے تھے۔ فرمایا: کونسا بسترہ عمدہ

ہوتا تھا جو تیرے یہاں بچھاتے تھے؟ عرض کیا: ایک موٹا سا کپڑا تھا، گرمی میں اس کو چوہرا کر کے بچھا لیتے تھے اور سردی میں آدھے کو بچھا لیتے اور آدھے کو اوڑھ لیتے۔ فرمایا: حفصہ! ان لوگوں تک یہ بات پہنچادے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طرزِ عمل سے ایک اندازہ مُقرر فرمادیا۔ اور اُمید (آخرت) پر کفایت فرمائی، مَیں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اِتّباع کروں گا۔ میری مثال اور میرے دو ساتھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مثال ان تین شخصوں کی سی ہے جو ایک راستہ پر چلے۔ پہلا شخص ایک توشہ لے کر چلا اور مقصد کو پہنچ گیا۔ دوسرے نے بھی پہلے کا اِتّباع کیا اور اسی کے طریقہ پر چلا، وہ بھی پہلے کے پاس پہنچ گیا۔ پھر تیسرے شخص نے چلنا شروع کیا، اگر وہ ان دونوں کے طریقہ پر چلے گا تو ان کے ساتھ مل جائے گا اور اگر ان کے طریقہ کے خلاف چلے گا تو کبھی بھی ان کے ساتھ نہیں مل سکے گا۔[1]

ف: یہ اس شخص کا حال ہے جس سے دنیا کے بادشاہ ڈرتے تھے، کانپتے تھے، کہ کس زاہدانہ زندگی کے ساتھ عمر گذار دی۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ خطبہ پڑھ رہے تھے اور آپ کی لنگی میں بارہ پیوند تھے جن میں سے ایک چمڑہ کا بھی تھا۔ ایک مرتبہ جمعہ کی نماز کے لئے تشریف لانے میں دیر ہوئی تو تشریف لا کر مَعذرت فرمائی کہ مجھے اپنے کپڑے دھونے میں دیر ہوئی اور ان کپڑوں کے علاوہ اور تھے نہیں[2]۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھانا نوش فرما رہے تھے۔ غلام نے آکر عرض کیا کہ عُتبہ بن ابی فَرقد رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے ہیں۔ آپ نے اندر آنے کی اجازت فرمائی اور کھانے کی تواضُع فرمائی، وہ شریک ہو گئے تو ایسا موٹا کھانا تھا کہ نگلا نہ گیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ چھنے ہوئے آٹے کا کھانا بھی تو ہو سکتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا سب مسلمان میدہ کھا سکتے ہیں۔ عرض کیا کہ سب تو نہیں کھا سکتے۔ فرمایا کہ افسوس! تم یہ چاہتے ہو کہ میں اپنی ساری لذتیں دنیا ہی میں ختم کر دوں[3]۔

اس قسم کے سینکڑوں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں واقعات ان حضرات کرام کے ہیں، ان کا اتباع نہ اب ہو سکتا ہے نہ ہر شخص کو کرنا چاہئے کہ قُویٰ ضعیف ہیں جس کی وجہ سے تحمّل بھی اُن کا اس زمانہ میں دُشوار ہے۔ اسی وجہ سے اِس زمانہ میں مشائخِ تصوُّف ایسے مُجاہدوں کی

---

[1] اشہر، [2] اشہر، [3] اسد الغابہ

اجازت نہیں دیتے جن سے ضُعف پیدا ہو کہ قوتیں پہلے ہی سے ضعیف ہیں۔ ان حضرات کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے قوتیں بھی عطا فرمائی تھیں، البتہ یہ ضروری ہے کہ اِتّباع کی خواہش اور تمنّا ضرور رکھنا چاہئے کہ اس کی وجہ سے آرام طلبی میں کچھ کمی واقع ہو اور نگاہ کچھ تو نیچی رہے اور اس زمانہ کے مناسب اعتدال پیدا ہو جائے کہ ہم لوگ ہر وقت لذاتِ دنیا میں بڑھتے جاتے ہیں اور ہر شخص اپنے سے زیادہ مال و دولت والے کی طرف نگاہ رکھتا ہے اور اس حسرت میں مرا جاتا ہے کہ فلاں شخص مجھ سے زیادہ وُسعت میں ہے۔

(۶) حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ایک مشرک سے قرض لینا

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ایک صاحب نے پوچھا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اِخراجات کی کیا صورت ہوتی تھی؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ جمع تو رہتا ہی نہیں تھا۔ یہ خدمت میرے سپرد تھی جس کی صورت یہ تھی کہ کوئی مسلمان بھوکا آتا تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ارشاد فرما دیتے۔ مَیں کہیں سے قرض لے کر اس کو کھانا کھلا دیتا۔ کوئی ننگا آتا تو مجھے ارشاد فرما دیتے، میں کسی سے قرض لے کر اس کو کپڑا پہنا دیتا، یہ صورت ہوتی رہتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک مشرک مجھے ملا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ مجھے وُسعت اور ثَرْوَت حاصل ہے، تو کسی سے قرض نہ لیا کر، جب ضرورت ہوا کرے مجھ ہی سے قرض لے لیا کر۔ میں نے کہا: اس سے بہتر کیا ہوگا؟ اس سے قرض لینا شروع کر دیا۔ جب ارشادِ عالی ہوتا اس سے قرض لے آیا کرتا اور ارشادِ والا کی تعمیل کر دیتا۔

ایک مرتبہ وضو کر کے اذان کہنے کے لئے کھڑا ہی ہوا تھا کہ وہی مشرک ایک جماعت کے ساتھ آیا اور کہنے لگا: او حبشی! میں اُدھر متوجہ ہوا تو ایک دم بے تحاشا گالیاں دینے لگا اور بُرا بھلا جو منہ میں آیا کہا، اور کہنے لگا کہ مہینہ ختم ہونے میں کتنے دن باقی ہیں؟ میں نے کہا: قریب ختم کے ہے۔ کہنے لگا کہ چار دن باقی ہیں، اگر مہینہ کے ختم تک میرا سب قرضہ ادا نہ کیا تو تجھے اپنے قرضہ میں غلام بناؤں گا اور اسی طرح بکریاں چَراتا پھرے گا جیسا پہلے تھا۔ یہ کہہ کر چلا گیا، مجھ پر دن بھر جو گذرنا چاہئے تھا وہی گذرا۔ تمام دن رنج و صدمہ سوار رہا اور عشاء کی نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تنہائی میں حاضر ہوا اور سارا قصّہ سنایا اور عرض کیا:

یارسول اللہ! نہ آپ کے پاس اس وقت ادا کرنے کو فوری انتظام ہے اور نہ کھڑے کھڑے میں کوئی انتظام کرسکتا ہوں۔ وہ ذلیل کرے گا اس لئے اگر اجازت ہو تو اتنے قرض اُترنے کا انتظام ہو، میں کہیں روپوش ہو جاؤں۔ جب آپ کے پاس کہیں سے کچھ آجائے گا میں حاضر ہو جاؤں گا۔ یہ عرض کر کے مَیں گھر آیا، تلوار لی، ڈھال اٹھائی، جوتا اٹھایا۔ یہی سامانِ سفر تھا اور صبح ہونے کا انتظار کرتا رہا کہ صبح کے قریب ہی کہیں چلا جاؤں گا۔ صبح قریب تھی کہ ایک صاحب دوڑے ہوئے آئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جلدی چلو۔ میں حاضرِ خدمت ہوا تو دیکھا کہ چار اونٹنیاں جن پر سامان لدا ہوا تھا بیٹھی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خوشی کی بات سُناؤں کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے قرضہ کی بے باقی کا انتظام فرمادیا۔ یہ اونٹنیاں بھی تیرے حوالے اور ان کا سب سامان بھی۔ فَدَک کے رئیس نے یہ نذرانہ مجھے بھیجا ہے۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور خوشی خوشی ان کو لے کر گیا اور سارا قرضہ ادا کر کے واپس آیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنے مسجد میں انتظار فرماتے رہے۔ میں نے واپس آکر عرض کیا کہ حضور! اللہ کا شکر ہے حق تعالیٰ نے سارے قرضہ سے آپ کو سبکدوش کر دیا اور اب کوئی چیز بھی قرضہ کی باقی نہیں رہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ سامان میں سے بھی کچھ باقی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں کچھ باقی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے بھی تقسیم ہی کر دے تاکہ مجھے راحت ہو جائے۔ میں گھر میں بھی اس وقت تک نہیں جانے کا جب تک یہ تقسیم نہ ہو جائے۔ تمام دن گذر جانے کے بعد عشاء کی نماز سے فراغت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ وہ بچا ہوا مال تقسیم ہو گیا یا نہیں؟ میں نے عرض کیا کہ کچھ موجود ہے، ضرورت مند آئے نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد ہی میں آرام فرمایا۔ دوسرے دن عشاء کے بعد پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہو جی کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے آپ کو راحت عطا فرمائی کہ وہ سب نمٹ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی حمد وثنا فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ڈر ہوا کہ خدانخواستہ موت آجائے اور کچھ حصّہ مال کا آپ کی ملک میں رہے۔ اس کے بعد گھروں میں تشریف لے گئے اور بیویوں سے ملے۔[1]

---

[1] بذل

ف: اللہ والوں کی یہ بھی خواہش رہتی ہے کہ ان کی مِلک میں مال ومتاع کچھ نہ رہے، پھر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا تو کیا پوچھنا جو سارے نبیوں کے سردار، سارے اولیاء کے سرتاج، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خواہش کیوں نہ ہوتی کہ میں دُنیا سے بالکل فارغ ہوجاؤں۔ میں نے معتبر ذرائع سے سُنا ہے کہ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہٗ کا معمول یہ تھا کہ جب نذرانوں کی رقم کچھ جمع ہوجاتی تو اہتمام سے منگوا کر سب تقسیم فرمادیتے اور وِصال سے قبل تو اپنے پہننے کے کپڑے وغیرہ بھی اپنے خادم خاص حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب[1] مُدَّظِلُّہٗ کو دے دیئے تھے اور فرمایا تھا کہ بس اب تم سے مُستَعار لے کر پہن لیا کروں گا اور اپنے والد صاحب[2] رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے بارہا دیکھا کہ مغرب کے بعد جو کوئی روپیہ پاس ہوتا وہ کسی قرض خواہ کو دے دیتے کہ کئی ہزار کے مقروض تھے اور یہ فرمایا کرتے کہ جھگڑے کی چیز میں رات کو اپنے پاس نہیں رکھتا۔ اس نوع کے بہت سے حالات اکابر کے ہیں، مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر شیخ کا ایک ہی رنگ ہو۔ مشائخ کے اَلوان مختلف ہوتے ہیں اور چمن کے پھولوں میں ہر پھول کی صورت سیرت ممتاز ہوتی ہے۔

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بھوک میں مسئلہ دریافت کرنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم لوگ اس وقت ہماری حالتیں دیکھتے کہ ہم میں سے بعضوں کو کئی کئی وقت تک اتنا کھانا نہیں ملتا تھا جس سے کمر سیدھی ہوسکے۔ میں بھوک کی وجہ سے جگر کو زمین سے چپٹا دیتا اور کبھی پیٹ کے بل پڑا رہتا تھا اور کبھی پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا۔ ایک مرتبہ مَیں راستہ میں بیٹھ گیا جہاں کو ان حضرات کا راستہ تھا۔ اوّل حضرت ابوبکر صِدّیق رضی اللہ عنہ گذرے، میں نے ان سے کوئی بات پوچھنا شروع کردی، خیال تھا کہ یہ بات کرتے ہوئے گھر تک لے جائیں گے اور پھر عادتِ شریفہ کے موافق جو موجود ہوگا اس میں تواضُع ہی فرمائیں گے، مگر انہوں نے ایسا نہ کیا (غالباً ذہن منتقل نہیں ہوا یا اپنے گھر کا حال معلوم ہوگا کہ وہاں بھی کچھ نہیں)۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، ان کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور مجھے

---

[1] حضرت مولانا عبدالقادر صاحب قدس اللہ سرہٗ وفات پاگئے آپ کا وصال ۱۴ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ کو لاہور میں ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط [2] یعنی حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

دیکھ کر مُسکرائے اور میری حالت اور غرض سمجھ گئے اور ارشاد فرمایا: اَبُوہُریرہ! میرے ساتھ آؤ، میں ساتھ ہولیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لے گئے۔ میں ساتھ اندر حاضری کی اجازت لے کر حاضر ہوا۔ گھر میں ایک پیالہ دودھ کا رکھا ہوا تھا جو خدمتِ اقدس میں پیش کیا گیا۔ دریافت فرمایا کہ کہاں سے آیا ہے؟ عرض کیا فلاں جگہ سے حضور کے لئے ہدیہ میں آیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابو ہریرہ! جاؤ، اہلِ صُفَّہ کو بلا لاؤ۔ اہلِ صفہ اسلام کے مہمان شمار ہوتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے نہ گھر تھا، نہ در، نہ ٹھکانہ، نہ کھانے کا کوئی مستقل انتظام۔ ان حضرات کی مقدار کم وبیش ہوتی رہتی تھی، مگر اس قصّہ کے وقت ستّر تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ بھی تھا کہ ان میں سے دو دو چار چار کو کسی کھاتے پیتے صحابی کا کبھی کبھی مہمان بھی بنا دیتے اور خود اپنا معمول یہ تھا کہ کہیں سے صدقہ آتا تو ان لوگوں کے پاس بھیج دیتے اور خود اس میں شرکت نہ فرماتے اور کہیں سے ہدیّہ آتا تو ان کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اس میں شرکت فرماتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بُلانے کا حکم دیا، مجھے گِراں تو ہوا کہ اس دودھ کی مقدار ہی کیا ہے جس پر سب کو بلا لاؤں، سب کا کیا بھلا ہوگا؟ ایک آدمی کو بھی مشکل سے کافی ہوگا اور پھر بُلانے کے بعد مجھ ہی کو پلانے کا حکم ہوگا، اس لئے نمبر بھی اخیر میں آئے گا جس میں بچے گا بھی نہیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے بغیر چارہ ہی کیا تھا؟ میں گیا اور سب کو بُلا لایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لے ان کو پِلا۔ میں ایک شخص کے پیالہ حوالہ کرتا اور وہ خوب سیر ہو کر پیتا اور پیالہ مجھے واپس دیتا۔ اسی طرح سب کو پلایا اور سب سیر ہو گئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ دستِ مبارک میں لے کر مجھے دیکھا اور تبسّم فرمایا، پھر فرمایا کہ بس اب تو میں اور تُو ہی باقی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ بیشک۔ فرمایا کہ لے پی۔ میں نے پیا، ارشاد فرمایا: اور پی، میں نے اور پیا۔ بالآخر میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اب میں نہیں پی سکتا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کا بچا ہوا خود نوش فرمایا۔

(۸) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ رضی اللہ عنہم سے دو شخصوں کے بارے میں سوال

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر تھے کہ ایک شخص سامنے سے گذرا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم لوگوں کی اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے؟ عرض کیا:

یارسول اللہ! شریف لوگوں میں ہے۔ واللہ! اس قابل ہے کہ اگر کہیں نکاح کا پیام دے دے تو قبول کیا جائے، کسی کی سِفارش کردے تو مانی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سن کر خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد ایک اور صاحب سامنے سے گذرے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق بھی سوال کیا، لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! ایک مسلمان فقیر ہے۔ کہیں منگنی کرے تو بیاہا نہ جائے، کہیں سفارش کرے تو قبول نہ ہو، بات کرے تو کوئی متوجّہ نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس پہلے جیسوں سے اگر ساری دنیا بھر جائے تو ان سب سے یہ شخص بہتر ہے۔

ف: مطلب یہ ہے کہ محض دُنیاوی شرافت اللہ کے یہاں کچھ بھی وَقعت نہیں رکھتی۔ ایک مسلمان فقیر جس کی دنیا میں کوئی بھی وَقعت نہ ہو اس کی بات کہیں بھی نہ سُنی جاتی ہو، اللہ کے نزدیک سینکڑوں ان شُرفاء سے بہتر ہے جن کی بات دنیا میں بڑی وقعت سے دیکھی جاتی ہو اور ہر شخص ان کی بات سُننے اور ماننے کو تیار ہو، لیکن اللہ کے یہاں اس کی کوئی وقعت نہ ہو۔ دنیا کا قیام ہی اللہ والوں کی برکت سے ہے۔ یہ تو حدیث میں خود موجود ہے کہ جس دن دنیا میں اللہ کا نام لینے والا نہ رہے گا تو قیامت آجائے گی اور دُنیا کا وجود ہی ختم ہو جائے گا۔ اللہ کے پاک نام ہی کی یہ برکت ہے کہ یہ دُنیا کا سارا نظام قائم ہے۔

(۹) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبّت کرنے والے پر فَقر کی دوڑ

ایک صحابی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے آپ سے محبّت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیکھ! کیا کہتا ہے۔ انہوں نے پھر یہی عرض کیا کہ مجھے آپ سے محبّت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی ارشاد فرمایا۔ جب تین مرتبہ یہ سوال و جواب ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اپنی بات میں سچّے ہو تو فقر کے اوڑھنے بچھانے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اس لئے کہ مجھ سے محبّت رکھنے والوں کی طرف فقر ایسے دوڑتا ہے جیسا کہ پانی کی رَوْ نیچان کی طرف دوڑتی ہے۔

ف: یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تو اکثر فقر و فاقہ میں رہے ہی، اکابرِ مُحدِّثین، اکابرِ صوفیاء، اکابرِ فقہاء بھی تونگری میں زیادہ نہیں رہے۔

(۱۰) سَرِیَّۃُ العَنبَر میں فقر کی حالت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب ۸ھ میں سمندر کے کنارے ایک لشکر تین سو آدمیوں کا جن پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ امیر بنائے گئے تھے بھیجا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تھیلی میں کھجوروں کا توشہ بھی ان کو دیا، پندرہ روز ان حضرات کا وہاں قیام رہا اور توشہ ختم ہو گیا۔ حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے جو اس قافلہ میں تھے مدینہ منورہ میں قیمت ادا کرنے کے وعدہ پر قافلہ والوں سے اونٹ خرید کر ذبح کرنا شروع کئے اور تین اونٹ روزانہ ذبح کرتے، مگر تیسرے دن امیرِ قافلہ نے اس خیال سے کہ سواریاں ختم ہو گئیں تو واپسی بھی مشکل ہو جائے گی ذبح کی ممانعت کی اور سب لوگوں کے پاس اپنی اپنی جو کچھ کھجوریں موجود تھیں جمع کر کے ایک تھیلی میں رکھ لیں اور ایک ایک کھجور روزانہ تقسیم فرما دیا کرتے جس کو چوس کر یہ حضرات پانی پی لیتے اور رات تک کے لئے یہی کھانا تھا۔ کہنے کو مختصر سی بات ہے، مگر لڑائی کے موقع پر جب کہ قوت اور طاقت کی بھی ضرورت ہو، ایک کھجور پر دن بھر گذارد ینا دل وجگر کی بات ہے۔

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جب یہ قصّہ لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سنایا تو ایک شاگرد نے عرض کیا کہ حضرت! ایک کھجور کیا کام دیتی ہوگی؟ آپ نے فرمایا: اس کی قدر جب معلوم ہوئی جب وہ بھی نہ رہی کہ اب بجُز فاقہ کے کچھ نہ تھا۔ درخت کے خشک پتے جھاڑتے اور پانی میں بِھگو کر کھا لیتے۔ مجبوری سب کچھ کرا دیتی ہے اور ہر تنگی کے بعد اللہ تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ کے یہاں سے سُہولت ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ نے ان تکالیف اور مَشقتوں کے بعد سمندر میں ایک مچھلی ان لوگوں کو پہنچائی جس کو عَنبر کہتے ہیں۔ اتنی بڑی تھی کہ اٹھارہ روز تک یہ حضرات اس میں سے کھاتے رہے اور مدینہ منورہ پہنچنے تک اس کا گوشت توشوں میں ساتھ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب سفر کا مُفَصَّل قصّہ سنایا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ کا ایک رزق تھا جو تمہاری طرف بھیجا گیا۔

ف: مَشَقَّت اور تکالیف اس دنیا میں ضروری ہیں اور اللہ والوں کو خاص طور پر پیش آتی ہیں۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو سب سے زیادہ مَشَقَّت میں رکھا جاتا ہے۔ پھر جو سب سے افضل ہوں، پھر ان کے بعد جو بقیہ میں افضل

ہوں۔ آدمی کی آزمائش اس کی دینی حیثیت کے موافق ہوتی ہے اور ہر مَشَقَّت کے بعد اللہ کی طرف سے اس کے لُطف و فضل سے سَہولت بھی عطا ہوتی ہے۔ یہ بھی غور کیا کریں کہ ہمارے بڑوں پر کیا کیا گذر چکا اور یہ سب دین ہی کی خاطر تھا۔ اس دین کے پھیلانے میں جس کو آج ہم اپنے ہاتھوں سے کھو رہے ہیں ان حضرات نے فاقے کئے، پتے چابے، اپنے خون بہائے اور اس کو پھیلایا، جس کو ہم آج باقی بھی نہیں رکھ سکتے۔

چوتھا باب

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے تقویٰ کے بیان میں

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ہر عادت، ہر خصلت اس قابل ہے کہ اس کو چُنا جائے اور اس کا اتباع کیا جائے اور کیوں نہ ہو کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے اپنے لاڈلے اور محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مُصاحَبَت کے لئے اس جماعت کو چُنا اور چھانٹا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں بنی آدم کے بہترین قَرن اور زمانہ میں بھیجا گیا۔[1] اس لئے ہر اعتبار سے یہ زمانہ خیر کا تھا اور زمانہ کے بہترین آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صُحبت میں رکھے گئے۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جنازہ سے واپسی اور ایک عورت کی دعوت

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ ایک عورت کا پیام کھانے کی درخواست لے کر پہنچا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خُدَّام سمیت تشریف لے گئے اور کھانا سامنے رکھا گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم لقمہ چبا رہے ہیں، نِگلا نہیں جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس بکری کا گوشت مالک کی بغیر اجازت لے لیا گیا۔ اس عورت نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے ریوڑ میں بکری خریدنے آدمی بھیجا تھا، وہاں ملی نہیں۔ پڑوسی نے بکری خریدی تھی، میں نے اس کے پاس قیمت سے لینے کو بھیجا، وہ تو ملے نہیں، اُن کی بیوی نے بکری بھیج دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیدیوں کو کھلا دو۔[2]

ف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عُلُوِّ شان کے مقابلہ میں ایک مُشتَبِہ چیز کا گلے میں اٹک جانا کوئی

---

[1] شفا، [2] ابوداؤد

ایسی اہم بات نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ غلاموں کو بھی اس قسم کے واقعات پیش آجاتے ہیں۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ کی کھجور کے خوف سے تمام رات جاگنا

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام رات جاگتے رہے اور کروٹیں بدلتے رہے، ازواجِ مُطَہَّرات میں سے کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! آج نیند نہیں آتی؟ ارشاد فرمایا کہ ایک کھجور پڑی ہوئی تھی، میں نے اٹھا کر کھالی تھی کہ ضائع نہ ہو۔ اب مجھے یہ فکر ہے کہ کہیں وہ صدقہ کی نہ ہو۔

ف: اقرب یہی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ہی ہوگی، مگر چونکہ صدقہ کا مال بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں آتا تھا، اس شبہ کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رات بھر نیند نہ آئی کہ خدانخواستہ وہ صدقہ کی ہو اور اس صورت میں صدقہ کا مال کھایا گیا ہو۔ یہ تو آقا کا حال ہے کہ محض شُبہ پر رات بھر کروٹیں بدلیں اور نیند نہیں آئی۔ اب غلاموں کا حال دیکھو کہ رشوت، سود، چوری، ڈاکہ؛ ہر قسم کا ناجائز مال کس سُرخروئی سے کھاتے ہیں اور ناز سے اپنے کو غلامانِ محمد شمار کرتے ہیں۔

(۳) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک کاہن کے کھانے سے قے کرنا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا جو غلّہ[1] کے طور پر اپنی آمدنی میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ کچھ کھانا لایا اور حضرت نے اس میں سے ایک لقمہ نوش فرمالیا۔ غلام نے عرض کیا کہ آپ روزانہ دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کس ذریعہ سے کمایا، آج دریافت نہیں فرمایا؟ آپ نے فرمایا کہ بھوک کی شِدَّت کی وجہ سے دریافت کرنے کی نوبت نہیں آئی، اب بتاؤ! عرض کیا کہ مَیں زمانۂ جاہلیت میں ایک قوم پر گذرا اور ان پر مَنْتَر پڑھا، اُنہوں نے مجھ سے وعدہ کر رکھا تھا۔ آج میرا گذر ادھر کو ہوا تو اُن کے یہاں شادی ہو رہی تھی، انہوں نے یہ مجھے دیا تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو مجھے ہلاک ہی کر دیتا۔ اس کے بعد حلق میں ہاتھ ڈال کر قے کرنے کی کوشش

---

[1] غلام پر کوئی تعداد مُعَیَّن کر دی جائے کہ اتنا روزانہ یا ماہوار ہمیں دے دیا کرو، باقی جو کماؤ وہ تمہارا، یہ "غلّہ" کہلاتا ہے، یہ جائز ہے اور اس طرح صحابہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی غلاموں سے مقرر کر لیا جاتا تھا۔

کی، مگر ایک لقمہ وہ بھی بھوک کی شِدّت کی حالت میں کھایا گیا نہ نکلا۔ کسی نے عرض کیا کہ پانی سے قے ہوسکتی ہے۔ ایک بہت بڑا پیالہ پانی کا منگوایا اور پانی پی پی کر قے فرماتے رہے، یہاں تک کہ وہ لقمہ نکالا۔ کسی نے عرض کیا کہ اللہ آپ پر رحم فرمائیں یہ ساری مَشَقَّت اِس ایک لقمہ کی وجہ سے برداشت فرمائی، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میری جان کے ساتھ بھی یہ لقمہ نکلتا تو میں اسکو نکالتا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو بدن مالِ حرام سے پرورش پائے آگ اس کے لئے بہتر ہے، مجھے یہ ڈر ہوا کہ میرے بدن کا کوئی حصّہ اس لقمہ سے پرورش نہ پاجائے۔[1]

ف: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس قسم کے واقعات مُتعَدِّد بار پیش آئے کہ اِحتیاط مزاج میں زیادہ تھی۔ تھوڑا سا بھی شبہ ہو جاتا تھا تو قے فرماتے۔ بخاری شریف میں ایک اور قصّہ اسی قسم کا ہے کہ کسی غلام نے زمانۂ جاہلیت میں کوئی کہانت یعنی غیب کی بات نجومیوں کے طور پر کسی کو بتلائی تھی، وہ اتفاق سے صحیح ہوگئی۔ ان لوگوں نے اس غلام کو کچھ دیا جس کو انہوں نے اپنی مقررہ رقم میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لا کر دے دیا۔ حضرت نے نوش فرمایا اور پھر جو کچھ پیٹ میں تھا سب قے کیا۔ ان واقعات میں غلاموں کا مال ضروری نہیں کہ ناجائز ہی ہو، دونوں احتمال ہیں، مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کمالِ احتیاط نے اس مُشتبہ مال کو بھی گوارا نہ کیا۔

(۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صدقہ کے دودھ سے قے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ دودھ نوش فرمایا کہ اس کا مزہ کچھ عجیب سا نیا سا معلوم ہوا، جن صاحب نے پلایا تھا ان سے دریافت فرمایا کہ یہ دُودھ کیسا ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ اُنہوں نے عرض کیا کہ فلاں جنگل میں صدقہ کے اونٹ چر رہے تھے کہ میں وہاں گیا تو اُن لوگوں نے دُودھ نکالا جس میں سے مجھے بھی دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منہ میں ہاتھ ڈالا اور سارے کا سارا قے فرما دیا۔[2]

---

[1] منتخب کنز العمال، [2] موطأ امام مالک

ف: ان حضرات کو اس کا ہمیشہ فکر رہتا تھا کہ مُشتَبِہ مال بھی بدن کا جزو نہ بنے، چہ جائیکہ بالکل حرام جیسا کہ ہمارے اس زمانہ میں شائع ہوگیا۔

(۵) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا احتیاطاً باغ وقف کرنا

ابنِ سیرین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جب وفات کا وقت قریب آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ بیت المال سے کچھ لوں، مگر عمر نے نہ مانا کہ دِقّت ہوگی اور تمہاری تجارت کی مشغولی سے مسلمانوں کا حرج ہوگا، اس مجبوری سے مجھے لینا پڑا، اس لئے اب میرا فلاں باغ اس کے عوض میں دے دیا جائے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وِصال ہوگیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آدمی بھیجا اور والد کی وَصیّت کے موافق وہ باغ دے دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ تمہارے باپ پر رحم فرمائیں، انہوں نے یہ چاہا کہ کسی کو لب کُشائی کا موقع ہی نہ دیں۔ (کتاب الاموال)

ف: غور کرنے کی بات ہے کہ اول تو وہ مقدار ہی کیا تھی جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لی، اس کے بعد لینا بھی اہلُ الرّائے کے اصرار پر تھا اور مسلمانوں کے نفع کی وجہ سے، اس میں بھی جتنی ممکن سے ممکن احتیاط ہوسکتی تھی اس کا اندازہ قصّہ ۴ باب ۳ سے معلوم ہوگیا کہ بیوی نے تنگی اٹھا کر پیٹ کاٹ کر کچھ دام میٹھے کے لئے جمع کئے تو ان کو بَیتُ المال میں جمع فرمادیا اور اتنی مقدار مُستقل کم کردی، اس سب کے بعد یہ آخری فعل ہے کہ جو کچھ لیا اس کا بھی معاوضہ داخل کردیا۔

(۶) حضرت علی بن مَعْبَد رحمۃ اللہ علیہ کا کرایہ کے مکان سے تحریر کو خشک کرنا

علی بن مَعْبَد رحمۃ اللہ علیہ ایک مُحدِّث ہیں، فرماتے ہیں کہ میں ایک کرایہ کے مکان میں رہتا تھا، ایک مرتبہ میں نے کچھ لکھا اور اس کو خشک کرنے کے لئے مٹی کی ضرورت ہوئی، کچی دیوار تھی، مجھے خیال آیا کہ اس پر سے ذرا سی کھرچ کے تحریر پر ڈال لوں۔ پھر خیال آیا کہ مکان کرایہ کا ہے (جو رہنے کے واسطے کرایہ پر لیا گیا، نہ مٹی لینے کے واسطے)، مگر ساتھ ہی یہ

خیال آیا کہ اتنی ذراسی مٹی میں کیا مضائقہ ہے، معمولی چیز ہے۔ میں نے مٹی لے لی اور رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک صاحب کھڑے ہیں جو یہ فرمارہے ہیں کہ کل قیامت کو معلوم ہوگا یہ کہنا کہ ''معمولی مٹی کیا چیز ہے''۔

ف: ''کل معلوم ہوگا'' کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ تقویٰ کے دَرَجات بہت زیادہ ہیں۔ کمالِ درجہ یہ یقیناً تھا کہ اس سے بھی اِحتراز کیا جاتا، اگرچہ عُرفاً معمولی چیز شمار ہونے سے جواز کی حد میں تھا۔ (اِحیاء)

(۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک قبر پر گذر

کُمَیل رحمۃ اللہ علیہ ایک شخص ہیں، کہتے ہیں کہ میں حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہ کے ساتھ ایک مرتبہ جارہا تھا، وہ جنگل میں پہنچے، پھر ایک مقبرہ کی طرف مُتَوجِّہ ہوئے اور فرمایا: اے مقبرہ والو! اے بوسیدگی والو! اے وحشت اور تنہائی والو! کیا خبر ہے، کیا حال ہے؟ پھر ارشاد فرمایا کہ ہماری خبر تو یہ ہے کہ تمہارے بعد اَموال تقسیم ہوگئے، اولادیں یتیم ہوگئیں، بیویوں نے دوسرے خاوند کرلئے۔ یہ تو ہماری خبر ہے، کچھ اپنی تو کہو۔ اس کے بعد میری طرف مُتَوجِّہ ہو کر فرمایا: کمیل! اگر ان لوگوں کو بولنے کی اجازت ہوتی اور یہ بول سکتے تو یہ لوگ جواب میں یہ کہتے کہ بہترین توشہ تقویٰ ہے۔ یہ فرمایا اور پھر رونے لگے اور فرمایا: اے کمیل! قبر عمل کا صندوق ہے اور موت کے وقت بات معلوم ہوجاتی ہے۔[1]

ف: یعنی آدمی جو کچھ اچھا یا بُرا کام کرتا ہے وہ اس کی قبر میں محفوظ رہتا ہے جیسا کہ صندوق میں مُتعَدِّد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ نیک اعمال اچھے آدمی کی صورت میں ہوتے ہیں جو میت کے جی بہلانے اور اُنس پیدا کرنے کے لئے رہتا ہے اور اس کی دلداری کرتا ہے، اور بُرے اعمال بُری صورت میں بدبودار بن کر آتے ہیں جو اور بھی اَذِیَّت کا سبب ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ آدمی کے ساتھ تین چیزیں قبر تک جاتی ہیں: اس کا مال (جیسا کہ عرب میں دُستور تھا) اس کے رشتہ دار، اور اعمال۔ دو چیزیں مال

---

[1] منتخب کنز

اور رشتہ دار دفن کر کے واپس آجاتے ہیں، عمل اس کے ساتھ رہ جاتا ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری مثال اور تمہارے اہل وعیال اور مال واعمال کی مثال کیا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دریافت فرمانے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کے تین بھائی ہوں اور وہ مرنے لگے، اس وقت ایک بھائی کو وہ بُلائے اور پوچھے کہ بھائی! تجھے میرا حال معلوم ہے کہ مجھ پر کیا گذر رہی ہے؟ اس وقت تو میری کیا مدد کرے گا؟ وہ جواب دیتا ہے کہ تیری تیمارداری کروں گا، علاج کروں گا، ہر قسم کی خدمت کروں گا، اور جب تو مرجائے گا تو نہلاؤں گا، کفن پہناؤں گا اور کندھے پر اٹھا کر لے جاؤں گا اور دفن کے بعد تیرا ذِکر خیر کرونگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بھائی تو اہل وعیال ہیں۔ پھر وہ دوسرے بھائی سے یہی سوال کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ میرا تیرا واسطہ زندگی کا ہے، جب تو مرجاوے گا تو میں دوسری جگہ چلا جاؤں گا، یہ بھائی مال ہے۔ پھر وہ تیسرے بھائی کو بُلا کر پوچھتا ہے، وہ کہتا ہے کہ میں قبر میں تیرا ساتھی ہوں، وحشت کی جگہ تیرا دل بہلانے والا ہوں۔ جب تیرا حساب کتاب ہونے لگے تو نیکیوں کے پلڑے میں بیٹھ کر اس کو جھکاؤں گا، یہ بھائی عمل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب بتلاؤ! کون سا بھائی کارآمد ہوا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہی بھائی کارآمد ہے، پہلے دونوں تو بے فائدہ ہی رہے۔[1]

(۸) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: جس کا کھانا پینا حرام ہو اس کی دعا قبول نہیں ہوتی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ خود پاک ہیں اور پاک مال ہی قبول فرماتے ہیں، مسلمانوں کو اسی چیز کا حکم دیا جس کا اپنے رسولوں کو حکم فرمایا۔ چنانچہ کلامِ پاک میں ارشاد ہے۔ "یٰٓاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ" (المؤمنون:۵۱) اے رسولو! پاک چیزوں کو کھاؤ اور نیک عمل کرو، میں تمہارے اعمال سے باخبر ہوں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ" (البقرۃ:۱۷۲) اے ایمان والو! ہمارے دیئے ہوئے پاک رزق میں سے کھاؤ۔

---

[1] منتخب کنز۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ لمبے لمبے سفر کرتا (اور مسافر کی دعا قبول ہوتی ہے) اور اس کے ساتھ ہی بکھرے ہوئے بالوں والا، غبار آلود کپڑوں والا (یعنی پریشان حال) دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر کہتا ہے، اے اللہ! اے اللہ! لیکن کھانا بھی اس کا حرام ہے، پینا بھی حرام ہے، لباس بھی حرام ہے، ہمیشہ حرام ہی کھایا تو اس کی دعا کہاں قبول ہوسکتی ہے؟[1]

ف: لوگوں کو ہمیشہ سوچ رہتا ہے کہ مسلمانوں کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں، لیکن حالات کا اندازہ اس حدیث شریف سے کیا جاسکتا ہے۔ اگر چہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ اپنے فضل سے کبھی کافر کی بھی دعا قبول فرمالیتے ہیں چہ جائیکہ فاسق کی، لیکن مُتّقی کی دعا اصل چیز ہے، اسی لئے مُتّقیوں سے دعا کی تمنّا کی جاتی ہے، جو لوگ چاہتے ہیں کہ ہماری دُعائیں قبول ہوں ان کو بہت ضروری ہے کہ حرام مال سے احتراز کریں اور ایسا کون ہے جو یہ چاہتا ہے کہ میری دُعا قبول نہ ہو۔

(۹) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنی بیوی کو مُشک تولنے سے انکار

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک مرتبہ بَحرین سے مُشک آیا، ارشاد فرمایا کہ کوئی اس کو تول کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیتا؟ آپ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت عاتِکہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: میں تول دونگی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سُن کر سُکوت فرمایا۔ تھوڑی دیر میں پھر یہی ارشاد فرمایا کہ کوئی اس کو تول دیتا تا کہ مَیں تقسیم کر دیتا، آپ کی اہلیہ نے پھر یہی عرض کیا، آپ نے سکوت فرمایا، تیسری دفعہ میں ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ تُو اس کو اپنے ہاتھ سے ترازو کے پلڑے میں رکھے اور پھر ان ہاتھوں کو اپنے بدن پر پھیر لے اور اتنی مقدار کی زیادتی مجھے حاصل ہو۔

ف: یہ کمالِ احتیاط تھی اور اپنے آپ کو مَحلِ تہمت سے بچانا، ورنہ جو بھی تولے گا اس کے ہاتھ کو تو لگے ہی گا، اس لئے اس کے جواز میں کوئی تردُّد نہ تھا، لیکن پھر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ

---

[1] جمع الفوائد

نے اپنی بیوی کے لئے اس کو گوارا نہ فرمایا۔ حضرت عُمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جن کو عمرِ ثانی بھی کہا جاتا ہے، ان کے زمانہ میں ایک مرتبہ مُشک تولا جا رہا تھا تو انہوں نے اپنی ناک بند فرمالی اور ارشاد فرمایا کہ مُشک کا نفع تو خوشبو ہی سونگھنا ہے۔[1]

ف: یہ ہے احتیاط اُن صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی اور ہمارے بڑوں کی، پیشواؤں کی۔

(۱۰) حضرت عُمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا حَجّاج کے حاکم کو حاکم نہ بنانا

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو کسی جگہ کا حاکم بنایا۔ کسی شخص نے عرض کیا کہ یہ صاحب حجّاج بن یوسف کے زمانہ میں اس کی طرف سے بھی حاکم رہ چکے ہیں۔ عُمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ان حاکم کو معزول کر دیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے تو حجّاج بن یوسف کے یہاں تھوڑے ہی زمانہ کام کیا۔ عُمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بُرا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ تُو اس کے ساتھ ایک دن یا اس سے بھی کم رہا۔[2]

ف: مطلب یہ ہے کہ پاس رہنے کا اثر ضرور پڑتا ہے۔ جو شخص مُتقیوں کے پاس رہتا ہے اس کے اوپر غیر معمولی اور غیر محسوس طریقے سے تقویٰ کا اثر پڑتا ہے اور جو فاسقوں کے پاس رہتا ہے اس کے اوپر فِسق کا اثر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے بُری صحبت سے روکا جاتا ہے، آدمی تو درکنار جانوروں تک کے اثرات پاس رہنے سے آتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ فخر اور بڑائی اونٹ اور گھوڑے والوں میں ہوتی ہے اور مَسکنت بکری والوں میں۔[3] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صالح آدمی کے پاس بیٹھنے والوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو مُشک والے کے پاس بیٹھا ہے کہ اگر مُشک نہ بھی ملے تب بھی اس کی خوشبو سے دماغ کو فرحت ہوگی اور بُرے ساتھی کی مثال آگ کی بھٹی والے کی سی ہے کہ اگر چنگاری نہ بھی پڑے تو دھواں تو کہیں گیا ہی نہیں۔[4]

---

[1] احیاء، [2] احیاء، [3] بخاری، [4] جمع الفوائد

پانچواں باب

نماز کا شَغَف اور شوق اور اس میں خُشوع وخُضوع

نماز ساری عبادتوں میں سب سے زیادہ اہم چیز ہے۔ قیامت میں ایمان کے بعد سب سے پہلے نماز ہی کا سوال ہونا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کفر اور اسلام کے درمیان میں نماز ہی آڑ ہے، اس کے علاوہ اور بہت سے اِرشادات اس بارے میں وارد ہیں جو میرے ایک دوسرے رسالہ[1] میں مذکور ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد نوافل والے کے حق میں

حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں: جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرتا ہے، میری طرف سے اس کو لڑائی کا اعلان ہے۔ اور کوئی شخص میرا قرب اس چیز کی بہ نسبت زیادہ حاصل نہیں کر سکتا جو میں نے اس پر فرض کی ہے، یعنی سب سے زیادہ قرب اور نزدیکی مجھ سے فرائض کے ادا کرنے سے حاصل ہوتی ہے، اور نوافل کی وجہ سے بندہ مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں، تو پھر میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے سنے، اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھے، اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کسی چیز کو پکڑے، اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلے۔ اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اس کو عطا کرتا ہوں اور کسی چیز سے پناہ چاہتا ہے تو میں پناہ دیتا ہوں۔[2]

ف: آنکھ، کان بن جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا دیکھنا، سُننا، چلنا، پھرنا سب میری خوشی کے تابع بن جاتا ہے اور کوئی بات بھی میری خلافِ مرضی نہیں ہوتی۔ کس قدر خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو فرائض کے بعد نوافل پر کثرت کی توفیق ہو اور یہ دولت نصیب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل سے مجھے اور میرے دوستوں کو بھی نصیب فرمائیں۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام رات نماز پڑھنا

ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی عجیب بات

---

[1] رسالہ فضائل نماز [2] جمع الفوائد

جو آپ نے دیکھی ہو، وہ سُنا دیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کونسی بات عجیب نہ تھی، ہر بات عجیب ہی تھی۔ ایک دن رات کو تشریف لائے اور میرے پاس لیٹ گئے، پھر فرمانے لگے: لے چھوڑ، میں تو اپنے رب کی عبادت کروں۔ یہ فرما کر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور رونا شروع کیا، یہاں تک کہ آنسو سینہ مُبارک تک بہنے لگے۔ پھر رکوع فرمایا، اس میں بھی اسی طرح روتے رہے، پھر سجدہ کیا، اس میں بھی اسی طرح روتے رہے۔ پھر سجدہ سے اُٹھے، اس میں بھی اسی طرح روتے رہے، یہاں تک کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آکر صبح کی نماز کے لئے آواز دی۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اتنے روئے، حالانکہ آپ معصوم ہیں، اگلے پچھلے سب گناہوں کی (اگر بالفرض ہوں بھی تو) مغفرت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرما رکھا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ پھر میں شکر گذار نہ بنوں؟ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں ایسا کیوں نہ کرتا حالانکہ آج مجھ پر یہ آیتیں نازل ہوئیں: "اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (آل عمران: ۱۹۰، ۱۹۱) [1]

یہ متعدد روایات میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اس قدر لمبی نماز پڑھا کرتے تھے کہ کھڑے کھڑے پاؤں پر ورم آ گیا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اتنی مَشَقَّت اٹھاتے ہیں، حالانکہ آپ بخشے بخشائے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں شکر گذار بندہ نہ بنوں؟ [2]

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چار رکعت میں چھ پارے پڑھنا

حضرت عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک فرمائی، وضو فرمایا اور نماز کی نیت باندھ لی۔ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں شریک ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ بقرہ ایک رکعت میں پڑھی اور جو آیت رحمت کی آتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ دیر تک رحمت کی دعا مانگتے رہتے اور جو آیت عذاب کی آتی اس جگہ دیر تک عذاب سے پناہ مانگتے رہتے۔ سُورۃ کے ختم پر رُکوع کیا اور اتنا ہی لمبا رکوع کیا جتنی دیر میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی اور رکوع میں "سُبْحٰنَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَکُوْتِ وَالْعَظْمَةِ" پڑھتے جاتے تھے، پھر اتنا ہی لمبا سجدہ کیا، پھر دوسری رکعت میں

[1] اقامۃ الحجۃ [2] بخاری

اسی طرح سورۂ آلِ عمران پڑھی اور اسی طرح ایک ایک رکعت میں ایک ایک سورۃ پڑھتے رہے۔ اس طرح چار رکعتوں میں سوا چھ پارے ہوتے ہیں۔ یہ کتنی لمبی نماز ہوئی ہوگی جس میں ہر آیتِ رحمت اور آیتِ عذاب پر دیر تک دعا کا مانگنا اور پھر اتنا ہی لمبا رکوع اور سجدہ تھا۔ حضرت حُذَیفہ رضی اللہ عنہ بھی اپنا ایک قصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے کا اسی طرح نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ چار رکعتوں میں چار سورتیں، سورۂ بقرہ سے لے کر سورۂ مائدہ کے ختم تک پڑھیں۔

ف: ان چار سورتوں کے سَوا چھ پارے ہوتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چار رکعتوں میں پڑھے اور حُضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ تجوِید و تَرتیل کے ساتھ پڑھنے کی تھی جیسا اکثر احادیث میں ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہر آیتِ رحمت اور آیتِ عذاب پر ٹھہرنا اور دعا مانگنا، پھر اتنا ہی لمبا رکوع سجدہ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس طرح چار رکعات میں کس قدر وقت خرچ ہوا ہوگا۔ بعض مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت میں سورۂ بقرہ، آلِ عمران، مائدہ، تین۳ سورتیں پڑھیں جو تقریباً پانچ۵ پارے ہوتے ہیں۔ یہ جب ہی ہوسکتا ہے جب نماز میں چین اور آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہو جائے۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِی اتِّبَاعَہٗ۔

(۴) حضرت اَبُوبکر صدِّیق رضی اللہ عنہ و حضرت ابنِ زُبیر رضی اللہ عنہما و حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ کی نمازوں کے حالات

مُجاہد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زُبیر رضی اللہ عنہما کا حال نقل کرتے ہیں کہ جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک لکڑی گڑی ہوئی ہے،[1] یعنی بالکل حرکت نہیں ہوتی تھی۔ علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابنِ زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نماز سیکھی اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے، یعنی جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے اسی طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پڑھتے تھے اور اسی طرح عبداللہ

---

[1] تاریخ الخلفاء

بن زبیر رضی اللہ عنہما۔ ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی نماز ایسی ہوتی تھی کہ گویا لکڑی ایک جگہ گاڑ دی۔ ایک شخص کہتے ہیں کہ ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ جب سجدہ کرتے تو اس قدر لمبا اور بے حرکت ہوتا تھا کہ چڑیاں آ کر کمر پر بیٹھ جاتیں۔ بعض مرتبہ اتنا لمبا رکوع کرتے کہ تمام رات صبح تک رکوع ہی میں رہتے۔ بعض اوقات سجدہ اتنا ہی لمبا ہوتا کہ پوری رات گذر جاتی۔ جب (حجاج کی) حضرت ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ سے لڑائی ہو رہی تھی تو ایک گولہ مسجد کی دیوار پر لگا، جس سے دیوار کا ایک ٹکڑا اُڑا اور حضرت ابنِ زُبیر رضی اللہ عنہ کے حلق اور داڑھی کے درمیان کو گذرا۔ مگر نہ ان کو کوئی اِنتشار ہوا، نہ رُکوع سجدہ مختصر کیا۔ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے، بیٹا جس کا نام ہاشم تھا پاس سو رہا تھا۔ چھت میں سے ایک سانپ گرا اور بچہ پر لپٹ گیا، وہ چلّایا۔ گھر والے سب دوڑے ہوئے آئے، شور مچ گیا، اس سانپ کو مارا۔ ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ اسی اطمینان سے نماز پڑھتے رہے۔ سلام پھیر کر فرمانے لگے: کچھ شور کی سی آواز آئی تھی، کیا تھا؟ بیوی نے کہا: اللہ تم پر رحم کرے، بچہ کی تو جان بھی گئی تھی، تمہیں پتہ ہی نہ چلا۔ فرمانے لگے: تیرا ناس ہو، اگر نماز میں دوسری طرف توجُّہ کرتا تو نماز کہاں باقی رہتی۔ (ہدایہ وغیرہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اخیر زمانہ میں جب ان کے خنجر مارا گیا جس کی وجہ سے اُن کا انتقال ہوا تو ہر وقت خون بہتا تھا اور اکثر غفلت بھی ہو جاتی تھی، لیکن اس حالت میں بھی جب نماز کے لئے مُتَنَبِّہ کئے جاتے تو اسی حالت میں نماز ادا فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ اسلام میں اس کا کوئی حصّہ نہیں جو نماز چھوڑ دے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تمام رات جاگتے اور ایک رکعت میں پورا قرآن شریف ختم کر لیتے۔[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جب نماز کا وقت آ جاتا تو بدن میں کپکپی آ جاتی اور چہرہ زرد ہو جاتا۔ کسی نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ فرمایا کہ اس امانت کا وقت ہے جس کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر اُتارا تو وہ اس کے تحمّل سے عاجز ہو گئے اور میں نے اس کا تحمّل کیا ہے۔ خلف بن اَیُّوب رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ تمہیں نماز میں مکھیاں دِق نہیں کرتیں؟ فرمایا کہ فاسق لوگ حکومت کے کوڑے کھاتے ہیں اور حرکت نہیں کرتے اور اس پر فخر کرتے ہیں اور اپنے صبر وتحمّل پر اَکڑتے ہیں کہ اتنے کوڑے مارے،

[1] منتخب کنز

میں ہِلا تک نہیں۔ میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہوں اور ایک مکھی کی وجہ سے حرکت کر جاؤں۔

مسلم بن یسار رحمۃ اللہ علیہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے گھر والوں سے کہتے کہ تم باتیں کرتے رہو، مجھے تمہاری بات کا پتہ ہی نہیں چلے گا۔ ایک مرتبہ بصرہ کی جامع مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مسجد کا ایک حصّہ گرا، لوگ اس کی وجہ سے دوڑے وہاں جمع ہوئے۔ شور وشغَب ہوا مگر ان کو پتہ ہی نہ چلا۔ حاتم اَصَم رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے ان کی نماز کی کَیفِیَّت پوچھی تو کہنے لگے کہ جب نماز کا وقت آتا ہے تو وضو کے بعد اس جگہ پہنچ کر جہاں نماز پڑھوں گا تھوڑی دیر بیٹھتا ہوں کہ بدن کے تمام حصّہ میں سُکون پیدا ہو جائے، پھر نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں اس طرح کہ بیتُ اللہ کو اپنی نگاہ کے سامنے سمجھتا ہوں اور پُل صِراط کو پاؤں کے نیچے، جنّت کو دائیں طرف اور جہنّم کو بائیں طرف اور موت کے فرشتے کو اپنے پیچھے کھڑا ہوا خیال کرتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ یہ آخری نماز ہے، اس کے بعد پورے خُشوع وخُضوع سے نماز پڑھتا ہوں اور اس کے بعد اُمید اور ڈر کے درمیان رہتا ہوں کہ نامعلوم قُبول ہوئی یا نہیں۔[1]

(۵) ایک مُہاجِر اور ایک اَنصاری کی چوکیداری اور اَنصاری کا نماز میں تیر کھانا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک غَزْوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے، شب کو ایک جگہ قیام فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ آج شب کو حفاظت اور چوکیدارہ کون کرے گا؟ ایک مُہاجری اور ایک انصاری حضرت عَمّار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت عَبّاد بن بِشر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ہم دونوں کریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پہاڑی جہاں سے دشمن کے آنے کا راستہ ہوسکتا تھا بتادی کہ اس پر دونوں قیام کرو، دونوں حضرات وہاں تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر انصاری نے مُہاجری سے کہا کہ رات کو دو حصوں میں مُنقَسِم کر کے ایک حصّہ میں آپ سو رہیں، میں جاگتا رہوں، دوسرے حصّہ میں آپ جاگیں اور میں سوتا رہوں کہ دونوں کے تمام رات جاگنے میں یہ بھی اِحتِمال ہے کہ کسی وقت نیند کا غلبہ ہو جائے اور دونوں کی آنکھ لگ جائے۔

[1] احیاء

اگر کوئی خطرہ جاگنے والے کو محسوس ہو تو اپنے ساتھی کو جگا لے۔ رات کا پہلا آدھا حصّہ اَنصاری کے جاگنے کا قرار پایا اور مُہاجری سو گئے، اَنصاری نے نماز کی نیت باندھ لی۔ دشمن کی جانب سے ایک شخص آیا اور دُور سے کھڑے ہوئے شخص کو دیکھ کر تیر مارا اور جب کوئی حرکت نہ ہوئی تو دوسرا اور پھر اسی طرح تیسرا تیر مارا اور ہر تیر ان کے بدن میں گھستا رہا اور یہ ہاتھ سے اس کو بدن سے نکال کر پھینکتے رہے۔ اس کے بعد اطمینان سے رُکوع کیا، سجدہ کیا، نماز پوری کر کے اپنے ساتھی کو جگایا۔ وہ تو ایک کی جگہ دو کو دیکھ کر بھاگ گیا کہ نامعلوم کتنے ہوں۔ مگر ساتھی نے جب اُٹھ کر دیکھا تو انصاری کے بدن سے تین جگہ سے خون ہی خون بہہ رہا تھا۔ مہاجری نے فرمایا: سبحان اللہ! تم نے مجھے شروع ہی میں نہ جگا لیا۔ انصاری نے فرمایا کہ میں نے ایک سورۃ (سورۂ کہف) شروع کر رکھی تھی، میرا دل نہ چاہا کہ اس کو ختم کرنے سے پہلے رُکوع کروں۔ اب بھی مجھے اس کا اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ میں بار بار تیر لگنے سے مر جاؤں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حفاظت کی خدمت سپرد کر رکھی ہے وہ فوت ہو جائے۔ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا تو میں مر جاتا، مگر سورۃ ختم کرنے سے پہلے رکوع نہ کرتا[1]۔

ف: یہ تھی ان حضرات کی نماز اور اس کا شوق کہ تیر پر تیر کھائے جائیں اور خون ہی خون ہو جائے، مگر نماز کے لُطف میں فرق نہ پڑے۔ ایک ہماری نماز ہے کہ اگر مچھر بھی کاٹ لے تو نماز کا خیال جاتا رہے، بِھڑ[2] کا تو پوچھنا ہی کیا۔ یہاں ایک فقہی مسئلہ بھی اختلافی ہے کہ خون نکلنے سے ہمارے امام یعنی امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ امامِ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا۔ ممکن ہے کہ ان صحابی کا مذہب بھی یہی ہو یا اس وقت تک اس مسئلہ کی تحقیق نہ ہوئی ہو، کیونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس میں تشریف فرمانہ تھے یا اس وقت تک یہ حکم ہوا ہی نہ ہو۔

(۶) حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا نماز میں خیال آجانے سے باغ وقف کرنا

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک پرندہ اُڑا اور چونکہ باغ گنجان تھا اس لئے اس کو جلدی سے باہر جانے کا راستہ نہ ملا۔ کبھی اِس طرف کبھی

---

[1] بیہقی، ابوداؤد، [2] پردار کیڑا جسکے ڈنک میں زہر ہوتا ہے۔

اُس طرف اُڑتا رہا اور نکلنے کا راستہ ڈھونڈتا رہا۔ ان کی نگاہ اس پر پڑی اور اس منظر کی وجہ سے ادھر خیال لگ گیا اور نگاہ اس پرندے کے ساتھ پھرتی رہی۔ دَفعۃً نماز کا خیال آیا تو سَہو ہو گیا کہ کونسی رکعت ہے، نہایت قَلق ہوا کہ اس باغ کی وجہ سے یہ مُصیبت پیش آئی کہ نماز میں بھول ہوئی، فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا قصّہ عرض کر کے درخواست کی کہ اس باغ کی وجہ سے یہ مُصیبت پیش آئی اس لئے میں اس کو اللہ کے راستہ میں دیتا ہوں۔ آپ جہاں دل چاہے اس کو صرف فرما دیجئے۔ اسی طرح ایک اور قصّہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں پیش آیا کہ ایک انصاری اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے، کھجوریں پکنے کا زمانہ شباب پر تھا اور خوشے کھجوروں کے بوجھ اور کثرت سے جُھکے پڑے تھے، نگاہ خوشوں پر پڑی اور کھجوروں سے بھرے ہونے کی وجہ سے بہت ہی اچھے معلوم ہوئے۔ خیال ادھر لگ گیا جس کی وجہ سے یہ بھی یاد نہ رہا کہ گئے (کتنی) رکعتیں ہوئیں۔ اس کے رنج اور صدمہ کا ایسا غلبہ ہوا کہ اس کی وجہ سے یہ ٹھان لی کہ اس باغ ہی کو اب نہیں رکھنا جس کی وجہ سے یہ مصیبت پیش آئی۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آ کر عرض کیا کہ یہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں، اس کو جو چاہے کیجئے۔ انہوں نے اس باغ کو پچاس ہزار میں فروخت کر کے اس کی قیمت دینی کاموں میں خرچ فرما دی۔[1]

ف: یہ ایمان کی غیرت ہے کہ نماز جیسی اہم چیز میں خیال آ جانے سے پچاس ہزار درہم کا باغ ایک دم صدقہ کر دیا۔ ہمارے شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''قولِ جمیل'' میں صوفیہ کی نسبت کی قسمیں تحریر فرماتے ہوئے اس کے مُتعلق تحریر فرمایا ہے کہ یہ نسبت ہے اللہ کی اطاعت کو ماسِوٰی پر مُقدَّم رکھنا اور اس پر غیرت کرنا، کہ ان حضرات کو اس پر غیرت آئی کہ اللہ کی اطاعت میں کسی دوسری چیز کی طرف توجّہ کیوں ہوئی۔

(۷) حضرت ابنِ عَبّاس رضی اللہ عنہما کا نماز کی وجہ سے آنکھ نہ بنوانا

حضرت عبدُ اللہ بن عَبّاس رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں جب پانی اُتر آیا تو آنکھ بنانے والے

---

[1] موطا امام مالک

حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ اجازت ہو تو ہم آنکھ بنادیں، لیکن پانچ دن تک آپ کو اِحتیاط کرنا پڑے گی کہ سَجدہ بجائے زمین کے کسی اُونچی لکڑی پر کرنا ہوگا۔ انہوں نے فرمایا یہ ہرگز نہیں ہوسکتا، وَ اللہ! ایک رکعت بھی مجھے اس طرح پڑھنا منظور نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مجھے معلوم ہے کہ جو شخص ایک نماز بھی جان کر چھوڑے وہ حق تعالیٰ شانہٗ سے ایسی طرح ملے گا کہ حق سُبحانہ وَ تَقَدَّس اس پر ناراض ہوں گے۔[1]

ف: اگرچہ شرعاً نماز اس طرح سے مجبوری کی حالت میں پڑھنا جائز ہے اور یہ صورت نماز چھوڑنے کی وعید میں داخل نہیں ہوتی، مگر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو نماز کے ساتھ جو شَغَف تھا اور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کرنے کی جس قدر اَہمیّت تھی اس کی وجہ سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے آنکھ بنوانے کو بھی پسند نہ کیا کہ ان حضرات کے نزدیک ایک نماز پر ساری دنیا قربان تھی۔ آج ہم بے حیائی سے جو چاہے اُن مرمٹنے والوں کی شان میں منہ سے نکال دیں۔ جب کل ان کا سامنا ہوگا اور یہ فدائی میدانِ حشر کی سیر کے لطف اڑا رہے ہوں گے جب حقیقت معلوم ہوگی کہ یہ کیا تھے اور ہم نے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔

(۸) صحابہ رضی اللہ عنہم کا نماز کے وقت فوراً دکانیں بند کرنا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ بازار میں تشریف رکھتے تھے کہ جماعت کا وقت ہوگیا، دیکھا کہ فوراً سب کے سب اپنی اپنی دکانیں بند کرکے مسجد میں داخل ہوگئے۔ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہی لوگوں کی شان میں آیت نازل ہوئی "رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ" (سورہ نور:۳۷) ترجمہ پوری آیت شریفہ کا یہ ہے کہ ان مسجدوں میں ایسے لوگ صبح اور شام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں جن کو اللہ کی یاد سے اور بالخُصوص نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے، نہ خریدنا غفلت میں ڈالتا ہے نہ بیچنا۔ وہ ایسے دن کی پکڑ سے ڈرتے ہیں جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں اُلٹ جائیں گی۔[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ لوگ تجارت وغیرہ اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہوتے تھے، لیکن جب اذان کی آواز سنتے تو سب کچھ چھوڑ کر فوراً مسجد میں چلے

---

[1] درمنثور [2] ماخوذ از بیان القرآن

جاتے۔ایک جگہ کہتے ہیں خدا کی قسم! یہ لوگ تاجر تھے، مگر ان کی تجارت ان کو اللہ کے ذکر سے نہیں روکتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ بازار میں تشریف رکھتے تھے کہ اذان ہوگئی۔ انہوں نے دیکھا کہ لوگ اپنے اپنے سامان کو چھوڑ کر نماز کی طرف چل دیئے۔ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہی لوگ ہیں جن کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے "لَاتُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ" (سورۂ نور آیت:۳۷) سے یاد فرمایا۔ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن جب حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ تمام دنیا کو ایک جگہ جمع فرمائیں گے تو ارشاد ہوگا: کہاں ہیں وہ لوگ جو خوشی اور رنج دونوں حالتوں میں اللہ کی حمد کرنے والے تھے؟ تو ایک مختصر جماعت اٹھے گی اور بغیر حساب کتاب کے جنّت میں داخل ہو جائے گی۔ پھر ارشاد ہوگا کہاں ہیں وہ لوگ جو راتوں میں اپنی خواب گاہ سے دور رہتے اور اپنے رب کو خوف اور رغبت کے ساتھ یاد کرتے تھے تو ایک دوسری مختصر جماعت اُٹھے گی اور وہ بھی جنّت میں بغیر حساب کتاب کے داخل ہو جائے گی۔ پھر ارشاد ہوگا: کہاں ہیں وہ لوگ جن کو تجارت یا بیچنا اللہ کے ذکر سے نہیں روکتا تھا؟ تو ایک تیسری جماعت مختصر سی کھڑی ہوگی اور جنّت میں بغیر حساب داخل ہوگی۔اس کے بعد بقیہ لوگوں کا حساب شروع ہو جائے گا۔[1]

(۹) حضرت خُبَیب رضی اللہ عنہ کا قتل کے وقت نماز پڑھنا اور زید رضی اللہ عنہ وعاصم رضی اللہ عنہ کا قتل

اُحُد کی لڑائی میں جو کافر مارے گئے تھے ان کے عزیزوں میں اِنتقام کا جوش زور پر تھا۔سُلافہ نے جس کے دو بیٹے اس لڑائی میں مارے گئے تھے مَنّت مانی تھی کہ اگر عاصم کا (جنہوں نے اس کے بیٹوں کو قتل کیا تھا) سر ہاتھ آجائے تو اسکی کھوپڑی میں شراب پیوں گی، اس لئے اس نے اعلان کیا تھا کہ جو عاصم کا سر لائے گا اس کو سو اونٹ اِنعام دوں گی۔ سُفیان بن خالد کو اس لالچ نے آمادہ کیا کہ وہ ان کا سر لانے کی کوشش کرے، چنانچہ اس نے عَضل وقارہ کے چند آدمیوں کو مدینہ منورہ بھیجا۔ان لوگوں نے اپنے کو مسلمان ظاہر کیا اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم وتبلیغ کے لئے اپنے ساتھ چند حضرات کو بھیجنے کی درخواست کی

---

[1] درمنثور

اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے بھی ساتھ بھیجنے کی درخواست کی کہ ان کا وعظ پسندیدہ بتلایا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دس آدمیوں کو اور بعض روایات میں چھ آدمیوں کو ان کے ساتھ کر دیا جن میں حضرت عاصم رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ راستہ میں جا کر ان لے جانے والوں نے بدعہدی کی اور دشمنوں کو مقابلہ کے لئے بلایا جو دوسو آدمی تھے، ان میں سے سو آدمی بہت مشہور تیر انداز تھے اور بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو مکّہ والوں کی خبر لانے کے لئے بھیجا تھا۔ راستہ میں بنُو لحیان کے دوسو آدمیوں سے مقابلہ ہوا۔ یہ مختصر جماعت (دس آدمیوں کی یا چھ آدمیوں کی) یہ حالت دیکھ کر ایک پہاڑی پر جس کا نام ''فَدفَد'' تھا چڑھ گئی۔ کفار نے کہا کہ ہم تمہارے خون سے اپنی زمین رنگنا نہیں چاہتے، صرف اہلِ مکّہ سے تمہارے بدلہ میں کچھ مال لینا چاہتے ہیں۔ تم ہمارے ساتھ آجاؤ، ہم تم کو قتل نہ کریں گے، مگر انہوں نے کہا ہم کافر کے عہد میں آنا نہیں چاہتے اور تَرکش سے تیر نکال کر مقابلہ کیا، جب تیر ختم ہو گئے تو نیزوں سے مقابلہ کیا۔

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے جوش میں کہا کہ تم سے دھوکہ کیا گیا مگر گھبرانے کی بات نہیں، شہادت کو غنیمت سمجھو۔ تمہارا محبوب تمہارے ساتھ ہے اور جنّت کی حوریں تمہاری مُنتظر ہیں، یہ کہہ کر جوش سے مقابلہ کیا اور جب نیزہ بھی ٹوٹ گیا تو تلوار سے مقابلہ کیا۔ مُقابلوں کا مجمع کثیر تھا۔ آخر شہید ہو گئے اور دعا کی کہ یا اللہ! اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے قصّہ کی خبر کر دے چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی اور اسی وقت اس واقعہ کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو گیا اور چونکہ عاصم رضی اللہ عنہ یہ بھی سُن چکے تھے کہ سُلافہ نے میرے سر کی کھوپڑی میں شراب پینے کی مَنّت مانی ہے، اس لئے مرتے وقت دعا کی کہ یا اللہ! میرا سر تیرے راستہ میں کاٹا جا رہا ہے تو ہی اس کا مُحافظ ہے، وہ دعا بھی قبول ہوئی اور شہادت کے بعد جب کافروں نے سر کاٹنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کا اور بعض روایتوں میں بھڑوں کا ایک غول بھیج دیا جنہوں نے ان کے بدن کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ کافروں کو خیال تھا کہ رات کے وقت جب یہ اُڑ جائیں گی، تو سر کاٹ لیں گے، مگر رات کو ایک بارش کی رَو آئی اور ان کی نعش کو بہا کر لے گئی۔ اسی طرح سات آدمی یا تین آدمی شہید ہو گئے۔

غرض تین باقی رہ گئے: حضرت خُبیب رضی اللہ عنہ اور زید بن دَثِنہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ۔ ان تینوں حضرات سے پھر انہوں نے عہد و پیمان کیا کہ تم نیچے آ جاؤ، ہم تم سے بدعہدی نہ کریں گے۔ یہ تینوں حضرات نیچے اُتر آئے اور نیچے اترنے پر کفار نے ان کی کمانوں کی تانت اتار کر ان کی مُشکیں باندھیں۔ حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ پہلی بدعہدی ہے، میں تمہارے ساتھ ہرگز نہ جاؤں گا، ان شہید ہونے والوں کا اقتدا ہی مجھے پسند ہے۔ انہوں نے زبردستی ان کو کھینچنا چاہا، مگر یہ نہ ٹلے تو ان لوگوں نے ان کو بھی شہید کر دیا۔

صرف دو حضرات ان کے ساتھ رہے جن کو لے جا کر ان لوگوں نے مکّہ والوں کے ہاتھ فروخت کر دیا، ایک حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ جن کو صفوان بن اُمیہ نے پچاس اونٹ کے بدلہ میں خریدا تاکہ اپنے باپ اُمیہ کے بدلہ میں قتل کرے۔ دوسرے حضرت خُبیب رضی اللہ عنہ جن کو حُجیر بن ابی اِہاب نے سو اونٹ کے بدلہ میں خریدا تاکہ اپنے باپ کے بدلہ میں ان کو قتل کرے۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ حارث بن عامر کی اولاد نے خریدا کہ انہوں نے بدر میں حارث کو قتل کیا تھا۔ صفوان نے تو اپنے قیدی حضرت زید رضی اللہ عنہ کو فوراً ہی حرم سے باہر اپنے غلام کے ہاتھ بھیج دیا کہ قتل کر دیئے جاویں، اس کا تماشا دیکھنے کے واسطے اور بھی بہت سے لوگ جمع ہوئے جن میں ابوسفیان بھی تھا۔ اس نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے شہادت کے وقت پوچھا کہ اے زید! تجھ کو خدا کی قسم، سچ کہنا" کیا تجھ کو یہ پسند ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی گردن تیرے بدلہ میں ماردی جائے اور تجھ کو چھوڑ دیا جائے کہ اپنے اہل وعیال میں خوش وخرم رہے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جہاں ہیں وہیں ان کے ایک کانٹا بھی چُبھے اور ہم اپنے گھر آرام سے رہیں۔ یہ جواب سُن کر قریش حیران رہ گئے۔ ابوسفیان نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھیوں کو جتنی ان سے محبّت دیکھی اس کی نظیر کہیں نہیں دیکھی۔ اس کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ ایک عرصہ تک قید میں رہے، حُجیر کی باندی جو بعد میں مسلمان ہو گئیں

کہتی ہیں کہ جب خبیب رضی اللہ عنہ ہم لوگوں کی قید میں تھے تو ہم نے دیکھا کہ خبیب رضی اللہ عنہ ایک دن انگور کا بہت بڑا خوشہ آدمی کے سر کے برابر ہاتھ میں لئے ہوئے انگور کھا رہے ہیں اور مکّہ میں اس وقت انگور بالکل نہیں تھا۔ وہی کہتی ہیں کہ جب ان کے قتل کا وقت قریب آیا تو انہوں نے صفائی کے لئے اُسترا مانگا، وہ دے دیا گیا۔ اتفاق سے ایک کمسن بچہ اس وقت خُبَیب رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا۔ ان لوگوں نے دیکھا کہ اُسترا ان کے ہاتھ میں ہے اور بچہ انکے پاس، یہ دیکھ کر گھبرائے (حضرت) خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں بچہ کو قتل کر دونگا؟ ایسا نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد ان کو حرم سے باہر لایا گیا اور سولی پر لٹکانے کے وقت آخری خواہش کے طور پر پوچھا گیا کہ کوئی تمنّا ہو تو بتاؤ۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے اتنی مہلت دی جائے کہ دو رکعت نماز پڑھ لوں کہ دنیا سے جانے کا وقت ہے اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی ملاقات قریب ہے، چنانچہ مہلت دی گئی۔ انہوں نے دو رکعتیں نہایت اطمینان سے پڑھیں اور پھر فرمایا کہ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم لوگ یہ سمجھو گے کہ میں موت کے ڈر کی وجہ سے دیر کر رہا ہوں تو دو رکعت اور پڑھتا۔ اس کے بعد سولی پر لٹکا دیئے گئے تو انہوں نے دعا کی: یا اللہ! کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو تیرے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم تک میرا آخری سلام پہنچا دے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اسی وقت سلام پہنچایا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وعلیکم السلام یا خبیب! اور ساتھیوں کو اطلاع فرمائی کہ خبیب رضی اللہ عنہ کو قریش نے قتل کر دیا۔ حضرت خُبیب رضی اللہ عنہ کو جب سولی پر چڑھایا گیا تو چالیس کافروں نے نیزے لے کر چاروں طرف سے اُن پر حملہ کیا اور بدن کو چھلنی کر دیا۔ اس وقت کسی نے قسم دے کر یہ بھی پوچھا کہ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیں اور تم کو چھوڑ دیں؟ انہوں نے فرمایا: واللہ العظیم! مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ میری جان کے فدیہ میں ایک کانٹا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چُبھے۔[1]

ف: ویسے تو ان قصوں کا ہر ہر لفظ عبرت ہے لیکن اس قصہ میں دو چیزیں خاص طور سے قابلِ قدر اور قابلِ عبرت ہیں: ان حضرات کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبّت و عشق کہ اپنی جان جائے اور اس کے بدلہ میں اتنا لفظ کہنا بھی گوارا نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کی تکلیف معمولی سی بھی پہنچ جائے، اس لئے کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ سے صرف زبان سے ہی

[1] فتح اسلام

کہلانا چاہتے تھے اور صرف زبان سے کہنا ہی تھا، ورنہ بدلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے پر ان کفّار کو بھی قدرت نہ تھی، بلکہ وہ لوگ خود ہی ہر وقت تکلیف پہنچانے کی کوشش میں رہتے تھے جس میں بدلہ بے بدلہ سب برابر تھا۔ دوسری چیز نماز کی عظمت اور اس کا شغف کہ ایسے آخری وقت میں عام طور سے بیوی بچوں کو آدمی یاد کرتا ہے۔ ان کی صورت دیکھنا چاہتا ہے۔ پیام وسلام کہتا ہے مگر ان حضرات کو پیام وسلام دینا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو، اور آخری تمنّا ہے تو دو رکعت نماز کی۔

(۱۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جنّت میں معیّت کیلئے نماز کی مدد

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رات گذارتا تھا اور تہجّد کے وقت وضو کا پانی اور دوسری ضروریات مثلاً مسواک، مصلّی وغیرہ رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میری خدمات سے خوش ہو کر فرمایا: مانگ، کیا مانگتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! جنّت میں آپ کی رفاقت۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور کچھ، کہا: بس، یہی چیز مطلوب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اچھا میری مدد کیجیو سجدوں کی کثرت سے[1]۔

ف: اس میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ صرف دعا پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھنا چاہئے، بلکہ کچھ طلب اور عمل کی بھی ضرورت ہے اور اعمال میں سب سے اہم نماز ہے کہ جتنی اس کی کثرت ہوگی اتنے ہی سجدے زیادہ ہوں گے۔ جو لوگ اس سہارے پر بیٹھے رہتے ہیں کہ فلاں پیر فلاں بزرگ سے دعا کرائیں گے سخت غلطی ہے۔ اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے اس دنیا کو اسباب کے ساتھ چلایا ہے، اگرچہ بے اسباب ہر چیز پر قدرت ہے اور قدرت کے اظہار کے واسطے کبھی ایسا بھی کر دیتے ہیں، لیکن عام عادت یہی ہے کہ دنیا کے کاروبار اسباب سے لگا رکھے ہیں۔ حیرت ہے کہ ہم لوگ دنیا کے کاموں میں تو تقدیر پر اور صرف دعا پر بھروسہ کر کے کبھی نہیں بیٹھتے۔ پچاس طرح کی کوشش کرتے ہیں، مگر دین کے کاموں میں تقدیر اور دعا بیچ میں آجاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ والوں کی دعا نہایت اہم ہے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ ارشاد فرمایا کہ سجدوں کی کثرت سے میری دعا کی مدد کرنا۔

---

[1] ابوداؤد

چھٹا باب

ایثار و ہمدردی اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا

اِیثار کہتے ہیں اپنی ضرورت کے وقت دوسرے کو ترجیح دینا۔ اوّل تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہر ادا، ہر عادت ایسی ہی ہے جس کی برابری تو درکنار اس کا کچھ حصّہ بھی کسی خوش قسمت کو نصیب ہو جائے تو عین سعادت ہے، لیکن بعض عادتیں ان میں سے ایسی ممتاز ہیں کہ انہیں کا حصّہ تھیں۔ ان کے منجملہ ایثار ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے کلام اللہ شریف میں اس کی تعریف فرمائی اور "یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ" (الحشر:۹) میں اس صفت کو ذکر فرمایا کہ وہ لوگ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں گو ان پر فاقہ ہی ہو۔

(۱) صحابی رضی اللہ عنہ کا مہمان کی خاطر چراغ بجھا دینا

ایک صحابی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بھوک اور پریشانی کی حالت کی اطلاع دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھروں میں آدمی بھیجا، کہیں کچھ نہ ملا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ کوئی شخص ہے جو ان کی ایک رات کی مہمانی قبول کرے۔ ایک انصاری صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں مہمانی کروں گا۔ ان کو گھر لے گئے اور بیوی سے فرمایا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہیں، جو اِکرام کر سکے اس میں کسر نہ کرنا اور کوئی چیز چھپا کر نہ رکھنا۔ بیوی نے کہا: خدا کی قسم! بچوں کے قابل کچھ تھوڑا سا رکھا ہے، اور کچھ بھی گھر میں نہیں۔ صحابی نے فرمایا کہ بچوں کو بہلا کر سلا دیجیو اور جب وہ سو جائیں تو کھانا لے کر مہمان کے ساتھ بیٹھ جاویں گے اور تو چراغ کے درست کرنے کے بہانے سے اٹھ کر اس کو بجھا دینا، چنانچہ بیوی نے ایسا ہی کیا اور دونوں میاں بیوی اور بچوں نے فاقہ سے رات گذاری جس پر آیت "یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ" نازل ہوئی۔ ترجمہ: "اور ترجیح دیتے ہیں اپنی جانوں پر اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو"۔

ف: اس قسم کے متعدد واقعات ہیں جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے یہاں پیش آئے، چنانچہ ایک دوسرا واقعہ اسی قسم کا لکھا ہے۔

(۲) روزہ دار کے لئے چراغ بجھا دینا

ایک صحابی رضی اللہ عنہ روزہ پر روزہ رکھتے تھے۔ افطار کے لئے کوئی چیز کھانے کی میسّر نہ آتی تھی۔ ایک انصاری صحابی حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے تاڑ لیا۔ بیوی سے کہا کہ میں رات کو ایک مہمان کو لاؤں گا۔ جب کھانا شروع کریں تو تم چراغ کو درست کرنے کے حیلہ سے بجھا دینا اور اتنے مہمان کا پیٹ نہ بھر جائے خود نہ کھانا، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ ساتھ میں سب شریک رہے جیسے کھا رہے ہوں، صبح کو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات کا تمہارا اپنے مہمان کے ساتھ کا برتاؤ حق تعالیٰ شانہٗ کو بہت ہی پسند آیا۔[1]

(۳) ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا زکوٰۃ میں اونٹ دینا

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کا مال وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ میں ایک صاحب کے پاس گیا اور ان سے ان کے مال کی تفصیل معلوم کی تو ان پر ایک اونٹ کا بچہ ایک سالہ واجب تھا، میں نے ان سے اس کا مطالبہ کیا۔ وہ فرمانے لگے کہ ایک سال کا بچہ نہ دودھ کے کام کا، نہ سواری کے کام کا۔ انہوں نے ایک نفیس عمدہ جوان اونٹنی سامنے کی کہ یہ لے جاؤ۔ میں نے کہا کہ میں تو اس کو نہیں لے سکتا کہ مجھے عمدہ مال لینے کا حکم نہیں، البتہ اگر تم یہی دینا چاہتے ہو تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ہیں اور آج پڑاؤ فلاں جگہ تمہارے قریب ہی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر پیش کر دو۔ اگر منظور فرما لیا تو مجھے انکار نہیں، ورنہ میں معذور ہوں۔ وہ اس اونٹنی کو لے کر میرے ساتھ ہو لئے اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے پاس آپ کے قاصد زکوٰۃ کا مال لینے آئے تھے اور خدا کی قسم! مجھے آج تک یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی کہ رسول اللہ یا ان کے قاصد نے میرے مال میں کبھی تصرف فرمایا ہو، اس لئے میں نے اپنا سارا مال سامنے کر دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اس میں ایک سالہ اونٹ کا بچہ زکوٰۃ کا واجب ہے۔ حضور! ایک سال کے بچہ سے نہ تو دودھ کا ہی نفع ہے نہ

---

[1] درمنثور

سواری کا، اس لئے میں نے ایک عمدہ جوان اونٹنی پیش کی تھی جس کو انہوں نے قبول نہیں فرمایا، اس لئے میں خود لے کر حاضر ہوا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر واجب تو وہی ہے جو انہوں نے بتلائی، مگر تم اپنی طرف سے اس سے زیادہ عمدہ مال دو تو قبول ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا اجر مرحمت فرمائیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہ حاضر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا اور برکت کی دعا فرمائی۔

ف: یہ زکوٰۃ کے مال کا منظر ہے، آج بھی اسلام کے بہت سے دعویدار ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت کا دم بھی بھرتے ہیں، لیکن زکوٰۃ کے ادا کرنے میں زیادتی کا تو کیا ذکر ہے پوری مقدار بھی ادا کرنا موت ہے۔ جو اونچے طبقے والے، زیادہ مال والے کہلاتے ہیں ان کے یہاں تو اکثر و بیشتر اس کا ذکر ہی نہیں، لیکن جو متوسط حیثیت کے لوگ ہیں اور اپنے کو دیندار بھی سمجھتے ہیں وہ بھی اس کی کوشش کرتے ہیں کہ جو خرچ اپنے عزیز رشتہ داروں میں یا کسی دوسری جگہ مجبوری سے پیش آجائے اس میں زکوٰۃ ہی کی نیت کرلیں۔

(۴) حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کا صدقہ میں مقابلہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا۔ اتفاقاً اس زمانہ میں میرے پاس کچھ مال موجود تھا۔ میں نے کہا: آج میرے پاس اتفاق سے مال موجود ہے، اگر میں ابوبکر سے کبھی بھی بڑھ سکتا ہوں تو آج بڑھ جاؤں گا۔ یہ سوچ کر خوشی خوشی میں گھر گیا اور جو کچھ بھی گھر میں رکھا تھا اس میں سے آدھا لے آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا کہ چھوڑ آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا کہ آدھا چھوڑ آیا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو کچھ رکھا تھا سب لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر! گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا؟ انہوں نے فرمایا: ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا، یعنی اللہ اور اس کے رسولِ پاک کے نام کی برکت اور ان کی رضا اور خوشنودی کو چھوڑ آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کبھی نہیں بڑھ سکتا۔

ف: خوبیوں اور نیکیوں میں اس کی کوشش کرنا کہ دوسرے سے بڑھ جاؤں یہ مستحسن اور مندوب ہے۔ قرآن پاک میں بھی اس کی ترغیب آئی ہے۔ یہ قصّہ غزوۂ تبوک کا ہے، اس وقت میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چندہ کی خاص طور پر ترغیب فرمائی تھی اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اپنے حوصلہ کے موافق بلکہ ہمت و وسعت سے زیادہ اعانتیں فرمائیں جن کا ذکر باب نمبر۲ کے قصّہ نمبر۸ میں بھی مختصر طور پر گذرا ہے۔ (جَزَاهُمُ اللّٰهُ عَنَّا وَعَنْ سَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ)

(۵) صحابہ رضی اللہ عنہم کا دوسروں کی وجہ سے پیاسے مرنا

حضرت ابوجہم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یرموک کی لڑائی میں، میں اپنے چچازاد بھائی کی تلاش میں نکلا کہ وہ لڑائی میں شریک تھے اور ایک مشکیزہ پانی کا میں نے اپنے ساتھ لیا کہ ممکن ہے وہ پیاسے ہوں تو پانی پلاؤں، اتفاق سے وہ ایک جگہ اس حالت میں پڑے ہوئے ملے کہ دم توڑ رہے تھے اور جان کنی شروع تھی۔ میں نے پوچھا پانی کا گھونٹ دوں؟ انہوں نے اشارے سے ہاں کی۔ اتنے میں دوسرے صاحب نے جو قریب ہی پڑے تھے اور وہ بھی مرنے کے قریب تھے آہ کی۔ میرے چچازاد بھائی نے آواز سنی تو مجھے ان کے پاس جانے کا اشارہ کیا۔ میں ان کے پاس پانی لے کر گیا۔ وہ ہشام بن اَبی العاص رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے پاس پہنچا ہی تھا کہ ان کے قریب ایک تیسرے صاحب اسی حال میں پڑے دم توڑ رہے تھے۔ انہوں نے آہ کی۔ ہشام رضی اللہ عنہ نے مجھے ان کے پاس جانے کا اشارہ کر دیا۔ میں ان کے پاس پانی لے کر پہنچا تو ان کا دم نکل چکا تھا۔ ہشام کے پاس واپس آیا تو وہ بھی جاں بحق ہو چکے تھے۔ ان کے پاس سے اپنے بھائی کے پاس لوٹا تو اتنے میں وہ بھی ختم ہو چکے تھے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ[1]

ف: اس نوع کے متعدد واقعات کتب حدیث میں ذکر کئے گئے۔ کیا انتہا ہے اس ایثار کی کہ اپنا بھائی تو دم توڑ رہا ہو اور پیاسا ہو، ایسی حالت میں کسی دوسرے کی طرف توجہ کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے چہ جائیکہ اس کو پیاسا چھوڑ کر دوسرے کو پانی پلانے چلا جائے اور ان مرنے

---

[1] درایہ

والوں کی روحوں کو اللہ جل شانہٗ اپنے لطف و فضل سے نوازیں کہ مرنے کے وقت بھی جب ہوش و حواس سب ہی جواب دے دیتے ہیں، یہ لوگ ہمدردی میں جان دیتے ہیں۔

(۶) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کفن

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے اور بے درد کافروں نے آپ کے کان، ناک وغیرہ اعضاء کاٹ دیئے اور سینہ چیر کر دل نکالا اور طرح طرح کے ظلم کئے۔ لڑائی کے ختم پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم شہیدوں کی لاشیں تلاش فرما کر ان کی تجہیز و تکفین کا انتظام فرما رہے تھے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں دیکھا، نہایت صدمہ ہوا اور ایک چادر سے ان کو ڈھانک دیا۔ اتنے میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں کہ اپنے بھائی کی حالت کو دیکھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ آخر عورت ہیں ایسے ظلموں دیکھنے کا تحمل مشکل ہوگا، ان کے صاحبزادہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ اپنی والدہ کو دیکھنے سے منع کرو۔ انہوں نے والدہ سے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھنے کو منع فرما دیا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ میرے بھائی کے ناک کان وغیرہ کاٹ دیئے گئے۔ اللہ کے راستے میں یہ کونسی بڑی بات ہے، ہم اس پر راضی ہیں۔ میں اللہ سے ثواب کی امید رکھتی ہوں اور انشاء اللہ صبر کروں گی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر اس کلام کو ذکر کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جواب کو سن کر دیکھنے کی اجازت عطا فرما دی۔ آ کر دیکھا، اِنَّا لِلّٰہِ پڑھی اور ان کے لئے استغفار اور دعا کی۔

ایک روایت میں ہے کہ غزوۂ احد میں جہاں نعشیں رکھی ہوئی تھیں ایک عورت تیزی سے آ رہی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیکھو، عورت کو روکو۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے پہچان لیا کہ میری والدہ ہیں، میں جلدی سے روکنے کے لئے بڑھا، مگر وہ قوی تھیں، ایک گھونسا میرے مارا اور کہا: پرے ہٹ، میں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے تو فوراً کھڑی ہو گئیں۔ اس کے بعد دو کپڑے نکالے اور فرمایا کہ میں اپنے بھائی کے کفن کے لئے لائی تھی کہ میں ان کے انتقال کی خبر سن چکی تھی۔ ان کپڑوں میں ان کو کفنا دینا۔ ہم لوگ وہ

کپڑے لے کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو کفنانے لگے تو برابر میں ایک انصاری شہید پڑے ہوئے تھے جن کا نام حضرت سہیل رضی اللہ عنہ تھا۔ ان کا بھی کفار نے ایسا ہی حال کر رکھا تھا جیسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا تھا، ہمیں اس بات سے شرم آئی کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دو کپڑوں میں کفن دیا جائے اور انصاری کے پاس ایک بھی نہ ہو۔ اس لئے ہم نے دونوں کے لئے ایک ایک کپڑا تجویز کر دیا، مگر ایک کپڑا اُن میں بڑا تھا، دوسرا چھوٹا، تو ہم نے قرعہ ڈالا کہ قرعہ میں جو کپڑا جن کے حصّہ میں آئے گا وہ ان کے کفن میں لگایا جائے۔ قرعہ میں بڑا کپڑا حضرت سہیل رضی اللہ عنہ کے حصّہ میں آیا اور چھوٹا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے حصّہ میں آیا۔ جوان کے قد سے بھی کم تھا کہ اگر سر کو ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں کی طرف کیا جاتا تو سر کھل جاتا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سر کو کپڑے سے ڈھانک دو اور پاؤں پر پتے وغیرہ ڈال دو۔[1] ابن سعد کی روایت میں ہے کہ حضرت صفیّہ رضی اللہ عنہا جب دو کپڑے لے کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش پر پہنچیں تو ان کے قریب ہی ایک انصاری اسی حال میں پڑے ہوئے تھے تو ایک ایک کپڑے میں دونوں کو کفن دیا گیا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کپڑا بڑا تھا۔ یہ روایت مختصر ہے اور خمیس کی روایت مفصّل ہے۔

ف: یہ دو جہاں کے بادشاہ کے چچا کا کفن ہے، وہ بھی اس طرح کہ ایک عورت اپنے بھائی کے لئے دو کپڑے دیتی ہیں، اس میں یہ گوارا نہیں کہ دوسرا انصاری بے کفن رہے۔ ایک ایک کپڑا بانٹ دیا جاتا ہے اور پھر چھوٹا کپڑا اس شخص کے حصّہ میں آتا ہے جو کئی وجہ سے ترجیح کا استحقاق بھی رکھتا ہے۔ غریب پروری اور مساوات کے دعویدار اگر اپنے دعووں میں سچّے ہیں تو ان پاک ہستیوں کا اتباع کریں جو کہہ کر نہیں، بلکہ کر کے دکھلا گئے۔ ہم لوگوں کو اپنے لئے ان کا پیرو کہنا بھی شرم کی بات ہے۔

(۷) بکرے کی سری کا چکر کاٹ کر واپس آنا

حضرت اِبنِ عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو کسی شخص نے بکرے کی سری ہدیہ کے طور پر دی۔ انہوں نے فرمایا کہ میرے فلاں ساتھی زیادہ ضرورت مند ہیں، کنبہ والے ہیں اور اُن کے گھر والے زیادہ محتاج ہیں، اس لئے اُن کے پاس بھیج دی۔ اُن کو ایک

[1] خمیس

تیسرے صاحب کے متعلق یہی خیال پیدا ہوا، اور ان کے پاس بھیج دی۔ غرض اسی طرح سات گھروں میں پھر کر وہ سری سب سے پہلے صحابی رضی اللہ عنہ کے گھر لوٹ آئی۔

ف: اس قصّہ سے اُن حضرات کا عام طور سے محتاج اور ضرورت مند ہونا بھی معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی کہ ہر شخص کو دوسرے کی ضرورت اپنے سے مقدم معلوم ہوتی تھی۔

(۸) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنی بیوی کو زچگی میں لے جانا

امیرُ المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے خلافت کے زمانہ میں بسا اوقات رات کو چوکیدارہ کے طور پر شہر کی حفاظت بھی فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اسی حالت میں ایک میدان میں گذر ہوا، دیکھا کہ ایک خیمہ بالوں کا بنا ہوا لگا ہوا ہے جو پہلے وہاں نہیں دیکھا تھا۔ اس کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ ایک صاحب وہاں بیٹھے ہوئے ہیں اور خیمہ سے کچھ کراہنے کی آواز آرہی ہے۔ سلام کر کے ان صاحب کے پاس بیٹھ گئے اور دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: ایک مسافر ہوں، جنگل کا رہنے والا ہوں۔ امیر المؤمنین کے سامنے کچھ اپنی ضرورت پیش کر کے مدد چاہنے کے واسطے آیا ہوں۔ دریافت فرمایا کہ یہ خیمہ میں سے آواز کیسی آرہی ہے؟ ان صاحب نے کہا: میاں جاؤ! اپنا کام کرو۔ آپ نے اصرار فرمایا کہ نہیں بتا دو، کچھ تکلیف کی آواز ہے۔ ان صاحب نے کہا کہ عورت کی ولادت کا وقت قریب ہے، دردِزہ ہو رہا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ کوئی دوسری عورت بھی پاس ہے؟ انہوں نے کہا کوئی نہیں، آپ رضی اللہ عنہ وہاں سے اٹھے اور مکان تشریف لے گئے اور اپنی بیوی حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ ایک بڑے ثواب کی چیز مقدر سے تمہارے لئے آئی ہے۔ انہوں نے پوچھا: کیا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک گاؤں کی رہنے والی بیچاری تنہا ہے، اس کو دردِزہ ہو رہا ہے۔ انہوں نے ارشاد فرمایا: ہاں ہاں تمہاری صلاح ہو تو میں تیار ہوں۔ اور کیوں نہ تیار ہوتیں کہ یہ بھی آخر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ہی صاحبزادی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ولادت کے واسطے جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہو، تیل، گودڑ وغیرہ لے لو اور ایک ہانڈی اور کچھ گھی اور دانے وغیرہ بھی ساتھ لے لو، وہ لے کر چلیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود پیچھے پیچھے ہو لئے۔ وہاں پہنچ کر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا تو خیمہ

میں چلی گئیں اور آپ رضی اللہ عنہ نے آگ جلا کر اس ہانڈی میں دانے اُبالے، گھی ڈالا۔ اتنے میں ولادت سے فراغت ہوگئی۔ اندر سے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے آواز دے کر عرض کیا: امیر المؤمنین! اپنے دوست کو لڑکا پیدا ہونے کی بشارت دیجئے۔ امیر المؤمنین کا لفظ جب ان صاحب کے کان میں پڑا تو وہ بڑے گھبرائے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: گھبرانے کی بات نہیں، وہ ہانڈی خیمہ کے پاس رکھ دی کہ اس عورت کو بھی کچھ کھلا دیں، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے اس کو کھلایا، اس کے بعد ہانڈی باہر دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بدّو سے کہا کہ لو تم بھی کھاؤ۔ رات بھر تمہاری جاگنے میں گذر گئی۔ اس کے بعد اہلیہ کو ساتھ لے کر گھر تشریف لے آئے اور ان صاحب سے فرمایا کہ کل آنا تمہارے لئے انتظام کر دیا جائے گا۔[1]

ف: ہمارے زمانے کا کوئی بادشاہ یا رئیس نہیں، کوئی معمولی حیثیت کا مال دار بھی ایسا ہے جو غریب کی ضرورت میں مسافر کی مدد کے واسطے اس طرح بیوی کو رات کو جنگل میں لے جائے اور خود اپنے آپ چولہا دھونک کر پکائے۔ مال دار کو چھوڑیئے، کوئی دیندار بھی ایسا کرتا ہے؟ سوچنا چاہئے کہ جن کے ہم نام لیوا ہیں اور ان جیسی برکات کی ہر بات میں امید رکھتے ہیں، کوئی کام بھی ہم ان جیسا کر لیتے ہیں۔

(۹) ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا باغ وقف کرنا

حضرت اَنَس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں سب سے زیادہ اور سب سے بڑے باغ والے تھے، ان کا ایک باغ تھا جس کا نام ''بَیرحا'' تھا۔ وہ ان کو بہت ہی زیادہ محبوب تھا، مسجد نبوی کے قریب تھا۔ پانی بھی اس میں نہایت شیریں اور افراط سے تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اکثر اس باغ میں تشریف لے جاتے اور اس کا پانی نوش فرماتے۔ جب قرآن شریف کی آیت " لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ " (آل عمران:۹۲) ترجمہ: تم نیکی (کے کامل درجہ) کو نہیں پہنچ سکتے جب تک ایسی چیزوں سے خرچ نہ کرو گے جو تم کو پسند ہیں) نازل ہوئی تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے اپنا باغ ''بیرحا'' سب سے زیادہ محبوب ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ محبوب مال اللہ کے

[1] اشہر

راستہ میں خرچ کرو، اس لئے وہ اللہ کے راستہ میں دیتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا مناسب سمجھیں اس کے موافق اس کو خرچ فرمادیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت زیادہ مسرّت کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ بہت ہی عمدہ مال ہے۔ میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو اپنے اہلِ قرابت میں تقسیم کردو۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم فرمادیا۔[1]

ف: ہم بھی اپنا کوئی محبوب ترین مال جائیداد کوئی ایک آدھ وعظ سن کر، قرآن پاک کی کوئی آیت پڑھ کر یا سن کر اس طرح بے دھڑک خیرات کر دیتے ہیں؟ اگر وقف وغیرہ کرنے کا خیال بھی آتا ہے تو زندگی سے مایوس ہوجانے کے بعد یا وارثوں سے خفا ہوکر ان کو محروم کرنے کی نیت سے، اور برس کے برس اس سوچ میں لگا دیتے ہیں کہ کوئی صورت ایسی پیدا ہوجائے کہ میری زندگی میں میرے ہی کام آوے، بعد میں جو ہو وہ ہوتا رہے۔ ہاں! نام ونمود کی کوئی چیز ہو، بیاہ شادی کی تقریب ہو تو سودی قرض سے بھی انکار نہیں۔

(۱۰) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا اپنے خادم کو تنبیہ کرنا

حضرت ابوذر غِفاری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں جن کے اسلام لانے کا قصّہ باب نمبر ۱ کے نمبر ۵ پر گذر چکا۔ یہ بڑے زاہد لوگوں میں تھے، مال نہ اپنے پاس جمع رکھتے تھے نہ یہ چاہتے تھے کہ کوئی دوسرا جمع رکھے۔ مالدار لوگوں سے ہمیشہ لڑائی رہتی تھی، اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے "رَبَذَہ" میں رہنے لگے تھے جو جنگل میں ایک معمولی سی آبادی تھی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس چند اونٹ تھے اور ایک ناتواں ضعیف سا چرواہا تھا جو ان کی خبر گیری کرتا تھا، اسی پر گذر تھا۔ ایک شخص قبیلۂ بنو سُلیم کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ تمنّا ظاہر کی کہ میں آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں تاکہ آپ کے فیوض سے استفادہ کروں، میں آپ کے چرواہے کی مدد کرتا رہوں گا اور آپ کی برکات سے فائدہ بھی حاصل کروں گا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میرا دوست وہ ہے جو میری اطاعت کرے، اگر تم بھی میری اطاعت کے لئے تیار ہو تو شوق سے رہو۔ کہنا نہ مانو تو تمہاری ضرورت نہیں۔ سلیمی صاحب نے عرض کیا: کس چیز میں آپ اپنی اطاعت چاہتے ہیں؟ فرمایا کہ

[1] درمنثور

جب میں اپنے مال میں سے کسی چیز کے خرچ کا حکم کروں تو عمدہ سے عمدہ مال خرچ کیا جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے قبول کیا اور رہنے لگا۔ اتفاق سے ایک دن ان سے کسی نے ذکر کیا کہ پانی پر کچھ لوگ رہتے ہیں جو ضرورت مند ہیں، کھانے کے محتاج ہیں۔ مجھ سے فرمایا: ایک اونٹ لے آؤ۔ میں نے دیکھا کہ ایک بہت ہی عمدہ اونٹ ہے جو نہایت قیمتی نہایت کارآمد اور سواری میں مطیع۔ میں نے حسبِ وعدہ اس کو لے جانے کا ارادہ کیا، مگر مجھے خیال ہوا کہ غرباء کو کھلانا ہی تو ہے اور یہ اونٹ بہت زیادہ کارآمد ہے، حضرت کی اور متعلقین کی ضرورت کا ہے۔ اس کو چھوڑ کر اس سے ذرا کم درجہ کی عمدہ اونٹنی کہ اس اونٹ کے علاوہ اور باقی سب سے بہتر تھی، لے کر حاضرِ خدمت ہوا۔ فرمایا کہ تم نے خیانت کی، میں سمجھ گیا اور واپس آ کر وہی اونٹ لے گیا۔ پاس بیٹھنے والوں سے ارشاد فرمایا کہ دو آدمی ایسے ہیں جو اللہ کے واسطے ایک کام کریں؟ دو آدمی اٹھے۔ انہوں نے اپنے کو پیش کیا۔ فرمایا کہ اس کو ذبح کرو اور ذبح کے بعد گوشت کاٹ کر جتنے گھر پانی پر آباد ہیں ان کو شمار کر کے ابوذر کا یعنی اپنا گھر بھی ایک عدد ان میں شمار کر لو اور سب کو برابر تقسیم کر دو۔ میرے گھر میں اتنا ہی جائے جتنا ان میں سے ہر گھر میں جائے، انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی اور تقسیم کر دیا۔

اس کے بعد مجھے بلایا اور فرمایا کہ تو نے میری وصیّت عمدہ مال خرچ کرنے کی جان بوجھ کر چھوڑی یا بھول گیا تھا؟ اگر بھول گیا تھا تو معذور ہے۔ میں نے عرض کیا کہ بھولا تو نہیں تھا، میں نے اول اسی اونٹ کو لیا تھا، مگر مجھے خیال ہوا کہ یہ بہت کارآمد ہے، آپ کو اکثر اس کی ضرورت رہتی ہے، محض اس وجہ سے چھوڑ دیا تھا۔ فرمایا کہ محض میری ضرورت سے چھوڑا تھا۔ عرض کیا کہ محض آپ کی ضرورت سے چھوڑا تھا، فرمایا: اپنی ضرورت کا دن بتاؤں؟ میری ضرورت کا دن وہ ہے جس دن مَیں قبر کے گڑھے میں اکیلا ڈال دیا جاؤں گا۔ وہ دن میری ضرورت اور احتیاج کا ہے۔ مال کے اندر تین حصّہ دار ہیں: ایک تقدیر جو مال لے جانے میں کسی چیز کا انتظار نہیں کرتی، اچھا برا ہر قسم کا لے جاتی ہے۔ دوسرا وارث جو اس کے انتظار میں ہے، تو مرے تو وہ لے لے۔ اور تیسرا حصّہ دار تو خود ہے، اگر ہو سکتا ہو اور تیری طاقت میں ہو تو تینوں حصّہ داروں میں سب سے زیادہ عاجز نہ بن۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد

ہے "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" (آل عمران:۹۲)۔ اس لئے جو مال مجھے سب سے زیادہ پسند ہے اس کو میں اپنے لئے آگے چلتا کروں تا کہ وہ میرے لئے جمع رہے۔[1]

ف: "تین حصہ داروں میں سب سے زیادہ عاجز نہ بن" کا مطلب یہ ہے کہ جو ہو سکے اپنے لئے آخرت کا ذخیرہ جمع کر لے، ایسا نہ ہو کہ مقدر غالب آجائے اور وہ مال تجھ سے ضائع ہو جائے یا تو مر جائے اور وہ دوسروں کے قبضہ میں آجائے کہ بعد میں کوئی کسی کو نہیں پوچھتا۔ آل اولاد، بیوی، بچے، سب تھوڑے بہت دنوں رو کر چپ ہو جائیں گے۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ مرنے والے کے لئے بھی کچھ صدقہ خیرات کر دیں اور اس کو یاد رکھیں۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہے: آدمی کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال، حالانکہ اس کا مال صرف وہ ہے جو کھا لیا اور ختم کر دیا یا پہن لیا اور پرانا کر دیا یا اللہ کے راستہ میں خرچ کر دیا اور اپنے لئے خزانہ میں جمع کر دیا۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ دوسروں کا مال ہے، لوگوں کے لئے جمع کر رہا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: تم میں سے ایسا کون شخص ہے جس کو اپنے وارث کا مال اپنے سے اچھا لگے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایسا کون ہوگا جس کو دوسرے کا مال اپنے سے زیادہ محبوب ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنا مال صرف وہی ہے جو آگے بھیج دیا جائے اور جو چھوڑ دیا جائے وہ وارث کا مال ہے۔[2]

(۱۱) حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا قصّہ

حضرت جعفر طیّار رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی ہیں۔ اوّل تو یہ سارا ہی گھرانہ اور خاندان بلکہ آل اولاد سخاوت، کرم، شجاعت اور بہادری میں ممتاز رہے اور ہیں، لیکن حضرت جعفر رضی اللہ عنہ مساکین کے ساتھ خاص تعلّق رکھتے تھے اور زیادہ اٹھنا بیٹھنا غرباء ہی کے ساتھ ہوتا تھا۔ کفار کی تکالیف سے تنگ ہو کر اوّل حبشہ کی ہجرت کی اور کفار نے وہاں بھی پیچھا کیا تو نجاشی کے یہاں اپنی صفائی پیش کرنا پڑی جس کا قصّہ پہلے باب کے نمبر ۱۰ پر گذرا۔ وہاں سے واپسی پر مدینہ طیبہ کی ہجرت کی اور غزوۂ مُؤتہ میں

---

[1] درمنثور، [2] مشکوٰۃ

شہید ہوئے جس کا قصہ اگلے باب کے ختم پر آرہا ہے۔ ان کے انتقال کی خبر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تعزیت کے طور پر تشریف لے گئے اور ان کے صاحبزادوں عبداللہ اور عون اور محمد رضی اللہ عنہم کو بلایا، وہ سب کم عمر تھے۔ ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا فرمائی۔ ساری ہی اولاد میں باپ کا رنگ تھا، مگر عبداللہ میں سخاوت کا مضمون بہت زیادہ تھا۔ اسی وجہ سے ان کا لقب قُطب السَّخاء، سخاوت کا قطب تھا۔ سات برس کی عمر میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہوئی۔ انہی عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہ کے یہاں سفارش کرائی، ان کی سفارش پر اس کا کام ہو گیا، تو اس نے نذرانہ کے طور پر چالیس ہزار درہم بھیجے۔ انہوں نے واپس کر دیئے کہ ہم لوگ اپنی نیکی کو فروخت نہیں کیا کرتے۔ ایک مرتبہ کہیں سے دو ہزار درہم نذرانہ میں آئے، اسی مجلس میں تقسیم فرما دیئے۔ ایک تاجر بہت سی شکر لے کر آیا، مگر بازار میں فروخت نہ ہوئی، اس کو فکر و رنج ہوا۔ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنے کارندوں سے کہا کہ ساری شکر اس سے خرید لو اور لوگوں میں مفت لٹا دو۔ رات کو قبیلہ میں جو مہمان آجاتا تھا وہ ان کے یہاں سے کھانا پینا ہر قسم کی ضروریات پوری کرتا۔[1]

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ایک لڑائی میں شریک تھے، ایک دن اپنے بیٹے عبداللہ کو وصیّت فرمائی کہ میرا خیال یہ ہے کہ آج میں شہید ہو جاؤں گا، تم میرا قرضہ ادا کر دینا اور فلاں فلاں کام کرنا۔ یہ وصیتیں کر کے اسی دن شہید ہو گئے۔ صاحبزادہ نے جب قرضہ کو جوڑا تو بائیس لاکھ درہم تھے اور یہ قرضہ بھی اس طرح ہوا تھا کہ امانت دار بہت مشہور تھے۔ لوگ اپنی اپنی امانتیں بہت کثرت سے رکھتے، یہ فرما دیتے رکھنے کی جگہ تو میرے پاس نہیں، یہ رقم قرض ہے۔ جب تمہیں ضرورت ہو لے لینا۔ یہ کہہ کر اس کو صدقہ کر دیتے اور یہ بھی وصیّت کی کہ جب کوئی مشکل پیش آئے تو میرے مولیٰ سے کہہ دینا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مولیٰ کو نہ سمجھا، میں نے پوچھا کہ آپ کے مولیٰ کون؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ۔ چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے تمام قرضہ ادا کر دیا۔ کہتے ہیں کہ جب کوئی دِقّت پیش آتی، میں کہتا! اے زبیر کے مولیٰ! فلاں کام نہیں ہوتا، وہ فوراً ہو جاتا۔

---

[1] اسد الغابہ

یہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ ان عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میرے والد کے قرضہ کی فہرست میں تمہارے ذمہ دس لاکھ درہم لکھے ہیں، کہنے لگے کہ جب چاہو لے لو۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ مجھ سے غلطی ہوئی، میں دوبارہ گیا۔ میں نے کہا کہ وہ تو تمہارے ان کے ذمہ ہیں۔ کہنے لگے کہ میں نے معاف کر دیئے۔ میں نے کہا کہ میں معاف نہیں کراتا۔ کہنے لگے جب تمہیں سہولت ہو دے دینا۔ میں نے کہا کہ اس کے بدلہ میں زمین لے لو۔ غنیمت کے مال میں بہت سی زمین آئی ہوئی ہے۔ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے کہا: اچھا۔ میں نے ایک زمین ان کو دے دی جو معمولی حیثیت کی تھی۔ پانی وغیرہ بھی اس میں نہیں تھا۔ انہوں نے فوراً قبول کر لی اور غلام سے کہا کہ اس زمین میں مُصلّٰی بچھا دے، اس نے مصلی بچھا دیا، دو رکعت نماز وہاں پڑھی اور بہت دیر تک سجدہ میں پڑے رہے۔ نماز سے فارغ ہو کر غلام سے کہا کہ اس جگہ کو کھودو۔ اس نے کھودنا شروع کیا، ایک پانی کا چشمہ وہاں سے ابلنے لگا۔[1]

ف: ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہاں یہ اور اس قسم کی چیزیں جو اس باب میں لکھی گئیں کوئی بڑی بات نہ تھی۔ ان حضرات کی عام عادتیں ایسی ہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

[1] اسد الغابہ

ساتواں باب

بہادری، دلیری اور موت کا شوق

جس کا لازمی نتیجہ بہادری ہے کہ جب آدمی مرنے ہی کے سر ہو جائے تو پھر سب کچھ کرسکتا ہے۔ ساری بزدلی، سوچ فکرِ زندگی ہی کے واسطے ہے اور جب مرنے کا اِشتیاق پیدا ہو جائے تو نہ مال کی محبّت رہے نہ دشمن کا خوف، کاش! مجھے بھی ان بچوں کے طفیل یہ دولت نصیب ہو جاتی۔

(۱) اِبنِ جَحش رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی دعا

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے غزوۂ اُحد میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے سعد! آؤ مل کر دعا کریں۔ ہر شخص اپنی ضرورت کے موافق دعا کرے، دوسرا آمین کہے کہ یہ قبول ہونے کے زیادہ قریب ہے، دونوں حضرات نے ایک کونے میں جا کر دعا فرمائی۔ اول حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دعا کی: یا اللہ! جب کل کو لڑائی ہو تو میرے مقابلہ میں ایک بڑے بہادر کو مُقرّر فرما جو سخت حملہ والا ہو، وہ مجھ پر سخت حملہ کرے اور میں اس پر زوردار حملہ کروں، پھر مجھے اس پر فتح نصیب فرما کہ میں اس کو تیرے راستے میں قتل کروں اور اس کی غنیمت حاصل کروں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آمین کہی اور اس کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی: اے اللہ! کل کو میدان میں ایک بہادر سے مقابلہ کرا جو سخت حملہ والا ہو۔ میں اس پر شدت سے حملہ کروں، وہ بھی مجھ پر زور سے حملہ کرے اور پھر وہ مجھے قتل کر دے، پھر میرے ناک، کان کاٹ لے۔ پھر قیامت میں جب تیرے حضور میں پیشی ہو تو تُو کہے کہ عبداللہ! تیرے ناک کان کیوں کاٹے گئے؟ میں عرض کروں: یا اللہ! تیرے اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں کاٹے گئے، پھر تو کہے کہ سچ ہے، میرے ہی راستے میں کاٹے گئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے آمین کہی۔ دوسرے دن لڑائی ہوئی اور دونوں کی دعائیں اسی طرح سے قبول ہوئیں جس طرح مانگی تھیں۔[1] سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جحش کی دعا میری دعا سے بہتر تھی۔ میں نے شام کو دیکھا کہ ان کے ناک کان ایک تاگے میں پروئے ہوئے

[1] خمیس

ہیں۔ اُحد کی لڑائی میں ان کی تلوار بھی ٹوٹ گئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک ٹہنی عطا فرمائی جو ان کے ہاتھ میں جا کر تلوار بن گئی اور عرصہ تک بعد میں رہی اور دوسو دینار کی فروخت ہوئی[1]۔ دِینار سونے کے ایک سکّہ کا نام ہے۔

ف: اس قصّہ میں جہاں ایک جانب کمالِ بہادری ہے کہ بہادر دشمن سے مقابلہ کی تمنّا ہے، وہاں دوسری جانب کمالِ عشق بھی کہ محبوب کے راستے میں بدن کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی تمنّا کرے اور آخر میں جب وہ پوچھیں کہ یہ سب کیوں ہوا؟ تو میں عرض کروں کہ تمہارے لئے۔

رہے گا کوئی تو تیغِ ستم کے یادگاروں میں
مرے لاشے کے ٹکڑے دفن کرنا سو مزاروں میں

(۲) اُحد کی لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہادری

غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کو کچھ شکست ہوئی تھی جس کی بڑی وجہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد پر عمل نہ کرنا تھی جس کا ذکر باب نمبر ا قصّہ نمبر ۲ میں گذر چکا۔ اس وقت مسلمان چاروں طرف سے کفار کے بیچ میں آ گئے جس کی وجہ سے بہت سے لوگ شہید بھی ہوئے اور کچھ بھاگے بھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی کفار کے ایک جتھّے کے بیچ میں آ گئے اور کفار نے یہ مشہور کر دیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اس خبر سے بہت پریشان حال تھے اور اسی وجہ سے بہت سے بھاگے بھی اور اِدھر اُدھر مُتفرّق ہو گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب کفار نے مسلمانوں کو گھیر لیا اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میری نظر سے اوجھل ہو گئے تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اوّل زندوں میں تلاش کیا، نہ پایا۔ پھر شہداء میں جا کر تلاش کیا، وہاں بھی نہ پایا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی سے بھاگ جائیں۔ بظاہر حق تعالیٰ شانہٗ ہمارے اعمال کی وجہ سے ہم پر ناراض ہوئے، اس لئے اپنے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر اٹھا لیا، اس لئے اب اس سے بہتر کوئی صورت نہیں کہ میں بھی تلوار لے کر کافروں کے جتھّے میں گھس جاؤں یہاں تک کہ مارا جاؤں۔ میں نے تلوار لے

[1] اصابہ

کر حملہ کیا یہاں تک کہ کفار بیچ میں سے ہٹتے گئے اور میری نگاہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑ گئی تو بے حد مُسَرَّت ہوئی اور میں نے سمجھا کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے ملائکہ کے ذریعے سے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر کھڑا ہوا کہ ایک جماعت کی جماعت کفار کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کے لئے آئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علی! ان کو روکو۔ میں نے تنہا اس جماعت کا مقابلہ کیا اور ان کے منہ پھیر دیئے اور بعضوں کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد پھر ایک اور جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کی نیت سے بڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ فرمایا۔ انہوں نے پھر تنہا اس جماعت کا مقابلہ کیا۔ اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس جوانمردی اور مدد کی تعریف کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اِنَّـهٗ مِـنِّـی وَاَنَـا مِـنْـهُ" "بے شک علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں" یعنی کمالِ اتحاد کی طرف اشارہ فرمایا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: "وَاَنَا مِنْكُمَا" "اور میں تم دونوں سے ہوں"۔[1]

ف: ایک تنہا آدمی کا جماعت سے بِھڑ جانا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدّس ذات کو نہ پا کر مر جانے کی نیت سے کفار کے جمگھٹے میں گھس جانا، جہاں ایک طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سچّی محبّت اور عشق کا پتہ دیتا ہے وہاں دوسری جانب کمالِ بہادری اور دلیری، جرأت کا بھی نقشہ پیش کرتا ہے۔

(۳) حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

غزوۂ اُحد میں حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اوّل سے شریک نہیں تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کی نئی شادی ہوئی تھی۔ بیوی سے ہمبستر ہوئے تھے، اس کے بعد غسل کی تیاری کر رہے تھے اور غسل کرنے کے لئے بیٹھ بھی گئے، سر کو دھو رہے تھے کہ ایک دم مسلمانوں کی شکست کی آواز کان میں پڑی جس کی تاب نہ لا سکے۔ اسی حالت میں تلوار ہاتھ میں لی اور لڑائی کے میدان کی طرف بڑھے چلے گئے اور کفار پر حملہ کیا اور برابر بڑھتے چلے گئے کہ اسی حالت میں شہید ہو گئے۔ چونکہ شہید کو اگر جنبی نہ ہو تو بغیر غسل دیئے دفن کیا جاتا ہے، اس لئے ان کو بھی اسی طرح کر دیا، مگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ملائکہ ان کو غسل دے رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم

[1] اقرۃ العیون

سے ملائکہ کے غسل دینے کا تذکرہ فرمایا۔ ابوسعید ساعدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور کا یہ ارشاد سن کر حنظلہ رضی اللہ عنہ کو جا کر دیکھا تو ان کے سر سے غسل کا پانی ٹپک رہا تھا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے واپسی پر تحقیق فرمائی تو ان کے بغیر نہائے جانے کا قصہ معلوم ہوا۔[1]

ف: یہ بھی کمالِ بہادری ہے۔ بہادر آدمی کو اپنے ارادہ میں تاخیر کرنا دشوار ہوتا ہے، اس لئے اتنا انتظار بھی نہیں کیا کہ غسل پورا کر لیتے۔

(۴) عمرو بن جَموح رضی اللہ عنہ کی تمنّائے شہادت

حضرت عَمرو بن جَموح رضی اللہ عنہ پاؤں سے لنگڑے تھے۔ ان کے چار بیٹے تھے جو اکثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے اور لڑائیوں میں شرکت بھی کرتے تھے۔ غزوۂ اُحد میں عمرو بن جَموح رضی اللہ عنہ کو بھی شوق پیدا ہوا کہ میں بھی جاؤں۔ لوگوں نے کہا کہ تم معذور ہو، لنگڑے پن کی وجہ سے چلنا دشوار ہے۔ انہوں نے فرمایا: کیسی بری بات ہے کہ میرے بیٹے تو جنّت میں جائیں اور میں رہ جاؤں۔ بیوی نے بھی ابھارنے کے لئے طعنہ کے طور پر کہا کہ میں تو دیکھ رہی ہوں کہ وہ لڑائی سے بھاگ کر لوٹ آیا۔ عَمرو رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر ہتھیار لئے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کی: "اَللّٰھُمَّ لَا تَرُدَّنِیْ اِلٰی اَھْلِیْ" (اے اللہ! مجھے اپنے اہل کی طرف نہ لوٹائیو) اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی قوم کے منع کرنے کا اور اپنی خواہش کا اظہار کیا اور کہا کہ میں امید کرتا ہوں کہ اپنے لنگڑے پیر سے جنّت میں چلوں پھروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے تم کو معذور کیا ہے، تو نہ جانے میں کیا حرج ہے؟ انہوں نے پھر خواہش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیدی۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عمرو کو لڑائی میں دیکھا کہ اکڑتے ہوئے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ خدا کی قسم! میں جنّت کا مُشتاق ہوں۔ ان کا ایک بیٹا بھی ان کے پیچھے دوڑا ہوا جاتا تھا۔ دونوں لڑتے رہے حتیٰ کہ دونوں شہید ہوئے۔ ان کی بیوی اپنے خاوند اور بیٹے کی نعش کو اونٹ پر لاد کر دفن کے لئے مدینہ لانے لگیں تو وہ اونٹ بیٹھ گیا۔ بڑی دِقّت سے اس کو مار کر اٹھایا اور مدینہ لانے کی کوشش کی۔ مگر وہ اُحد ہی کی طرف منہ کرتا تھا۔ ان کی بیوی نے

[1] قرۃ العیون

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اونٹ کو یہی حکم ہے۔ کیا عمرو چلتے ہوئے کچھ کہہ کر گئے تھے؟ انہوں نے عرض کیا کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے یہ دعا کی تھی: "اَللّٰھُمَّ لَا تَرُدَّنِیْ اِلٰی اَھْلِیْ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسی وجہ سے یہ اونٹ اس طرف نہیں جاتا۔[1]

ف: اسی کا نام ہے جنّت کا شوق اور یہی ہے وہ سچّا عشق اللہ کا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جس کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے کہ ان کے جذبے مرنے کے بعد بھی ویسے ہی رہتے۔ بہتیری کوشش کی کہ اونٹ چلے، مگر یا تو وہ بیٹھ جاتا یا اُحد کی طرف چلتا تھا۔

(۵) حضرت مُصعب بن عُمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت مصعب بن عُمیر رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے بڑے ناز کے پلے ہوئے اور مالدار لڑکوں میں تھے، ان کے باپ ان کے لئے دو دو سو درہم کا جوڑا خرید کر پہناتے تھے، نوعمر تھے، بہت زیادہ ناز و نعمت میں پرورش پاتے تھے۔ اسلام کے شروع ہی زمانے میں گھر والوں سے چھپ کر مسلمان ہو گئے اور اسی حالت میں رہتے۔ کسی نے ان کے گھر والوں کو بھی خبر کر دی۔ انہوں نے ان کو باندھ کر قید کر دیا۔ کچھ روز اسی حالت میں گذرے اور جب موقع ملا تو چھپ کر بھاگ گئے اور جو لوگ حَبشہ کی ہجرت کر رہے تھے ان کیساتھ ہجرت کر کے چلے گئے۔ وہاں سے واپس آ کر مدینہ منورہ کی ہجرت فرمائی اور زہد و فقر کی زندگی بسر کرنے لگے اور ایسی تنگی کی حالت تھی کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ حضرت مُصعب رضی اللہ عنہ سامنے سے گذرے۔ ان کے پاس صرف ایک چادر تھی جو کئی جگہ سے پھٹی ہوئی تھی اور ایک جگہ بجائے کپڑے کے چمڑے کا پیوند لگا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی اِس حالت اور اُس پہلی حالت کا تذکرہ فرماتے ہوئے آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔

غزوۂ اُحد میں مہاجرین کا جھنڈا اُن کے ہاتھ میں تھا۔ جب مسلمان نہایت پریشانی کی حالت میں مُنتشِر ہو رہے تھے تو یہ جمے ہوئے کھڑے تھے۔ ایک کافر ان کے قریب آیا اور تلوار سے ہاتھ کاٹ دیا کہ جھنڈا اگر جاوے اور مسلمانوں کو گویا کھلی شکست ہو جائے، انہوں نے فوراً دوسرے ہاتھ میں لے لیا، اس نے دوسرے ہاتھ کو بھی کاٹ ڈالا۔ انہوں

[1] اقرۃ العیون

نے دونوں بازوؤں کو جوڑ کر سینہ سے جھنڈے کو چمٹا لیا کہ گرنے نہیں۔ اس نے ان کے تیر مارا جس سے شہید ہو گئے، مگر زندگی میں جھنڈے کو نہ گرنے دیا۔ اس کے بعد جھنڈا گرا جس کو فوراً دوسرے شخص نے اٹھا لیا۔ جب ان کو دفن کرنے کی نوبت آئی تو صرف ایک چادر ان کے پاس تھی، جو پورے بدن پر نہیں آتی تھی، اگر سر کی طرف سے ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھُل جاتے اور پاؤں کی طرف کی جاتی تو سر کھل جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چادر کو سر کی جانب کر دیا جائے اور پاؤں پر اِذخِر کے پتے ڈال دیئے جائیں۔[1]

ف: یہ آخری زندگی ہے اس نازک اور نازوں سے پلے ہوئے کی جو دو سو درہم کا جوڑا پہنتا تھا کہ آج اس کو کفن کی ایک چادر بھی پوری نہیں ملتی اور اس پر ہمت یہ کہ زندگی میں جھنڈا نہ گرنے دیا۔ دونوں ہاتھ کٹ گئے، مگر پھر بھی اس کو نہ چھوڑا۔ بڑے نازوں کے پلے ہوئے تھے، مگر ایمان ان لوگوں کے دلوں میں کچھ اس طرح سے جمتا تھا کہ پھر وہ اپنے سوا کسی چیز کا بھی نہ چھوڑتا تھا۔ روپیہ پیسہ، راحت آرام، ہر قسم کی چیز سے ہٹا کر اپنے میں لگا لیتا تھا۔

(۶) قادسیّہ کی لڑائی میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا خط

عراق کی لڑائی کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارادہ خود لڑائی میں شرکت فرمانے کا تھا۔ عوام اور خواص دونوں قسم کے مجمعوں سے کئی روز تک اس میں مشورہ ہوتا رہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خود شریک ہونا زیادہ مناسب ہے یا مدینہ میں رہ کر لشکروں کے روانہ کرتے رہنے کا انتظام زیادہ مناسب ہے۔ عوام کی رائے تھی کہ خود شرکت مناسب ہے اور خواص کی رائے تھی کہ دوسری صورت زیادہ بہتر ہے۔ مشوروں کی گفتگو میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بھی تذکرہ آ گیا۔ ان کو سب نے پسند کر لیا کہ اگر ان کو بھیجا جاوے تو بہت مناسب ہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جانے کی ضرورت نہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بڑے بہادر اور عرب کے شیروں میں شمار ہوتے تھے۔ غرض یہ تجویز ہو گئی اور ان کو بھیج دیا گیا۔ جب قادسیہ پر حملہ کے لئے پہنچے تو شاہِ کِسریٰ نے ان کے مقابلہ کے لئے رُستم کو جو مشہور پہلوان تھا تجویز کیا۔ رُستم نے ہر چند کوشش کی اور بادشاہ سے بار بار اس کی درخواست کی کہ

---

[1] قرۃ العیون، اِصابہ

مجھے اپنے پاس رہنے دیں۔ خوف کا غلبہ تھا، مگر اظہار اس کا کرتا تھا کہ میں یہاں سے لشکروں کے بھیجنے میں اور صلاح مشورہ میں مدد دوں گا۔ مگر بادشاہ نے جس کا نام ''یَزدِجَرد'' تھا قبول نہ کیا اور اس کو مجبوراً جنگ میں شریک ہونا پڑا[۱] حضرت سعد رضی اللہ عنہ جب روانہ ہونے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو وصیّت فرمائی جس کے الفاظ کا مختصر ترجمہ یہ ہے: ''سعد! تمہیں یہ بات دھوکہ میں نہ ڈالے کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں کہلاتے ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہو۔ اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں دھوتے، بلکہ برائی کو بھلائی سے دھوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اور بندوں کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے، اس کے یہاں صرف اس کی بندگی مقبول ہے۔ اللہ کے یہاں شریف رذیل سب برابر ہیں، سب ہی اس کے بندے ہیں اور وہ سب کا رب ہے، اس کے انعامات بندگی سے حاصل ہوتے ہیں۔ ہر امر میں اس چیز کو دیکھنا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا، وہی عمل کی چیز ہے۔ میری اس نصیحت کو یاد رکھنا۔ تم ایک بہت بڑے کام کے لئے بھیجے جا رہے ہو۔ اس سے چھٹکارا صرف حق کے اِتّباع سے ہوسکتا ہے۔ اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو خوبی کا عادی بنانا۔ اللہ کے خوف کو اختیار کرنا اور اللہ کا خوف دو باتوں میں جمع ہوتا ہے: اس کی اطاعت میں، اور گناہ سے پرہیز کرنے میں، اور اللہ کی اطاعت جس کو بھی نصیب ہوئی دنیا سے بُغض اور آخرت کی محبت سے نصیب ہوئی۔[۲] اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ نہایت بَشاشت سے لشکر لے کر روانہ ہوئے جس کا اندازہ اس خط سے ہوتا ہے جو انہوں نے رُستم کو لکھا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں: ''فَاِنَّ مَعِیَ قَوْماً یُحِبُّوْنَ الْمَوْتَ کَمَا تُحِبُّوْنَ (الْاَعَاجِمُ) الْخَمْرَ'' بیشک میرے ساتھ ایسی جماعت ہے جو موت کو ایسا ہی محبوب رکھتی ہے جیسا کہ تم لوگ شراب پینے کو محبوب رکھتے ہو۔[۳]

ف: شراب کے دل دادوں سے پوچھو کہ اس میں کیا مزہ ہے؟ جو لوگ موت کو ایسا محبوب رکھتے ہوں کامیابی کیوں نہ ان کے قدم چومے۔

(۷) حضرت وَہب بن قابوس رضی اللہ عنہ کی اُحد میں شہادت

حضرت وَہب بن قابوس رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں جو کسی وقت میں مسلمان ہوئے تھے اور اپنے گھر کسی گاؤں میں رہتے تھے، بکریاں چَراتے تھے۔ اپنے بھتیجے کے ساتھ ایک رسّی

۱، ۲ اشہر ۳ تفسیرِ عزیزی اوّل

میں بکریاں باندھے ہوئے مدینہ مُنوّرہ پہنچے، پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تشریف لے گئے؟ معلوم ہوا کہ اُحد کی لڑائی پر گئے ہوئے ہیں۔ بکریوں کو وہیں چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔ اتنے میں ایک جماعت کُفّار کی حملہ کرتی ہوئی آئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جوان کو منتشر کردے وہ جنّت میں میرا ساتھی ہے۔ حضرت وَہب رضی اللہ عنہ نے زور سے تلوار چلانی شروع کی اور سب کو ہٹا دیا۔ دوسری مرتبہ پھر یہی صورت پیش آئی۔ تیسری مرتبہ پھر ایسا ہی ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنّت کی خوشخبری دی۔ اس کا سننا تھا کہ تلوار لے کر کُفار کے جمگھٹے میں گھس گئے اور شہید ہوئے۔ حضرت سعد بن ابی وقّاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے وَہب رضی اللہ عنہ جیسی دِلیری اور بہادری کسی کی بھی کسی لڑائی میں نہیں دیکھی اور شہید ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا کہ وَہب کے سرہانے کھڑے تھے اور ارشاد فرماتے تھے کہ اللہ تم سے راضی ہو، میں تم سے راضی ہوں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دستِ مبارک سے دفن فرمایا، باوجودیکہ اس لڑائی میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی زخمی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ مجھے کسی کے عمل پر بھی اتنا رشک نہیں آیا جتنا وَہب کے عمل پر آیا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اللہ کے یہاں ان جیسا اعمال نامہ لے کر پہنچوں۔[1]

ف: ان پر رَشک اس خاص کارنامہ کی وجہ سے ہے کہ جان کو جان نہیں سمجھا، ورنہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرات کے دوسرے کارنامے اس سے کہیں بڑھے ہوئے ہیں۔

(۸) بیرِ مَعُونہ کی لڑائی

بیر معونہ کی لڑائی ایک مشہور لڑائی ہے جس میں ستّر صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت پوری کی پوری شہید ہوئی جن کو قرّاء کہتے ہیں، اس لئے کہ سب حضرات قرآن مجید کے حافظ تھے اور سوائے چند مہاجرین کے اکثر انصار تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ساتھ بڑی محبّت تھی، کیونکہ یہ حضرات رات کا اکثر حصّہ ذکر و تلاوت میں گذارتے تھے اور دن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں کے گھروں کی ضروریات لکڑی، پانی وغیرہ پہنچایا کرتے تھے۔ اس مقبول جماعت کو نجد کا رہنے والا قومِ بنی عامر کا ایک شخص جس کا نام عامر بن مالک اور کنیت ابو بَراء تھی اپنے

[1] اصابہ، قرۃ

ساتھ اپنی پناہ میں تبلیغ اور وعظ کے نام سے لے گیا تھا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد بھی فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میرے اصحاب کو مَضَرَّت نہ پہنچے، مگر اس شخص نے بہت زیادہ اطمینان دلایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ستر صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہمراہ کر دیا اور ایک والا نامہ عامر بن طفیل کے نام جو بنی عامر کا رئیس تھا تحریر فرمایا جس میں اسلام کی دعوت تھی۔ یہ حضرات مدینہ سے رخصت ہو کر بیرِ معونہ پہنچے تو ٹھہر گئے اور دو ساتھی ایک حضرت عَمرو بن اُمیہ رضی اللہ عنہ دوسرے حضرت مُنذِر بن عمرو رضی اللہ عنہ سب کے اونٹوں کو لے کر چرانے کے لئے تشریف لے گئے اور حضرت حرام رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ دو حضرات کو ساتھیوں میں سے لے کر عامر بن طفیل کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ دینے کے لئے تشریف لے گئے، قریب پہنچ کر حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں ساتھیوں سے فرمایا کہ تم یہیں ٹھہر جاؤ، میں آگے جاتا ہوں۔ اگر میرے ساتھ کوئی دغا نہ کی گئی تو تم بھی چلے آنا، ورنہ یہیں سے واپس ہو جانا کہ تین کے مارے جانے سے ایک کا مارا جانا بہتر ہے۔

عامر بن طفیل اس عامر بن مالک کا بھتیجا تھا جو ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے ساتھ لایا تھا، اس کو اسلام سے اور مسلمانوں سے خاص عداوت تھی۔ حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے والا نامہ دیا تو اس نے غصّہ میں پڑھا بھی نہیں، بلکہ حضرت حرام رضی اللہ عنہ کے ایک ایسا نیزہ مارا جو پار نکل گیا۔ حضرت حرام رضی اللہ عنہ "فُزْتُ وَ رَبِّ الْکَعْبَۃِ" (ربِ کعبہ کی قسم! میں تو کامیاب ہو گیا) کہہ کر جاں بحق ہوئے۔ اس نے نہ اس کی پرواہ کی کہ قاصد کو مارنا کسی قوم کے نزدیک بھی جائز نہیں اور نہ اس کا لحاظ کیا کہ میرا چچا ان حضرات کو اپنی پناہ میں لایا ہے۔ ان کو شہید کرنے کے بعد اس نے اپنی قوم کو جمع کیا اور اس پر آمادہ کیا کہ ان مسلمانوں میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑو، لیکن ان لوگوں نے ابو براء کی پناہ کی وجہ سے تردُّد کیا تو اس نے آس پاس کے اور لوگوں کو جمع کیا اور بہت بڑی جماعت کے ساتھ ان ستر صحابہ کا مقابلہ کیا، یہ حضرات آخر کہاں تک مقابلہ کرتے اور چاروں طرف سے کُفار میں گھرے ہوئے تھے، بجز ایک کعب بن زید رضی اللہ عنہ کے جن میں کچھ زندگی کی رَمق باقی تھی اور کُفار ان کو مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے باقی سب شہید ہو گئے، حضرت مُنذِر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ جو اونٹ چرانے گئے

ہوئے تھے انہوں نے آسمان کی طرف دیکھا تو مردار خور جانور اڑ رہے تھے۔ دونوں حضرات یہ کہہ کر لوٹے کہ ضرور کوئی حادثہ پیش آیا، یہاں آکر دیکھا تو اپنے ساتھیوں کو شہید پایا اور سواروں کو خون کی بھری ہوئی تلواریں لئے ہوئے ان کے گرد چکر لگاتے دیکھا۔ یہ حالت دیکھ کر دونوں حضرات ٹھٹکے اور باہم مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہئے؟ عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ چلو واپس چل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دیں، مگر حضرت منذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ خبر تو ہو ہی جاوے گی۔ میرا تو دل نہیں مانتا کہ شہادت کو چھوڑوں اور اس جگہ سے چلا جاؤں جہاں ہمارے دوست پڑے سو رہے ہیں، آگے بڑھو اور ساتھیوں سے جا ملو، چنانچہ دونوں آگے بڑھے اور میدان میں کود گئے۔ حضرت منذر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ گرفتار ہوئے، مگر چونکہ عامر کی ماں کے ذمہ کسی مَنَّت کے سلسلہ میں ایک غلام کا آزاد کرنا تھا اس لئے عامر نے ان کو اس کی مَنَّت پر آزاد کر دیا۔[1] ان حضرات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت عامر بن فُہَیرَہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کے قاتل جبار بن سلمٰی کہتے ہیں کہ میں نے جب ان کو برچھا مارا اور وہ شہید ہوئے تو انہوں نے کہا "فُزْتُ وَاللّٰہِ" "خدا کی قسم! میں کامیاب ہو گیا" اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ان کی نعش آسمان کو اُڑی چلی گئی۔ میں بہت مُتحیّر ہوا اور میں نے بعد میں لوگوں سے پوچھا کہ میں نے خود برچھا مارا، وہ مرے، لیکن پھر بھی وہ کہتے ہیں: میں کامیاب ہو گیا، تو وہ کامیابی کیا تھی؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ کامیابی جنّت کی تھی؟ اس پر میں مسلمان ہو گیا۔[2]

ف: یہ ہی ہیں وہ لوگ جن پر اسلام کو بجا طور پر فخر ہے، بیشک موت ان کے لئے شراب سے زیادہ محبوب تھی اور کیوں نہ ہوتی جب دنیا میں کام ہی ایسے کئے تھے جن پر اللہ کے یہاں کی سرخروئی یقینی تھی، اس لئے جو مرتا تھا وہ کامیاب ہوتا تھا۔

(۹) حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کا قول کہ کھجوریں کھانا طویل زندگی ہے

غزوۂ بدر میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] اسلام [2] خمیس

صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا کہ اٹھو اور بڑھو ایسی جنّت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین سے کہیں زیادہ ہے اور مُتّقیوں کے واسطے بنائی گئی ہے۔ حضرت عُمیر بن الحمام رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں وہ بھی سن رہے تھے، کہنے لگے: واہ واہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واہ واہ کس بات پر کہا؟ عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے یہ تمنّا ہے کہ میں بھی ان میں سے ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بھی ان میں سے ہو۔ اس کے بعد جھولی میں سے چند کھجوریں نکال کر کھانے لگے۔ اس کے بعد کہنے لگے کہ ان کھجوروں کے ختم ہونے کا انتظار جو ہاتھ میں ہیں، بڑی لمبی زندگی ہے، کہاں تک انتظار کروں گا۔ یہ کہہ کر ان کو پھینک دیا اور تلوار لے کر مجمع میں گھس گئے اور شہید ہونے تک لڑتے رہے۔[1]

ف: حقیقت میں یہی لوگ جنّت کے قدردان ہیں اور اس پر یقین رکھنے والے۔ ہم لوگوں کو بھی اگر یقین نصیب ہو جائے تو ساری باتیں سہل ہو جائیں۔

(۱۰) حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کی ہجرت

حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کا تو ذکر ہی کیا ہے بچہ بچہ ان کی بہادری سے واقف اور شُجاعت کا معترِف ہے۔ اسلام کے شروع میں جب مسلمان سب ہی ضُعف کی حالت میں تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اسلام کی قوت کے واسطے عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کی دعا کی جو قبول ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ کعبہ کے قریب اس وقت تک نماز نہیں پڑھ سکتے تھے جب تک کہ عمر رضی اللہ عنہ مسلمان نہیں ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اوّل اوّل ہر شخص نے ہجرت چھپ کر کی۔ مگر جب عمر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو تلوار گلے میں ڈالی کمان ہاتھ میں لی اور بہت سے تیر ساتھ لئے۔ اول مسجد میں گئے طواف اطمینان سے کیا پھر نہایت اطمینان سے نماز پڑھی۔ اس کے بعد کُفّار کے مجمعوں میں گئے اور فرمایا کہ جس کا دل یہ چاہے کہ اس کی ماں اس کو روئے، اس کی بیوی رانڈ ہو، اس کے بچے یتیم ہوں، وہ مکّہ سے باہر آ کر میرا مقابلہ کرے۔ یہ الگ الگ جماعتوں کو سُنا کر تشریف لے گئے۔ کسی ایک شخص کی بھی ہمت نہ پڑی کہ پیچھا کرتا۔[2]

---

[1] طبقات ابن سعد، [2] اسد الغابۃ

(۱۱) غزوۂ مُوتہ کا قصّہ

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف بادشاہوں کے پاس تبلیغی دعوت نامے ارسال فرمائے تھے۔ ان میں سے ایک خط حضرت حارث بن عمیر اَزدی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بُصریٰ کے بادشاہ کے پاس بھی بھیجا تھا۔ جب یہ موتہ پہنچے تو شُرحبیل غسّانی نے جو قیصر کے حکام میں سے ایک شخص تھا ان کو قتل کر دیا، قاصدوں کا قتل کسی کے نزدیک بھی پسندیدہ نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بہت گراں ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار کا ایک لشکر تجویز فرما کر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ان پر امیر مُقرّر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر یہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب امیر بنائے جائیں، وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں، وہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر مسلمان جس کو دل چاہے امیر بنالیں۔ ایک یہودی اس گفتگو کو سن رہا تھا، اس نے کہا یہ تینوں تو ضرور شہید ہوں گے پہلے انبیاء علیہم السلام کی اس قسم کے کلام کا یہی مطلب ہوتا ہے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفید جھنڈا بنا کر حضرت زید رضی اللہ عنہ کے حوالے فرمایا اور خود مع ایک جماعت کے ان حضرات کو رخصت فرمانے تشریف لے گئے۔ شہر کے باہر جب پہنچانے والے واپس آنے لگے تو ان مجاہدین کے لئے دعا کی کہ حق تعالیٰ شانہٗ تم کو سلامتی کے ساتھ کامیابی کے ساتھ واپس لائے اور ہر قسم کی برائی سے محفوظ رکھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں تین شعر پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ میں تو اپنے رب سے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ ایک ایسی تلوار ہو جس سے میرے خون کے فوارے چھوٹنے لگیں یا ایسا برچھا ہو جو آنتوں اور کلیجہ کو چیرتا ہوا نکل جائے اور جب لوگ میری قبر پر گذریں تو یہ کہیں کہ اللہ تجھ غازی کو رشید اور کامیاب کرے، واقعی تُو تو رشید اور کامیاب تھا۔ اس کے بعد یہ حضرات روانہ ہو گئے۔ شُرحبیل کو بھی ان کی روانگی کا علم ہوا، وہ ایک لاکھ فوج کے ساتھ مقابلہ کے لئے تیار ہوا۔ یہ حضرات کچھ آگے چلے تو معلوم ہوا کہ خود ہرقل، روم کا بادشاہ بھی ایک لاکھ فوج ساتھ لئے ہوئے مقابلہ کے لئے آرہا ہے۔

ان حضرات کو اس خبر سے تَرَدُّد ہوا کہ اتنی بڑی جمعیّت کا مقابلہ کیا جاوے یا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی جاوے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے للکار کر فرمایا: اے لوگو! تم کس بات سے گھبرا رہے ہو، تم کس چیز کے ارادے سے نکلے ہو؟ تمہارا مقصود شہید ہو جانا ہے۔ ہم لوگ کبھی بھی قوت اور آدمیوں کی کثرت کے زور پر نہیں لڑے۔ ہم صرف اس دین کی وجہ سے لڑے ہیں جس کی وجہ سے اللہ نے ہمیں اِکرام نصیب فرمایا ہے۔ آگے بڑھو، دو کامیابیوں میں سے ایک تو ضروری ہے، یا شہادت یا غلبہ۔ یہ سن کر مسلمانوں نے ہمت کی اور آگے بڑھ گئے حتیٰ کہ موتہ پر پہنچ کر لڑائی شروع ہوگئی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اور میدان میں پہنچے۔ گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی۔ شُرحبیل کا بھائی بھی مارا گیا اور اس کے ساتھی بھاگ گئے۔ خود شُرحبیل بھی بھاگ کر ایک قلعہ میں چھپ گیا اور ہرقل کے پاس مدد کے لئے آدمی بھیجا، اس نے تقریباً دو لاکھ فوج بھیجی اور لڑائی زور سے ہوتی رہی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا اور اپنے گھوڑے کے خود ہی پاؤں کاٹ دیئے تاکہ واپسی کا خیال بھی دل میں نہ آئے اور چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے: اے لوگو! کیا ہی اچھی چیز ہے جنّت اور کیا ہی اچھا ہے اس کا قریب ہونا۔ کتنی بہترین چیز ہے اور کتنا ٹھنڈا ہے اس کا پانی اور ملک روم کے لوگوں پر عذاب کا وقت آ گیا مجھ پر بھی لازم ہے کہ ان کو ماروں۔

یہ اشعار پڑھے اور اپنے گھوڑے کے پاؤں خود ہی کاٹ چکے تھے کہ واپسی کا خیال بھی دل میں نہ آوے اور تلوار لے کر کافروں کے مجمع میں گھس گئے۔ امیر ہونے کی وجہ سے جھنڈا ابھی انہی کے پاس تھا۔ اوّل جھنڈا دائیں ہاتھ میں لیا، کافروں نے دایاں ہاتھ کاٹ دیا کہ جھنڈا گر جائے۔ انہوں نے فوراً بائیں ہاتھ میں لیا۔ انہوں نے وہ بھی کاٹا تو انہوں نے دونوں بازوؤں سے اس کو تھاما اور منہ سے مضبوط پکڑ لیا۔ ایک شخص نے پیچھے سے ان کے دو ٹکڑے کر دیئے جس سے یہ گر پڑے۔ اس وقت ان کی عمر تینتیس ۳۳ سال کی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے بعد میں نعشوں میں سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو جب اٹھایا تو ان کے بدن کے اگلے حصّہ پر نوے زخم تھے۔ جب یہ شہید ہو گئے تو لوگوں

نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو آواز دی۔ وہ لشکر کے ایک کونے میں گوشت کا ٹکڑا کھا رہے تھے کہ تین دن سے کچھ چکھنے کو بھی نہ ملا تھا۔ وہ آواز سنتے ہی گوشت کے ٹکڑے کو پھینک کر اپنے آپ کو ملامت کرتے ہوئے کہ جعفر تو شہید ہو جائیں اور تُو دنیا میں مشغول رہے۔ آگے بڑھے اور جھنڈا لے کر قتال شروع کر دیا۔ انگلی میں زخم آیا، وہ لٹک گئی تو انہوں نے پاؤں سے اس کٹی ہوئی انگلی کو دبا کر ہاتھ کھینچا وہ الگ ہو گئی، اس کو پھینک دیا اور آگے بڑھے۔ اس گھمسان اور پریشانی کی حالت میں تھوڑا سا تردُّد بھی پیش آیا کہ نہ ہمت نہ مقابلہ کی طاقت، لیکن اس تردُّد کو تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ اپنے دل کو مخاطب بنا کر کہا: اَودِل! کس چیز کا اب اشتیاق باقی ہے جس کی وجہ سے تَردُّد ہے؟ کیا بیوی کا ہے تو اس کو تین طلاق، یا غلاموں کا ہے تو وہ سب آزاد یا باغ کا ہے تو وہ اللہ کے راستہ میں صدقہ۔ اس کے بعد چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے: قسم ہے اَودِل! تجھے اُترنا ہوگا، خوشی سے اُتر یا ناگواری سے اُتر۔ تجھے اطمینان کی زندگی گذارتے ہوئے ایک زمانہ گذر چکا۔ سوچ تو آخر تُو ایک قطرۂ منی ہے۔ دیکھ کافر لوگ مسلمانوں پر کھنچے ہوئے آرہے ہیں۔ تجھے کیا ہوا کہ جنّت کو پسند نہیں کرتا۔ اگر تو قتل نہ ہوا تو ویسے بھی آخر مرے ہی گا۔ اس کے بعد گھوڑے سے اُترے، ان کے چچازاد بھائی گوشت کا ایک ٹکڑا لائے کہ ذرا سا کھالو، کمر سیدھی کرلو۔ کئی دن سے کچھ نہیں کھایا۔ انہوں نے لے لیا۔ اتنے میں ایک جانب سے ہلّے کی آواز آئی۔ اس کو پھینک دیا اور تلوار لے کر جماعت میں گھس گئے اور شہید ہونے تک تلوار چلاتے رہے۔[1]

ف: صحابہ رضی اللہ عنہم کی پوری زندگی کا یہی نمونہ ہے۔ ان کا ہر ہر قصّہ دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کے شوق کا سبق دیتا ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا تو پوچھنا ہی کیا تابعین پر بھی یہی رنگ چڑھا ہوا تھا۔ ایک قصّہ پر اس باب کو ختم کرتا ہوں جو دوسرے رنگ کا ہے دشمن سے مقابلہ کے نمونے تو آپ دیکھ ہی چکے ہیں۔ اب حکومت کے سامنے کا منظر بھی دیکھ لیجئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ". بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے۔

---

[1] خمیس

حضرت سعید بن جُبَیر رحمۃ اللہ علیہ اور حَجاج کی گفتگو

حجاج کا ظلم وستم دنیا میں مشہور ہے گو اُس زمانہ کے بادشاہ باوجود ظلم وستم کے دین کی اشاعت کا کام بھی کرتے رہتے تھے لیکن پھر بھی دین دار اور عادل بادشاہوں کے لحاظ سے وہ بدترین شمار ہوتے تھے اور اس وجہ سے لوگ ان سے بیزار تھے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابنُ الاَشعَث کے ساتھ مل کر حجاج کا مقابلہ کیا۔ حجاج عبدالملک بن مروان کی طرف سے حاکم تھا۔ سعید بن جُبیر رحمۃ اللہ علیہ مشہور تابعی ہیں اور بڑے علماء میں سے ہیں۔ حکومت اور بالخصوص حجاج کو ان سے بُغض وعَداوت تھی اور چونکہ مقابلہ کیا تھا اس لئے عداوت کا ہونا بھی ضروری تھا۔ مقابلہ میں حجاج اُن کو گرفتار نہ کرسکا۔ یہ شکست کے بعد چھپ کر مکّہ مکرمہ چلے گئے۔ حکومت نے اپنے ایک خاص آدمی کو مکّہ کا حاکم بنایا اور پہلے حاکم کو اپنے پاس بلالیا۔ اس نئے حاکم نے جا کر خطبہ پڑھا جس کے اخیر میں عبدالملک بن مروان بادشاہ کا یہ حکم بھی سنایا کہ جو شخص سعید بن جُبَیر کو ٹھکانہ دے اس کی خیر نہیں اس کے بعد اس حاکم نے خود اپنی طرف سے بھی قسم کھائی کہ جس کے گھر میں بھی وہ ملے گا اس کو قتل کیا جائے گا اور اس کے گھر کو، نیز اس کے پڑوسیوں کے گھر کو ڈھاؤں گا۔ غرض بڑی دِقّت سے مکّہ کے حاکم نے ان کو گرفتار کر کے حجاج کے پاس بھیج دیا۔ اس کو غصّہ نکالنے اور ان کو قتل کرنے کا موقع مل گیا۔ سامنے بُلایا اور پوچھا اور دونوں کے درمیان یہ گفتگو ہوئی:

حجاج: تیرا نام کیا ہے؟

سعید: میرا نام سعید ہے۔

حجاج: کس کا بیٹا ہے؟

سعید: جبیر کا بیٹا ہوں (سعید کا ترجمہ نیک بخت ہے اور جبیر کے معنی اصلاح کی ہوئی چیز) اگرچہ ناموں میں معنی اکثر مقصود نہیں ہوتے، لیکن حجاج کو ان کے نام کا اچھے معنی والا ہونا پسند نہیں آیا، اس لئے کہا۔ نہیں تو شقی بن کَسیر ہے۔ (شقی کہتے ہیں بد بخت کو اور کسیر ٹوٹی ہوئی چیز)

سعید: میری والدہ میرا نام تجھ سے بہتر جانتی تھی۔

حجاج: تو بھی بد بخت اور تیری ماں بھی بد بخت۔

سعید: غیب کا جاننے والا تیرے علاوہ اور ہے (یعنی عَلّام الغیوب)۔

حجاج: دیکھ میں اب تجھے موت کے گھاٹ اتارتا ہوں۔

سعید: تو میری ماں نے میرا نام درست رکھا۔

حجاج: اب میں تجھ کو زندگی کے بدلہ کیسا جہنّم رسید کرتا ہوں۔

سعید: اگر میں جانتا کہ یہ تیرے اختیار میں ہے تو تجھ کو معبود بنالیتا۔

حجاج: حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تیرا کیا عقیدہ ہے؟

سعید: وہ رحمت کے نبی تھے اور اللہ کے رسول تھے جو بہترین نصیحت کے ساتھ تمام دنیا کی طرف بھیجے گئے۔

حجاج: خلفاء کی نسبت تیرا کیا خیال ہے؟

سعید: میں ان کا محافظ نہیں ہوں۔ ہر شخص اپنے کئے کا ذمہ دار ہے۔

حجاج: میں ان کو برا کہتا ہوں یا اچھا؟

سعید: جس چیز کا مجھے علم نہیں میں اس میں کیا کہہ سکتا ہوں، مجھے اپنا ہی حال معلوم ہے۔

حجاج: ان میں سب سے زیادہ پسندیدہ تیرے نزدیک کون ہے؟

سعید: جو سب سے زیادہ میرے مالک کو راضی کرنے والا تھا۔ بعض کتب میں بجائے اس کے یہ جواب ہے کہ ان کے حالات بعض کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں۔

حجاج: سب سے زیادہ راضی رکھنے والا کون تھا؟

سعید: اس کو وہی جانتا ہے جو دل کے بھیدوں اور چھپے ہوئے رازوں سے واقف ہے۔

حجاج: حضرت علی رضی اللہ عنہ جنّت میں ہیں یا دوزخ میں؟

سعید: اگر میں جنّت اور جہنّم میں جاؤں اور وہاں والوں کو دیکھ لوں تو بتلا سکتا ہوں۔

حجاج: میں قیامت میں کیسا آدمی ہوں گا؟

سعید: میں اس سے کم ہوں کہ غیب پر مطلع کیا جاؤں۔

حجاج: تو مجھ سے سچ بولنے کا ارادہ نہیں کرتا۔

سعید: میں نے جھوٹ بھی نہیں کہا۔

حجاج: تو کبھی ہنستا کیوں نہیں؟

سعید: کوئی بات ہنسنے کی دیکھتا نہیں اور وہ شخص کیا ہنسے جو مٹی سے بنا ہو اور قیامت میں اس کو جانا ہو اور دنیا کے فتنوں میں دن رات رہتا ہو۔

حجاج: میں تو ہنستا ہوں۔

سعید: اللہ نے ایسے ہی مختلف طریقوں میں ہم کو بنایا ہے۔

حجاج: میں تجھے قتل کرنے والا ہوں۔

سعید: میری موت کا سبب پیدا کرنے والا اپنے کام سے فارغ ہو چکا۔

حجاج: میں اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ محبوب ہوں۔

سعید: اللہ پر کوئی بھی جرأت نہیں کرسکتا جب تک کہ اپنا مرتبہ معلوم نہ کرلے اور غیب کی اللہ ہی کو خبر ہے۔

حجاج: میں کیوں جرأت نہیں کرسکتا حالانکہ میں جماعت کے بادشاہ کے ساتھ ہوں اور تو باغیوں کی جماعت کے ساتھ ہے۔

سعید: میں جماعت سے علیحدہ نہیں ہوں اور فتنہ کو خود ہی پسند نہیں کرتا اور جو تقدیر میں ہے اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

حجاج: ہم جو کچھ امیرُ المؤمنین کے لئے جمع کرتے ہیں اس کو تو کیسا سمجھتا ہے؟

سعید: میں نہیں جانتا کہ کیا جمع کیا؟ حجاج نے سونا چاندی کپڑے وغیرہ منگا کر ان کے سامنے رکھ دیئے۔

سعید: یہ اچھی چیزیں ہیں اگر اپنی شرط کے موافق ہوں۔

حجاج: شرط کیا ہے؟

سعید: یہ کہ تو ان سے ایسی چیزیں خریدے جو بڑے گھبراہٹ کے دن یعنی قیامت کے دن امن پیدا کرنے والی ہوں، ورنہ اس دن ہر دودھ پلانے والی دودھ پیتے کو بھول جائے گی اور حمل گر جائیں گے اور آدمی کو اچھی چیز کے سوا کچھ بھی کام نہ دے گی۔

حجاج: ہم نے جو جمع کیا یہ اچھی چیز نہیں؟

سعید: تو نے جمع کیا، تو ہی اس کی اچھائی کو سمجھ سکتا ہے۔

حجاج: کیا تو اس میں سے کوئی چیز اپنے لئے پسند کرتا ہے۔
سعید: میں صرف اس چیز کو پسند کرتا ہوں جس کو اللہ پسند کرے۔
حجاج: تیرے لئے ہلاکت ہو۔
سعید: ہلاکت اس شخص کے لئے ہے جو جنّت سے ہٹا کر جہنّم میں داخل کر دیا جائے۔ حجاج (دِق ہوکر) بتلا کہ میں تجھے کس طریقہ سے قتل کروں؟
سعید: جس طرح سے قتل ہونا اپنے لئے پسند ہو۔
حجاج: کیا تجھے معاف کر دوں؟
سعید: معافی اللہ کے یہاں کی معافی ہے۔ تیرا معاف کرنا کوئی چیز بھی نہیں۔ حجاج نے جَلّاد کو حکم دیا کہ اس کو قتل کر دو۔
سعید: باہر لائے گئے اور ہنسے۔ حجاج کو اس کی اطلاع دی گئی، پھر بلایا اور پوچھا۔
حجاج: تو کیوں ہنسا؟
سعید: تیری اللہ پر جرأت اور اللہ تعالیٰ کے تجھ پر حلم سے۔
حجاج: میں اس کو قتل کرتا ہوں جس نے مسلمانوں کی جماعت میں تفریق کی۔ پھر جَلّاد سے خطاب کر کے کہا: میرے سامنے اس کی گردن اڑاؤ۔
سعید: میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ نماز پڑھی پھر قبلہ رخ ہوکر "اِنِّی وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ" (الانعام:۷۹) پڑھا یعنی میں نے اپنا منہ اس پاک ذات کی طرف کیا جس نے آسمان زمین بنائے اور میں سب طرف سے ہٹ کر ادھر متوجہ ہوا اور نہیں ہوں مشرکین میں سے۔
حجاج: اس کا منہ قبلہ سے پھیر دو اور نصاریٰ کے قبلہ کی طرف کر دو کہ انہوں نے بھی اپنے دین میں تفریق کی اور اختلاف پیدا کیا چنانچہ فوراً پھیر دیا گیا۔
سعید: "فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ، اَلْکَافِیْ بِالسَّرَآئِرِ" جدھر تم منہ پھیرو ادھر بھی خدا ہے جو بھیدوں کا جاننے والا ہے۔
حجاج: اوندھا ڈال دو (یعنی زمین کی طرف منہ کر دو) ہم تو ظاہر پر عمل کرنے کے ذمہ دار ہیں۔
سعید: "مِنْھَا خَلَقْنٰکُمْ وَفِیْھَا نُعِیْدُکُمْ وَمِنْھَا نُخْرِجُکُمْ تَارَۃً اُخْرٰی" (طٰہٰ:۵۵) ہم نے

زمین ہی سے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے اور اسی سے پھر دوبارہ اٹھائیں گے۔

حجاج: اس کو قتل کر دو۔

سعید: میں تجھے اس بات کا گواہ بناتا ہوں۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. تو اس کو محفوظ رکھنا۔ جب میں تجھ سے قیامت کے دن ملوں گا تو لے لوں گا۔ اس کے بعد وہ شہید کر دیئے گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ ان کے انتقال کے بعد بدن سے خون بہت زیادہ نکلا جس سے حجاج کو بھی حیرت ہوئی۔ اپنے طبیب سے اس کی وجہ پوچھی۔ اس نے کہا ان کا دل نہایت مطمئن تھا اور قتل کا ذرا بھی خوف ان کے دل میں نہیں تھا۔ اس لئے خون اپنی اصلی مقدار پر قائم رہا، بخلاف اور لوگوں کے کہ خوف سے ان کا خون پہلے ہی خشک ہو جاتا ہے۔[1]

ف: اس قصہ کے سوال جواب میں کتب میں کمی زیادتی بھی ہے، اور بھی بعض سوال جواب نقل کئے گئے ہیں، ہمیں تو نمونہ ہی دکھانا تھا اس لئے اسی پر اکتفا کیا گیا۔ تابعین کے اس قسم کے قصے بہت زیادہ ہیں۔ حضرت امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات اسی حق گوئی کی وجہ سے ہمیشہ مشقتیں برداشت فرماتے رہے، لیکن حق کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

آٹھواں باب

عِلمی ولولہ اور اس کا اِنہماک

چونکہ اصل دین کلمۂ توحید ہے اور وہی سب کمالات کی بنیاد ہے۔ جب تک وہ نہ ہو کوئی کارِ خیر بھی مقبول نہیں، اس لئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ہمت بالخصوص ابتدائی زمانہ میں زیادہ تر کلمۂ توحید کے پھیلانے اور کُفار سے جہاد کرنے میں مشغول تھی اور وہ علمی اِنہماک کے لئے فارغ و یکسو نہ تھے، لیکن اس کے باوجود ان مشاغل کے ساتھ ان کا انہماک اور شوق و شَغَف جس کا ثمرہ آج چودہ سو برس تک علوم قرآن و حدیث کا بقا ہے، ایک کھلی ہوئی چیز ہے۔ ابتدائے اسلام کے بعد جب کچھ فراغت ان حضرات کو میسّر ہو سکی اور جماعت

---

[1] علماء سلف، کتاب الامامۃ والسیاسۃ

میں بھی کچھ اضافہ ہوا تو آیتِ کلام اللہ "وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ط فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ" (التوبہ:۱۲۲) نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے: مسلمانوں کو یہ نہ چاہئے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں، سو ایسا کیوں نہ کیا جاوے کہ ان کی ہر ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تا کہ باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تا کہ وہ قوم کو جب وہ ان کے پاس واپس آویں، ڈراویں تا کہ وہ احتیاط رکھیں۔"[1]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا" (التوبہ:۴۱) اور "اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا" (التوبہ:۳۹) سے جو عموم معلوم ہوتا ہے اس کو "مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً" (التوبہ:۱۲۲) نے منسوخ کر دیا۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حق تعالیٰ شانہٗ نے جامعیّت عطا فرمائی تھی (اور اس وقت کے لئے یہ چیز نہایت ہی ضروری تھی) کہ وہی ایک مختصر سی جماعت دین کے سارے کام سنبھالنے والی تھی، مگر تابعین کے زمانہ میں جب اسلام پھیل گیا اور مسلمانوں کی بڑی جماعت اور جمعیّت ہوگئی، نیز صحابۂ کرام جیسی جامعیّت بھی باقی نہ رہی تو ہر ہر شعبۂ دین کے لئے پوری توجہ سے کام کرنے والے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے۔ مُحدّثین کی مستقل جماعت بننی شروع ہوگئی جن کا کام احادیث کا ضبط اور ان کا پھیلانا تھا۔ فقہاء کی علیحدہ جماعت ہوئی۔ صوفیاء، قُرّاء، مجاہدین غرض دین کے ہر شعبہ کو مستقل سنبھالنے والے پیدا ہوئے۔ اس وقت کے لئے یہ ہی چیز مناسب اور ضروری تھی۔ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو ہر شعبہ میں کمال اور ترقی دشوار تھی، اس لئے کہ ہر شخص تمام چیزوں میں انتہائی کمال پیدا کر لے، یہ بہت دشوار ہے۔ یہ صفت حق تعالیٰ شانہٗ نے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام بالخصوص سیدُ الانبیاء علیہ افضل الصلوۃ والسلام ہی کو عطا فرمائی تھی۔ اس لئے اس باب میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ اور دیگر حضرات کے واقعات بھی ذکر کئے جائیں گے۔

(۱) فتویٰ کا کام کرنے والی جماعت کی فہرست

اگرچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جہاد اور اعلائے کلمۃ اللہ کی مشغولی کے باوجود سب ہی علمی مشغلہ

---

[1] بیان القرآن

میں ہر وقت مُنہمک تھے اور ہر شخص ہر وقت جو کچھ حاصل کر لیتا تھا اس کو پھیلانا، پہنچانا یہی اس کا مشغلہ تھا لیکن ایک جماعت فتویٰ کے ساتھ مخصوص تھی جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی فتویٰ کا کام کرتی تھی۔ وہ حضرات حسبِ ذیل ہیں: حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، اُبَی بن کعب، حضرت عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل، عمار بن یاسر، حذیفہ، سلمان فارسی، زید بن ثابت، ابوموسیٰ، ابوالدرداء رضوان اللہ علیہم اجمعین [1]۔

ف: یہ ان حضرات کے کمالِ علم کی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں یہ لوگ اہلِ فتویٰ شمار کیے جاتے تھے۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مجموعہ کو جلا دینا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے باپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پانچ سو احادیث کا ایک ذخیرہ جمع کیا تھا۔ ایک رات میں نے دیکھا کہ وہ نہایت بے چین ہیں کروٹیں بدل رہے ہیں مجھے یہ حالت دیکھ کر بے چینی ہوئی۔ دریافت کیا کہ کوئی تکلیف ہے یا کوئی فکر کی بات سننے میں آئی ہے، غرض تمام رات اسی بے چینی میں گذری اور صبح کو فرمایا کہ وہ احادیث جو میں نے تیرے پاس رکھوا رکھی ہیں اٹھا لا۔ میں لے کر آئی، آپ نے ان کو جلا دیا۔ میں نے پوچھا کہ کیوں جلا دیا؟ ارشاد فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں مر جاؤں اور یہ میرے پاس ہوں، ان میں دوسروں کی سنی ہوئی روایتیں بھی ہیں کہ میں نے مُعتبر سمجھا ہو اور واقع میں وہ معتبر نہ ہوں اور اس کی روایت میں کوئی گڑبڑ ہو جس کا وبال مجھ پر ہو۔ [2]

ف: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ تو علمی کمال اور شَغف تھا کہ انہوں نے پانچ سو احادیث کا ایک رسالہ جمع کیا اور اس کے بعد اس کو جلا دینا یہ کمالِ احتیاط تھا۔ اکابرِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا حدیث کے بارے میں احتیاط کا یہی حال تھا۔ اسی وجہ سے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بہت کم روایتیں نقل کی جاتی ہیں۔ ہم لوگوں کو اس واقعہ سے سبق لینے کی ضرورت ہے جو ممبروں پر بیٹھ کر بے دھڑک احادیث نقل کر دیتے ہیں۔ حالانکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر وقت

---

[1] تلقیح، [2] تذکرۃ الحفاظ

کے حاضر باش، سفر حضر کے ساتھی، ہجرت کے رفیق۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہم میں بڑے عالم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب بیعت کا قصہ پیش آیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تقریر فرمائی تو کوئی آیت اور کوئی حدیث ایسی نہیں چھوڑی جس میں انصار کی فضیلت آئی ہو اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی تقریر میں نہ فرمادی ہو۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآنِ پاک پر کتنا عبور تھا اور احادیث کس قدر یاد تھیں۔ مگر پھر بھی بہت کم روایتیں حدیث کی آپ سے منقول ہیں۔ یہی راز ہے کہ حضرت امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بھی حدیث کی روایتیں بہت کم نقل کی گئی ہیں۔

(۳) تبلیغ حضرت مُصْعَب بن عمیر رضی اللہ عنہ

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جن کا ایک قصہ ساتویں باب کے نمبر ۵ پر بھی گذر چکا ہے، ان کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی اس جماعت کے ساتھ جو سب سے پہلے مِنیٰ کی گھاٹی میں مسلمان ہوئی تھی، تعلیم اور دین کے سکھانے کے لئے بھیج دیا تھا۔ یہ مدینہ طیّبہ میں ہر وقت تعلیم اور تبلیغ میں مشغول رہتے۔ لوگوں کو قرآن شریف پڑھاتے اور دین کی باتیں سکھلاتے تھے۔ اَسعد بن زُرارہ رضی اللہ عنہ کے پاس ان کا قیام تھا اور مُقرِی (پڑھانے والا، مدرس) کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ یہ دونوں سرداروں میں تھے، ان کو یہ بات ناگوار ہوئی۔ سعد نے اُسید سے کہا کہ تم اَسعد کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ ہم نے یہ سنا ہے کہ تم کسی پردیسی کو اپنے ساتھ لے آئے ہو جو ہمارے ضعیف لوگوں کو بیوقوف بناتا ہے، بہکاتا ہے۔ وہ اَسعد کے پاس گئے اور ان سے سختی سے یہ گفتگو کی۔ اَسعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم ان کی بات سن لو۔ اگر تمہیں پسند آئے قبول کرلو، اگر سننے کے بعد ناپسند ہو تو روکنے کا مضائقہ نہیں۔ اُسید نے کہا: یہ انصاف کی بات ہے، سننے لگے۔ حضرت مُصْعَب رضی اللہ عنہ نے اسلام کی خوبیاں سنائیں اور کلامُ اللہ شریف کی آیتیں تلاوت کیں۔ حضرت اُسید رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا ہی اچھی باتیں ہیں اور کیا ہی بہتر کلام ہے۔ جب تم اپنے دین میں کسی کو داخل کرتے ہو تو کس طرح داخل کرتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا کہ تم نہاؤ، پاک کپڑے پہنو اور کلمۂ شہادت پڑھو۔ حضرت اُسید رضی اللہ عنہ نے اسی وقت سب کام کئے اور

مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد یہ سعد کے پاس گئے اور ان کو بھی ہمراہ لائے۔ ان سے بھی یہی گفتگو ہوئی۔ سعد بن مُعاذ بھی مسلمان ہو گئے اور مسلمان ہوتے ہی اپنی قوم بنُو اَلاشْہَل کے پاس گئے۔ ان سے جا کر کہا کہ میں تم لوگوں کی نگاہ میں کیسا آدمی ہوں؟ انہوں نے کہا کہ ہم میں سب سے افضل اور بہتر ہو۔ اس پر سعد نے کہا کہ مجھے تمہارے مردوں اور عورتوں سے کلام حرام ہے جب تک تم مسلمان نہ ہو جاؤ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لے آؤ۔ ان کے اس کہنے سے قبیلۂ اشہل کے سب مرد عورت مسلمان ہو گئے اور حضرت مُصْعَب رضی اللہ عنہ ان کو تعلیم دینے میں مشغول ہو گئے۔[1]

ف: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عام دستور تھا کہ جو شخص بھی مسلمان ہو جاتا وہ مستقل ایک مُبلّغ ہوتا اور جو بات اسلام کی اس کو آتی تھی اس کا پھیلانا اور دوسروں تک پہنچانا اس کی زندگی کا ایک مستقل کام تھا جس میں نہ کھیتی مانع تھی، نہ تجارت، نہ پیشہ، نہ ملازمت۔

(۴) حضرت اُبَیّ بن کَعب رضی اللہ عنہ کی تعلیم

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ اور مشہور قاریوں میں ہیں۔ اسلام لانے سے پہلے لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ عرب میں لکھنے کا عام دستور نہیں تھا۔ اسلام کے بعد سے اس کا چرچا ہوا، لیکن یہ پہلے سے واقف تھے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہ کر وحی بھی لکھا کرتے تھے۔ قرآن شریف کے بڑے ماہر تھے اور ان لوگوں میں تھے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں تمام قرآن شریف حفظ کر لیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت کے بڑے قاری ابی بن کعب ہیں۔ تہجّد میں آٹھ راتوں میں قرآنِ پاک ختم کرنے کا اہتمام تھا۔ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ نے مجھے ارشاد فرمایا ہے کہ تمہیں قرآن شریف سناؤں۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر کہا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! تیرا نام لے کر کہا۔ یہ سن کر فَرطِ خوشی سے رونے لگے۔

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

جُنْدُب بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیّبہ علم حاصل کرنے کیلئے حاضر ہوا تو مسجدِ نبوی

[1] تلقیح

میں حدیث پڑھانے والے متعدد حضرات تھے اور شاگردوں کے حلقے مُتفرّق طور پر علیحدہ علیحدہ ہر استاد کے پاس موجود تھے۔ میں ان حلقوں پر گذرتا ہوا ایک حلقہ پر پہنچا جس میں ایک صاحب مسافرانہ ہیئت کے ساتھ صرف دو کپڑے بدن پر ڈالے ہوئے بیٹھے حدیث پڑھا رہے تھے۔ میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ بتایا کہ مسلمانوں کے سردار ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں ان کے حلقۂ درس میں بیٹھ گیا۔ جب حدیث سے فارغ ہوئے تو گھر جانے لگے، میں بھی پیچھے ہولیا۔ وہاں جا کر دیکھا، ایک پرانا سا گھر خستہ حالت، نہایت معمولی سامان، زاہدانہ زندگی[1] حضرت ابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (میرا امتحان لیا) ارشاد فرمایا کہ قرآن شریف میں سب سے بڑی آیت (برکت اور فضل کے اعتبار سے) کونسی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ سوال فرمایا: مجھے ادب مانع ہوا۔ میں نے پھر وہی جواب دیا۔ تیسری مرتبہ پھر ارشاد فرمایا: میں نے عرض کیا: آیۃ الکرسی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور فرمایا: اللہ تجھے تیرا علم مبارک کرے۔ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے، ایک آیت چھوٹ گئی۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے نماز میں لقمہ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد ارشاد فرمایا کہ کس نے بتایا؟ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے بتایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرا بھی یہ گمان تھا کہ تم نے ہی بتایا ہوگا۔[2]

ف: یہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ باوجود اس علمی شغف اور قرآنِ پاک کی مخصوص خدمات کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر غزوہ میں شریک ہوئے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی جہاد ایسا نہیں جس میں ان کی شرکت نہ ہوئی ہو۔

(۵) حضرت حُذیفہ رضی اللہ عنہ کا اہتمامِ فِتن

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ میں ہیں۔ صاحبُ السِّر (بھیدی) ان کا لقب ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین اور فتنوں کا علم ان کو بتایا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک جتنے فتنے آنے والے ہیں سب کو نمبروار بتایا تھا۔ کوئی

---

[1] طبقات، [2] مسند احمد

ایسا فتنہ جس میں تین سو آدمیوں کے بقدر لوگ شریک ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں چھوڑا بلکہ اس فتنہ کا حال اور اس کے مقتدا کا حال مع اس کے نام کے، نیز اس کی ماں کا نام، اس کے باپ کا نام، اس کے قبیلہ کا نام صاف صاف بتادیا تھا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کی باتیں دریافت کیا کرتے تھے اور میں برائی کی باتیں دریافت کیا کرتا تھا تاکہ اس سے بچا جائے۔ ایک مرتبہ میں نے دریافت کیا: یارسول اللہ! یہ خیر وخوبی جس پر آج کل آپ کی برکت سے ہم لوگ ہیں، اس کے بعد بھی کوئی برائی آنے والی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! برائی آنے والی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اس برائی کے بعد پھر بھلائی لوٹ کر آئے گی یا نہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حذیفہ! اللہ کا کلام پڑھ اور اس کے معانی پر غور کر، اس کے احکام کی اتّباع کر (مجھے فکر سوار تھا) میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس برائی کے بعد بھلائی ہوگی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! پھر بھلائی ہوگی، لیکن دل ایسے نہیں ہوں گے جیسے پہلے تھے۔ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! اس بھلائی کے بعد پھر برائی ہوگی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! ایسے لوگ پیدا ہوجائیں گے جو آدمیوں کو گمراہ کریں گے اور جہنّم کی طرف لے جائیں گے۔ میں نے عرض کیا کہ اگر میں اس زمانہ کو پاؤں تو کیا کروں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مسلمانوں کی کوئی متّحدہ جماعت ہو اور ان کا کوئی بادشاہ ہو تو اس کے ساتھ ہوجانا، ورنہ ان سب فرقوں کو چھوڑ کر ایک کونہ میں علیحدہ بیٹھ جانا یا کسی درخت کی جڑ میں جا کر بیٹھ جانا اور مرنے تک وہیں بیٹھے رہنا، چونکہ ان کو منافقوں کا حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کا بتلا دیا تھا، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے دریافت فرمایا کرتے تھے کہ میرے حکام میں کوئی منافق تو نہیں؟ ایک مرتبہ انہوں نے عرض کیا کہ ایک منافق ہے، لیکن میں نام نہیں بتاؤں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کردیا۔ غالباً اپنی فراست سے پہچان لیا ہوگا۔

جب کوئی شخص مرجاتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تحقیق فرماتے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ ان کے جنازہ میں شریک ہیں یا نہیں۔ اگر حذیفہ رضی اللہ عنہ شریک ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی نماز پڑھتے، ورنہ وہ بھی نہ پڑھتے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہونے لگا تو نہایت گھبراہٹ اور

بے چینی میں رو رہے تھے۔ لوگوں نے دریافت کیا: فرمایا کہ دنیا کے چھوٹنے پر نہیں رو رہا ہوں، بلکہ موت تو مجھے محبوب ہے، البتہ اس پر رو رہا ہوں کہ مجھے اس کی خبر نہیں کہ میں اللہ کی ناراضی پر جا رہا ہوں یا خوشنودی پر۔ اس کے بعد کہا کہ یہ میری دنیا کی آخری گھڑی ہے۔ یا اللہ! تجھے معلوم ہے کہ مجھے تجھ سے محبّت ہے اس لئے اپنی ملاقات میں برکت عطا فرما۔[1]

(۶) حضرت ابو ہُریرہ رضی اللہ عنہ کا احادیث کو حفظ کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نہایت مشہور اور جلیلُ القدر صحابی ہیں اور اتنی کثرت سے حدیثیں ان سے نقل ہیں کہ کسی دوسرے صحابی سے اتنی زیادہ نقل کی ہوئی موجود نہیں۔ اس پر لوگوں کو تعجب ہوتا تھا کہ ۷ھ میں یہ مسلمان ہو کر تشریف لائے اور ۱۱ھ میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ اتنی قلیل مدت میں جو تقریباً چار برس ہوتی ہے اتنی زیادہ حدیثیں کیسے یاد ہوئیں؟ خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کی وجہ بتاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ بہت روایتیں نقل کرتے ہیں۔ میرے مہاجر بھائی تجارت پیشہ تھے بازار میں آنا جانا پڑتا تھا اور میرے انصاری بھائی کھیتی کا کام کرتے تھے اس کی مشغولی ان کو درپیش رہتی تھی اور ابو ہریرہ اصحابِ صُفّہ کے مساکین میں سے ایک مسکین تھا، جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں جو کچھ کھانے کو مل جاتا تھا اس پر قناعت کئے پڑا رہتا تھا۔ ایسے اوقات میں موجود ہوتا تھا جس میں وہ نہیں ہوتے تھے اور ایسی چیزیں یاد کر لیتا تھا جن کو وہ یاد نہیں کر سکتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حافظہ کی شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چادر بچھا۔ میں نے چادر بچھائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں سے اس میں کچھ اشارہ فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا: اس چادر کو ملا لے۔ میں نے اپنے سینہ سے ملا لیا۔ اس کے بعد سے کوئی چیز نہیں بھولا۔[2]

ف: اصحابِ صفہ وہ لوگ کہلاتے ہیں جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی گویا خانقاہ کے رہنے والے تھے، ان حضرات کے اخراجات کا کوئی خاص نظم نہیں تھا۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان تھے، جو کہیں سے کچھ ہدیہ یا صدقہ کے طور پر آتا، اس پر ان کا زیادہ تر گذر تھا۔

---

[1] ابوداؤد، اسد الغابہ، [2] بخاری

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ان ہی لوگوں میں تھے۔ بسا اوقات کئی کئی وقت فاقے کے بھی ان پر گذر جاتے تھے۔ بعض اوقات بھوک کی وجہ سے جنون کی سی حالت ہو جاتی تھی جیسا کہ تیسرے باب کے قصّہ نمبرے میں گذرا۔ لیکن اس کے باوجود احادیث کا کثرت سے یاد کرنا ان کا مشغلہ تھا جس کی بدولت آج سب سے زیادہ احادیث انہی کی بتائی جاتی ہیں۔ ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تلقیح'' میں لکھا ہے کہ پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) حدیثیں ان سے مروی ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جنازہ کے متعلق ایک حدیث بیان کی کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو شخص جنازہ کی نماز پڑھ کر واپس آجائے اس کو ایک قیراط ثواب ملتا ہے اور جو دفن تک شریک رہے اس کو دو قیراط ثواب ملتا ہے اور ایک قیراط کی مقدار اُحد کے پہاڑ سے بھی زیادہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو اس حدیث میں کچھ تردّد ہوا۔ انہوں نے فرمایا: ابو ہریرہ! سوچ کر کہو۔ ان کو غصّہ آگیا۔ سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور جا کر عرض کیا کہ میں آپ کو قسم دے کر پوچھتا ہوں، یہ قیراط والی حدیث آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! سنی ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تو باغ میں کوئی درخت لگانا تھا، نہ بازار میں مال بیچنا تھا۔ میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پڑا رہتا تھا اور صرف یہ کام تھا کہ کوئی بات یاد کرنے کو مل جائے یا کچھ کھانے کو مل جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیشک تم ہم لوگوں سے زیادہ حاضر باش تھے اور احادیث کو زیادہ جاننے والے۔[1] اس کے ساتھ ہی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بارہ ہزار مرتبہ روزانہ اِستِغفار پڑھتا ہوں اور ایک تاگہ ان کے پاس تھا جس میں ایک ہزار گرہ لگی ہوئی تھی، رات کو اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک اس کو سبحان اللہ کے ساتھ پورا نہیں کر لیتے تھے۔ (تذکرہ)

(۷) قتلِ مُسَیلَمہ وقرآن کا جمع کرنا

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وِصال کے بعد مسیلمہ کَذّاب کا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا، اثر بڑھنے لگا اور چونکہ عرب میں اِرتداد بھی زور وشور سے

---

[1] مسند احمد

شروع ہوگیا تھا، اس سے اس کو اور بھی تقویت پہنچی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سے لڑائی کی۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے اسلام کو قوت عطا فرمائی اور مسیلمہ قتل ہوا، لیکن اس لڑائی میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بھی ایک بڑی جماعت شہید ہوگئی، بالخصوص قرآنِ پاک کے حافظوں کی ایک بڑی جماعت شہید ہوئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس لڑائی میں قاری بہت شہید ہوگئے۔ اگر اسی طرح ایک دو لڑائی میں اور شہید ہوگئے تو قرآنِ پاک کا بہت سا حصّہ ضائع ہوجانے کا اندیشہ ہے، اس لئے اس کو ایک جگہ لکھوا کر محفوظ کرلیا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسے کام کی کیسے جرأت کرتے ہو جس کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پر اصرار فرماتے رہے اور ضرورت کا اظہار کرتے رہے، بالآخر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے بھی موافق ہوگئی، تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جن کا قصّہ باب نمبر ۱۱ قصّہ نمبر ۱۸ پر آرہا ہے، بلایا۔ زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تشریف رکھتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اوّل اپنی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ساری گفتگو نقل فرمائی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ تم جوان ہو اور دانش مند، تم پر کسی قسم کی بدگمانی بھی نہیں اور ان سب باتوں کے علاوہ یہ کہ خود حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی تم وحی کے لکھنے پر مامور رہ چکے ہو، اس لئے اس کام کو تم کرو۔ لوگوں کے پاس سے قرآنِ پاک جمع کرو اور اس کو ایک جگہ نقل کردو۔ زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! اگر مجھے یہ حکم فرماتے کہ فلاں پہاڑ کو توڑ کر ادھر سے ادھر منتقل کردو تو یہ حکم بھی میرے لئے قرآنِ پاک جمع کرنے کے حکم سے سہل تھا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ حضرات ایسا کام کس طرح کررہے ہیں جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ وہ حضرات مجھے سمجھاتے رہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زید رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر تم عمر کی موافقت کرو تو میں اسکا حکم دوں اور نہیں تو پھر میں بھی ارادہ نہ کروں۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ طویل گفتگو کے بعد حق تعالیٰ شانہٗ نے میرا بھی اسی جانب شرحِ صدر فرمادیا کہ قرآنِ پاک کو یکجا جمع کیا جائے، چنانچہ میں نے تعمیلِ ارشاد

میں لوگوں کے پاس جو قرآن شریف متفرّق طور پر لکھا ہوا تھا اور جو ان حضرات صحابۂ کرام کے سینوں میں بھی محفوظ تھا، سب کو تلاش کر کے جمع کیا۔[1]

ف: اس قصّہ میں اوّل تو ان حضرات کے اِتّباع کا اہتمام معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑ کا منتقل کرنا ان کے لئے اس سے سہل تھا کہ کوئی ایسا کام کیا جائے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ اس کے بعد کلامِ پاک کا جمع کرنا جو دین کی اصل ہے، اللہ نے ان حضرات کے اعمال نامہ میں رکھا تھا۔ پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اتنا اہتمام اس کے جمع فرمانے میں کیا کہ کوئی آیت بغیر لکھی ہوئی نہیں لیتے تھے۔ جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی لکھی ہوئی تھیں ان ہی سے جمع کرتے تھے اور حفاظ کے سینوں سے اس کا مقابلہ کرتے تھے اور چونکہ تمام قرآن شریف متفرّق جگہوں میں لکھا ہوا تھا، اس لئے اس کی تلاش میں گو محنت ضرور کرنا پڑی مگر سب مل گیا۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جن کو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ پاک کا سب سے زیادہ ماہر بتایا ان کی اعانت کرتے تھے۔ اس محنت سے کلام اللہ شریف کو ان حضرات نے سب سے پہلے جمع فرمایا۔

(۸) حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی احتیاط روایتِ حدیث میں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بڑے مشہور صحابہ میں ہیں اور ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار ہیں جو فتویٰ کے مالک تھے۔ ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے اور حبشہ کی ہجرت بھی کی تھی۔ تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے ہیں اور مخصوص خادم ہونے کی وجہ سے صاحبُ النَّعل، صاحبُ الوِسادۃ، صاحبُ المُطہرۃ (جوتے والے، تکیہ والے، وضو کے پانی والے) یہ القاب بھی ان کے لئے ہیں۔ اس لئے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خدمتیں اکثر ان کے سپرد رہتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے بارے میں یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر میں کسی کو بغیر مشورہ امیر بناؤں تو عبداللہ بن مسعود کو بناؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد تھا کہ تمہیں ہر وقت حاضری کی اجازت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جس شخص کو قرآن شریف بالکل ایسی طرح پڑھنا ہو جس طریقہ سے اُترا ہے تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے طریقہ کے موافق پڑھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ ابنِ مسعود جو حدیث تم سے بیان کریں اس

[1] درّ

کو سچ سمجھو۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ جب یمن سے آئے تو ایک زمانہ تک ابنِ مسعود کو اہلِ بیت میں سے سمجھتے رہے، اس لئے کہ اتنی کثرت سے ان کی اور ان کی والدہ کی آمد و رفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں تھی جیسے گھر کے آدمیوں کی ہوتی ہے،[1] لیکن ان سب باتوں کے باوجود ابو عمرو شیبانی کہتے ہیں کہ میں ایک سال تک ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ میں نے کبھی ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے بات کرتے نہیں سنا، لیکن کبھی اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی بات منسوب کر دیتے تھے تو بدن پر کپکپی آ جاتی تھی۔ عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ میں ہر جمعرات کو ایک سال تک ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آتا رہا، میں نے کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کر کے بات کرتے نہیں سنا۔ ایک مرتبہ حدیث بیان فرماتے ہوئے زبان پر یہ جاری ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تو بدن کانپ گیا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے، پیشانی پر پسینہ آ گیا، رگیں پھول گئیں اور فرمایا: ان شاء اللہ یہی فرمایا تھا یا اس کے قریب قریب تھا یا اس سے کچھ زیادہ یا اس سے کچھ کم۔[2]

ف: یہ تھی ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی احتیاط حدیث شریف کے بارے میں، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو میری طرف سے جھوٹ نقل کرے، اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے، اس خوف کی وجہ سے یہ حضرات باوجود یکہ مسائل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور حالات ہی سے بتاتے تھے، مگر یہ نہیں کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ خدانخواستہ جھوٹ نہ نکل جائے۔ اس کے بالمقابل ہم اپنی حالتیں دیکھتے ہیں کہ بے دھڑک، بے تحقیق حدیث نقل کر دیتے ہیں، ذرا بھی نہیں جھجکتے، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے بات کا نقل کرنا بڑی سخت ذمہ داری ہے۔ فقہ حنفی انہی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے زیادہ تر لیا گیا ہے۔

(۹) حضرت اَبوالدَّرداء رضی اللہ عنہ کے پاس حدیث کیلئے جانا

کثیر بن قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا، ایک شخص ان کی خدمت میں آئے اور کہا کہ میں مدینہ منورہ سے صرف ایک حدیث کی وجہ سے آیا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ وہ آپ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔

---

[1] بخاری، [2] مقدمہ او جز و مسند احمد

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے پوچھا کوئی اور تجارتی کام نہیں تھا؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا کہ کوئی دوسری غرض تو نہ تھی؟ کہا: نہیں، صرف حدیث ہی معلوم کرنے کے لئے آیا ہوں۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ کہ جو شخص کوئی راستہ علم حاصل کرنے کے لئے چلتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ اس کیلئے جنّت کا راستہ سہل فرما دیتے ہیں اور فرشتے اپنے پَر طالبِ علم کی خوشنودی کے واسطے بچھا دیتے ہیں اور طالبِ علم کے لئے آسمان زمین کے رہنے والے استغفار کرتے ہیں، حتیٰ کہ مچھلیاں جو پانی میں رہتی ہیں وہ بھی استغفار کرتی ہیں اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسا کہ چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے اور علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کسی دینارو درہم کا وارث نہیں بناتے بلکہ علم کا وارث بناتے ہیں، جو شخص علم کو حاصل کرتا ہے وہ ایک بڑی دولت کو حاصل کرتا ہے۔[1]

ف: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فقہائے صحابہ میں ہیں۔ حکیمُ الامّت کہلاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے وقت میں تجارت کیا کرتا تھا۔ میں نے مسلمان ہونے کے بعد چاہا کہ تجارت اور عبادت دونوں کو جمع کروں، مگر دونوں اکٹھی نہ رہ سکیں تو مجھے تجارت چھوڑنا پڑی۔ اب میرا دل یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ بالکل دروازہ ہی پر دکان ہو جس کی وجہ سے ایک بھی نماز فوت نہ ہو اور روزانہ چالیس دینار کا نفع ہو اور میں ان سب کو صدقہ کردوں۔ کسی نے پوچھا کہ ایسی تجارت سے کیوں خفاء ہوئے کہ نماز بھی نہ جائے اور اتنا نفع روزانہ کا اللہ کے راستے خرچ ہو، پھر بھی پسند نہیں کرتے؟ فرمایا: حساب تو دینا ہی پڑے گا۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مجھے موت سے محبّت ہے اپنے مولیٰ سے ملاقات کے شوق میں، اور فقر سے محبّت ہے تواضع کے واسطے، اور بیماری سے محبّت ہے گناہ دھلنے کے واسطے[2]۔ اوپر کے قصّہ میں ایک حدیث کی خاطر اتنا طویل سفر کیا ہے۔ ان حضرات کے ہاں حدیث حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا کچھ اہم نہیں تھا، ایک ایک حدیث سننے اور معلوم کرنے کے لئے دور دور کا سفر طے کر لینا ان حضرات کو بہت سہل تھا۔ شَعبی رحمۃ اللہ علیہ ایک مشہور محدث ہیں، کوفہ کے رہنے والے ہیں۔ اپنے کسی شاگرد کو ایک مرتبہ

[1] ابن ماجہ، [2] تذکرہ

حدیث سنائی اور فرمایا کہ لے، گھر بیٹھے مفت مل گئی، ورنہ اس سے کم کے لئے بھی مدینہ مُنورہ کا سفر کرنا پڑتا تھا کہ ابتدا میں حدیث کا مَخزن مدینہ طیّبہ ہی تھا۔ علمی شغف رکھنے والے حضرات نے بڑے بڑے طویل سفر علم کی خاطر اختیار فرمائے ہیں۔

سعید بن المُسیَّب رحمۃ اللہ علیہ جو ایک مشہور تابعی ہیں کہتے ہیں کہ میں ایک ایک حدیث کی خاطر راتوں اور دنوں پیدل چلا ہوں۔ امام الائمہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ شوال ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ۲۰۵ھ میں یعنی گیارہ سال کی عمر میں حدیث پڑھنا شروع کی تھی۔ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی سب تصانیف بچپن ہی میں حفظ کر لی تھیں۔ اپنے شہر میں جتنی احادیث مل سکیں ان کو حاصل کر لینے کے بعد ۲۱۶ھ میں سفر شروع کیا۔ والد کا انتقال ہو چکا تھا، اس وجہ سے یتیم تھے، والدہ سفر میں ساتھ تھیں۔ اس کے بعد بلخ، بغداد، مکّہ مکرمہ، بصرہ، کوفہ، شام، عَسقلان، حمص، دمشق؛ ان شہروں میں گئے اور ہر جگہ جو ذخیرہ حدیث کا مل سکا حاصل فرمایا اور ایسی نوعمری میں استادِ حدیث بن گئے تھے کہ منہ پر داڑھی کا ایک بال بھی نہ نکلا تھا۔ کہتے ہیں کہ میری اٹھارہ برس کی عمر تھی جب میں نے صحابہ اور تابعین کے فیصلے تصنیف کئے۔ حاشد رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ایک ساتھی کہتے ہیں کہ امام بخاری ہم لوگوں کے ساتھ استاد کے پاس جایا کرتے۔ ہم لوگ لکھتے اور بخاری ویسے ہی واپس آجاتے۔ ہم نے کئی روز گذر جانے پر ان سے کہا کہ تم وقت ضائع کرتے ہو، وہ چپ ہو گئے۔ جب کئی مرتبہ کہا تو کہنے لگے کہ تم نے دِق ہی کر دیا۔ لاؤ، تم نے کیا لکھا؟ ہم نے اپنا مجموعۂ احادیث نکالا جو پندرہ ہزار حدیثوں سے زیادہ مقدار میں تھا۔ انہوں نے اس سب کو حفظ سنا دیا۔ ہم دَنگ رہ گئے۔

(۱۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا انصاری کے پاس جانا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد میں نے ایک انصاری سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تو وصال ہو گیا۔ ابھی تک صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی جماعت موجود ہے۔ آؤ ان سے پوچھ پوچھ کر مسائل یاد کریں۔ ان انصاری نے کہا: کیا ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے ہوتے ہوئے بھی لوگ تم سے مسئلہ پوچھنے آئیں گے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بہت بڑی جماعت موجود ہے۔ غرض ان صاحب نے تو ہمت

کی نہیں۔ میں مسائل کے پیچھے پڑ گیا اور جن صاحب کے متعلق بھی مجھے علم ہوتا کہ فلاں حدیث انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے، ان کے پاس جاتا اور تحقیق کرتا۔ مجھے مسائل کا بہت بڑا ذخیرہ انصار سے ملا۔ بعض لوگوں کے پاس جاتا اور معلوم ہوتا کہ وہ سو رہے ہیں تو اپنی چادر وہیں چوکھٹ پر رکھ کر انتظار میں بیٹھ جاتا۔ گو ہوا سے منہ پر اور بدن پر مٹی بھی پڑتی رہتی، مگر میں وہیں بیٹھا رہتا۔ جب وہ اٹھتے تو جس بات کو معلوم کرنا تھا وہ دریافت کرتا۔ وہ حضرات کہتے بھی کہ تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہو کر کیوں تکلیف کی، مجھے بلا لیتے، مگر میں کہتا کہ میں علم حاصل کرنے والا ہوں، اس لئے میں ہی حاضر ہونے کا زیادہ مستحق تھا۔ بعض حضرات پوچھتے کہ تم کب سے بیٹھے ہو؟ میں کہتا: بہت دیر سے۔ وہ کہتے کہ تم نے برا کیا، مجھے اطلاع کر دیتے۔ میں کہتا: میرا دل نہ چاہا کہ تم میری وجہ سے اپنی ضروریات سے فارغ ہونے سے پہلے آؤ، حتیٰ کہ ایک وقت میں یہ بھی نوبت آئی کہ لوگ علم حاصل کرنے کے واسطے میرے پاس جمع ہونے لگے، تب ان انصاری صاحب کو بھی قلق ہوا، کہنے لگے کہ یہ لڑکا ہم سے زیادہ ہوشیار تھا۔[1]

مختلف علمی کارنامے

ف: یہی چیز تھی جس نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے وقت میں حبرُ الامّۃ اور بحرُ العلم کا لقب دلوایا۔ جب ان کا وصال ہوا تو طائف میں تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ محمد رضی اللہ عنہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور فرمایا کہ اس امت کا امامِ ربانی آج رخصت ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما آیتوں کے شانِ نزول جاننے میں سب سے ممتاز ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو علماء کی ممتاز صف میں جگہ دیتے تھے۔ یہ سب اسی جانفشانی کا ثمرہ تھا۔ ورنہ اگر یہ صاحبزادگی کے زعم میں رہتے تو یہ مراتب کیسے حاصل ہوتے۔ خود آقائے نامدار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جن سے علم حاصل کرو ان کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔ ''بخاری'' میں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ جو شخص پڑھنے میں حیا کرے یا تکبّر کرے، وہ علم حاصل نہیں کر سکتا۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے مجھ کو ایک حرف بھی پڑھا دیا میں اس کا غلام ہوں خواہ وہ مجھے آزاد

[1] دارمی

کردے یا بیچ دے۔ یحییٰ بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ علم تن پروری کے ساتھ حاصل نہیں ہوتا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص علم کو بے دلی اور استغنا کے ساتھ حاصل کرے، وہ کامیاب نہیں ہوسکتا۔ ہاں جو شخص خاکساری اور تنگ دستی کے ساتھ حاصل کرنا چاہے وہ کامیاب ہوسکتا ہے۔ مُغیرۃ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ اپنے استاد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے ایسے ڈرتے تھے جیسا کہ بادشاہ سے ڈرا کرتے ہیں۔ یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے محدّث ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان کے متعلق کہتے ہیں کہ محدثین کا جتنا احترام وہ کرتے تھے اتنا کسی دوسرے کو کرتے میں نے نہیں دیکھا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ جو استاد کی قدر نہیں کرتا وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ اس قصّہ میں جہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اساتذہ کے ساتھ تواضع اور انکساری معلوم ہوتی ہے اس کے ساتھ ہی علم کا شغف اور اہتمام بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کے پاس کسی حدیث کا ہونا معلوم ہوتا، فوراً جاتے اس کو حاصل فرماتے خواہ اس میں کتنی ہی مشقت، محنت اور تکلیف اٹھانا پڑتی اور حق یہ ہے کہ بے محنت اور مشقت کے علم تو درکنار معمولی سی چیز بھی حاصل نہیں ہوتی اور یہ تو ضربُ المثل ہے "مَنْ طَلَبَ الْعُلٰی سَهِرَ اللَّیَالِیْ" "جو شخص بلند مرتبوں کا طالب ہوگا راتوں کو جاگے گا۔" حارث بن مغیرہ یزید، ابن شُبرمہ، قعقاع، مغیرہ رحمۃ اللہ علیہم؛ چاروں حضرات عشاء کی نماز کے بعد علمی بحث شروع کرتے، صبح کی اذان تک ایک بھی جدا نہ ہوتا۔

لَیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ عشاء کے بعد باوضو بیٹھ کر حدیث کا سلسلہ شروع فرماتے تو صبح کردیتے۔[1] دَرَاوَرْدِی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے دیکھا کہ مسجدِ نبوی میں عشاء کے بعد سے ایک مسئلہ میں بحث شروع فرماتے اور وہ بھی اس طرح کہ نہ کوئی طعن و تشنیع ہوتی، نہ تغلیظ اور اسی حالت میں صبح ہوجاتی اور اسی جگہ صبح کی نماز پڑھتے۔[2] ابن فُرات بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ایک محدث ہیں۔ جب انتقال ہوا تو اٹھارہ صندوق کتابوں کے چھوڑے جن میں سے اکثر خود اپنے قلم کی لکھی ہوئی تھیں اور کمال یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک صحتِ نقل اور عمدگیٔ ضبط کے اعتبار سے ان کا لکھا ہوا حجت بھی ہے۔ ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ مشہور محدث ہیں۔ تین سال کی عمر میں باپ نے

[1] دارمی، [2] مقدمہ

مفارقت کی، یتیمی کی حالت میں پرورش پائی، لیکن محنت کی حالت یہ تھی کہ جمعہ کی نماز کے علاوہ گھر سے دور نہیں جاتے تھے۔ ایک مرتبہ منبر پر کہا کہ میں نے اپنی ان انگلیوں سے دو ہزار جلدیں لکھی ہیں۔ ڈھائی سو سے زیادہ خود ان کی اپنی تصنیفات ہیں۔ کہتے ہیں کہ کوئی وقت ضائع نہیں جاتا تھا۔ چار جُزو روزانہ لکھنے کا معمول تھا۔ درس کا یہ عالَم تھا کہ مجلس میں بعض مرتبہ ایک لاکھ سے زیادہ شاگردوں کا اندازہ کیا گیا۔ امراء، وزراء، سلاطین تک مجلس درس میں حاضر ہوتے تھے۔

ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ خود کہتے ہیں کہ ایک لاکھ آدمی مجھ سے بیعت ہوئے اور بیس ہزار میرے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ہیں۔ اس سب کے باوجود شیعوں کا زور تھا۔ اس وجہ سے تکلیفیں بھی اٹھانا پڑیں[1]۔ احادیث لکھنے کے وقت میں قلموں کے تراشے جمع کرتے رہتے تھے۔ مرتے وقت وصیّت کی تھی کہ میرے نہانے کا پانی اسی سے گرم کیا جائے۔ کہتے ہیں کہ صرف غسلِ میت کے پانی گرم کرنے ہی کے لئے کافی نہ تھا بلکہ گرم کرنے کے بعد بچ بھی گیا تھا۔ یحییٰ بن مَعین رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے مشہور استاذ ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے دس لاکھ حدیثیں لکھی ہیں۔

ابنِ جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ مشہور مُؤرِّخ ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے احوال کے ماہر، چالیس سال تک ہمیشہ چالیس ورق روزانہ لکھنے کا معمول تھا۔ ان کے انتقال پر شاگردوں نے روزانہ کی لکھائی کا حساب لگایا تو بلوغ کے بعد سے مرنے تک چودہ ورق روزانہ کا اوسط نکلا۔ ان کی تاریخ مشہور ہے، عام طور سے ملتی ہے۔ جب اس کی تصنیف کا ارادہ ظاہر کیا تو لوگوں سے پوچھا کہ تمام عالَم کی تاریخ سے تو تم لوگ بہت خوش ہو گے؟ لوگوں نے پوچھا کہ اندازاً کتنی بڑی ہوگی؟ کہنے لگے کہ تقریباً تیس ہزار ورق پر آئے گی۔ لوگوں نے کہا: اس کے پورا کرنے سے پہلے عمریں فنا ہو جائیں گی۔ کہنے لگے کہ انّا للہ، ہمتیں پست ہو گئیں اس کے بعد مختصر کیا اور تقریباً تین ہزار ورق پر لکھی۔ اسی طرح ان کی تفسیر کا بھی قصّہ ہوا۔ وہ بھی مشہور ہے اور عام طور سے ملتی ہے۔ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے مشہور مصنّف ہیں۔ حدیث حاصل کرنے کے لئے بغداد، بصرہ، کوفہ، واسِط، مصر اور شام کا

[1] تذکرہ

سفر کیا۔ ایک مرتبہ استاذ کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ استاذ پڑھ رہے تھے اور یہ کوئی کتاب نقل کر رہے تھے۔ ایک ساتھی نے اعتراض کیا کہ تم دوسری طرف متوجہ ہو۔ کہنے لگے کہ میری اور تمہاری توجہ میں فرق ہے، بتاؤ استاذ نے اب تک کتنی حدیثیں سنائیں، وہ سوچنے لگے۔ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ شیخ نے اٹھارہ حدیثیں سنائی ہیں۔ پہلی یہ تھی، دوسری یہ تھی، اسی طرح ترتیب وار سب کی سب مع سند کے سنا دیں۔ حافظ اثرم رحمۃ اللہ علیہ ایک محدِث ہیں۔ احادیث کے یاد کرنے میں بڑے مَشّاق تھے۔ ایک مرتبہ حج کو تشریف لے گئے۔ وہاں خراسان کے دو بڑے استاذ حدیث آئے ہوئے تھے اور حرم شریف میں دونوں علیحدہ علیحدہ درس دے رہے تھے۔ ہر ایک کے پاس پڑھنے والوں کا ایک بڑا مجمع موجود تھا۔ یہ دونوں کے درمیان بیٹھ گئے اور دونوں کی حدیثیں ایک ہی وقت میں لکھ ڈالیں۔ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ مشہور محدِّث ہیں۔ حدیث حاصل کرنے میں ان کی محنتیں مشہور ہیں۔ خود کہتے ہیں کہ میں نے چار ہزار استاذوں سے حدیث حاصل کی ہے۔ علی بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک رات سخت سردی تھی۔ میں اور ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ مسجد سے عشاء کے بعد نکلے۔ دروازہ پر ایک حدیث میں گفتگو شروع ہوگئی۔ میں کچھ کہتا رہا، وہ بھی فرماتے رہے۔ وہیں کھڑے کھڑے صبح کی اذان ہوگئی۔ حُمیدی رحمۃ اللہ علیہ ایک مشہور محدِث ہیں جنہوں نے بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی احادیث کو ایک جگہ جمع بھی کیا ہے۔ رات بھر لکھتے تھے اور گرمی کے موسم میں جب گرمی بہت ستاتی تو ایک لگن میں پانی بھر لیتے اور اس میں بیٹھ کر لکھتے۔ سب سے الگ رہتے تھے۔ شاعر بھی ہیں، ان کے شعر ہیں ؎

لِقَاءُ النَّاسِ لَیْسَ یُفِیْدُ شَیْئًا سِوَی الْھَذْیَانِ مِنْ قِیْلٍ وَقَالٍ

فَاَقْلِلْ مِنْ لِقَاءِ النَّاسِ اِلَّا لِاَخْذِ الْعِلْمِ اَوْ اِصْلَاحِ حَالٍ

ترجمہ: ”لوگوں کی ملاقات کچھ فائدہ نہیں دیتی، بجز قیل وقال کی بکواس کے، اس لئے لوگوں کی ملاقات کم کر بجز اس کے کہ علم حاصل کرنے کے واسطے استاذ سے یا اصلاحِ نفس کے واسطے کسی شیخ سے ملاقات ہو“

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ مشہور محدِث ہیں، بہت سی تصانیف فرمائی ہیں۔ کسی نے ان کی کثرتِ تصانیف کو دیکھ کر پوچھا کہ کس طرح لکھیں؟ کہنے لگے کہ تیس برس بوریئے پر گذار دیئے، یعنی رات دن بوریئے پر پڑے رہتے تھے۔ ابوالعباس شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ سے تین لاکھ حدیثیں لکھی ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بڑی شدت کے ساتھ ناسخ اور منسوخ احادیث کی تحقیق فرماتے تھے۔ کوفہ جو اس زمانہ میں علم کا گھر کہلاتا تھا اس میں جتنے محدثین تھے سب کی احادیث کو جمع فرمایا تھا اور جب کوئی باہر سے محدِث آتے تو شاگردوں کو حکم فرماتے کہ ان کے پاس کوئی ایسی حدیث ہو جو اپنے پاس نہ ہو تو اسکی تحقیق کرو۔ ایک علمی مجلس امام صاحب کے یہاں تھی جس میں محدّث، فقیہ، اہلِ لغت کا مجمع تھا۔ جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو اس مجلس میں اس پر بحث ہوتی اور بعض مرتبہ ایک ایک مہینہ بحث رہتی۔ اس کے بعد جب کوئی بات طے ہوتی تو وہ مذہب قرار دی جاتی اور لکھ لی جاتی۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے کون ناواقف ہوگا۔ احادیث کا کثرت سے یاد کرنا اور یاد رکھنا ان کی خصوصی شان تھی اور قوتِ حافظہ میں ضربُ المثل تھے۔ بعض محدثین نے اُن کا امتحان لیا اور چالیس حدیثیں ایسی سنائیں جو غیر معروف تھیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً سنا دیں۔ خود امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے مکّہ مکرمہ کے راستے میں ایک شیخ کی احادیث کے دو جزو نقل کئے تھے۔ اتفاق سے خود ان شیخ سے ملاقات ہوگئی۔ میں نے درخواست کی کہ وہ دونوں جزو، احادیث کے استاذ سے سن بھی لوں، انہوں نے قبول کرلیا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ جزو میرے پاس ہیں۔ مگر استاذ کی خدمت میں گیا تو بجائے ان کے دو سادے جزو ہاتھ میں تھے، استاذ نے سنانا شروع کیا۔ اتفاقاً ان کی نظر پڑی تو میرے ہاتھ میں سادے جزو تھے۔ ناراض ہوکر فرمایا۔ تمہیں شرم نہیں آتی۔ میں نے قصّہ بیان کیا اور عرض کیا کہ آپ جو سناتے ہیں وہ مجھے یاد ہو جاتا ہے۔ استاذ کو یقین نہ آیا۔ فرمایا: اچھا سناؤ۔ میں نے سب حدیثیں سنا دیں۔ فرمایا کہ یہ تم کو پہلے سے یاد ہوں گی، میں نے عرض کیا کہ اور نئی حدیثیں سنا دیجئے۔ انہوں نے چالیس حدیثیں اور سنا دیں۔ میں نے ان کو بھی فوراً سنا دیا اور ایک بھی غلطی نہیں کی۔

محدثین نے جو جو محنتیں احادیث کے یاد کرنے میں، ان کو پھیلانے میں کی ہیں، ان کا اتباع تو درکنار ان کا شمار بھی مشکل ہے۔ قرطمہ رحمۃ اللہ علیہ ایک محدِث ہیں، زیادہ مشہور بھی نہیں ہیں۔ ان کے ایک شاگرد داؤد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ لوگ ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے حافظہ کا ذکر کرتے ہیں، میں نے قرطمہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ حافظ نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ میں ان کے پاس گیا۔ کہنے لگے کہ ان کتب میں سے جونسی دل چاہے اٹھالو، میں سنادوں گا۔ میں نے کتاب الاَشربہ اٹھائی، وہ ہر باب کے اخیر سے اول کی طرف پڑھتے گئے اور پوری کتاب سنا دی۔ ابوزُرعہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو دس لاکھ حدیثیں یاد تھیں۔ اسحٰق بن راہوَیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک لاکھ حدیثیں میں نے جمع کی ہیں اور تیس ہزار مجھے ازبر یاد ہیں۔ خفاف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نے گیارہ ہزار حدیثیں اپنی یاد سے ہمیں لکھوائیں اور پھر ان کو نمبروار سنایا، نہ کوئی حرف کم ہوا نہ زیادہ۔ ابوسعد اصبہانی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سولہ سال کی عمر میں ابونصر رحمۃ اللہ علیہ کی احادیث سننے کے لئے بغداد پہنچے۔ راستے میں ان کے انتقال کی خبر سن کر بے ساختہ رو پڑے۔ چیخیں نکل گئیں کہ ان کی سند کہاں ملے گی۔ اتنا رنج کہ رونے میں چیخیں نکل جائیں جب ہی ہوسکتا ہے جب کسی چیز کا عشق ہو جائے۔ ان کو مسلم شریف پوری حفظ یاد تھی اور حفظ ہی طلبہ کو لکھوایا کرتے تھے۔ گیارہ حج کئے۔ جب کھانا کھانے بیٹھتے تو آنکھوں میں آنسو بھر آتے۔ ابوعمر ضریر رحمۃ اللہ علیہ پیدائشی نابینا تھے، مگر حفاظِ حدیث میں شمار ہیں۔ علمِ فقہ، تاریخ، فرائض، حساب میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ ابوالحسین اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کو بخاری شریف اور مسلم شریف دونوں یاد تھیں، بالخصوص بخاری شریف کا تو یہ حال تھا کہ جو کوئی سند پڑھتا اس کا متن یعنی حدیث پڑھ دیتے اور جو متن پڑھتا، اس کی سند پڑھ دیتے تھے۔

شیخ تقی الدین بَعْلَبَکِّی رحمۃ اللہ علیہ نے چار مہینے میں مسلم شریف تمام حفظ کر لی تھی اور جمع بین الصحیحین کے بھی حافظ تھے۔ صاحبِ کرامات بزرگ تھے۔ قرآنِ پاک کے بھی حافظ تھے کہتے ہیں کہ سورۂ انعام ساری ایک دن میں حفظ کر لی تھی۔ ابن السُّنّی رحمۃ اللہ علیہ، امام نَسائی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور شاگرد ہیں۔ حدیث لکھنے میں اخیر تک مشغول رہے۔ ان کے صاحبزادے کہتے ہیں کہ میرے والد نے لکھتے لکھتے دوات میں قلم رکھا اور دونوں ہاتھ دعا

کے واسطے اٹھائے اور اسی حال میں انتقال ہو گیا۔ علامہ ساجی رحمۃ اللہ علیہ نے بچپن میں فقہ حاصل کیا۔ اس کے بعد علم حدیث کا شغل رہا۔ ہرات میں دس برس قیام کیا جس میں چھ مرتبہ ترمذی شریف اپنے ہاتھ سے لکھی۔ ابن مَنْدہ رحمۃ اللہ علیہ سے غرائب شُعبہ پڑھ رہے تھے کہ اسی حال میں ابن مَنْدہ رحمۃ اللہ علیہ کا عشاء کی نماز کے بعد انتقال ہوا۔ پڑھنے والے سے پڑھانے والے کا ولولۂ علمی قابلِ قدر ہے کہ اخیر وقت تک پڑھاتے رہے۔ ابوعَمرو خَفَّاف رحمۃ اللہ علیہ کو ایک لاکھ حدیثیں ازبر تھیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ عاصم بن علی رحمۃ اللہ علیہ جب بغداد پہنچے تو شاگردوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ اکثر ایک لاکھ سے زائد ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ اندازہ لگایا گیا تو ایک لاکھ بیس ہزار ہوئے۔ اسی وجہ سے بعض الفاظ کو کئی کئی مرتبہ کہنا پڑتا۔ ان کے ایک شاگرد کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ "حدثنا اللیث" کو چودہ مرتبہ کہنا پڑا۔ ظاہر بات ہے کہ سوا لاکھ آدمیوں کو آواز پہنچانے کے واسطے بعض لفظوں کو کئی کئی مرتبہ کہنا ہی پڑے گا۔ ابو مسلم بصری رحمۃ اللہ علیہ جب بغداد پہنچے تو ایک بڑے میدان میں حدیث کا درس شروع ہوا، سات آدمی کھڑے ہو کر لکھواتے تھے جس طرح عید کی تکبیریں کہی جاتی ہیں۔ سبق کے بعد دواتیں شمار کی گئیں تو چالیس ہزار سے زیادہ تھیں اور جو لوگ صرف سننے والے تھے وہ ان سے علیحدہ۔ فِریابی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں اسی طرح لکھوانے والے تین سو سولہ تھے، اس سے مجمع کا اندازہ اپنے آپ ہو جاتا ہے۔ اس محنت اور مشقت سے یہ پاک علم آج تک زندہ ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے انتخاب کر کے بخاری شریف لکھی ہے جس میں سات ہزار دو سو پچھتر حدیثیں ہیں اور ہر حدیث لکھتے وقت دو رکعت نفل نماز پڑھ کر حدیث لکھی ہے۔ جب یہ بغداد پہنچے تو وہاں کے محدثین نے ان کا امتحان لیا، اس طرح کہ دس آدمی متعیّن ہوئے، ان میں سے ہر شخص نے دس دس حدیثیں چھانٹیں، ان کو بدل بدل کر ان سے پوچھا۔ یہ ہر سوال کے جواب میں "مجھے معلوم نہیں" کہتے رہے۔ جب دس کے دس پوچھ چکے تو انہوں نے سب سے پہلے پوچھنے والے کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم نے سب سے پہلی حدیث یہ پوچھی تھی، تم نے اس طرح بیان کی، یہ غلط ہے، اور صحیح اس طرح ہے۔ دوسری حدیث یہ پوچھی تھی، وہ اس طرح تم نے بیان کی، یہ غلط ہے اور صحیح اس طرح ہے۔ غرض اسی طرح سو کی سو حدیثیں ترتیب وار بیان فرما دیں کہ ہر حدیث

کواوّل اس طرح پڑھتے جس طرح امتحان لینے والے نے پڑھا تھا، پھر کہتے کہ یہ غلط ہے اور صحیح اس طرح ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے چودہ برس کی عمر میں حدیث پڑھنا شروع کی، اسی میں اخیر تک مشغول رہے۔ خود کہتے ہیں کہ میں نے تین لاکھ احادیث میں سے چھانٹ کر مسلم شریف تصنیف کی ہے جس میں بارہ ہزار حدیثیں ہیں۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے پانچ لاکھ احادیث سنی ہیں جن میں سے انتخاب کر کے سنن ابوداؤد شریف تصنیف کی ہے جس میں چار ہزار آٹھ سو حدیثیں ہیں۔ یوسف مِزّی مشہور محدِث ہیں، اسماءِ رجال کے امام ہیں۔ اول اپنے شہر میں فقہ اور حدیث حاصل کیا۔ اس کے بعد مکّہ مکرمہ، مدینہ منورہ، حلَب، حمات، بَعْلَبک وغیرہ کا سفر کیا۔ بہت سی کتابیں اپنے قلم سے لکھیں۔ تہذیبُ الکمال دوسو جلدوں میں تصنیف کی اور کتاب الاطراف اسّی۸۰ جلدوں سے زیادہ میں۔ ان کی عادتِ شریفہ تھی کہ اکثر چپ رہتے، بات کسی سے بہت ہی کم کرتے تھے۔ اکثر اوقات کتاب کو دیکھنے میں مشغول رہتے تھے۔ حاسدوں کی عداوت کا شکار بھی بنے، مگر انتقام نہیں لیا۔ ان حضرات کے حالات کا احاطہ دشوار ہے۔ بڑی بڑی کتابیں ان کے حالات اور جانفشانیوں کا احاطہ نہیں کرسکیں۔ یہاں نمونہ کے طور پر چند حضرات کے دو چار واقعات کا ذکر اس لئے کیا، تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ علمِ حدیث جو آج ساڑھے تیرہ سو برس تک نہایت آب وتاب سے باقی ہے وہ کس محنت اور جانفشانی سے باقی رکھا گیا ہے اور جو لوگ علم حاصل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، اپنے آپ کو طالب علم کہتے ہیں وہ کتنی محنت اور مشقت اس کے لئے گوارا کرتے ہیں۔ اگر ہم لوگ یہ چاہیں کہ ہم اپنی عیش وعشرت، راحت وآرام، سیر وتفریح اور دنیا کے دوسرے مشاغل میں لگے رہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک کلام کا یہ شُیوع اسی طرح باقی رہے تو ''ایں خیال است ومحال است وجنوں'' کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔

نواں باب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں برداری اور امتثالِ حکم

اور یہ دیکھنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء مبارک کیا ہے۔ ویسے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ہر فعل فرمانبرداری تھا اور گذشتہ قصوں سے بھی یہ بات خوب روشن ہے، لیکن خاص طور سے چند قصّے

اس باب میں اس لئے ذکر کئے جاتے ہیں کہ ہم لوگ اپنی حالتوں کا اس باب سے خاص طور پر مقابلہ کر کے دیکھیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی فرمانبرداری کہاں تک کرتے ہیں جس پر ہم لوگ ہر وقت اس کے بھی منتظر رہتے ہیں کہ وہ برکات و ترقیات اور ثمرات جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوتے تھے ہمیں بھی حاصل ہوں، اگر واقعی ہم لوگ اس چیز کے مُتمنّی ہیں تو ہمیں بھی وہ کرنا چاہئے جو وہ حضرات کر کے دکھلا گئے ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا چادر کو جلا دینا

حضرت عبداللہ بن عَمرِو بنِ العَاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سفر میں ہم لوگ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے اوپر ایک چادر تھی جو کُسم کے رنگ میں ہلکی سی رنگی ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا: یہ کیا اوڑھ رکھا ہے؟ مجھے اس سوال سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناگواری کے آثار معلوم ہوئے۔ میں گھر والوں کے پاس واپس ہوا تو انہوں نے چولہا جلا رکھا تھا۔ میں نے وہ چادر اس میں ڈال دی۔ دوسرے روز جب حاضری ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ چادر کیا ہوئی؟ میں نے قصّہ سنا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ عورتوں میں سے کسی کو کیوں نہ پہنا دی؟ عورتوں کے پہننے میں تو مضائقہ نہ تھا۔[1]

ف: اگرچہ چادر کے جلانے کی ضرورت نہ تھی، مگر جس کے دل میں کسی کی ناگواری اور ناراضی کی چوٹ لگی ہوئی ہو، وہ اتنی سوچ کا متحمل ہی نہیں ہوتا کہ اس کی کوئی اور صورت بھی ہو سکتی ہے۔ ہاں! مجھ جیسا نالائق ہوتا، تو نا معلوم کتنے احتمالات پیدا کر لیتا کہ یہ ناگواری کس درجہ کی ہے اور دریافت تو کر لوں اور کوئی صورت اجازت کی بھی ہو سکتی ہے یا نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ہی تو ہے، منع تو نہیں کیا وغیرہ وغیرہ۔

(۲) انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان کو ڈھا دینا

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ دولت کدہ سے باہر تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک قُبّہ (گنبد دار حجرہ) دیکھا جو اونچا بنا ہوا تھا۔ ساتھیوں سے دریافت فرمایا کہ یہ کیا

[1] ابوداؤد

ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ فلاں انصاری نے قُبّہ بنایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سن کر خاموش ہو رہے۔ کسی دوسرے وقت وہ انصاری حاضرِ خدمت ہوئے اور سلام کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض فرمایا، سلام کا جواب بھی نہ دیا۔ انہوں نے اس خیال سے کہ شاید خیال نہ ہوا ہو، دوبارہ سلام کیا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی اعراض فرمایا اور جواب نہیں دیا۔ وہ اس کے کیسے متحمل ہو سکتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو وہاں موجود تھے دریافت کیا، پوچھا، تحقیق کی کہ میں آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں کو پھرا ہوا پاتا ہوں، خیر تو ہے؟ انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے تھے۔ راستہ میں تمہارا قُبّہ دیکھا تھا اور دریافت فرمایا تھا کہ یہ کس کا ہے؟ یہ سن کر وہ انصاری فوراً گئے اور اس کو توڑ کر ایسا زمین کے برابر کر دیا کہ نام و نشان بھی نہ رہا اور پھر آ کر عرض بھی نہیں کیا۔ اتفاقاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا اس جگہ کسی دوسرے موقع پر گذر ہوا تو دیکھا کہ وہ قبہ وہاں نہیں ہے۔ دریافت فرمایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ انصاری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعراض کا کئی روز ہوئے ذکر کیا تھا، ہم نے کہہ دیا تھا کہ تمہارا قبہ دیکھا ہے۔ انہوں نے آ کر اس کو بالکل توڑ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر تعمیر آدمی پر وبال ہے، مگر وہ تعمیر جو سخت ضرورت اور مجبوری کی ہو۔[1]

ف: یہ کمالِ عشق کی باتیں ہیں، ان حضرات کو اس کا تحمّل ہی نہیں تھا کہ چہرۂ انور صلی اللہ علیہ وسلم کو رنجیدہ دیکھیں یا کوئی شخص اپنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گرانی کو محسوس کرے۔ ان صحابی نے قُبّہ کو گرایا اور پھر یہ بھی نہیں کہ گرانے کے بعد جتانے کے طور پر آ کر کہتے کہ آپ کی خوشی کے واسطے گرا دیا، بلکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خود ہی اتفاق سے ادھر کو تشریف لے جانا ہوا تو ملاحظہ فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تعمیر میں روپے کا ضائع کرنا خاص طور سے ناگوار تھا۔ بہت سی احادیث میں اس کا ذکر آیا ہے۔ خود ازواجِ مطہرات کے مکانات کھجور کی ٹہنیوں کے ٹٹے تھے جن پر ٹاٹ کے پردے پڑے رہتے تھے، تاکہ اجنبی نگاہ اندر نہ جا سکے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں سفر میں تشریف لے گئے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو کچھ ثروت حاصل تھی۔ انہوں نے اپنے مکان پر بجائے ٹٹوں[2] کے کچی اینٹیں لگا لیں۔ واپسی پر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا تو دریافت کیا کہ یہ کیا کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ اس میں بے پردگی کا

---

[1] ابوداؤد، [2] ٹٹا: بانس یا پرکنڈوں کا بنا ہوا چھپرا جو دروازوں یا کھڑکیوں وغیرہ پر لگاتے ہیں۔

احتمال رہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدترین چیز جس میں آدمی کا روپیہ خرچ ہو تعمیر ہے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور میری والدہ اپنے مکان کی ایک دیوار کو جو خراب ہوگئی تھی درست کر رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ موت اس دیوار کے گرنے سے زیادہ قریب ہے۔[1]

(۳) صحابہ رضی اللہ عنہم کا سرخ چادروں کو اُتارنا

حضرت رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک مرتبہ سفر میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے اور ہمارے اونٹوں پر چادریں پڑی ہوئی تھیں جن میں سرخ ڈورے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں دیکھتا ہوں کہ یہ سرخی تم پر غالب ہوتی جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فرمانا تھا کہ ہم لوگ ایک دَم ایسے گھبرا کے اٹھے کہ ہمارے بھاگنے سے اونٹ بھی ادھر ادھر بھاگنے لگے اور ہم نے فوراً سب چادریں اونٹوں سے اتار لیں۔[2]

ف: صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی میں اس قسم کے واقعات کوئی اہمیّت نہیں رکھتے۔ ہاں! ہماری زندگی کے اعتبار سے ان پر تعجب ہوتا ہے۔ ان حضرات کی عام زندگی ایسی ہی تھی۔ عُروہ بن مسعود جب صلحِ حدیبیہ میں (جس کا قصّہ باب نمبر ۱ کے عنوان نمبر ۳ پر گذرا) کُفّار کی طرف سے قاصد کی حیثیت سے آئے تھے تو مسلمانوں کی حالت کا بڑے غور سے مطالعہ کیا تھا اور مکّہ واپس جا کر کُفّار سے کہا تھا کہ میں بڑے بڑے بادشاہوں کے یہاں قاصد بن کر گیا ہوں۔ فارس، روم اور حبشہ کے بادشاہوں سے ملا ہوں۔ میں نے کسی بادشاہ کے یہاں یہ بات نہیں دیکھی کہ اس کے درباری اس کی اس قدر تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جماعت ان کی تعظیم کرتی ہے۔ کبھی ان کا بلغم زمین پر گرنے نہیں دیتی، وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ پر پڑتا ہے اور وہ اس کو منہ اور بدن پر مل لیتا ہے۔ جب وہ کوئی حکم کرتے ہیں تو ہر شخص دوڑتا ہے کہ تعمیل کرے۔ جب وہ وضو کرتے ہیں تو وضو کا پانی بدن پر ملنے اور لینے کے واسطے ایسے دوڑتے ہیں گویا آپس میں جنگ و جَدَل ہو جاوے گا اور جب وہ بات کرتے ہیں تو سب چپ ہو جاتے ہیں۔ کوئی شخص ان کی طرف عظمت کی وجہ سے نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔[3]

---

[1] ابوداؤد، [2] ابوداؤد، [3] بخاری

(۴) حضرت وائل رضی اللہ عنہ کا ذُباب کے لفظ سے بال کٹوا دینا

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حاضرِ خدمت ہوا۔ میرے سر کے بال بہت بڑھے ہوئے تھے۔ میں سامنے آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ذُبَابٌ ذُبَابٌ"۔ میں یہ سمجھا کہ میرے بالوں کو ارشاد فرمایا: میں واپس گیا اور ان کو کٹوا دیا۔ جب دوسرے دن خدمت میں حاضری ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہیں نہیں کہا تھا، لیکن یہ اچھا کیا[1]

ف: ذُباب کے معنی منحوس کے بھی ہیں اور بری چیز کے بھی۔ یہ اشاروں پر مرمٹنے کی بات ہے کہ منشا سمجھنے کے بعد خواہ غلط ہی سمجھا ہو اس کی تعمیل میں دیر نہ ہوتی تھی۔ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد ہی فرما دیا کہ تم کو نہیں کہا تھا، مگر یہ چونکہ اپنے متعلق سمجھے اس لئے کیا مجال تھی کہ دیر ہوتی۔ ابتدائے اسلام میں نماز میں بولنا جائز تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حاضرِ خدمت ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے حسبِ معمول سلام کیا، چونکہ نماز میں بولنا منسوخ ہو چکا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہ دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب نہ دینے سے نئی اور پرانی باتیں یاد آ کر مختلف خیالات نے مجھے آگھیرا۔ کبھی سوچتا فلاں بات سے ناراضی ہوئی۔ کبھی خیال کرتا کہ فلاں بات پیش آئی۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سلام پھیرا اور ارشاد فرمایا کہ نماز میں کلام کرنا منسوخ ہو گیا ہے، اس لئے میں نے سلام کا جواب نہیں دیا تھا، تب جان میں جان آئی۔

(۵) حضرت سہیل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ کی عادت اور خُریم رضی اللہ عنہ کا بال کٹوا دینا

دمشق میں سہیل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ نامی ایک صحابی رہا کرتے تھے جو نہایت یکسو تھے۔ بہت کم کسی سے ملتے جلتے تھے اور کہیں آتے جاتے نہ تھے۔ دن بھر نماز میں مشغول رہتے یا تسبیح اور وظائف میں، مسجد میں آتے جاتے۔ راستہ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ پر جو مشہور صحابی ہیں گذر ہوتا۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے کہ کوئی کلمۂ خیر سناتے جاؤ، تمہیں کوئی نقصان نہیں، ہمیں نفع ہو جائے گا۔ تو وہ کوئی واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا یا کوئی حدیث سنا دیتے۔

---

[1] ابوداؤد

ایک مرتبہ اسی طرح جارہے تھے۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے معمول کے موافق درخواست کی کہ کوئی کلمۂ خیر سناتے جائیں۔ کہنے لگے کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خُریم اسدی اچھا آدمی ہے اگر دو باتیں نہ ہوں: ایک سر کے بال بہت بڑے رہتے ہیں، دوسرے لنگی ٹخنوں سے نیچی باندھتا ہے۔ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پہنچا، فوراً چاقو لے کر بال کانوں کے نیچے سے کاٹ دیئے اور لنگی آدھی پنڈلی تک باندھنا شروع کردی۔[1]

ف: بعض روایات میں آیا ہے کہ خود حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ان دونوں باتوں کو ارشاد فرمایا اور انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ اب سے نہ ہوں گی۔ مگر دونوں روایتوں میں کچھ اِشکال نہیں۔ یہ ہوسکتا ہے کہ خود ان سے بھی ارشاد فرمایا ہو اور غَیبت میں بھی ارشاد فرمایا ہو جو سننے والے نے ان سے جا کر عرض کردیا۔

(۶) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنے بیٹے سے نہ بولنا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دے دیا کرو۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ایک صاحبزادہ نے عرض کیا کہ ہم تو اجازت نہیں دے سکتے، کیونکہ وہ اس کو آئندہ چل کر بہانہ بنا لیں گی آزادی اور فساد و آوارگی کا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بہت ناراض ہوئے، برا بھلا کہا اور فرمایا کہ میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سناؤں اور تو کہے کہ اجازت نہیں دے سکتے۔ اس کے بعد سے ہمیشہ کے لئے ان صاحبزادہ سے بولنا چھوڑ دیا۔[2]

ف: صاحبزادہ کا یہ کہنا کہ فساد کا حیلہ بنالیں گی، اپنے زمانہ کی حالت کو دیکھ کر تھا۔ اسی وجہ سے خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ کی عورتوں کا حال دیکھتے تو ضرور عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع فرمادیتے، حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا زمانہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ زیادہ بعد کا نہیں، لیکن اس کے باوجود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اس کا تحمّل نہیں ہوسکا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو سن کر اس میں کوئی تردُّد یا تامُّل کیا جائے اور

---

[1] ابوداؤد، [2] مسلم، ابوداؤد

صرف اس بات پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر انہوں نے انکار کیا، عمر بھر نہیں بولے۔ اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس میں دقتیں اٹھانا پڑیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد کی اہمیّت کی وجہ سے جوان کی جان تھی، مسجد سے روکنا بھی مشکل تھا اور زمانہ کے فساد کی وجہ سے جس کا اندیشہ اسی وقت سے شروع ہو گیا تھا، اجازت بھی مشکل تھی، چنانچہ حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا جن کے کئی نکاح ہوئے جن میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ہوا وہ مسجد میں تشریف لے جاتی تھیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گراں ہوتا تھا۔ کسی نے ان کو کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ کو گراں ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ان کو گراں ہے تو منع کر دیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا۔ ان کو بھی یہ چیز گراں تھی، مگر روکنے کی ہمت نہ ہوئی تو ایک مرتبہ عشاء کی نماز کے لئے یہ جہاں کو جاتی تھیں، راستہ میں بیٹھ گئے اور جب یہ پاس کو گذریں تو ان کو چھیڑا، خاوند تھے اس لئے ان کو تو جائز تھا ہی مگر ان کو خبر نہ ہوئی اندھیرا تھا کہ یہ کون ہیں۔ اس کے بعد سے انہوں نے جانا چھوڑ دیا۔ دوسرے وقت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ مسجد میں کیوں جانا چھوڑ دیا۔ کہنے لگیں کہ اب زمانہ نہیں رہا۔

(۷) حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کہ نمازِ قصر قرآن میں نہیں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے پوچھا کہ قرآن شریف میں مُقیم کی نماز کا بھی ذکر ہے اور خوف کی نماز کا بھی، مسافر کی نماز کا ذکر نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ برادرزادہ! اللہ جل شانہٗ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا۔ ہم لوگ انجان تھے، کچھ نہیں جانتے تھے۔ بس جو ہم نے ان کو کرتے دیکھا وہ کریں گے۔[1]

ف: مقصود یہ ہے کہ ہر مسئلہ کا صراحۃً قرآن شریف میں ہونا ضروری نہیں، عمل کے واسطے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو جانا کافی ہے۔ خود حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے قرآن شریف عطا ہوا اور اس کے برابر اور احکام دیئے گئے۔ عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ پیٹ بھرے لوگ اپنے گدوں پر بیٹھ کر کہیں گے کہ بس قرآن شریف کو مضبوط پکڑ لو جو اس میں احکام ہیں ان پر عمل کرو[2]۔ **فائدہ:** پیٹ بھرے سے مراد یہ ہے کہ اس قسم کے فاسد

[1] شفاء، [2] ابوداؤد

خیال دولت کے نشہ سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔

(۸) حضرت ابن مُغَفَّل رضی اللہ عنہ کا خَذَف کی وجہ سے کلام چھوڑ دینا

عبداللہ بن مُغَفَّل رضی اللہ عنہ کا ایک نو عمر بھتیجا خذف سے کھیل رہا تھا۔ انہوں نے دیکھا اور فرمایا کہ برادرزادہ! ایسا نہ کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس سے فائدہ کچھ نہیں، نہ شکار ہوسکتا ہے اور نہ دشمن کو نقصان پہنچایا جا سکتا ہے اور اتفاقاً کسی کے لگ جائے تو آنکھ پھوٹ جائے، دانت ٹوٹ جائے۔ بھتیجا کم عمر تھا، اس نے جب چچا کو غافل دیکھا تو پھر کھیلنے لگا۔ انہوں نے دیکھ لیا، فرمایا کہ میں تجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سناتا ہوں۔ تُو پھر اسی کام کو کرتا ہے۔ خدا کی قسم! تجھ سے کبھی بات نہیں کروں گا۔ ایک دوسرے قصہ میں اس کے بعد ہے: خدا کی قسم! نہ تیرے جنازہ میں شریک ہوں گا، نہ تیری عیادت کروں گا۔[1]

ف: خَذَف اس کو کہتے ہیں کہ انگوٹھے پر چھوٹی سی کنکری رکھ کر اس کو انگلی سے پھینک دیا جائے۔ بچوں میں عام طور سے اس طرح کھیلنے کا مرض ہوتا ہے وہ ایسا تو ہوتا نہیں کہ اس سے شکار ہو سکے۔ ہاں آنکھ میں کسی کے اتفاقاً لگ جائے تو اس کو زخمی کر ہی دے۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کو اس کا تحمّل نہ ہوسکا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنانے کے بعد بھی وہ بچہ اس کام کو کرے۔ ہم لوگ صبح سے شام تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے ارشادات سنتے ہیں اور ان کا کتنا اہتمام کرتے ہیں۔ ہر شخص خود ہی اپنے متعلق فیصلہ کرسکتا ہے۔

(۹) حضرت حکیم بن حِزام رضی اللہ عنہ کا سوال نہ کرنے کا عہد

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، کچھ طلب کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا، پھر کسی موقع پر کچھ مانگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مَرحَمت فرمادیا۔ تیسری دفعہ پھر سوال کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ حکیم! یہ مال سبز باغ ہے، ظاہر میں بڑی میٹھی چیز ہے، مگر اس کا دستور یہ ہے کہ اگر یہ دل کے استغنا سے ملے تو اس میں برکت ہوتی ہے اور اگر طمع اور لالچ سے حاصل ہو تو اس میں برکت نہیں ہوتی، ایسا

---

[1] ابوداؤد، [2] ابن ماجہ، دارمی

ہو جاتا ہے (جیسے جوع البقر کی بیماری ہو) کہ ہر وقت کھائے جائے اور پیٹ نہ بھرے۔ حکیم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کے بعد اب کسی کو نہیں ستاؤں گا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں حکیم رضی اللہ عنہ کو بیت المال سے کچھ عطا فرمانے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں بار بار اصرار کیا، مگر انہوں نے انکار ہی فرما دیا۔[1]

ف: یہی وجہ ہے کہ آج کل ہم لوگوں کے مالوں میں برکت نہیں ہوتی کہ لالچ اور طمع میں گھرے رہتے ہیں۔

(۱۰) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا جاسوسی کے لئے جانا

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ خندق میں ہماری ایک طرف تو مکّہ کے کُفّار اور ان کے ساتھ دوسرے کافروں کے بہت سے گروہ تھے جو ہم پر چڑھائی کر کے آئے تھے اور حملہ کے لئے تیار تھے، اور دوسری طرف خود مدینہ منورہ میں بنوقُریظہ کے یہود ہماری دشمنی پر تلے ہوئے تھے جن سے ہر وقت اندیشہ تھا کہ کہیں مدینہ منورہ کو خالی دیکھ کر وہ ہمارے اہل وعیال کو بالکل ختم نہ کر دیں۔ ہم لوگ مدینہ منورہ سے باہر لڑائی کے سلسلہ میں پڑے ہوئے تھے۔ منافقوں کی جماعت گھر کے خالی اور تنہا ہونے کا بہانہ کر کے اجازت لے کر اپنے گھروں کو واپس جا رہی تھی اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر اجازت مانگنے والے کو اجازت مرحمت فرما دیتے تھے۔ اسی دوران میں ایک رات آندھی اس قدر شدت سے آئی کہ نہ اس سے پہلے کبھی اتنی آئی اور نہ اس کے بعد۔ اندھیرا اس قدر زیادہ کہ آدمی کو پاس والا آدمی تو کیا، اپنا ہاتھ بھی نظر نہیں آتا تھا، اور ہوا اتنی سخت کہ اس کا شور بجلی کی طرح گرج رہا تھا۔ منافقین اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ ہم تین سو کا مجمع اس جگہ تھا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک کا حال دریافت فرما رہے تھے اور اسی اندھیری میں ہر طرف تحقیقات فرما رہے تھے۔ اتنے میں میرے پاس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا۔ میرے پاس نہ تو دشمن سے بچاؤ کے واسطے کوئی ہتھیار، نہ سردی سے بچاؤ کے لئے کوئی کپڑا، صرف ایک چھوٹی سی چادر تھی جو اوڑھنے میں

[1] بخاری

گھٹنوں تک آتی تھی اور وہ بھی میری نہیں، بیوی کی تھی۔ میں اس کو اوڑھے ہوئے گھٹنوں کے بَل زمین سے چمٹا ہوا بیٹھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کون ہے؟ میں نے عرض کیا: حذیفہ۔ مگر مجھ سے سردی کے مارے اٹھا بھی نہ گیا اور شرم کے مارے زمین سے چمٹ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اٹھ کھڑا ہو اور دشمنوں کے جتھے میں جا کر ان کی خبر لا کہ کیا ہو رہا ہے۔ میں اس وقت گھبراہٹ، خوف اور سردی کی وجہ سے سب سے زیادہ خستہ حال تھا، مگر تعمیلِ ارشاد میں اٹھ کر فوراً چل دیا۔ جب میں جانے لگا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی۔ "اَللّٰھُمَّ احْفَظْهُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ وَ عَنْ یَّمِیْنِهٖ وَ عَنْ شِمَالِهٖ وَ مِنْ فَوْقِهٖ وَمِنْ تَحْتِهٖ" "یا اللہ! آپ اس کی حفاظت فرمائیں سامنے سے اور پیچھے سے، دائیں سے اور بائیں سے، اوپر سے اور نیچے سے"۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فرمانا تھا کہ گویا مجھ سے خوف اور سردی بالکل ہی جاتی رہی اور ہر ہر قدم پر یہ معلوم ہوتا تھا گویا گرمی میں چل رہا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چلتے وقت یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ کوئی حرکت نہ کر کے آئیو۔ چپ چاپ دیکھ کر آ جاؤ کہ کیا ہو رہا ہے۔ میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ آگ جل رہی ہے اور لوگ سینک رہے ہیں۔ ایک شخص آگ پر ہاتھ سینکتا ہے اور کوکھ پر پھیر لیتا ہے اور ہر طرف سے "واپس چل دو، واپس چل دو" کی آوازیں آ رہی ہیں۔ ہر شخص اپنے قبیلہ والوں کو آواز دے کر کہتا ہے کہ واپس چلو اور ہوا کی تیزی کی وجہ سے چاروں طرف سے پتھر ان کے خیموں پر برس رہے تھے۔ خیموں کی رسیاں ٹوٹتی جاتی تھیں اور گھوڑے وغیرہ جانور ہلاک ہو رہے تھے۔ ابوسفیان جو ساری جماعتوں کا اس وقت گویا سردار بن رہا تھا آگ پر سینک رہا تھا۔ میرے دل میں آیا کہ موقع اچھا ہے اس کو نمٹاتا چلوں۔ ترکش میں سے تیر نکال کر کمان میں بھی رکھ لیا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یاد آیا کہ کوئی حرکت نہ کیجیو، دیکھ کر چلے آنا۔ اس لئے میں نے تیر کو ترکش میں رکھ دیا۔ ان کو شبہ ہو گیا، کہنے لگے: تم میں سے کوئی جاسوس ہے، ہر شخص اپنے برابر والے کا ہاتھ پکڑ لے۔ میں نے جلدی سے ایک آدمی کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا، تو کون؟ وہ کہنے لگا: سبحان اللہ! تو مجھے نہیں جانتا میں فلاں ہوں۔ میں وہاں سے واپس آیا۔ جب آدھے راستہ

پر تھا تو تقریباً بیس سوار عمامہ باندھے ہوئے مجھے ملے۔ انہوں نے کہا: اپنے آقا سے کہہ دینا کہ اللہ نے دشمنوں کا انتظام کر دیا، بے فکر رہیں۔ میں واپس پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک چھوٹی سی چادر اوڑھے نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ ہمیشہ کی عادتِ شریفہ تھی کہ جب کوئی گھبراہٹ کی بات پیش آتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی طرف متوجہ ہو جایا کرتے تھے۔ نماز سے فراغت پر میں نے وہاں کا جو منظر دیکھا تھا عرض کر دیا۔ جاسوس کا قصّہ سن کر دندان مبارک چمکنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے پاؤں مبارک کے قریب لٹا لیا اور اپنی چادر کا ذرا سا حصّہ مجھ پر ڈال دیا۔ میں نے اپنے سینے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تلووں سے چمٹا لیا۔[1]

ف: ان ہی حضرات کا یہ حصّہ تھا اور ان ہی کو زیبا تھا کہ اس قدر سختیوں اور دِقتوں کی حالت میں بھی تعمیلِ ارشاد تن من، جان مال، سب سے زیادہ عزیز تھی۔ اللہ جَلَّ شَانُہٗ بلا استحقاق اور بلا اہلیت مجھ ناپاک کو بھی ان کے اتّباع کا کوئی حصّہ نصیب فرما دیں تو زہے قسمت۔

دسواں باب

عورتوں کا دینی جذبہ

حقیقت یہ ہے کہ اگر عورتوں میں دین کا شوق اور نیک اعمال کا جذبہ پیدا ہو جائے تو اولاد پر اس کا اثر ضروری ہے۔ اس کے برخلاف ہمارے زمانہ میں اولاد کو شروع ہی سے ایسے ماحول میں رکھا جاتا ہے جس میں اس پر دین کے خلاف اثر پڑے یا کم از کم یہ کہ دین کی طرف سے بے توجہی پیدا ہو جائے۔ جب ایسے ماحول میں ابتدائی زندگی گذرے گی تو اس سے جو نتائج پیدا ہوں گے وہ ظاہر ہیں۔

(۱) تسبیحات حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک شاگرد سے فرمایا کہ میں تمہیں اپنا اور فاطمہ کا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ لاڈلی بیٹی تھیں قصّہ سناؤں؟ شاگرد نے کہا: ضرور۔ فرمایا کہ وہ اپنے ہاتھ سے چکی پیستی تھیں جس کی وجہ سے ہاتھ میں نشان پڑ گئے تھے اور خود پانی کی

[1] درمنثور

مَشک بھر کر لاتی تھیں جس کی وجہ سے سینہ پر مَشک کی رسی کے نشان پڑ گئے تھے اور گھر کی جھاڑو وغیرہ بھی خود ہی دیتی تھیں جس کی وجہ سے تمام کپڑے میلے کچیلے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ غلام باندیاں آئیں۔ میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم بھی جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خدمت گار مانگ لو تا کہ تم کو کچھ مدد مل جاوے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، وہاں مجمع تھا اور شرم مزاج میں بہت زیادہ تھی، اس لئے شرم کی وجہ سے سب کے سامنے باپ سے بھی مانگتے ہوئے شرم آئی۔ واپس آ گئیں۔ دوسرے دن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لائے، ارشاد فرمایا کہ فاطمہ! کل تم کس کام کے لئے گئی تھیں؟ وہ شرم کی وجہ سے چپ ہو گئیں۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان کی یہ حالت ہے کہ چکّی کی وجہ سے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے اور مَشک کی وجہ سے سینہ پر رسی کے نشان ہو گئے، ہر وقت کے کاروبار کی وجہ سے کپڑے میلے رہتے ہیں۔ میں نے ان سے کل کہا تھا کہ آپ کے پاس خادم آئے ہوئے ہیں، ایک یہ بھی مانگ لیں، اس لئے گئی تھیں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے اور علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ہی بستر ہے اور وہ بھی مینڈھے کی ایک کھال ہے۔ رات کو اس کو بچھا کر سو جاتے ہیں، صبح کو اسی پر گھاس دانہ ڈال کر اونٹ کو کھلاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیٹی صبر کر۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی بیوی کے پاس دس برس تک ایک ہی بچھونا (بستر ہ) تھا، وہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چوغہ تھا، رات کو اسی کو بچھا کر سو جاتے تھے۔ تُو تقویٰ حاصل کر اور اللہ سے ڈر اور اپنے پروردگار کا فریضہ ادا کرتی رہ اور گھر کے کاروبار کو انجام دیتی رہ اور جب سونے کے واسطے لیٹا کرے تو سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ، الحمد اللہ ۳۳ مرتبہ اور اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ پڑھ لیا کرو۔ یہ خادم سے زیادہ اچھی چیز ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: میں اللہ اور اس کے رسول سے راضی ہوں۔[1]

ف: یعنی جو اللہ اور اس کے رسول کی رضا میرے بارے میں ہو مجھے بخوشی منظور ہے۔ یہ تھی زندگی دو جہاں کے بادشاہ کی بیٹی کی۔ آج ہم لوگوں میں سے کسی کے پاس دو پیسہ ہو جائیں تو اس کے گھر والے گھر کا کام کاج تو دَرکنار اپنا کام بھی نہ کر سکیں۔ پاخانہ میں لوٹا بھی ماما ہی رکھ کر آئے۔ اس واقعہ میں جو اوپر ذکر کیا گیا صرف سونے کے وقت کا ذکر ہے،

---

[1] ابوداؤد

دوسری حدیثوں میں ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ یہ تینوں کلمے اور ایک مرتبہ "لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" بھی آیا ہے۔

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا صدقہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں دو گونین[۱] درہموں کی بھر کر پیش کی گئیں جن میں ایک لاکھ سے زیادہ درہم تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے طَباق منگایا اور ان کو بھر بھر کر تقسیم فرمانا شروع کر دیا اور شام تک سب ختم کر دیئے، ایک درہم بھی باقی نہ چھوڑا خود روزہ دار تھیں، افطار کے وقت باندی سے کہا کہ افطار کے لئے کچھ لے آؤ۔ وہ ایک روٹی اور زیتون کا تیل لے آئیں اور عرض کرنے لگیں: کیا اچھا ہوتا کہ ایک درہم کا گوشت ہی منگا لیتیں، آج ہم روزہ گوشت سے افطار کر لیتے۔ فرمانے لگیں: اب طعن دینے سے کیا ہوتا ہے۔ اس وقت یاد دلاتی تو میں منگا لیتی۔[۲]

ف: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں اس نوع کے نذرانہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما وغیرہ حضرات کی طرف سے پیش کئے جاتے تھے، کیونکہ وہ زمانہ فتوحات کی کثرت کا تھا۔ مکانوں میں غلّہ کی طرح سے اشرفیوں کے اَنبار پڑے رہتے تھے اور اس کے باوجود اپنی زندگی نہایت سادہ اور نہایت معمولی گذاری جاتی تھی، حتیٰ کہ افطار کے واسطے بھی ماما[۳] کے یاد دلانے کی ضرورت تھی۔ پچیس ہزار روپے کے قریب تقسیم کر دیا اور یہ خیال بھی نہ آیا کہ میرا روزہ ہے اور گوشت بھی منگانا ہے۔ آج کل اس قسم کے واقعات اتنے دور ہو گئے ہیں کہ خود واقعہ کے سچّا ہونے میں تَرَدُّد ہونے لگا، لیکن اس زمانہ کی عام زندگی جن لوگوں کی نظر میں ہے، ان کے نزدیک یہ اور اس قسم کے سینکڑوں واقعات کچھ بھی تعجب کی چیز نہیں۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بہت سے واقعات اس کے قریب قریب ہیں۔ ایک دفعہ روزہ دار تھیں اور گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا۔ ایک فقیر نے آکر سوال کیا۔ خادمہ سے فرمایا کہ وہ روٹی اس کو دیدو، اس نے عرض کیا کہ افطار کے لئے گھر میں کچھ بھی نہیں۔ فرمایا: کیا مضائقہ ہے؟ وہ روٹی اس کو دے دو اس نے دیدی۔[۴] ایک مرتبہ ایک

---

[۱] پانی یا غلّہ رکھنے کے دو بڑے مٹی کے برتن، [۲] تذکرہ، [۳] خادمہ [۴] موطأ

سانپ مار دیا۔ خواب میں دیکھا کوئی کہتا ہے کہ تم نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا۔ فرمایا: اگر وہ مسلمان ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے یہاں نہ آتا۔ اس نے کہا: مگر پردے کی حالت میں آیا تھا۔ اس پر گھبرا کر آنکھ کھل گئی اور بارہ ہزار درہم جو ایک آدمی کا خون بہا ہوتے ہیں صدقہ کئے۔ عُروَہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ دیکھا کہ ستر ہزار درہم صدقہ کئے اور اپنے کرتہ میں پیوند لگ رہا تھا۔[1]

(۳) حضرت اِبنِ زبیر رضی اللہ عنہما کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو صدقہ سے روکنا

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے اور وہ ان سے بہت محبّت فرماتی تھیں، انہوں نے ہی گویا بھانجے کو پالا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس فیّاضی سے پریشان ہو کر کہ خود تکلیفیں اٹھائیں اور جو آئے وہ فوراً خرچ کر دیں، ایک دفعہ کہہ دیا کہ خالہ کا ہاتھ کسی طرح روکنا چاہیئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی یہ فقرہ پہنچ گیا، اس پر ناراض ہو گئیں کہ میرا ہاتھ روکنا چاہتا ہے اور ان سے نہ بولنے کی نذر کے طور پر قسم کھائی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو خالہ کی ناراضی کا بہت صدمہ ہوا۔ بہت سے لوگوں سے سفارش کرائی، مگر انہوں نے اپنی قسم کا عذر فرما دیا۔ آخر جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بہت ہی پریشان ہوئے تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ننھیال کے دو حضرات کو سفارشی بنا کر ساتھ لے گئے، وہ دونوں حضرات اجازت لے کر اندر گئے، یہ بھی چھپ کر ساتھ ہو لئے۔ جب وہ دونوں پردہ کے پیچھے بیٹھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پردہ کے اندر بیٹھ کر بات چیت فرمانے لگیں، تو یہ جلدی سے پردہ میں چلے گئے اور جا کر خالہ سے لپٹ گئے اور بہت روئے اور خوشامد کی۔ وہ دونوں حضرات بھی سفارش کرتے رہے اور مسلمان سے بولنا چھوڑنے کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات یاد دلاتے رہے اور احادیث میں جو ممانعت اس کی آئی ہے وہ سناتے رہے جس کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان احادیث میں جو ممانعت اور مسلمان سے بولنا چھوڑنے پر جو عتاب وارد ہوا، اس کی تاب نہ لا سکیں اور رونے لگیں۔ آخر معاف فرما دیا اور بولنے لگیں۔ لیکن اپنی اس قسم کے کفّارہ میں بار بار غلام آزاد کرتی تھیں، حتیٰ

---

[1] طبقات

کہ چالیس غلام آزاد کئے اور جب بھی اس قسم توڑنے کا خیال آجاتا، اتنا روتیں کہ دوپٹہ تک آنسوؤں سے بھیگ جاتا۔[1]

ف: ہم لوگ صبح سے شام تک کتنی قسمیں ایک سانس میں کھا لیتے ہیں اور پھر اس کی کتنی پرواہ کرتے ہیں، اس کا جواب اپنے ہی سوچنے کا ہے۔ دوسرا شخص کون ہر وقت پاس رہتا ہے جو بتاوے، لیکن جن لوگوں کے ہاں اللہ کے نام کی وقعت ہے اور اللہ سے عہد کر لینے کے بعد پورا کرنا ضروری ہے۔ ان سے پوچھو کہ عہد کے پورا نہ ہونے سے دل پر کیا گذرتی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب یہ واقعہ یاد آتا تھا تو بہت زیادہ روتی تھیں۔

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حالت اللہ کے خوف سے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنی محبّت تھی وہ کسی سے بھی مخفی نہیں، حتیٰ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو سب سے زیادہ محبّت کس سے ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ سے۔ اس کے ساتھ ہی مسائل سے اتنی زیادہ واقف تھیں کہ بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم مسائل کی تحقیق کے لئے آپ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کو سلام کرتے تھے۔ جنّت میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔ منافقوں نے آپ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو قرآنِ شریف میں آپ رضی اللہ عنہا کی براءۃ نازل ہوئی۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دس خصوصیات مجھ میں ایسی ہیں کہ کوئی دوسری بیوی ان میں شریک نہیں۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو مُفصّل نقل کیا ہے۔ صدقہ کی کیفیت پہلے قصوں سے معلوم ہو ہی چکی، لیکن ان سب باتوں کے باوجود اللہ کے خوف کا یہ حال تھا: فرمایا کرتیں کہ کاش! میں درخت ہی ہو جاتی کہ تسبیح کرتی رہتی اور کوئی آخرت کا مطالبہ مجھ سے نہ ہوتا، کاش! میں پتھر ہوتی، کاش! میں مٹی کا ڈلا ہوتی، کاش! میں پیدا ہی نہ ہوتی۔ کاش! میں درخت کا پتا ہوتی، کاش! میں کوئی گھاس ہوتی۔[2]

ف: اللہ کے خوف کا یہ منظر دوسرے باب کے پانچویں چھٹے قصّہ میں بھی گذر چکا

---

[1]، [2] بخاری

ہے۔ان حضرات کی یہ عام حالت تھی۔اللہ سے ڈرنا انہیں کا حصّہ تھا۔

(۵) حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے خاوند کی دعا اور ہجرت

اُم المؤمنین حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت اَبوسَلَمہ رضی اللہ عنہ صحابی کے نکاح میں تھیں۔دونوں میں بہت ہی زیادہ محبت اور تعلّق تھا جس کا اندازہ اس قصّہ سے ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے اَبوسلمہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے یہ سنا ہے کہ اگر مرد اور عورت دونوں جنتی ہوں اور عورت[1] مرد کے بعد کسی سے نکاح نہ کرے تو وہ عورت جنّت میں اسی مرد کو ملے گی۔اسی طرح اگر مرد دوسری عورت سے نکاح نہ کرے تو وہی عورت اسے ملے گی۔اس لئے لاؤ ہم اور تم دونوں عہد کرلیں کہ ہم میں سے جو پہلے مرجائے تو دوسرا نکاح نہ کرے۔ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم میرا کہنا مان لوگی۔ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں تو اسی واسطے مشورہ کررہی ہوں کہ تمہارا کہنا مانوں۔ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تو میرے بعد تم نکاح کرلینا۔پھر دعا کی کہ یااللہ! میرے بعد اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو مجھ سے بہتر خاوند عطا فرما جو نہ اس کو رنج پہنچائے اور نہ تکلیف دے۔ابتدائے اسلام میں دونوں میاں بیوی نے حبشہ کی ہجرت ساتھ ہی کی۔اس کے بعد وہاں سے واپسی پر مدینہ طیّبہ کی ہجرت کی۔جس کا مفصّل قصّہ خود ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب اَبوسلمہ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو اپنے اونٹ پر سامان لادا اور مجھے اور میرے بیٹے سلمہ کو سوار کرایا اور خود اونٹ کی نکیل ہاتھ میں لے کر چلے۔میرے میکے کے لوگوں بنومغیرہ نے دیکھ لیا۔انہوں نے ابوسلمہ سے کہا کہ تم اپنی ذات کے بارے میں تو آزاد ہو سکتے ہو، مگر ہم اپنی لڑکی کو تمہارے ساتھ کیوں جانے دیں؟ کہ یہ شہر در شہر پھرے۔یہ کہہ کر اونٹ کی نکیل ابوسلمہ کے ہاتھ سے چھین لی اور مجھے زبردستی واپس لے آئے۔میرے سسرال کے لوگ بنوعبدالاَسد کو جو ابوسلمہ کے رشتہ دار تھے جب اس قصّہ کی خبر ملی تو وہ میرے میکہ والوں بنومغیرہ سے جھگڑنے لگے کہ تمہیں اپنی لڑکی کا تو

[1] اگر عورت دوسرے خاوند سے نکاح کرلے تو اس میں دو حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ایک حدیث میں آیا ہے کہ وہ دوسرے کو ملے گی اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اس کو اختیار دیدیا جاوے گا کہ جس خاوند کے پاس رہنا چاہے اس کو اختیار کرلے۔یہ دوسری حدیث زیادہ مشہور ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جن عورتوں کے دونوں خاوند برابر ہوں ان کے حق میں پہلی حدیث ہو۔اس بارے میں بھی روایات مختلف ہیں کہ ہر شخص کو کتنی بیبیاں ملیں گی۔

اختیار ہے، مگر ہم اپنے لڑکے سلمہ کو تمہارے پاس کیوں چھوڑ دیں؟ جب کہ تم نے اپنی لڑکی کو اس کے خاوند کے پاس نہیں چھوڑا اور یہ کہہ کر میرے لڑکے سلمہ کو بھی مجھ سے چھین لیا۔ اب میں اور میرا لڑکا اور میرا شوہر تینوں جدا جدا ہو گئے، خاوند تو مدینہ چلے گئے۔ میں اپنے میکہ میں رہ گئی اور بیٹا دھیال میں پہنچ گیا، میں روز میدان میں نکل جاتی اور شام تک رویا کرتی۔ اسی طرح پورا ایک سال مجھے روتے گذر گیا۔ نہ میں خاوند کے پاس جا سکی، نہ بچہ مجھے مل سکا۔ ایک دن میرے چچازاد بھائی نے میرے حال پر ترس کھا کر اپنے لوگوں سے کہا کہ تمہیں اس مسکینہ پر ترس نہیں آتا کہ اس کو بچہ اور خاوند سے تم نے جدا کر رکھا ہے، اس کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟ غرض میرے چچازاد بھائی نے کہہ سن کر اس بات پر ان سب کو راضی کر لیا۔ انہوں نے مجھے اجازت دے دی کہ تو اپنے خاوند کے پاس جانا چاہتی ہے تو چلی جا۔ یہ دیکھ کر بنو عبدالاسد نے بھی لڑکا دے دیا، میں نے ایک اونٹ تیار کیا اور بچہ گود میں لے کر اونٹ پر تنہا سوار ہو کر مدینہ کو چل دی۔ تین چار میل چلی تھی کہ ''تنعیم'' میں عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ مجھے ملے۔ مجھ سے پوچھا کہ اکیلی کہاں جا رہی ہو؟ میں نے کہا: اپنے خاوند کے پاس مدینہ جا رہی ہوں۔ انہوں نے کہا کوئی تمہارے ساتھ نہیں؟ میں نے کہا کہ اللہ کی ذات کے سوا کوئی نہیں ہے۔ انہوں نے میرے اونٹ کی نکیل پکڑی اور آگے آگے چل دیئے۔ خدا پاک کی قسم! مجھے عثمان سے زیادہ شریف آدمی کوئی نہیں ملا۔ جب اُترنے کا وقت ہوتا، وہ میرے اونٹ کو بٹھا کر خود علیحدہ درخت کی آڑ میں ہو جاتے۔ میں اتر جاتی اور جب سوار ہونے کا وقت ہوتا، اونٹ کو سامان وغیرہ لاد کر میرے قریب بٹھا دیتے، میں اس پر سوار ہو جاتی اور وہ آ کر اس کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چلنے لگتے۔ اسی طرح ہم مدینہ مُنورہ پہنچے۔ جب قُبا میں پہنچے تو انہوں نے کہا: تمہارا خاوند یہیں ہے، اس وقت تک ابوسلمہ رضی اللہ عنہ قبا ہی میں مقیم تھے۔ عثمان مجھے وہاں پہنچا کر خود مکّہ مکرمہ واپس ہو گئے۔ پھر کہا کہ خدا کی قسم! عثمان بن طلحہ سے زیادہ کریم اور شریف آدمی میں نے نہیں دیکھا اور اس سال میں جتنی مشقت اور تکلیف میں نے برداشت کی، شاید ہی کسی نے کی ہو۔[1]

ف: اللہ پر بھروسہ کی بات تھی کہ تنہا ہجرت کے ارادہ سے چل دیں۔ اللہ جل شانہٗ نے

[1] اسد الغابہ

اپنے فضل سے ان کی مدد کا سامان مہیا کر دیا۔ جو اللہ پر بھروسہ کر لیتا ہے، اللہ جل شانہٗ اس کی مدد فرماتا ہے۔ بندوں کے دل اسی کے قبضہ میں ہیں۔ ہجرت کا سفر اگر کوئی محرم نہ ہو تو تنہا بھی جائز ہے بشرطیکہ ہجرت فرض ہو، اس لئے ان کے تنہا سفر پر شرعی اشکال نہیں۔

(۶) حضرت اُمِّ زِیاد رضی اللہ عنہا کی چند عورتوں کے ساتھ خیبر میں شرکت

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مَردوں کو تو جہاد کی شرکت کا شوق تھا ہی جس کے واقعات کثرت سے نقل کئے جاتے ہیں۔ عورتیں بھی اس چیز میں مردوں سے پیچھے نہیں تھیں، ہمیشہ مشتاق رہتی تھیں اور جہاں موقع مل جاتا پہنچ جاتیں۔ اُمِ زیاد رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ خیبر کی لڑائی میں ہم چھ عورتیں جہاد میں شرکت کے لئے چل دیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو ہم کو بلایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر غصہ کے آثار تھے۔ ارشاد فرمایا کہ تم کس کی اجازت سے آئیں اور کس کے ساتھ آئیں؟ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم کو اون بننا آتا ہے اور جہاد میں اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ زخموں کی دوائیں بھی ہمارے پاس ہیں، اور کچھ نہیں تو مجاہدین کو تیر ہی پکڑانے میں مدد دیں گی، اور جو بیمار ہوگا اس کی دوادارو کی مدد ہو سکے گی۔ ستّو وغیرہ گھولنے اور پلانے میں کام دے دیں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھہر جانے کی اجازت دیدی۔[1]

ف: حق تعالیٰ شانہٗ نے اس وقت عورتوں میں بھی کچھ ایسا ولولہ اور جرأت پیدا فرمائی تھی جو آج کل مردوں میں بھی نہیں ہے۔ دیکھیے! یہ سب اپنے شوق سے خود ہی پہنچ گئیں اور کتنے کام اپنے کرنے کے تجویز کر لئے۔ ''حنین'' کی لڑائی میں اُمِ سُلیم رضی اللہ عنہا باوجودیکہ حاملہ تھیں، عبداللہ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ پیٹ میں تھے، شریک ہوئیں اور ایک خنجر ساتھ لئے رہتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کس لئے ہے؟ عرض کیا کہ اگر کوئی کافر میرے پاس آئے گا تو اس کے پیٹ میں بھونک دوں گی۔ اس سے پہلے اُحد وغیرہ کی لڑائی میں بھی یہ شریک ہوئی تھیں، زخمیوں کی دوادارو اور بیماروں کی خدمت کرتی تھیں۔ حضرت اَنس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور اُمِ سُلیم رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ نہایت مُستعدی سے مَشک بھر کر

---

[1] ابوداؤد

لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں اور جب خالی ہو جاتی تو پھر بھر لاتیں۔

(۷) حضرت اُمِ حرام رضی اللہ عنہا کی غزوۂ البحر میں شرکت کی تمنّا

حضرت اُمِ حرام رضی اللہ عنہا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے ان کے گھر تشریف لے جاتے اور کبھی دوپہر وغیرہ کو وہیں آرام بھی فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر آرام فرما رہے تھے کہ مسکراتے ہوئے اٹھے۔ اُمِ حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کس بات پر آپ مسکرا رہے تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے کچھ لوگ مجھے دکھلائے گئے جو سمندر پر لڑائی کے ارادہ سے اس طرح سوار ہوئے جیسے تختوں پر بادشاہ بیٹھے ہوں۔ اُمِ حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! دعا فرما دیجئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ مجھے بھی ان میں شامل فرما دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بھی ان میں شامل ہو گی۔ اس کے بعد پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام فرمایا اور پھر مسکراتے ہوئے اٹھے۔ اُمِ حرام رضی اللہ عنہا نے پھر مسکرانے کا سبب پوچھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اسی طرح ارشاد فرمایا، اُمِ حرام رضی اللہ عنہا نے پھر وہی درخواست کی کہ یا رسول اللہ! آپ دعا فرما دیں کہ میں بھی ان میں ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم پہلی جماعت میں ہو گی، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو شام کے حاکم تھے جزائرِ قبرس پر حملہ کرنے کی اجازت چاہی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر کے ساتھ حملہ فرمایا جس میں اُمِ حرام رضی اللہ عنہا بھی اپنے خاوند حضرت عُبادہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ لشکر میں شریک ہوئیں اور واپسی پر ایک خچر پر سوار ہو رہی تھیں کہ وہ بدکا اور یہ اس پر سے گر گئیں جس سے گردن ٹوٹ گئی اور انتقال فرما گئیں اور وہیں دفن کی گئیں۔[1]

ف: یہ وَلولہ تھا جہاد میں شرکت کا کہ ہر لڑائی میں شرکت کی دعا کراتی تھیں، مگر چونکہ ان دونوں لڑائیوں میں سے پہلی لڑائی میں انتقال فرمانا متعیّن تھا اس لئے دوسری لڑائی میں شرکت نہ ہو سکی اور اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں شرکت کی دعا بھی نہ فرمائی تھی۔

---

[1] بخاری

(۸) حضرت اُمِ سُلیم رضی اللہ عنہا کا لڑکے کے مرنے پر عمل

اُمِ سلیم رضی اللہ عنہا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں جو اپنے پہلے خاوند یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے والد کی وفات کے بعد بیوہ ہو گئیں تھیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی پرورش کے خیال سے کچھ دنوں تک نکاح نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا جن سے ایک صاحبزادہ ابوعمیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے جن سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کے گھر تشریف لے جاتے تو ہنسی بھی فرمایا کرتے تھے۔ اتفاق سے ابوعمیر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ اُمِ سلیم رضی اللہ عنہا نے ان کو نہلایا، دھلایا، کفن پہنایا اور ایک چارپائی پر لٹا دیا۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا روزہ تھا، اُمِ سلیم رضی اللہ عنہا نے ان کے لئے کھانا وغیرہ تیار کیا اور خود اپنے آپ کو بھی آراستہ کیا۔ خوشبو وغیرہ لگائی۔ رات کو خاوند آئے، کھانا وغیرہ بھی کھایا۔ بچہ کا حال پوچھا تو انہوں نے کہہ دیا کہ اب تو سکون معلوم ہوتا ہے، بالکل اچھا ہو گیا، وہ بے فکر ہو گئے۔ رات کو خاوند نے صحبت بھی کی۔ صبح کو جب وہ اٹھے تو کہنے لگیں کہ ایک بات دریافت کرنا تھی۔ اگر کوئی شخص کسی کو مانگی چیز دیدے، پھر وہ اسے واپس لینے لگے تو واپس کر دینا چاہئے یا اسے روک لے، واپس نہ کرے۔ وہ کہنے لگے کہ ضرور واپس کر دینا چاہئے، روکنے کا کیا حق ہے؟ مانگی چیز کا تو واپس کرنا ہی ضروری ہے۔ یہ سن کر اُمِ سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا کہ تمہارا لڑکا جو اللہ کی امانت تھا وہ اللہ نے لے لیا۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو اس پر رنج ہوا اور کہنے لگے کہ تم نے مجھ کو خبر بھی نہ دی۔ صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اس سارے قصہ کو عرض کیا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی اور فرمایا کہ شاید اللہ جل شانہٗ اس رات میں برکت عطا فرماویں۔ ایک انصاری کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت دیکھی کہ اس رات کے حمل سے عبداللہ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے جن کے نو بچے ہوئے اور سب نے قرآن شریف پڑھا۔[1]

ف: بڑے صبر اور ہمت کی بات ہے کہ اپنا بچہ مر جائے اور ایسی طرح اس کو برداشت کرے کہ خاوند کو بھی محسوس نہ ہونے دے، چونکہ خاوند کا روزہ تھا اس لئے خیال ہوا کہ خبر ہونے پر کھانا بھی مشکل ہوگا۔

---

[1] بخاری، فتح

(۹) حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا کا اپنے باپ کو بستر پر نہ بٹھانا

اُمُّ المؤمنین حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔ دونوں خاوند بیوی ساتھ ہی مسلمان ہوئے اور حبشہ کی ہجرت بھی اکٹھے ہی کی۔ وہاں جا کر خاوند مرتد ہو گیا اور اسی حالتِ ارتداد میں انتقال کیا۔ حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے یہ بیوگی کا زمانہ حبشہ ہی میں گذارا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں نکاح کا پیام بھیجا اور حبشہ کے بادشاہ کی معرفت نکاح ہوا جیسا کہ باب کے ختم پر بیبیوں کے بیان میں آئے گا۔ نکاح کے بعد مدینہ طیّبہ تشریف لائیں۔ صلح کے زمانہ میں ان کے باپ ابوسفیان مدینہ طیّبہ آئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی مضبوطی کے لئے گفتگو کرنا تھی۔ بیٹی سے ملنے گئے، وہاں بستر بچھا ہوا تھا، اس پر بیٹھنے لگے تو حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے وہ بستر الٹ دیا۔ باپ کو تعجب ہوا کہ بجائے بستر بچھانے کے اس بچھے ہوئے کو بھی الٹ دیا۔ پوچھا کہ یہ بستر میرے قابل نہیں تھا اس لئے لپیٹ دیا، یا میں بستر کے قابل نہیں تھا؟ حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ اللہ کے پاک اور پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اور تم بوجہ مشرک ہونے کے ناپاک ہو، اس پر کیسے بٹھا سکتی ہوں؟ باپ کو اس بات سے بہت رنج ہوا اور کہا کہ تم مجھ سے جدا ہونے کے بعد بری عادتوں میں مبتلا ہو گئیں، مگر اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو عظمت تھی اس کے لحاظ سے وہ کب اس کو گوارا کر سکتی تھیں کہ کوئی ناپاک مشرک، باپ ہو یا غیر ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھ سکے۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چاشت کی بارہ رکعتوں کی فضیلت سنی تو ہمیشہ ان کو پابندی سے نبھا دیا۔ ان کے والد بھی جن کا قصّہ ابھی گذرا ہے بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو تیسرے دن خوشبو منگائی اور اس کو استعمال کیا اور فرمایا کہ مجھے نہ خوشبو کی ضرورت نہ رغبت، مگر میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عورت کو جائز نہیں کہ خاوند کے علاوہ کسی پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے۔ ہاں! خاوند کے لئے چار مہینہ دس دن ہیں، اس لئے خوشبو استعمال کرتی ہوں کہ سوگ نہ سمجھا جائے۔ جب خود اپنے انتقال کا وقت ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان سے کہا کہ میرا تمہارا معاملہ سوکن کا

تھا اور سوکنوں میں آپس میں کسی بات پر تھوڑی بہت رنجش ہو ہی جاتی ہے۔ اللہ مجھے بھی معاف فرماویں اور تمہیں بھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ تمہیں سب معاف کرے اور درگذر فرمائیں، یہ سن کر کہنے لگیں کہ تم نے مجھے اس وقت بہت ہی خوشی پہنچائی، اللہ تمہیں بھی خوش وخرم رکھے۔ اس کے بعد اسی طرح اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھی آدمی بھیجا۔[1]

ف: سوکنوں کے جو تعلّقات آپس میں ہوتے ہیں، وہ ایک دوسرے کی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہا کرتیں، مگر ان کو یہ اہتمام تھا کہ دنیا کا جو معاملہ ہو وہ یہیں نمٹ جائے، آخرت کا بوجھ سر پر نہ رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت اور عظمت کا اندازہ تو اس بسترہ کے معاملہ سے ہو ہی گیا۔

(۱۰) حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا اِفک کے معاملہ میں صفائی پیش کرنا

اُم المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا، رشتہ میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں، شروع ہی زمانہ میں مسلمان ہو گئی تھیں۔ ابتدا میں آپ کا نکاح حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ہوا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کئے ہوئے غلام تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مُتبنّٰی بھی تھے جس کو ''لے پالک'' کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے زید بن محمد کہلاتے تھے، مگر حضرت زید رضی اللہ عنہ سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نباہ نہ ہو سکا تو انہوں نے طلاق دے دی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ زمانۂ جاہلیت کی ایک رسم ٹوٹے، وہ یہ کہ متبنّٰی بالکل ہی بیٹے جیسا ہوتا ہے اور اس کی بیوی سے نکاح بھی نہ کرنا چاہئے، اس لئے اپنے نکاح کا پیام بھیجا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ میں اپنے رب سے مشورہ کر لوں۔ یہ کہہ کر وضو کیا اور نماز کی نیت باندھی کہ اللہ سے مشورہ کئے بغیر میں کچھ جواب نہیں دیتی۔ جس کی برکت یہ ہوئی کہ اللہ جل شانہٗ نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کیا اور قرآنِ پاک کی آیت نازل ہوئی ''فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا'' ۵ (الاحزاب:۳۷) ''پس جب زید نے اپنی حاجت کو اس سے پورا کر لیا تو ہم نے اس

---

[1] طبقات

کو تمہارے نکاح میں دے دیا تا کہ نہ رہے مومنین پر تنگی اپنے لے پالکوں کی بیبیوں کے بارے میں جب کہ وہ اپنی حاجت ان سے پوری کر چکیں اور اللہ کا حکم ہو کر ہی رہا"۔

جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اس آیت کے نازل ہونے پر نکاح کی خوشخبری دی گئی تو جس نے بشارت دی تھی، اس کو وہ زیور نکال کر دیدیا جو وہ اس وقت پہن رہی تھیں اور خود سجدہ میں گر گئیں اور دو مہینے کے روزوں کی مَنت مانی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اس بات پر بجا طور پر فخر تھا کہ سب بیبیوں کا نکاح ان کے عزیز رشتہ داروں نے کیا، مگر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح آسمان پر ہوا اور قرآنِ پاک میں نازل ہوا۔ اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مقابلہ کی نوبت بھی آجاتی تھی کہ ان کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ محبوبہ ہونے پر ناز تھا، اور ان کو آسمان کے نکاح پر ناز تھا، لیکن اس کے باوجود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کے قصّہ میں جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منجملہ اوروں کے ان سے بھی دریافت کیا۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ میں عائشہ میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتی۔ یہ تھی سچّی دین داری، ورنہ یہ وقت سوکن کے الزام لگانے کا تھا اور خاوند کی نگاہ سے گرانے کا، بالخصوص اس سوکن کے جو لاڈلی بھی تھی، مگر اسکے باوجود زور سے صفائی کی اور تعریف کی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بڑی بزرگ تھیں، روزے بھی کثرت سے رکھتی تھیں اور نوافل بھی کثرت سے پڑھتی تھیں، اپنے ہاتھ سے محنت بھی کرتی تھیں اور جو حاصل ہوتا تھا اس کو صدقہ کر دیتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت ازواج مطہرات نے پوچھا کہ ہم میں سے سب سے پہلے آپ سے کون سی بیوی ملے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا ہاتھ لمبا ہو۔ وہ لکڑی لے کر ہاتھ ناپنے لگیں؟ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ ہاتھ کے لمبا ہونے سے بہت زیادہ خرچ کرنا مراد تھا، چنانچہ سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہی کا وصال ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ازواجِ مطہرات کی تنخواہ مُقرّر فرمائی اور ان کے پاس ان کے حصّے کا مال بارہ ہزار درہم بھیجے، تو یہ سمجھیں کہ یہ سب کا ہے، فرمانے لگیں کہ تقسیم کے لئے تو اور بیبیاں زیادہ مناسب تھیں۔ قاصد نے کہا کہ یہ سب آپ ہی کا حصّہ ہے اور تمام سال کے لئے ہے تو تعجب سے کہنے لگیں: سبحان اللہ! اور منہ پر کپڑا ڈال لیا کہ اس مال کو دیکھیں

بھی نہیں۔اس کے بعد فرمایا کہ حجرہ کے کونہ میں ڈال دیا جائے اور اس پر ایک کپڑا ڈلوادیا۔ پھر برزہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا (جو اس قصّہ کو نقل کررہے ہیں) کہ اس میں سے ایک مٹھی بھر کر فلاں کو دے آؤ اور ایک مٹھی فلاں کو، غرض رشتہ داروں اور غریبوں، بیواؤں کو ایک ایک مٹھی تقسیم فرمادیا۔اس میں جب ذرا سا رہ گیا تو برزہ رضی اللہ عنہ نے بھی خواہش ظاہر کی۔فرمایا کہ جو کپڑے کے نیچے رہ گیا وہ تم لے جاؤ۔وہ کہتے ہیں کہ میں نے جو رہ گیا تھا وہ لے لیا اور لے کر گِنا تو چوراسی درہم تھے۔اس کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ یا اللہ! آئندہ سال یہ مال مجھے نہ ملے کہ اس کے آنے میں بھی فتنہ ہے، چنانچہ دوسرے سال کی تنخواہ آنے سے پہلے ہی ان کا وصال ہوگیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی کہ وہ بارہ ہزار تو ختم کردیئے گئے تو انہوں نے ایک ہزار اور بھیجے کہ اپنی ضرورتوں میں خرچ کریں، انہوں نے وہ بھی اسی وقت تقسیم کر دیئے۔باوجود کثرت فتوحات کے انتقال کے وقت نہ کوئی درہم چھوڑا نہ مال، صرف وہ گھر ترکہ تھا جس میں رہتی تھی۔صدقہ کی کثرت کی وجہ سے "مَأْوَى الْمَسَاكِين" (مساکین کا ٹھکانا) ان کا لقب تھا۔[1] ایک عورت کہتی ہیں کہ میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے یہاں تھی اور ہم گیرو[2] سے کپڑے رنگنے میں مشغول تھے۔حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، ہم کو رنگتے ہوئے دیکھ کر واپس تشریف لے گئے۔حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو خیال پیدا ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چیز ناگوار ہوئی، سب کپڑوں کو جو رنگے تھے فوراً دھوڈالا۔دوسرے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، جب دیکھا کہ وہ رنگ کا منظر نہیں ہے تو اندر تشریف لائے۔[3]

ف: عورتوں کو بالخصوص مال سے جو محبّت ہوتی ہے وہ بھی مخفی نہیں اور رنگ وغیرہ سے جو اُنس ہوتا ہے وہ بھی محتاجِ بیان نہیں، لیکن وہ بھی آخر عورتیں تھیں جو مال کا رکھنا جانتی ہی نہ تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمولی سا اشارہ پاکر سارا رنگ دھوڈالا۔

(۱۱) حضرت خَنساء رضی اللہ عنہا کی اپنے چار بیٹوں سمیت جنگ میں شرکت

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا مشہور شاعرہ ہیں۔اپنی قوم کے چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ آکر مسلمان ہوئیں۔اِبنِ اَثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی عورت نے

[1] طبقات، [2] گیرو: لال رنگ، گہرا گلابی، [3] ابوداؤد

ان سے بہتر شعر نہیں کہا، نہ ان سے پہلے نہ ان کے بعد۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ۱۶ھ میں قادسیہ کی لڑائی ہوئی جس میں خنساء رضی اللہ عنہا اپنے چاروں بیٹوں سمیت شریک ہوئیں۔ لڑکوں کو ایک دن پہلے بہت نصیحت کی اور لڑائی کی شرکت پر بہت ابھارا، کہنے لگیں کہ میرے بیٹو! تم اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے ہو اور اپنی ہی خوشی سے تم نے ہجرت کی، اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں جس طرح تم ایک ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہو اسی طرح ایک باپ کی اولاد ہو، میں نے نہ تمہارے باپ سے خیانت کی، نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا، نہ میں نے تمہاری شرافت میں کوئی دھبہ لگایا، نہ تمہارے نسب کو میں نے خراب کیا۔ تمہیں معلوم ہے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے مسلمانوں کے لئے کافروں سے لڑائی میں کیا کیا ثواب رکھا ہے۔ تمہیں یہ بات بھی یاد رکھنا چاہئے کہ آخرت کی باقی رہنے والی زندگی دنیا کی فنا ہو جانے والی زندگی سے کہیں بہتر ہے۔ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا پاک ارشاد ہے: "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝" (آل عمران:۲۰۰) (ترجمہ) "اے ایمان والو! تکالیف پر صبر کرو (اور کفار کے مقابلہ میں) صبر کرو اور مقابلہ کے لئے تیار رہو، تاکہ تم پورے کامیاب ہو"[1]

لہٰذا کل صبح کو جب تم صحیح وسالم اٹھو تو بہت ہوشیاری سے لڑائی میں شریک ہو اور اللہ تعالیٰ سے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد مانگتے ہوئے بڑھو اور جب تم دیکھو کہ لڑائی زور پر آگئی اور اس کے شعلے بھڑکنے لگے تو اس کی گرم آگ میں گھس جانا اور کافروں کے سردار کا مقابلہ کرنا۔ ان شاء اللہ جنّت میں اکرام کے ساتھ کامیاب ہو کر رہو گے، چنانچہ جب صبح کو لڑائی زوروں پر ہوئی تو چاروں لڑکوں میں سے ایک ایک نمبر وار آگے بڑھتا تھا اور اپنی ماں کی نصیحت کو اشعار میں پڑھ کر اُمنگ پیدا کرتا تھا اور جب شہید ہو جاتا تھا تو اسی طرح دوسرا بڑھتا تھا اور شہید ہونے تک لڑتا رہتا تھا۔ بالآخر چاروں شہید ہوئے اور جب ماں کو چاروں کے مرنے کی خبر ہوئی تو انہوں نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ جس نے ان کی شہادت سے مجھے شرف بخشا۔ مجھے اللہ کی ذات سے اُمید ہے کہ اس کی رحمت کے سایہ میں ان چاروں کے ساتھ میں بھی رہوں گی۔[2]

---

[1] بیان القرآن، [2] اسد الغابہ

ف: ایسی بھی اللہ کی بندی مائیں ہوتی ہیں جو چاروں جوان بیٹوں کو لڑائی کی تیزی اور زور میں گھس جانے کی ترغیب دیں اور جب چاروں شہید ہو جائیں اور ایک ہی وقت میں سب کام آجائیں تو اللہ کا شکر ادا کریں۔

(۱۲) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا یہودی کو تنہا مارنا

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن تھیں، اُحد کی لڑائی میں شریک ہوئیں اور جب مسلمانوں کو کچھ شکست ہوئی اور بھاگنے لگے تو وہ برچھا ان کے منہ پر مار مار کر واپس کرتی تھیں۔ غزوۂ خندق میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سب مستورات کو ایک قلعہ میں بند فرما دیا تھا اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بطور محافظ کے چھوڑ دیا تھا۔ یہود کے لئے یہ موقع بہت غنیمت تھا کہ وہ تو اندرونی دشمن تھے ہی۔ یہود کی ایک جماعت نے عورتوں پر حملہ کا ارادہ کیا اور ایک یہودی حالات معلوم کرنے کے لئے قلعہ پر پہنچا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہیں سے دیکھ لیا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے کہا: یہ یہودی موقع دیکھنے آیا ہے، تم قلعہ سے باہر نکلو اور اس کو مار دو۔ وہ ضعیف تھے، ضعف کی وجہ سے ان کی ہمت نہ ہوئی تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ایک خیمہ کا کھونٹا اپنے ہاتھ میں لیا اور خود نکل کر اسکا سر کچل دیا۔ پھر قلعہ میں واپس آکر حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ چونکہ وہ یہودی مرد تھا۔ نامحرم ہونے کی وجہ سے میں نے اس کا سامان اور کپڑے نہیں اتارے، تم اس کے سب کپڑے اتار لاؤ اور اس کا سر بھی کاٹ لاؤ۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ ضعیف تھے جس کی وجہ سے اس کی بھی ہمت نہ فرما سکے تو دوبارہ تشریف لے گئیں اور اس کا سر کاٹ لائیں اور دیوار پر کو یہود کے مجمع میں پھینک دیا۔ وہ دیکھ کر کہنے لگے کہ ہم تو پہلے ہی سے سمجھتے تھے کہ محمد عورتوں کو بالکل تنہا نہیں چھوڑ سکتے ہیں۔ ضرور ان کے محافظ مرد اندر موجود ہیں۔[1]

ف: ۲۰ھ میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا، اس وقت ان کی عمر تہتّر سال کی تھی۔ اس لحاظ سے خندق کی لڑائی میں جو ۵ھ میں ہوئی ان کی عمر اٹھاون سال کی ہوئی۔ آج کل اس عمر کی عورتوں کو گھر کا کام کاج بھی دوبھر ہو جاتا ہے چہ جائیکہ ایک مرد کا اس

[1] اسد الغابہ

طرح تنہا قتل کر دینا اور ایسی حالت میں کہ یہ تنہا عورتیں اور دوسری جانب یہود کا مجمع۔

(۱۳) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا عورتوں کے اجر کے بارے میں سوال

اَسماء بِنتِ یزید رضی اللہ عنہا انصاری صحابیہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں مسلمان عورتوں کی طرف سے بطور قاصد کے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ بیشک آپ کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے مرد اور عورت دونوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا۔ اس لئے ہم عورتوں کی جماعت آپ پر ایمان لائی اور اللہ پر ایمان لائی، لیکن ہم عورتوں کی جماعت مکانوں میں گھری رہتی ہے، پردوں میں بند رہتی ہے، مردوں کے گھروں میں گڑی رہتی ہے اور مردوں کی خواہشیں ہم سے پوری کی جاتی ہیں، ہم ان کی اولاد کو پیٹ میں اٹھائے رہتی ہیں اور ان سب باتوں کے باوجود مرد بہت سے ثواب کے کاموں میں ہم سے بڑھے رہتے ہیں، جمعہ میں شریک ہوتے ہیں، جماعت کی نمازوں میں شریک ہوتے ہیں، بیماروں کی عیادت کرتے ہیں، جنازوں میں شرکت کرتے ہیں، حج پر حج کرتے رہتے ہیں اور ان سب سے بڑھ کر جہاد کرتے رہتے ہیں اور جب وہ حج کے لئے یا عمرہ کے لئے یا جہاد کے لئے جاتے ہیں تو ہم عورتیں ان کے مالوں کی حفاظت کرتی ہیں، ان کے لئے کپڑا بنتی ہیں، ان کی اولاد کو پالتی ہیں۔ کیا ہم ثواب میں ان کی شریک نہیں؟

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ تم نے دین کے بارے میں اس عورت سے بہتر سوال کرنے والی کوئی سنی؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم کو خیال بھی نہ تھا کہ عورت بھی ایسا سوال کر سکتی ہے۔ اس کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اسماء رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ غور سے سن اور سمجھ اور جن عورتوں نے تجھ کو بھیجا ہے ان کو بتا دے کہ عورت کا اپنے خاوند کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور اس کی خوشنودی کو ڈھونڈنا اور اس پر عمل کرنا ان سب چیزوں کے ثواب کے برابر ہے۔ اَسماء رضی اللہ عنہا یہ جواب سن کر نہایت خوش ہوتی ہوئی واپس ہو گئیں۔[1]

---

[1] اسد الغابہ

ف: عورتوں کا اپنے خاوندوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور ان کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا بہت ہی قیمتی چیز ہے، مگر عورتیں اس سے بہت ہی غافل ہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا کہ عجمی لوگ اپنے بادشاہوں اور سرداروں کو سجدہ کرتے ہیں، آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کیا کریں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر میں اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کا حکم کرتا تو عورتوں کو حکم کرتا کہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کریں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ عورت اپنے رَب کا حق اس وقت تک ادا نہیں کرسکتی جب تک کہ خاوند کا حق ادا نہ کرے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک اونٹ آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: جب یہ جانور آپ کو سجدہ کرتا ہے تو ہم زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور یہی ارشاد فرمایا کہ اگر میں کسی کو حکم کرتا کہ کسی کو اللہ کے سوا سجدہ کرے تو عورت کو حکم کرتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو عورت ایسی حالت میں مرے کہ خاوند اس سے راضی ہو وہ جنّت میں جائے گی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر عورت خاوند سے ناراض ہو کر علیحدہ رات گذارے تو فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ دو آدمیوں کی نماز قبولیت کے لئے آسمان کی طرف اتنی بھی نہیں جاتی کہ سَر سے اوپر ہی ہو جائے: ایک وہ غلام جو اپنے آقا سے بھاگا ہو، اور ایک وہ عورت جو کہ خاوند کی نافرمانی کرتی ہو۔

(۱۴) حضرت اُمِّ عَمّارَہ رضی اللہ عنہا کا اسلام اور جنگ میں شرکت

حضرت اُمِ عمارہ انصاریہ رضی اللہ عنہا ان عورتوں میں ہیں جو اسلام کے شروع زمانہ میں مسلمان ہوئیں اور ''بیعتُ العَقَبہَ'' میں شریک ہوئیں۔ عقبہ کے معنی گھاٹی کے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اوّل چھپ کر مسلمان کرتے تھے، کیونکہ مشرک و کافر لوگ نومسلموں کو سخت تکلیف پہنچاتے تھے۔ مدینہ کے کچھ لوگ حج کے زمانہ میں آتے تھے اور منیٰ کے پہاڑ میں ایک گھاٹی میں چھپ کر مسلمان ہوتے تھے۔ تیسری مرتبہ جو لوگ مدینہ سے آئے ہیں ان میں یہ بھی تھیں۔ ہجرت کے بعد جب لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو یہ اکثر لڑائیوں میں

شریک ہوئیں، بالخصوص اُحد، حدیبیہ، خیبر، عمرۃُ القضاء، حُنَین اور یَمامہ کی لڑائی میں۔ اُحد کی لڑائی کا قصّہ خود ہی سناتی ہیں کہ میں مشکیزہ پانی کا بھر کر اُحد کو چل دی کہ دیکھوں مسلمانوں پر کیا گذری اور کوئی پیاسا زخمی ملا تو پانی پلا دوں گی۔ اس وقت ان کی عمر تینتالیس[۴۳] برس کی تھی۔

ان کے خاوند اور دو بیٹے بھی لڑائی میں شریک تھے، مسلمانوں کو فتح اور غلبہ ہو رہا تھا، مگر تھوڑی دیر میں جب کافروں کا غلبہ ظاہر ہونے لگا تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ گئی اور جو کافر ادھر کا رخ کرتا تھا اس کو ہٹاتی تھی۔ ابتدا میں ان کے پاس ڈھال بھی نہ تھی، بعد میں ملی جس پر کافروں کا حملہ روکتی تھیں۔ کمر پر ایک کپڑا باندھ رکھا تھا جس کے اندر مختلف چیتھڑے بھرے ہوئے تھے۔ جب کوئی زخمی ہو جاتا تو ایک چیتھڑا نکال کر جلا کر اس زخم میں بھر دیتیں۔ خود بھی کئی جگہ سے زخمی ہوئیں، بارہ تیرہ جگہ زخم آئے، جن میں ایک بہت سخت تھا۔ اُمّ سعید رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے ان کے مونڈھے پر ایک بہت گہرا زخم دیکھا، میں نے پوچھا: یہ کس طرح پڑا تھا؟ کہنے لگیں کہ اُحد کی لڑائی میں جب لوگ ادھر ادھر پریشان پھر رہے تھے، تو ابن قَمِیئَہ یہ کہتا ہوا بڑھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہیں، مجھے کوئی بتا دو کہ کدھر ہیں؟ اگر آج وہ بچ گئے تو میری نجات نہیں۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور چند آدمی اس کے سامنے آ گئے ان میں مَیں بھی تھی، اس نے میرے مونڈھے پر وار کیا، میں نے بھی اس پر کئی وار کئے، مگر اس پر دوہری زِرہ تھی اس لئے زِرہ سے حملہ رک جاتا تھا۔ یہ زخم ایسا سخت تھا کہ سال بھر تک علاج کیا مگر اچھا نہ ہوا۔ اسی دوران میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''حَمراءُ الاَسد'' کی لڑائی کا اعلان فرما دیا۔ ام عمارہ رضی اللہ عنہا بھی کمر باندھ کر تیار ہو گئیں مگر چونکہ پہلا زخم بالکل ہرا تھا اس لئے شریک نہ ہو سکیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب حمراءُ الاسد سے واپس ہوئے تو سب سے پہلے ام عمارہ رضی اللہ عنہا کی خیریت معلوم کی اور جب معلوم ہوا کہ افاقہ ہے تو بہت خوش ہوئے۔ اس زخم کے علاوہ اور بھی بہت سے زخم اُحد کی لڑائی میں آئے تھے۔ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اصل میں وہ لوگ گھوڑے سوار تھے اور ہم پیدل تھے، اگر وہ بھی ہماری طرح پیدل ہوتے جب بات تھی، اس وقت اصل مقابلہ کا پتہ چلتا۔ جب گھوڑے پر کوئی آتا اور مجھے مارتا تو اس کے حملوں کو میں ڈھال پر روکتی رہتی اور جب وہ مجھ سے منہ موڑ کر دوسری طرف چلتا تو میں اس کے گھوڑے کی

ٹانگ پر حملہ کرتی اور وہ کٹ جاتی جس سے وہ بھی گرتا اور سوار بھی گرتا اور جب وہ گرتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے لڑکے کو آواز دے کر میری مدد کو بھیجتے، میں اور وہ دونوں مل کر اس کو نمٹا دیتے۔ ان کے بیٹے عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے بائیں بازو میں زخم آیا اور خون تھمتا نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس پر پٹی باندھ لو۔ میری والدہ آئیں، اپنی کمر میں سے کچھ کپڑا نکالا، پٹی باندھی اور باندھ کر کہنے لگیں کہ جا، کافروں سے مقابلہ کر۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ فرمانے لگے: اُمِ عمارہ! اتنی ہمت کون رکھتا ہوگا جتنی تو رکھتی ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دوران میں ان کو اور ان کے گھرانے کو کئی بار دعائیں بھی دیں اور تعریف بھی فرمائی۔ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اسی وقت ایک کافر سامنے آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ یہی ہے جس نے تیرے بیٹے کو زخمی کیا ہے۔ میں بڑھی اور اس کی پنڈلی پر وار کیا جس سے وہ زخمی ہوا اور ایک دم بیٹھ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا کہ بیٹے کا بدلہ لے لیا۔ اس کے بعد ہم لوگ آگے بڑھے اور اس کو نمٹا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہم لوگوں کو دعائیں دیں تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! دعا فرمایئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ جنّت میں آپ کی رفاقت نصیب فرمائیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دعا فرمادی تو کہنے لگیں کہ اب مجھے کچھ پرواہ نہیں کہ دنیا میں مجھ پر کیا مصیبت گذری۔ اُحد کے علاوہ اور بھی کئی لڑائیوں میں ان کی شرکت اور کارنامے ظاہر ہوئے ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وِصال کے بعد اِرتداد کا زور شور ہوا اور یمامہ میں زبردست لڑائی ہوئی، اس میں بھی اُم عمارہ رضی اللہ عنہا شریک تھیں۔ ان کا ایک ہاتھ بھی اس میں کٹ گیا تھا اور اسکے علاوہ گیارہ زخم بدن پر آئے تھے۔ انہیں زخموں کی حالت میں مدینہ طیّبہ پہنچیں۔[1]

ف: ایک عورت کے یہ کارنامے ہیں جن کی عمر اُحد کی لڑائی میں تینتالیس[۴۳] برس کی تھی جیسا کہ پہلے گذرا اور یَمامہ کی لڑائی میں تقریباً باون[۵۲] برس کی۔ اس عمر میں ایسے معرکوں کی اس طرح شرکت کرامت ہی کہی جاسکتی ہے۔

---

[1] طبقات

(۱۵) حضرت اُمِّ حکیم رضی اللہ عنہا کا اسلام اور جنگ میں شرکت

اُم حکیم رضی اللہ عنہا بنتِ حارث جو عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل کی بیوی تھیں اور کُفّار کی طرف سے اُحُد کی لڑائی میں بھی شریک ہوئیں تھیں۔ جب مکّہ مکرمہ فتح ہوگیا تو مسلمان ہوگئیں۔ خاوند سے بہت زیادہ محبّت تھی، مگر وہ اپنے باپ کے اثر کی وجہ سے مسلمان نہیں ہوئے تھے اور جب مکّہ فتح ہوگیا تو یمن بھاگ گئے تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے خاوند کے لئے امن چاہا اور خود یمن پہنچیں۔ خاوند کو بڑی مشکل سے واپس آنے پر راضی کیا اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار سے ان کے دامن ہی میں پناہ مل سکتی ہے، تم میرے ساتھ چلو۔ وہ مدینہ طیّبہ واپس آکر مسلمان ہوئے اور دونوں میاں بیوی خوش وخرم رہے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں جب روم کی لڑائی ہوئی تو اس میں عکرمہ رضی اللہ عنہ بھی شریک ہوئے اور یہ بھی ساتھ تھیں۔ حضرت عِکرِمہ رضی اللہ عنہ اس میں شہید ہوگئے تو خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کرلیا اور اسی سفر میں ''مرجُ الصَفَر'' ایک جگہ کا نام ہے وہاں رخصتی کا ارادہ کیا۔ بیوی نے کہا کہ ابھی دشمنوں کا جمگھٹا ہے اس کو نمٹنے دیجئے۔ خاوند نے کہا کہ مجھے اس معرکہ میں اپنے شہید ہونے کا یقین ہے، وہ بھی چپ ہوگئیں اور وہیں ایک منزل پر خیمہ میں رخصتی ہوئی۔ صبح کو ولیمہ کا انتظام ہو ہی رہا تھا کہ رومیوں کی فوج چڑھ آئی اور گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں خالد بن سعید رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ ام حکیم رضی اللہ عنہا نے اس خیمہ کو اکھاڑا جس میں رات گذری تھی اور اپنا سب سامان باندھا اور خیمہ کا کھونٹا لے کر خود بھی مقابلہ کیا اور سات آدمیوں کو تنِ تنہا نے قتل کیا۔[1]

ف: ہمارے زمانہ کی کوئی عورت تو درکنار مرد بھی ایسے وقت میں نکاح کو تیار نہ ہوتا اور اگر نکاح ہو بھی جاتا تو اس اچانک شہادت پر روتے روتے نہ معلوم کتنے دن سوگ میں گذرتے۔ اس اللہ کی بندی نے خود بھی جہاد شروع کردیا اور عورت ہوکر سات آدمیوں کو قتل کیا۔

(۱۶) حضرت سمیہ اُمّ عمّار رضی اللہ عنہا کی شہادت

سمیہ بنت خیاط حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں جن کا قصّہ پہلے باب کے ساتویں نمبر پر

---

[1] اسد الغابہ

گذر چکا ہے۔ یہ بھی اپنے لڑکے حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور اپنے خاوند حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کی طرح اسلام کی خاطر قسم قسم کی تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کرتی تھیں، مگر اسلام کی سچّی محبّت جو دل میں گھر کر چکی تھی اس میں ذرا بھی فرق نہ آتا تھا۔ ان کو گرمی کے سخت وقت دھوپ میں کنکریوں پر ڈالا جاتا تھا اور لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کیا جاتا تھا تاکہ دھوپ سے لوہا تپنے لگے اور اس کی گرمی سے تکلیف میں زیادتی ہو۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر کو گذر ہوتا تو صبر کی تلقین فرماتے اور جنّت کا وعدہ فرماتے۔ ایک مرتبہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کھڑی تھیں کہ ابوجہل کا ادھر کو گذر ہوا، برا بھلا کہا اور غصہ میں برچھا شرمگاہ پر مارا جس کے زخم سے انتقال فرما گئیں۔ اسلام کی خاطر سب سے پہلی شہادت انہیں کی ہوئی۔[1]

ف: عورتوں کا اس قدر صبر، ہمت اور استقلال قابلِ رشک ہے، لیکن بات یہ ہے کہ جب آدمی کے دل میں کوئی چیز گھر کر جاتی ہے تو اس کو ہر بات سہل ہو جاتی ہے۔ اب بھی عشق کے بیسیوں قصّے اس قسم کے سننے میں آتے ہیں کہ جان دے دی، مگر یہی جان دینا اگر اللہ کے راستہ میں ہو، دین کی خاطر ہو تو دوسری زندگی میں جو مرنے کے ساتھ ہی شروع ہو جاتی ہے سرخروئی کا سبب ہے اور اگر کسی دنیاوی غرض سے ہو تو دنیا تو گئی تھی ہی، آخرت بھی برباد ہوئی۔

(۱۷) حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کی زندگی اور تنگی

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سوتیلی بہن مشہور صحابیات میں سے ہیں، شروع ہی میں مسلمان ہو گئی تھیں۔ کہتے ہیں کہ سترہ آدمیوں کے بعد یہ مسلمان ہوئی تھیں۔ ہجرت سے ستائیس سال پہلے پیدا ہوئیں اور جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ پہنچ گئے تو حضرت زید رضی اللہ عنہ وغیرہ کو بھیجا کہ ان دونوں حضرات کے اہل وعیال کو لے آئیں، ان کیساتھ ہی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بھی چلی آئیں۔ جب قبا میں پہنچیں تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور ہجرت کے بعد سب سے پہلی پیدائش ان کی ہوئی۔

---

[1] اسد الغابہ

اس زمانہ کی عام غربت، تنگ دستی، فقر و فاقہ مشہور و معروف ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس زمانہ کی ہمت، جفاکشی، بہادری، جرأت ضرب المثل ہیں۔

بخاری میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا طرزِ زندگی خود ان کی زبان سے نقل کیا ہے۔ فرماتی ہیں کہ جب میرا نکاح زبیر رضی اللہ عنہ سے ہوا تو ان کے پاس نہ مال تھا نہ جائیداد، نہ کوئی خادم کام کرنے والا، نہ کوئی اور چیز۔ ایک اونٹ پانی لاد کر لانے والا اور ایک گھوڑا۔ میں ہی اونٹ کے لئے گھاس وغیرہ لاتی تھی اور کھجور کی گٹھلیاں کوٹ کر دانہ کے طور پر کھلاتی تھی۔ خود میں پانی بھر کر لاتی اور پانی کا ڈول پھٹ جاتا تو اس کو آپ ہی سیتی تھی اور خود ہی گھوڑے کی ساری خدمت گھاس دانہ وغیرہ کرتی تھی اور گھر کا سارا کاروبار بھی انجام دیتی تھی۔ مگر ان سب کاموں میں گھوڑے کی خبر گیری اور خدمت میرے لئے زیادہ مشقت کی چیز تھی۔ روٹی البتہ مجھے اچھی طرح پکانا نہیں آتی تھی تو میں آٹا گوندھ کر اپنے پڑوس کی انصار عورتوں کے یہاں لے جاتی، وہ بڑی سچی مخلص عورتیں تھیں، میری روٹی بھی پکا دیتی تھیں۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچنے پر زبیر رضی اللہ عنہ کو ایک زمین جاگیر کے طور پر دے دی جو دو میل کے قریب تھی۔ میں وہاں سے اپنے سر پر کھجور کی گٹھلیاں لاد کر لایا کرتی تھی۔ میں ایک مرتبہ اسی طرح آرہی تھی اور گٹھری میرے سر پر تھی۔ راستہ میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مل گئے، اونٹ پر تشریف لا رہے تھے اور انصار کی ایک جماعت ساتھ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ کر اونٹ ٹھہرایا اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تاکہ میں اس پر سوار ہو جاؤں، مجھے مردوں کے ساتھ جاتے ہوئے شرم آئی اور یہ بھی خیال آیا کہ زبیر کو غیرت بہت ہی زیادہ ہے، ان کو بھی یہ ناگوار ہوگا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے انداز سے سمجھ گئے کہ مجھے اس پر بیٹھتے ہوئے شرم آتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، میں گھر آئی اور زبیر کو قصہ سنایا کہ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم ملے اور یہ ارشاد فرمایا۔ مجھے شرم آئی اور تمہاری غیرت کا خیال بھی آیا۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خدا کی قسم! تمہارا گٹھلیاں سر پر رکھ کر لانا میرے لئے اس سے بہت زیادہ گراں ہے (مگر مجبوری یہ تھی کہ یہ حضرات خود تو زیادہ تر جہاد میں اور دین کے دوسرے امور میں مشغول رہتے تھے، اس لئے گھر کے کاروبار عام طور پر عورتوں ہی کو کرنا پڑتے تھے)۔ اس کے بعد میرے باپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک خادم جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیا تھا

میرے پاس بھیج دیا جس کی وجہ سے گھوڑے کی خدمت سے مجھے خلاصی ملی، گویا بڑی قید سے میں آزاد ہوگئی۔[1]

ف: عرب کا دستور پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے کہ کھجور کی گٹھلیاں کوٹ کر یا چکی میں دَل کر پھر پانی میں بھگو کر جانوروں کو دانہ کے طور پر کھلاتے ہیں۔

(۱۸) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہجرت کے وقت مال لے جانا اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا اپنے دادا کو اطمینان دلانا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرت فرما کر تشریف لے جارہے تھے تو اس خیال سے کہ نہ معلوم راستہ میں کیا ضرورت درپیش ہو کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی ساتھ تھے، اس لئے جو کچھ مال اس وقت موجود تھا، جس کی مقدار پانچ چھ ہزار درہم تھی وہ سب ساتھ لے گئے تھے۔ ان حضرات کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ابوقُحافہ جو نابینا ہو گئے تھے اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، پوتیوں کے پاس تسلّی کے لئے آئے۔ آکر افسوس سے کہنے لگے کہ میرا خیال ہے کہ ابوبکر نے اپنے جانے کا صدمہ بھی تم کو پہنچایا اور مال بھی شاید سب لے گیا کہ یہ دوسری مشقت تم پر ڈالی۔ اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے کہا: نہیں دادے اَبّا! وہ تو بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں۔ یہ کہہ کر میں نے چھوٹی چھوٹی پتھریاں جمع کر کے گھر کے اس طاق میں بھر دیں جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے درہم پڑے رہتے تھے اور ان پر ایک کپڑا ڈال کر دادے کا ہاتھ اس کپڑے پر رکھ دیا جس سے انہوں نے ہاتھ سے یہ اندازہ کیا کہ یہ درہم بھرے ہوئے ہیں۔ کہنے لگے: خیر! یہ اس نے اچھا کیا۔ تمہارے گذارہ کی صورت اس میں ہو جائے گی۔ اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ خدا کی قسم! کچھ بھی نہیں چھوڑا تھا، مگر میں نے دادے کی تسلّی کے لئے یہ صورت اختیار کی کہ ان کو اس کا صدمہ نہ ہو۔[2]

ف: یہ دل گردہ کی بات ہے، ورنہ دادے سے زیادہ ان لڑکیوں کو صدمہ ہونا چاہئے تھا اور جتنی بھی شکایت اس وقت دادا کے سامنے کرتیں درست تھا کہ اس وقت کا ظاہری

---

[1] بخاری، فتح، [2] مسند احمد

سہارا ان پر ہی تھا۔ ان کے متوجہ کرنے کی بظاہر بہت ضرورت تھی کہ ایک تو باپ کی جدائی، دوسرے گذارہ کی کوئی صورت ظاہراً نہیں۔ پھر مکّہ والے عام طور سے دشمن اور بے تعلّق، مگر اللہ جل شانہٗ نے ایک ایک ادا ان سب حضرات کو، مرد ہوں یا عورت ایسی عطا فرمائی تھی کہ رشک آنے کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اول میں نہایت مالدار اور بہت بڑے تاجر تھے، لیکن اسلام کی اور اللہ کی راہ میں یہاں تک خرچ فرمایا کہ غزوۂ تبوک میں جو کچھ گھر میں تھا سب ہی کچھ لا دیا جیسا کہ چھٹے باب کے چوتھے قصّے میں مفصّل گذرا ہے، اسی وجہ سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں پہنچایا جتنا ابو بکر کے مال نے۔ میں ہر شخص کے احسانات کا بدلہ دے چکا ہوں، مگر ابوبکر کے احسانات کا بدلہ اللہ ہی دیں گے۔

(۱۹) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی سخاوت

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بڑی سخی تھیں۔ اول جو کچھ خرچ کرتی تھیں اندازہ سے ناپ تول کر خرچ کرتی تھیں۔ مگر جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ باندھ باندھ کر نہ رکھا کر اور حساب نہ لگایا کر، جتنا بھی قدرت میں ہو خرچ کر لیا کر، تو پھر خوب خرچ کرنے لگیں۔ اپنی بیٹیوں اور گھر کی عورتوں کو نصیحت کیا کرتی تھیں کہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے اور صدقہ کرنے میں ضرورت سے زیادہ ہونے اور بچنے کا انتظار نہ کیا کرو، کہ اگر ضرورت سے زیادتی کا انتظار کرتی رہو گی تو ہونے کا ہی نہیں (کہ ضرورت خود بڑھتی رہتی ہے) اور اگر صدقہ کرتی رہو گی تو صدقہ میں خرچ کر دینے سے نقصان میں نہ رہو گی۔[1]

ف: ان حضرات کے پاس جتنی تنگی اور ناداری تھی اتنی ہی صدقہ وخیرات اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی گنجائش اور وُسعت تھی۔ آج کل مسلمانوں میں افلاس وتنگی کی عام شکایت ہے، مگر شاید ہی کوئی ایسی جماعت نکلے جو پیٹ پر پتھر باندھ کر گذر کرتی ہو یا ان پر کئی کئی دن کا مسلسل فاقہ ہو جاتا ہو۔

---

[1] طبقات

(۲۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ہجرت اور انتقال

دو جہان کے سردار حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نبوت سے دس برس پہلے جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف تیس برس کی تھی پیدا ہوئیں اور خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع سے نکاح ہوا، ہجرت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ جاسکیں۔ ان کے خاوند بدر کی لڑائی میں کُفّار کے ساتھ شریک ہوئے اور قید ہوئے۔ اہلِ مکّہ نے جب اپنے قیدیوں کی رہائی کے لئے فدیے ارسال کئے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے خاوند کی رہائی کے لئے مال بھیجا جس میں وہ ہار بھی تھا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جہیز میں دیا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد تازہ ہوگئی۔ آبدیدہ ہوئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے یہ قرار پایا کہ ابوالعاص کو بلا فدیہ کے اس شرط پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ واپس جا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ طیّبہ بھیج دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو لینے کے لئے ساتھ کر دیئے کہ وہ مکّہ سے باہر ٹھہر جائیں اور ان کے پاس تک ابوالعاص پہنچوا دیں، چنانچہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے دیور کِنانہ کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو کر روانہ ہوئیں۔ کُفّار کو جب اس کی خبر ہوئی تو آگ بگولہ ہو گئے اور ایک جماعت مُزاحمت کے لئے پہنچ گئی جن میں حبار بن اسود جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی کا لڑکا تھا اور اس لحاظ سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا بھائی ہوا۔ وہ اور اس کے ساتھ ایک اور شخص بھی تھا۔ ان دونوں میں سے کسی نے اور اکثروں نے حبار ہی کو لکھا ہے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نیزہ مارا جس سے وہ زخمی ہو کر اونٹ سے گریں، چونکہ حاملہ تھیں اس وجہ سے پیٹ سے بچہ بھی ضائع ہوا۔ کنانہ نے تیروں سے مقابلہ کیا۔ ابوسفیان نے ان سے کہا کہ محمد کی بیٹی اور اس طرح علی الاعلان چلی جائے، یہ تو گوارا نہیں۔ اس وقت واپس چلو، پھر چپکے سے بھیج دینا۔ کنانہ نے اس کو قبول کر لیا اور واپس لے آئے، دو ایک روز بعد پھر روانہ کیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا یہ زخم کئی سال تک رہا اور کئی سال اس میں بیمار رہ کر ۸ھ میں انتقال فرمایا، رضی اللہ عنہا وارضاہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ میری سب سے اچھی بیٹی تھی جو میری محبّت میں ستائی گئی۔ دفن کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود قبر میں اترے اور

دفن فرمایا۔ اترتے وقت بہت رنجیدہ تھے، جب باہر تشریف لائے تو چہرہ کھلا ہوا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا، تو ارشاد فرمایا کہ مجھے زینب کے ضعف کا خیال تھا۔ میں نے دعا کی کہ قبر کی تنگی اور اس کی سختی اس سے ہٹادی جائے، اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا۔[1]

ف: حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تو صاحبزادی اور دین کی خاطر اتنی مشقت اٹھائی کہ جان بھی اسی میں دی۔ پھر بھی قبر کی تنگی کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی ضرورت پیش آئی تو ہم جیسوں کا کیا پوچھنا، اس لئے آدمی کو اکثر اوقات قبر کے لئے دعا کرنا چاہئے۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم کی وجہ سے اکثر اوقات عذابِ قبر سے پناہ مانگتے تھے۔ "اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ بِمَنِّكَ وَكَرَمِكَ وَفَضْلِكَ"۔

(۲۱) حضرت رُبَیِّع بنتِ مُعَوِّذ رضی اللہ عنہا کی غیرتِ دینی

ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا ایک انصاری صحابیہ ہیں۔ اکثر لڑائیوں میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئی ہیں۔ زخمیوں کی دوادارو فرمایا کرتی تھیں اور مقتولین اور شہداء کی نعشیں اٹھا کر لایا کرتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے مسلمان ہوگئی تھیں، ہجرت کے بعد شادی ہوئی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شادی کے دن ان کے گھر تشریف لے گئے تھے، وہاں چند لڑکیاں خوشی میں شعر پڑھ رہی تھیں جن میں انصار کے اسلامی کارنامے اور ان کے بڑوں کا ذکر تھا جو بدر کی لڑائی میں شہید ہوئے تھے، ان میں سے ایک نے یہ مصرعہ بھی پڑھا: "وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَافِيْ غَدٍ" (ہم میں ایک ایسے نبی ہیں جو آئندہ کی باتوں کو جانتے ہیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پڑھنے کو منع فرمادیا، کیونکہ آئندہ کے حالات اللہ ہی کو معلوم ہیں۔ ربیع کے والد حضرت مُعَوِّذ رضی اللہ عنہ ابوجہل کے قتل کرنے والوں میں ہیں۔ ایک عورت جس کا نام اسماء رضی اللہ عنہا تھا عطر بیچا کرتی تھی، وہ ایک مرتبہ چند عورتوں کے ساتھ حضرت ربیع رضی اللہ عنہا کے گھر بھی گئی اور ان سے نام حال پتہ وغیرہ جیسے کہ عورتوں کی عادت ہوتی ہے دریافت کیا، انہوں نے بتادیا۔ ان کے والد کا نام سن کر وہ کہنے لگی کہ تو اپنے سردار کے قاتل کی بیٹی ہے۔ ابوجہل چونکہ عرب کا سردار شمار کیا جاتا تھا۔ اس لئے اپنے سردار کا قاتل کہا۔ یہ سن کر

[1] خمیس

ربیع رضی اللہ عنہا کو غصہ آ گیا۔ کہنے لگی کہ میں اپنے غلام کے قاتل کی بیٹی ہوں۔ ربیع رضی اللہ عنہ کو غیرت آئی کہ ابوجہل کو اپنے باپ کا سردار سنے، اس لئے انہوں نے اپنے غلام کے لفظ سے ذکر کیا۔ اسماء کو ابوجہل کے متعلق غلام کا لفظ سن کر غصہ آیا اور کہنے لگی کہ مجھ پر حرام ہے کہ تیرے ہاتھ عطر فروخت کروں۔ ربیع رضی اللہ عنہا نے کہا کہ مجھ پر بھی حرام ہے کہ تجھ سے عطر خریدوں، میں نے تیرے عطر کے سوا کسی عطر میں گندگی اور بدبو نہیں دیکھی۔[1]

ف: ربیع رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے بدبو کا لفظ اس کے جلانے کو کہا تھا، یہ حمیّت اور دینی غیرت تھی کہ دین کے اس سخت دشمن کے متعلق وہ سرداری کا لفظ نہ سن سکیں۔ آج کل دین کے بڑے سے بڑے دشمن پر بھی اس سے اونچے اونچے لفظ بولے جاتے ہیں اور کوئی شخص اگر منع کرے تو وہ تنگ نظر بتادیا جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ منافق کو سردار مت کہو، اگر وہ تمہارا سردار ہو گیا تو تم نے اپنے رب کو ناراض کیا۔[2]

معلومات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیاں اور اولاد

اپنے آقا اور دو جہان کے سردار حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں اور اولاد کا حال معلوم کرنے کا اشتیاق ہوا کرتا ہے اور ہر مسلمان کو ہونا بھی چاہئے، اس لئے مختصر حال ان کا لکھا جاتا ہے کہ تفصیلی حالات کے لئے تو بڑی ضخیم کتاب چاہئے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح جن پر محدثین اور مؤرخین کا اتفاق ہے، گیارہ عورتوں سے ہوا، اس سے زیادہ میں اختلاف ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ ان میں سب سے پہلا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا[3] سے ہوا جو بیوہ تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف اس وقت پچیس برس کی تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس برس کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد بھی بجز حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے سب انہیں سے ہوئی جن کا بیان بعد میں آئے گا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی سب سے اول تجویز ورقہ بن نوفل سے ہوئی تھی، مگر نکاح کی نوبت نہیں آئی۔ اس کے بعد دو شخصوں سے نکاح ہوا، اہلِ تاریخ کا

---

[1] اسد الغابہ، [2] [3] ابوداؤد

اس میں اختلاف ہے کہ ان دونوں میں پہلے کس سے ہوا۔ اکثر کی رائے یہ ہے کہ پہلے عتیق بن عائذ سے ہوا جن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جن کا نام "ہند" تھا اور وہ بڑی ہو کر مسلمان ہوئیں اور صاحبِ اولاد بھی، اور بعضوں نے لکھا ہے کہ عتیق سے ایک لڑکا بھی ہوا جس کا نام عبداللہ یا عبد مناف تھا، عتیق کے بعد پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوہالہ سے ہوا جن سے ہند اور ہالہ دو اولاد ہوئیں۔ اکثروں نے کہا ہے کہ دونوں لڑکے تھے اور بعضوں نے لکھا ہے کہ ہند لڑکا ہے اور ہالہ لڑکی۔ "ہند" حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت تک زندہ رہے۔

ابوہالہ کے انتقال کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا جس وقت کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس برس کی تھی۔ نکاح کے بعد پچیس برس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں رہیں اور رمضان ۱۰ سنہ نبوی میں پینسٹھ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بے حد محبت تھی اور ان کی زندگی میں کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا۔ ان کا لقب اسلام سے پہلے ہی سے "طاہرہ" تھا، اسی وجہ سے ان کی اولاد جو دوسرے خاوندوں سے ہے وہ بھی بنُو الطّاہرہ کہلاتی ہے۔ ان کے فضائل حدیث کی کتابوں میں کثرت سے ہیں، ان کے انتقال پر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قبر مبارک میں اتر کر ان کو دفن فرمایا تھا۔ نمازِ جنازہ اس وقت تک مشروع نہیں ہوئی تھی۔ ان کے بعد اسی سال شوال میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ ان دونوں میں پہلے کس کا نکاح ہوا۔ بعض مؤرخین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح پہلے ہونا لکھا ہے اور بعضوں کی رائے یہ ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے پہلے ہوا، بعد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے حالات

حضرت سَودہ رضی اللہ عنہا بھی بیوہ تھیں، ان کے والد کا نام زَمعہ بن قیس ہے، پہلے سے اپنے چچا زاد بھائی سَکران بن عَمرو کے نکاح میں تھیں۔ دونوں مسلمان ہوئے اور ہجرت فرما کر حَبشہ تشریف لے گئے اور حبشہ میں سکران کا انتقال ہو گیا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ مکّہ واپس آ کر انتقال فرمایا۔ ان کے انتقال کے بعد سنہ ۱۰ نبوی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے

انتقال کے کچھ دنوں بعد ان سے نکاح ہوا اور رخصتی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی سے سب کے نزدیک پہلے ہی ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ تو کثرت سے نماز میں مشغول رہنا تھی ہی۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے عرض کیا کہ رات آپ نے اتنا لمبا رکوع کیا کہ مجھے اپنی ناک سے نکسیر نکلنے کا ڈر ہو گیا (یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہی تھیں، چونکہ بدن کی بھاری تھیں اس وجہ سے اور بھی مشقت ہوئی ہوگی) ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے خاوند کی خواہش نہیں، مگر یہ تمنا ہے کہ جنّت میں حضور کی بیویوں میں داخل رہوں، اس لئے مجھے آپ طلاق نہ دیں میں اپنی باری عائشہ کو دیتی ہوں۔ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا اور اس وجہ سے ان کی باری کا دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حصہ میں آیا تھا۔ ۵۴ھ یا ۵۵ھ میں اور بعض نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اخیر زمانۂ خلافت میں وفات پائی۔ ان کے علاوہ ایک سودہ اور بھی ہیں جو قریش ہی کی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کا ارادہ فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ مجھے ساری دنیا میں سب سے زیادہ محبوب آپ ہیں، مگر میرے پانچ چھ بچے ہیں۔ مجھے یہ بات گراں ہے کہ وہ آپ کے سرہانے روئیں چلائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس بات کو پسند فرمایا، تعریف کی اور نکاح کا ارادہ ملتوی فرمادیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی نکاح مکّہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے شوال ۱۰ھ نبوی میں ہوا جس وقت کہ ان کی عمر چھ سال کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں صرف یہی ایک ایسی ہیں جن سے کنوارے پن میں نکاح ہوا اور باقی سب سے نکاح بیوگی کی حالت میں ہوا۔ نبوت سے چار سال بعد یہ پیدا ہوئیں اور ہجرت کے بعد جب ان کی عمر کو نواں برس تھا رخصتی ہوئی اور اٹھارہ سال کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، اور چھیاسٹھ سال کی عمر میں ۱۷ رمضان ۵۷ھ کو منگل کی شب میں ان کا وصال ہوا، خود ہی وصیّت فرمائی تھی کہ مجھے عام قبرستان میں جہاں اور بیبیاں دفن کی گئیں ہیں دفن کیا جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب

حجرہ شریفہ میں نہ دفن کیا جائے۔ چنانچہ ''بقیع'' میں دفن کی گئیں۔

عرب میں یہ مشہور تھا کہ شوال کے مہینہ میں نکاح نامبارک ہوتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرا نکاح بھی شوال میں ہوا، رخصتی بھی شوال میں ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں کونسی مجھ سے زیادہ نصیبہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ تھی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد خولہ رضی اللہ عنہا حکیم کی بیٹی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نکاح نہیں کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کس سے؟ عرض کیا: کنواری بھی ہے، بیوہ بھی ہے جو منظور ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تو عرض کیا کہ کنواری تو آپ کے سب سے زیادہ دوست ابوبکر رضی اللہ عنہ کی لڑکی عائشہ ہے اور بیوہ سودہ بنت زمعہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اچھا تذکرہ کر کے دیکھ لو۔ وہ وہاں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر آئیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ اُمِ رومان رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ میں ایک بڑی خیر و برکت لے کر آئی ہوں۔ دریافت کرنے پر کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عائشہ سے منگنی کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ ام رومان رضی اللہ عنہا نے کہا کہ وہ تو ان کی بھتیجی ہے، اس سے کیسے نکاح ہوسکتا ہے؟ اچھا ابوبکر کو آنے دو، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت گھر پر موجود نہ تھے۔ ان کے تشریف لانے پر ان سے بھی یہی ذکر کیا۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی ہے، حضور سے کیسے نکاح ہوسکتا ہے؟ خولہ رضی اللہ عنہا نے جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ میرے اسلامی بھائی ہیں، ان کی لڑکی سے میرا نکاح جائز ہے، خولہ رضی اللہ عنہا واپس ہوئیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جواب سنایا۔ وہاں کیا دیر تھی۔ کہا: بلا لاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور نکاح ہوگیا۔ ہجرت کے بعد چند مہینے گذر جانے پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ آپ اپنی بیوی عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیوں نہیں بلا لیتے؟ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سامان مہیّا نہ ہونے کا عذر فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نذرانہ پیش کیا جس سے تیاری ہوئی اور شوال ۱ھ یا ۲ھ میں چاشت کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کے دولت کدہ پر بِنا یعنی رخصتی ہوئی۔ یہ تین نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت سے پہلے ہوئے۔ اس کے بعد جتنے نکاح ہوئے

وہ ہجرت کے بعد ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حالات

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نبوت سے پانچ برس قبل مکّہ میں پیدا ہوئیں۔ پہلا نکاح مکّہ ہی میں خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے ہوا، یہ بھی پرانے مسلمان ہیں جنہوں نے حبشہ کی ہجرت کی، پھر مدینہ طیّبہ کی ہجرت کی۔ بدر میں بھی شریک ہوئے اور اسی لڑائی میں یا اُحد کی لڑائی میں ان کے ایسا زخم آیا جس سے اچھے نہ ہوئے اور ۲ھ یا ۳ھ میں انتقال فرمایا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے خاوند کے ساتھ ہجرت فرما کر مدینہ طیّبہ ہی آ گئیں تھیں۔ جب بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ میں حفصہ کا نکاح تم سے کرنا چاہتا ہوں، انہوں نے سکوت فرمایا۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا جب انتقال ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ذکر فرمایا۔ انہوں نے فرما دیا کہ میرا تو اس وقت نکاح کا ارادہ نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی شکایت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں حفصہ کے لئے عثمان سے بہتر خاوند اور عثمان کے لئے حفصہ سے بہتر بیوی بتاتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ۲ھ یا ۳ھ میں خود نکاح کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح اپنی صاحبزادی حضرت امّ کلثوم رضی اللہ عنہا سے کر دیا۔ ان کے پہلے خاوند کے انتقال میں مؤرخین کا اختلاف ہے کہ بدر کے زخم سے شہید ہوئے یا اُحد کے۔ بدر ۲ھ میں ہے اور اُحد ۳ھ میں، اسی وجہ سے ان کے نکاح میں بھی اختلاف ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جب تم نے حفصہ کے نکاح کا ذکر کیا تھا اور میں نے سکوت کیا تھا، تمہیں اس وقت ناگواری ہوئی ہوگی، مگر چونکہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے نکاح کا تذکرہ فرما چکے تھے، اس لئے نہ تو میں قبول کر سکتا تھا اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو ظاہر کر سکتا تھا اس لئے سکوت کیا تھا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارادہ ملتوی فرما دیتے تو میں ضرور کر لیتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے ابوبکر کے سکوت کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

کے انکار سے بھی زیادہ رنج تھا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بڑی عابدہ زاہدہ تھیں، رات کو اکثر جاگتی تھیں اور دن میں کثرت سے روزہ رکھا کرتی تھیں۔ کسی وجہ سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک طلاق بھی دی تھی جس کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بہت رنج ہوا اور ہونا بھی چاہئے تھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا: اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا ارشاد ہے کہ حفصہ سے رجوع کرلو، یہ بڑی شب بیدار اور کثرت سے روزہ رکھنے والی ہیں اور عمر کی خاطر بھی منظور ہے، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع فرمالیا۔ جمادی الاولیٰ ۴۵ھ میں جب کہ ان کی عمر تقریباً تریسٹھ برس کی تھی مدینہ طیبہ میں انتقال فرمایا۔ بعض نے ان کا انتقال ۴۱ھ میں اور عمر ساٹھ برس کی لکھی ہے۔ ان کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ہوا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے حالات

حضرت زینب رضی اللہ عنہا خُزیمہ کی بیٹی جن کے پہلے نکاح میں اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ پہلے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا تھا۔ جب وہ غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے جن کا قصّہ باب نمبر ۷ کی پہلی حدیث میں گذرا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا اور بعض نے لکھا کہ ان کا پہلا نکاح طفیل بن حارث سے ہوا تھا، ان کے طلاق دینے کے بعد ان کے بھائی عبیدۃ بن الحارث رضی اللہ عنہ سے ہوا جو بدر میں شہید ہوئے۔ اس کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کے اکتیس ۳۱ مہینے بعد رمضان ۳ھ میں ہوا۔ آٹھ مہینے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں رہیں اور ربیع الآخر ۴ھ میں انتقال فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا دو ہی بیبیاں ایسی ہیں جن کا وصال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوا، باقی نو ۹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت زندہ تھیں جن کا بعد میں انتقال ہوا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بڑی سخی تھیں، اسی وجہ سے ان کا نام اسلام سے پہلے بھی اُمُّ المساکین (مسکینوں کی ماں) تھا۔ ان کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہوا،

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے حالات

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا ابوامیہ کی بیٹی تھیں جن کا پہلا نکاح اپنے چچازاد بھائی ابوسلمہ

سے ہوا تھا جن کا نام عبداللہ بن عبدالأسد تھا۔ دونوں میاں بیوی ابتدائی مسلمانوں میں ہیں ،کُفّار کے ہاتھ سے تنگ آ کر اوّل دونوں نے حبشہ کی ہجرت کی ،وہاں جا کر ایک لڑکا پیدا ہوا جن کا نام سلمہ رضی اللہ عنہ تھا۔ حبشہ سے واپسی کے بعد مدینہ طیّبہ کی ہجرت کی جس کا قصّہ اسی باب کے نمبر ۵ پر مفصّل گذر چکا ہے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر ایک لڑکا عمر اور دو لڑکیاں دُرّہ اور زینب پیدا ہوئیں۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ دس آدمیوں کے بعد مسلمان ہوئے تھے، بدر اور اُحد کی لڑائی میں بھی شریک ہوئے تھے۔ اُحد کی لڑائی میں ایک زخم آ گیا تھا جس کی وجہ سے بہت تکلیف اٹھائی۔ اس کے بعد صفر ۴ھ میں ایک سریہ میں تشریف لے گئے تو واپسی پر وہ زخم پھر ہرا ہو گیا اور اسی میں آٹھ جمادی الاخری ۴ھ میں انتقال کیا۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا اس وقت حاملہ تھیں اور زینب پیٹ میں تھیں، جب وہ پیدا ہوئیں تو عدت پوری ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نکاح کی خواہش فرمائی تو انہوں نے عذر کر دیا۔ اس کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میرے بچے بھی ہیں اور میرے مزاج میں غیرت کا مضمون بہت ہے اور میرا کوئی ولی یہاں ہے نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بچوں کا اللہ محافظ ہے اور یہ غیرت بھی ان شاء اللہ جاتی رہے گی اور کوئی ولی اس کو ناپسند نہیں کرے گا۔ تو انہوں نے اپنے بیٹے سلمہ سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح کر دو۔ اخیر شوال ۴ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا۔ بعض نے ۳ھ میں اور بعض نے ۲ھ میں لکھا ہے۔ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ یہ دعا کرے: "اَللّٰھُمَّ أْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْنِیْ خَیْرًا مِّنْھَا" (اے اللہ! مجھے اس مصیبت میں اجر عطا فرما اور اس کا نعم البدل نصیب فرما) تو اس کو اللہ جل شانہٗ بہترین بدل عطا فرماتے ہیں۔ ابوسلمہ کے مرنے پر میں یہ دعا تو پڑھ لیتی، مگر یہ سوچتی تھی کہ ابوسلمہ سے بہتر کون ہو سکتا ہے، اللہ جل شانہٗ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کرا دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان کے حسن کی بہت شہرت تھی۔ جب نکاح ہو گیا تو میں نے چھپ کر حجلہ سے جا کر دیکھا تو جیسا سنا تھا اس سے زیادہ پایا۔ میں نے حفصہ سے اس کا ذکر کیا، انہوں نے کہا: نہیں ایسی حسین نہیں ہیں جتنی شہرت ہے۔ اُمہاتُ المؤمنین میں سب

سے اخیر میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۵۹ھ یا ۶۲ھ میں ہوا۔ اس وقت چوراسی ۸۴ سال کی عمر تھی، اس لحاظ سے نبوت سے تقریباً نو برس پہلے پیدا ہوئیں۔ حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ان سے نکاح ہوا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے مکان میں مقیم ہوئیں۔ انہوں نے وہاں دیکھا کہ ایک مٹکے میں جَو رکھے ہیں اور ایک چکی اور ہانڈی بھی۔ انہوں نے جَو خود پیسے اور چکنائی ڈال کر ملیدہ تیار کیا اور پہلے ہی دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ ملیدہ کھلایا جو نکاح کے دن اپنے ہی ہاتھ سے پکایا تھا۔ ان کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا سے ہوا۔

زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا کے حالات

یہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن ہیں، ان کا پہلا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبنّیٰ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔ ان کے طلاق دینے کے بعد اللہ جل شانہٗ نے خود ان کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا جس کا قصّہ سورۂ احزاب میں بھی ہے، اس وقت ان کی عمر پینتیس ۳۵ سال کی تھی۔ مشہور قول کے موافق ذیقعدہ ۵ھ میں نکاح ہوا۔ بعض نے ۳ھ میں لکھا، مگر صحیح ۵ھ ہے اور اس حساب سے نبوت سے گویا سترہ سال قبل ان کی پیدائش ہوئی۔ ان کو اس بات پر فخر تھا کہ سب عورتوں کا نکاح ان کے اولیاء نے کیا اور ان کا نکاح اللہ جل شانہٗ نے کیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جب ان کو طلاق دی اور عدت پوری ہوگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس پیام بھیجا۔ انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتی جب تک اپنے اللہ سے مشورہ نہ کرلوں اور یہ کہہ کر وضو کیا اور نماز کی نیت باندھ لی اور یہ دعا کی کہ یا اللہ! تیرے رسول مجھ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں، اگر میں ان کے قابل ہوں تو میرا نکاح ان سے فرما دے۔ ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن شریف کی آیت "فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا" (الاحزاب:۳۷) نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشخبری بھیجی، حضرت زینب رضی اللہ عنہا خوشی کی وجہ سے سجدہ میں گر گئیں، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نکاح کا ولیمہ بڑی شان سے کیا۔ بکری ذبح کی اور گوشت روٹی کی دعوت فرمائی۔ ایک ایک جماعت

کو بلایا جاتا تھا اور جب وہ فارغ ہو جاتی تو دوسری جماعت اسی طرح بلائی جاتی تھی، حتیٰ کہ سب ہی لوگوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بڑی سخی تھیں اور بڑی محنتی، اپنے ہاتھ سے محنت کرتیں اور جو حاصل ہوتا وہ صدقہ کر دیتیں۔ ان ہی کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے سب سے پہلے مرنے کے بعد وہ ملے گی جس کا ہاتھ لمبا ہوگا۔ بیبیاں ظاہری لمبائی سمجھیں، اس لئے لکڑی لے کر سب کے ہاتھ ناپنے شروع کر دیئے۔ دیکھنے میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ سب سے لمبا ملا۔ مگر جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال سب سے پہلے ہوا جب سمجھیں کہ ہاتھ کی لمبائی سے مراد صدقہ کی کثرت تھی۔ روزے بھی بہت زیادہ رکھتی تھیں، سنہ ۲۰ ھ میں انتقال فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ پچاس برس کی عمر تھی۔ ان کا قصّہ اسی باب کے نمبر ۱۰ پر بھی گذرا ہے۔ ان کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت جویریہ بنت الحارث بن ابی ضرار سے ہوا۔

حضرت جُوَیریہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث بن ابی ضرار کے حالات

یہ غزوۂ مُرَیسیع میں قید ہو کر آئیں تھیں اور غنیمت میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصّہ میں آئیں۔ قید ہونے سے پہلے مُسافع بن صفوان کے نکاح میں تھیں۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے ان کو نو۹ اوقیہ سونے پر مکاتب کر دیا۔ مکاتب اس غلام یا باندی کو کہتے ہیں جس سے یہ مُقرّر کر لیا جاوے کہ اتنے دام تم اگر دے دو تو تم آزاد۔ ایک اُوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور ایک درہم تقریباً ساڑھے تین آنے کا[1]۔ اس حساب سے نو اُوقیہ کی قیمت ۷۸ روپے ۱۲ آنے ہوئی اور چار آنے کا اگر درہم ہو تو ۹۰ روپے ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اپنی قوم کے سردار حارث کی بیٹی جویریہ ہوں، جو مصیبت مجھ پر نازل ہوئی آپ کو معلوم ہے۔ اب اتنی مقدار پر میں مکاتب ہوئی ہوں اور یہ مقدار میری طاقت سے باہر ہے۔ آپ کی امید پر آئی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تجھے اس سے بہتر راستہ بتاؤں کہ تجھے مال ادا کر کے آزاد کرا دوں اور تجھ سے نکاح کر لوں۔ ان کے لئے اس سے بہتر کیا تھا؟ بخوشی منظور کر لیا اور سنہ ۵ ھ میں مشہور قول کے موافق اور بعضوں نے سنہ ۶ ھ میں اس

[1] کتاب ہذا کی تصنیف کے وقت یہ قیمت تھی، دراصل درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کے ایک قدیم سکّہ کا نام ہے۔

قصّہ کو بتایا ہے، نکاح ہو گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب سنا کہ بنو المصطلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال بن گئے تو انہوں نے بھی اس رشتہ کے اعزاز میں اپنے اپنے غلام آزاد کر دیئے۔ کہتے ہیں کہ ایک حضرت جویریہ کی وجہ سے سو گھرانے آزاد ہوئے جن میں تقریباً سات سو آدمی تھے۔ اس قسم کی مصلحتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سب نکاحوں میں تھیں۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نہایت حسین تھیں، چہرے پر ملاحت تھی۔ کہتے ہیں کہ جو نگاہ پڑ جاتی تھی اٹھتی نہ تھی۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے اس لڑائی سے تین دن پہلے ایک خواب دیکھا تھا کہ یثرب[1] سے ایک چاند چلا اور میری گود میں آ گیا۔ کہتی ہیں کہ جب میں قید ہوئی تو مجھے اپنے خواب کی تعبیر کی امید بندھی۔ اس وقت ان کی عمر بیس سال کی تھی اور ربیع الاول ۵۰ھ میں صحیح قول کے موافق پینسٹھ برس کی عمر میں مدینہ طیّبہ میں انتقال فرمایا۔ اور بعضوں نے ان کا انتقال ۵۶ھ میں ستر برس کی عمر میں لکھا ہے۔

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے حالات

اُم المؤمنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا، ابو سفیان کی صاحبزادی، ان کے نام میں اختلاف ہے، اکثروں نے ''مَرْملہ'' اور بعضوں نے ''ہِند'' بتایا ہے۔ ان کا پہلا نکاح عبیداللہ[2] بن جحش رضی اللہ عنہ سے مکّہ مکرمہ میں ہوا تھا۔ دونوں میاں بیوی مسلمان ہو گئے تھے۔ کُفّار کی تکالیف کی بدولت وطن چھوڑنا پڑا اور حبشہ کی ہجرت دونوں نے کی، وہاں جا کر خاوند نصرانی ہو گیا۔ یہ اسلام پر باقی رہیں۔ انہوں نے اسی رات میں اپنے خاوند کو خواب میں نہایت بُری شکل میں دیکھا۔ صبح کو معلوم ہوا کہ وہ نصرانی ہو گیا ہے۔ اس تنہائی میں اس حالت میں ان پر کیا گذری ہوگی، اللہ ہی کو معلوم ہے۔ لیکن حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کا نعم البدل یہ عطا فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آ گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس پیام بھیجا کہ ان کا نکاح مجھ سے کر دو، چنانچہ نجاشی نے ایک عورت ابرہہ کو انکے پاس اس کی خبر کے لئے بھیجا، انہوں نے خوشی میں اپنے دونوں کنگن جو پہن رہی تھیں اس کو عطا کر دیئے اور پاؤں کے چھلے، کڑے وغیرہ متعدد چیزیں دیں۔ نجاشی نے نکاح کیا اور اپنے پاس

---

[1] مدینہ منورہ کا قدیم نام ہے، [2] سیر الصحابہ، جلد دوم

سے چار سو دینار مہر کے ادا کئے اور بہت کچھ سامان دیا۔ جو لوگ مجلسِ نکاح میں موجود تھے ان کو بھی دینار دیئے اور کھانا کھلایا۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ نکاح ۷ھ میں ہوا جیسا کہ اکثر کا قول ہے یا ۶ھ میں جیسا کہ بعض نے کہا ہے، صاحبِ تاریخ خمیس نے لکھا ہے کہ ان کا نکاح ۶ھ میں ہوا اور رخصتی ۷ھ میں جب یہ مدینہ طیبہ پہنچیں۔ نجاشی نے بہت سی خوشبو اور سامان جہیز وغیرہ دے کر ان کو نکاح کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا۔ بعض کتب تواریخ اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے باپ نے نکاح کیا، مگر یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ ان کے باپ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، وہ اس قصہ کے بعد مسلمان ہوئے ہیں۔ ان کا ایک قصہ اسی باب کے نمبر ۹ پر گذر چکا ہے۔ ان کے انتقال میں بہت اختلاف ہے۔ اکثر نے ۴۴ھ بتایا ہے اور اس کے علاوہ ۴۲ھ اور ۵۵ھ اور ۵۰ھ وغیرہ اقوال بھی ہیں۔

ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے حالات

ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حُیی کی بیٹی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ اوّل سَلاَّم بن مِشکم کے نکاح میں تھیں، اس کے بعد کنانہ بن اَبی حُقیق کے نکاح میں آئیں۔ اس سے نکاح اس زمانہ میں ہوا تھا کہ خیبر کی لڑائی شروع ہوگئی تھی اور ان کا خاوند قتل ہوگیا تھا۔ خیبر کی لڑائی کے بعد دِحیہ کلبی رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک باندی مانگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو مرحمت فرمادی۔ چونکہ مدینہ میں بھی دو قبیلے قریظہ اور نضیر آباد تھے اور یہ سردار کی بیٹی تھیں اس لئے لوگوں نے عرض کیا کہ یہ بات بہت سے لوگوں کو ناگوار ہوگی۔ صفیہ کو اگر حضور اپنے نکاح میں لے لیں تو بہت سے لوگوں کی دل داری ہے، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دحیہ کو خاطر خواہ عوض دے کر ان کو لے لیا اور ان کو آزاد فرما کر نکاح کرلیا اور خیبر سے واپسی میں ایک منزل پر ان کی رخصتی ہوئی۔ صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کے پاس جو کھانے کی چیز ہو وہ لے آئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس مُتفرّق چیزیں کھجور، پنیر، گھی وغیرہ جو تھا وہ لے آئے، ایک چمڑے کا دسترخوان بچھا دیا اور اس پر وہ سب ڈال دیا گیا اور سب نے شریک ہوکر کھالیا۔ یہی ولیمہ تھا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اختیار دے دیا تھا کہ اگر تم اپنی قوم اور اپنے ملک میں رہنا چاہو تو آزاد ہو، چلی جاؤ اور میرے پاس میرے نکاح میں رہنا چاہو تو رہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں شرک کی حالت میں حضور کی تمنّا کرتی تھی، اب مسلمان ہو کر کیسے جا سکتی ہوں؟ اس سے مراد غالباً ان کا وہ خواب ہے جو انہوں نے مسلمان ہونے سے پہلے دیکھا تھا کہ ایک چاند کا ٹکڑا میری گود میں ہے۔ اس خواب کو انہوں نے اپنے خاوند کِنانہ سے کہا، اس نے ایک طمانچہ اس زور سے منہ پر مارا کہ آنکھ پر اس کا نشان پڑ گیا اور یہ کہا کہ تو یثرب کے بادشاہ سے نکاح کی تمنّا کرتی ہے۔ ایک مرتبہ خواب دیکھا تھا کہ آفتاب ان کے سینہ پر ہے، خاوند سے اس کو بھی ذکر کیا۔ اس نے اس پر بھی یہی کہا کہ تو یہ چاہتی ہے کہ یثرب کے بادشاہ کے نکاح میں جائے۔ ایک مرتبہ انہوں نے چاند کو گود میں دیکھا تو اپنے باپ سے ذکر کیا، اس نے بھی ایک طمانچہ مارا اور یہ کہا کہ تیری نگاہ یثرب کے بادشاہ پر جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ چاند کا وہی ایک خواب خاوند اور باپ دونوں سے کہا ہو یا چاند دو مرتبہ دیکھا ہو۔ رمضان ۵۰ھ میں صحیح قول کے موافق انتقال ہوا اور تقریباً ساٹھ برس کی عمر پائی۔ خود کہتی ہیں کہ میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئی تو میری عمر سترہ سال کی نہیں ہوئی تھی۔

ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے حالات

ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حارث بن حَزن کی بیٹی ہیں، ان کا اصل نام برّہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر میمونہ رضی اللہ عنہا رکھا، پہلے سے ابورحم بن عبدالعُزّیٰ کے نکاح میں تھیں۔ اکثر مؤرخین کا یہی قول ہے اور بہت سے اقوال ان کے پہلے خاوند کے نام میں ہیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی دو نکاح ہوئے تھے۔ بیوہ ہو جانے کے بعد ذیعقدہ ۷ھ میں جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لئے مکّہ مکرمہ تشریف لے جا رہے تھے موضع سَرِف میں نکاح ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ عمرہ سے فراغت کے بعد مکّہ رخصتی ہو جائے، مگر مکّہ والوں نے قیام کی اجازت نہ دی، اس لئے واپسی میں سرف ہی میں رخصتی ہوئی اور سرف ہی میں خاص اسی جگہ جہاں رخصتی کا خیمہ تھا ۵۱ھ میں صحیح قول کے موافق

انتقال ہوا اور بعض نے ۶۱ھ میں لکھا ہے۔ اس وقت ان کی عمر اکیاسی برس کی تھی اور اسی جگہ قبر بنی۔ یہ بھی عبرت کا مقام ہے اور تاریخ کا عجیبہ ہے کہ ایک سفر میں وہاں نکاح ہوا اور دوسرے سفر میں وہاں رخصتی اور عرصہ کے بعد اسی جگہ قبر بنی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میمونہ ہم سب میں زیادہ متقی اور صلہ رحمی کرنے والی تھیں۔ یزید بن اصم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان کا مشغلہ ہر وقت نماز تھا یا گھر کا کام، اگر دونوں سے فراغت ہوتی تو مسواک کرتی رہتی تھیں۔ جن عورتوں کے نکاح پر محدثین و مؤرخین کا اتفاق ہے ان میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سب سے آخری نکاح ہے۔ ان کی درمیانی ترتیب میں البتہ اختلاف ہے جس کی وجہ سے ان نکاحوں کی تاریخ کا اختلاف ہے جیسا کہ مختصر طور پر معلوم ہوا، ان گیارہ بیویوں میں سے دو کا وصال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہو چکا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا۔ باقی نو بیبیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت موجود تھیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بعض نکاح بعض محدثین و مؤرخین نے لکھے ہیں جن کے ہونے میں اختلاف ہے، اس لئے انہیں بیبیوں کا ذکر لکھا ہے جن پر اتفاق ہے۔

معلومات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد

مؤرخین اور محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار لڑکیاں ہوئیں اور اکثر کی تحقیق یہ ہے کہ ان میں سب سے بڑی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں، پھر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، پھر حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا، پھر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ لڑکوں میں البتہ بہت اختلاف ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سب حضرات بچپن ہی میں انتقال فرما گئے تھے اور عرب میں اس زمانہ میں تاریخ کا اہتمام کچھ ایسا نہ تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے جاں نثار بھی اس وقت تک کثرت سے نہیں ہوئے تھے جو ہر بات پوری پوری محفوظ رہتی۔ اکثر کی تحقیق یہ ہے کہ تین لڑکے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ہوئے، بعضوں نے کہا کہ چوتھے صاحبزادے حضرت طیب رضی اللہ عنہ اور پانچویں حضرت طاہر رضی اللہ عنہ تھے۔ اس طرح پانچ ہوئے

اور بعض کہتے ہیں کہ طیب اور طاہر دونوں ایک ہی صاحبزادے کے نام ہیں، اس طرح چار ہوئے اور بعض نے کہا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہی کا نام طیب اور طاہر تھا۔ اس طرح تین ہی لڑکے ہوئے اور بعضوں نے دو لڑکے اور بھی بتائے: مُطَیَّب رضی اللہ عنہ اور مُطَہَّر رضی اللہ عنہ، اور لکھا ہے کہ طیب رضی اللہ عنہ اور مطیب رضی اللہ عنہ ایک ساتھ پیدا ہوئے اور طاہر رضی اللہ عنہ اور مطہر رضی اللہ عنہ ایک ساتھ پیدا ہوئے۔ اس طرح سات لڑکے ہوئے، لیکن اکثر کی تحقیق تین لڑکوں کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اولاد حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے سوا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی سے پیدا ہوئی۔

لڑکوں میں حضرت قاسم رضی اللہ عنہ سب سے پہلے پیدا ہوئے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا ان سے بڑی تھیں یا چھوٹی۔ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ نے بچپن ہی میں انتقال فرمایا، دو سال کی عمر اکثر نے لکھی ہے اور بعضوں نے اس سے کم یا زیادہ بھی لکھی ہے۔

دوسرے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جو نبوت کے بعد پیدا ہوئے اور اسی وجہ سے ان کا نام طیب اور طاہر بھی پڑا اور بچپن ہی میں انتقال ہوا۔ ان کے انتقال پر، بعضوں نے لکھا ہے کہ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کے انتقال پر کُفّار بہت خوش ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل منقطع ہوگئی جس پر سورۂ اِنَّا اَعْطَیْنَا نازل ہوئی اور کُفّار کے اس کہنے کا کہ جب نسل ختم ہو گئی تو کچھ دنوں میں نام مبارک بھی مٹ جائے گا۔ یہ جواب ملا کہ آج ساڑھے تیرہ سو برس بعد تک بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے فدائی کروڑوں موجود ہیں۔

تیسرے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ تھے جو ہجرت کے بعد مدینہ طیّبہ میں بالاتفاق ذی الحجہ ۸ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے آخری اولاد ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں دن ان کا عقیقہ کیا اور دو مینڈھے ذبح کئے اور بالوں کے برابر چاندی صدقہ فرمائی اور بالوں کو دفن کرایا۔ اُبو ہِند بَیاضی رضی اللہ عنہ نے سر کے بال اتارے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے باپ حضرت ابراہیم کے نام پر نام رکھا ہے اور سولہ مہینے کی عمر میں ان صاحبزادہ نے بھی ۱۰ ربیع الاول ۱۰ھ میں انتقال فرمایا، بعضوں نے اٹھارہ مہینے کی عمر بتلائی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ابراہیم رضی اللہ عنہ کے لئے جنّت میں دودھ پلانے والی تجویز ہوگئی۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے حالات

صاحبزادیوں میں سب سے بڑی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں اور جن مؤرخین نے اس کے خلاف لکھا ہے غلط ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح سے پانچ برس بعد جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف تیس برس کی تھی پیدا ہوئیں اور اپنے والدین کے آغوش میں جوان ہوئیں، مسلمان ہوئیں اور اپنے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع سے نکاح ہوا۔ غزوۂ بدر کے بعد ہجرت کی جس میں مشرکین کی ناپاک حرکتوں سے زخمی ہوئیں جس کا قصہ اس باب کے نمبر ۲۰ پر گذر چکا ہے اور اسی بیماری کا سلسلہ اخیر تک چلتا رہا یہاں تک کہ ۸ھ کے شروع میں انتقال فرمایا۔ ان کے خاوند بھی ۶ھ یا ۷ھ میں مسلمان ہوکر مدینہ منوّرہ پہنچ گئے تھے اور انہی کے نکاح میں رہیں۔ ان سے دو بچے ہوئے، ایک لڑکا، ایک لڑکی، لڑکے کا نام حضرت علی رضی اللہ عنہ تھا جنہوں نے اپنی والدہ کے انتقال کے بعد بلوغ کے قریب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں انتقال فرمایا۔ فتح مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اونٹنی پر جو سوار تھے وہ یہی حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ لڑکی کا نام حضرت امامہ رضی اللہ عنہا تھا جن کے متعلق حدیث کی کتابوں میں کثرت سے قصہ آتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں سجدہ کرتے تو یہ کمر پر سوار ہوجاتیں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تک زندہ رہیں۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد جوان کی خالہ تھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کیا اور ان کے وصال کے بعد مغیرہ بن نوفل رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوئی اولاد ان سے نہیں ہوئی البتہ مغیرہ رضی اللہ عنہ سے بعضوں نے ایک لڑکا یحییٰ لکھا ہے اور بعضوں نے انکار کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے خود وصیّت فرمائی تھی کہ میرے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح بھانجی سے کردیا جائے، ان کا انتقال ۵۰ھ میں ہوا۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے حالات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں جو اپنی بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے تین برس بعد پیدا ہوئیں جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تینتیس برس کی تھی اور بعضوں نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے بڑا بتایا ہے، لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا

سے چھوٹی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابولہب کے بیٹے عُتبہ سے نکاح ہوا تھا۔ جب سورۂ تبت نازل ہوئی تو ابولہب نے ان سے اور ان کے دوسرے بھائی عُتَیبہ سے (جس کے نکاح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں) یہ کہا کہ میری ملاقات تم دونوں سے حرام ہے اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو طلاق نہ دے دو، اس پر دونوں نے طلاق دے دی۔ یہ دونوں نکاح بچپن میں ہوئے تھے، رخصتی کی نوبت بھی نہیں آئی تھی۔ اس کے بعد فتحِ مکّہ پر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے خاوند عتبہ مسلمان ہو گئے تھے، مگر بیوی کو پہلے ہی طلاق دے چکے تھے اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرصہ ہوا ہو چکا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے دونوں مرتبہ حبشہ کی ہجرت کی تھی جس کا بیان پہلے باب کے نمبر ۱۰ پر گذر چکا۔ اس کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ مجھے بھی ہجرت کا حکم ہونے والا ہے اور مدینہ مُنوّرہ میری ہجرت کی جگہ ہوگی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے مدینۂ طیّبہ کی ہجرت شروع کر دی۔ اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی یہ دونوں حضرات بھی مدینۂ طیّبہ پہنچ گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی لڑائی میں تشریف لے جانے لگے تو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی تیمارداری کے واسطے مدینہ چھوڑ گئے۔ بدر کی فتح کی خوشخبری مدینۂ طیّبہ میں اس وقت پہنچی جب یہ حضرات حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو دفن کر کے آ رہے تھے۔ اسی وجہ سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دفن میں شرکت نہ فرما سکے۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند کے یہاں رخصتی بھی نہیں ہو سکی تو اولاد کا کیا ذکر، البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ایک صاحبزادہ جن کا نام عبداللہ رضی اللہ عنہ تھا، حبشہ میں پیدا ہوئے تھے جو اپنی والدہ کے انتقال کے بعد تک زندہ رہے اور چھ سال کی عمر میں ۴ھ میں انتقال فرمایا اور بعض نے لکھا ہے کہ اپنی والدہ سے ایک سال پہلے انتقال کیا۔ ان کے علاوہ کوئی اور اولاد حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے نہیں ہوئی۔

حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کے حالات

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزادی اُم کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ ان میں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا میں سے کونسی بڑی تھیں۔ اکثر کی رائے یہ ہے کہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا بڑی تھیں، اول عتیبہ بن ابی لہب سے نکاح ہوا، مگر رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ

سورۂ تبت کے نازل ہونے پر طلاق کی نوبت آئی جیسا کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے بیان میں گذرا، لیکن اُن کے خاوند تو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے جیسا کہ گذر چکا، اور اِن کے خاوند عتیبہ نے طلاق دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں آ کر نہایت گستاخی، بے ادبی اور نامناسب الفاظ بھی زبان سے نکالے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا دی کہ یا اللہ! اپنے کتّوں میں سے ایک کتّا اس پر مسلّط فرما۔ ابوطالب اس وقت موجود تھے۔ باوجود مسلمان نہ ہونے کے سہم گئے اور کہا کہ اس کی بددعا سے تجھے خلاصی نہیں، چنانچہ عتیبہ ایک مرتبہ شام کے سفر میں جا رہا تھا، اس کا باپ ابولہب باوجود ساری عداوت اور دشمنی کے کہنے لگا کہ مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کی فکر ہے۔ قافلہ کے سب لوگ ہماری خبر رکھیں۔ ایک منزل پر پہنچے، وہاں شیر زیادہ تھے۔ رات کو تمام قافلہ کا سامان ایک جگہ جمع کیا اور اس کا ٹیلہ سا بنا کر اس پر عتیبہ کو سلایا اور قافلہ کے تمام آدمی چاروں طرف سوئے۔ رات کو ایک شیر آیا اور سب کے منہ سونگھے، اس کے بعد ایک زقند لگائی اور اس ٹیلے پر پہنچ کر عتیبہ کا سر بدن سے جدا کر دیا۔ اس نے ایک آواز دی، مگر ساتھ ہی کام تمام ہو چکا تھا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ مسلمان ہو گیا تھا اور یہ قصّہ پہلے بھائی کے ساتھ پیش آیا۔ بہرحال حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہروں میں سے ایک مسلمان ہوئے، دوسرے کے ساتھ یہ عبرت کا واقعہ پیش آیا۔ اسی واسطے اللہ والوں کی دشمنی سے ڈرایا جاتا ہے۔ خود اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے[1] "مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ" (جو میرے کسی ولی کو ستائے میری طرف سے اس کو لڑائی کا اعلان ہے) حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ربیع الاول ۳ھ میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح آسمانی وحی کے حکم سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا۔ بعض روایات میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا دونوں کے متعلق یہی ارشاد فرمایا۔ پہلے خاوند کے یہاں تو رخصتی بھی نہیں ہوئی تھی۔ اولاد کوئی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی نہیں ہوئی اور شعبان ۹ھ میں انتقال فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے انتقال کے بعد ارشاد فرمایا کہ اگر میری سو لڑکیاں ہوتیں اور انتقال کرتیں تو اسی طرح ایک دوسری کے بعد سب کا نکاح عثمان رضی اللہ عنہ سے کرتا۔

---

[1] یعنی حدیثِ قدسی

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حالات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی صاحبزادی جنتی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جو عمر میں اکثر مؤرخین کے نزدیک سب سے چھوٹی ہیں۔ نبوت کے ایک سال بعد جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف اکتالیس برس کی تھی پیدا ہوئیں اور بعض نے نبوت سے پانچ سال پہلے پینتیس سال کی عمر میں لکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ ان کا نام فاطمہ رضی اللہ عنہا الہام یا وحی سے رکھا گیا۔ فَطم کے معنی روکنے کے ہیں یعنی یہ جہنم کی آگ سے محفوظ ہیں۔ ۲ھ محرم یا صفر یا رجب یا رمضان میں حضرت علی کرَّمَ اللہُ وَجہَہٗ سے نکاح ہوا اور نکاح سے سات ماہ اور پندرہ دن بعد رخصتی ہوئی۔ یہ نکاح بھی اللہ جل شانہٗ کے حکم سے ہوا۔ کہتے ہیں کہ نکاح کے وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر پندرہ سال پانچ ماہ کی تھی۔ اس سے بھی اکتالیسویں سال میں پیدائش یعنی پہلے قول کی تصدیق ہوتی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر اکیس سال پانچ ماہ یا چوبیس سال ڈیڑھ ماہ کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تمام صاحبزادیوں میں ان سے زیادہ محبت تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر کو تشریف لے جاتے تو سب سے اخیر میں ان سے رخصت ہوتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے ان کے پاس تشریف لے جاتے۔ حضرت علی کرَّمَ اللہُ وَجہَہٗ نے ابوجہل کی لڑکی سے دوسرے نکاح کا ارادہ فرمایا تو ان کو رنج ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے بدن کا ٹکڑا ہے، جس نے اس کو رنج پہنچایا اس نے مجھے رنج پہنچایا، اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی زندگی میں کوئی نکاح نہیں کیا۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کی بھانجی امامہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا جس کا ذکر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بیان میں گذرا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ مہینے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں اور ایک روز خادمہ سے فرمایا کہ میں غسل کروں گی، پانی رکھ دو۔ غسل فرمایا، نئے کپڑے پہنے، پھر فرمایا کہ میرا بستر گھر کے بیچ میں کر دو۔ اس پر تشریف لے گئیں اور قبلہ رخ لیٹ کر داہنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھا اور فرمایا کہ بس اب میں مرتی ہوں۔ یہ فرما کر وصال فرمایا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کا سلسلہ انہیں سے چلا اور ان شاء اللہ قیامت تک چلتا رہے گا۔ ان کی چھ اولاد، تین لڑکے تین لڑکیاں ہوئیں۔ سب سے اوّل

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نکاح سے دوسرے سال میں پیدا ہوئے، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ تیسرے سال میں یعنی ۴ھ میں، پھر حضرت محسّن رضی اللہ عنہ (یہ س کی تشدید کے ساتھ ہے) پیدا ہوئے جن کا انتقال بچپن ہی میں ہوگیا۔ صاحبزادیوں میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال بچپن ہی میں ہوگیا تھا، اسی وجہ سے بعض مؤرخین نے ان کو لکھا بھی نہیں۔ دوسری صاحبزادی حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ امیر المومنین سے ہوا جن سے ایک صاحبزادے زید رضی اللہ عنہ اور ایک صاحبزادی رقیہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عون بن جعفر رضی اللہ عنہ سے ہوا، ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے بھائی محمد بن جعفر رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جو بچپن ہی میں انتقال کر گئیں۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے تیسرے بھائی عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ ان سے بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی اور انہی کے نکاح میں حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا اور اسی دن ان کے صاحبزادے زید رضی اللہ عنہ کا بھی انتقال ہوا۔ دونوں جنازے ساتھ ہی اٹھے اور کوئی سلسلہ اولاد کا ان سے نہیں چلا۔ یہ تینوں بھائی وہی عبداللہ رضی اللہ عنہ اور عون رضی اللہ عنہ اور محمد رضی اللہ عنہ ہیں جن کا قصّہ چھٹے باب کے نمبر ۱۱ پر گذرا ہے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھتیجے اور جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تیسری صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں جن کا نکاح عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے ہوا اور دو صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ اور عون رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور انہیں کے نکاح میں انتقال فرمایا۔ ان کے انتقال کے بعد عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کا نکاح ان کی ہمشیرہ حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا سے ہوا تھا۔ یہ اولاد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہے، ورنہ حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ کی دوسری بیویوں سے جو بعد میں ہوئیں اور بھی اولاد ہے۔ مؤرخین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تمام اولاد بتیس لکھی ہے جن میں سولہ لڑکے اور سولہ لڑکیاں اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پندرہ لڑکے، آٹھ لڑکیاں، اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے چھ لڑکے تین لڑکیاں۔ "رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ وَاَرْضَاھُمْ اَجْمَعِیْنَ وَجَعَلَنَا بِھَدْیِھِمْ مُتَّبِعِیْنَ، وَاللّٰہُ اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ. مُلَخَّصٌ من الخمیس والزرقانی علی المواھب والتلقیح والاصابۃ واسدالغابۃ.

گیارھواں باب

بچوں کا دینی جذبہ

کم سِن اور نوعمر بچوں میں جو دین کا جذبہ تھا وہ حقیقت میں بڑوں کی پرورش کا ثمرہ تھا۔ اگر ماں باپ اور دوسرے اولیاء اولاد کو شفقت میں کھو دینے اور ضائع کر دینے کے بجائے شروع ہی سے ان کی دینی حالت کی خبر گیری اور اس پر تنبیہ رکھیں تو دین کے امور بچوں کے دلوں میں جگہ پکڑیں اور بڑی عمر میں جا کر وہ چیزیں ان کے لئے بمنزلہ عادت کے ہو جائیں، لیکن ہم لوگ اس کے برخلاف بچے کی ہر بری بات پر بچہ سمجھ کر چشم پوشی کرتے ہیں، بلکہ زیادہ محبّت کا جوش ہوتا ہے تو اس پر خوش ہوتے ہیں اور دین میں جتنی کوتاہی دیکھتے ہیں اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلّی دیتے ہیں کہ بڑے ہو کر سب درست ہو جاوے گا، حالانکہ بڑے ہو کر وہی عادات پکتی ہیں جن کا شروع میں بیج بویا جا چکا ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ بیج چنے کا ڈالا جائے اور اس سے گیہوں پیدا ہو، یہ مشکل ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ بچے میں اچھی عادتیں پیدا ہوں، دین کا اہتمام ہو، دین پر عمل کرنے والا ہو تو بچپن ہی سے اس کو دین کے اہتمام کا عادی بنائیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بچپن سے ہی اپنی اولاد کی نگہداشت فرماتے تھے اور دینی امور کا اہتمام کراتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ایک شخص پکڑ کر لایا گیا جس نے رمضان میں شراب پی رکھی تھی اور روزہ سے نہیں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ تیرا ناس ہو، ہمارے تو بچے بھی روزہ دار ہیں۔[1]

ف: یعنی تو اتنا بڑا ہو کر بھی روزہ نہیں رکھتا۔ اس کے بعد اس کے اَسّی کوڑے شراب کی سزا میں مارے اور مدینہ مُنورہ سے نکل جانے کا حکم فرما کر ملکِ شام کو چلتا کر دیا۔

(۱) بچوں کو روزہ رکھوانا

رُبیّع بنت مُعَوِّذ جن کا قصّہ پہلے باب کے اخیر میں گذرا ہے کہتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] بخاری

ایک مرتبہ اعلان کرایا کہ آج عاشورہ کا دن ہے، سب کے سب روزہ رکھیں۔ ہم لوگ اس کے بعد سے ہمیشہ روزہ رکھتے رہے اور اپنے بچوں کو بھی روزہ رکھواتے تھے۔ جب وہ بھوک کی وجہ سے رونے لگتے تو روئی کے گالے کے کھلونے بنا کر ان کو بہلایا کرتے تھے اور افطار کے وقت تک اسی طرح ان کو کھیل میں لگائے رکھتے تھے۔[1]

ف: بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ مائیں دودھ پیتے بچوں کو دودھ نہیں پلاتی تھیں اگرچہ اس وقت قُویٰ نہایت قوی تھے اور اب بہت ضعیف، وہ لوگ اور وہ بچے اس کے متحمّل تھے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جتنے کا اب تحمّل ہے وہی کہاں کیا جاتا ہے۔ تحمّل کا دیکھنا تو نہایت ضروری ہے، مگر اب جس کا تحمّل ہو اس میں کوتاہی یقیناً نامناسب ہے۔

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی احادیث اور آیت کا نزول

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چھ سال کی عمر میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ مکّہ مکرّمہ نکاح ہوا اور نویں سال کی عمر میں مدینہ طیّبہ میں رخصتی ہوئی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ اٹھارہ سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے جس میں اس قدر دینی مسائل اور نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور افعال ان سے نقل کئے جاتے ہیں کہ حد نہیں۔ مسروق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم کو میں نے دیکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مردوں سے زیادہ مسائل سے واقف اور عالم تھیں۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو علمی مشکل ہمیں درپیش آتی تھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس کے متعلق تحقیق ملتی تھی۔[2] دو ہزار دو سو دس حدیثیں کتبِ حدیث میں ان کی ملتی ہیں۔[3] خود فرماتی ہیں کہ میں مکّہ مکرّمہ میں بچپن میں کھیل رہی تھی اس وقت حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۂ قمر کی آیت "بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ط" (القمر:۴۶) نازل ہوئی۔[4] مکّہ مکرّمہ میں آٹھ برس کی عمر تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رہی ہیں۔ اس کم عمری میں اس آیت کے نازل ہونے کی خبر ہونا اور پھر اس کا یاد بھی رکھنا دین کے ساتھ خاص ہی لگاؤ سے ہوسکتا ہے، ورنہ آٹھ برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے۔

---

[1] بخاری، [2] اصابہ، [3] تلقیح، [4] بخاری

(۳) حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کا جہاد کی شرکت کا شوق

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ آبی اللّحم کے غلام اور کم عمر بچے تھے۔ جہاد میں شرکت کا شوق اس وقت ہر چھوٹے بڑے کی جان تھا۔ خیبر کی لڑائی میں شرکت کی خواہش کی، ان کے سرداروں نے بھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سفارش کی کہ اجازت فرما دی جائے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت فرمادی اور ایک تلوار مرحمت فرمائی جو گلے میں لٹکالی، مگر تلوار بڑی تھی اور قد چھوٹا تھا، اس لئے وہ زمین پر گھسٹتی جاتی تھی۔ اسی حال میں خیبر کی لڑائی میں شرکت کی، چونکہ بچے بھی تھے اور غلام بھی، اس لئے غنیمت کا پورا حصّہ تو ملا نہیں، البتہ بطور عطا کے کچھ سامان حصّہ میں آیا۔[1]

ف: ان جیسے حضرات کو یہ بھی معلوم تھا کہ غنیمت میں ہمارا پورا حصّہ بھی نہیں، اس کے باوجود پھر یہ شوق کہ دوسرے حضرات سے سفارشیں کرائی جاتی تھیں۔ اس کی وجہ دینی جذبہ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے سچّے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں پر اطمینان کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔

(۴) حضرت عُمیر رضی اللہ عنہ کا بدر کی لڑائی میں چھپنا

حضرت عُمیر بن ابی وقّاص رضی اللہ عنہ ایک نو عمر صحابی ہیں۔ شروع ہی میں مسلمان ہو گئے تھے، سعد بن ابی وقاص مشہور صحابی کے بھائی ہیں۔ سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی عمیر رضی اللہ عنہ کو بدر کی لڑائی کے وقت دیکھا کہ لشکر کی روانگی کی تیاری ہو رہی تھی اور وہ ادھر ادھر چھپتے پھر رہے تھے کہ کوئی دیکھے نہیں۔ مجھے یہ بات دیکھ کر تعجب ہوا، میں نے ان سے پوچھا کہ کیا ہوا؟ چھپتے کیوں پھر رہے ہو؟ کہنے لگے مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجھے نہ دیکھ لیں اور بچہ سمجھ کر جانے کی ممانعت کر دیں کہ پھر نہ جا سکوں گا اور مجھے تمنّا ہے کہ لڑائی میں ضرور شریک ہوں؟ کیا بعید ہے اللہ تعالیٰ مجھے بھی کسی طرح شہادت نصیب فرمائیں، آخر جب لشکر پیش ہوا تو جو خطرہ تھا وہ پیش آیا اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کم عمر ہونے کی وجہ سے انکار فرما دیا، مگر شوق کا غلبہ تھا، تحمّل نہ کر سکے اور رونے لگے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو شوق کا اور رونے کا حال معلوم ہوا تو اجازت عطا فرما دی۔ لڑائی میں

[1] ابوداؤد

شریک ہوئے اور دوسری تمنا بھی پوری ہوئی کہ اسی لڑائی میں شہید ہوئے۔ ان کے بھائی سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان کے چھوٹے ہونے اور تلوار کے بڑے ہونے کی وجہ سے میں اس کے تسموں میں گرہیں لگاتا تھا کہ اونچی ہو جائے۔[1]

(۵) دو انصاری بچوں کا ابوجہل کو قتل کرنا

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مشہور اور بڑے صحابہ میں ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں بدر کی لڑائی میں میدان میں لڑنے والوں کی صف میں کھڑا تھا۔ میں نے دیکھا کہ میرے دائیں اور بائیں جانب انصار کے دو کم عمر لڑکے ہیں۔ مجھے خیال ہوا کہ میں اگر قوی اور مضبوط لوگوں کے درمیان ہوتا تو اچھا تھا کہ ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی مدد کر سکتے۔ میرے دونوں جانب بچے ہیں، یہ کیا مدد کر سکیں گے۔ اتنے میں ان دونوں لڑکوں میں سے ایک نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا: چچا جان! تم ابوجہل کو بھی پہنچانتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں! پہنچانتا ہوں۔ تمہاری کیا غرض ہے؟ اس نے کہا: مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گالیاں بکتا ہے۔ اس پاک ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں اس کو دیکھ لوں تو اس وقت تک اس سے جدا نہ ہوں گا کہ وہ مر جائے یا میں مر جاؤں۔ مجھے اس کے اس سوال اور جواب پر تعجب ہوا۔ اتنے میں دوسرے نے یہی سوال کیا اور جو پہلے نے کہا تھا وہی اس نے بھی کہا۔ اتفاقاً میدان میں ابوجہل دوڑتا ہوا مجھے نظر پڑ گیا۔ میں نے ان دونوں سے کہا کہ تمہارا مطلوب جس کے بارہ میں تم مجھ سے سوال کر رہے تھے وہ جا رہا ہے۔ دونوں یہ سن کر تلواریں ہاتھ میں لئے ہوئے ایک دم بھاگے چلے گئے اور جا کر اس پر تلوار چلانی شروع کر دی یہاں تک کہ اس کو گرا دیا۔[2]

ف: یہ دونوں صاحبزادے مُعاذ بن عَمرو بن جَموح رضی اللہ عنہ اور مُعاذ بن عَفرا رضی اللہ عنہ ہیں۔ معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں لوگوں سے سنتا تھا کہ ابوجہل کو کوئی نہیں مار سکتا، وہ بڑی حفاظت میں رہتا ہے۔ مجھے اسی وقت سے خیال تھا کہ میں اس کو ماروں گا۔ یہ دونوں صاحبزادے پیدل تھے اور ابوجہل گھوڑے پر سوار تھا۔ صفوں کو درست کر رہا تھا جس وقت

---

[1] اصابہ، [2] بخاری

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دیکھا اور یہ دونوں دوڑے۔ تو گھوڑے سوار پر براہِ راست حملہ مشکل تھا اس لئے ایک نے گھوڑے پر حملہ کیا اور دوسرے نے ابوجہل کی ٹانگ پر حملہ کیا جس سے گھوڑا بھی گرا اور ابوجہل بھی گرا اور اٹھ نہ سکا۔ یہ دونوں حضرات تو اس کو ایسا کر کے چھوڑ آئے تھے کہ اٹھ نہ سکے اور وہیں پڑا تڑپتا رہے، مگر معوّذ بن عفراء ان کے بھائی نے اور ذرا ٹھنڈا کر دیا کہ مبادا اٹھ کر چلا جائے لیکن بالکل انہوں نے بھی نہ نمٹایا۔ اس کے بعد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بالکل ہی سر جُدا کر دیا۔ مُعاذ بن عَمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس وقت میں نے اس کی ٹانگ پر حملہ کیا تو اس کا لڑکا عِکْرِمہ ساتھ تھا۔ اس نے میرے مونڈھے پر حملہ کیا جس سے میرا ہاتھ کٹ گیا اور صرف کھال میں لٹکا ہوا رہ گیا۔[1] میں نے اس لٹکے ہوئے ہاتھ کو کمر کے پیچھے ڈال لیا اور دن بھر دوسرے ہاتھ سے لڑتا رہا، لیکن جب اس کے لٹکے رہنے سے دقت ہوئی تو میں نے اس کو پاؤں کے نیچے دبا کر زور سے کھینچا، وہ کھال بھی ٹوٹ گئی جس سے وہ اٹک رہا تھا اور میں نے اس کو پھینک دیا۔[2]

(۶) حضرت رافع اور ابنِ جُندُب رضی اللہ عنہما کا مقابلہ

نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب لڑائی کے لئے تشریف لے جاتے تو مدینہ مُنوّرہ سے باہر جانے کے بعد لشکر کا معائنہ فرماتے۔ ان کے حوال کو، ان کی ضرورتوں کو دیکھتے اور لشکر کی اصلاح فرماتے، کم عمر بچوں کو واپس فرما دیتے۔ یہ حضرات شوق میں نکل پڑتے، چنانچہ اُحد کی لڑائی کے لئے جب تشریف لے جانا ہوا تو ایک موقع پر جا کر لشکر کا معائنہ فرمایا اور نوعمروں کو لڑکپن کی وجہ سے واپس فرما دیا جن میں حضراتِ ذیل بھی تھے:۔

عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت، اُسامہ بن زید، زید بن ارقم، براء بن عازب، عمرو بن حزم، اُسَید بن ظہیر، عرابۃ بن اوس، ابوسعید خدری، سَمُرَۃ بن جُندب، رافع بن خدیج رضوان اللہ علیہم اجمعین کہ ان کی عمریں تقریباً تیرہ، چودہ برس کی تھیں، جب ان کو واپسی کا حکم ہوا تو حضرت خَدِیج رضی اللہ عنہ نے سفارش کی اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرا لڑکا رافع تیر چلانا بہت اچھا جانتا ہے اور خود رافع بھی اجازت کے اشتیاق میں اُبھر اُبھر کر کھڑے ہوتے تھے کہ قد لمبا معلوم ہو،

[1] اسدالغابہ، [2] خمیس

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت عطا فرمادی تو سَمُرَۃ بن جُندب رضی اللہ عنہ نے اپنے سوتیلے باپ مُرّۃ بن سنان سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رافع کو تو اجازت مَرحمت فرمادی اور مجھے اجازت نہیں عطا فرمائی حالانکہ میں رافع سے قوی ہوں، اگر میرا اور اس کا مقابلہ ہو تو میں اس کو پچھاڑ لوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کا مقابلہ کرایا تو سمرہ رضی اللہ عنہ نے رافع رضی اللہ عنہ کو واقعی پچھاڑ لیا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سمرہ رضی اللہ عنہ کو بھی اجازت عطا فرمادی۔ اس کے بعد اور بچوں نے بھی کوشش کی اور بعضوں کو اور بھی اجازت مل گئی۔ اسی سلسلے میں رات ہوگئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام لشکر کی حفاظت کا انتظام فرمایا اور پچاس آدمیوں کو پورے لشکر کی حفاظت کے واسطے مُتعیّن فرمایا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہماری حفاظت کون کرے گا؟ ایک صاحب اٹھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا: ذکوان۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا بیٹھ جاؤ۔ پھر فرمایا: ہماری حفاظ کون کرے گا؟ ایک صاحب اٹھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نام دریافت کیا۔ عرض کیا ابو سبع: (سبع کا باپ)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ تیسری مرتبہ پھر ارشاد ہوا کہ ہماری حفاظت کون کرے گا؟ پھر ایک صاحب کھڑے ہوئے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نام دریافت کیا: انہوں نے عرض کیا: ابن عبدالقیس (عبدقیس کا بیٹا)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اچھا بیٹھ جاؤ۔ اس کے تھوڑی دیر بعد ارشاد ہوا کہ تینوں آدمی آجاؤ تو ایک صاحب حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے دونوں ساتھی کہاں گئے؟ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! تینوں دفعہ میں ہی اٹھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی اور حفاظت کا حکم فرمایا۔ رات بھر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی حفاظت فرماتے رہے۔

ف: یہ شوق اور ولولے تھے ان حضرات کے کہ بچہ ہو یا بڑا ہر شخص کچھ ایسا مست تھا کہ جان دینا مستقل مقصود تھا۔ اسی وجہ سے کامیابی ان کے قدم چومتی تھی۔ رافع بن خَدِیج رضی اللہ عنہ نے بدر کی لڑائی میں بھی اپنے آپ کو پیش کیا تھا، مگر اس وقت اجازت نہ مل سکی تھی، پھر اُحد میں پیش کیا جس کا قصّہ ابھی گذرا۔ اس کے بعد سے ہر لڑائی میں شریک ہوتے رہے۔ اُحد کی لڑائی میں سینے میں ایک تیر لگا جب اس کو کھینچا گیا تو سارا نکل آیا، مگر بھال کا حصّہ اندر بدن میں رہ گیا جس نے زخم کی صورت اختیار کی اور اخیر زمانہ میں بڑھاپے کے قریب یہی زخم ہرا ہو کر

موت کا سبب بنا۔[1]

(۷) حضرت زید رضی اللہ عنہ کا قرآن کی وجہ سے تقدُّم

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی عمر ہجرت کے وقت گیارہ سال کی تھی اور چھ سال کی عمر میں یتیم ہو گئے تھے۔ بدر کی لڑائی میں اپنے آپ کو پیش کیا، اجازت نہ ملی۔ پھر احد کی لڑائی میں نکلے مگر واپس کر دیئے گئے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ بعضوں نے کہا ہے کہ چونکہ سَمُرہ رضی اللہ عنہ اور رافع رضی اللہ عنہ دونوں کو اجازت ہو چکی تھی جیسا کہ ابھی اس سے پہلے قصّہ میں گذرا، اس لئے ان کو بھی اجازت ہو گئی تھی۔ اس کے بعد سے ہر لڑائی میں شریک ہوتے رہے۔ تبوک کی لڑائی میں بنو مالِک کا جھنڈا حضرت عُمارہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمارہ رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت زید رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ عمارہ رضی اللہ عنہ کو فکر ہوا کہ شاید مجھ سے کوئی غلطی صادر ہوئی یا کوئی وجہِ ناراضی پیش آئی۔ دریافت کیا: یارسول اللہ! میری کوئی شکایت حضور تک پہنچی ہے؟ ارشاد فرمایا: یہ بات نہیں بلکہ زید قرآن شریف تم سے زیادہ پڑھا ہوا ہے۔ قرآن نے اس کو جھنڈا اٹھانے میں مقدم کر دیا۔[2]

ف: حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول تھا کہ فضائل میں دین کے اعتبار سے ترجیح فرماتے تھے۔ یہاں اگرچہ لڑائی کا موقعہ تھا اور قرآن شریف کے زیادہ پڑھے ہوئے ہونے کو اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔ اس کے باوجود حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی زیادتی کی وجہ سے جھنڈے کے اٹھانے میں ان کو مقدم فرمایا۔ اکثر چیزوں میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کا لحاظ فرماتے تھے، حتیٰ کہ اگر کئی آدمیوں کو کسی ضرورت سے ایک قبر میں دفن فرمانے کی نوبت آتی تو جس کا قرآن شریف زیادہ پڑھا ہوا ہوتا تھا، اس کو مقدم فرماتے تھے جیسا کہ غزوۂ اُحد میں کیا۔

---

[1] اسد الغابہ، [2] اسد الغابہ

(۸) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے باپ کا انتقال

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں احد کی لڑائی میں پیش کیا گیا۔ تیرہ سال کی میری عمر تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا۔ میرے والد نے سفارش بھی کی کہ اس کے قویٰ اچھے ہیں، ہڈیاں بھی موٹی ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نگاہ میری طرف اوپر کو اٹھاتے تھے پھر نیچے کر لیتے تھے، بالآخر کم عمر ہونے کی وجہ سے اجازت نہیں دی۔ میرے والد اس لڑائی میں شریک ہوئے اور شہید ہو گئے، کوئی مال وغیرہ کچھ نہ تھا۔ میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سوال کرنے کی غرض سے حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ جو صبر مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو صبر عطا فرماتے ہیں اور جو پاکبازی اللہ سے مانگتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ اس کو پاکباز بنا دیتے ہیں اور جو غِنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو غنا عطا فرماتے ہیں، میں نے یہ مضمون حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، پھر کچھ نہ مانگا، چپکے ہی واپس آ گیا۔ اس کے بعد حق تعالیٰ شانہٗ نے ان کو وہ رتبہ عطا فرمایا کہ نوعمر صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس بڑے درجہ کا عالمِ دوسرا مشکل سے ملے گا۔[1]

ف: بچپن کی عمر اور باپ کے صدمہ کے علاوہ ضرورت کا وقت لیکن نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عام نصیحت کو سن کر چپ چاپ چلے آنا اور اپنی پریشانی کا اظہار تک نہ کرنا، کیا آج کل کوئی بڑی عمر والا بھی کر سکتا ہے؟ سچ یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کے لئے ایسے ہی لوگ چنے تھے جو اس کے اہل تھے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو خاتمہ میں آتا ہے کہ اللہ نے سارے آدمیوں میں سے میرے صحابہ کو چنا ہے۔

(۹) حضرت سَلَمہ رضی اللہ عنہ بن اَکوَع کی غابہ پر دوڑ

غابہ مدینہ طیّبہ سے چار پانچ میل پر ایک آبادی تھی۔ وہاں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ اونٹ چرا کرتے تھے۔ کافروں کے ایک مجمع کے ساتھ عبدالرحمٰن فزاری نے ان کو لوٹ لیا۔ جو صاحب چراتے تھے ان کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو لے کر چل دیئے۔ یہ لٹیرے لوگ گھوڑوں

---

[1] اصابہ، استیعاب

پر سوار تھے اور ہتھیار لگائے ہوئے تھے۔ اتفاقاً حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ صبح کے وقت پیدل تیر کمان لئے ہوئے غابہ کی طرف چلے جارہے تھے کہ اچانک ان لٹیروں پر نگاہ پڑی، بچے تھے دوڑتے بہت تھے، کہتے ہیں کہ ان کی دوڑ ضرب المثل اور مشہور تھی۔ یہ اپنی دوڑ میں گھوڑے کو پکڑ لیتے تھے اور گھوڑا ان کو نہیں پکڑ سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی تیر اندازی میں بھی مشہور تھے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے مدینہ مُنوّرہ کی طرف منہ کر کے ایک پہاڑی پر چڑھ کر لُوٹ کا اعلان کیا اور خود تیر کمان ساتھ تھی ہی، ان لٹیروں کے پیچھے دوڑ لئے، حتیٰ کہ ان کے پاس تک پہنچ گئے اور تیر مارنے شروع کئے اور اس پھرتی سے دمادم تیر برسائے کہ وہ لوگ بڑا مجمع سمجھے اور چونکہ خود تنہا تھے اور پیدل بھی تھے۔ اس لئے جب کوئی گھوڑا لوٹا کر پیچھا کرتا تو کسی درخت کی آڑ میں چھپ جاتے اور آڑ میں سے اس کے گھوڑے کے تیر مارتے جس سے وہ زخمی ہوتا اور وہ اس خیال سے واپس جاتا کہ گھوڑا اگر گیا تو میں پکڑا جاؤں گا۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: غرض وہ بھاگتے رہے اور میں پیچھا کرتا رہا، حتیٰ کہ جتنے اونٹ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لوٹے تھے وہ میرے پیچھے ہو گئے اور اس کے علاوہ تیس برچھے اور تیس چادریں وہ اپنی چھوڑ گئے۔

اتنے میں عیینہ بن حصن کی ایک جماعت مدد کے طور پر ان کے پاس پہنچ گئی اور ان لٹیروں کو قوت حاصل ہو گئی۔ یہ بھی ان کو معلوم ہو گیا کہ میں اکیلا ہوں۔ انہوں نے کئی آدمیوں نے مل کر میرا پیچھا کیا، میں ایک پہاڑ پر چڑھ گیا، وہ بھی چڑھ گئے۔ جب میرے قریب ہو گئے تو میں نے زور سے کہا کہ ذرا ٹھہرو، پہلے میری ایک بات سنو۔ تم مجھے جانتے بھی ہو کہ میں کون ہوں؟ انہوں نے کہا کہ بتا کون ہے۔ میں نے کہا: میں ابن اَلاکوع ہوں۔ اس ذات پاک کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت دی، تم میں سے اگر کوئی مجھے پکڑنا چاہے تو نہیں پکڑ سکتا اور تم میں سے جس کو میں پکڑنا چاہوں وہ مجھ سے ہرگز نہیں چھوٹ سکتا۔ ان کے متعلق چونکہ عام طور سے یہ شہرت تھی کہ بہت زیادہ دوڑتے ہیں حتیٰ کہ عربی گھوڑا بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے یہ دعویٰ کچھ عجیب نہیں تھا۔ سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اسی طرح ان سے بات چیت کرتا رہا اور میرا مقصود یہ تھا کہ ان لوگوں کے پاس تو مدد پہنچ گئی ہے، مسلمانوں کی طرف سے میری مدد بھی آجائے کہ میں بھی مدینہ میں اعلان کر کے آیا تھا۔

غرض ان سے اسی طرح میں بات کرتا رہا اور درختوں کے درمیان سے مدینہ مُنوّرہ کی طرف غور سے دیکھتا رہا کہ مجھے ایک جماعت گھوڑے سواروں کی دوڑ کر آتی ہوئی نظر آئی، ان میں سے سب سے آگے اَخرم اسدی رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے آتے ہی عبدالرحمٰن فزاری پر حملہ کیا اور عبدالرحمٰن بھی ان پر متوجہ ہوا۔ انہوں نے عبدالرحمٰن کے گھوڑے پر حملہ کیا اور پاؤں کاٹ دیئے۔ جس سے وہ گھوڑا گرا اور عبدالرحمٰن نے گرتے ہوئے ان پر حملہ کر دیا جس سے وہ شہید ہو گئے اور عبدالرحمٰن فوراً ان کے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ ان کے پیچھے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ تھے، فوراً انہوں نے حملہ شروع کر دیا۔ عبدالرحمٰن نے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے پاؤں پر حملہ کیا جس سے وہ گرے اور گرتے ہوئے انہوں نے عبدالرحمٰن پر حملہ کیا جس سے وہ قتل ہو گیا اور ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فوراً اس گھوڑے پر جو اخرم اسدی رضی اللہ عنہ کا تھا اور اب اس پر عبدالرحمٰن سوار ہو رہا تھا سوار ہو گئے۔[1]

ف: بعض تواریخ میں لکھا ہے کہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے اخرم اسدی رضی اللہ عنہ کو حملہ سے روکا بھی تھا کہ ذرا ٹھہر جاؤ، اپنا مجمع اور آنے دو، مگر انہوں نے فرمایا کہ مجھے شہید ہونے دو۔ کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں صرف یہی شہید ہوئے اور کُفّار کے بہت سے آدمی اس لڑائی میں مارے گئے۔ اس کے بعد بڑا مجمع مسلمانوں کا پہنچ گیا اور وہ لوگ بھاگ گئے تو حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میرے ساتھ سو آدمی کر دیں میں ان کا پیچھا کروں گا، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اپنی جماعتوں میں پہنچ گئے۔ اکثر تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت بارہ یا تیرہ برس کی تھی۔ بارہ تیرہ برس کا لڑکا گھوڑے سواروں کی ایک بڑی جماعت کو اس طرح بھگا دے کہ ہوش و حواس گم ہو جائیں، جو لُوٹا تھا وہ بھی چھوڑ دیں اور اپنا بھی سامان چھوڑ جائیں، یہ اسی اخلاص کی برکت تھی جو اللہ جل شانہٗ نے اس جماعت کو نصیب فرمایا تھا۔

(۱۰) بدر کا مقابلہ اور حضرت براء رضی اللہ عنہ کا شوق

بدر کی لڑائی سب سے افضل اور سب سے زیادہ مُہتَمّ بالشّان لڑائی ہے اس لئے کہ اس

---

[1] ابوداؤد

میں مقابلہ نہایت سخت تھا۔ مسلمانوں کی جماعت نہایت قلیل، کل تین سو[۳۱۵] پندرہ آدمی تھے۔ جن کے پاس صرف تین[۳] گھوڑے چھ[۶] یا نو[۹] زرہیں اور آٹھ[۸] تلواریں تھیں اور ستر[۷۰] اونٹ تھے۔ ایک ایک اونٹ پر کئی کئی آدمی باری باری سوار ہوتے تھے اور کفّار کی جماعت ایک ہزار کے قریب تھی جن میں سو گھوڑے اور سات سو اونٹ اور لڑائی کا کافی سامان تھا۔ اسی وجہ سے وہ لوگ نہایت اطمینان کے ساتھ باجوں اور گانے والی عورتوں کے ساتھ میدان میں آئے۔ ادھر نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت مُتفکر کہ مسلمان نہایت کمزوری کی حالت میں تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں جماعتوں کا اندازہ فرمایا تو دعا مانگی: یا اللہ! یہ مسلمان ننگے پاؤں ہیں، تو ہی ان کو سواری دینے والا ہے۔ یہ ننگے بدن ہیں تو ہی ان کو کپڑا پہنانے والا ہے، یہ بھوکے ہیں، تو ہی ان کا پیٹ بھرنے والا ہے۔ یہ فقیر ہیں تو ہی ان کو غنی کرنے والا ہے، چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی۔

ان سب باتوں کے باوجود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ دونوں حضرات لڑائی میں شرکت کے شوق میں گھر سے چل دیئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ ہونے کی وجہ سے راستہ میں لوٹا دیا۔[۱] یہ دونوں حضرات احد کی لڑائی میں سے بھی واپس کئے گئے تھے جیسا کہ پہلے قصّہ میں گذر چکا ہے۔ اُحد کی لڑائی بدر کی لڑائی سے ایک سال بعد ہوئی۔ جب اس میں بھی یہ بچوں میں شمار کئے گئے تو بدر میں بطریق اولیٰ بچے تھے، مگر ان حضرات کا شوق تھا کہ بچپن ہی سے یہ ولولہ اور شوق دل میں جوش مارتا تھا اور ہر لڑائی میں شریک ہونے اور اجازت ملنے کی کوشش کرتے تھے۔

(۱۱) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عبداللہ بن اُبَیّ کا اپنے باپ سے معاملہ

۵ھ میں بنو المُصْطَلِق کی مشہور جنگ ہوئی۔ اس میں ایک مہاجری اور ایک انصاری کی باہم لڑائی ہوگئی، معمولی بات تھی، مگر بڑھ گئی۔ ہر ایک نے اپنی اپنی قوم سے دوسرے کے خلاف مدد چاہی اور دونوں طرف جماعتیں پیدا ہوگئیں اور قریب تھا کہ آپس میں لڑائی کا معرکہ گرم ہو جائے کہ درمیان میں بعض لوگوں نے پڑ کر صلح کرا دی۔ عبداللہ بن اُبَیّ

[۱] خمیس

منافقوں کا سردار اور نہایت مشہور منافق اور مسلمانوں کا سخت مخالف تھا، مگر چونکہ اسلام ظاہر کرتا تھا اس لئے اس کے ساتھ خلاف کا برتاؤ نہ کیا جاتا تھا اور یہی اس وقت منافقوں کے ساتھ عام برتاؤ تھا۔ اس کو جب اس قصّے کی خبر ہوئی تو اس نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ لفظ کہے اور اپنے دوستوں سے خطاب کر کے کہا کہ یہ سب کچھ تمہارا اپنا ہی کیا ہوا ہے، تم نے ان لوگوں کو اپنے شہروں میں ٹھکانا دیا۔ اپنے مالوں کو ان کے درمیان آدھوں آدھ بانٹ لیا۔ اگر تم ان لوگوں کی مدد کرنا چھوڑ دو تو اب بھی سب چلے جاویں اور یہ بھی کہا کہ خدا کی قسم! ہم لوگ اگر مدینہ پہنچ گئے تو ہم عزت والے مل کر ان ذلیلوں کو وہاں سے نکال دیں گے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نو عمر بچے تھے، وہاں موجود تھے یہ سن کر تاب نہ لا سکے۔ کہنے لگے کہ خدا کی قسم! تو ذلیل ہے، تو اپنی قوم میں بھی ترچھی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، تیرا کوئی حمایتی نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم عزت والے ہیں، رحمٰن کی طرف سے بھی عزت دیئے گئے ہیں اور اپنی قوم میں بھی عزت والے ہیں۔ عبداللہ بن ابی نے کہا کہ اچھا چپکا رہ۔ میں تو ویسے ہی مذاق میں کہہ رہا تھا، مگر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جا کر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درخواست بھی کی کہ اس کافر کی گردن اڑا دی جائے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت نہ فرمائی۔ عبداللہ بن اُبَیّ کو جب اس کی خبر ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ قصّہ پہنچ گیا ہے تو حاضرِ خدمت ہو کر جھوٹی قسمیں کھانے لگا کہ میں نے کوئی لفظ ایسا نہیں کہا، زید نے جھوٹ نقل کر دیا۔ انصار کے بھی کچھ لوگ حاضرِ خدمت تھے۔ انہوں نے بھی سفارش کی کہ یا رسول اللہ! عبداللہ قوم کا سردار ہے، بڑا آدمی شمار ہوتا ہے۔ ایک بچہ کی بات اس کے مقابلہ میں قابلِ قبول نہیں، ممکن ہے کہ سننے میں کچھ غلطی ہوئی ہو یا سمجھنے میں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا عذر قبول فرما لیا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کو جب اس کی خبر ہوئی کہ اس نے جھوٹی قسموں سے اپنے آپ کو سچّا ثابت کر دیا اور زید رضی اللہ عنہ کو جھٹلا دیا تو شرم کی وجہ سے باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بھی ندامت کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے، بالآخر سورۂ منافقون نازل ہوئی جس سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی سچّائی اور عبداللہ بن اُبَیّ کی جھوٹی قسموں کا حال ظاہر ہوا،

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی وقعت موافق، مخالف سب کی نظروں میں بڑھ گئی اور عبداللہ بن اُبَیّ کا قصّہ بھی سب پر ظاہر ہوگیا۔ جب مدینہ مُنوّرہ قریب آیا تو عبداللہ بن اُبَیّ کے بیٹے جن کا نام بھی عبداللہ رضی اللہ عنہ تھا اور بڑے پکے مسلمانوں میں تھے۔ مدینہ مُنورہ سے باہر تلوار کھینچ کر کھڑے ہوگئے اور باپ سے کہنے لگے کہ اس وقت تک مدینہ مُنوّرہ میں داخل نہیں ہونے دوں گا جب تک اس کا اقرار نہ کرے کہ تو ذلیل ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم عزیز ہیں۔ اس کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ صاحبزادہ ہمیشہ سے باپ کے ساتھ بہت احترام اور نیکی کا برتاؤ کرنے والے تھے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں تحمّل نہ کر سکے۔ آخر اس نے مجبور ہو کر اس کا اقرار کیا کہ واللہ! میں ذلیل ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم عزیز ہیں۔ اس کے بعد مدینہ میں داخل ہو سکا۔[1]

(۱۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حَمْراءُ الاَسَد میں شرکت

اُحد کی لڑائی سے فراغت پر مسلمان مدینہ طیّبہ پہنچے۔ سفر اور لڑائی کی تکان خوب تھی۔ مگر مدینہ مُنوّرہ پہنچتے ہی یہ اطلاع ملی کہ ابوسفیان نے لڑائی سے واپسی پر حمراءُ الاسد (ایک جگہ کا نام ہے) پہنچ کر ساتھیوں سے مشورہ کیا اور یہ رائے قائم کی کہ احد کی لڑائی میں مسلمانوں کو شکست ہوئی ہے، ایسے موقع کو غنیمت سمجھنا چاہئے تھا کہ نہ معلوم پھر ایسا وقت آسکے یا نہ آسکے۔ اس لئے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نَعُوذُ بِاللہ قتل کر کے لوٹنا چاہئے تھا۔ اس ارادہ سے اس نے واپسی کا مشورہ کیا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ جو لوگ اُحد میں ساتھ تھے وہی صرف ساتھ ہوں اور دوبارہ حملہ کے لئے چلنا چاہئے۔ اگرچہ مسلمان اس وقت تھکے ہوئے تھے، مگر اس کے باوجود سب کے سب تیار ہو گئے۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا تھا کہ صرف وہی لوگ ساتھ چلیں جو احد میں ساتھ تھے اس لئے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! میری تمنّا احد میں بھی شرکت کی تھی مگر والد نے یہ کہہ کر اجازت نہ دی کہ میری سات بہنیں ہیں، کوئی مرد اور ہے نہیں۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ ہم دونوں میں سے ایک کا رہنا ضروری ہے اور وہ خود جانے کا ارادہ فرما چکے تھے اس لئے مجھے اجازت نہ دی تھی۔ احد کی لڑائی میں ان کی شہادت ہوگئی۔ اب حضور مجھے اجازت مرحمت

---

[1] خمیس

فرمادیں کہ میں بھی ہمرکاب چلوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت عطا فرمادی۔ ان کے علاوہ اور کوئی ایسا شخص نہیں گیا جو احد میں شریک نہ ہو۔[1]

ف: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اس شوق وتمنا سے اجازت مانگنا کس قدر قابلِ رشک ہے کہ والد کا ابھی انتقال ہوا ہے۔ قرضہ بھی باپ کے ذمہ بہت سا ہے، وہ بھی یہود کا جو سختی کا برتاؤ کیا کرتے تھے اور ان کے ساتھ خاص طور سے سختی کا معاملہ کررہے تھے۔ اس سب کے علاوہ بہنوں کے گذران کا فکر کہ سات بہنیں بھی باپ نے چھوڑی ہیں جن کی وجہ سے ان کو احد کی لڑائی میں شرکت کی باپ نے اجازت بھی نہ دی تھی لیکن جہاد کا شوق ان سب پر غالب ہے۔

(۱۳) حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی بہادری روم کی لڑائی میں

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ۲۶ھ میں مصر کے پہلے حاکم حضرت عَمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بجائے جب عبداللہ بن ابی سَرح رضی اللہ عنہ حاکم بنائے گئے تو وہ روم کی لڑائی کے واسطے بیس ہزار کے مجمع کے ساتھ نکلے، رومیوں کا لشکر دولاکھ کے قریب تھا، بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ رومیوں کے امیر جُرجیر نے اعلان کیا کہ جو شخص عبداللہ بن ابی سرح کو قتل کردے گا اس سے اپنی بیٹی کا نکاح کروں گا اور ایک لاکھ دینار انعام بھی دوں گا۔ اس اعلان سے بعض مسلمانوں کو فکر ہوا، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو علم ہوا۔ انہوں نے کہا: یہ فکر کی بات نہیں، ہماری طرف سے بھی اعلان کیا جائے کہ جو جرجیر کو قتل کرے گا اس کی بیٹی سے اس کا نکاح کیا جائے گا اور ایک لاکھ دینار انعام اور مزید یہ کہ اسی کو اِن شہروں کا امیر بھی بنادیا جائے گا۔ الغرض دیر تک مقابلہ ہوتا رہا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے دیکھا کہ جرجیر سارے لشکر کے پیچھے ہے اور لشکر اس سے آگے بڑھا ہوا ہے۔ دو باندیاں مور کے پروں سے اس پر سایہ کئے ہوئے ہیں، انہوں نے غفلت کی حالت میں لشکر سے ہٹ کر اس پر تنہا جاکر حملہ کیا اور وہ سمجھتا رہا کہ یہ تنہا اس طرح بڑھے آرہے ہیں، کوئی پیغامِ صلح لے کر آئے ہیں، مگر انہوں نے سیدھے پہنچ کر اس پر حملہ کردیا، اور تلوار سے سر کاٹ کر برچھے پر اٹھا کر

---

[1] خمیس

لے آئے اور سب دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

ف: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نو عمر ہی تھے، ہجرت کے بعد سب سے پہلی پیدائش مہاجرین میں ان ہی کی ہے۔ مسلمانوں کو ان کی پیدائش سے بہت خوشی ہوئی تھی اس لئے کہ ایک سال تک کسی مہاجری کے کوئی لڑکا نہ ہوا تھا تو یہود نے یہ کہہ دیا تھا کہ ہم نے ان مہاجرین پر جادو کر رکھا ہے، ان کے لڑکا نہیں ہوسکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بچوں کو بیعت فرمانے کا نہیں تھا لیکن حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو سات برس کی عمر میں بیعت فرما لیا تھا۔ اس لڑائی کے وقت ان کی عمر چوبیس ۲۴ پچیس ۲۵ سال کی تھی۔ اس عمر میں دو لاکھ کے مجمع کو پھلانگ کر اس طرح سے بادشاہ کا سر کاٹ لانا معمولی چیز نہیں۔

(۱۴) حضرت عَمرو بن سَلَمَہ رضی اللہ عنہ کا کفر کی حالت میں قرآن پاک یاد کرنا

عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ طیّبہ کے راستے میں ایک جگہ رہا کرتے تھے۔ وہاں کے آنے جانے والے ہمارے پاس سے گذرتے تھے۔ جو لوگ مدینہ مُنوّرہ سے واپس آتے ہم ان سے حالات پوچھا کرتے تھے کہ لوگوں کا کیا حال چال ہے؟ جو صاحب نبوت کا دعوٰی کرتے ہیں ان کی کیا خبر ہے؟ وہ لوگ حالات بیان کرتے کہ وہ کہتے ہیں: مجھ پر وحی آتی ہے، یہ یہ آیتیں نازل ہوئیں، میں کم عمر بچہ تھا۔ وہ جو بیان کرتے میں اس کو یاد کرلیا کرتا۔ اسی طرح مسلمان ہونے سے پہلے ہی مجھے بہت سا قرآن شریف یاد ہوگیا تھا۔ عرب کے سب لوگ مسلمان ہونے کے لئے مکّہ والوں کا انتظار کر رہے تھے۔ جب مکّہ مکرمہ فتح ہوگیا تو ہر جماعت اسلام میں داخل ہونے کے لئے حاضرِ خدمت ہوئی۔ میرے باپ بھی اپنی قوم کے چند آدمیوں کے ساتھ ساری قوم کی طرف سے قاصد بن کر حاضرِ خدمت ہوئے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شریعت کے احکام بتائے اور نماز سکھائی۔ جماعت کا طریقہ بتایا اور ارشاد فرمایا کہ جس کو تم میں سب سے زیادہ قرآن یاد ہو وہ امامت کے لئے افضل ہے۔ میں چونکہ آنے والوں سے آیتیں سن کر ہمیشہ یاد کرلیا کرتا تھا اس لئے سب سے زیادہ حافظِ قرآن میں ہی تھا۔ سب نے تلاش کیا، مجھ سے زیادہ حافظِ قرآن کوئی بھی قوم میں نہ نکلا

تو مجھ ہی کو انہوں نے امام بنایا۔ میری عمر اس وقت چھ سات برس کی تھی۔ جب کوئی مجمع ہوتا یا جنازہ کی نماز کی نوبت آتی تو مجھ ہی کو امام بنایا جاتا۔[1]

ف: یہ دین کی طرف طبعی میلان اور رجحان کا اثر تھا کہ اس عمر میں بغیر مسلمان ہوئے قرآن شریف کا بہت سا حصّہ یاد کرلیا۔ رہا بچہ کی امامت کا قصّہ یہ مسئلہ کی بحث ہے، جن کے نزدیک جائز ہے ان کے نزدیک تو اشکال نہیں اور جن کے نزدیک جائز نہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی لوگوں کو ارشاد فرمایا تھا کہ تم میں جس کو قرآن زیادہ یاد ہو، بچے اس سے مراد نہیں تھے۔

(۱۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنے غلام کے پاؤں میں بیڑی ڈالنا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام حضرت عِکْرِمہ رحمۃ اللہ علیہ مشہور علماء میں ہیں۔ کہتے ہیں کہ میرے آقا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے قرآن اور حدیث اور شریعت کے احکام پڑھانے کے لئے میرے پاؤں میں بیڑی ڈال دی تھی کہ کہیں آؤں جاؤں نہیں۔ وہ مجھے قرآن شریف پڑھاتے اور حدیث شریف پڑھاتے۔[2]

ف: حقیقت میں پڑھنا اسی صورت سے ہوسکتا ہے۔ جو لوگ پڑھنے کے زمانہ میں سیر وسفر اور بازار کی تفریح کے شوق میں رہتے ہیں وہ بیکار اپنی عمر ضائع کرتے ہیں۔ اسی چیز کا اثر تھا کہ پھر عکرمہ غلام، حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ بن گئے کہ ''بَحرُ الاُمَّۃ'' اور ''حِبرُ الامَّۃ'' کے القاب سے یاد کئے جانے لگے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ تمام تابعین میں زیادہ عالم چار ہیں، جن میں سے ایک عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

(۱۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بچپن میں حفظِ قرآن

خود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھ سے تفسیر پوچھو، میں نے بچپن میں قرآن شریف حفظ کیا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ میں نے دس برس کی عمر میں اخیر کی منزل پڑھ لی تھی۔[3]

---

[1] بخاری، ابوداؤد، [2] بخاری، ابن سعد، [3] بخاری وفتح

ف: اس زمانہ کا پڑھنا ایسا نہیں تھا جیسا کہ اس زمانہ میں ہم لوگ غیر زبان والوں کا، بلکہ جو کچھ پڑھتے تھے وہ مع تفسیر کے پڑھتے تھے۔ اسی واسطے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما تفسیر کے بہت بڑے امام ہیں کہ بچپن کا یاد کیا ہوا بہت محفوظ ہوتا ہے۔ چنانچہ تفسیر کی حدیثیں جتنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل ہیں، بہت کم دوسرے حضرات سے اتنی نقل ہوں گی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قرآن کے بہترین مفسّر ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ ابوعبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہم کو قرآن شریف پڑھاتے تھے وہ کہتے تھے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دس آیتیں قرآن کی سیکھتے تھے، اس کے بعد دوسری دس آیتیں اس وقت تک نہیں سیکھتے تھے، جب تک پہلی دس آیتوں کے موافق علم اور عمل نہیں ہو جاتا تھا۔[1] تیرہ ۱۳ سال کی عمر تھی جس وقت کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ اس عمر میں جو درجہ تفسیر و حدیث میں حاصل کیا وہ کھلی کرامت اور قابلِ رشک ہے کہ امام تفسیر ہیں اور بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم تفسیر ان سے دریافت کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی دعا کا ثمرہ تھا کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم استنجے کے لئے تشریف لے گئے، باہر تشریف لائے تو لوٹا بھرا ہوا رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: یہ کس نے رکھا ہے؟ عرض کیا گیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خدمت پسند آئی اور دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ دین کا فہم اور کتاب اللہ کی سمجھ عطا فرمائیں۔ اس کے بعد ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نوافل پڑھ رہے تھے، یہ بھی نیت باندھ کر پیچھے کھڑے ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سے کھینچ کر برابر کھڑا کر لیا کہ ایک مقتدی اگر ہو تو اس کو برابر کھڑا ہونا چاہئے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو نماز میں مشغول ہو گئے، یہ ذرا سا پیچھے کو ہٹ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد دریافت فرمایا: عرض کیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ کے برابر کس طرح کھڑا ہو سکتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علم و فہم کے زیادہ ہونے کی دعا دی۔[2]

(۱۷) حضرت عبداللہ بن عَمرِو بنِ العاص رضی اللہ عنہ کا حفظِ حدیث

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ان عابد اور زاہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں تھے کہ

---

[1] منتخب کنز، [2] اصابہ

روزانہ ایک کلامِ مجید ختم کرتے اور رات بھر عبادت میں مشغول رہتے تھے اور دن کو ہمیشہ روزہ دار رہتے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کثیر محنت پر تنبیہ بھی فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ایسی صورت میں بدن ضعیف ہو جائے گا، آنکھیں رات بھر جاگنے سے پتھرا جائیں گی، بدن کا بھی حق ہے، اہل وعیال کا بھی حق ہے، آنے جانے والوں کا بھی حق ہے۔ کہتے ہیں میرا معمول تھا کہ روزانہ ایک ختم کرتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک مہینے میں ایک قرآن پڑھا کرو۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اپنی قوت اور جوانی سے مُنتفع ہونے کی اجازت فرما دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا بیس روز میں ایک ختم کر لیا کرو۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! بہت کم ہے۔ مجھے اپنی جوانی اور قوت سے مُتمتّع ہونے کی اجازت دیجئے۔ غرض اسی طرح عرض کرتا رہا۔ اخیر میں تین دن میں ایک ختم کی اجازت ہوئی۔ ان کا معمول تھا کہ نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو تحریر کیا کرتے تھے تاکہ یاد رہیں، چنانچہ ان کے پاس ایک مجموعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا لکھا ہوا تھا جس کا نام انہوں نے "صادقہ" رکھا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سنتا اس کو لکھ لیا کرتا تاکہ یاد رہے۔ مجھے لوگوں نے منع کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہر حال آدمی ہیں، کبھی غصّہ اور ناراضی میں کسی کو کچھ فرماتے ہیں، کبھی خوشی اور مزاح میں کچھ ارشاد ہوتا ہے، ہر بات نہ لکھا کرو۔ میں نے چھوڑ دیا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے اس کا ذکر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لکھا کرو۔ اس پاک ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس منہ سے غصّہ میں یا خوشی میں حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلتی۔[1]

ف: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ باوجود اس قدر زاہد عابد ہونے کے کہ کثرتِ عبادت میں ممتاز شمار کئے جاتے ہیں۔ پھر بھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہ میں مجھ سے زیادہ روایت کرنے والا کوئی نہیں بجز عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے کہ وہ لکھتے تھے، میں لکھتا نہیں تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی روایات ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی بہت زیادہ ہیں، اگرچہ ہمارے زمانے میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات ان سے کہیں زیادہ ملتی ہیں جس کی بہت سی وجوہ ہیں، لیکن اس زمانہ میں اتنی عبادت پر بھی کثرت سے ان کی احادیث موجود تھیں۔

[1] مسند احمد، ابن سعد

(۱۸) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا حفظِ قرآن

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہیں جو اپنے زمانے میں بڑے عالم اور بڑے مفتی شمار ہوتے تھے، بالخصوص فرائض کے ماہر تھے۔ کہا جاتا ہے کہ مدینہ مُنوّرہ میں فتویٰ، قضا، فرائض، قرأت میں ان کا شمار چوٹی کے لوگوں میں تھا۔ جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ مُنوّرہ تشریف لائے تو اس وقت کم عمر بچے تھے۔ گیارہ برس کی عمر تھی، اسی وجہ سے باوجود خواہش کے ابتدائی لڑائیوں، یعنی بدر وغیرہ میں شرکت کی اجازت نہیں ہوئی۔ ہجرت سے پانچ برس پہلے چھ سال کی عمر میں یتیم بھی ہو گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کے لئے مدینہ مُنوّرہ پہنچے تو جیسے اور لوگ حاضرِ خدمت ہو رہے تھے اور حصول برکت کے واسطے بچوں کو بھی ساتھ لا رہے تھے، زید رضی اللہ عنہ بھی خدمت میں حاضر کئے گئے۔ زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب پیش کیا گیا تو عرض کیا گیا کہ یہ قبیلۂ نجّار کا ایک لڑکا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل ہی اس نے سترہ سورتیں قرآن پاک کی حفظ کر لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امتحان کے طور پر مجھے پڑھنے کو ارشاد فرمایا۔ میں نے سورۂ قٓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا پڑھنا پسند آیا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خطوط یہود کے پاس بھیجنا ہوتے تھے وہ یہود ہی لکھتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہود کی جو خط و کتابت ہوتی ہے اس پر مجھ کو اطمینان نہیں کہ گڑبڑ نہ کر دیتے ہوں۔ تُو یہود کی زبان سیکھ لے۔ زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں صرف پندرہ دن میں ان کی زبان عبرانی میں کامل ہو گیا تھا۔ اس کے بعد جو تحریر ان کو جاتی وہ میں ہی لکھتا اور جو تحریر یہود کے پاس سے آتی وہ میں ہی پڑھتا۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے بعض لوگوں کو سُریانی[1] زبان میں خطوط لکھنا پڑتے ہیں اس لئے مجھ کو سریانی زبان سیکھنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ میں نے سترہ دن میں سریانی زبان سیکھ لی تھی۔[2]

---

[1] ملکِ شام کی ایک قدیم زبان، [2] فتح، اصابہ

(۱۹) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا بچپن میں علمی مشغلہ

سیّدُ السادات حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی پیدائش جمہور کے قول کے موافق رمضان ۳ھ میں ہے، اس اعتبار سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت ان کی عمر سات برس اور کچھ مہینوں کی ہوئی۔ سات برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے جس میں کوئی علمی کمال حاصل کیا جا سکتا ہو، لیکن اس کے باوجود حدیث کی کئی روایتیں ان سے نقل کی جاتی ہیں۔ ابوالحوراء رحمۃ اللہ علیہ ایک شخص ہیں، انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات یاد ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا۔ راستہ میں صدقہ کی کھجوروں کا ایک ڈھیر لگ رہا تھا، میں نے اس میں سے ایک کھجور اٹھا کر منہ میں رکھ لی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کخ کخ (ہاہا) فرمایا اور میرے منہ سے نکال دی اور یہ ارشاد فرمایا کہ ہم صدقہ کا مال نہیں کھاتے اور میں نے پانچوں نمازیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سمجھی ہیں۔[1] حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے وتر میں پڑھنے کے لئے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا بتائی تھی:

"اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ، وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ، وَ تَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ، وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ ، وَقِنِیْ شَرَّ مَاقَضَیْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْكَ، اِنَّهٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا! وَتَعَالَیْتَ"

ترجمہ: اے اللہ! تو مجھے ہدایت فرما منجملہ ان کے جن کو تو نے ہدایت فرمائی اور مجھے عافیت عطا فرما ان لوگوں کے ذیل میں جن کو تو نے عافیت بخشی اور تو میرے کاموں کا مُتَوَلّی بن جا، جہاں اور بہت سے لوگوں کا مُتَوَلّی ہے اور جو کچھ تو نے مجھے عطا فرمایا اس میں برکت عطا فرما اور جو کچھ تو نے مقدّر فرمایا ہے اس کی برائی سے مجھے بچا کہ تو تو جو چاہے طے فرما سکتا ہے۔ تیرے خلاف کوئی شخص کوئی بھی فیصلہ نہیں کر سکتا اور جس کا تو والی ہے وہ کبھی ذلیل نہیں ہو سکتا۔ تیری ذات بابرکت ہے اور سب سے بلند ہے۔

---

[1] مسند احمد

امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جو شخص صبح کی نماز کے بعد سے طلوع آفتاب تک اسی جگہ بیٹھا رہے وہ جہنم کی آگ سے نجات پائے گا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کئی حج پیدل کئے اور ارشاد فرماتے تھے کہ مجھے اس سے شرم آتی ہے کہ مرنے کے بعد اللہ سے ملوں اور اس کے گھر پاؤں چل کر نہ گیا ہوں۔ نہایت حلیم مزاج تھے اور پرہیز گار۔ مسندِ احمد میں متعدد روایات ان سے نقل کی گئی ہیں اور صاحب تلقیح نے ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان کا ذکر کیا ہے جن سے تیرہ حدیثیں روایت کی جاتی ہیں۔ سات برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے۔ اس وقت کی اتنی احادیث کا یاد رکھنا اور نقل کرنا حافظہ کا کمال ہے اور شوق کی انتہا۔ افسوس ہے کہ ہم لوگ اپنے بچوں کو سات برس تک دین کی معمولی سی باتیں بھی نہیں بتاتے۔

(۲۰) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا بچپن میں علمی مشغلہ

سیّدُ السادات حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بھی ایک سال چھوٹے تھے، اس لئے ان کی عمر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت اور بھی کم تھی یعنی چھ برس اور چند مہینے کی تھی۔ چھ برس کا بچہ کیا دین کی باتوں کو محفوظ کر سکتا ہے، لیکن امام حسین رضی اللہ عنہ کی روایتیں حدیث کی کتابوں میں نقل کی جاتی ہیں اور محدثین نے اس جماعت میں ان کا شمار کیا ہے جن سے آٹھ حدیثیں منقول ہیں۔ امام حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ کوئی مسلمان مرد ہو یا عورت اس کو کوئی مصیبت پہنچی ہو پھر وہ عرصہ کے بعد یاد آئے اور یاد آنے پر پھر وہ "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" پڑھے تو اس کو اس وقت بھی اتنا ہی ثواب پہنچے گا جتنا کہ مصیبت کے وقت پہنچا تھا۔ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت جب دریا پر سوار ہو اور سوار ہوتے وقت "بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ" ۝ (ھود:۴۱) پڑھے تو یہ ڈوبنے سے امن کا ذریعہ ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے پچیس ۲۵ حج پیدل کئے ہیں، نماز اور روزہ کی بھی بہت کثرت فرماتے تھے اور صدقہ اور دین کے ہر کام میں کثرت کا اہتمام تھا۔ ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات آپ کو یاد ہے؟ انہوں

نے فرمایا: ہاں! میں ایک کھڑکی پر چڑھا جس میں کھجوریں رکھی تھیں۔ اس میں سے ایک کھجور میں نے منہ میں رکھ لی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو پھینک دو، ہم کو صدقہ جائز نہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بیکار کاموں میں مشغول نہ ہو[1]۔ ان کے علاوہ اور بھی مُتعدِّد روایات آپ رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں۔

ف: اس قسم کے واقعات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بکثرت ہیں کہ بچپن کے واقعات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کئے اور یاد رکھے۔ محمود بن الربیع رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں جن کی عمر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت پانچ برس کی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں عمر بھر اس بات کو نہیں بھولوں گا کہ نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے، ہمارے یہاں ایک کنواں تھا، اس کے پانی سے ایک کلی میرے منہ پر کی[2]۔ ہم لوگ بچوں کو واہی تباہی فضول باتوں میں لگاتے ہیں، جھوٹے جھوٹے قصّے ان کو سنا کر لغویات میں دماغ کو پریشان کرتے ہیں۔ اگر اللہ والوں کے قصّے تلاش کر کے ان کو سنائے جائیں اور بجائے جن بھوت سے ڈرانے کے اللہ سے اور اس کے عذاب سے ڈرائیں اور اللہ کی ناراضی کی اَہمِّیّت اور ہَیبَت دل میں پیدا کریں تو دنیا میں بھی ان کے کارآمد ہو اور آخرت میں تو مفید ہے ہی، بچپن کا زمانہ حافظہ کی قوت کا زمانہ ہوتا ہے، اس وقت کا یاد کیا ہوا کبھی بھی نہیں بھولتا۔ ایسے وقت میں اگر قرآنِ پاک حفظ کرا دیا جائے تو نہ کوئی دِقّت ہو، نہ وقت خرچ ہو۔

میں نے اپنے والد صاحب نَوَّرَ اللہُ مَرقَدَہٗ سے بھی بارہا سنا اور اپنے گھر کی بوڑھیوں سے بھی سنا ہے کہ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جب دودھ چھڑایا گیا ہے تو پاؤ پارہ حفظ ہو چکا تھا اور ساتویں برس کی عمر میں قرآن شریف پورا حفظ ہو چکا تھا اور وہ اپنے والد یعنی میرے دادے صاحب سے مخفی فارسی کا بھی مُعتَدبِہٖ حصّہ بوستان، سکندر نامہ وغیرہ پڑھ چکے تھے۔ فرمایا کرتے کہ میرے والد صاحب نے قرآن شریف ختم ہونے کے بعد یہ ارشاد فرما دیا تھا کہ ایک قرآن شریف روزانہ پڑھ لیا کرو، باقی تمام دن چھٹی۔ میں گرمی کے موسم میں صبح کی نماز کے بعد مکان کی چھت پر بیٹھا کرتا تھا اور چھ سات گھنٹہ میں قرآن شریف پورا کر کے

[1] اسد الغابہ، استیعاب، [2] اصابہ

دوپہر کو روٹی کھاتا تھا اور شام کو اپنی خوشی سے فارسی پڑھا کرتا تھا۔ چھ ماہ تک مسلسل یہی معمول رہا، چھ ماہ تک روزانہ ایک کلامِ مجید پڑھنا، پھر اس کے ساتھ ہی دوسرے اسباق بھی پڑھتے رہنا اور وہ بھی سات برس کی عمر میں کوئی معمولی بات نہیں۔ اسی کا یہ ثمرہ تھا کہ قرآن شریف میں متشابہ لگنا یا بھولنا جانتے ہی نہ تھے۔ چونکہ ظاہری معاش کتابوں کی تجارت پر تھی اور کتب خانہ کا اکثر کام اپنے ہاتھ سے کیا کرتے تھے، اس لئے ایسا کبھی بھی نہیں ہوتا تھا کہ ہاتھ سے کام کرتے وقت زبان سے تلاوت نہ فرماتے رہتے ہوں اور کبھی کبھی اسی کے ساتھ ہم لوگوں کو جو مدرسہ سے الگ پڑھتے تھے اسباق بھی پڑھا دیا کرتے تھے، اس طرح تین کام ایک وقت میں کر لیا کرتے تھے۔ مگر ان کا طریقۂ تعلیم ہم لوگوں کے ساتھ وہ نہیں تھا جو مدرسہ کے اسباق کا تھا اور عام مدارس کا مُروّجہ طریقہ ہے کہ سارا بوجھ استاد ہی کے ذمہ رہے، بلکہ مخصوص طلبہ کے ساتھ یہ طریقہ تھا کہ شاگرد عبارت پڑھے، ترجمہ کرے، مطلب بیان کرے۔ اگر وہ مطلب صحیح ہوتا ہے، تو آگے چلو فرما دیتے اور غلط ہوتا تو اگر غلطی قابلِ تنبیہ ہوتی تو تنبیہ فرماتے اور بتانے کے قابل ہوتی تو بتا دیتے۔ یہ پرانے زمانے کا قصّہ نہیں ہے۔ اسی صدی کا واقعہ ہے، لہٰذا یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے قویٰ اور ہمتیں اب کہاں سے لائی جائیں۔

بارھواں باب

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ محبّت کے واقعات

اگرچہ جتنے قصّے اب تک نقل کئے گئے ہیں وہ سب ہی محبّت کے کرشمے تھے کہ محبّت ہی ان حضرات کی والہانہ زندگی کا سبب تھی جس کی وجہ سے نہ جان کی پرواہ تھی نہ زندگی کی تمنّا، نہ مال کا خیال تھا نہ تکلیف کا خوف نہ موت سے ڈر۔ اس کے علاوہ محبّت حکایت کی چیز بھی نہیں، وہ ایک کَیفیّت ہے جو الفاظ و عبارات سے بالاتر ہے۔ محبّت ہی ایک ایسی چیز ہے جو دل میں بس جانے کے بعد محبوب کو ہر چیز پر غالب کر دیتی ہے، نہ اس کے سامنے ننگ و ناموس کوئی چیز ہے نہ عزت و شرافت کوئی شے۔ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف سے اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے اپنی اور اپنے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت عطا فرمائیں تو ہر

عبادت میں لذت ہے اور دین کی ہر تکلیف میں راحت۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اعلانِ اسلام اور تکلیف

ابتدائے اسلام میں جو شخص مسلمان ہوتا تھا وہ اپنے اسلام کو حتی الوسع مخفی رکھتا تھا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی اس وجہ سے کہ ان کو کفار سے اذیت نہ پہنچے، اخفاء کی تلقین ہوتی تھی۔ جب مسلمانوں کی تعداد انتالیس[۳۹] تک پہنچی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اظہار کی درخواست کی کہ کھلم کھلا علی الاعلان تبلیغ کی جائے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اول انکار فرمایا، مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اصرار پر قبول فرمالیا اور ان سب حضرات کو ساتھ لے کر مسجدِ کعبہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تبلیغی خطبہ شروع کیا۔ یہ سب سے پہلا خطبہ ہے جو اسلام میں پڑھا گیا اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیّد الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اسی دن اسلام لائے ہیں اور اس کے تین دن بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ مشرّف باسلام ہوئے ہیں۔ خطبہ کا شروع ہونا تھا کہ چاروں طرف سے کفّار ومشرکین مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی باوجودیکہ مکّہ مکرّمہ میں ان کی عام طور سے عظمت و شرافت مُسلّم تھی اس قدر مارا کہ تمام چہرۂ مبارک خون سے بھر گیا۔ ناک، کان سب لہولہان ہوگئے تھے، پہچانے نہ جاتے تھے، جوتوں سے لاتوں سے مارا، پاؤں میں روندا اور جو نہ کرنا تھا سب ہی کچھ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بے ہوش ہوگئے۔ بنوتیم یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قبیلے کے لوگوں کو خبر ہوئی، وہ وہاں سے اٹھا کر لائے، کسی کو بھی اس میں تردُّد نہ تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس وحشیانہ حملے سے زندہ نہ بچ سکیں گے۔ بنوتیم مسجد میں آئے اور اعلان کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اگر اس حادثہ میں وفات ہوگئی تو ہم لوگ ان کے بدلہ میں عُتبہ بن رَبیعہ کو قتل کریں گے۔ عتبہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مارنے میں بہت زیادہ بدبختی کا اظہار کیا تھا۔ شام تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بیہوشی رہی۔ باوجود آوازیں دینے کے بولنے یا بات کرنے کی نوبت نہ آتی تھی۔ شام کو آوازیں دینے پر وہ بولے تو سب سے پہلے لفظ یہ تھا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے۔ لوگوں نے اس پر

بہت ملامت کی کہ انہی کے ساتھ کی بدولت یہ مصیبت آئی اور دن بھر موت کے منہ میں رہنے پر بات کی تو وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا جذبہ اور ان ہی کی لے۔ لوگ پاس سے اٹھ کر چلے گئے کہ بددلی بھی تھی اور یہ بھی کہ آخر کچھ جان باقی ہے کہ بولنے کی نوبت آئی اور آپ کی والدہ اُمّ خَیر سے کہہ گئے کہ ان کے کھانے پینے کے لئے کسی چیز کا انتظام کردیں۔ وہ کچھ تیار کر کے لائیں اور کھانے پر اصرار کیا، مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وہی ایک صدا تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گذری۔ ان کی والدہ نے فرمایا کہ مجھے تو خبر نہیں کہ کیا حال ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اُمِ جمیل (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن) کے پاس جا کر دریافت کرلو کہ کیا حال ہے۔ وہ بیچاری بیٹے کی اس مظلومانہ حالت کی بے تابانہ درخواست کو پورا کرنے کے واسطے اُمِ جمیل رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حال دریافت کیا۔ وہ بھی عام دستور کے موافق اس وقت تک اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھیں۔ فرمانے لگیں میں کیا جانوں کون محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور کون ابوبکر، تیرے بیٹے کی حالت سن کر رنج ہوا اگر تو کہے تو میں چل کر اس کی حالت دیکھوں۔ ام خیر نے قبول کرلیا۔ ان کے ساتھ گئیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حالت دیکھ کر تحمّل نہ کرسکیں، بے تحاشا رونا شروع کردیا کہ بدکرداروں نے کیا حال کردیا، اللہ تعالیٰ ان کو اپنے کئے کی سزا دے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے۔ اُمِ جمیل رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ وہ سن رہی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان سے خوف نہ کرو، تو امِ جمیل رضی اللہ عنہ نے خیریت سنائی اور عرض کیا کہ بالکل صحیح سالم ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ اس وقت کہاں ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو خدا کی قسم ہے کہ اس وقت تک کوئی چیز نہ کھاؤں گا، نہ پیوں گا جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کرلوں۔ ان کی والدہ کو تو بے قراری تھی کہ وہ کچھ کھالیں اور انہوں نے قسم کھالی کہ جب تک زیارت نہ کرلوں کچھ نہ کھاؤں گا، اس لئے والدہ نے اس کا انتظار کیا کہ لوگوں کی آمد و رفت بند ہوجائے۔ مبادا کوئی دیکھ لے اور کچھ اذیت پہنچائے۔ جب رات کا بہت سا حصّہ گذر گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لے کر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اَرقم رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹ گئے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی لپٹ کر روئے اور مسلمان بھی سب رونے لگے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ یہ میری والدہ ہیں۔ آپ ان کے لئے ہدایت کی دعا بھی فرمادیں اور ان کو اسلام کی تبلیغ بھی فرمائیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اول دعا فرمائی۔ اس کے بعد ان کو اسلام کی ترغیب دی، وہ بھی اسی وقت مسلمان ہوگئیں۔[1]

ف: عیش وعشرت، نشاط وفرحت کے وقت محبت کے دعوے کرنے والے سینکڑوں ہوتے ہیں۔ محبّت وعشق وہی ہے جو مصیبت اور تکلیف کے وقت بھی باقی رہے۔

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر رنج

حضرت عمر رضی اللہ عنہ باوجود اپنی اس ضربُ المثل قوّت، شجاعت، دلیری اور بہادری کے جو آج ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد بھی شہرۂ آفاق ہے اور باوجودیکہ اسلام کا ظہور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے ہی سے ہوا کہ اسلام لانے کے بعد اپنے اسلام کا اخفا گوارا نہ ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبّت کا ایک ادنیٰ سا کرشمہ یہ ہے کہ اپنی اس بہادری کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی حالت کا تحمّل نہ فرما سکے۔ سخت حیرانی اور پریشانی کی حالت میں تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑے ہوگئے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا ہے تو اس کی گردن اڑادوں گا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام طُور پر تشریف لے گئے تھے۔ عنقریب حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائیں گے اور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی جھوٹی خبر اڑا رہے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بالکل گم سم تھے کہ دوسرے دن تک بالکل آواز نہیں نکلی، چلتے پھرتے تھے، مگر بولا نہیں جاتا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ چپ چاپ بیٹھے رہ گئے کہ حرکت بھی بدن کو نہ ہوتی تھی۔ صرف ایک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دَم تھا کہ اس وقت کے پہاڑ جیسے وقت کو برداشت کیا اور اپنی اس محبّت کے باوجود جو پہلے

[1] خمیس

قصّہ میں گذری۔ اس وقت نہایت سکون سے تشریف لا کر اوّل حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور باہر تشریف لا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ اس کے بعد خطبہ پڑھا جس کا حاصل یہ تھا کہ جو شخص محمد کی پرستش کرتا ہو وہ جان لے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا، لیکن جو شخص اللہ کی پرستش کرتا ہو وہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ زندہ ہیں اور ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اس کے بعد کلامِ پاک کی آیت "وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ط قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط" (آل عمران:۱۴۴) اخیر تک تلاوت فرمائی۔[1] ترجمہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نرے رسول ہی تو ہیں (خدا تو نہیں جس پر موت وغیرہ نہ آسکے) سو اگر آپ کا انتقال ہو جاوے یا آپ شہید بھی ہو جاویں تو کیا تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے اور جو شخص الٹا پھر جائے گا تو خدا تعالیٰ کا تو کوئی نقصان نہیں کرے گا (اپنا ہی کچھ کھووے گا) اور خدا تعالیٰ شانہٗ جلد ہی جزا دے گا حق شناس لوگوں کو۔[2]

ف: چونکہ اللہ جل شانہٗ کو حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ سے خلافت کا اہم کام لینا تھا اس لئے ان کی شایانِ شان اس وقت یہی حالت تھی۔ اسی وجہ سے اس وقت جس قدر استقلال اور تحمّل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں تھا کسی میں بھی نہ تھا اور اس کے ساتھ ہی جس قدر مسائل دفن و میراث وغیرہ کے اس وقت کے مناسب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو معلوم تھے مجموعی طور پر کسی کو بھی معلوم نہ تھے۔ چنانچہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن میں اختلاف ہوا کہ مکّہ مکرّمہ میں دفن کیا جائے یا مدینہ مُنوّرہ میں یا بیت المقدّس میں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ نبی کی قبر اسی جگہ ہوتی ہے جہاں اس کی وفات ہو۔ لہٰذا جس جگہ وفات ہوئی ہے اسی جگہ قبر کھودی جائے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہم لوگوں (یعنی انبیاء) کا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جو شخص مسلمانوں کی حکومت کا مُتولّی بنے اور وہ لاپرواہی سے کوتاہی کرتے ہوئے کسی دوسرے کو امیر بنائے اس پر لعنت ہے۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قریش اس امر یعنی سلطنت کے مُتولّی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

---

[1] خمیس، [2] بیان القرآن

(۳) ایک عورت کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کیلئے بے قرار ہونا

اُحد کی لڑائی میں مسلمانوں کو اذیت بھی بہت پہنچی اور شہید بھی بہت ہوئے۔ مدینہ طیّبہ میں یہ وحشت اثر خبر پہنچی تو عورتیں پریشان ہوکر تحقیقِ حال کے لئے گھر سے نکل پڑیں۔ایک انصاری عورت نے مجمع کو دیکھا تو بے تابانہ پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ اس مجمع میں سے کسی نے کہا کہ تمہارے والد کا انتقال ہوگیا، انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھی اور پھر بے قراری سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت دریافت کی۔اتنے میں کسی نے خاوند کے انتقال کی خبر سنائی اور کسی نے بیٹے کی اور کسی نے بھائی کی کہ یہ سب ہی شہید ہوگئے تھے۔مگر انہوں نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بخیریت ہیں، تشریف لارہے ہیں۔اس سے اطمینان نہ ہوا، کہنے لگیں کہ مجھے بتادو، کہاں ہیں؟ لوگوں نے اشارہ کر کے بتایا کہ اس مجمع میں ہیں۔ یہ دوڑی ہوئی گئیں اور اپنی آنکھوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے ٹھنڈا کر کے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کی زیارت ہو جانے کے بعد ہر مصیبت ہلکی اور معمولی ہے۔ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑا پکڑ کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، جب آپ زندہ وسلامت ہیں تو مجھے کسی کی ہلاکت کی پرواہ نہیں۔[1]

ف: اس قسم کے مُتَعَدِّد قصّے اس موقع پر پیش آئے ہیں، اسی وجہ سے مؤرخین میں ناموں میں اختلاف بھی ہوا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ اس نوع کا واقعہ کئی عورتوں کو پیش آیا ہے۔

(۴) حُدَیبیہ میں حضرت ابوبکر صِدّیق رضی اللہ عنہ اور مغیرہ رضی اللہ عنہ کا فعل اور عام صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل

حُدَیبیہ کی مشہور لڑائی ذیقعدہ ۶ھ میں ہوئی جب کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ عمرہ کے ارادہ سے تشریف لارہے تھے۔ کُفّارِ مکّہ کو جب اس کی خبر پہنچی تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور یہ طے کیا کہ مسلمانوں کو مکّہ آنے سے روکا

---

[1] خمیس

جائے۔ اس کے لئے بہت بڑے پیمانہ پر تیاری کی اور مکّہ کے علاوہ باہر کے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ شرکت کی دعوت دی اور بڑے مجمع کے ساتھ مقابلہ کی تیاری کی۔ ذُوالحُلَیفہ سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو حالات کی خبر لانے کے لئے بھیجا جو مکّہ سے حالات کی تحقیق کر کے ''عُسفان'' پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے۔ انہوں نے عرض کیا کہ مکّہ والوں نے مقابلہ کی بہت بڑے پیمانہ پر تیاری کر رکھی ہے اور باہر سے بھی بہت سے لوگوں کو اپنی مدد کے لئے بلا رکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا کہ اس وقت کیا کرنا چاہئے۔ ایک صورت یہ ہے کہ جو لوگ باہر سے مدد کو گئے ہیں ان کے گھروں پر حملہ کیا جائے، جب وہ خبر سنیں گے تو مکّہ سے واپس آ جائیں گے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ سیدھے چلے چلیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس وقت آپ بیت اللہ کے ارادہ سے تشریف لائے ہیں، لڑائی کا ارادہ تو تھا ہی نہیں، اس لئے آگے بڑھے چلیں اگر وہ ہمیں روکیں گے تو مقابلہ کریں گے، ورنہ نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول فرمایا اور آگے بڑھے۔ حُدَیبیہ میں پہنچ کر بُدَیل بن ورقا خُزاعی ایک جماعت کو ساتھ لے کر آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا کہ کُفّار آپ کو ہرگز مکّہ میں داخل نہ ہونے دیں گے، وہ تو لڑائی پر تلے ہوئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگ لڑنے کے واسطے نہیں آئے ہیں، ہمارا مقصد صرف عمرہ کرنا ہے اور قریش کو روزمرہ کی لڑائی نے بہت نقصان پہنچا رکھا ہے، بالکل ہلاک کر دیا ہے، اگر وہ راضی ہوں تو میں ان سے مصالحت کرنے کو تیار ہوں کہ میرے اور ان کے درمیان اس پر معاہدہ ہو جائے کہ مجھ سے تَعَرُّض نہ کریں، میں ان سے تَعَرُّض نہ کروں، مجھے اوروں سے نمٹنے دیں۔ اور اگر وہ کسی چیز پر بھی راضی نہ ہوں تو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں اس وقت تک ان سے لڑوں گا جب تک کہ اسلام غالب ہو جائے یا میری گردن جدا ہو جائے۔ بدیل نے عرض کیا: اچھا! میں آپ کا پیام ان تک پہنچائے دیتا ہوں۔ وہ لوٹے اور جا کر پیام پہنچایا مگر کُفّار راضی نہ ہوئے۔ اسی طرح طرفین سے آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہا جن میں ایک مرتبہ عُروہ بن مَسعود ثَقَفی

کُفّار کی جانب سے آئے کہ وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، بعد میں مسلمان ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی وہی گفتگو فرمائی جو بدیل سے کی تھی۔ عروہ نے عرض کیا: اے محمد! اگر تم یہ چاہتے ہو کہ عرب کا بالکل خاتمہ کردو تو یہ ممکن نہیں، تم نے کبھی نہ سنا ہوگا کہ تم سے پہلے کوئی شخص ایسا گذرا ہو جس نے عرب کو بالکل فنا کردیا ہو اور اگر دوسری صورت ہوئی کہ وہ تم پر غالب ہو گئے تو یاد رکھو کہ میں تمہارے ساتھ اشراف کی جماعت نہیں دیکھتا۔ یہ اطراف کے کم ظرف لوگ تمہارے ساتھ ہیں، مصیبت پڑنے پر سب بھاگ جائیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پاس کھڑے ہوئے تھے، یہ جملہ سن کر غصّہ میں بھر گئے اور ارشاد فرمایا کہ تو اپنے معبود ''لات'' کی پیشاب گاہ کو چاٹ۔ کیا ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھاگ جائیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیلا چھوڑ دیں گے؟ عروہ نے پوچھا یہ کون ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر ہیں۔ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارا ایک قدیمی احسان مجھ پر ہے جس کا میں بدلہ نہیں دے سکا، اگر یہ نہ ہوتا تو اس گالی کا جواب دیتا۔ یہ کہہ کر عروہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بات میں مشغول ہو گئے اور عرب کے عام دستور کے موافق بات کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک کی طرف ہاتھ لے جاتے کہ خوشامد کے موقع پر داڑھی میں ہاتھ لگا کر بات کی جاتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ بات کب گوارا ہو سکتی تھی۔ عروہ کے بھتیجے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سر پر خود (لوہے کی ٹوپی) اوڑھے ہوئے اور ہتھیار لگائے ہوئے پاس کھڑے تھے۔ انہوں نے تلوار کا قبضہ عُروہ کے ہاتھ پر مارا کہ ہاتھ پرے کو رکھو۔ عُروہ نے پوچھا: کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مغیرہ۔ عُروہ نے کہا: او غدار! تیری غداری کو میں اب تک بھگت رہا ہوں اور تیرا یہ برتاؤ؟ (حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اسلام سے قبل چند کافروں کو قتل کر دیا تھا جن کی دیت عروہ نے ادا کی تھی اس کی طرف یہ اشارہ تھا) غرض وہ طویل گفتگو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے رہے اور نظریں بچا بچا کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کا اندازہ بھی کرتے جاتے تھے، چنانچہ واپس جا کر کُفّار سے کہا: اے قریش! میں بڑے بڑے بادشاہوں کے یہاں گیا ہوں۔ قیصر و کِسریٰ اور نجاشی کے درباروں کو بھی دیکھا ہے اور ان کے آداب بھی دیکھے ہیں۔ خدا کی قسم! میں نے کسی

بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کی جماعت اس کی ایسی تعظیم کرتی ہو جیسی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جماعت ان کی تعظیم کرتی ہے، اگر وہ تھوکتے ہیں تو جس کے ہاتھ پر پڑ جائے وہ اس کو بدن اور منہ پر مل لیتا ہے، جو بات محمد کے منہ سے نکلتی ہے اس کے پورا کرنے کو سب کے سب ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ان کے وضو کا پانی آپس میں لڑ لڑ کر تقسیم کرتے ہیں، زمین پر نہیں گرنے دیتے۔ اگر کسی کو قطرہ نہ ملے تو وہ دوسرے کے تر ہاتھ سے مل کر اپنے منہ پر مل لیتا ہے۔ ان کے سامنے بولتے ہیں تو بہت نیچی آواز سے، ان کے سامنے زور سے نہیں بولتے، ان کی طرف نگاہ اٹھا کر ادب کی وجہ سے نہیں دیکھتے۔ اگر ان کے سر یا داڑھی کا کوئی بال گرتا ہے تو اس کو تبرّکاً اٹھا لیتے ہیں اور اس کی تعظیم اور احترام کرتے ہیں۔ غرض میں نے کسی جماعت کو اپنے آقا کے ساتھ اتنی محبّت کرتے نہیں دیکھا جتنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جماعت ان کے ساتھ کرتی ہے۔

اسی دوران میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی طرف سے قاصد بنا کر سردارانِ مکّہ کے پاس بھیجا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی باوجود مسلمان ہو جانے کے مکّہ میں بہت عزت تھی اور ان کے متعلق زیادہ اندیشہ نہ تھا، اس لئے ان کو تجویز فرمایا تھا۔ وہ تشریف لے گئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو رشک ہوا کہ عثمان تو مزے سے کعبہ کا طواف کر رہے ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے امید نہیں کہ وہ میرے بغیر طواف کریں، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکّہ میں داخل ہوئے تو ابان بن سعید نے ان کو اپنی پناہ میں لے لیا اور ان سے کہا: جہاں دل چاہے چلو پھرو، تم کو کوئی روک نہیں سکتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، ابوسفیان وغیرہ مکّہ کے سرداروں سے ملتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام پہنچاتے رہے۔ جب واپس ہونے لگے تو کفّار نے خود درخواست کی کہ تم مکّہ میں آئے ہو، تم طواف کرتے جاؤ۔ انہوں نے جواب دے دیا کہ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو روکے گئے ہوں اور میں طواف کر لوں۔ قریش کو اس جواب پر غصّہ آیا جس کی وجہ سے انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو روک لیا۔ مسلمانوں کو یہ خبر پہنچی کہ ان کو شہید کر دیا۔ اس پر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اخیر دم تک لڑنے پر بیعت لی۔ جب کفّار کو اس کی خبر پہنچی تو گھبرا گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فوراً چھوڑ دیا۔[1]

---

[1] خمیس

ف: اس قصہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کا مارنا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عام برتاؤ جس کو عروہ نے بہت غور سے دیکھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا طواف سے انکار، ہر واقعہ ایسا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے انتہا عشق و محبّت کی خبر دیتا ہے۔ یہ بیعت جس کا اس قصہ میں ذکر ہے ''بَیعَۃُ الشَّجرۃ'' کہلاتی ہے۔ قرآن پاک میں بھی اس کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ فتح کی آیت "لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ" الآیۃ (الفتح:۱۸) میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ پوری آیت مع ترجمہ کے عنقریب خاتمہ میں آرہی ہے۔

(۵) حضرت ابنِ زُبَیر رضی اللہ عنہما کا خون پینا

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سینگیاں لگوائیں اور جو خون نکلا وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو دیا کہ اس کو کہیں دبا دیں، وہ گئے اور آکر عرض کیا کہ دبا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کہاں؟ عرض کیا: میں نے پی لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے بدن میں میرا خون جائے گا اس کو جہنّم کی آگ نہیں چھو سکتی، مگر تیرے لئے بھی لوگوں سے ہلاکت ہے اور لوگوں کو تجھ سے۔

ف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فُضلات پاخانہ، پیشاب وغیرہ سب پاک ہیں، اس لئے اس میں کوئی اشکال نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب کہ ''ہلاکت ہے''۔ علماء نے لکھا ہے کہ سلطنت اور امارت کی طرف اشارہ ہے کہ امارت ہوگی اور لوگ اس میں مُزاحم ہوں گے، چنانچہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جب پیدا ہوئے تھے اس وقت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف اشارہ فرمایا تھا کہا ایک مینڈھا ہے بھیڑیوں کے درمیان، ایسے بھیڑیئے جو کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے، چنانچہ یزید اور عبدالملک دونوں کے ساتھ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی مشہور لڑائی ہوئی اور آخر شہید ہوئے۔

(۶) حضرت مالک بن سِنان رضی اللہ عنہ کا خون پینا

اُحد کی لڑائی میں جب نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور یا سر مبارک میں خَود کے دو حلقے

لہ خمیس

گھس گئے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دوڑے ہوئے آگے بڑھے اور دوسری جانب سے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ دوڑے اور آگے بڑھ کر خود کے حلقے دانت سے کھینچنے شروع کئے۔ ایک حلقہ نکالا جس سے ایک دانت حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا ٹوٹ گیا، اس کی پرواہ نہ کی۔ دوسرا حلقہ کھینچا جس سے دوسرا دانت بھی ٹوٹا لیکن حلقہ وہ بھی کھینچ ہی لیا۔ ان حلقوں کے نکلنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک جسم سے خون نکلنے لگا تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد ماجد مالک بن سِنان رضی اللہ عنہ نے اپنے لبوں سے اس خون کو چوس لیا اور نگل لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے خون میں میرا خون ملا ہے اس کو جہنّم کی آگ نہیں چھو سکتی۔[1]

(۷) حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا اپنے باپ کو انکار

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ زمانۂ جاہلیت میں اپنی والدہ کے ساتھ ننھیال جا رہے تھے، بنو قیس نے قافلہ کو لوٹا جس میں زید رضی اللہ عنہ بھی تھے ان کو مکّہ کے بازار میں لا کر بیچا۔ حکیم بن حزام نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لئے ان کو خرید لیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا تو انہوں نے زید رضی اللہ عنہ کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پیش کر دیا۔ زید رضی اللہ عنہ کے والد کو ان کے فِراق کا بہت صدمہ تھا اور ہونا ہی چاہئے تھا کہ اولاد کی محبّت فطری چیز ہے۔ وہ زید رضی اللہ عنہ کے فراق میں روتے اور اشعار پڑھتے پھرا کرتے تھے۔ اکثر جو اشعار پڑھتے تھے ان کا مختصر ترجمہ یہ ہے کہ میں زید کی یاد میں روتا ہوں اور یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ زندہ ہے تا کہ اس کی امید کی جائے یا موت نے اس کو نمٹا دیا۔ خدا کی قسم! مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ تجھے اے زید! نرم زمین نے ہلاک کیا یا کسی پہاڑ نے ہلاک کیا۔ کاش! مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ تو عمر بھر میں کبھی بھی واپس آئے گا یا نہیں۔ ساری دنیا میں میری انتہائی غرض تیری واپسی ہے۔ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے جب بھی مجھے زید ہی یاد آتا ہے اور جب بارش ہونے کو ہوتی ہے جب بھی اس کی یاد مجھے ستاتی ہے اور جب ہوائیں چلتی ہیں تو وہ بھی اس کی یاد کو بھڑکاتی ہیں۔ ہائے! میرا غم اور میرا فکر کس قدر طویل ہو گیا۔ میں اس کی تلاش اور کوشش میں ساری دنیا میں اونٹ کی تیز رفتاری کو کام

[1] قرۃ العیون

میں لاؤں گا اور دنیا کا چکر لگانے سے نہیں اکتاؤں گا۔ اونٹ چلنے سے اکتا جائیں تو اکتا جائیں لیکن میں کبھی بھی نہیں اکتاؤں گا، اپنی ساری زندگی اسی میں گذار دوں گا۔ ہاں! میری موت ہی آگئی تو خیر کہ موت ہر چیز کو فنا کر دینے والی ہے۔ آدمی خواہ کتنی ہی امیدیں لگاویں، مگر میں اپنے بعد فلاں فلاں رشتہ داروں اور آل اولاد کو وصیّت کر جاؤں گا کہ وہ بھی اسی طرح زید کو ڈھونڈتے رہیں۔

غرض یہ اشعار وہ پڑھتے تھے اور روتے ہوئے ڈھونڈتے پھرا کرتے تھے۔ اتفاق سے ان کی قوم کے چند لوگوں کا حج کو جانا ہوا اور انہوں نے زید رضی اللہ عنہ کو پہچانا، باپ کا حال سنایا، شعر سنائے، ان کی یاد و فراق کی داستان سنائی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھ تین شعر کہہ کر بھیجے جن کا مطلب یہ تھا کہ میں یہاں مکّہ میں ہوں، خیریت سے ہوں، تم غم اور صدمہ نہ کرو۔ میں بڑے کریم لوگوں کی غلامی میں ہوں۔ ان لوگوں نے جا کر زید رضی اللہ عنہ کی خیر و خبر ان کے باپ کو سنائی اور وہ اشعار سنائے جو زید رضی اللہ عنہ نے کہہ کر بھیجے تھے اور پتہ بتایا۔ زید رضی اللہ عنہ کے باپ اور چچا فدیہ کی رقم لے کر ان کو غلامی سے چھڑانے کی نیت سے مکّہ مکرّمہ پہنچے، تحقیق کی، پتہ چلایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے، عرض کیا: اے ہاشم کی اولاد اور اپنی قوم کے سردار! تم لوگ حرم کے رہنے والے ہو اور اللہ کے گھر کے پڑوسی۔ تم خود قیدیوں کو رہا کراتے ہو، بھوکوں کو کھانا دیتے ہو۔ ہم اپنے بیٹے کی طلب میں تمہارے پاس پہنچے ہیں، ہم پر احسان کرو اور کرم فرماؤ اور فدیہ قبول کر لو اور اس کو رہا کر دو، بلکہ جو فدیہ ہو اس سے زیادہ لے لو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا بات ہے؟ عرض کیا: زید کی طلب میں ہم لوگ آئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بس اتنی سی بات ہے۔ عرض کیا کہ حضور! بس یہی غرض ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کو بلا لو اور اس سے پوچھ لو۔ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو بغیر فدیہ ہی کہ وہ تمہاری نذر ہے اور اگر نہ جانا چاہے تو میں ایسے شخص پر جَبر نہیں کر سکتا جو خود نہ جانا چاہے۔ انہوں نے عرض کیا: آپ نے اِستحقاق سے بھی زیادہ احسان فرمایا۔ یہ بات خوشی سے منظور ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بلائے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان کو پہچانتے ہو؟ عرض کیا: جی ہاں! پہچانتا ہوں، یہ میرے باپ ہیں اور یہ میرے چچا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا حال بھی تمہیں معلوم ہے، اب تمہیں اختیار ہے کہ میرے پاس رہنا چاہو تو میرے پاس رہو، ان کے ساتھ جانا چاہو تو اجازت ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور! میں آپ کے مقابلہ میں بھلا کس کو پسند کرسکتا ہوں۔ آپ میرے لئے باپ کی جگہ بھی ہیں اور چچا کی جگہ بھی۔ ان دونوں باپ چچا نے کہا کہ زید! غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتے ہو اور باپ چچا اور سب گھر والوں کے مقابلہ میں غلام رہنے کو پسند کرتے ہو؟ زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں! میں نے ان میں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے) ایسی بات دیکھی ہے جس کے مقابلہ میں میں کسی چیز کو بھی پسند نہیں کرسکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ جواب سنا تو ان کو گود میں لے لیا اور فرمایا کہ میں نے اس کو اپنا بیٹا بنالیا۔ زید رضی اللہ عنہ کے باپ اور چچا بھی یہ منظر دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور خوشی سے ان کو چھوڑ کر چلے گئے۔[1] حضرت زید رضی اللہ عنہ اس وقت بچے تھے، بچپن کی حالت میں سارے گھر کو، عزیز و اقارب کو غلامی پر قربان کردینا جس محبت کا پتہ دیتا ہے وہ ظاہر ہے۔

(۸) حضرت اَنس بن نَضَر رضی اللہ عنہ کا عمل اُحد کی لڑائی میں

اُحد کی لڑائی میں مسلمانوں کو جب شکست ہو رہی تھی تو کسی نے یہ خبر اڑا دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی شہید ہوگئے، اس وحشت ناک خبر سے جو اثر صحابہ پر ہونا چاہئے تھا وہ ظاہر ہے، اسی وجہ سے اور بھی زیادہ گھٹنے ٹوٹ گئے۔ حضرت اَنس بن نَضَر رضی اللہ عنہ چلے جارہے تھے کہ مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نظر پڑے کہ سب حضرات پریشان حال تھے۔ حضرت اَنس رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کیا ہو رہا ہے کہ مسلمان پریشان سے نظر آرہے ہیں؟ ان حضرات نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے۔ حضرت اَنس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تم ہی زندہ رہ کر کیا کروگے؟ تلوار ہاتھ میں لو اور چل کر مرجاؤ، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے خود تلوار ہاتھ میں لی اور کُفّار کے جمگھٹے میں گھس گئے اور اس وقت تک لڑتے رہے کہ شہید ہوئے۔[1]

ف: ان کا مطلب یہ تھا کہ جس ذات کے دیدار کے لئے جینا تھا جب وہ ہی نہیں

[1] خمیس

رہی تو پھر گویا جی کر ہی کیا کرنا ہے، چنانچہ اسی میں اپنی جان نثار کردی۔

(۹) سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا پیام اُحُد میں

اسی اُحُد کی لڑائی میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ سعد بن ربیع کا حال معلوم نہیں ہوا کہ کیا گذری۔ ایک صحابی کو تلاش کے لئے بھیجا۔ وہ شہداء کی جماعت میں تلاش کر رہے تھے، آوازیں بھی دے رہے تھے کہ شاید زندہ ہوں۔ پھر پکار کر کہا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے کہ سعد بن ربیع کی خبر لاؤں تو ایک جگہ سے بہت ضعیف سی آواز آئی۔ یہ اس طرف بڑھے، جا کر دیکھا کہ سات مقتولین کے درمیان پڑے ہیں اور ایک آدھ سانس باقی ہے۔ جب یہ قریب پہنچے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا اسلام عرض کر دینا اور کہہ دینا کہ اللہ تعالیٰ میری جانب سے آپ کو اس سے افضل اور بہتر بدلہ عطا فرمائیں جو کسی نبی کو اس کے امتی کی طرف سے بہتر سے بہتر عطا کیا ہو اور مسلمانوں کو میرا یہ پیام پہنچا دینا کہ اگر کافر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئے اور تم میں سے کوئی ایک آنکھ بھی چمکتی ہوئی رہے یعنی وہ زندہ رہا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی عذر بھی تمہارا نہ چلے گا اور یہ کہہ کر جان بحق ہو گئے۔[1]

ف: ''فَجَزَاهُ اللّٰهُ عَنَّا اَفْضَلَ مَاجَزَی صَحَابِیًا عَنْ اُمَّةِ نَبِیِّهٖ'' درحقیقت ان جان نثاروں نے (اللہ تعالیٰ اپنے لطف سے ان کی قبروں کو نور سے بھر دے) اپنی جانثاری کا پورا ثبوت دے دیا کہ زخموں پر زخم لگے ہوئے ہیں، دم توڑ رہے ہیں مگر کیا مجال ہے کہ کوئی شکوہ، کوئی گھبراہٹ، کوئی پریشانی لاحق ہو جائے۔ ولولہ ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جاں نثاری کا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قربانی کا۔ کاش! مجھ سے نااہل کو بھی کوئی حصّہ اس محبّت کا نصیب ہو جاتا۔

(۱۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر دیکھ کر ایک عورت کی موت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئیں اور آ کر عرض کیا کہ مجھے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کرا دو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حجرہ

---

[1] خمیس

شریفہ کھولا۔ انہوں نے زیارت کی اور زیارت کر کے روتی رہیں اور روتے روتے انتقال فرما گئیں رضی اللہ عنہا وارضاہا۔[1]

ف: کیا اس عشق کی نظیر بھی کہیں ملے گی کہ قبر کی زیارت کی تاب نہ لاسکیں اور وہیں جان دے دی۔

(۱۱) صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبّت کے مُتفرّق قصّے

حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی محبّت تھی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ خدائے پاک کی قسم! حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے نزدیک اپنے مالوں سے اور اپنی اولادوں سے اور اپنی ماؤں سے اور سخت پیاس کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب تھے۔[2]

ف: سچ فرمایا درحقیقت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی یہی حالت تھی اور کیوں نہ ہوتی جب کہ وہ حضرات کاملُ الایمان تھے اور اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے:

"قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ ۝" (التوبہ:۲۴)

ترجمہ: آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو اگر یہ سب چیزیں تم کو اللہ سے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہوں تو تم منتظر رہو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دیں اور اللہ تعالیٰ بے حکمی کرنے والوں کو ان کے مقصود تک نہیں[3] پہنچاتا۔

۱، ۲ شفا ۳ بیان القرآن

اس آیتِ شریفہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت کے ان سب چیزوں سے کم ہونے پر وعید ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اس کو میری محبّت اپنے باپ اور اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مضمون نقل کیا گیا ہے۔ علماء کا ارشاد ہے کہ ان احادیث میں محبّت سے محبّتِ اختیاری مراد ہے، غیر اختیاری یعنی طبعی اضطراری مراد نہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر محبّت طبعی مراد ہو تو پھر ایمان سے مراد کمال درجہ کا ایمان ہو جیسا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ پائی جائیں ایمان کی حلاوت اور ایمان کا مزہ نصیب ہو جائے: ایک یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبّت ان کے ماسوا سب سے زیادہ ہو۔ دوسرے یہ کہ جس کسی سے محبّت کرے اللہ ہی کے واسطے کرے۔ تیسرے یہ کہ کفر کی طرف لوٹنا اس کو ایسا ہی گراں اور مشکل ہو جیسا کہ آگ میں گرنا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یا رسولَ اللہ مجھے اپنی جان کے علاوہ اور سب چیزوں سے آپ زیادہ محبوب ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص مؤمن اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک اس کو میری محبّت اپنی جان سے بھی زیادہ نہ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَلْاٰنَ یَاعُمَرُ (اس وقت اے عمر!) علماء نے اس ارشاد کے دو مطلب بتائے ہیں: ایک یہ کہ اس وقت تمہارا ایمان کامل ہوا ہے۔ دوسرا یہ کہ تنبیہ ہے کہ اس وقت یہ بات پیدا ہوئی کہ میں تمہیں اپنے نفس سے زیادہ محبوب ہوں، حالانکہ یہ بات اول ہی سے ہونا چاہئے تھی۔ سُہیل تُستَری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو شخص ہر حال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا والی نہ جانے اور اپنے نفس کو اپنی مِلک میں سمجھے وہ سنت کا مزہ نہیں چکھ سکتا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آکر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے لئے کیا تیار کر رکھا ہے جس کی وجہ سے انتظار ہے؟ انہوں نے عرض

کیا: یارسول اللہ! میں نے بہت سی نمازیں اور روزے اور صدقے تو تیار کر نہیں رکھے ہیں، البتہ اللہ اور اس کے رسول کی محبّت میرے دل میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت میں تم اسی کے ساتھ ہوگے جس سے محبّت رکھتے ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبّت ہے کئی صحابہ نے نقل کیا ہے جن میں عبداللہ بن مسعود، ابوموسیٰ اشعری، صفوان، ابوذر رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ حضرات ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جس قدر خوشی اس ارشادِ مبارک سے ہوئی ہے کسی چیز سے بھی اتنی خوشی نہیں ہوئی اور ظاہر بات ہے ہونا بھی چاہئے تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت تو ان کے رگ وپے میں تھی، پھر ان کو کیوں نہ خوشی ہوتی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مکان شروع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا دور تھا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا تھا، تمہارا مکان تو قریب ہی ہو جاتا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ حارثہ رضی اللہ عنہ کا مکان آپ کے قریب ہے، ان سے فرماویں کہ میرے مکان سے بدل لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان سے پہلے بھی تبادلہ ہو چکا ہے، اب تو شرم آتی ہے۔ حارثہ رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی، فوراً حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ فاطمہ کا مکان اپنے قریب چاہتے ہیں۔ یہ میرے مکانات موجود ہیں، ان سے زیادہ قریب کوئی مکان بھی نہیں، جونسا پسند ہو بدل لیں۔ یارسول اللہ! میں اور میرا مال تو اللہ اور اس کے رسول ہی کا ہے۔ یارسول اللہ! خدا کی قسم! جو مال آپ لے لیں وہ مجھے زیادہ پسند ہے اس مال سے جو میرے پاس رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سچ کہتے ہو اور برکت کی دعا دی اور مکان بدل لیا[1]۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کی محبّت مجھے میری جان ومال اور اہل وعیال سے زیادہ ہے، میں اپنے گھر میں ہوتا ہوں اور آپ کا خیال آجاتا ہے تو صبر نہیں آتا۔ یہاں تک کہ حاضر ہوں اور آکر زیارت نہ کرلوں۔ مجھے یہ فکر ہے کہ موت تو آپ کو بھی اور مجھے بھی ضرور آنی ہی ہے، اس کے بعد آپ تو انبیاء علیہم السلام کے درجہ پر چلے جائیں گے تو مجھے یہ خوف رہتا ہے کہ پھر میں آپ کو نہیں دیکھ

[1] طبقات

سکوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں سکوت فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور یہ آیت سنائی:

"وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصَّالِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝" (النساء:٦٩)

ترجمہ: "جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی جنّت میں ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدّیقین اور شہداء اور صلحاء اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں اور ان کے ساتھ رفاقت محض اللہ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں ہر ایک کے عمل کو"۔

اس قسم کے واقعات بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو پیش آئے اور آنا ضروری تھے۔ عشق است و ہزار بدگمانی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں یہی آیت سنائی، چنانچہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے آپ سے ایسی محبّت ہے کہ جب خیال آجاتا ہے اگر اس وقت میں آکر زیارت نہ کرلوں تو مجھے غالب گمان ہے کہ میری جان نکل جائے، مگر مجھے یہ خیال ہے کہ اگر میں جنّت میں داخل بھی ہوگیا تب بھی آپ سے تو نیچے درجہ میں ہوں گا، مجھے تو جنّت میں بھی آپ کی زیارت کے بغیر بڑی مشقت ہوگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت سنائی۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک انصاری رضی اللہ عنہ حاضرِ خدمت ہوئے اور نہایت غمگین تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غمگین کیوں ہو؟ عرض کیا: یارسول اللہ! ایک سوچ میں ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا سوچ ہے؟ عرض کیا: یارسول اللہ! ہم صبح وشام حاضرِ خدمت ہوتے ہیں۔ آپ کی زیارت سے محظوظ ہوتے ہیں آپ کی خدمت میں بیٹھتے ہیں۔ کل کو آپ تو انبیاء علیہم السلام کے درجے پر پہنچ جائیں گے۔ ہماری وہاں تک رسائی نہیں ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان انصاری کو بھی بلایا اور ان کو اس کی بشارت دی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ بہت سے صحابہ نے یہ اشکال

کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت ان کو سنائی۔ ایک حدیث میں ہے صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ تو ظاہر ہے کہ نبی کو امتی پر فضیلت ہے اور جنّت میں اس کے درجہ اونچے ہوں گے تو پھر اکٹھا ہونے کی کیا صورت ہوگی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اوپر کے درجہ والے نیچے کے درجہ والوں کے پاس آئیں گے، ان کے پاس بیٹھیں گے بات چیت کریں گے[1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھ سے بہت محبت کرنے والے بعض ایسے لوگ ہوں گے جو میرے بعد پیدا ہوں گے اور ان کی یہ تمنّا ہوگی کہ کاش! اپنے اہل وعیال اور مال کے بدلے میں وہ مجھے دیکھ لیتے۔ خالد رضی اللہ عنہ کی بیٹی عبدہ کہتی ہیں کہ میرے والد جب بھی سونے لیٹتے تو اتنے آنکھ نہ لگتی اور جاگتے رہتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد اور شوق واشتیاق میں لگے رہتے اور مہاجرین وانصار صحابہ رضی اللہ عنہم کا نام لے کر یاد کرتے رہتے اور یہ کہتے کہ یہی میرے اصول وفروع ہیں (یعنی بڑے اور چھوٹے) اور ان کی طرف میرا دل کھنچا جارہا ہے، یا اللہ! مجھے جلد ہی موت دیدے کہ ان لوگوں سے جا کر ملوں اور یہی کہتے کہتے سو جاتے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے اپنے باپ کے مسلمان ہونے کی بہ نسبت آپ کے چچا ابوطالب کے مسلمان ہو جانے کی زیادہ تمنا ہے، اس لئے کہ اس سے آپ کو زیادہ خوشی ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ کے اسلام لانے کی مجھے زیادہ خوشی ہے اپنے باپ کے مسلمان ہونے سے، اس لئے کہ آپ کا اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ رات کو حفاظتی گشت فرمارہے تھے کہ ایک گھر میں سے چراغ کی روشنی محسوس ہوئی اور ایک بڑھیا کی آواز کان میں پڑی جو اُون کو دھنتی ہوئی اشعار پڑھ رہی تھی جن کا ترجمہ یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نیکوں کا درود پہنچے اور پاک صاف لوگوں کی طرف سے جو برگزیدہ ہوں ان کا درود پہنچے۔ بیشک یارسول اللہ! آپ راتوں کو عبادت کرنے والے تھے اور اخیر راتوں کو رونے والے تھے۔ کاش! مجھے یہ معلوم ہوجاتا کہ میں اور میرا محبوب کبھی اکٹھے ہوسکتے ہیں یا نہیں، اس لئے کہ موت مختلف حالتوں میں آتی ہے، نہ معلوم

---

[1] درمنثور

میری موت کس حالت میں آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مرنے کے بعد ملنا ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ان اشعار کو سن کر رونے بیٹھ گئے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا قصّہ مشہور ہے ہی کہ جب ان کے انتقال کا وقت ہوا تو ان کی بیوی جدائی پر رنجیدہ ہو کر کہنے لگی کہ ہائے افسوس! وہ کہنے لگے: سبحان اللہ! کیا مزے کی بات ہے کہ کل کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کریں گے اور ان کے صحابہ سے ملیں گے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کا قصّہ باب ۵ کے قصّہ نمبر ۹ میں گذر چکا ہے کہ جب ان کو سولی دی جانے لگی تو ابوسفیان نے پوچھا کہ کیا تجھے یہ گوارا ہے کہ ہم تجھے چھوڑ دیں اور تیرے بجائے خدانخواستہ حضور کے ساتھ یہ معاملہ کریں تو زید رضی اللہ عنہ نے کہا: خدا کی قسم! مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولت کدہ پر تشریف فرما ہوں اور وہاں ان کے کانٹا چبھ جائے اور میں اپنے گھر آرام سے رہ سکوں۔ ابوسفیان کہنے لگا کہ میں نے کبھی کسی کو کسی کے ساتھ اتنی محبّت کرتے نہیں دیکھا جتنی محمد کی جماعت کو ان سے ہے۔

تنبیہ: علماء نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبّت کی مختلف علامات لکھی ہیں۔ قاضی عِیاض فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی چیز کو محبوب رکھتا ہے اس کو ماسوٰی پر ترجیح دیتا ہے، یہی معنی محبّت کے ہیں، ورنہ محبّت نہیں محض دعویٰ محبّت ہے۔ پس حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبّت کی علامات میں سب سے مہتم بالشان یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتدا کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو اختیار کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی پیروی کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی بجا آوری کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں سے روک دیا ہے ان سے پرہیز کرے۔ خوشی میں، رنج میں، تنگی میں، وسعت میں؛ ہر حال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلے۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہے: "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ط" (آلِ عمران:۳۱) ترجمہ: آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبّت رکھتے ہو تو تم میرا اتباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبّت کرنے لگیں گے اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے ہیں بڑے رحم فرمانے والے ہیں۔

خاتمہ

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ برتاؤ اور ان کے اجمالی فضائل

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے یہ چند قصّے نمونہ کے طور پر لکھے گئے ہیں، ورنہ ان کے حالات بڑی ضخیم کتابوں میں بھی پورے نہیں ہو سکتے۔ اردو میں بھی مُتعدِّد کتابیں اور رسالے اس مضمون کے ملتے ہیں، کئی مہینے ہوئے یہ رسالہ شروع کیا تھا، پھر مدرسہ کے مشاغل اور وقتی عوارض کی وجہ سے تعویق میں پڑ گیا۔ اس وقت ان اوراق پر خاتمہ کرتا ہوں کہ جتنے لکھے جا چکے ہیں وہ قابلِ انتفاع ہو جائیں۔ اخیر میں ایک ضروری امر پر تنبیہ بھی اشد ضروری ہے وہ یہ کہ اس آزادی کے زمانہ میں جہاں ہم مسلمانوں میں دین کے اور بہت سے امور میں کوتاہی اور آزادی کا رنگ ہے وہاں حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حق شناسی اور ان کے ادب و احترام میں بھی حد سے زیادہ کوتاہی ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر بعض دین سے بے پرواہ لوگ تو ان کی شان میں گستاخی تک کرنے لگتے ہیں، حالانکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دین کی بنیاد ہیں۔ دین کے اول پھیلانے والے ہیں۔ ان کے حقوق سے ہم لوگ مرتے دم تک بھی عہدہ برآء نہیں ہو سکتے۔ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل سے ان پاک نفوس پر لاکھوں رحمتیں نازل فرمائیں کہ انہوں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دین حاصل کیا اور ہم لوگوں تک پہنچایا، اس لئے اس خاتمہ میں قاضی عِیاض رحمۃ اللہ علیہ کی ''شفا'' کی ایک فصل کا مُختصر ترجمہ جو اس کے مناسب ہے درج کرتا ہوں اور اسی پر اس رسالہ کو ختم کرتا ہوں۔

وہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اعزاز و اکرام میں داخل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا اعزاز و اکرام کرنا اور ان کے حق کو پہچاننا اور ان کا اتباع کرنا اور ان کی تعریف کرنا اور ان کے لئے استغفار اور دعائے مغفرت کرنا اور ان کے آپس کے اختلاف میں لب کُشائی نہ کرنا اور مؤرخین اور شیعہ اور بدعتی اور جاہل راویوں کی ان خبروں سے اِعراض کرنا جو ان حضرات کی شان میں نقص پیدا کرنے والی ہوں اور اس نوع کی کوئی روایت اگر سننے میں آئے تو اس کی کوئی اچھی تاویل کرے اور کوئی اچھا مَحمل تجویز کرے کہ وہ

اس کے مستحق ہیں اور ان حضرات کو برائی سے یاد نہ کرے، بلکہ ان کی خوبیاں اور ان کے فضائل بیان کیا کرے اور عیب کی باتوں سے سکوت کرے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب میرے صحابہ کا ذکر (یعنی برا ذکر) ہو تو سکوت کیا کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل قرآن شریف اور احادیث میں بکثرت وارد ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے:

"مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ج وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ وقف ج كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ط وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۝" (الفتح:۲۹)

ترجمہ: "محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت ہیں اور آپس میں مہربان اور اے مخاطب! تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کرنے والے ہیں، کبھی سجدہ کرنے والے ہیں، اور اللہ کے فضل اور رضا مندی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کی عبدیت کے آثار بوجہِ تاثیر ان کے سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں، یہ ان کے اوصاف توریت میں ہیں۔ اور انجیل میں ان کی یہ مثال ذکر کی ہے کہ جیسے کھیتی کہ اس نے اوّل اپنی سوئی نکالی، پھر اس نے اپنی سوئی کو قوی کیا (یعنی وہ کھیتی موٹی ہوئی)، پھر وہ کھیتی اور موٹی ہوئی، پھر اپنے تنہ پر سیدھی کھڑی ہوئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی (اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم میں اول ضعف تھا، پھر روزانہ قوت بڑھتی گئی اور اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس لئے یہ نشو ونما دیا) تاکہ ان سے کافروں کو حسد میں جلاوے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے ان صاحبوں سے جو کہ ایمان لائے اور نیک کام کررہے ہیں مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ کررکھا ہے۔"

یہ ترجمہ اس صورت میں ہے کہ تورات پر آیت ہو اور آیت کے فرق سے ترجمہ میں بھی

فرق ہوجائے گا جو تفاسیر سے معلوم ہوسکتا ہے۔ اسی سورۃ میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

"لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْیُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ كَثِیْرَةً یَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ۝" (الفتح:۱۸،۱۹)

ترجمہ: "تحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے (جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم سفر ہیں) خوش ہوا جب کہ یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ (اخلاص اور عزم) تھا اللہ تعالیٰ کو وہ بھی معلوم تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اطمینان پیدا کر دیا تھا اور ان کو ایک لگتے ہاتھ فتح بھی دے دی (مراد اس سے فتحِ خیبر ہے جو اس کے قریب ہی ہوئی) اور بہت سی غنیمتیں بھی دیں اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست حکمت والا ہے۔"

یہ ہی وہ بیعت ہے جس کو بَیْعَتُ الشجرۃ کہا جاتا ہے۔ اخیر باب کے قصّہ نمبر ۴ میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ایک جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا ۝ (الاحزاب:۲۳)

ترجمہ: "ان مومنین میں ایسے لوگ ہیں کہ انہوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا اس میں سچے اترے، پھر ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے (یعنی شہید ہو چکے) اور بعض ان میں اس کے مشتاق و منتظر ہیں (ابھی شہید نہیں ہوئے) اور اپنے ارادہ میں کوئی تغیّر و تبدّل نہیں کیا۔"

ایک جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خَالِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ (التوبہ:۱۰۰)

ترجمہ: ”اور جو مہاجرین وانصار (ایمان لانے میں سب امت سے) مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کررکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے“۔

ان آیات میں اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف اور ان سے خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے، اسی طرح احادیث میں بھی بہت کثرت سے فضائل وارد ہوئے ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے بعد ابوبکر وعمر کا اقتدا کیا کرو۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، جس کا اتباع کروگے ہدایت پاؤ گے۔ محدثین کو اس حدیث میں کلام ہے اور اسی وجہ سے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ پر اس کے ذکر کرنے میں اعتراض ہے، مگر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ تعدُّدِ طرق کی وجہ سے ان کے نزدیک قابل اعتبار ہو یا فضائل میں ہونے کی وجہ سے ذکر کیا ہو۔ (کیونکہ فضائل میں معمولی ضعف کی روایتیں ذکر کردی جاتی ہیں)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی مثال کھانے میں نمک کی سی ہے کہ کھانا بغیر نمک کے اچھا نہیں ہوسکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اللہ سے میرے صحابہ کے بارے میں ڈرو، ان کو ملامت کا نشانہ نہ بناؤ۔ جو شخص ان سے محبّت رکھتا ہے میری محبّت کی وجہ سے ان سے محبّت رکھتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ میرے بغض کی وجہ سے بغض رکھتا ہے، جو شخص ان کو اذیّت دے اس نے مجھ کو اذیّت دی اور جس نے مجھ کو اذیّت دی اس نے اللہ کو اذیّت دی اور جو شخص اللہ کو اذیّت دیتا ہے قریب ہے کہ پکڑ میں آجائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ میرے صحابہ کو گالیاں نہ دیا کرو، اگر تم میں سے کوئی شخص احد کے پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ ثواب کے اعتبار سے صحابہ کے ایک مُد یا آدھے مُد کے برابر بھی نہیں ہوسکتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص صحابہ کو گالیاں دے اس پر اللہ کی لعنت اور فرشتوں کی لعنت اور تمام آدمیوں کی لعنت، نہ

اس کا فرض قبول ہے نہ نفل۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ تمام مخلوق میں سے میرے صحابہ کو چھانٹا ہے اور ان میں سے چار کو ممتاز کیا ہے: ابوبکر، عمر، عثمان، علی؛ ان کو میرے سب صحابہ سے افضل قرار دیا۔

ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے محبّت کی اس نے دین کو سیدھا کیا اور جس نے عمر رضی اللہ عنہ سے محبّت کی اس نے دین کے واضح راستے کو پالیا اور جس نے عثمان رضی اللہ عنہ سے محبّت کی وہ اللہ کے نور کے ساتھ منور ہوا اور جس نے علی رضی اللہ عنہ سے محبّت کی اس نے دین کی مضبوط رسی کو پکڑ لیا۔ جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف کرتا ہے وہ نفاق سے بری ہے اور جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی بے ادبی کرتا ہے وہ بدعتی، منافق، سنت کا مخالف ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ اس کا کوئی عمل قبول نہ ہو۔ یہاں تک کہ اُن سب کو محبوب رکھے اور ان کی طرف سے دل صاف ہو۔

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اے لوگو! میں ابوبکر سے خوش ہوں، تم لوگ ان کا مرتبہ پہچانو۔ میں عمر سے، عثمان سے، علی سے، طلحہ سے، زبیر سے، سعد سے، سعید سے، عبدالرحمٰن بن عوف سے، ابوعبیدہ سے، خوش ہوں، تم لوگ ان کا مرتبہ پہچانو۔ اے لوگو! اللہ جل شانہٗ نے بدر کی لڑائی میں شریک ہونے والوں کی اور حدیبیہ کی لڑائی میں شریک ہونے والوں کی مغفرت فرما دی۔ تم میرے صحابہ کے بارے میں میری رعایت کیا کرو اور ان لوگوں کے بارے میں جن کی بیٹیاں میرے نکاح میں ہیں یا میری بیٹیاں ان کے نکاح میں ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ قیامت میں تم سے کسی قسم کے ظلم کا مطالبہ کریں کہ وہ معاف نہیں کیا جائے گا۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ میرے صحابہ اور میرے دامادوں میں میری رعایت کیا کرو، جو شخص ان کے بارے میں میری رعایت کرے گا اللہ تعالیٰ شانہٗ دنیا اور آخرت میں اس کی حفاظت فرمائیں گے اور جو ان کے بارے میں میری رعایت نہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے بَری ہیں اور جس سے اللہ تعالیٰ بَری ہیں کیا بعید ہے کہ کسی گرفت میں آجائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص صحابہ کے بارے میں میری رعایت کرے گا میں قیامت کے دن اس کا محافظ ہونگا۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ جو میرے صحابہ کے بارے میں میری

رعایت رکھے گا وہ میرے پاس حوضِ کوثر پر پہنچ سکے گا اور جو ان کے بارے میں میری رعایت نہ کرے گا وہ میرے پاس حوض تک نہیں پہنچ سکے گا اور مجھے دور ہی سے دیکھے گا۔

سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی تعظیم نہ کرے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر ایمان نہیں لایا۔ اللہ جَلَّ شَانُہٗ اپنے لطف و فضل سے اپنی گرفت سے اور اپنے محبوب کے عِتاب سے مجھ کو اور میرے دوستوں کو، میرے مُحسِنوں کو اور ملنے والوں کو، میرے مشائخ کو، تلامِذہ کو اور سب مؤمنین کو محفوظ رکھے اور ان حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی محبّت سے ہمارے دلوں کو بھر دے۔

اٰمِیْنَ بِرَحْمَتِكَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ الْاَتَمَّانِ الْاَكْمَلَانِ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ وَعَلٰی اَتْبَاعِهٖ وَ اَتْبَاعِهِمْ حَمَلَةِ الدِّیْنِ الْمَتِیْنِ . تَمَّتْ

زکریا عفی عنہ کاندھلوی
مقیم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور
۱۲ شوال ۱۳۵۷ھ دوشنبہ

Specialist in
DIGITIZING ISLAMIC BOOKS
Contact: noorbari786@gmail.com
Visit: noorhiraislamicbooks.com
١١ ذالقعدہ ١٤٤٦

عَلَّمَ الْاِنسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ

سِکھایا انسان کو وہ ، جو وہ جانتا نہ تھا

فضائلِ قرآن کریم

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ

DIGITIZED ISLAMIC BOOKS
noorhiraislamicbooks.com

فہرست مضامین فضائل قرآن کریم

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	خطبہ کتاب۔	۲۵۸
۲	سبب تالیف۔	۲۵۹
۳	تلاوت کے ظاہری و باطنی آداب۔	۲۶۳
۴	حفظِ قرآن کی وہ مقدار جو فرض ہے۔	۲۶۴
۵	احادیث۔	۲۶۵
۶	سب سے بہترین شخص کون ہے؟۔	۲۶۵
۷	تلاوت کی برکت اور کلام اللہ کی فضیلت۔	۲۶۶
۸	دو اور تین اور چار آیات کا ثواب۔	۲۶۶
۹	تلاوت میں مہارت پر اور اٹکنے پر ثواب۔	۲۶۹
۱۰	دو چیزوں میں حسد جائز ہے۔	۲۷۰
۱۱	تلاوت کرنیوالوں اور نہ کرنیوالوں کی مثال۔	۲۷۰
۱۲	کتاب اللہ کی وجہ سے قوموں کا عروج و زوال۔	۲۷۲
۱۳	قیامت میں تین چیزیں عرش کے نیچے ہوں گی۔	۲۷۳
۱۴	سال میں دو مرتبہ ختم کرنا قرآن مجید کا حق ہے۔	۲۷۴
۱۵	تفسیر کے لئے پندرہ علوم میں مہارت ضروری ہے۔	۲۷۵
۱۶	قرآن پاک کی وجہ سے جنّت میں بلند مقام۔	۲۷۷
۱۷	قرآن پاک کے ایک حرف پر دس نیکیاں۔	۲۸۰
۱۸	تلاوت اور عمل کرنے والے کے والدین کو سورج سے زیادہ روشن تاج پہنائے جائیں گے۔	۲۸۱
۱۹	قرآن پاک کو آگ نہیں جلاتی۔	۲۸۴
۲۰	کلام پاک پر عمل کرنے والے کو دس آدمیوں کی سفارش کا حق۔	۲۸۵
۲۱	قرآن پاک کے پڑھنے والے کی مثال مشک سے بھری ہوئی تھیلی کی طرح ہے۔	۲۸۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۴	جس سینے میں قرآن پاک نہیں وہ ویران گھر کی طرح ہے۔	۲۸۶
۲۳	قرآن پاک نماز میں پڑھنا افضل ہے۔	۲۸۷
۲۴	قرآن دیکھ کر پڑھنے کا ثواب۔	۲۸۹
۲۵	زنگ خوردہ دلوں کو جلاء، تلاوتِ قرآن پاک اور موت کی یاد ہے۔	۲۹۰
۲۶	اس اُمت کا شرف اور افتخار قرآنِ پاک ہے۔	۲۹۱
۲۷	تلاوتِ قرآن پاک دنیا میں نور اور آخرت میں ذخیرہ ہے۔	۲۹۲
۲۸	صحائفِ آسمانی اور کتبِ سماویہ کی تعداد اور ان کے مضامین۔	۲۹۳
۲۹	یکجا تلاوت کرنے والوں پر سکینہ اور رحمت کا نزول اور فرشتوں کا گھیرنا۔	۲۹۵
۳۰	اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹنے والے قرآن پاک سے عمدہ اور کوئی عمل نہ لے جاسکیں گے۔	۲۹۷
۳۱	امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا خواب۔	۲۹۸
۳۲	مرتبۂ احسان کے حصول کا طریقہ۔	۲۹۸
۳۳	اہلِ تلاوت اہل اللہ ہیں۔	۳۰۰
۳۴	خوش الحانی سے قرآن پاک پڑھنے والے پیغمبر کی طرف اللہ تعالیٰ کی خاص توجہ۔	۳۰۱
۳۵	قاری کی قرأت کی طرف اللہ تعالیٰ کی خاص توجہ۔	۳۰۱
۳۶	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ایک گویے کا قصہ۔	۳۰۲
۳۷	قرآنِ پاک کو رات دن پڑھنے کا حکم اور اس کا ثواب۔	۳۰۳
۳۸	تورات کی ایک روایت۔	۳۰۵
۳۹	قرآنِ مجید سابقہ کُتب کا جامع اور اُن سے زیادہ پر مشتمل ہے۔	۳۰۵
۴۰	ضعفاء مہاجرین کی ایک مجلس۔	۳۰۶
۴۱	قرآن پاک پڑھنے اور سننے کا ثواب۔	۳۰۸
۴۲	قرآن پاک شافع اور مُشَفَّع ہے۔	۳۰۹
۴۳	روزہ اور قرآن پاک شفاعت کریں گے۔	۳۱۰
۴۴	تلاوت کرنے والوں کے واقعات۔	۳۱۱
۴۵	ختمِ قرآن پاک کے مسائل۔	۳۱۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۴۶	کوئی شفاعت کرنیوالا قرآن مجید سے افضل نہ ہوگا۔	۳۱۳
۴۷	تلاوت کرنیوالے کی قرآن مجید حفاظت کرتا ہے۔	۳۱۳
۴۸	تلاوت کرنے والا گویا علوم نبوت کو اپنے سینے میں سمیٹ لیتا ہے۔	۳۱۴
۴۹	تین شخص جو بے خوف مشک کے ٹیلوں پر ہونگے۔	۳۱۵
۵۰	ایک آیت کا سیکھنا سو رکعت سے بہتر ہے۔	۳۱۵
۵۱	دس آیتیں پڑھنے والا غافلین میں نہیں لکھا جاتا۔	۳۱۶
۵۲	فرض نمازیں پڑھنے والا غافلین میں سے نہیں۔	۳۱۶
۵۳	فتنوں کا توڑ کتاب اللہ ہے۔	۳۱۷
۵۴	خاتمہ	۳۱۸
۵۵	سورۂ فاتحہ ہر بیماری کی دوا ہے۔	۳۱۸
۵۶	سورۂ فاتحہ اور دوسری سورتوں اور آیتوں کے فضائل۔	۳۱۹
۵۷	سورۂ یٰسین کی برکات اور فضائل۔	۳۲۰
۵۸	سورۂ واقعہ، سورہ ملک کے فضائل	۳۲۲
۵۹	افضل عمل کون سا ہے؟۔	۳۲۴
۶۰	قرآن مجید کی خبر گیری اور اشتغال کی ضرورت۔	۳۲۵
۶۱	قرآن مجید کو ذریعہ سوال بنانے والے کا عذاب۔	۳۲۶
۶۲	تتمّہ۔	۳۲۸
۶۳	جس خوبی سے کسی کو محبت ہو وہ قرآن پاک میں موجود ہے۔	۳۳۰
۶۴	محبّت کے اسباب پانچ اُمور ہیں اور وہ سب قرآن مجید میں موجود ہیں۔	۳۳۸
۶۵	حِفظِ قرآن کا ایک مجرب عمل۔	۳۴۰
۶۶	تکملہ۔ مختصر چہل حدیث تمت بالخیر۔	۳۴۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ الْاِنْسَانَ وَعَلَّمَهُ الْبَیَانَ وَاَنْزَلَ لَهُ الْقُرْاٰنَ وَجَعَلَهُ مَوْعِظَةً وَّشِفَاءً وَّهُدًی وَّرَحْمَةً لِّلذَوِی الْاِیْمَانِ لاَ رَیْبَ فِیْهِ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهُ عِوَجًا وَّاَنْزَلَهُ قَیِّمًا حُجَّةً نُوْرًا لِّلذَوِی الْاِیْقَانِ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ الْاَتَمَّانِ الْاَکْمَلَانِ عَلٰی خَیْرِ الْخَلَائِقِ مِنَ الْاِنْسِ وَالْجَآنِّ الَّذِیْ نَوَّرَ الْقُلُوْبَ وَالْقُبُوْرَ نُوْرُهٗ، وَرَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ظُهُوْرُهٗ، وَعَلٰٓی اٰلِهٖ وَصَحْبِهِ الَّذِیْنَ هُمْ نُجُوْمُ الْهِدَایَةِ وَنَاشِرُوا الْفُرْقَانِ، وَعَلٰی مَنْ تَبِعَهُمْ بِالْاِیْمَانِ، وَبَعْدُ فَیَقُوْلُ الْمُفْتَقِرُ اِلٰی رَحْمَةِ رَبِّهِ الْجَلِیْلِ، عَبْدُهُ الْمَدْعُوُّ بِزَکَرِیَّا بْنِ یَحْیٰی بْنِ اِسْمٰعِیْلَ: هٰذِهِ الْعُجَالَةُ اَرْبَعُوْنَةٌ فِیْ فَضَائِلِ الْقُرْاٰنِ ، اَلَّفْتُهَا مُمْتَثِلاً لِاَمْرِ مَنْ اِشَارَتُهٗ حُکْمٌ وَّ طَاعَتُهٗ غُنْمٌ.

تمام تعریف اس پاک ذات کے لئے ہے جس نے انسان کو پیدا کیا اور اس کو وضاحت سکھائی اور اس کے لئے وہ قرآنِ پاک نازل فرمایا جس کو نصیحت اور شفا اور ہدایت اور رحمت ایمان والوں کے لئے بنایا جس میں نہ کوئی شک ہے اور نہ کسی قسم کی کجی، بلکہ وہ بالکل مستقیم ہے اور حجّت و نور ہے یقین والوں کے لئے، اور کامل و مکمّل درود و سلام اس بہترین خلائق پر ہو جیو، جس کے نور نے زندگی میں دلوں کو اور مرنے کے بعد قبروں کو منور فرما دیا اور جس کا ظہور تمام عالم کیلئے رحمت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور اصحاب رضی اللہ عنہم پر جو ہدایت کے ستارے ہیں اور کلامِ پاک کے پھیلانے والے، نیز اُن مؤمنین پر بھی جو ایمان کے ساتھ ان کے پیچھے لگنے والے ہیں۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد اللہ کی رحمت کا محتاج بندہ زکریا بن یحییٰ بن اسمٰعیل عرض کرتا ہے کہ یہ جلدی میں لکھے ہوئے چند اوراق ''فضائلِ قرآن'' میں ایک چہل حدیث ہے جس کو میں نے ایسے حضرات کے امتثالِ حکم میں جمع کیا ہے جن کا اشارہ بھی حکم ہے اور ان کی اطاعت ہر طرح مُغْتَنَم ہے۔

حق سبحانہٗ وَ تقدس کے ان انعاماتِ خاصّہ میں سے جو (مدرسہ عالیہ مظاہر علوم سہارنپور) کے ساتھ ہمیشہ مخصوص رہے۔ مدرسہ کا سالانہ جلسہ ہے جو ہر سال مدرسہ کے اجمالی حالات سنانے کے لئے منعقد ہوتا ہے۔ مدرسے کے اس جلسہ میں مقرّرین، واعظین اور مَشاہیر اہلِ ہند کے جمع کرنے کا اس قدر اہتمام نہیں کیا جاتا جتنا کہ اللہ والے، قلوب والے، گمنامی میں رہنے والے مشائخ کے اجتماع کی سعی کی جاتی ہے۔ وہ زمانہ اگرچہ کچھ دور ہو گیا ہے جب کہ حُجّۃُ الاِسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قَدَّسَ اللہُ سرَّہُ العَزِیز اور قُطبُ الارشاد حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نَوَّرَ اللہُ مَرقَدَہٗ کی تشریف آوری حاضرینِ جلسہ کے قلوب کو منور فرمایا کرتی تھی، مگر وہ منظر ابھی آنکھوں سے زیادہ دور نہیں ہوا جب کہ ان مجدّدِ دینِ اسلام اور شُموسِ ہدایت کے جانشین حضرت شیخُ الہند رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا اشرف علی صاحب نَوَّرَ اللہُ مَرقَدَہٗ مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں مُجتمع ہو کر مردہ قلوب کے لئے زندگی و نورانیت کے لئے چشمے جاری فرمایا کرتے تھے اور عشق کے پیاسوں کو سیراب فرماتے تھے۔

دورِ حاضر میں مدرسے کا جلسہ اُن بُدورِ ہدایت سے بھی گو محروم ہو گیا، مگر ان کے سچّے جانشین حُضّارِ جلسہ کو اب بھی اپنے فیوض و برکات سے مالا مال فرماتے ہیں۔ جو لوگ اِمسال جلسے میں شریک رہے ہیں وہ اس کے لئے شاہدِ عدل ہیں، آنکھوں والے برکات دیکھتے ہیں، لیکن ہم سے بے بَصر بھی اتنا ضرور محسوس کرتے ہیں کہ کوئی بات ضرور ہے۔

مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں اگر کوئی شخص شُستہ تقاریر، زوردار لیکچروں کا طالب بن کر آئے تو شاید وہ اتنا مسرور نہ جائے جس قدر کہ دوائے دل کا طالب کامگار[1] و فیض یاب جائے گا۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالْمَنَّۃُ۔

اسی سلسلہ میں سالِ رواں ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ کے جلسہ میں حضرت الشاہ حافظ محمد یٰسین صاحب نگینوی رحمۃ اللہ علیہ نے قدم رنجہ فرما کر اس سیہ کار پر جس قدر شفقت و لطف کا مینہ برسایا، یہ ناکارہ اس کے تشکر سے بھی قاصر ہے۔ ممدوح کے متعلق یہ معلوم ہو جانے کے بعد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ہیں پھر آپ کے اوصافِ جلیلہ: یک سوئی،

[1] کامگار :- خوش نصیب، اقبال مند

تقدُّس، مَظہرِ انوار و برکات وغیرہ کے ذکر کی ضرورت نہیں رہتی۔ جلسہ سے فراغت کے بعد ممدوح جب مکان واپس تشریف لے گئے تو گرامی نامہ، مَکْرَمَت نامہ، عزت نامہ سے مجھے اس کا حکم فرمایا کہ فضائل قرآن میں ایک چہل حدیث جمع کر کے اس کا ترجمہ خدمت میں پیش کروں اور نیز یہ کہ اگر ممدوح کے حکم سے میں نے انحراف کیا تو وہ میرے جانشینِ شیخ اور مِثْلِ والد چچا جان مولانا الحافظ الحاج مولوی محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے اس حکم کو مؤکد کرائیں گے اور بہر حال یہ خدمت ممدوح کو مجھ جیسے ناکارہ ہی سے لینا ہے۔ یہ افتخار نامہ اتفاقاً ایسی حالت میں پہنچا کہ میں سفر میں تھا اور میرے چچا جان یہاں تشریف فرما تھے، انہوں نے میری واپسی پر یہ گرامی نامہ اپنے تاکیدی حکم کے ساتھ میرے حوالے فرمایا کہ جس کے بعد نہ مجھے کسی معذرت کی گنجائش رہی اور نہ اپنی عدم اہلیت کے پیش کرنے کا موقع رہا۔ میرے لئے شرحِ مُوَطّا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مشغولیت بھی ایک قوی عذر تھا، مگر ارشاداتِ عالیہ کی اہمیّت کی وجہ سے اس کو چند روز کے لئے ملتوی کر کے ماحضر خدمات عالیہ میں پیش کرتا ہوں اور ان لغزشوں سے جن کا وجود میری نااہلیت کے لئے لازم ہے معافی کا خواستگار ہوں۔

رَجَاءَ الْحَشْرِ فِیْ سِلْكِ مَنْ قَالَ فِيْهِمُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ حَفِظَ عَلٰى اُمَّتِیْ اَرْبَعِيْنَ حَدِيْثًا فِیْ اَمْرِ دِيْنِهَا بَعَثَهُ اللّٰهُ فَقِيْهًا وَكُنْتُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شَافِعًا وَّشَهِيْدًا". قَالَ الْعَلْقَمِیُّ رحمہ اللہ: اَلْحِفْظُ ضَبْطُ الشَّیْءِ وَمَنْعُهٗ مِنَ الضِّيَاعِ، فَتَارَةً يَكُوْنُ حِفْظُ الْعِلْمِ بِالْقَلْبِ وَ اِنْ لَّمْ يَكْتُبْ، وَتَارَةً فِی الْكِتَابِ وَاِنْ لَّمْ يَحْفَظْهُ بِقَلْبِهٖ، فَلَوْ حَفِظَ فِیْ كِتَابٍ ثُمَّ نَقَلَ اِلَى النَّاسِ دَخَلَ فِیْ وَعْدِ الْحَدِيْثِ. وَقَالَ الْمُنَاوِیُّ رحمہ اللہ: قَوْلُهٗ مَنْ حَفِظَ عَلٰى اُمَّتِیْ اَیْ نَقَلَ اِلَيْهِمْ

اس جماعت کے ساتھ حشر ہونے کی امید میں جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص میری امت کے لئے ان کے دینی امور میں چالیس حدیثیں محفوظ کرے گا حق تعالیٰ شانہٗ اس کو قیامت میں عالم اٹھائے گا اور میں اس کے لئے سفارشی اور گواہ بنوں گا۔ علقمی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ محفوظ کرنا شے کے مُنْضَبِط کرنے اور ضائع ہونے سے حفاظت کا نام ہے، چاہے بغیر لکھے برزبان یاد کر لے یا لکھ کر محفوظ کر لے اگرچہ یاد نہ ہو، پس اگر کوئی شخص کتاب میں لکھ کر دوسروں تک پہنچا دے

بِطَرِيْقِ التَّخْرِيْجِ وَالْاِسْنَادِ، وَقِيْلَ: مَعْنٰى "حَفِظَهَا" اَنْ يَنْقُلَهَا اِلَى الْمُسْلِمِيْنَ وَ اِنْ لَّمْ يَحْفَظْهَا وَلاَ عَرَفَ مَعْنَاهَا، وَقَوْلُهُ: اَرْبَعِيْنَ حَدِيْثًا، صِحَاحًا اَوْ حِسَانًا، قِيْلَ: اَوْ ضِعَافًا يُعْمَلُ بِهَا فِيْ الْفَضَائِلِ، فَلِلّٰهِ دَرُّ الْاِسْلَامِ مَا اَيْسَرَهُ، وَلِلّٰهِ دَرُّ اَهْلِهِ مَا اَجْوَدَ مَا اسْتَنْبَطُوْا، رَزَقَنِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاِيَّاكُمْ كَمَالَ الْاِسْلَامِ، وَ مِمَّا لَابُدَّ مِنَ التَّنْبِيْهِ عَلَيْهِ اَنِّيْ اعْتَمَدْتُّ فِيْ التَّخْرِيْجِ عَلَى الْمِشْكٰوةِ وَتَخْرِيْجِهِ وَشَرْحِهِ الْمِرْقَاةِ، وَ شَرْحِ الْاِحْيَاءِ لِلسَّيِّدِ مُحَمَّدِنِ الْمُرْتَضٰى، وَالتَّرْغِيْبِ لِلْمُنْذِرِيِّ وَ مَا عَزَوْتُ اِلَيْهَا لِكَثْرَةِ الْاَخْذِ عَنْهَا، وَمَا اَخَذْتُ عَنْ غَيْرِهَا عَزَوْتُهُ اِلٰى مَاْخَذِهٖ، وَيَنْبَغِيْ لِلْقَارِئِ مُرَاعَاةَ اٰدَابِ التِّلَاوَةِ عِنْدَ الْقِرَاءَةِ.

وہ بھی حدیث کی بشارت میں داخل ہوگا۔ مُناوِی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میری امت پر محفوظ کر لینے سے مراد ان کی طرف نقل کرنا ہے سَنَد کے حوالے کے ساتھ اور بعض نے کہا ہے کہ مسلمانوں تک پہنچانا ہے اگرچہ وہ برزبان یاد نہ ہوں، نہ ان کے معنی معلوم ہوں۔ اسی طرح چالیس حدیثیں بھی عام ہیں کہ سب صحیح ہوں یا حَسن یا معمولی درجہ کی ضعیف جن پر فضائل میں عمل جائز ہو۔ اللہ اکبر! اسلام میں بھی کیا کیا سہولتیں ہیں اور تعجب کی بات ہے کہ علماء نے بھی کس قدر باریکیاں نکالی ہیں، حق تعالیٰ شانہٗ کمالِ اسلام مجھے بھی نصیب فرماویں اور تمہیں بھی۔ اس جگہ ایک ضروری امر پر متنبہ کرنا بھی لابُدّی ہے، وہ یہ کہ میں نے احادیث کا حوالہ دینے میں مشکوٰۃ، تنقیح الرُّواۃ، مِرقاۃ اور احیاء العلوم کی شرح اور مُنذری رحمۃ اللہ علیہ کی ترغیب پر اعتماد کیا ہے اور کثرت سے ان سے لیا ہے، اس لئے ان کے حوالے کی ضرورت نہیں سمجھی، البتہ ان کے علاوہ کہیں سے لیا ہے تو اس کا حوالہ نقل کر دیا، نیز قاری کے لئے تلاوت کے وقت اس کے آداب کی رعایت بھی ضروری ہے۔

مقصود سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کلامِ مجید پڑھنے کے کچھ آداب بھی لکھ دیئے جائیں کہ

ع بے ادب محروم گشت از فضلِ رب

مختصر طور پر آداب کا خلاصہ یہ ہے، کلام اللہ شریف معبود کا کلام ہے، محبوب و مطلوب کے فرمودہ الفاظ ہیں۔

جن لوگوں کو محبّت سے کچھ واسطہ پڑا ہے وہ جانتے ہیں کہ معشوق کے خط کی، محبوب کی تقریر و تحریر کی کسی دل کھوئے ہوئے کے یہاں کیا وَقعت ہوتی ہے، اس کے ساتھ جو شیفتگی و فریفتگی کا معاملہ ہوتا ہے اور ہونا چاہئے وہ قواعد و ضوابط سے بالاتر ہے

ع محبّت تجھ کو آدابِ محبّت خود سکھا دے گی

اس وقت اگر جمالِ حقیقی اور انعامات غیر مُتناہی کا تصور ہو تو محبّت موج زن[1] ہوگی، اس کے ساتھ ہی وہ اَحکمُ الحاکمین کا کلام ہے، سلطانُ السلاطین کا فرمان ہے، اس سَطوَت و جَبَروت والے بادشاہ کا قانون ہے کہ جس کی ہمسری نہ کسی بڑے سے بڑے سے ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے۔ جن لوگوں کو سلاطین کے دربار سے کچھ واسطہ پڑ چکا ہے وہ تجربے سے اور جن کو سابقہ نہیں پڑا وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ سلطانی فرمان کی ہیبت قلوب پر کیا ہو سکتی ہے۔ کلامِ الٰہی محبوب و حاکم کا کلام ہے، اس لئے دونوں آداب کا مجموعہ اس کے ساتھ برتنا ضروری ہے۔

حضرت عِکرمہ رحمۃ اللہ علیہ جب کلامِ پاک پڑھنے کے لئے کھولا کرتے تھے تو بے ہوش ہو کر گر جاتے تھے اور زبان پر جاری ہو جاتا تھا "هٰذَا كَلَامُ رَبِّیْ، هٰذَا كَلَامُ رَبِّیْ" (یہ میرے رب کا کلام ہے یہ میرے رب کا کلام ہے) یہ ان آداب کا اِجمال ہے اور ان تفصیلات کا اِختصار ہے جو مشائخ رحمۃ اللہ علیہم نے آدابِ تلاوت میں لکھے ہیں جن کی کسی قدر توضیح بھی ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، جن کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ بندہ نوکر بن کر نہیں، چاکر بن کر نہیں، بلکہ بندہ بن کر آقا و مالک، محسن و مُنعِم کا کلام پڑھے، صوفیاء نے لکھا ہے کہ جو شخص اپنے کو قراءت کے آداب سے قاصر سمجھتا رہے گا وہ قرب کے مراتب میں ترقی کرتا رہے گا اور جو اپنے کو رضا و عُجب کی نگاہ سے دیکھے گا وہ ترقی سے دور ہوگا۔

---

[1] موج زن:- ٹھاٹھیں مارنے والا

آداب

مسواک اور وضو کے بعد کسی یک سوئی کی جگہ میں نہایت وقار و تواضع کے ساتھ رو بہ قبلہ بیٹھے اور نہایت ہی حضورِ قلب اور خشوع کے ساتھ اس لطف سے جو اس وقت کے مناسب ہے اس طرح پڑھے کہ گویا خود حق سبحانہٗ وعَزَّ اِسْمُہٗ کو کلامِ پاک سنا رہا ہے۔ اگر وہ معنی سمجھتا ہے تو تدبّر و تفکّر کے ساتھ آیاتِ وعدۂ رحمت پر دعائے مغفرت و رحمت مانگے اور آیاتِ عذاب و وعید پر اللہ سے پناہ چاہے کہ اس کے سوا کوئی بھی چارہ ساز نہیں۔ آیاتِ تنزیہ و تقدیس پر سُبْحَانَ اللّٰہِ کہے اور از خود تلاوت میں رونا نہ آوے تو بتکلّف رونے کی سعی کرے۔

وَاَلَذُّ حَالَاتِ الْغَرَامِ لِمُغْرِمٍ شِکْوَی الْھَوٰی بِالْمُدْمَعِ الْمُھْرَاقِ

ترجمہ: کسی عاشق کے لئے سب سے زیادہ لذت کی حالت یہ ہے کہ محبوب سے اس کا گِلہ ہو رہا ہو اس طرح کہ آنکھوں سے بارش ہو۔

پس اگر یاد کرنا مقصود نہ ہو تو پڑھنے میں جلدی نہ کرے، کلام پاک کو رَحل یا تکیہ یا کسی اونچی جگہ پر رکھے، تلاوت کے درمیان میں کسی سے کلام نہ کرے، اگر کوئی ضرورت پیش ہی آجاوے تو کلامِ پاک بند کر کے بات کرے اور پھر اس کے بعد "اَعُوْذُ" پڑھ کر دوبارہ شروع کرے، اگر مجمع میں لوگ اپنے اپنے کاروباروں میں مشغول ہوں تو آہستہ پڑھنا افضل ہے، ورنہ آواز سے پڑھنا اولیٰ ہے۔ مشائخ نے تلاوت کے چھ آداب ظاہری اور چھ باطنی ارشاد فرمائے ہیں۔

ظاہری آداب: اوّل: غایتِ احترام سے باوضو، رو بہ قبلہ بیٹھے۔ دوم: پڑھنے میں جلدی نہ کرے، ترتیل و تجوید سے پڑھے۔ سوم: رونے کی سعی کرے، چاہے بتکلّف ہی کیوں نہ ہو۔ چہارم: آیاتِ رحمت و آیاتِ عذاب کا حق ادا کرے جیسا کہ پہلے گذر چکا۔ پنجم: اگر ریا کا احتمال ہو یا کسی دوسرے مسلمان کی تکلیف و حرج کا اندیشہ ہو تو آہستہ پڑھے ورنہ آواز سے۔ ششم: خوش الحانی سے پڑھے کہ خوش الحانی سے کلامِ پاک پڑھنے کی بہت سی احادیث میں تاکید آئی ہے۔

باطنی آداب: اوّل: کلامِ پاک کی عظمت دل میں رکھے کہ کیسا عالی مرتبہ کلام ہے۔ دوم: حق سبحانہ وتقدس کی عُلوِّ شان اور رِفعت وکبریائی کو دل میں رکھے جس کا کلام ہے۔ سوم: دل کو وساوس وخطرات سے پاک رکھے۔ چہارم: معانی کا تدبر کرے اور لذت کیساتھ پڑھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شب تمام رات اس آیت کو پڑھ کر گذار دی:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (المائدة:١٦٤)

اے اللہ! اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر مغفرت فرما دے تو تُو عزت وحکمت والا ہے۔

سعید بن جُبَیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رات اس آیت کو پڑھ کر صبح کر دی:

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ○ (يٰسٓ:٥٩)

او مجرمو! آج قیامت کے دن فرماں برداروں سے الگ ہو جاؤ۔

پنجم: جن آیات کی تلاوت کر رہا ہے دل کو ان کے تابع بناوے مثلاً اگر آیتِ رحمت زبان پر ہے، دل سُرُوْرِ محض بن جائے اور آیتِ عذاب اگر آ گئی ہے تو دل لرز جائے۔

ششم: کانوں کو اس درجہ متوجہ بنا دے کہ گویا خود حق سبحانہٗ وتَقَدَّس کلام فرما رہے ہیں اور یہ سن رہا ہے حق تعالیٰ شانہٗ محض اپنے لطف وکرم سے مجھے بھی ان آداب کے ساتھ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے اور تمہیں بھی۔

مسئلہ: اتنے قرآن شریف کا حفظ کرنا جس سے نماز ادا ہو جائے ہر شخص پر فرض ہے اور تمام کلامِ پاک کا حفظ کرنا فرض کفایہ ہے، اگر کوئی بھی اَلْعِیاذ باللہ حافظ نہ رہے تو تمام مسلمان گناہ گار ہیں بلکہ زَرْکشی رحمۃ اللہ علیہ سے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ جس شہر یا گاؤں میں کوئی قرآن پاک پڑھنے والا نہ ہو تو سب گناہ گار ہیں۔ اس زمانہ ضلالت و جہالت میں جہاں ہم مسلمانوں میں اور بہت سے دینی امور میں گمراہی پھیل رہی ہے وہاں ایک عام آوازہ یہ بھی ہے کہ قرآن شریف کے حفظ کرنے کو فضول سمجھا جا رہا ہے، اس کے الفاظ رٹنے کو حماقت بتلایا جاتا ہے، اس کے الفاظ یاد کرنے کو دماغ سوزی اور تَضْیِیعِ اوقات کہا جاتا ہے، اگر ہماری بددینی کی یہی ایک وبا ہوتی تو اس پر کچھ تفصیل سے لکھا جاتا، مگر یہاں

ہر ادا مرض ہے اور ہر خیال باطل ہی کی طرف کھینچتا ہے۔ اس لئے کس کس چیز کو روئیے اور کس کس کا شکوہ کیجئے۔ فَإِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ۔

(۱) عَنْ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ. (رواه البخاری و ابوداود و الترمذی والنسائی وابن ماجة، هٰذا فی الترغیب و عزاه الیٰ مسلم ایضاً، لکن حکی الحافظ فی الفتح عن ابی العلاءِ اَنَّ مسلمًا سکت عنه)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن شریف کو سیکھے اور سکھائے۔

اکثر کتب میں یہ روایت ''واو'' کے ساتھ ہے جس کا ترجمہ لکھا گیا، اس صورت میں فضیلت اس شخص کے لئے ہے جو کلامِ پاک سیکھے اور اس کے بعد دوسروں کو سکھائے، لیکن بعض کتب میں یہ روایت ''او'' کے ساتھ وارد ہوئی ہے، اس صورت میں بہتری اور فضیلت عام ہوگی کہ خود سیکھے یا دوسروں کو سکھائے، دونوں کے لئے مستقل خیر و بہتری ہے۔

کلامِ پاک چونکہ اصلِ دین ہے اس کی بقاو اشاعت پر ہی دین کا مدار ہے، اس لئے اس کے سیکھنے اور سکھانے کا افضل ہونا ظاہر ہے، کسی توضیح کا محتاج نہیں، البتہ اس کی انواع مختلف ہیں، کمال اس کا یہ ہے کہ مطالب و مقاصد سمیت سیکھے اور ادنیٰ درجہ اس کا یہ ہے کہ فقط الفاظ سیکھے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا ارشاد حدیثِ مذکور کی تائید کرتا ہے جو سعید بن سلیم رحمۃ اللہ علیہ سے مُرسَلاً منقول ہے کہ جو شخص قرآن شریف کو حاصل کرلے اور پھر کسی دوسرے شخص کو جو کوئی اور چیز عطا کیا گیا ہو اپنے سے افضل سمجھے تو اس نے حق تعالیٰ شانہٗ کے اس انعام کی جو اپنے کلامِ پاک کی وجہ سے اس پر فرمایا ہے تحقیر کی ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ جب کلامِ الٰہی سب کلاموں سے افضل ہے جیسا کہ مستقل احادیث میں آنے والا ہے تو اس کا پڑھنا پڑھانا یقیناً سب چیزوں سے افضل ہونا ہی چاہئے۔ ایک دوسری حدیث میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ جس شخص نے کلامِ پاک کو حاصل کرلیا اس نے علومِ نبوت کو اپنی پیشانی میں جمع کرلیا۔ سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ سے محبت کی علامت یہ ہے کہ اس کے کلامِ پاک کی محبت قلب میں ہو۔ شرحِ احیاء میں ان لوگوں کی

فہرست میں جو قیامت کے ہولناک دن میں عرش کے سایہ کے نیچے رہیں گے ان لوگوں کو بھی شمار کیا ہے جو مسلمانوں کے بچوں کو قرآنِ پاک کی تعلیم دیتے ہیں، نیز ان لوگوں کو بھی شمار کیا ہے جو بچپن میں قرآن شریف سیکھتے ہیں اور بڑے ہو کر اس کی تلاوت کا اہتمام کرتے ہیں۔

(۲) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: یَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی: مَنْ شَغَلَه الْقُرْاٰنُ عَنْ ذِكْرِیْ وَمَسْئَلَتِیْ، اَعْطَیْتُهٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِی السَّائِلِیْنَ، وَفَضْلُ كَلَامِ اللّٰہِ عَلٰی سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰہِ عَلٰی خَلْقِهٖ ۔ (رواہ الترمذی والدارمی والبیهقی فی الشعب)

ابو سعید رضی اللہ عنہ سے حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ حق سبحانہٗ وتقدّس کا یہ فرمان ہے کہ جس شخص کو قرآن شریف کی مشغولی کی وجہ سے ذکر کرنے اور دعائیں مانگنے کی فرصت نہیں ملتی، میں اس کو سب دعائیں مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کے کلام کو سب کلاموں پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسی کہ خود حق تعالیٰ شانہٗ کو تمام مخلوق پر۔

یعنی جس شخص کو قرآنِ پاک کے یاد کرنے یا جاننے اور سمجھنے میں اس درجہ مشغولی ہے کہ کسی دوسری دعا وغیرہ کے مانگنے کا وقت نہیں ملتا، میں دعا مانگنے والوں کے مانگنے سے بھی افضل چیز اس کو عطا کروں گا۔ دنیا کا مشاہدہ ہے کہ جب کوئی شخص شیرینی وغیرہ تقسیم کر رہا ہو اور کوئی مٹھائی لینے والا اس کے ہی کام میں مشغول ہو اور اس کی وجہ سے نہ آسکتا ہو تو یقیناً اس کا حصّہ پہلے ہی نکال لیا جاتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اسی موقع پر مذکور ہے کہ میں اس کو شکر گذار بندوں کے ثواب سے افضل ثواب عطا کروں گا۔

(۳) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَنَحْنُ فِی الصُّفَّةِ، فَقَالَ: اَیُّكُمْ یُحِبُّ اَنْ یَّغْدُوَ كُلَّ یَوْمٍ اِلٰی بُطْحَانَ اَوِ الْعَقِیْقِ، فَیَاْتِیَ

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے، ہم لوگ صفہ میں بیٹھے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کون شخص اس کو پسند کرتا ہے کہ علی الصّبح بازار

بِنَاقَتَيْنِ كَوْمَاوَيْنِ، فِيْ غَيْرِ اِثْمٍ وَلَا قَطِيْعَةِ رَحِمٍ؟ فَقُلْنَا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! كُلُّنَا نُحِبُّ ذٰلِكَ، قَالَ: اَفَلَا يَغْدُوْاَحَدُكُمْ اِلَى الْمَسْجِدِ، فَيُعَلِّمُ اَوْيَقْرَأُ اٰيَتَيْنِ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ نَّاقَتَيْنِ، وَثَلٰثٌ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ ثَلٰثٍ، وَاَرْبَعٌ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَرْبَعٍ وَمِنْ اَعْدَادِهِنَّ مِنَ الْاِبِلِ. (رواہ مسلم و أبو داؤد)

''بُطحان'' یا ''عَقیق'' میں جاوے اور دو اونٹنیاں عمدہ سے عمدہ بلا کسی قسم کے گناہ اور قطع رحمی کے پکڑ لائے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اس کو تو ہم میں سے ہر شخص پسند کرے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد میں جا کر دو آیتوں کا پڑھنا یا پڑھا دینا دو اونٹنیوں سے اور تین آیات کا تین اونٹنیوں سے، اسی طرح چار کا چار سے افضل ہے اور ان کے برابر اونٹوں سے افضل ہے۔

''صُفّہ'' مسجد نبوی میں ایک خاص مُعیَّن چبوترہ کا نام ہے جو فقراءِ مہاجرین کی نشست گاہ تھی، اصحابِ صفہ کی تعداد مختلف اوقات میں کم وبیش ہوتی رہتی تھی۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سو ایک نام گنوائے ہیں اور مستقل رسالہ ان کے اسماءِ گرامی میں تصنیف کیا ہے۔ بطحان اور عقیق مدینہ طیّبہ کے پاس دو جگہ ہیں جہاں اونٹوں کا بازار لگتا تھا۔ عرب کے نزدیک اونٹ نہایت پسندیدہ چیز تھی، بالخصوص وہ اونٹنی جس کا کوہان فربہ ہو۔ بغیر گناہ کا مطلب یہ ہے کہ بے محنت چیز اکثر یا چھین کر کسی سے لی جاتی ہے یا یہ کہ میراث وغیرہ میں کسی رشتہ دار کے مال پر قبضہ کر لے یا کسی کا مال چرا لے، اس لئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کی نفی فرما دی کہ بالکل بلا مشقت اور بدون کسی گناہ کے حاصل کر لینا جس قدر پسندیدہ ہے اس سے زیادہ بہتر وافضل ہے چند آیات کا حاصل کر لینا اور یہ یقینی امر ہے کہ ایک دو اونٹ درکنار ہفت اقلیم کی سلطنت بھی اگر کسی کو مل جاوے تو کیا، آج نہیں تو کل موت اس سے جبراً جدا کر دے گی، لیکن ایک آیت کا اجر ہمیشہ کے لئے ساتھ رہنے والی چیز ہے۔ دنیا ہی میں دیکھ لیجئے کہ آپ کسی شخص کو ایک روپیہ عطا فرما دیجئے، اس کی اس کو مسرت ہوگی بمقابلہ اس کے کہ ایک ہزار روپیہ اس کے حوالے کر دیں کہ اس کو اپنے پاس رکھ لے، میں ابھی واپس آ کر لے لوں گا کہ اس صورت میں بجز اس پر بارِ امانت کے اور کوئی فائدہ اس کو حاصل نہیں ہوگا۔

درحقیقت اس حدیث شریف میں فانی و باقی کے تقابل پر تنبیہ بھی مقصود ہے کہ آدمی اپنی حرکت وسکون پرغور کرے کہ کسی فانی چیز پراس کوضائع کررہاہوں یاباقی رہنے والی چیز پر، اور پھرحسرت ہےان اوقات پرجو باقی رہنے والاوبال کماتے ہوں۔

حدیث کااخیر جملہ ”اوران کے برابراونٹوں سے افضل ہے“۔تین مطالب کامحتمل ہے: اول یہ کہ چار کے عدد تک بالتفصیل ارشادفرمایااوراس کے مافوق (زیادہ) کواجمالاً فرمادیا کہ جس قدرآیات کوئی شخص حاصل کرے گااس کے بقدراونٹوں سے افضل ہے۔اس صورت میں اونٹوں سے جنس مراد ہے خواہ اونٹ ہوں یااونٹنیاں اور بیان ہے چار سے زیادہ کا،اس لئے کہ چارتک کاذکرخودتصریحاًمذکورہو چکا۔دوسرامطلب یہ ہے کہ انہیں اعدادکاذکر ہے جو پہلے مذکورہو چکے،اور مطلب یہ ہے کہ رغبات مختلف ہوا کرتی ہیں: کسی کواونٹنی پسند ہے تو کوئی اونٹ کا گرویدہ ہے،اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ سے یہ ارشادفرمایا کہ ہرآیت ایک اونٹنی سے بھی افضل ہے اوراگرکوئی شخص اونٹ سے محبّت رکھتا ہوتو ایک آیت ایک اونٹ سے بھی افضل ہے۔تیسرامطلب یہ ہے کہ یہ بیان انہی اعدادکا ہے جو پہلے ذکر کئے گئے،چار سے زائدکانہیں ہے،مگردوسرے مطلب میں جوتقریرگذری کہ ایک اونٹنی یاایک اونٹ سے افضل ہے، یہ نہیں بلکہ مجموعہ مراد ہے کہ ایک آیت ایک اونٹ اورایک اونٹنی دونوں کے مجموعہ سے افضل ہے۔اسی طرح ہرآیت اپنے موافق عددااونٹنی اوراونٹ دونوں کے مجموعے سے افضل ہےتو گویافی آیت کامقابلہ ایک جوڑاسے ہوا۔میرے والدصاحب نَوَّرَاللہُ مَرقَدَہٗ نے اسی مطلب کوپسندفرمایاہے کہ اس میں فضیلت کی زیادتی ہے،اگرچہ یہ مرادنہیں کہ ایک آیت کااجرایک اونٹ یادواونٹ کامقابلہ کرسکتاہے، یہ صرف تنبیہ اورتمثیل ہے، میں پہلے لکھ چکاہوں کہ ایک آیت جس کاثواب دائمی اور ہمیشہ رہنے والاہے، ہفت اقلیم کی بادشاہت سے جوفناہوجانے والی ہےافضل اوربہتر ہے۔

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھاہے کہ ایک بزرگ کے بعض تجارت پیشہ احباب نے ان سے درخواست کی کہ جہاز سے اترنے کے وقت حضرت جدہ تشریف فرماہوں تاکہ جناب کی برکت سے ہمارے مال میں نفع ہواورمقصودیہ تھاکہ تجارت کے منافع سے حضرت کے بعض خدام کوکچھ نفع حاصل ہو۔اوّل توحضرت نے عذرفرمایا،مگرجب انہوں نے اصرارکیا

تو حضرت نے دریافت فرمایا کہ تمہیں زائد سے زائد جو نفع مالِ تجارت میں ہوتا ہے وہ کیا مقدار ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ مختلف ہوتا ہے، زائد سے زائد ایک کے دو ہو جاتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ ''اس قلیل نفع کے لئے اس قدر مشقت اٹھاتے ہو؟ اتنی سی بات کے لئے ہم حرم محترم کی نماز کیسے چھوڑ دیں جہاں ایک کے لاکھ ملتے ہیں۔'' درحقیقت مسلمانوں کے غور کرنے کی جگہ ہے کہ وہ ذرا سی دنیوی متاع کی خاطر کس قدر دینی منافع کو قربان کر دیتے ہیں۔

(۴)عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَالَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَیَتَتَعْتَعُ فِیْهِ وَهُوَ عَلَیْهِ شَاقٌّ لَهٗ اَجْرَانِ. (رواه البخاری ومسلم و ابوداود والترمذی والنسائی و ابن ماجة)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ قرآن کا ماہر اُن ملائکہ کے ساتھ ہے جو میر منشی ہیں اور نیک کار ہیں اور جو شخص قرآن شریف کو اٹکتا ہوا پڑھتا ہے اور اس میں دِقت اٹھاتا ہے اس کو دوہرا اجر ہے۔

قرآن شریف کا ماہر وہ کہلاتا ہے جس کو یاد بھی خوب ہو اور پڑھتا بھی خوب ہو اور اگر معانی و مراد پر بھی قادر ہو تو پھر کیا کہنا۔ ملائکہ کے ساتھ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی قرآن شریف کے لوحِ محفوظ سے نقل کرنے والے ہیں اور یہ بھی اس کا نقل کرنے والا اور پہنچانے والا ہے تو گویا دونوں ایک ہی مَسلک پر ہیں یا یہ کہ حشر میں ان کے ساتھ اجتماع ہو گا۔ اٹکنے والے کو دوہرا اجر، ایک اس کی قراءت کا، دوسرا اس کی اس مشقت کا جو اس بار بار کے اٹکنے کی وجہ سے برداشت کرتا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ اس ماہر سے بڑھ جاوے، ماہر کے لئے جو فضیلت ارشاد فرمائی گئی ہے وہ اس سے بہت بڑھ کر ہے کہ مخصوص ملائکہ کے ساتھ اس کا اجتماع فرمایا ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس کے اٹکنے کی وجہ سے اس مشقت کا اجر مستقل ملے گا، لہٰذا اس عذر کی وجہ سے کسی کو چھوڑنا نہیں چاہئے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''طبرانی'' اور ''بیہقی'' کی روایت سے نقل کیا ہے کہ جو شخص قرآن شریف پڑھتا ہے اور وہ یاد نہیں ہوتا تو اس کے لئے دوہرا اجر ہے اور جو اس کو یاد

کرنے کی تمنّا کرتا رہے لیکن یاد کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، مگر وہ پڑھنا بھی نہیں چھوڑتا تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کا حفاظ ہی کے ساتھ حشر فرمائیں گے۔

(۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَا حَسَدَ اِلَّا عَلٰی اثْنَیْنِ: رَجُلٌ اٰتَاہُ اللّٰہُ الْقُرْآنَ فَھُوَ یَقُوْمُ بِہٖ اٰنَآءَ اللَّیْلِ وَ اٰنَآءَ النَّھَارِ، وَرَجُلٌ اٰتَاہُ اللّٰہُ مَالًا فَھُوَ یُنْفِقُ مِنْہُ اٰنَآءَ اللَّیْلِ وَاٰنَآءَ النَّھَارِ. (رواہ البخاری والترمذی والنسائی)

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ حسد دو شخصوں کے سوا کسی پر جائز نہیں، ایک وہ جس کو حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن شریف کی تلاوت عطا فرمائی اور وہ دن رات اس میں مشغول رہتا ہے، دوسرے وہ جس کو حق سبحانہٗ نے مال کی کثرت عطا فرمائی اور وہ دن رات اس کو خرچ کرتا ہے۔

قرآن شریف کی آیات اور احادیث کثیرہ کے عموم سے حسد کی برائی اور ناجائز ہونا مطلقاً معلوم ہوتا ہے، اس حدیث شریف سے دو آدمیوں کے بارے میں جواز معلوم ہوتا ہے، چونکہ وہ روایات زیادہ مشہور و کثیر ہیں اس لئے علماء نے اس حدیث کے دو مطلب ارشاد فرمائے ہیں: اول یہ کہ حسد اس حدیث شریف میں رشک کے معنی میں ہے جس کو عربی میں غِبْطَہ کہتے ہیں۔ حسد اور غبطہ میں یہ فرق ہے کہ حسد میں کسی کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر یہ آرزو ہوتی ہے کہ اس کے پاس یہ نعمت نہ رہے، خواہ اپنے پاس حاصل ہو یا نہ ہو اور رشک میں اپنے پاس اس کے حصول کی تمنّا و آرزو ہوتی ہے، عام ہے کہ دوسرے سے زائل ہو یا نہ ہو۔ چونکہ حسد بِالْاِجماع حرام ہے اس لئے علماء نے اس لفظِ حسد کو مجازاً غِبْطَہ کے معنی میں ارشاد فرمایا ہے جو دنیوی امور میں مباح ہے اور دینی امور میں مستحب۔ دوسرا مطلب یہ بھی ممکن ہے کہ بسا اوقات کلام علیٰ سَبِیْلِ الْفَرْضِ وَالتَّقْدِیْر مستعمل ہوتا ہے یعنی اگر حسد جائز ہوتا تو یہ دو چیزیں ایسی تھیں کہ ان میں جائز ہوتا۔

(۶) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِیْ

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے جو مؤمن قرآن شریف

يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ الْاُتْرُجَّةِ ،رِيْحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا طَيِّبٌ، وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِىْ لَا يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ التَّمْرَةِ لَا رِيْحَ لَهَا وَطَعْمُهَا حُلْوٌ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِىْ لَايَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ ،لَيْسَ لَهَا رِيْحٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِىْ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ الرَّيْحَانَةِ، رِيْحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ .(رواه البخارى و مسلم والنسائى و ابن ماجة)

پڑھتا ہے اس کی مثال تُرنج کی سی ہے اس کی خوشبو بھی عمدہ ہوتی ہے اور مزہ بھی لذیذ، اور جو مؤمن قرآن شریف نہ پڑھے اس کی مثال کھجور کی سی ہے کہ خوشبو کچھ نہیں مگر مزہ شیریں ہوتا ہے، اور جو منافق قرآن شریف نہیں پڑھتا، اس کی مثال حَنْظَل کے پھل کی سی ہے کہ مزہ کڑوا اور خوشبو کچھ نہیں، اور جو منافق قرآن شریف پڑھتا ہے اس کی مثال خوشبودار پھول کی سی ہے کہ خوشبو عمدہ اور مزہ کڑوا۔

مقصود اس حدیث سے غیر محسوس شے کو محسوس کے ساتھ تشبیہ دینا ہے تا کہ ذہن میں فرق کلامِ پاک کے پڑھنے اور نہ پڑھنے میں سہولت سے آجاوے، ورنہ ظاہر ہے کہ کلامِ پاک کی حلاوت ومہک سے کیا نسبت ترنج و کھجور کو، اگر چہ ان اشیاء کے ساتھ تشبیہ میں خاص نکات بھی ہیں جو علومِ نبویہ سے تعلّق رکھتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کی وسعت کی طرف مشیر ہیں، مثلاً ترنج[1] ہی کو لے لیجئے، منہ میں خوشبو پیدا کرتا ہے، معدہ کو صاف کرتا ہے، ہضم میں قوت دیتا ہے وغیر وغیرہ؛ یہ منافع ایسے ہیں کہ قراءتِ قرآن شریف کے ساتھ خاص مناسبت رکھتے ہیں مثلاً منہ کا خوشبو دار ہونا، باطن کا صاف کرنا، روحانیت میں قوت پیدا کرنا؛ یہ منافع تلاوت میں ہیں جو پہلے منافع کے ساتھ بہت ہی مشابہت رکھتے ہیں۔ ایک خاص اثر تُرنج میں یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ جس گھر میں تُرنج ہو وہاں جن نہیں رہ سکتا، اگر یہ صحیح ہے تو پھر کلامِ پاک کے ساتھ خاص مشابہت ہے، بعض اطبّا سے میں نے سنا ہے کہ تُرنج سے حافظہ بھی قوی ہوتا ہے اور حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ سے احیاء میں نقل کیا ہے کہ تین چیزیں حافظہ کو بڑھاتی ہیں:۔

(۱) مسواک (۲) روزہ (۳) تلاوتِ کلام اللہ شریف

[1] تُرنج:- چکوترا

ابوداؤد کی روایت میں اس حدیث کے ختم پر ایک مضمون نہایت ہی مفید ہے کہ بہتر ہم نشیں کی مثال مشک والے آدمی کی سی ہے، اگر تجھے مشک نہ مل سکا تو اس کی خوشبو تو کہیں گئی نہیں، اور بدتر ہم نشیں کی مثال آگ کی بھٹی والے کی طرح سے ہے کہ اگر سیاہی نہ پہنچے تب بھی دھواں تو کہیں گیا ہی نہیں، نہایت ہی اہم بات ہے۔ آدمی کو اپنے ہم نشینوں پر بھی نظر کرنا چاہئے کہ کس قسم کے لوگوں میں ہر وقت نشست وبرخاست ہے۔

(۷) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّاب رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَیَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیْنَ. (رواہ مسلم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس کتاب یعنی قرآنِ پاک کی وجہ سے کتنے ہی لوگوں کو بلند مرتبہ کرتا ہے اور کتنے ہی لوگوں کو پست وذلیل کرتا ہے۔

یعنی جو لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں، عمل کرتے ہیں، حق تعالیٰ شانہٗ ان کو دنیا وآخرت میں رفعت وعزت عطا فرماتے ہیں اور جو لوگ اس پر عمل نہیں کرتے حق سبحانہٗ وتقدس ان کو ذلیل کرتے ہیں، کلامُ اللہ شریف کی آیات سے بھی یہ مضمون ثابت ہوتا ہے، ایک جگہ ارشاد ہے: "یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا" (البقرۃ: ۲۶) حق تعالیٰ شانہٗ اس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ہدایت فرماتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو گمراہ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: "وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا ھُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَ لَایَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا" ○ (بنی اسرائیل: ۸۲) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ اس امت کے بہت سے منافق قاری ہوں گے۔ بعض مشائخ سے احیاء میں نقل کیا ہے کہ بندہ ایک سورت کلامِ پاک کی شروع کرتا ہے تو ملائکہ اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ فارغ ہو، اور دوسرا شخص ایک سورت شروع کرتا ہے تو ملائکہ اس کے ختم تک اس پر لعنت کرتے ہیں۔ بعض علماء سے منقول ہے کہ آدمی تلاوت کرتا ہے اور خود اپنے اوپر لعنت کرتا ہے اور اس کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ قرآن شریف میں پڑھتا ہے "اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ" (ہود: ۱۸) اور خود ظالم ہونے کی وجہ سے اس وعید میں داخل ہوتا ہے۔ اسی طرح

پڑھتا ہے "لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ" (آلِ عمران:۶۱) اور خود جھوٹا ہونے کی وجہ سے اس کا مستحق ہوتا ہے۔

عامر بن واثِلہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نافع بن عبدالحارث رضی اللہ عنہ کو مکّہ مکرمہ کا حاکم بنا رکھا تھا۔ ان سے ایک دفعہ دریافت فرمایا کہ جنگلات کا ناظم کس کو مقرر کر رکھا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ابنِ اَبزیٰ کو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ ابنِ ابزیٰ کون شخص ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہمارا ایک غلام ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعتراضاً فرمایا کہ غلام کو امیر کیوں بنا دیا؟ انہوں نے کہا کہ کتاب اللہ کا پڑھنے والا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اس کلام کی بدولت بہت سے لوگوں کے رفع درجات فرماتے ہیں اور بہت سوں کو پست کرتے ہیں۔

(۸) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: ثَلٰثٌ تَحْتَ الْعَرْشِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: اَلْقُرْاٰنُ يُحَاجُّ الْعِبَادَ، لَهٗ ظَهْرٌ وَّ بَطْنٌ، وَّ الْاَمَانَةُ، وَالرَّحِمُ تُنَادِيْ: اَلَا مَنْ وَّصَلَنِيْ وَصَلَهُ اللّٰهُ، وَمَنْ قَطَعَنِيْ قَطَعَهُ اللّٰهُ (رواہ فی شرح السنة)

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ تین چیزیں قیامت کے دن عرش کے نیچے ہوں گی، ایک کلامِ پاک کہ جھگڑے گا بندوں سے، قرآنِ پاک کے لئے ظاہر ہے اور باطن، دوسری چیز امانت ہے اور تیسری رشتہ داری جو پکارے گی کہ جس شخص نے مجھ کو جوڑا اللہ اس کو اپنی رحمت سے ملاوے اور جس نے مجھ کو توڑا، اللہ اپنی رحمت سے اس کو جدا کرے۔

ان چیزوں کے عرش کے نیچے ہونے سے مقصود ان کا کمالِ قرب ہے، یعنی حق سبحانہٗ وتقدس کے عالی دربار میں بہت ہی قریب ہوں گی۔ کلام اللہ شریف کے جھگڑنے کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس کی رعایت کی، اس کا حق ادا کیا، اس پر عمل کیا، ان کی طرف سے دربارِ حق سبحانہٗ میں جھگڑے گا اور شفاعت کرے گا، ان کے درجے بلند کرائے گا۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ترمذی نقل کیا ہے کہ قرآنِ شریف بارگاہِ الٰہی میں عرض

کرے گا کہ اس کو جوڑا مرحمت فرمائیں تو حق تعالیٰ شانہٗ کرامت کا تاج مرحمت فرماویں گے۔ پھر وہ زیادتی کی درخواست کرے گا تو حق تعالیٰ شانہٗ اکرام کا پورا جوڑا مرحمت فرماویں گے، پھر وہ درخواست کرے گا کہ یا اللہ آپ اس شخص سے راضی ہو جائیں، تو حق سبحانہٗ وتقدس اس سے رضا کا اظہار فرماویں گے اور جب کہ دنیا میں محبوب کی رضا سے بڑھ کر کوئی بھی بڑی سے بڑی نعمت نہیں ہوتی تو آخرت میں محبوب کی رضا کا مقابلہ کون سی نعمت کر سکتی ہے اور جن لوگوں نے اس کی حق تلفی کی ہے ان سے اس بارے میں مطالبہ کرے گا کہ میری کیا رعایت کی، میرا کیا حق ادا کیا۔

شرحِ اِحیاء میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ سال میں دو مرتبہ ختم کرنا قرآن شریف کا حق ہے۔ اب وہ حضرات جو کبھی بھول کر بھی تلاوت نہیں کرتے ذرا غور فرمالیں کہ اس قوی مقابل کے سامنے کیا جواب دہی کریں گے؟ موت بہر حال آنے والی چیز ہے، اس سے کسی طرح مَفَر نہیں۔ قرآن شریف کے ظاہر اور باطن ہونے کا مطلب ظاہر یہ ہے کہ ایک ظاہری معنی ہیں جن کو ہر شخص سمجھتا ہے اور ایک باطنی معنی ہیں جن کو ہر شخص نہیں سمجھتا جس کی طرف حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد نے اشارہ کیا ہے کہ جو شخص قرآنِ پاک میں اپنی رائے سے کچھ کہے اگر وہ صحیح بھی ہو تب بھی اس شخص نے خطا کی۔ بعض مشائخ نے ظاہر سے مراد اس کے الفاظ فرمائے ہیں کہ جن کی تلاوت میں ہر شخص برابر ہے اور باطن سے مراد اس کے معنی اور مطالب ہیں جو حسبِ استعداد مختلف ہوتے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر علم چاہتے ہو تو قرآنِ پاک کے معانی میں غور و فکر کرو کہ اس میں اولین و آخرین کا علم ہے، مگر کلامِ پاک کے معنی کے لئے جو شرائط و آداب ہیں ان کی رعایت ضروری ہے۔ یہ نہیں کہ ہمارے زمانے کی طرح سے جو شخص عربی کے چند الفاظ کے معنی جان لے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بغیر کسی لفظ کے معنی جانے اردو ترجمے دیکھ کر اپنی رائے کو اس میں داخل کر دے۔ اہلِ فن نے تفسیر کے لئے پندرہ علوم پر مہارت ضروری بتلائی ہے، وقتی ضرورت کی وجہ سے مختصراً عرض کرتا ہوں جس سے معلوم ہو جاوے گا کہ بطنِ کلامِ پاک تک رسائی ہر شخص کو نہیں ہو سکتی۔

اوّل: لغت جس سے کلامِ پاک کے مفرد الفاظ کے معنی معلوم ہو جاویں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو جائز نہیں کہ بدونِ معرفت لغاتِ عرب کے کلامِ پاک میں کچھ لب کشائی کرے اور چند لغات کا معلوم ہو جانا کافی نہیں، اس لئے کہ بسا اوقات لفظ چند معانی میں مشترک ہوتا ہے اور وہ ان میں سے ایک دو معنی جانتا ہے اور فی الواقع اس جگہ کوئی اور معنی مراد ہوتے ہیں۔

دوسرے: نَحو کا جاننا ضروری ہے اس لئے کہ اِعراب کے تغیّر و تبدُّل سے معنی بالکل بدل جاتے ہیں اور اعراب کی معرفت نحو پر موقوف ہے۔

تیسرے: صَرف کا جاننا ضروری ہے اس لئے کہ بِنا اور صیغوں کے اختلاف سے معانی بالکل مختلف ہو جاتے ہیں۔ ابنِ فارس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس شخص سے علمِ صرف فوت ہو گیا اس سے بہت کچھ فوت ہو گیا۔ علامہ زَمَخشَری رحمۃ اللہ علیہ اُعجوباتِ تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کلامِ پاک کی آیت "یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ" (بنی اسرائیل:۷۱) ترجمہ (جس دن کہ پکاریں گے ہم ہر شخص کو اس کے مقتدا اور پیش رو کے ساتھ) اس کی تفسیر "صَرف" کی ناواقفیت کی وجہ سے یہ کی کہ جس دن پکاریں گے ہر شخص کو ان کی ماؤں کے ساتھ، امام کا لفظ جو مفرد تھا اس کو اُمّ کی جمع سمجھ گیا۔ اگر وہ "صَرف" سے واقف ہوتا تو معلوم ہو جاتا کہ اُمّ کی جمع اِمَام نہیں ہوتی۔

چوتھے: اشتقاق کا جاننا ضروری ہے اس لئے کہ لفظ جب کہ دو مادوں سے مشتق ہو تو اس کی معنی مختلف ہوں گے جیسا کہ مسیح کا لفظ ہے کہ اس کا اشتقاق مسح سے بھی ہے جس کے معنی چھونے اور تر ہاتھ کسی چیز پر پھیرنے کے ہیں اور مساحت سے بھی ہیں جس کے معنی پیمائش کے ہیں۔

پانچویں: علمِ معانی کا جاننا ضروری ہے جس سے کلام کی ترکیبیں معنی کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہیں۔

چھٹے: علمِ بیان کا جاننا ضروری ہے جس سے کلام کا ظہور و خِفا، تشبیہ و کنایہ معلوم ہوتا ہے۔

ساتویں: علمِ بدیع جس سے کلام کی خوبیاں تعبیر کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہیں۔ یہ تینوں[1] فن علمِ بلاغت کہلاتے ہیں۔ مفسّر کے اہم علوم میں سے ہیں، اس لئے کہ کلامِ پاک جو سراسر اِعجاز

[1] معانی، بیان، بدیع

ہے اس سے اس کا اعجاز معلوم ہوتا ہے۔

آٹھویں: علمِ قراءت کا جاننا بھی ضروری ہے اس لئے کہ مختلف قراءتوں کی وجہ سے مختلف معنی معلوم ہوتے ہیں اور بعض معنی کی دوسرے معنی پر ترجیح معلوم ہوجاتی ہے۔

نویں: علمِ عقائد کا جاننا بھی ضروری ہے، اس لئے کہ کلامِ پاک میں بعض آیات ایسی بھی ہیں جن کے ظاہری معنی کا اطلاق حق سبحانہٗ وتقدس پر صحیح نہیں، اس لئے ان میں کسی تاویل کی ضرورت پڑے گی جیسے کہ "یَدُاللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ" (الفتح:۱۰)۔

دسویں: اصولِ فقہ کا معلوم ہونا ضروری ہے کہ جس سے وجوہِ استدلال واستنباط معلوم ہوسکیں۔

گیارھویں: اسبابِ نزول کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ شانِ نزول سے آیت کے معنی زیادہ واضح ہوں گے اور بسا اوقات اصل معنی کا معلوم ہونا بھی شانِ نزول پر موقوف ہوتا ہے۔

بارھویں: ناسخ ومنسوخ کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے تاکہ منسوخ شدہ احکام "مَعْمُول بِہا" سے ممتاز ہوسکیں۔

تیرھویں: علمِ فقہ کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ جزئیات کے احاطہ سے کلیات پہچانے جاتے ہیں۔

چودھویں: ان احادیث کا جاننا ضروری ہے جو قرآنِ پاک کی مجمل آیات کی تفسیر واقع ہوئی ہیں۔

ان سب کے بعد پندرھواں: وہ علمِ وہبی ہے جو حق سبحانہٗ وتقدس کا عطیۂ خاص ہے، اپنے مخصوص بندوں کو عطا فرماتے ہیں جس کی طرف اس حدیث شریف میں اشارہ ہے: مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَہُ اللّٰہُ عِلْمَ مَالَمْ یَعْلَمْ۔ (جب کہ بندہ اس چیز پر عمل کرتا ہے جس کو جانتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ ایسی چیزوں کا علم عطا فرماتے ہیں جن کو وہ نہیں جانتا)۔

اسی کی طرف حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ نے اشارہ فرمایا جب کہ ان سے لوگوں نے پوچھا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کچھ خاص علوم عطا فرمائے ہیں یا خاص وصایا جو عام لوگوں کے علاوہ آپ کے ساتھ مخصوص ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے جنّت بنائی اور جان پیدا کی، اس فہم کے علاوہ کچھ نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنے کلامِ پاک کے سمجھنے کے لئے کسی کو عطا فرمادیں۔ ابنِ ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے کہ

علومِ قرآن اور جو اس سے حاصل ہو وہ ایسا سمندر ہے کہ جس کا کنارہ نہیں۔ یہ علوم جو بیان کئے گئے مفسّر کے لئے بطور آلہ کے ہیں، اگر کوئی شخص ان علوم کی واقفیت کے بغیر تفسیر کرے تو وہ تفسیر بالرائے میں داخل ہے جس کی ممانعت آئی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے علومِ عربیہ طبعًا حاصل تھے اور بقیہ علوم مشکوٰۃِ نبوت سے مُستفاد تھے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ شاید تجھے یہ خیال ہو کہ علمِ وہبی کا حاصل کرنا بندہ کی قدرت سے باہر ہے لیکن حقیقت ایسی نہیں بلکہ اس کے حاصل کرنے کا طریقہ ان اسباب کا حاصل کرنا ہے جس پر حق تعالیٰ شانہٗ اس کو مرتّب فرماتے ہیں، مثلاً علم پر عمل اور دنیا سے بے رغبتی وغیرہ وغیرہ۔

کیمیائے سعادت میں لکھا ہے کہ قرآن شریف کی تفسیر تین شخصوں پر ظاہر نہیں ہوتی: اوّل: وہ جو علومِ عربیہ سے واقف نہ ہو۔ دوسرے: وہ شخص جو کسی کبیرہ پر مُصر ہو یا بدعتی ہو کہ اس گناہ اور بدعت کی وجہ سے اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے معرفتِ قرآن سے قاصر رہتا ہے۔ تیسرے: وہ شخص کہ کسی اعتقادی مسئلہ میں ظاہر کا قائل ہو اور کلامُ اللہ کی جو عبارت اس کے خلاف ہو اس سے طبیعت اچٹتی ہو، اس شخص کو بھی فہمِ قرآن سے حصّہ نہیں ملتا۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْھُمْ۔

(۹) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْاٰنِ: اِقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا، فَاِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ اٰخِرِ اٰيَةٍ تَقْرَأُهَا (رواه أحمد و الترمذی وابوداود و النسائی و ابن ماجة ، وابن حبان فی صحیحه)

عبداللہ بن عَمرو رضی اللہ عنہما نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے (کہ قیامت کے دن) صاحبِ قرآن سے کہا جاوے گا کہ قرآن شریف پڑھتا جا اور بہشت کے درجوں پر چڑھتا جا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتا تھا، بس تیرا مرتبہ وہی ہے جہاں آخری آیت پر پہنچے۔

صاحبُ القرآن سے بظاہر حافظ مراد ہے اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی تفصیل سے اس کو واضح کیا ہے کہ یہ فضیلت حافظ ہی کے لئے ہے، ناظرہ خواں اس میں داخل نہیں۔

اوّل اس وجہ سے کہ صاحبِ قرآن کا لفظ بھی اسی طرف مُشیر ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ مُسندِ احمد کی روایت میں ہے "حَتّٰی یَقْرَأَ شَیْئًا مَّعَهٗ" (یہاں تک کہ پڑھے جو کچھ قرآن شریف اس کے ساتھ ہے) یہ لفظ اس امر میں زیادہ ظاہر ہے کہ اس سے حافظ مراد ہے، اگرچہ محتمل وہ ناظرہ خواں بھی ہے جو کہ قرآن شریف بہت کثرت کے ساتھ پڑھتا ہو۔ مرقاۃ میں لکھا ہے: وہ پڑھنے والا مراد نہیں جس کو قرآن لعنت کرتا ہو۔ یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ وہ قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن ان کو لعنت کرتا ہے، اس لئے اگر کسی شخص کے عقائد وغیرہ درست نہ ہوں تو قرآن شریف کے پڑھنے سے اس کی مقبولیت پر استدلال نہیں ہوسکتا، خوارج کے بارے میں بکثرت اس قسم کی احادیث وارد ہوئی ہیں۔

تَرتیل کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحب نَوَّرَ اللّٰہُ مَرقَدَہٗ نے اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ ترتیل لغت میں صاف اور واضح طور سے پڑھنے کو کہتے ہیں اور شرعِ شریف میں کئی چیزوں کی رعایت کے ساتھ تلاوت کرنے کو کہتے ہیں۔ اوّل حرفوں کو صحیح نکالنا یعنی اپنے مَخرج سے پڑھنا تاکہ "طا" کی جگہ "تا" اور "ضاد" کی جگہ "ظا" نہ نکلے۔ دوسرے وقوف کی جگہ پر اچھی طرح سے ٹھہرنا تاکہ وصل اور قطع کلام کا بے محل نہ ہو جاوے۔ تیسرے حرکتوں میں اِشباع کرنا یعنی زیر، زبر و پیش کو اچھی طرح سے ظاہر کرنا۔ چوتھے آواز کو تھوڑا سا بلند کرنا تاکہ کلامِ پاک کے الفاظ زبان سے نکل کر کانوں تک پہنچیں اور وہاں سے دل پر اثر کریں۔ پانچویں آواز کو ایسی طرح سے درست کرنا کہ اس میں درد پیدا ہو جاوے اور دل پر جلدی اثر کرے کہ درد والی آواز دل پر جلدی اثر کرتی ہے اور اس سے روح کو قوت اور تاثُّر زیادہ ہوتا ہے، اسی وجہ سے اَطِبّاء نے کہا ہے کہ جس دوا کا اثر دل پر پہنچانا ہو اس کو خوشبو میں ملا کر دیا جائے کہ دل اس کو جلدی کھینچتا ہے اور جس دوا کا اثر جگر میں پہنچانا ہو اس کو شیرینی میں ملایا جائے کہ جگر مٹھائی کا جاذب ہے، اسی وجہ سے بندہ کے نزدیک اگر تلاوت کے وقت خوشبو کا خاص استعمال کیا جاوے تو دل پر تاثیر میں زیادہ تقویت ہوگی۔ چھٹے تشدید اور مد کو اچھی طرح ظاہر کیا جاوے کہ اس کے اظہار سے کلامِ پاک میں عظمت ظاہر ہوتی ہے

اور تاثیر میں اعانت ہوتی ہے۔ ساتویں آیاتِ رحمت وعذاب کا حق ادا کرے جیسا کہ تمہید میں گذر چکا۔ یہ سات چیزیں ہیں کہ جن کی رعایت ترتیل کہلاتی ہے اور مقصود ان سب سے صرف ایک ہی ہے یعنی کلامِ پاک کا فہم وتدبُّر۔ حضرت اُمّ المؤمنین اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کلامُ اللہ شریف کس طرح پڑھتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ سب حرکتوں کو بڑھاتے تھے یعنی زیر، زبر، وغیرہ کو پورا نکالتے تھے اور ایک ایک حرف الگ الگ ظاہر ہوتا تھا، ترتیل سے تلاوت مستحب ہے اگرچہ معنی نہ سمجھتا ہو۔

اِبنِ عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں ترتیل سے اَلقَارِعَۃُ اور اِذَا زُلْزِلَتْ پڑھوں یہ بہتر ہے اس سے کہ بلا ترتیل سورۂ بقرہ اور آلِ عمران پڑھوں۔

شُرّاح اور مشائخ کے نزدیک حدیثِ بالا کا مطلب یہ ہے کہ قرآنِ پاک کی ایک ایک آیت پڑھتا جا اور ایک ایک درجہ اوپر چڑھتا جا، اس لئے کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنّت کے درجات کلام اللہ شریف کی آیات کے برابر ہیں، لہٰذا جو شخص جتنی آیات کا ماہر ہوگا اتنے ہی درجے اوپر اس کا ٹھکانہ ہوگا اور جو شخص تمام کلامِ پاک کا ماہر ہوگا وہ سب سے اوپر کے درجے میں ہوگا۔

مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے حدیث میں وارد ہے کہ قرآن پڑھنے والے سے اوپر کوئی درجہ نہیں، پس قُرّاء آیات کی بقدر ترقی کریں گے اور علامہ دانی رحمۃ اللہ علیہ سے اہلِ فن کا اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ قرآن شریف کی آیات چھ ہزار (۶۰۰۰) ہیں، لیکن اس کے بعد کی مقدار میں (یعنی تعداد میں) اختلاف ہے اور اتنے اقوال نقل کئے ہیں: ۲۰۴۔ ۱۴۔۱۹۔۲۵۔۳۶۔

شرحِ احیاء میں لکھا ہے کہ ہر آیت ایک درجہ ہے جنّت میں، پس قاری سے کہا جاوے گا کہ جنّت کے درجات پر اپنی تلاوت کے بقدر چڑھتے جاؤ۔ جو شخص قرآنِ پاک تمام پورا کرلے گا وہ جنّت کے اعلیٰ درجے پر پہنچے گا اور جو شخص کچھ حصّہ پڑھا ہوا ہوگا وہ اس کی بقدر درجات پر پہنچے گا۔ بالجملہ منتہائے ترقی منتہائے قراءت ہوگی۔ بندہ کے نزدیک حدیثِ بالا کا مطلب کچھ اور معلوم ہوتا ہے، فَاِنْ کَانَ صَوَابًا فَمِنَ اللّٰہِ وَاِنْ کَانَ خَطَأً

فَمِنِّیْ وَمِنَ الشَّیْطَانِ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مِنْہُ بَرِیْئَانِ ۔اگر درست ہو تو حق تعالیٰ شانہٗ کی اعانت سے ہے اور گر غلط ہو تو میری اپنی تقصیر سے ہے، اللہ اور اسکے رسول اس سے بَری ہیں۔

حاصل اس مطلب کا یہ ہے کہ حدیثِ بالا سے درجات کی وہ ترقی مراد نہیں جو آیات کے لحاظ سے فی آیت ایک درجہ ہے اس لئے کہ اس ترقی میں ترتیل سے پڑھنے نہ پڑھنے کو بظاہر کوئی تعلّق نہیں معلوم ہوتا، جب ایک آیت پڑھی جائے ایک درجہ کی ترقی ہوگی، عام ہے کہ ترتیل سے ہو یا بلا ترتیل، بلکہ اس حدیث میں بظاہر دوسری ترقی باعتبار کیفیت مراد ہے جس میں ترتیل سے پڑھنے نہ پڑھنے کو دخل ہے، لہٰذا جس ترتیل سے دنیا میں پڑھتا تھا اسی ترتیل سے آخرت میں پڑھ سکے گا، اور اس کے موافق درجات میں ترقی ہوتی رہے گی۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث سے نقل کیا ہے کہ اگر دنیا میں بکثرت تلاوت کرتا رہا تب تو اس وقت بھی یاد ہوگا، ورنہ بھول جائے گا۔ اللہ جَلَّ شَانُہٗ اپنا فضل فرماویں کہ ہم میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو والدین نے دینی شوق میں یاد کرا دیا تھا، مگر وہ اپنی لاپرواہی اور بے توجہی سے دنیا ہی میں ضائع کر دیتے ہیں اور اسکے بالمقابل بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص قرآنِ پاک یاد کرتا ہوا اور اس میں محنت و مشقت برداشت کرتا ہوا مر جائے وہ حفاظ کی جماعت میں شمار ہوگا، حق تعالیٰ کے یہاں عطا میں کوئی کمی نہیں، کوئی لینے والا ہو۔

اس کے اَلطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضِد تھی اگر تُو کسی قابل ہوتا

(۱۰) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِّنْ کِتَابِ اللّٰہِ فَلَہٗ بِہٖ حَسَنَۃٌ، وَالْحَسَنَۃُ بِعَشْرِ اَمْثَالِھَا، لَآ اَقُوْلُ: الٓمٓ حَرْفٌ، وَّلٰکِنْ اَلِفٌ حَرْفٌ، وَلَامٌ حَرْفٌ، وَمِیْمٌ حَرْفٌ. (رواہ الترمذی وقال: ھذا حدیث

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص ایک حرف کتاب اللہ کا پڑھے اس کے لئے اس حرف کے عوض ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا اجر دس نیکی کے برابر ملتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سارا الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک

حسن صحیح غریب اسناداً و الدارمی)

حرف، لام ایک حرف، میم ایک حرف۔

مقصود یہ ہے کہ جیسے اور جملہ اعمال میں پورا عمل ایک شمار کیا جاتا ہے، کلامِ پاک میں ایسے نہیں بلکہ اجزاءِ عمل بھی پورے عمل شمار کیے جاتے ہیں اور اس لئے تلاوتِ کلامِ پاک میں ہر ہر حرف ایک ایک نیکی شمار کی جاتی ہے اور ہر نیکی پر حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے "مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا" (الانعام:۱۶۰) (جو شخص ایک نیکی لاوے اس کو دس نیکی کے بقدر اجر ملتا ہے) دس حصہ اجر کا وعدہ ہے اور یہ اقل درجہ ہے۔ "وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ" (البقرہ:۲۶۱) (حق تعالیٰ شانہٗ جس کے لئے چاہتے ہیں اجر زیادہ فرما دیتے ہیں) ہر حرف کو مستقل نیکی شمار کرنے کی مثال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرما دی کہ الٓمٓ پورا ایک حرف شمار نہیں ہوگا بلکہ الف، لام، میم علیحدہ علیحدہ حرف شمار کئے جائیں گے اور اس طرح پر الٓمٓ کے مجموعہ پر تیس نیکیاں ہوگئیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ الٓمٓ سے سورۂ بقرہ کا شروع مراد ہے یا "اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ" (الفیل:۱) مراد ہے۔ اگر سورۂ بقرہ کا شروع مراد ہے تو بظاہر مطلب یہ ہے کہ لکھے ہوئے حروف کا اعتبار ہے اور لکھنے میں چونکہ وہ بھی تین ہی حروف لکھے جاتے ہیں اس لئے تیس نیکیاں ہوئیں اور اگر اس سے سورۂ فیل کا شروع مراد ہے تو پھر سورۂ بقرہ کے شروع میں جو الٓمٓ ہے وہ نو حروف ہیں، اس لئے اس کا اجر نوّے ۹۰ نیکیاں ہوگئیں۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ بسم اللہ ایک حرف ہے بلکہ ب، س، م، یعنی علیحدہ علیحدہ حروف مراد ہیں۔

(۱۱) عَنْ مُعَاذِنِ الْجُهَنِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيْهِ اُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ضَوْءُهٗ اَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِيْ بُيُوْتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيْكُمْ، فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِيْ عَمِلَ بِهٰذَا.

(رواہ أحمد و ابو داود وصححه الحاکم)

معاذِ جُہنی رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے اس کے والدین کو قیامت کے دن ایک تاج پہنایا جاوے گا جس کی روشنی آفتاب کی روشنی سے بھی زیادہ ہوگی اگر وہ آفتاب تمہارے گھروں میں ہو۔ پس کیا گمان ہے تمہارا اس شخص

کے متعلق جو خود عامل ہے۔

یعنی قرآنِ پاک کے پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی برکت یہ ہے کہ اس پڑھنے والے کے والدین کو ایسا تاج پہنایا جاوے گا جس کی روشنی آفتاب کی روشنی سے بہت زیادہ ہو، اگر وہ آفتاب تمہارے گھروں میں ہو، یعنی آفتاب اتنی دور سے اس قدر روشنی پھیلاتا ہے، اگر وہ گھر کے اندر آجائے تو یقیناً بہت زیادہ روشنی اور چمک کا سبب ہوگا تو پڑھنے والے کے والدین کو جو تاج پہنایا جاوے گا، اس کی روشنی اس روشنی سے زیادہ ہوگی جس کو گھر میں طلوع ہونے والا آفتاب پھیلا رہا ہے اور جب کہ والدین کے لئے یہ ذخیرہ ہے تو خود پڑھنے والے کے اجر کا خود اندازہ کر لیا جاوے کہ کس قدر ہوگا کہ جب اس کے طفیلیوں کا یہ حال ہے تو خود اصل کا حال بدرجہا زیادہ ہوگا کہ والدین کو یہ اجر صرف اس وجہ سے ہوا ہے کہ وہ اس کے وجود یا تعلیم کا سبب ہوئے ہیں۔ آفتاب کے گھر میں ہونے سے جو تشبیہ دی گئی ہے اس میں، علاوہ ازیں کہ قرب میں روشنی زیادہ محسوس ہوتی ہے، ایک اور لطیف امر کی طرف بھی اشارہ ہے، وہ یہ کہ جو چیز ہر وقت پاس رہتی ہے اُس سے اُنس و اُلفت زیادہ ہوتی ہے اس لئے آفتاب کی دُوری کی وجہ سے جو اس سے بیگانگی ہے وہ ہر وقت کے قرب کی وجہ سے مُبدَل بہ اُنس ہو جاوے گی تو اس صورت میں روشنی کے علاوہ اس کے ساتھ مُوانَست کی طرف بھی اشارہ ہے اور اس طرف بھی کہ وہ اپنی ہوگی کہ آفتاب سے اگرچہ ہر شخص نفع اٹھاتا ہے لیکن اگر وہ کسی کو ہِبَہ کر دیا جائے تو اس کے لئے کس قدر افتخار کی چیز ہو۔

حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے بُرَیدہ رضی اللہ عنہ سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص قرآن شریف پڑھے اور اس پر عمل کرے اس کو ایک تاج پہنایا جائے گا جو نور سے بنا ہوا ہوگا اور اس کے والدین کو ایسے دو جوڑے پہنائے جاویں گے کہ تمام دنیا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، وہ عرض کریں گے کہ یا اللہ! یہ جوڑے کس صلہ میں ہیں تو ارشاد ہوگا کہ تمہارے بچے کے قرآن شریف پڑھنے کے عوض میں۔

جمعُ الفوائد میں طبرانی سے نقل کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ

ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص اپنے بیٹے کو ناظرہ قرآنِ شریف سکھلاوے اس کے سب اگلے اور پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور جو شخص حفظ کرائے اس کو قیامت میں چودھویں رات کے چاند کے مُشابہ اُٹھایا جاوے گا اور اس کے بیٹے سے کہا جاوے گا کہ پڑھنا شروع کر، جب بیٹا ایک آیت پڑھے گا باپ کا ایک درجہ بلند کیا جاوے گا حتیٰ کہ اسی طرح تمام قرآن شریف پورا ہو۔

بچے کے قرآن شریف پڑھنے پر باپ کے لئے یہ فضائل ہیں اور اسی پر بس نہیں، دوسری بات بھی سن لیجئے کہ اگر خدانخواستہ آپ نے اپنے بچے کو چار پیسے کے لالچ میں دین سے محروم رکھا تو یہ ہی نہیں کہ آپ اس لَایَزَال ثواب سے محروم رہیں گے، بلکہ اللہ کے یہاں آپ کو جواب دہی بھی کرنی پڑے گی۔ آپ اس ڈر سے کہ یہ مولوی و حافظ پڑھنے کے بعد صرف مسجد کے مُلّا نے اور ٹکڑے کے محتاج بن جاتے ہیں اس وجہ سے اپنے لاڈلے بچے کو اس سے بچاتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ اس سے آپ اس کو تو دائمی مصیبت میں گرفتار کر ہی رہے ہیں مگر ساتھ ہی اپنے اوپر بھی بڑی سخت جواب دہی لے رہے ہیں۔ حدیث کا ارشاد ہے: كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ الحدیث، ہر شخص سے اس کے ماتحتوں اور دست نگروں کا بھی سوال ہوگا کہ ان کو کس قدر دین سکھلایا۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ ان عُیوب سے آپ بچنے اور بچانے کی کوشش کیجئے، مگر جُوؤں کے ڈر سے کپڑا نہ پہننا کوئی عقل کی بات نہیں، البتہ اس کے صاف رکھنے کی ضرور کوشش چاہئے۔ بِالجُملہ اگر آپ اپنے بچے کو دینداری کی صلاحیت سکھلائیں گے، اپنی جواب دہی سے سُبک دوش ہوں گے اور اس وقت تک وہ زندہ رہے جس قدر نیک اعمال کرے گا، دعا و اِستغفار آپ کے لئے کرے گا، آپ کے لئے رفع درجات کا سبب بنے گا۔ لیکن دنیا کی خاطر چار پیسے کے لالچ سے آپ نے اس کو دین سے بے بہرہ رکھا تو یہی نہیں کہ خود آپ کو اپنی حرکت کا وبال بھگتنا پڑے گا، جس قدر بداَطواریاں، فِسق و فُجور اس سے سَرزد ہوں گے آپ کے نامۂ اعمال بھی اس ذخیرہ سے خالی نہ رہیں گے، خدارا! اپنے حال پر رحم کھائیں، دنیا بہر حال گزر جانے والی چیز ہے اور موت ہر بڑی سے بڑی تکلیف کا خاتمہ ہے، لیکن جس تکلیف کے بعد موت بھی نہیں اس کا کوئی مُنتہا نہیں۔

(۱۲) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: لَوْجُعِلَ الْقُرْاٰنُ فِيْ اِهَابٍ ثُمَّ اُلْقِيَ فِي النَّارِ مَا احْتَرَقَ. (رواه الدارمي)

عُقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر رکھ دیا جائے قرآن شریف کو کسی چمڑے میں، پھر وہ آگ میں ڈال دیا جاوے تو نہ جلے۔

مَشائخِ حدیث اس روایت کے مطلب میں دو طرف گئے ہیں: بعض کے نزدیک چمڑے سے عام مراد ہے جس جانور کا ہو اور آگ سے دنیوی آگ مراد ہے، اس صورت میں یہ مخصوص معجزہ ہے جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ساتھ خاص تھا جیسا کہ اور انبیاء علیہم السلام کے معجزے ان کے زمانے کے ساتھ خاص ہوئے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ چمڑے سے مراد آدمی کا چمڑا ہے اور آگ سے جہنّم۔ اس صورت میں یہ حکم عام ہوگا، کسی زمانے کے ساتھ مخصوص نہ ہوگا، یعنی جو شخص کہ حافظِ قرآن ہو اگر وہ کسی جرم میں جہنّم میں ڈالا بھی جاوے گا تو آگ اس پر اثر نہ کرے گی۔ ایک روایت میں "مَامَسَّتْهُ النَّارُ" کا لفظ بھی آیا ہے یعنی آگ اس کو چھوئے گی بھی نہیں۔ اَبُوْاُمامہ رضی اللہ عنہ کی روایت جس کو شَرْحُ السُّنَّة سے مُلا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے اس دوسرے معنی کی تائید کرتی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ قرآنِ شریف کو حفظ کیا کرو، اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس قلب کو عذاب نہیں فرماتے جس میں کلامِ پاک محفوظ ہو۔ یہ حدیث اپنے مضمون میں صاف اور نص ہے، جو لوگ حفظِ قرآن شریف کو فُضول بتلاتے ہیں وہ خدارا! ذرا ان فضائل پر بھی غور کریں کہ یہی ایک فضیلت ایسی ہے جس کی وجہ سے ہر شخص کو حفظِ قرآن پر جان دے دینا چاہئے، اس لئے کہ کون شخص ایسا ہوگا جس نے گناہ نہ کئے ہوں جس کی وجہ سے آگ کا مستحق نہ ہو۔

شرح اِحیاء میں ان لوگوں کی فہرست میں جو قیامت کے ہولناک اور وحشت اثر دن میں اللہ کے عرش کے سائے کے نیچے رہیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بروایت دَیلمی رحمۃ اللہ علیہ نقل کیا ہے کہ حاملینِ قرآن یعنی حُفّاظ اللہ کے سائے کے نیچے انبیاء علیہم السلام اور برگزیدہ لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔

(۱۳) عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَظْهَرَهٗ، فَاَحَلَّ حَلَالَهٗ وَحَرَّمَ حَرَامَهٗ، اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ وَ شَفَّعَهٗ فِي عَشَرَةٍ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ، كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ. (رواه أحمد والترمذی وقال: هذا حديث غريب و حفص بن سليمان الراوی ليس هو بالقوی يضعف فی الحديث و رواه ابن ماجة والدارمی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس شخص نے قرآن پڑھا، پھر اسکو حفظ یاد کیا اور اس کے حلال کو حلال جانا اور حرام کو حرام، حق تعالیٰ شانہ اس کو جنّت میں داخل فرما دیں گے اور اسکے گھرانے میں سے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول فرماویں گے جن کے لئے جہنّم واجب ہو چکی ہو۔

دُخولِ جَنّت ویسے تو ہر مومن کے لئے انشاء اللہ ہے ہی، اگرچہ بداعمالیوں کی سزا بھگت کر ہی کیوں نہ ہو، لیکن حفاظ کے لئے یہ فضلیت ابتدائے دُخول کے اعتبار سے ہے۔ وہ دس شخص جن کے بارے میں شفاعت قبول فرمائی گئی وہ فُسّاق وفُجّار ہیں جو مرتکب کبائر کے ہیں، اس لئے کہ کفار کے بارے میں تو شفاعت ہے ہی نہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝" (المائدہ:۷۲) (مشرکین پر اللہ نے جنّت کو حرام کر دیا اور ان کا ٹھکانہ جہنّم ہے اور ظالمین کا کوئی مددگار نہیں)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: "مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى" (التوبہ:۱۱۳) (نبی اور مسلمانوں کے لئے اس کی گنجائش نہیں کہ وہ مشرکین کے لئے استغفار کریں اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں) وغیرہ وغیرہ نُصوص اس مضمون میں صاف ہیں کہ مشرکین کی مغفرت نہیں ہے، اس لئے حُفّاظ کی شفاعت سے اُن مسلمانوں کی شفاعت مراد ہے جن کے معاصی کی وجہ سے ان کا جہنّم میں داخل ہونا ضروری بن گیا تھا۔ جو لوگ جہنّم سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ اگر وہ حافظ نہیں اور خود حفظ نہیں کر سکتے تو کم از کم اپنے کسی قریبی رشتہ دار ہی کو حافظ بنا دیں کہ اس کے طُفَیل یہ بھی اپنی بداَعمالیوں کی سزا سے محفوظ رہ سکیں، اللہ کا کس قدر

انعام ہے اس شخص[1] پر جس کے باپ، چچا، تائے، دادا، نانا، ماموں سب ہی حافظ ہیں۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ.

(۱۴) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: تَعَلَّمُوا الْقُرْاٰنَ فَاقْرَأُوْہُ، فَاِنَّ مَثَلَ الْقُرْاٰنِ لِمَنْ تَعَلَّمَ فَقَرَأَ وَقَامَ بِہٖ کَمَثَلِ جِرَابٍ مَحْشُوٍّ مِسْکًا تَفُوْحُ رِیْحُہٗ کُلَّ مَکَانٍ، وَمَثَلُ مَنْ تَعَلَّمَہٗ فَرَقَدَ وَھُوَ فِیْ جَوْفِہٖ کَمَثَلِ جِرَابٍ اُوْکِیَ عَلٰی مِسْکٍ. (رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجة وابن حبان)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ قرآن شریف کو سیکھو، پھر اُس کو پڑھو، اس لئے کہ جو شخص قرآن شریف سیکھتا ہے اور پڑھتا ہے اور تہجّد میں اس کو پڑھتا رہتا ہے، اس کی مثال اس تھیلی کی سی ہے جو مشک سے بھری ہوئی ہو کہ اس کی خوشبو تمام مکان میں پھیلتی ہے اور جس شخص نے سیکھا اور پھر سو گیا اس کی مثال اس مشک کی تھیلی کی ہے جس کا منہ بند کر دیا گیا ہو۔

یعنی جس شخص نے قرآنِ پاک پڑھا اور اس کی خبر گیری کی، راتوں کو نماز میں تلاوت کی، اس کی مثال اس مُشک دان کی سی ہے کہ جو کھلا ہوا ہو کہ اس کی خوشبو سے تمام مکان مہکتا ہے، اسی طرح اس حافظ کی تلاوت سے تمام مکان انوار و برکات سے معمور رہتا ہے اور اگر وہ حافظ سو جاوے یا غفلت کی وجہ سے نہ پڑھ سکے تب بھی اس کے قلب میں جو کلامِ پاک ہے وہ تو بہر حال مشک ہی ہے، اس غفلت سے اتنا نقصان ہوا کہ دوسرے لوگ اس کی برکات سے محروم رہے، لیکن اس کا قلب تو بہر حال اس مشک کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

(۱۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْ جَوْفِہٖ شَیْءٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ، کَالْبَیْتِ الْخَرِبِ. (رواہ الترمذی وقال: ھذا حدیث

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جس شخص کے قلب میں قرآن شریف کا کوئی حصّہ بھی محفوظ نہیں وہ بمنزلہ ویران گھر کے ہے۔

[1] حضرت شیخ الحدیث صاحب مؤلفِ کتاب ھٰذا مراد ہیں۔

صحیح ورواہ الدارمی و الحاکم و صححہ)

ویران گھر کے ساتھ تشبیہ دینے میں ایک خاص لطیفہ بھی ہے وہ یہ کہ ”خانۂ خالی رادیو مے گیرد“[1] اسی طرح جو قلب کلامِ پاک سے خالی ہوتا ہے شیاطین کا اس پر تسلّط زیادہ ہوتا ہے۔ اس حدیث میں حفظ کی کس قدر تاکید فرمائی ہے کہ اس دل کو ویران گھر ارشاد ہوا ہے جس میں کلامِ پاک محفوظ نہیں۔ اَبو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس گھر میں کلامِ مجید پڑھا جاتا ہے اس کے اہل وعیال کثیر ہو جاتے ہیں، اس میں خیر و برکت بڑھ جاتی ہے، ملائکہ اس میں نازل ہوتے ہیں اور شیاطین اس گھر سے نکل جاتے ہیں اور جس گھر میں تلاوت نہیں ہوتی اس میں تنگی اور بے برکتی ہوتی ہے، ملائکہ اس گھر سے چلے جاتے ہیں، شیاطین اس میں گھس جاتے ہیں۔ اِبنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور بعض لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ خالی گھر وہی ہے جس میں تلاوتِ قرآن شریف نہ ہوتی ہو۔

(۱۶) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: قِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ فِیْ الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ مِنْ قِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ فِیْ غَیْرِ الصَّلٰوةِ، وَقِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ فِیْ غَیْرِ الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ مِنَ التَّسْبِیْحِ وَ التَّکْبِیْرِ، وَالتَّسْبِیْحُ اَفْضَلُ مِنَ الصَّدَقَةِ، وَالصَّدَقَةُ اَفْضَلُ مِنَ الصَّوْمِ، وَالصَّوْمُ جُنَّةٌ مِّنَ النَّارِ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ نماز میں قرآن شریف کی تلاوت بغیر نماز کی تلاوت سے افضل ہے اور بغیر نماز کی تلاوت تسبیح و تکبیر سے افضل ہے اور تسبیح صدقہ سے افضل ہے اور صدقہ روزہ سے افضل ہے اور روزہ بچاؤ ہے آگ سے۔

تلاوت کا اذکار سے افضل ہونا ظاہر ہے اس لئے کہ یہ کلامِ الٰہی ہے اور پہلے معلوم ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو اوروں کے کلام پر وہی فضیلت ہے جو اللہ تعالیٰ کو فضیلت ہے مخلوق پر، ذکر اللہ کا افضل ہونا صدقہ سے اور روایات میں بھی وارد ہے اور صدقہ کا روزہ سے افضل ہونا جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے دوسری بعض روایات کے خلاف ہے

[1] یعنی خالی اور غیر آباد گھر پر دیو اور جنات قبضہ کر لیتے ہیں۔

جن سے روزہ کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، لیکن یہ احوال کے اعتبار سے مختلف ہے، بعض حالتوں میں روزہ افضل ہے اور بعض میں صدقہ۔ اسی طرح لوگوں کے اعتبار سے بھی مختلف ہے، بعض لوگوں کے لئے روزہ افضل ہے اور جب کہ روزہ آگ سے بچاؤ ہے جس کا درجہ اس روایت میں سب سے اخیر میں ہے تو پھر تلاوتِ کلام اللہ کا کیا کہنا جو سب سے اوّل ہے۔

صاحبِ احیاء نے حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ سے نقل کیا ہے کہ جس شخص نے نماز میں کھڑے ہو کر کلامِ پاک پڑھا اس کو ہر حرف پر سو نیکیاں ملیں گی اور جس شخص نے نماز میں بیٹھ کر پڑھا اس کے لئے پچاس ۵۰ نیکیاں اور جس نے بغیر نماز کے وضو کے ساتھ پڑھا اس کے لئے پچیس ۲۵ نیکیاں اور جس نے بلا وضو پڑھا اس کے لئے دس ۱۰ نیکیاں اور جو شخص پڑھے نہیں بلکہ صرف پڑھنے والے کی طرف کان لگا کر سنے اس کے لئے بھی ہر حرف کے بدلے ایک نیکی۔

(۱۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اِذَا رَجَعَ اِلٰی اَهْلِهٖ اَنْ یَّجِدَ فِیْهِ ثَلَاثَ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ؟ قُلْنَا: نَعَمْ، قَالَ: فَثَلَاثُ اٰیَاتٍ یَقْرَأُ بِهِنَّ اَحَدُكُمْ فِیْ صَلٰوتِهٖ، خَیْرٌ لَهٗ مِنْ ثَلَاثِ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ. (رواہ مسلم)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ جب گھر واپس آئے تو تین اونٹنیاں حاملہ بڑی اور موٹی اس کو مل جاویں؟ ہم نے عرض کیا کہ بے شک (ضرور پسند کرتے ہیں) حضور ﷺ نے فرمایا کہ تین آیتیں جن کو تم میں سے کوئی نماز میں پڑھ لے وہ تین حاملہ بڑی اور موٹی اونٹنیوں سے افضل ہیں۔

اس سے ملتا جلتا مضمون حدیث نمبر ۳ میں گذر چکا ہے، اس حدیث شریف میں چونکہ نماز میں پڑھنے کا ذکر ہے اور وہ بغیر نماز کے پڑھنے سے افضل ہے اس لئے تشبیہ حاملہ اونٹنیوں سے دی گئی اس لئے کہ وہاں بھی دو عبادتیں ہیں، نماز اور تلاوت، ایسے ہی یہاں بھی دو چیزیں ہیں، اونٹنی اور اس کا حمل۔ میں حدیث نمبر ۳ کے فائدے میں لکھ چکا ہوں کہ اس قسم کی احادیث سے صرف تشبیہ مراد ہوتی ہے، ورنہ ایک آیت کا باقی اجر ہزار

فانی اونٹنیوں سے افضل ہے۔

(۱۸)عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَوْسٍ الثَّقَفِيِّ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: قِرَاءَةُ الرَّجُلِ الْقُرْاٰنَ فِيْ غَيْرِ الْمُصْحَفِ اَلْفُ دَرَجَةٍ وَقِرَاءَتُهٗ فِي الْمُصْحَفِ تَضْعُفُ عَلٰى ذٰلِكَ اِلٰى اَلْفَيْ دَرَجَةٍ. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

اوس ثقفی رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ کلام اللہ شریف کا حفظ پڑھنا ہزار درجہ ثواب رکھتا ہے اور قرآنِ پاک میں دیکھ کر پڑھنا دو ہزار تک بڑھ جاتا ہے۔

حافظِ قرآن کے متعدد فضائل پہلے گزر چکے ہیں، اس حدیث شریف میں جو دیکھ کر پڑھنے کی فضیلت ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ قرآنِ پاک کے دیکھ کر پڑھنے میں تدبُّر اور فکر کے زیادہ ہونے کے علاوہ وہ کئی عبادتوں کو مُتَضَمِّن ہے، قرآنِ پاک کو دیکھنا، اس کو چھونا وغیرہ وغیرہ، اسی وجہ سے یہ افضل ہوا، چونکہ روایات کا مفہوم مختلف ہے اسی وجہ سے علماء نے اس میں اختلاف فرمایا ہے کہ کلامِ پاک کا حفظ پڑھنا افضل ہے یا دیکھ کر۔ ایک جماعت کی رائے ہے کہ حدیثِ بالا کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ اس میں غلط پڑھنے سے امن رہتا ہے، قرآنِ پاک پر نظر رہتی ہے، قرآنِ شریف کو دیکھ کر پڑھنا افضل ہے۔ دوسری جماعت دوسری روایت کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ حفظ پڑھنا زیادتیٔ خشوع کا سبب ہوتا ہے، رِیا سے دور ہوتا ہے اور نیز نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ حفظ پڑھنے کی تھی، حفظ کو ترجیح دیتی ہے۔ اِمام نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ فضیلت آدمیوں کے لحاظ سے مختلف ہے، بعض کے لئے دیکھ کر پڑھنا افضل ہے جس کو اس میں تدبر و تفکر زیادہ حاصل ہوتا ہو اور جس کو حفظ میں تدبر زیادہ حاصل ہوتا ہو اس کے لئے حفظ پڑھنا افضل ہے۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''فتح الباری'' میں اسی تفصیل کو پسند کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس کثرتِ تلاوت کی وجہ سے دوم کلامِ مجید پھٹے تھے۔ عَمرو بن مَیمُون رحمۃ اللہ علیہ نے شرحِ احیاء میں نقل کیا ہے کہ جو شخص صبح کی نماز پڑھ کر قرآنِ مجید کھولے اور بقدر سو آیت کے پڑھ لے، تمام دنیا کی بقدر اس کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ قرآن شریف کا

دیکھ کر پڑھنا نگاہ کے لئے مفید بتلایا جاتا ہے۔ اَبوعبید رضی اللہ عنہ نے حدیثِ مسلسل نقل کی ہے جس میں ہر راوی نے کہا ہے کہ مجھے آنکھوں کی شکایت تھی تو اُستاد نے قرآن شریف دیکھ کر پڑھنے کو بتلایا۔ حضرت امام شافعی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بسا اوقات عشاء کے بعد قرآن شریف کھولتے تھے، اور صبح کی نماز کے وقت بند کرتے تھے۔

(۱۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيْدُ اِذَا اَصَابَهُ الْمَاءُ، قِيْلَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَا جِلَاؤُهَا؟ قَالَ: كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ.

(رواه البيهقي في شعب الايمان)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضورِ اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے جیسا کہ لوہے کو پانی لگنے سے زنگ لگتا ہے، پوچھا گیا کہ حضور! ان کی صفائی کی کیا صورت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ موت کو اکثر یاد کرنا اور قرآنِ پاک کی تلاوت کرنا۔"

یعنی گناہوں کی کثرت اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی یاد سے غفلت کی وجہ سے دلوں پر بھی زنگ لگ جاتا ہے جیسا کہ لوہے کو پانی لگ جانے سے زنگ لگ جاتا ہے اور کلامِ پاک کی تلاوت اور موت کی یاد ان کے لئے صَیقل کا کام دیتا ہے۔ دل کی مثال ایک آئینہ کی سی ہے جس قدر وہ دھندلا ہوگا معرفت کا اِنعکاس اس میں کم ہوگا اور جس قدر صاف اور شفاف ہوگا اسی قدر اس میں معرفت کا انعکاس واضح ہوگا۔ اسی لئے آدمی جس قدر معاصی شہوانیہ یا شیطانیہ میں مبتلا ہوگا اسی قدر معرفت سے دور ہوگا اور اسی آئینہ کے صاف کرنے کے لئے مشائخِ سلوک رِیاضات ومجاہدات، اَذکار واَشغال تلقین فرماتے ہیں۔ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نقطہ اس کے قلب میں پڑ جاتا ہے، اگر وہ سچّی توبہ کر لیتا ہے تو وہ نقطہ زائل ہو جاتا ہے اور اگر دوسرا گناہ کر لیتا ہے تو دوسرا نقطہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر گناہوں میں بڑھتا رہتا ہے تو شدہ شدہ ان نقطوں کی کثرت سے دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے، پھر اس قلب میں خیر کی رغبت ہی نہیں رہتی بلکہ شر ہی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ۔

اسی کی طرف قرآنِ پاک کی اس آیت میں اشارہ ہے "كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ" (المطففین:۱۴) (بیشک ان کے قلوب پر زنگ جما دیا ان کی بداعمالیوں نے) ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو واعظ چھوڑتا ہوں، ایک بولنے والا، دوسرا خاموش، بولنے والا قرآن شریف ہے اور خاموش موت کی یاد۔ حضور ﷺ کا ارشاد سر آنکھوں پر، مگر واعظ تو اس کے لئے ہو جو نصیحت قبول کرے، نصیحت کی ضرورت سمجھے، جہاں سرے سے دین ہی بیکار ہو، ترقی کی راہ میں مانع ہو، وہاں نصیحت کی ضرورت کسے، اور نصیحت کرے گی کیا؟ حسن بصری کہتے ہیں کہ پہلے لوگ قرآن شریف کو اللہ کا فرمان سمجھتے تھے، رات بھر اس میں غور و تدبر کرتے تھے اور دن کو اس پر عمل کرتے تھے اور تم لوگ اس کے حروف اور زبر و زیر تو بہت درست کرتے ہو مگر اس کو فرمانِ شاہی نہیں سمجھتے، اس میں غور و تدبر نہیں کرتے۔

(۲۰) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ شَرَفًا يَتَبَاهَوْنَ بِهٖ، وَاِنَّ بَهَاءَ اُمَّتِيْ وَ شَرَفَهَا الْقُرْاٰنُ. (رواه في الحلية)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتی ہیں کہ ہر چیز کے لئے کوئی شرافت و افتخار ہوا کرتا ہے جس سے وہ تفاخر کیا کرتا ہے، میری امت کی رونق و افتخار قرآن شریف ہے۔

یعنی لوگ اپنے آباء و اجداد سے، خاندان سے اور اسی طرح بہت سی چیزوں سے اپنی شرافت و بڑائی ظاہر کیا کرتے ہیں۔ میری امت کے لئے ذریعۂ افتخار کلام اللہ شریف ہے کہ اس کے پڑھنے سے، اس کے یاد کرنے سے، اس کے پڑھانے سے، اس پر عمل کرنے سے؛ غرض اس کی ہر چیز قابلِ افتخار ہے اور کیوں نہ ہو کہ محبوب کا کلام ہے، آقا کا فرمان ہے، دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا اشرف بھی اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔ نیز دنیا کے جس قدر کمالات ہیں وہ آج نہیں تو کل زائل ہونے والے ہیں، لیکن کلامِ پاک کا شرف و کمال دائمی ہے، کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔ قرآن شریف کے چھوٹے چھوٹے اوصاف بھی ایسے ہیں کہ افتخار کے لئے ان میں کا ہر ایک کافی ہے، چہ جائیکہ اس میں وہ سب اوصاف کامل طور پر پائے

جاتے ہیں، مثلاً اس کی حُسنِ تالیف، حُسنِ سیاق، الفاظ کا تناسب، کلام کا اِرتباط، گذشتہ اور آئندہ واقعات کی اطلاع، لوگوں کے متعلق ایسے طعن کہ وہ اگر اسکی تکذیب بھی کرنا چاہیں تو نہ کرسکیں جیسے کہ یہود کا باوجود اِدّعائے محبّت کے موت کی تمنّا نہ کرسکنا، نیز سننے والے کا اس سے متاثر ہونا، پڑھنے والے کا کبھی نہ اکتانا حالانکہ ہر کلام خواہ وہ کتنا ہی دل کو پیارا معلوم ہوتا ہو، مجنون بنا دینے والے محبوب کا خط ہی کیوں نہ ہو، دن میں دس دفعہ پڑھنے سے دل نہ اکتائے تو بیس دفعہ سے اکتا جائے گا، بیس سے نہ سہی چالیس سے اکتاوے گا، بہر حال اکتاوے گا، پھر اکتاوے گا، مگر کلامِ پاک کا رکوع یاد کیجئے، دوسو مرتبہ پڑھئے، چار سو مرتبہ پڑھئے، عمر بھر پڑھتے رہئے، کبھی نہ اکتاوے گا۔ اگر کوئی عارِض پیش آجاوے تو وہ خود عارضی ہوگا اور جلد زائل ہوجانے والا، جتنی کثرت کیجئے اتنی ہی طراوت اور لذت میں اضافہ ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ یہ امور ایسے ہیں کہ اگر کسی کے کلام میں ان میں سے ایک بھی پایا جاوے، خواہ پورے طور سے نہ ہو تو اس پر کتنا افتخار کیا جاتا ہے، پھر جب کہ کسی کلام میں یہ سب کے سب امور علیٰ وجہ الکمال پائے جاتے ہوں تو اس سے کتنا افتخار ہوگا۔ اس کے بعد ایک لمحہ ہمیں اپنی حالت پر بھی غور کرنا ہے، ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جن کو اپنے حافظِ قرآن ہونے پر فخر ہے یا ہماری نگاہ میں کسی کا حافظِ قرآن ہونا باعثِ شرف ہے، ہماری شرافت، ہمارا افتخار، اونچی اونچی ڈگریوں سے، بڑے بڑے القاب سے، دنیوی جاہ وجلال اور مرنے کے بعد چھوٹ جانے والے مال ومتاع سے ہے۔ فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی۔

(۲۱) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَوْصِنِیْ، قَالَ: عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ، فَاِنَّهٗ رَأْسُ الْاَمْرِ كُلِّهٖ، قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! زِدْنِیْ، قَالَ: عَلَيْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ، فَاِنَّهٗ نُوْرٌ لَّكَ فِی الْاَرْضِ، وَذُخْرٌ لَّكَ فِی السَّمَاءِ.

(رواہ ابن حبان فی صحیحہ فی حدیث طویل)

ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے کچھ وصیّت فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تقویٰ کا اہتمام کرو کہ تمام امور کی جڑ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے ساتھ کچھ اور بھی ارشاد فرماویں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تلاوتِ قرآن کا اہتمام کرو کہ دنیا میں

یہ نور ہے اور آخرت میں ذخیرہ۔

تقویٰ حقیقتاً تمام امور کی جڑ ہے، جس دل میں اللہ کا ڈر پیدا ہو جاوے اس سے پھر کوئی بھی معصیت نہیں ہوتی اور نہ پھر اس کو کسی قسم کی تنگی پیش آتی ہے۔ "وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ" (الطلاق:۳) (جو شخص تقویٰ حاصل کرے تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کے لئے ہر ضیق میں کوئی راستہ نکال دیتے ہیں اور اس طرح اس کو روزی پہنچاتے ہیں جس کا اس کو گمان بھی نہیں ہوتا)۔

تلاوت کا نور ہونا پہلی روایات سے بھی معلوم ہو چکا، شرح احیاء میں معرفۃ ابو نُعَیم رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت باسط رحمۃ اللہ علیہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ذکر کیا کہ جن گھروں میں کلامِ پاک کی تلاوت کی جاتی ہے وہ مکانات آسمان والوں کے لئے ایسے چمکتے ہیں جیسا کہ زمین والوں کے لئے آسمان پر ستارے، یہ حدیث ترغیب وغیرہ میں اتنی ہی نقل کی گئی، یہ مختصر ہے اصل روایت بہت طویل ہے جس کو ابنِ حبان رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مفصّل اور سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ مختصر نقل کیا ہے اگرچہ ہمارے رسالہ کے مناسب اتنا ہی جزو ہے جو اوپر گذر چکا، مگر چونکہ پوری حدیث بہت سے ضروری اور مفید مضامین پر مشتمل ہے اس لئے تمام حدیث کا مطلب ذکر کیا جاتا ہے جو حسبِ ذیل ہے:

حضرت ابوذر غِفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے کل کتابیں کس قدر نازل فرمائی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سو صحائف اور چار کتابیں، پچاس صحیفے حضرت شیث علیہ السلام پر اور تیس صحیفے حضرت ادریس علیہ السلام پر اور دس صحیفے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور دس صحیفے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات سے پہلے اور ان کے علاوہ چار کتابیں توراۃ، انجیل، زبور اور قرآن شریف نازل فرمائی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا چیز تھی؟ ارشاد فرمایا کہ وہ سب ضرب المثلیں تھیں مثلاً: او مُتَسلّط ومَغرور بادشاہ! میں نے تجھ کو اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ تو پیسہ پر پیسہ جمع کرتا رہے، میں نے تجھے اس لئے بھیجا تھا کہ مجھ تک مظلوم کی فریاد نہ پہنچنے دے، تو

پہلے ہی اس کا انتظام کردے، اس لئے کہ میں مظلوم کی فریاد کو رد نہیں کرتا اگرچہ فریادی کافر ہی کیوں نہ ہو۔ بندۂ ناچیز کہتا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو امیر اور حاکم بنا کر بھیجا کرتے تھے تو منجملہ اور نصائح کے اس کو بھی اہتمام سے فرمایا کرتے تھے: "وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ، فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ" کہ مظلوم کی بددعا سے بچنا اس لئے کہ اس کے اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے درمیان میں حجاب اور واسطہ نہیں ہے۔

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن
اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید

نیز ان صحیفوں میں یہ بھی تھا کہ عاقل کے لئے ضروری ہے جب تک کہ وہ مغلوب العقل نہ ہو جائے اپنے تمام اوقات کو تین حصوں پر منقسم کرے: ایک حصّہ میں اپنے رب کی عبادت کرے اور ایک حصّہ میں اپنے نفس کا مُحاسَبہ کرے اور سوچے کہ کتنے کام اچھے کئے اور کتنے برے اور ایک حصّہ کو کَسبِ حلال میں خرچ کرے، عاقل پر یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے اوقات کی نگہبانی کرے، اپنے حالات کی درستگی کے فکر میں رہے، اپنی زبان کی فضول گوئی اور بے نفع گفتگو سے حفاظت کرے۔ جو شخص اپنے کلام کا محاسبہ کرتا رہے گا اس کی زبان بے فائدہ کلام میں کم چلے گی۔ عاقل کے لئے ضروری ہے کہ تین چیزوں کے علاوہ سفر نہ کرے: یا آخرت کے لئے توشہ مقصود ہو، یا کچھ فکرِ معاش ہو، یا تفریح بشرطیکہ مباح ہو۔

میں نے پوچھا: یارسولَ اللہ! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا چیز تھی؟ ارشاد فرمایا کہ سب کی سب عبرت کی باتیں تھیں، مثلاً میں تعجب کرتا ہوں اس شخص پر کہ جس کو موت کا یقین ہو پھر کسی بات پر خوش ہو (اس لئے کہ جب کسی شخص کو مثلاً یہ یقین ہو جاوے کہ مجھے پھانسی کا حکم ہو چکا، عنقریب سولی پر چڑھنا ہے، پھر وہ کسی چیز سے خوش نہیں ہو سکتا)۔ میں تعجب کرتا ہوں اس شخص پر کہ اس کو موت کا یقین ہے پھر وہ ہنستا ہے۔ میں تعجب کرتا ہوں اس شخص پر جو دنیا کے حوادث، تغیّرات، انقلابات ہر وقت دیکھتا ہے پھر دنیا پر اطمینان کر لیتا ہے۔ میں تعجب کرتا ہوں اس شخص پر کہ جس کو تقدیر کا یقین ہے پھر رنج ومشقت میں مبتلا ہوتا ہے۔ میں تعجب کرتا ہوں اس شخص پر جس کو عنقریب حساب کا یقین ہے پھر نیک اعمال نہیں

کرتا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے کچھ وصیّت فرمائیں۔ حضور ﷺ نے سب سے اوّل تقویٰ کی وصیّت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ تمام امور کی بنیاد اور جڑ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ کچھ اور بھی اضافہ فرمادیجئے۔ ارشاد ہوا کہ تلاوتِ قرآن اور ذکر اللہ کا اہتمام کر کہ یہ دنیا میں نور ہے اور آسمان میں ذخیرہ ہے۔ میں نے اور اضافہ چاہا تو ارشاد ہوا کہ زیادہ ہنسی سے احتراز کر کہ اس سے دل مرجاتا ہے، چہرے کی رونق جاتی رہتی ہے۔ (یعنی ظاہر و باطن دونوں کو نقصان پہنچانے والی چیز ہے) میں نے اور اضافہ کی درخواست کی تو ارشاد ہوا کہ جہاد کا اہتمام کر کہ میری امت کے لئے یہی رہبانیّت ہے (راہب پہلی امتوں میں وہ لوگ کہلاتے تھے کہ جو دنیا کے سب تعلّقات منقطع کر کے اللہ والے بن جاویں) میں نے اور اضافہ چاہا تو ارشاد فرمایا کہ فقراء اور مساکین کے ساتھ میل جول رکھ، ان کو دوست بنا، ان کے پاس بیٹھا کر، میں نے اور اضافہ چاہا تو ارشاد ہوا کہ اپنے سے کم درجے والے پر نگاہ رکھا کر (تا کہ شکر کی عادت ہو) اپنے سے اوپر کے درجہ والوں کو مت دیکھ، مبادا! اللہ کی نعمتوں کی جو تجھ پر ہیں تحقیر کرنے لگے۔ میں نے اور اضافہ چاہا تو ارشاد ہوا کہ تجھے اپنے عیوب لوگوں پر حرف گیری سے روک دیں اور ان کے عیوب پر اطلاع کی کوشش مت کر کہ تو ان میں خود مبتلا ہے۔ تجھے عیب لگانے کے لئے کافی ہے کہ تو لوگوں میں ایسے عیب پہچانے جو تجھ میں خود موجود ہیں اور تو ان سے بے خبر ہے اور ایسی باتیں ان میں پکڑے جن کو تو خود کرتا ہے۔ پھر حضور ﷺ نے اپنا دستِ شفقت میرے سینے پر مار کر ارشاد فرمایا کہ ابوذر! تدبیر کے برابر کوئی عقل مندی نہیں اور ناجائز امور سے بچنے کے برابر تقویٰ نہیں اور خوش خُلقی سے بڑھ کر کوئی شرافت نہیں۔ اس میں خلاصہ اور مطلب کا زیادہ لحاظ کیا گیا، تمام الفاظ کے ترجمہ کا لحاظ نہیں کیا گیا۔

(۲۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَااجْتَمَعَ قَوْمٌ فِیْ بَیْتٍ مِنْ بُیُوْتِ اللّٰهِ یَتْلُوْنَ کِتَابَ اللّٰهِ وَیَتَدَارَسُوْنَهٗ بَیْنَهُمْ، اِلَّا نَزَلَتْ عَلَیْهِمُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں مُجتمع ہو کر تلاوتِ کلامِ پاک اور اس کا دَور نہیں کرتی

السَّكِيْنَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ. (رواه مسلم و أبو داود)

مگر ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے، ملائکہ رحمت ان کو گھیر لیتے ہیں اور حق تعالیٰ شانہٗ ان کا ذکر ملائکہ کی مجلس میں فرماتے ہیں۔

اس حدیث شریف میں مَکاتِب اور مدرسوں کی خاص فضیلت ذکر فرمائی گئی جو بہت سی انواعِ اِکرام کو شامل ہے، ان میں سے ہر ہر اِکرام ایسا ہے کہ جس کے حاصل کرنے میں اگر کوئی شخص اپنی تمام عمر خرچ کردے تب بھی اَرزاں ہے، پھر چہ جائیکہ ایسے ایسے متعدد انعامات فرمائے جائیں، بالخصوص آخری فضیلت، آقا کے دربار میں ذکر، محبوب کی مجلس میں یاد، ایک ایسی نعمت ہے جس کا مقابلہ کوئی چیز بھی نہیں کرسکتی۔

سَکِینہ کا نازل ہونا مُتعَدِّد روایات میں وارد ہوا ہے، اس کے مصداق میں مشائخِ حدیث کے چند اقوال ہیں، لیکن ان میں کوئی ایسا اختلاف نہیں کہ جس سے آپس میں کچھ تعارُض ہو، بلکہ سب کا مجموعہ بھی مراد ہوسکتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سکینہ کی تفسیر یہ نقل کی گئی ہے کہ وہ ایک خاص ہوا ہے جس کا چہرہ انسان کے چہرہ جیسا ہوتا ہے۔ علامہ سُدّی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا کہ وہ جنّت کے ایک طَشت کا نام ہے جو سونے کا ہوتا ہے اس میں انبیاء علیہم السلام کے قلوب کو غسل دیا جاتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ خاص رحمت ہے۔ طَبری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو پسند کیا ہے کہ اس سے سکونِ قلب مراد ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ طُمانِیَت مراد ہے۔ بعض نے اس کی تفسیر وقار سے کی ہے تو کسی نے ملائکہ سے۔ بعض نے اور بھی اقوال کہے ہیں۔ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے فتح الباری میں یہ ہے کہ سکینہ کا اطلاق سب پر آتا ہے، نَووِی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ یہ کوئی ایسی چیز ہے جو جامع ہے طمانیت، رحمت وغیرہ کو اور ملائکہ کے ساتھ نازل ہوتی ہے۔ کلام اللہ شریف میں اِرشاد ہے: "فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ (التوبہ:۴۰) دوسری جگہ ارشاد ہے: "هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ" (الفتح:۴)۔ ایک جگہ ارشاد ہے "فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ" (البقرہ:۲۴۸) غرض مُتعَدِّد آیات میں اس کا ذکر ہے اور احادیث میں مُتعَدِّد روایات میں اس کی بشارت فرمائی گئی ہے۔ احیاء میں نقل کیا گیا

ہے کہ ابن ثوبان نے اپنے کسی عزیز سے اس کے ساتھ افطار کا وعدہ کیا مگر دوسرے روز صبح کے وقت پہنچے۔ انہوں نے شکایت کی تو کہا کہ اگر میرا تم سے وعدہ نہ ہوتا تو ہرگز نہ بتاتا کہ کیا مانع پیش آیا۔ مجھے اتفاقاً دیر ہوگئی تھی حتیٰ کہ عشاء کی نماز کا وقت آگیا، خیال ہوا کہ وتر بھی ساتھ ہی پڑھ لوں کہ موت کا اطمینان نہیں، کبھی رات میں مرجاؤں اور وہ ذمہ پر باقی رہ جائیں، میں دعائے قنوت پڑھ رہا تھا کہ مجھے جنّت کا ایک سبز باغ نظر آیا جس میں ہر نوع کے پھول وغیرہ تھے، اس کے دیکھنے میں ایسا مشغول ہوا کہ صبح ہوگئی۔ اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہیں جو بزرگوں کے حالات میں درج ہیں، لیکن ان کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب ماسوا سے انقطاع ہوجاوے اور اسی جانب توجہ کامل ہوجاوے۔

ملائکہ کا ڈھانکنا بھی مُتعدِّد روایات میں وارد ہوا ہے۔ اُسید بن حُضَیر رضی اللہ عنہ کا مفصّل قصّہ کتبِ حدیث میں آتا ہے کہ انہوں نے تلاوت کرتے ہوئے اپنے اوپر ایک اَبر سا چھایا ہوا محسوس کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ملائکہ تھے جو قرآن شریف سننے کے لئے آئے تھے، ملائکہ اژدہام کی وجہ سے اَبر سا معلوم ہوتے تھے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ اَبر سا محسوس ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سکینہ تھا یعنی رحمت جو قرآن شریف کی وجہ سے نازل ہوئی تھی۔ مسلم شریف میں یہ حدیث زیادہ مفصّل آئی جس میں اور بھی مضامین ہیں۔ اخیر میں ایک جملہ یہ بھی زیادہ ہے "مَنْ بَطَّأَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ" (جس شخص کو اسکے برے اعمال رحمت سے دور کردیں اس کا عالی نسب ہونا، اونچے خاندان کا ہونا، رحمت سے قریب نہیں کرسکتا) ایک شخص جو پُشتانی شریفُ النسب ہے، مگر فسق و فجور میں مبتلا ہے وہ اللہ کے نزدیک اس رذیل اور کم ذات مسلمان کی برابری کسی طرح بھی نہیں کرسکتا جو متّقی پرہیز گار ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ۔

(۲۳) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّكُمْ لَاتَرْجِعُوْنَ اِلَى اللّٰهِ بِشَیْءٍ اَفْضَلَ مِمَّا خَرَجَ مِنْهُ يَعْنِی الْقُرْاٰنَ. (رواه الحاكم، وصححه أبو داؤد فی مراسيله عن

اَبُوذر رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ تم لوگ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی طرف رجوع اور اس کے یہاں تقرّب اس چیز سے بڑھ کر کسی اور چیز سے

جبیر بن نفیر و الترمذی عن ابی امامة بمعناه)

حاصل نہیں کر سکتے جو خود حق سبحانہٗ سے نکلی ہے یعنی کلامِ پاک۔

مُتعدِّد روایات سے یہ مضمون ثابت ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے دربار میں کلامِ پاک سے بڑھ کر تقرب کسی چیز سے حاصل نہیں ہوتا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حق تعالیٰ شانہٗ کی خواب میں زیارت کی تو پوچھا کہ سب سے بہتر چیز جس سے آپ کے دربار میں تقرّب ہو کیا چیز ہے؟ ارشاد ہوا کہ احمد! میرا کلام ہے۔ میں نے عرض کیا کہ سمجھ کر یا بلا سمجھے؟ ارشاد ہوا کہ سمجھ کر پڑھے یا بلا سمجھے، دونوں طرح موجبِ تقرّب ہے۔ اس حدیث شریف کی توضیح اور تلاوتِ کلامِ پاک کا سب سے بہتر طریقہ تقرّب ہونے کی تشریح حضرت اقدس بقیۃُ السلَف حجۃُ الخلَف مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نوّر اللہُ مَرقدَہٗ کی تفسیر سے مستنبط ہوتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سُلوک اِلَی اللہ یعنی مرتبۂ احسان حق سبحانہٗ تقدّس کی حضوری کا نام ہے جو تین طریقوں سے حاصل ہو سکتی ہے: اول تصور جس کو عرفِ شرع میں تفکّر و تدبُّر سے تعبیر کرتے ہیں اور صوفیہ کے یہاں مراقبہ سے۔ دوسرا ذکرِ لسانی اور تیسرا تلاوتِ کلامِ پاک۔

سب سے اوّل طریقہ بھی چونکہ ذکرِ قلبی ہے اس لئے دراصل طریقے دو ہی ہیں: اول ذکر، عام ہے کہ زبانی ہو یا قلبی، دوسرے تلاوت۔ سو جس لفظ کا اطلاق حق سبحانہٗ وتقدّس پر ہو گا اور اس کو بار بار دہرایا جاوے گا جو ذکر کا حاصل ہے تو مُذکَر کے اس ذات کی طرف توجہ اور التفات کا سبب ہو گا اور گویا وہ ذات مُستَحضَر ہو گی اور اِستحضار کے دوام کا نام معیّت ہے جس کو اس حدیث شریف میں ارشاد فرمایا ہے: "لَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اَحْبَبْتُهٗ، فَکُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ، وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یَبْصُرُ بِهٖ، وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا". الحدیث (حق سبحانہٗ وتقدّس کا ارشاد ہے کہ بندہ نفل عبادتوں کے ساتھ میرے ساتھ تقرّب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں بھی اس کو محبوب بنا لیتا ہوں حتیٰ کہ میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور ہاتھ جس سے وہ کسی چیز کو پکڑتا ہے اور پاؤں جس سے وہ چلتا ہے) یعنی جب کہ بندہ

کثرتِ عبادت سے حق تعالیٰ شانہٗ کا مقرّب بن جاتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کے اعضاء کے محافِظ بن جاتے ہیں اور آنکھ کان وغیرہ سب مرضیٔ آقا کے تابع ہو جاتے ہیں اور نفل عبادات کی کثرت اس لئے ارشاد فرمائی کہ فرائض متعیّن ہیں جن میں کثرت نہیں ہوتی اور اس کے لئے ضرورت ہے دوامِ اِستحضار کی جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا، لیکن تقرب کا یہ طریقہ صرف اسی محبوب کی پاک ذات کے لئے ہے، اگر کوئی چاہے کہ کسی دوسرے کے نام کی تسبیح پڑھ کر اس سے تقرّب حاصل کر لے تو یہ ممکن نہیں، اس وجہ سے کہ اس قسم کے تقرّب میں جس کی طرف تقرّب ہو اس میں دو بات کا پایا جانا ضروری ہے: اوّل یہ کہ اس کا علم محیط ہو ذاکرین کے قلبی اور زبانی اذکار کو، اگرچہ وہ مختلف زمانوں اور مختلف اوقات میں ذکر کریں۔ دوسرے یہ کہ ذکر کرنے والے کے مدرکہ میں تجلّی اور اس کے پر کر دینے کی قدرت ہو جس کو عرف میں "دُنُوّ اور تَدَلّی" نزول اور قرب سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں چونکہ اسی مطلوب میں پائی جاتی ہیں اس لئے طریقِ بالا سے تقرب بھی اسی پاک ذات سے حاصل ہوسکتا ہے اور اسی کی طرف اس حدیثِ قُدسی میں اشارہ ہے جس میں ارشاد ہے "مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا، تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا" الحدیث (جو شخص میری طرف ایک بالشت نزدیک ہوتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جو شخص میری طرف ایک ہاتھ آتا ہے میں اس کی طرف ایک باع آتا ہوں یعنی دونوں ہاتھوں کی لمبائی کے بقدر اور جو شخص میری طرف معمولی رفتار سے آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر چلتا ہوں)۔

یہ سب تشبیہات سمجھانے کے لئے ہیں، ورنہ حق سبحانہٗ وتقدس چلنا پھرنا وغیرہ سب سے مُبَرّا ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ حق سبحانہ وتقدس اپنے یاد کرنے اور ڈھونڈنے والوں کی طرف ان کی طلب اور سعی سے زیادہ توجہ اور نزول فرماتے ہیں اور کیوں نہ فرماویں کہ کریم کے کرم کا مقتضا یہی ہے، پس جب کہ یاد کرنے والوں کی طرف یاد کرنے میں دوام ہوتا ہے تو پاک آقا کی طرف سے توجہ اور نزول میں دوام ہوتا ہے۔ کلامِ الٰہی چونکہ سراسر ذکر ہے اور اسکی کوئی آیت ذکر وتوجہ الی اللہ سے خالی نہیں اس لئے یہی بات اس میں بھی پائی جاتی ہے، مگر اس میں ایک خصوصیّت زیادہ ہے جو زیادتیٔ تقرب کا سبب ہے، وہ یہ کہ ہر کلام متکلّم کی

صفات واثرات اپنے اندر لئے ہوئے ہوا کرتا ہے اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ فُسّاق وفُجّار کے اشعار کا وِردر کھنے سے اس کے اثرات پائے جاتے ہیں اور اتقیاء کے اشعار سے ان کے ثمرات پیدا ہوتے ہیں، اسی وجہ سے مَنطق فلسفہ میں غُلُوّ سے نَخوت[1]، تکبّر پیدا ہوتا ہے اور حدیث کی کثرتِ مُزاوَلت سے تواضع پیدا ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ فارسی اور انگریزی نفس زبان ہونے میں دونوں برابر ہیں، لیکن مصنفین جن کی کتب پڑھائی جاتی ہیں، ان کے اختلافِ اثرات سے ثمرات میں بھی اختلاف ہوتا ہے، بالجملہ چونکہ کلام میں ہمیشہ متکلّم کے تاثرات پائے جاتے ہیں اس لئے کلامِ الٰہی کے تکرار وِرد سے اس کے متکلّم کے اثرات کا پیدا ہونا اور ان سے طبعًا مناسبت پیدا ہو جانا یقینی ہے، نیز ہر مصنّف کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص اس کی تالیف کا اہتمام کیا کرتا ہے تو فطرۃً اس کی طرف التفات اور توجہ ہوا کرتی ہے اس لئے حق تعالیٰ شانہٗ کے کلام کا وردر کھنے والے کی طرف حق سبحانہٗ وتقدس کی زیادتیٔ توجہ بھی بدیہی اور یقینی ہے جو زیادتیٔ قرب کا سبب ہوتی ہے۔ آقائے کریم اپنے کرم سے مجھے بھی اس لطف سے نوازیں اور تمہیں بھی۔

(۲۴) عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ لِلّٰهِ اَهْلِيْنَ مِنَ النَّاسِ، قَالُوْا: مَنْ هُمْ؟ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: اَهْلُ الْقُرْاٰنِ، هُمْ اَهْلُ اللّٰهِ وَخَاصَّتُهٗ. (رواه النسائی و ابن ماجة و الحاکم واحمد)

اَنَس رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے لئے لوگوں میں سے بعض لوگ خاص گھر کے لوگ ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا کہ قرآن شریف والے کہ وہ اللہ کے اہل ہیں اور خواص۔

قرآن والے وہ لوگ ہیں جو ہر وقت کلامِ پاک میں مشغول رہتے ہوں، اس کے ساتھ خصوصیّت رکھتے ہوں، ان کا اللہ کے اہل اور خواص ہونا ظاہر ہے اور گذشتہ مضمون سے واضح ہو گیا کہ جب یہ ہر وقت کلامِ پاک میں مشغول رہتے ہیں تو الطافِ باری بھی ہر وقت ان کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور جو لوگ ہر وقت کے پاس رہنے والے ہوتے ہیں وہ اہل اور خواص ہوتے ہیں۔ کس قدر بڑی فضیلت ہے کہ ذرا سی محنت ومشقت سے اللہ

[1] نخوت:- گھمنڈ، غرور

والے بنتے ہیں، اللہ کے اہل شمار کئے جاتے ہیں اور اس کے خواص ہونے کا شرف حاصل ہوجاتا ہے۔ دنیوی دربار میں صرف داخلہ کی اجازت کے لئے، ممبروں میں صرف شمول کے لئے کس قدر جانی اور مالی قربانی کی جاتی ہے، ووٹروں کے سامنے خوشامد کرنی پڑتی ہے، ذِلّتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور اس سب کو کام سمجھا جاتا ہے، لیکن قرآن شریف کی محنت کو بے کار سمجھا جاتا ہے۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجا است تا بہ کجا

(۲۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا اَذِنَ اللّٰهُ لِشَیْءٍ مَا اَذِنَ لِنَبِیٍّ یَتَغَنّٰی بِالْقُرْاٰنِ. (رواه البخاری ومسلم)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ حق سبحانہ اتنا کسی کی طرف توجہ نہیں فرماتے جتنا کہ اس نبی کی آواز کو توجہ سے سنتے ہیں جو کلامِ الٰہی خوش اِلحانی سے پڑھتا ہو۔

پہلے معلوم ہو چکا کہ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے کلام کی طرف خصوصیّت سے توجہ فرماتے ہیں۔ پڑھنے والوں میں انبیاء علیہم السلام چونکہ آدابِ تلاوت کو بکمالہٖ ادا کرتے ہیں، اس لئے ان کی طرف اور زیادہ توجہ ہونا بھی ظاہر ہے، پھر جب کہ حسنِ آواز اس کے ساتھ مل جاوے تو سونے پر سہاگہ ہے، جتنی بھی توجہ ہو ظاہر ہے اور انبیاء علیہم السلام کے بعد اَلْاَفْضَل فَالْاَفْضَل حسبِ حیثیت پڑھنے والے کی طرف توجہ ہوتی ہے۔

(۲۶) عَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَیْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَللّٰهُ اَشَدُّ اُذُنًا اِلٰی قَارِئِ الْقُرْاٰنِ مِنْ صَاحِبِ الْقَیْنَةِ اِلٰی قَیْنَتِهٖ. (رواه ابن ماجة و ابن حبان والحاکم، کذا فی شرح الإحیاء، قلت: و قال الحاکم: صحیح علی شرطهما، وقال الذهبی: منقطع.)

فُضالہ ابن عبید رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ قاری کی آواز کی طرف اس شخص سے زیادہ کان لگاتے ہیں جو اپنی گانے والی باندی کا گانا سن رہا ہو۔

گانے کی آواز کی طرف فطرۃً اور طبعًا توجہ ہوتی ہے، مگر شرعی روک کی وجہ سے دیندار

لوگ ادھر متوجہ نہیں ہوتے، لیکن گانے والی اپنی مملوکہ ہو تو اس کا گانا سننے میں کوئی شرعی نقص بھی نہیں، اس لئے اس طرف کامل توجہ ہوتی ہے، البتہ کلامِ پاک میں یہ ضروری ہے کہ گانے کی آواز میں نہ پڑھا جائے، احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

ایک حدیث میں ہے: "اِیَّاکُمْ وَلُحُوْنَ اَھْلِ الْعِشْقِ" (الحدیث) یعنی اس سے بچو کہ جس طرح عاشق غزلوں کو آواز بنا بنا کر موسیقی قوانین پر پڑھتے ہیں، اس طرح مت پڑھو۔ مشائخ نے لکھا کہ اس طرح کا پڑھنے والا فاسق اور سننے والا گناہ گار ہے، مگر گانے کے قواعد کی رعایت کیے بغیر خوش آوازی مطلوب ہے، حدیث میں مُتعَدِّد جگہ اس کی ترغیب آئی ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ اچھی آواز سے قرآن شریف کو مزین کرو۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ اچھی آواز سے کلام اللہ شریف کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "غُنیہ" میں ارشاد فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کوفہ کے نواح میں جا رہے تھے کہ ایک جگہ فساق کا مجمع ایک گھر میں جمع تھا، ایک گویّا جس کا نام زاذان تھا گا رہا تھا اور سارنگی بجا رہا تھا، ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی آواز سن کر ارشاد فرمایا: کیا ہی اچھی آواز تھی اگر قرآن شریف کی تلاوت میں ہوتی اور اپنے سر پر کپڑا ڈال کر گذرے ہوئے چلے گئے، زاذان نے ان کو بولتے ہوئے دیکھا، لوگوں سے پوچھنے پر معلوم ہوا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور یہ ارشاد فرما گئے۔ اس پر اس مقولہ کی کچھ ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ حد نہیں اور قصّہ مختصر کہ وہ اپنے سب آلات توڑ کر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پیچھے لگ لئے اور علّامۂ وقت ہوئے۔ غرض مُتعَدِّد روایات میں اچھی آواز سے تلات کی مدح آئی ہے، مگر اس کے ساتھ ہی گانے کی آواز میں پڑھنے کی ممانعت آئی ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن شریف کو عرب کی آواز میں پڑھو، عشق بازوں اور یہود و نصاریٰ کی آواز میں مت پڑھو، عنقریب ایک قوم آنے والی ہے جو گانے اور نوحہ کرنے والوں کی طرح سے قرآن شریف کو بنا بنا کر پڑھے گی، وہ تلاوت ذرا بھی ان کے لئے نافع نہ ہوگی، خود بھی وہ لوگ فتنے میں پڑیں گے اور جن کو وہ پڑھنا اچھا معلوم ہوگا ان کو بھی فتنہ میں ڈالیں گے۔ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کسی نے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اچھی آواز سے پڑھنے والا کون شخص ہے؟ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص کہ جب تو اس کو تلاوت کرتے دیکھے تو محسوس کرے کہ اس پر اللہ کا خوف ہے، یعنی اس کی آواز سے مرعوب ہونا محسوس ہوتا ہو۔ اس سب کے ساتھ اللہ جَلَّ وَعَلَا کا بڑا انعام یہ ہے کہ آدمی اپنی حیثیت و طاقت کے موافق اس کا مُکلّف ہے۔ حدیث میں ہے کہ حق سبحانہٗ وتقدس کی طرف سے فرشتہ اس کام پر مقرر ہے کہ جو شخص کلامِ پاک پڑھے اور کماحقہٗ اس کو درست نہ پڑھ سکے تو وہ فرشتہ اس کو درست کرنے کے بعد اوپر لے جاتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ۔

(۲۷) عَنْ عُبَیْدَةَ الْمُلَیْكِیْ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: یَا اَهْلَ الْقُرْاٰنِ! لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْاٰنَ، وَاتْلُوْهُ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ مِنْ اٰنَآءِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ، وَاَفْشُوْهُ، وَتَغَنَّوْهُ وَتَدَبَّرُوْا مَافِیْهِ، لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ، وَلَا تُعَجِّلُوْا ثَوَابَهٗ، فَاِنَّ لَهٗ ثَوَابًا. (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

حضرت عبیدہ مُلَیکی رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے قرآن والو! قرآن شریف سے تکیہ نہ لگاؤ اور اس کی تلاوت شب و روز ایسی کرو جیسا کہ اس کا حق ہے، کلامِ پاک کی اشاعت کرو اور اس کو اچھی آواز سے پڑھو اور اس کے معانی میں تدبُّر کرو تا کہ تم فلاح کو پہنچو اور اس کا بدلہ (دنیا میں) میں طلب نہ کرو کہ (آخرت میں) اس کے لئے بڑا اجر و بدلہ ہے۔

حدیثِ بالا میں چند امور ارشاد فرمائے ہیں:

(۱) قرآن شریف سے تکیہ نہ لگاؤ، قرآن شریف سے تکیہ نہ لگانے کے دو مفہوم ہیں: اوّل یہ کہ اس پر تکیہ نہ لگاؤ کہ یہ خلافِ اَدب ہے، ابنِ حَجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قرآنِ پاک پر تکیہ لگانا، اس کی طرف پاؤں پھیلانا، اس کی طرف پشت کرنا، اس کو روندنا وغیرہ حرام ہے۔ دوسرے یہ کہ کنایہ ہے غفلت سے کہ کلامِ پاک برکت کے واسطے تکیہ ہی پر رکھا رہے، جیسا کہ بعض مزارات پر دیکھا گیا کہ قبر کے سرہانے برکت کے واسطے رِحل پر رکھا رہتا ہے، یہ کلامِ پاک کی حق تلفی ہے۔ اس کا حق یہ ہے کہ اس کی تلاوت کی جائے۔

(۲) اور اس کی تلاوت کرو جیسا کہ اس کا حق ہے یعنی کثرت سے آداب کی رعایت رکھتے

ہوئے۔ خود کلامِ پاک میں بھی اس کی طرف متوجہ فرمایا گیا۔ ارشاد ہے "اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنَاھُمُ الْکِتَابَ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ" (البقرۃ:۱۲۱) (جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے) یعنی جس عزت سے بادشاہ کا فرمان اور جس شوق سے محبوب کا کلام پڑھا جاتا ہے اسی طرح پڑھنا چاہئے۔

(۳) اور اس کی اشاعت کرو یعنی تقریر سے تحریر سے ترغیب سے عملی شرکت سے جس طرح ہو سکے اس کی اشاعت جتنی ہو سکے کرو۔ نبیِ اکرم ﷺ کلامِ پاک کی اشاعت اور اس کے پھیلانے کا حکم فرماتے ہیں، لیکن ہمارے روشن دماغ اس کے پڑھنے کو فضول بتلاتے ہیں اور ساتھ ہی حُبِّ رسول ﷺ اور حُبِّ اسلام کے لمبے چوڑے دعوے بھی ہاتھ سے نہیں جاتے۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اَعْرابی! کیں رہ کہ تو می روی بترکستان است

آقا کا حکم ہے کہ قرآنِ پاک کو پھیلاؤ، مگر ہمارا عمل ہے کہ جو کوشش اس کی رکاوٹ میں ہو سکے دریغ نہ کریں گے۔ جبریہ تعلیم کے قوانین بنوائیں گے تاکہ بچے بجائے قرآنِ پاک کے پرائمری پڑھیں، ہمیں اس پر غصّہ ہے کہ مکتب کے میاں جی بچوں کی عمر ضائع کر دیتے ہیں، اس لئے ہم وہاں نہیں پڑھانا چاہتے۔ مُسلَّم وہ یقیناً کوتاہی کرتے ہیں، مگر ان کی کوتاہی سے آپ سبک دوش ہو جاتے ہیں یا آپ پر سے قرآنِ پاک کی اشاعت کا فریضہ ہٹ جاتا ہے، اس صورت میں تو یہ فریضہ آپ پر عائد ہوتا ہے، وہ اپنی کوتاہیوں کے جواب دہ ہیں، مگر ان کی کوتاہی سے آپ بچوں کو جبراً قرآنِ پاک کے مکاتب سے ہٹا دیں اور ان کے والدین پر نوٹس جاری کرائیں کہ وہ قرآنِ پاک حفظ یا ناظرہ پڑھانے سے مجبور ہوں اور اس کا وبال آپ کی گردن پر رہے، یہ حمّیٰ دِق کا علاج سنکھیا سے نہیں تو اور کیا ہے۔ عدالتِ عالیہ میں اپنے اس جواب کو "اس لئے جبراً تعلیمِ قرآن سے ہٹا دیا کہ مکتب کے میاں جی بہت بری طرح سے پڑھاتے تھے" آپ خود ہی سوچ لیجئے کہ کتنا وزن رکھتا ہے؟ بنئے کی دکان پر جانے کے واسطے یا انگریزوں کی چاکری کے واسطے ۴/۳ کی تعلیم اہمیّت رکھتی ہو، مگر اللہ کے یہاں تعلیمِ قرآن سب سے اہم ہے۔

(۴) خوش آوازی سے پڑھو جیسا کہ اس سے پہلی حدیث میں گذر چکا۔

(۵) اور اس کے معنی میں غور کرو۔ تورات سے ''احیاء'' میں نقل کیا ہے، حق سبحانہٗ وتقدس ارشاد فرماتے ہیں: اے میرے بندے! تجھے مجھ سے شرم نہیں آتی، تیرے پاس راستے میں کسی دوست کا خط آجاتا ہے تو چلتے چلتے راستے میں ٹھہر جاتا ہے، الگ کو بیٹھ کر غور سے پڑھتا ہے، ایک ایک لفظ پر غور کرتا ہے۔ میری کتاب تجھ پر گذرتی ہے، میں نے اس میں سب کچھ واضح کر دیا ہے۔ بعض اہم امور کا بار بار تکرار کیا ہے تا کہ تو اس پر غور کرے اور تو بے پرواہی سے اُڑا دیتا ہے۔ کیا میں تیرے نزدیک تیرے دوستوں سے بھی ذلیل ہوں؟ اے میرے بندے! تیرے بعض دوست تیرے پاس بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں تو ہمہ تن ادھر متوجہ ہو جاتا ہے، کان لگاتا ہے، غور کرتا ہے، کوئی بیچ میں تجھ سے بات کرنے لگتا ہے تو تو اشارے سے اس کو روکتا ہے، منع کرتا ہے۔ میں تجھ سے اپنے کلام کے ذریعے سے باتیں کرتا ہوں اور تو ذرا بھی متوجہ نہیں ہوتا۔ کیا میں تیرے نزدیک تیرے دوستوں سے بھی زیادہ ذلیل ہوں؟ تدبُّر اور غور کرنے کے متعلق کچھ مقدمہ میں اور کچھ حدیث نمبر ۸ کے ذیل میں مذکور ہو چکا ہے۔

(۶) اور اس کا بدلہ دنیا میں نہ چاہو یعنی تلاوت پر کوئی معاوضہ نہ لو کہ آخرت میں اس کا بہت بڑا معاوضہ ملنے والا ہے۔ دنیا میں اگر اس کا معاوضہ لے لیا جاوے گا تو ایسا ہے جیسا کہ روپیوں کے بدلے کوئی شخص کوڑیوں پر راضی ہو جاوے۔ حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب میری امت دینار و درہم کو بڑی چیز سمجھنے لگے گی اسلام کی ہیبت اس سے جاتی رہے گی اور جب اَمر بِالْمَعْرُوف اور نَہی عَنِ الْمُنْکَر چھوڑ دے گی تو برکتِ وحی سے یعنی فہمِ قرآن سے محروم ہو جائے گی۔ کَذَا فِی الْاِحْیَآء، اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْہُ۔

(۲۸) عَنْ وَاثِلَةَ رضی اللہ عنہ رَفَعَهٗ: اُعْطِیْتُ مَکَانَ التَّوْرٰةِ السَّبْعَ، وَاُعْطِیْتُ مَکَانَ الزَّبُوْرِ الْمِئِیْنَ، وَاُعْطِیْتُ مَکَانَ الْاِنْجِیْلِ الْمَثَانِیَ، وَفُضِّلْتُ بِالْمُفَصَّلِ. (لاحمد والکبیر، کذافی جمع الفوائد)

حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس ﷺ سے نقل کیا ہے کہ مجھے تورات کے بدلہ میں سبعِ طُوَل ملی ہیں اور زبور کے بدلہ میں مِئین اور انجیل کے بدلہ میں مَثانی، اور مُفَصَّل مخصوص ہیں میرے ساتھ۔

کلامِ پاک کی اول سات سورتیں طُوَل کہلاتی ہیں، اس کے بعد کی گیارہ سورتیں مِئین

کہلاتی ہیں، اسکے بعد کی بیس سورتیں مَثَانِی۔ اس کے بعد ختم قرآن تک مُفَصَّل، یہ مشہور قول ہے۔ بعض بعض سورتوں میں اختلاف بھی ہے کہ یہ طُوَل میں داخل ہیں یا مِئِین میں، اسی طرح مَثَانِی میں داخل ہیں یا مفصّل میں، مگر حدیث شریف کے مطلب و مقصود میں اس اختلاف سے کوئی فرق نہیں آتا۔ مقصد یہ ہے کہ جس قدر کتبِ مشہورہ سَمَاوِیَّہ پہلے نازل ہوئی ہیں ان سب کی نظیر قرآن شریف میں موجود ہے اور ان کے علاوہ مفصّل اس کلامِ پاک میں مخصوص ہے جس کی مثال پہلی کتابوں میں نہیں ملتی۔

(۲۹) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: جَلَسْتُ فِیْ عِصَابَةٍ مِّنْ ضُعَفَآءِ الْمُهَاجِرِیْنَ، وَ اِنَّ بَعْضَهُمْ لَیَسْتَتِرُ بِبَعْضٍ مِّنَ الْعُرْیِ، وَقَارِئٌ یَّقْرَأُ عَلَیْنَا اِذْ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، فَقَامَ عَلَیْنَا، فَلَمَّا قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: سَكَتَ الْقَارِئُ فَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ: مَا كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ؟ قُلْنَا: نَسْتَمِعُ اِلٰى كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى، فَقَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ اُمِرْتُ اَنْ اَصْبِرَ نَفْسِیْ مَعَهُمْ، قَالَ: فَجَلَسَ وَسْطَنَا لِیَعْدِلَ بِنَفْسِهٖ فِیْنَا، ثُمَّ قَالَ بِیَدِهٖ هٰكَذَا، فَتَحَلَّقُوْا وَبَرَزَتْ وُجُوْهُهُمْ لَهٗ، فَقَالَ: اَبْشِرُوْا یَامَعْشَرَ صَعَالِیْكِ الْمُهَاجِرِیْنَ، بِالنُّوْرِ التَّامِّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ اَغْنِیَاءِ النَّاسِ بِنِصْفِ یَوْمٍ وَذٰلِكَ خَمْسُ مِائَةِ سَنَةٍ. (رواہ ابوداود)

ابو سعید خُدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ضعفاءِ مہاجرین کی جماعت میں ایک مرتبہ بیٹھا ہوا تھا، ان لوگوں کے پاس کپڑا بھی اتنا نہ تھا کہ جس سے پورا بدن ڈھانپ لیں۔ بعض لوگ بعض کی اوٹ کرتے تھے اور ایک شخص قرآن شریف پڑھ رہا تھا کہ اتنے میں حضورِ اقدس ﷺ تشریف فرما ہوئے اور بالکل ہمارے قریب کھڑے ہو گئے۔ حضور ﷺ کے آنے پر قاری چپ ہو گیا تو حضور ﷺ نے سلام کیا اور پھر دریافت فرمایا کہ تم لوگ کیا کر رہے تھے؟ ہم نے عرض کیا کہ کلام اللہ سن رہے تھے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے کہ مجھے ان میں ٹھہرنے کا حکم کیا گیا۔ اس کے بعد حضور ﷺ ہمارے

بیچ میں بیٹھ گئے تا کہ سب کے برابر رہیں، کسی کے قریب کسی سے دور نہ ہوں، اس کے بعد سب کو حلقہ کر کے بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ سب حضور ﷺ کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے فقراء مہاجرین! تمہیں مژدہ ہو قیامت کے دن نُورِ کامل کا اور اس بات کا کہ تم اغنیاء سے آدھے دن پہلے جنّت میں داخل ہو گے اور یہ آدھا دن پانچ سو برس کے برابر ہوگا۔

ننگے بدن سے بظاہر محلِ ستر کے علاوہ مراد ہے، مجمع میں ستر کے علاوہ اور بدن کے کھلنے سے بھی حجاب معلوم ہوا کرتا ہے اس لئے ایک دوسرے کے پیچھے بیٹھ گئے تھے کہ بدن نظر نہ آوے۔ حضور ﷺ کے تشریف لانے کی اول تو ان لوگوں کو اپنی مشغولی کی وجہ سے خبر نہ ہوئی، لیکن جب حضور ﷺ بالکل سر پر تشریف لے آئے تو معلوم ہوا اور قاری ادب کی وجہ سے خاموش ہو گئے۔

حضور ﷺ کا دریافت فرمانا بظاہر اظہارِ مسرت کے لئے تھا، ورنہ حضور ﷺ قاری کو پڑھتے ہوئے دیکھ ہی چکے تھے۔ آخرت کا ایک دن دنیا کے ہزار برس کے برابر ہوتا ہے "وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ" (الحج:۴۷) اور اسی وجہ سے بظاہر جہاں قیامت کا ذکر آتا ہے غَدًا کے ساتھ آتا ہے جس کے معنی کل آئندہ کے ہیں، لیکن یہ سب باعتبار اَغْلَب اور عام مؤمنین کے ہے، ورنہ کافرین کے لئے وارد ہوا ہے: "فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ" (المعارج:۴) ایسا دن جو پچاس ہزار برس کا ہوگا اور خواص مومنین کے لئے حسبِ حیثیت کم معلوم ہوگا، چنانچہ وارد ہوا ہے کہ بعض مومنین کے لئے بمنزلہ دو رکعتِ فجر کے ہوگا۔ قرآن شریف کے پڑھنے کے فضائل جیسا کہ بہت سی روایات میں وارد ہوئے ہیں بے حد ہیں، اس کے سننے کے فضائل بھی مُتعدِّد روایات میں آئے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی کہ سیدُ المرسلین ﷺ کو ایسی مجلس میں شرکت کا حکم ہوا ہے جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوا۔ بعض علماء کا فتویٰ ہے کہ قرآنِ پاک کا سننا پڑھنے سے بھی زیادہ افضل ہے، اس لئے کہ قرآنِ پاک کا پڑھنا نفل ہے اور سننا فرض، اور فرض کا درجہ نفل سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ اس حدیث سے ایک اور مسئلہ بھی مستنبط ہوتا ہے جس میں

علماء کا اختلاف ہے کہ وہ نادار جو صبر کرنے والا ہو اپنے فقر و فاقہ کو کسی پر ظاہر نہ کرتا ہو، وہ افضل ہے یا وہ مالدار جو شکر کرنے والا ہو، حقوق ادا کرنے والا ہو۔ اس حدیث سے صابر حاجت مند کی افضلیت پر استدلال کیا جاتا ہے۔

(۳۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنِ اسْتَمَعَ اِلٰی اٰیَةٍ مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ، كُتِبَتْ لَهٗ حَسَنَةٌ مُّضَاعَفَةٌ، وَ مَنْ تَلَاهَا كَانَتْ لَهٗ نُوْرًا یَّوْمَ الْقِیَامَةِ. (رواه أحمد عن عبادة بن میسرة، واختلف فی توثیقه عن الحسن عن أبی هریرة، والجمهور علی ان الحسن لم یسمع عن أبی هریرة)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے جو شخص ایک آیت کلام اللہ کی سنے اس کے لئے دو چند نیکی لکھی جاتی ہے اور جو تلاوت کرے اس کے لئے قیامت کے دن نُور ہوگا۔"

محدثین نے سَنَد کے اعتبار سے اگرچہ اس میں کلام کیا ہے، مگر مضمون بہت سی روایات سے مُؤَیَّد ہے کہ کلامِ پاک کا سننا بھی بہت اجر رکھتا ہے حتیٰ کہ بعض لوگوں نے اس کو پڑھنے سے بھی افضل بتلایا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے، ارشاد فرمایا کہ مجھے قرآن شریف سنا، میں نے عرض کیا کہ حضور پر تو خود نازل ہی ہوا، حضور کو کیا سناؤں۔ ارشاد ہوا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ سنوں۔ اس کے بعد انہوں نے سنایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ایک مرتبہ سالم مَولیٰ حُذَیفہ رضی اللہ عنہ کلام مجید پڑھ رہے تھے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک کھڑے ہوئے سنتے رہے۔ اَبوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا قرآن شریف سنا تو تعریف فرمائی۔

(۳۱) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْجَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ، وَالْمُسِرُّ بِالْقُرْاٰنِ كَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَةِ. (رواه الترمذی و ابوداود والنسائی والحاکم وقال: علی شرط البخاری)

حضرت عُقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ کلام اللہ کا آواز سے پڑھنے والا علانیہ صدقہ کرنے والے کے مُشابہ ہے اور آہستہ پڑھنے والا خفیہ صدقہ کرنے والے کی مانند ہے۔

صدقہ بعض اوقات علانیہ افضل ہوتا ہے جس وقت دوسروں کی ترغیب کا سبب

ہو یا اور کوئی مصلحت ہو اور بعض اوقات مخفی افضل ہوتا ہے جہاں رِیا کا شبہ ہو یا دوسرے کی تذلیل ہوتی ہو وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح کلام اللہ شریف کا بعض اوقات آواز سے پڑھنا افضل ہے جہاں دوسروں کی ترغیب کا سبب ہو اور اس میں دوسرے کے سننے کا ثواب بھی ہوتا ہے اور بعض اوقات آہستہ پڑھنا افضل ہوتا ہے جہاں دوسروں کو تکلیف ہو یا ریا کا احتمال ہو وغیرہ وغیرہ۔ اسی وجہ سے زور سے اور آہستہ دونوں طرح پڑھنے کی مستقل فضیلتیں بھی آئی ہیں کہ بعض اوقات یہ مناسب تھا اور بعض اوقات وہ افضل تھا۔ آہستہ پڑھنے کی فضیلت پر بہت سے لوگوں نے خود اس صدقہ والی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کتابُ الشعب میں (مگر یہ روایت بقواعد محدثین ضعیف ہے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ آہستہ کا عمل اعلانیہ کے عمل سے ستر حصّہ زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ پکار کر اس طرح مت پڑھو کہ ایک کی آواز دوسرے کے ساتھ خلط ہو جائے۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد نبوی میں ایک شخص کو آواز سے تلاوت کرتے سنا تو اس کو منع کر دیا، پڑھنے والے نے کچھ حجّت کی تو عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر اللہ کے واسطے پڑھتا ہے تو آہستہ پڑھ اور لوگوں کی خاطر پڑھتا ہے تو پڑھنا بیکار ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پکار کر پڑھنے کا ارشاد بھی نقل کیا گیا، شرحِ احیاء میں دونوں طرح کی روایات و آثار ذکر کیے گئے۔

(۳۲) عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ: عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم: اَلْقُرْاٰنُ شَافِعٌ مُّشَفَّعٌ، وَّمَاحِلٌ مُصَدَّقٌ، مَنْ جَعَلَهُ اَمَامَهُ، قَادَهُ اِلَى الْجَنَّةِ، وَمَنْ جَعَلَهُ خَلْفَ ظَهْرِهٖ، سَاقَطَهُ اِلَى النَّارِ. (رواه ابن حبان والحاكم مطولا وصححه)

جابر رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ قرآنِ پاک ایسا شفیع ہے جس کی شفاعت قبول کی گئی اور ایسا جھگڑالو ہے کہ جس کا جھگڑا تسلیم کر لیا گیا، جو شخص اس کو اپنے آگے رکھے اس کو یہ جنّت کی طرف کھینچتا ہے اور جو اس کو پسِ پشت ڈال دے اس کو یہ جہنّم میں گرا دیتا ہے۔

یعنی جس کی یہ شفاعت کرتا ہے اس کی شفاعت حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں مقبول ہے اور جس کے بارے میں جھگڑا کرتا ہے اور جھگڑے کی تفصیل حدیث نمبر ۸ کے ذیل میں گذر

چکی ہے کہ اپنی رعایت رکھنے والوں کے لئے درجات کے بڑھانے میں اللہ کے دربار میں جھگڑتا ہے اور اپنی حق تلفی کرنے والوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ میرا حق کیوں نہیں ادا کیا۔ جو شخص اس کو اپنے پاس رکھ لے یعنی اس کا اتباع اور اس کی پیروی اپنا دستور العمل بنالے اس کو جنّت میں پہنچادیتا ہے اور جو اس کو پشت کے پیچھے ڈال دے یعنی اس کا اتباع نہ کرے اس کا جہنّم میں گرنا ظاہر ہے۔ بندہ کے نزدیک کلامِ پاک کے ساتھ لاپرواہی برتنا بھی اس کے مفہوم میں داخل ہوسکتا ہے۔ متعدِد احادیث میں کلام اللہ شریف کے ساتھ بے پروائی پر وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ بخاری شریف کی اس طویل حدیث میں جس میں نبیِ کریم ﷺ کو بعض سزاؤں کی سیر کرائی گئی، ایک شخص کا حال دکھلایا گیا جس کے سر پر ایک پتھر اس زور سے مارا جاتا تھا کہ اس کا سر کچل جاتا تھا۔ حضور ﷺ کے دریافت فرمانے پر بتلایا گیا کہ اس شخص کو حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنا کلامِ پاک سکھلایا تھا، مگر اس نے نہ شب کو اس کی تلاوت کی نہ دن میں اس پر عمل کیا، لہٰذا قیامت تک اس کے ساتھ یہی معاملہ رہے گا۔ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف کے ساتھ اپنے عذاب سے محفوظ رکھیں کہ درحقیقت کلام اللہ شریف اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کے ساتھ بے توجہی پر جو سزا دی جاوے مناسب ہے۔

(۳۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلصِّيَامُ وَالْقُرْاٰنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ، يَقُوْلُ الصِّيَامُ: رَبِّ! اِنِّىْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّرَابَ فِى النَّهَارِ، فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ. وَيَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ: رَبِّ! مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ، فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ، فَيُشَفَّعَانِ. (رواه أحمد و ابن أبى الدنيا والطبرانى فى الكبير، والحاكم وقال: صحيح على ماشرط مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ روزہ اور قرآن شریف دونوں بندہ کے لئے شفاعت کرتے ہیں، روزہ عرض کرتا ہے کہ یا اللہ! میں نے اس کو دن میں کھانے پینے سے روکے رکھا، میری شفاعت قبول کیجئے اور قرآن شریف کہتا ہے کہ یا اللہ! میں نے رات کو اس کو سونے سے روکا، میری شفاعت قبول کیجئے، پس دونوں کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔

ترغیب میں ''اَلطَّعَامُ وَالشَّرَاب'' کا لفظ ہے جس کا ترجمہ کیا گیا۔ حاکم میں شراب کی جگہ شہوات کا لفظ ہے یعنی میں نے روزہ دار کو دن میں کھانے اور خواہشاتِ نفسانیہ سے روکا، اس میں اشارہ ہے کہ روزہ دار کو خواہشاتِ نفسانیہ سے جدا رہنا چاہئے اگرچہ وہ جائز ہوں جیسا کہ پیار کرنا، لپٹنا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ قرآن مجید جوانمرد کی شکل میں آئے گا اور کہے گا کہ میں ہی ہوں جس نے تجھے راتوں کو جگایا اور دن میں پیاسا رکھا، نیز اس حدیث شریف میں اشارہ ہے اس طرف کہ کلامُ اللہ شریف کے حفظ کا مُقتضٰی یہ ہے کہ رات کو نوافل میں اس کی تلاوت بھی کرے۔ حدیث نمبر ۲۷ میں اس کی تصریح بھی گذر چکی۔ خود کلامِ پاک میں متعدد جگہ اس کی ترغیب نازل ہوئی۔ ایک جگہ ارشاد ہے: ''وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْبِهٖ نَافِلَةً لَّكَ'' (بنی اسرائیل:۷۹) دوسری جگہ ارشاد ہے: ''وَ مِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْلَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا'' (الدھر:۲۶)۔ ایک جگہ ارشاد ہے: ''يَتْلُوْنَ اٰيَاتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ'' (آل عمران:۱۱۳) ایک جگہ ارشاد ہے: ''وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا'' (الفرقان:۶۴) چنانچہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بعض مرتبہ تلاوت کرتے ہوئے تمام تمام رات گذر جاتی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بعض مرتبہ وتر کی ایک رکعت میں وہ تمام قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بھی ایک رات میں تمام قرآن شریف پورا فرمالیا کرتے تھے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے دو رکعت میں کعبہ کے اندر تمام قرآن شریف پڑھا۔ ثابت بُنانی رحمۃ اللہ علیہ دن رات میں ایک قرآن شریف ختم کرتے تھے اور اسی طرح ابوحَرّہ رحمۃ اللہ علیہ بھی۔ ابوشیخ ہُنائی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک رات میں دو قرآن مجید پورے اور تیسرے میں سے دس پارے پڑھے، اگر چاہتا تو تیسرا بھی پورا کرلیتا۔ صالح بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ جب حج کو گئے تو راستے میں اکثر ایک رات میں دو کلام مجید پورے کرتے تھے۔

منصور بن زاذان رحمۃ اللہ علیہ صلوٰۃ الضحیٰ میں ایک کلام مجید اور دوسرا ظہر سے عصر تک پورا کرتے تھے اور تمام رات نوافل میں گذارتے تھے اور اتنا روتے تھے کہ عمامہ کا شملہ تر ہو جاتا تھا۔ اسی طرح اور حضرات بھی جیسا کہ محمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ نے قیام اللیل میں تخریج کیا

ہے۔ شرحِ احیاء میں لکھا ہے کہ سلَف کی عادات ختمِ قرآن مجید میں مختلف رہی ہیں: بعض حضرات ایک ختم روزانہ کرتے تھے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ غیر رمضان المبارک میں، اور بعض دو ختم روزانہ کرتے تھے جیسا کہ خود امام شافعی صاحب کا معمول رمضانُ المبارک میں تھا اور یہی معمول اَسْوَد رحمۃ اللہ علیہ اور صالح بن کَیسان رحمۃ اللہ علیہ، سعید بن جُبَیر رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت کا تھا۔ بعض کا معمول تین ختم روزانہ کا تھا، چنانچہ سُلَیم بن عتر رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے تابعین میں شمار کئے جاتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتحِ مصر میں شریک تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ''قصص'' کا امیر ان کو بنایا تھا۔ ان کا معمول تھا کہ ہر شب میں تین ختم قرآن شریف کے کرتے تھے۔ نَوَوی رحمۃ اللہ علیہ کتابُ الاذکار میں نقل کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ مقدار جو تلاوت کے باب میں ہم کو پہنچی ہے وہ ابن الکاتِب کا معمول تھا کہ دن رات میں آٹھ قرآن شریف روزانہ پڑھتے تھے۔ اِبن قُدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ اس کی کوئی تحدید نہیں، پڑھنے والے کے نَشاط پر موقوف ہے۔ اہلِ تاریخ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ رمضان شریف میں اکسٹھ قرآن شریف پڑھتے تھے، ایک دن کا اور ایک رات کا اور ایک تمام رمضان شریف میں تراویح کا، مگر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین دن سے کم میں ختم کرنے والا تدبر نہیں کر سکتا، اسی وجہ سے ابن حَزم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے تین دن سے کم میں ختم کو حرام بتلایا ہے۔ بندہ کے نزدیک یہ حدیث شریف باعتبار اکثر افراد کے ہے، اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے اس سے کم میں پڑھنا بھی ثابت ہے، اسی طرح زیادتی میں بھی جمہور کے نزدیک تحدید نہیں، جتنے ایام میں بسہولت ہو سکے کلامِ مجید ختم کرے، مگر بعض علماء کا مذہب ہے کہ چالیس دن سے زائد ایک قرآن شریف میں خرچ نہ ہوں جس کا حاصل یہ ہے کہ کم از کم تین پاؤ روزانہ پڑھنا ضروری ہے، اگر کسی وجہ سے کسی دن نہ پڑھ سکے تو دوسرے دن اس کی قضا کر لے۔ غرض چالیس دن کے اندر اندر ایک مرتبہ کلامِ مجید پورا ہو جاوے۔

جمہور کے نزدیک اگرچہ یہ ضروری نہیں مگر جب بعض علماء کا مذہب ہے تو احتیاط اس میں ہے کہ اس سے کم نہ ہو، نیز بعض احادیث سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے،

صاحبِ مجمع نے ایک حدیث نقل کی ہے "مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فِیْ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً فَقَدْ عَزَّبَ" جس شخص نے قرآن شریف چالیس رات میں ختم کیا اس نے بہت دیر کی۔ بعض علماء کا فتویٰ ہے کہ ہر مہینہ میں ایک ختم کرنا چاہئے اور بہتر یہ ہے کہ سات روز میں ایک کلامِ مجید ختم کرلے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا معمول عامۃً یہی نقل کیا جاتا ہے۔ جمعہ کے روز شروع کرے اور سات روز میں ایک منزل روزانہ کر کے پنج شنبہ کے روز ختم کرلے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ پہلے گذر چکا کہ سال میں دو مرتبہ ختم کرنا قرآن شریف کا حق ہے، لہٰذا اس سے کم کسی طرح نہ ہونا چاہئے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ کلامِ پاک کا ختم اگر دن کے شروع میں ہو تو تمام دن، اور رات کے شروع میں ہو تو تمام رات ملائکہ اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ اس سے بعض مشائخ نے استنباط فرمایا ہے کہ گرمی کے ایام میں دن کے ابتدا میں ختم کرے اور موسم سرما میں ابتدائی شب میں تاکہ بہت سا وقت ملائکہ کی دعا کا میسّر ہو۔

(۳۴) عَنْ سَعِیْدِ بْنِ سُلَیْمٍ رحمہ اللہ مُرْسَلًا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا مِنْ شَفِیْعٍ اَفْضَلُ مَنْزِلَةً عِنْدَ اللّٰهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مِنَ الْقُرْاٰنِ، لَا نَبِیٌّ وَ لَا مَلَكٌ وَلَا غَیْرُهٗ. (قال العراقی: رواه عبدالملك بن حبیب، كذافی شرح الاحیاء)

سعید بن سُلَیم رحمہ اللہ حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک کلامِ پاک سے بڑھ کر کوئی سفارش کرنے والا نہ ہوگا، نہ کوئی نبی نہ فرشتہ وغیرہ۔

کلامُ اللہ شریف کا شفیع اور اس درجہ کا شفیع ہونا جس کی شفاعت مقبول ہے اور بھی مُتعدِّد روایات سے معلوم ہو چکا۔ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل سے میرے اور تمہارے لئے اس کو شفیع بنادے نہ کہ فریق مخالف اور مُدَّعِی۔ "لَآلِیْ مَصْنُوْعَه" میں بزّار کی روایت سے نقل کیا ہے اور وضع کا حکم بھی اس پر نہیں لگایا کہ جب آدمی مرتا ہے تو اس کے گھر کے لوگ تجہیز و تکفین میں مشغول ہوتے ہیں اور اس کے سرہانے نہایت حسین و جمیل صورت میں ایک شخص ہوتا ہے، جب کفن دیا جاتا ہے تو وہ شخص کفن کے اور سینہ کے درمیان ہوتا ہے، جب دفن کرنے کے بعد لوگ لوٹتے ہیں اور مُنکر نکیر آتے ہیں تو وہ اس شخص کو علیحدہ کرنا چاہتے ہیں کہ سوال یکسوئی میں

کریں، مگر یہ کہتا ہے کہ یہ میرا ساتھی ہے، میرا دوست ہے، میں کسی حال میں اس کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا، تم سوالات کے اگر مامور ہو تو اپنا کام کرو، میں اس وقت تک اس سے جدا نہیں ہوسکتا کہ جنّت میں داخل کراؤں۔ اس کے بعد وہ اپنے ساتھی کی طرف متوجہ ہو کر کہتا ہے کہ میں ہی وہ قرآن ہوں جس کو تو کبھی بلند پڑھتا تھا اور کبھی آہستہ، تو بے فکر رہ، منکر نکیر کے سوالات کے بعد تجھے کوئی غم نہیں ہے۔ اس کے بعد جب وہ اپنے سوالات سے فارغ ہو جاتے ہیں تو یہ مَلأِ اَعلیٰ سے بستر وغیرہ کا انتظام کرتا ہے جو ریشم کا ہوتا ہے اور اس کے درمیان مُشک بھرا ہوا ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ اپنے فضل سے مجھے بھی نصیب فرماویں اور تمہیں بھی۔ یہ حدیث بڑے فضائل پر شامل ہے جس کو تطویل کے خوف سے مختصر کر دیا ہے۔

(۳۵) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو ﷺ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَقَدِ اسْتَدْرَجَ النُّبُوَّةَ بَيْنَ جَنْبَيْهِ، غَيْرَ اَنَّهٗ لَا يُوْحٰى اِلَيْهِ، لَا يَنْبَغِيْ لِصَاحِبِ الْقُرْاٰنِ اَنْ يَّجِدَ مَعَ مَنْ وَّجَدَ، وَلَا يَجْهَلَ مَعَ مَنْ جَهِلَ وَفِيْ جَوْفِهٖ كَلَامُ اللّٰهِ. (رواه الحاكم وقال: صحيح الإسناد)

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس شخص نے کلام اللہ شریف پڑھا اس نے علومِ نبوت کو اپنی پسلیوں کے درمیان لے لیا، گو اس کی طرف وحی نہیں بھیجی جاتی۔ حاملِ قرآن کے لئے مناسب نہیں کہ غصّہ والوں کے ساتھ غصّہ کرے یا جاہلوں کے ساتھ جہالت کرے، حالانکہ اس کے پیٹ میں اللہ کا کلام ہے۔

چونکہ وحی کا سلسلہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ختم ہو گیا، اس لئے وحی تو اب آ نہیں سکتی لیکن چونکہ یہ حق سبحانہٗ وتقدّس کا پاک کلام ہے اس لئے علمِ نبوت ہونے میں کیا تأمّل ہے اور جب کوئی شخص علومِ نبوت سے نوازا جاوے تو نہایت ہی ضروری ہے کہ اس کے مناسب بہترین اَخلاق پیدا کرے اور بُرے اَخلاق سے احتراز کرے۔ فُضَیل بن عِیاض رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حافِظ قرآن اسلام کا جھنڈا اٹھانے والا ہے، اس کے لئے مناسب نہیں کہ لَہو ولَعِب میں لگنے والوں میں لگ جاوے یا غافلین میں شریک ہو جاوے یا بے کار لوگوں میں داخل ہو جاوے۔

(۳۶)عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ثَلَاثَةٌ لَايَهُوْلُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ لَايَنَالُهُمُ الْحِسَابُ، هُمْ عَلٰى كَثِيْبٍ مِّنْ مِّسْكٍ حَتّٰى يُفْرَغَ مِنْ حِسَابِ الْخَلَآئِقِ: رَجُلٌ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَاَمَّ بِهٖ قَوْمًا وَهُمْ بِهٖ رَاضُوْنَ، وَدَاعٍ يَّدْعُوْ اِلَى الصَّلٰوتِ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ، وَرَجُلٌ اَحْسَنَ فِيْمَا بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ رَبِّهٖ، وَفِيْمَابَيْنَهٗ وَبَيْنَ مَوَالِيْهِ. (رواه الطبرانی فی المعاجم الثلاثة)

اِبنِ عمر رضی اللہ عنہما حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کو قیامت کا خوف دامن گیر نہ ہوگا، نہ ان کو حساب کتاب دینا پڑیگا اتنے مخلوق اپنے حساب کتاب سے فارغ ہو، وہ مُشک کے ٹیلوں پر تفریح کریں گے، ایک وہ شخص جس نے اللہ کے واسطے قرآن شریف پڑھا اور امامت کی اس طرح پر کہ مقتدی اس سے راضی رہے، دوسرا وہ شخص جو لوگوں کو نماز کے لئے بلاتا ہو صرف اللہ کے واسطے۔ تیسرا وہ شخص جو اپنے مالک سے بھی اچھا معاملہ رکھے اور اپنے ماتحتوں سے بھی۔

قیامت کی سختی، اس کی دہشت، اس کا خوف، اس کی مصیبتیں اور تکالیف ایسی نہیں کہ کسی مسلمان کا دل اس سے خالی ہو یا بے خبر ہو۔ اس دن میں کسی بات کی وجہ سے بے فکری نصیب ہو جاوے یہ بھی لاکھوں نعمتوں سے بڑھ کر اور کروڑوں راحتوں سے مُغتنَم ہے، پھر اس کے ساتھ اگر تفریح و تنعّم بھی نصیب ہو جاوے تو خوشا نصیب اس شخص کے جس کو یہ مُیسّر ہو اور بربادی و خسران ہے ان بے حسوں کے لئے جو اس کو لغو بیکار اور اِضاعتِ وقت سمجھتے ہیں۔ معجمِ کبیر میں اس حدیث شریف کے شروع میں روایت کرنے والے صحابی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر میں نے اس حدیث کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ اور ایک مرتبہ اور ایک مرتبہ، غرض سات دفعہ یہ لفظ کہا یعنی اگر سات مرتبہ نہ سنا ہوتا کبھی نقل نہ کرتا۔

(۳۷)عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَااَبَا ذَرٍّ! لَاَنْ تَغْدُوَ فَتَعَلَّمَ اٰيَةً مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ، خَيْرٌ لَّكَ مِنْ

اَبُو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوذر! اگر تو صبح کو جا کر ایک آیت کلام اللہ شریف کی سیکھ

اَنْ تُصَلِّیَ مِائَةَ رَکْعَةٍ، وَلَاَنْ تَغْدُوَ فَتَعَلَّمَ بَابًا مِّنَ الْعِلْمِ عُمِلَ بِهٖ اَوْلَمْ یُعْمَلْ بِهٖ، خَیْرٌ مِّنْ اَنْ تُصَلِّیَ اَلْفَ رَکْعَةٍ. (رواہ ابن ماجة بإسناد حسن)

لے تو نوافل کی سو رکعات سے افضل ہے اور اگر ایک باب علم کا سیکھ لے خواہ اس وقت وہ معمول بہ ہو یا نہ ہو تو ہزار رکعات نفل پڑھنے سے بہتر ہے۔

بہت سی احادیث اس مضمون میں وارد ہیں کہ علم کا سیکھنا عبادت سے افضل ہے۔ فضائلِ علم میں جس قدر روایات وارد ہوئی ہیں ان کا احاطہ بالخصوص اس مختصر رسالہ میں دشوار ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ عالم کی عابد پر فضیلت ایسی ہے جیسا کہ میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ شخص پر۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ شیطان پر ایک فقیہ ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے۔

(۳۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ قَرَأَ عَشْرَ اٰیَاتٍ فِیْ لَیْلَةٍ، لَمْ یُکْتَبْ مِنَ الْغَافِلِیْنَ. (رواہ الحاکم وقال: صحیح علی شرط مسلم)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص دس آیتوں کی تلاوت کسی رات میں کرے وہ اس رات میں غافلین سے شمار نہیں ہوگا۔

دس آیات کی تلاوت سے جس کے پڑھنے میں چند منٹ صرف ہوتے ہیں تمام رات کی غفلت سے نکل جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی۔

(۳۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ حَافَظَ عَلٰی هٰؤُلَاءِ الصَّلَوَاتِ الْمَکْتُوْبَاتِ لَمْ یُکْتَبْ مِنَ الْغَافِلِیْنَ، وَمَنْ قَرَأَ فِیْ لَیْلَةٍ مِائَةَ اٰیَةٍ کُتِبَ مِنَ الْقَانِتِیْنَ. (رواہ ابن خزیمة فی صحیحه والحاکم وقال: صحیح علی شرطهما)

اَبُو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم ﷺ کا اِرشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص ان پانچوں فرض نمازوں پر مُداومت کرے وہ غافلین سے نہیں لکھا جاوے گا، جو شخص سو آیات کی تلاوت کسی رات میں کرے وہ اس رات میں قانتین سے لکھا جاوے گا۔

حَسَن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضورِ اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص سو آیتیں رات کو

پڑھے کلام اللہ شریف کے مطالبے سے بچ جاوے گا، جو دو سو پڑھ لے تو اس کو رات بھر کی عبادت کا ثواب ملے گا اور جو پانچ سو سے ہزار تک پڑھ لے اس کے لئے ایک قِنطار ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ قنطار کیا ہوتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بارہ ہزار کے برابر (درہم مراد ہوں یا دینار)۔

(۴۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: نَزَلَ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ سَتَكُوْنُ فِتَنٌ، قَالَ: فَمَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا، يَاجِبْرَئِيْلُ! قَالَ: كِتَابُ اللّٰهِ. (رواه رزين، كذافي الرحمة المهداة)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ بہت سے فتنے ظاہر ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ ان سے خلاصی کی کیا صورت ہے؟ انہوں نے کہا کہ قرآن شریف۔

کتابُ اللہ پر عمل بھی فتنوں سے بچنے کا کفیل ہے اور اس کی تلاوت کی برکت بھی فتنوں سے خلاصی کا سبب ہے۔ حدیث نمبر ۲۲ میں گذر چکا کہ جس گھر میں کلامِ پاک کی تلاوت کی جاتی ہے سکینہ اور رحمت اس گھر میں نازل ہوتی ہے اور شیاطین اس گھر سے نکل جاتے ہیں۔ فتنوں سے مراد خُروجِ دَجّال، فتنۂ تاتار وغیرہ علماء نے بتلائے ہیں۔ حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ سے بھی ایک طویل روایت میں حدیثِ بالا کا مضمون وارد ہوا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں وارد ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا کہ حق تعالیٰ شانہٗ تم کو اپنے کلام کے پڑھنے کا حکم فرماتا ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی قوم اپنے قلعہ میں محفوظ ہو اور اس کی طرف کوئی دشمن متوجہ ہو کہ جس جانب سے بھی وہ حملہ کرنا چاہے اسی جانب میں اللہ کے کلام کو اس کا محافظ پاوے گا اور وہ اس دشمن کو دفع کر دے گا۔

خاتمہ

فِیْ عِدَّةِ رِوَایَاتٍ زَائِدَةٍ عَلَی الْاَرْبَعِیْنَةِ، لَابُدَّ مِنْ ذِکْرِ هَا لِاَغْرَاضٍ تُنَاسِبُ الْمَقَامَ

(۱) عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَیْرٍ رحمہ اللہ مُرْسَلاً قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ فَاتِحَةِ الْکِتَابِ: شِفَآءٌ مِّنْ کُلِّ دَاءٍ. (رواه الدارمی والبیهقی فی شعب الإیمان)

عبدالملک بن عمیر رحمہ اللہ علیہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ میں ہر بیماری سے شفا ہے۔

خاتمہ میں بعض ایسی سورتوں کے فضائل ہیں جو پڑھنے میں بہت مختصر لیکن فضائل میں بہت بڑھی ہوئی ہیں اور اسی طرح دو ایک ایسے خاص امر ہیں جن پر تنبیہ قرآن پڑھنے والے کے لئے ضروری ہے۔

سورۂ فاتحہ کے فضائل بہت سی روایات میں وارد ہوئے ہیں: ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا، وہ نماز کی وجہ سے جواب نہ دے سکے۔ جب فارغ ہو کر حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پکارنے پر جواب کیوں نہیں دیا؟ انہوں نے نماز کا عذر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن شریف کی آیت میں نہیں پڑھا: "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ" (الانفال: ۶۴) (اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار کا جواب دو جب بھی وہ تم کو بلاویں) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تجھے قرآن شریف کی سب سے بڑی سورت یعنی سب سے افضل بتلاؤں؟ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ اَلْحَمْدُ کی سات آیتیں ہیں، یہ سبعِ مَثَانی ہیں اور قرآنِ عظیم۔ بعض صوفیاء سے منقول ہے کہ جو کچھ پہلی کتابوں میں تھا وہ سب کلامِ پاک میں آ گیا اور جو کلامِ پاک میں ہے وہ سب سورۂ فاتحہ میں آ گیا اور جو کچھ فاتحہ میں ہے وہ بسم اللہ میں آ گیا اور جو بسم اللہ میں ہے وہ اس کی "ب" میں آ گیا۔ اس کی شرح بتلاتے ہیں کہ "ب" کے معنی اس جگہ ملانے کے ہیں اور مقصود سب چیز سے بندہ کا اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے ساتھ ملا دینا ہے۔ بعض نے اس کے آگے اضافہ کیا ہے کہ "ب" میں جو کچھ ہے وہ اس کے نقطہ میں آ گیا یعنی وحدانیت، کہ نقطہ اصطلاح میں کہتے ہیں اس چیز کو جس کی تقسیم نہ

ہوسکتی ہو۔ بعض مشائخ سے منقول ہے کہ "اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ" (الفاتحہ:۴) میں تمام مقاصد دینی و دنیوی آگئے۔

ایک دوسری روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس جیسی سورت نازل نہیں ہوئی، نہ تورات میں، نہ انجیل میں، نہ زبور میں، نہ بقیہ قرآنِ پاک میں۔ مشائخ نے لکھا ہے کہ اگر سورۂ فاتحہ کو ایمان و یقین کے ساتھ پڑھے تو ہر بیماری سے شفا ہوتی ہے، دینی ہو یا دنیوی، ظاہری ہو یا باطنی، لکھ کر لٹکانا اور چاٹنا بھی امراض کے لئے نافع ہے۔ صحاح کی کتابوں میں وارد ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے سانپ بچھو کے کاٹے ہوؤں پر اور مرگی والوں پر اور دیوانوں پر سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جائز بھی رکھا۔ نیز ایک روایت میں آیا ہے کہ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت کو دم فرمایا اور یہ سورت پڑھ کر لُعابِ دہن درد کی جگہ لگایا اور ایک روایت میں آیا ہے کہ جو شخص سونے کے ارادہ سے لیٹے اور سورۂ فاتحہ اور "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھ کر اپنے اوپر دم کرلے، موت کے سوا ہر بلا سے امن پاوے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ سورۂ فاتحہ ثواب میں دو تہائی قرآن کے برابر ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ عرش کے خاص خزانہ سے مجھ کو چار چیزیں ملی ہیں کہ اور کوئی چیز اس خزانہ سے کسی کو نہیں ملی: (۱) سورۂ فاتحہ (۲) آیۃ الکُرسی (۳) سورۂ بقرہ کی آخری آیات (۴) اور سورۂ کوثر۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جس نے سورۂ فاتحہ کو پڑھا اس نے گویا تورات، انجیل، زبور اور قرآن شریف کو پڑھا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ ابلیس کو اپنے اوپر نوحہ اور زاری اور سر پر خاک ڈالنے کی چار مرتبہ نوبت آئی: اوّل جب کہ اس پر لعنت ہوئی، دوسرے جب کہ اس کو آسمان سے زمین پر ڈالا گیا۔ تیسرے جب کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی، چوتھے جب کہ سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔

شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور دردِ گردہ کی شکایت کی، شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اَسَاسُ القُرآن پڑھ کر درد کی جگہ دم کر۔ اس نے پوچھا کہ اَساسُ القرآن کیا ہے؟ شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: سورۂ فاتحہ۔ مشائخ کے اعمالِ مُجرَّب میں لکھا ہے کہ

سورۂ فاتحہ اسمِ اعظم ہے، ہر مطلب کے لئے پڑھنی چاہئے اور اس کے دو طریقے ہیں: ایک یہ کہ صبح کی سنت اور فرض کے درمیان بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے میم کے ساتھ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کا لام ملا کر اکتالیس بار چالیس دن تک پڑھے، جو مطلب ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ حاصل ہوگا اور اگر کسی مریض یا جادو کئے ہوئے کے لئے ضرورت ہو تو پانی پر دم کر کے اس کو پلاوے۔ دوسرے یہ کہ نوچندی اتوار کو صبح کی سنت اور فرض کے درمیان بلا قید میم مِلانے کے ستر بار پڑھے اور اس کے بعد ہر روز اسی وقت پڑھے اور دس دس بار کم کرتا جاوے، یہاں تک کہ ہفتہ ختم ہو جاوے۔ اول مہینے میں اگر مطلب پورا ہو جاوے فَبِھا، ورنہ دوسرے تیسرے مہینے میں اسی طرح کرے، نیز اس سورت کا چینی کے برتن پر گلاب اور مُشک و زعفران سے لکھ کر اور دھو کر پلانا چالیس روز تک، امراضِ مُزمِنہ (یعنی پرانے امراض) کے لئے مجرب ہے، نیز دانتوں کے درد اور سر کے درد، پیٹ کے درد کے لئے سات بار پڑھ کر دم کرنا مجرب ہے (یہ سب مضمون ''مظاہرِ حق'' سے مختصر طور سے نقل کیا گیا)۔

مسلم شریف کی ایک حدیث میں ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا سے روایت ہے کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ایک مرتبہ تشریف فرما تھے۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ آسمان کا ایک دروازہ آج کھلا ہے جو آج سے قبل کبھی نہیں کھلا تھا، پھر اس میں سے ایک فرشتہ نازل ہوا۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ یہ ایک فرشتہ نازل ہوا جو آج سے قبل کبھی نازل نہیں ہوا تھا، پھر اس فرشتہ نے عرض کیا کہ دو نوروں کی بشارت لیجئے جو آپ سے قبل کسی کو نہیں دیئے گئے۔ ایک سورۂ فاتحہ، دوسرا خاتمہ سورۂ بقرہ یعنی سورۂ بقرہ کا اخیر رکوع۔ ان کو نُور اس لئے فرمایا کہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والے کے آگے آگے چلیں گے۔

(۲) عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِیْ رَبَاحٍ رحمہ اللہ قَالَ: بَلَغَنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: مَنْ قَرَأَ یٰسٓ فِیْ صَدْرِ النَّھَارِ، قُضِیَتْ حَوَائِجُہٗ (رواہ الدارمی)

عَطاء بن ابی رَباح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے حضورِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا یہ ارشاد پہنچا ہے کہ جو شخص سورۂ یٰسٓ کو شروع دن میں پڑھے اس کی تمام دن کی حوائج پوری ہو جائیں۔

احادیث میں سورۂ یٰسٓ کے بھی بہت سے فضائل وارد ہوئے ہیں۔ ایک روایت میں

وارد ہوا ہے کہ ہر چیز کے لئے ایک دل ہوا کرتا ہے، قرآن شریف کا دل سورۂ یٰسٓ ہے۔ جو شخص سورۂ یٰسٓ پڑھتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ اس کے لئے دس قرآنوں کا ثواب لکھتا ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے سورۂ طٰہٰ اور سورۂ یٰسٓ کو آسمان وزمین کے پیدا کرنے سے ہزار برس پہلے پڑھا۔ جب فرشتوں نے سنا تو کہنے لگے کہ خوشحالی ہو اس اُمت کے لئے جن پر یہ قرآن اُتارا جائے گا اور خوشحالی ہے ان دِلوں کے لئے جو اس کو اٹھائیں گے یعنی یاد کریں گے اور خوشحالی ہے ان زبانوں کے لئے جو اس کو تلاوت کریں گی۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص سورۂ یٰسٓ کو صرف اللہ کی رضا کے واسطے پڑھے اس کے پہلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں، پس اس سورۃ کو اپنے مردوں پر پڑھا کرو۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ سورۂ یٰسٓ کا نام توراۃ میں منعِمہ ہے کہ اپنے پڑھنے والے کے لئے دنیا وآخرت کی بھلائیوں پر مشتمل ہے اور یہ دنیا وآخرت کی مصیبت کو دور کرتی ہے اور آخرت کی ہَول کو دور کرتی ہے۔ اس سورۃ کا نام رافِعَہ خافِضَہ بھی ہے یعنی مومنوں کے رُتبے بلند کرنے والی اور کافروں کو پست کرنے والی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ سورۂ یٰسٓ میرے ہر امتی کے دل میں ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ جس نے سورۂ یٰس کو ہر رات میں پڑھا پھر مر گیا تو شہید مرا۔

ایک روایت میں ہے کہ جو یٰسٓ کو پڑھتا ہے اس کی مغفرت کی جاتی ہے اور جو بھوک کی حالت میں پڑھتا ہے وہ سیر ہو جاتا ہے اور جو راستہ گم ہو جانے کی وجہ سے پڑھتا ہے وہ راستہ پالیتا ہے اور جو شخص جانور کے گم ہو جانے کی وجہ سے پڑھے وہ پالیتا ہے اور جو ایسی حالت میں پڑھے کہ کھانا کم ہو جانے کا خوف ہو تو وہ کھانا کافی ہو جاتا ہے اور جو ایسے شخص کے پاس پڑھے جو نزع میں ہو تو اس پر نزع میں آسانی ہو جاتی ہے اور جو ایسی عورت پر پڑھے جس کو بچہ ہونے میں دشواری ہو رہی ہو اس کے لئے بچہ جننے میں سہولت ہوتی ہے۔ مُقری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب بادشاہ یا دشمن کا خوف ہو اور اس کے لئے سورۂ یٰسٓ پڑھے تو وہ خوف جاتا رہتا ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جس نے سورۂ یٰسٓ اور وَالصّٰفّٰت جمعہ کے دن پڑھی اور پھر اللہ سے دعا کی، اس کی دعا پوری ہوتی ہے (اس کا بھی اکثر مظاہرِ حق

سے منقول ہے، مگر مشائخ حدیث کو بعض روایات کی صحت میں کلام ہے)

(۳) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْوَاقِعَةِ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ، لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ اَبَدًا، وَكَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ يَأْمُرُ بَنَاتِهٖ يَقْرَأْنَ بِهَا كُلَّ لَيْلَةٍ. (رواه البيهقي في الشعب)

ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھے اس کو کبھی فاقہ نہیں ہو گا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنی بیٹیوں کو حکم فرمایا کرتے تھے کہ ہر شب میں اس سورۃ کو پڑھیں۔

سورۂ واقعہ کے فضائل بھی متعدد روایات میں وارد ہوئے ہیں: ایک روایت میں آیا ہے کہ جو شخص سورۂ حدید، سورۂ واقعہ اور سورۂ رحمٰن پڑھتا ہے وہ جنّت الفردوس کے رہنے والوں میں پکارا جاتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ سورۂ واقعہ سورۂ غِنٰی ہے، اس کو پڑھو اور اپنی اولاد کو سکھاؤ۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کو اپنی بیبیوں کو سکھاؤ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس کے پڑھنے کی تاکید منقول ہے، مگر بہت ہی پست خیالی ہے کہ چار پیسے کے لئے اس کو پڑھا جاوے، البتہ اگر غِنائے قلب اور آخرت کی نیت سے پڑھے تو دنیا خود بخود ہاتھ جوڑ کر حاضر ہوگی۔

(۴) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ سُوْرَةً فِي الْقُرْاٰنِ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتّٰى غُفِرَلَهٗ، وَهِيَ تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ. (رواه ابو داود و أحمد والنسائي وابن ماجة والحاكم وصححه و ابن حبان في صحيحه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ قرآن شریف میں ایک سورت تیس آیات کی ایسی ہے کہ وہ اپنے پڑھنے والے کی شفاعت کرتی رہتی ہے یہاں تک کہ اس کی مغفرت کراوے، وہ سورت "تَبَارَكَ الَّذِيْ" ہے۔

سورۂ تَبَارَكَ الَّذِي کے متعلق بھی ایک روایت میں حضور ﷺ کا ارشاد آیا ہے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ یہ سورۃ ہر مومن کے دل میں ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ جس نے "تَبَارَكَ الَّذِي" اور "الٓمّٓ سَجْدَه" کو مغرب اور عشاء کے درمیان پڑھا، گویا اس نے لَيْلَةُ الْقَدْر میں قیام کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ جس نے ان دونوں سورتوں کو پڑھا اس

کے لئے ستر نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ستر برائیاں دور کی جاتی ہیں، ایک روایت میں ہے کہ جس نے ان دونوں سورتوں کو پڑھا اس کے لئے عبادتِ لیلۃ القدر کے برابر ثواب لکھا جاتا ہے۔ (کذا فی المظاہر)

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک جگہ خیمہ لگایا، ان کو علم نہ تھا کہ وہاں قبر ہے۔ اچانک ان خیمہ لگانے والوں نے اس جگہ کسی کو سورۂ تبارک الذی پڑھتے ہوئے سنا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سورۃ اللہ کے عذاب سے روکنے والی ہے اور نجات دینے والی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نہ سوتے تھے جب تک "الٓمٓ سجدہ" اور "سورۂ تبارک الذی" نہ پڑھ لیتے تھے۔ خالد بن مَعدان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ ایک شخص بڑا گناہ گار تھا اور سورۂ سجدہ پڑھا کرتا تھا، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں پڑھتا تھا۔ اس سورت نے اپنے پَر اس شخص پر پھیلا دیئے کہ اے رب! یہ شخص میری بہت تلاوت کرتا تھا، اس کی شفاعت قبول کی گئی اور حکم ہوگیا کہ ہر خطا کے بدلے میں ایک نیکی دی جائے۔ خالد بن معدان رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی کہتے ہیں کی یہ سورت اپنے پڑھنے والے کی طرف سے قبر میں جھگڑتی ہے اور کہتی ہے کہ اگر میں تیری کتاب میں سے ہوں تو میری شفاعت قبول کر، ورنہ مجھے اپنی کتاب سے مٹادے اور بمنزلۂ پرندہ کے بن جاتی ہے اور اپنے پَر میت پر پھیلا دیتی ہے اور اس پر عذابِ قبر ہونے سے مانع ہوتی ہے اور یہی سارا مضمون وہ "تَبَارَکَ الذی" کے بارے میں بھی کہتے ہیں۔ خالد بن معدان رحمۃ اللہ علیہ اس وقت تک نہ سوتے تھے جب تک دونوں سورتیں نہ پڑھ لیتے۔ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں سورتیں تمام قرآن کی ہر سورۃ پر ساٹھ نیکیاں زیادہ رکھتی ہیں۔ عذابِ قبر کوئی معمولی چیز نہیں، ہر شخص کو مرنے کے بعد سب سے پہلے قبر سے سابقہ پڑتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ ریش مبارک تر ہوجاتی۔ کسی نے پوچھا کہ آپ جنّت وجہنّم کے تذکرہ سے بھی اتنا نہیں روتے جتنا کہ قبر سے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قبر منازلِ آخرت میں سب سے پہلی منزل ہے، جو شخص اس کے عذاب سے نجات پالے آئندہ کے واقعات اس

کے لئے سہل ہوتے ہیں اور اگر اس سے نجات نہ پائے تو آنے والے حوادث اس سے سخت ہوتے ہیں۔ نیز میں نے یہ بھی سنا ہے کہ قبر سے زیادہ مُتوحِّش کوئی منظر نہیں۔ (جمع الفوائد)

اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ بِفَضْلِكَ وَمَنِّكَ۔

(۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما اَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: اَلْحَالُّ الْمُرْتَحِلُ، قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا الْحَالُّ الْمُرْتَحِلُ؟ قَالَ: صَاحِبُ الْقُرْاٰنِ يَضْرِبُ مِنْ اَوَّلِهٖ حَتّٰى يَبْلُغَ اٰخِرَهٗ، وَمِنْ اٰخِرِهٖ حَتّٰى يَبْلُغَ اَوَّلَهٗ، كُلَّمَا حَلَّ ارْتَحَلَ. (رواه الترمذی كما فی الرحمة، والحاكم وقال: تفرد به صالح المزي وهو من زهاد أهل البصرة، إلا أن الشيخين لم يخرجا ه، وقال الذهبی: صالح متروك، قلت: هو من رواة أبی داؤد والترمذی)

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ بہترین اعمال میں سے کونسا عمل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حال مُرتحل۔ لوگوں نے پوچھا کہ حال مُرتحل کیا چیز ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ صاحبُ القرآن ہے جو اول سے چلے حتیٰ کہ اخیر تک پہنچے اور اخیر کے بعد پھر اول پر پہنچے، جہاں ٹھہرے پھر آگے چل دے۔

حال کہتے ہیں منزل پر آنے والے کو اور مُرتَحِل کوچ کرنے والے کو، یعنی یہ کہ جب کلامِ پاک ختم ہو جائے تو پھر از سرِ نو شروع کرے، یہ نہیں کہ بس اب ختم ہو گیا دوبارہ پھر دیکھا جائے گا۔ کنزُ العُمّال کی ایک روایت میں اس کی شرح وارد ہوئی ہے: اَلْخَاتِمُ الْمُفَتِّحُ ختم کرنے والا اور ساتھ ہی شروع کرنے والا، یعنی ایک قرآن ختم کرنے کے بعد ساتھ ہی دوسرا شروع کر لے۔ اسی سے غالباً وہ عادت ماخوذ ہے جو ہمارے دِیار میں متعارف ہے کہ ختمِ قرآن شریف کے بعد مُفْلِحُوْن تک پڑھا جاتا ہے، مگر اب لوگ اسی کو مستقل ادب سمجھتے ہیں اور پھر پورا کرنے کا اہتمام نہیں کرتے، حالانکہ ایسا نہیں بلکہ دراصل معًا دوسرا قرآن شریف شروع کرنا بظاہر مقصود ہے جس کو پورا بھی کرنا چاہئے۔ شرحِ احیاء میں اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''اِتقان'' میں بروایت دارمی نقل کیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھا کرتے تو سورۂ بقرہ سے مُفْلِحُوْنَ تک ساتھ ہی پڑھتے

اوراس کے بعد ختمِ قرآن کی دعا فرماتے تھے۔

(٦) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: تَعَاهَدُوا الْقُرْاٰنَ: فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَهُوَ اَشَدُّ تَفَصِّیًا مِّنَ الْاِبِلِ فِیْ عُقُلِهَا. (رواہ البخاری و مسلم)

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ قرآن شریف کی خبر گیری کیا کرو، قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ قرآنِ پاک جلد نکل جانے والا ہے سینوں سے بہ نسبت اونٹ کے اپنی رسیوں سے۔

یعنی آدمی اگر جانور کی حفاظت سے غافل ہو جاوے اور وہ رسی سے نکل جاوے تو بھاگ جاوے گا، اسی طرح کلامِ پاک کی اگر حفاظت نہ کی جاوے تو وہ بھی یاد نہیں رہے گا اور بھول جاوے گا، اور اصل بات یہ ہے کہ کلام اللہ شریف کا حفظ یاد ہو جانا درحقیقت یہ خود قرآن شریف کا ایک کھلا ہوا معجزہ ہے ورنہ اس سے آدھی تہائی مقدار کی کتاب بھی یاد ہونا مشکل ہی نہیں بلکہ قریب بہ محال ہے۔ اسی وجہ سے حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کے یاد ہو جانے کو سورۂ قمر میں بطورِ احسان کے ذکر فرمایا اور بار بار اس پر تنبیہ فرمائی: "وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ" (القمر:۷) کہ ہم نے کلامِ پاک کو حفظ کرنے کے لئے سہل کر رکھا ہے، کوئی ہے حفظ کرنے والا۔ صاحبِ جلالین رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ استفہام اس آیت میں امر کے معنی میں ہے، تو جس چیز کو حق تعالیٰ شانہ بار بار تاکید سے فرما رہے ہوں اس کو ہم مسلمان لغو اور حماقت اور بیکار اضاعتِ وقت سے تعبیر کرتے ہوں۔ اس حماقت کے بعد پھر بھی ہماری تباہی کے لئے کسی اور چیز کے انتظار کی ضرورت باقی ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ حضرت عُزیر علیہ السلام اگر اپنی یاد سے تورات لکھا دیں تو اس کی وجہ سے اللہ کے بیٹے پکارے جاویں اور مسلمانوں کے لئے اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے اس لطف و احسان کو عام فرما رکھا ہے تو اس کی یہ قدر دانی کی جاوے "فَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ" (الشعراء:۲۲۷)۔

بالجملہ یہ محض حق تعالیٰ شانہٗ کا لطف و انعام ہے کہ یہ یاد ہو جاتا ہے۔ اس کے

بعد اگر کسی شخص کی طرف سے بے توجہی پائی جاتی ہے تو اس سے بھلا دیا جاتا ہے، قرآن شریف پڑھ کر بھلا دینے میں بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھ پر امت کے گناہ پیش کئے گئے، میں نے اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں پایا کہ کوئی شخص قرآن شریف پڑھ کر بھلا دے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ جو شخص قرآن شریف پڑھ کر بھلا دے قیامت کے دن اللہ کے دربار میں کوڑھی حاضر ہوگا۔ ''جمع الفوائد'' میں رزین کی روایت سے آیتِ ذیل کو دلیل بنایا ہے ''اِقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ'' '' قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا'' (طٰہٰ:۱۲۵) جو شخص ہمارے ذکر سے اعراض کرتا ہے اس کی زندگی تنگ کر دیتے ہیں اور قیامت کے روز اس کو اندھا اٹھائیں گے۔ وہ عرض کرے گا کہ یا اللہ! میں تو آنکھوں والا تھا، مجھے اندھا کیوں کر دیا؟ ارشاد ہوگا: اس لئے کہ تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا۔ پس آج تو بھی اسی طرح بھلا دیا جائے گا، یعنی تیری کوئی اعانت نہیں۔

(۷) عَنْ بُرَيْدَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ يَتَاكَّلُ بِهِ النَّاسَ، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَوَجْهُهٗ عَظْمٌ، لَيْسَ عَلَيْهِ لَحْمٌ. (رواہ البیهقی فی شعب الإیمان)

حضرت بُرَیدہ رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے تاکہ اس کی وجہ سے کھاوے لوگوں سے، قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کا چہرہ محض ہڈی ہوگا جس پر گوشت نہ ہوگا۔

یعنی جو لوگ قرآن شریف کو طلبِ دنیا کی غرض سے پڑھتے ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہم قرآن شریف پڑھتے ہیں اور ہم میں عجمی و عربی ہر طرح کے لوگ ہیں، جس طرح پڑھتے ہو پڑھتے رہو۔ عنقریب ایک جماعت آنے والی ہے جو قرآن شریف کے حروف کو اس طرح سیدھا کریں گے جس طرح تیر سیدھا کیا جاتا ہے یعنی خوب سنواریں گے، ایک ایک حرف کو گھنٹوں درست کریں گے اور مخارج کی رعایت میں خوب تکلف کریں گے اور یہ سب دنیا کے واسطے ہوگا، آخرت سے

ان لوگوں کو کچھ بھی سروکار نہ ہوگا۔ مقصد یہ ہے کہ محض خوش آوازی بیکار ہے جب کہ اس میں اخلاص نہ ہو، محض دنیا کمانے کے واسطے کیا جاوے۔ چہرہ پر گوشت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے اشرفُ الاَشیاء کو ذلیل چیز کمانے کا ذریعہ کیا تو اشرفُ الاَعضاء چہرہ کو رونق سے محروم کر دیا جائے گا۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا ایک واعظ پر گذر ہوا جو تلاوت کے بعد لوگوں سے کچھ طلب کر رہا تھا، یہ دیکھ کر انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھی اور فرمایا کہ میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص تلاوت کرے، اس کو جو مانگنا ہو اللہ سے مانگے۔ عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو پڑھنے کے بعد لوگوں سے بھیک مانگیں گے۔ مشائخ سے منقول ہے کہ جو شخص علم کے ذریعے سے دنیا کماوے اس کی مثال ایسی ہے کہ جوتے کو اپنے رخسار سے صاف کرے۔ اس میں شک نہیں کہ جوتا تو صاف ہو جاوے گا، مگر چہرہ سے صاف کرنا حماقت کی مُنتہا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوا ہے "اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدٰى" (البقرۃ:۱۶) (یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی خریدی ہے، پس نہ ان کی تجارت کچھ نفع والی ہے اور نہ یہ لوگ ہدایت یافتہ ہیں) اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو قرآن شریف کی ایک سورت پڑھائی تھی، اس نے ایک کمان مجھے ہدیہ کے طور سے دی۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جہنم کی ایک کمان تو نے لے لی۔ اسی طرح کا واقعہ عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے اپنے متعلق نقل کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب یہ نقل کیا کہ جہنم کی ایک چنگاری اپنے مونڈھوں کے درمیان لٹکا دی۔ دوسری روایت میں ہے کہ اگر تو چاہے کہ جہنم کا ایک طوق گلے میں ڈالے تو اس کو قبول کر لے۔

یہاں پہنچ کر میں ان حفاظ کی خدمت میں جن کا مقصود قرآن شریف کے مکتبوں سے فقط پیسہ ہی کمانا ہے بڑے ادب سے عرض کروں گا کہ لِلّٰہ اپنے منصب اور اپنی ذمہ داری کا لحاظ کیجئے۔ جو لوگ آپ کی بدنیتیوں کی وجہ سے کلام مجید پڑھانا یا حفظ کرانا بند کرتے ہیں اس کے وبال میں وہ تنہا گرفتار نہیں، خود آپ لوگ بھی اس کے جواب دِہ اور قرآنِ پاک کے

بند کرنے والوں میں شریک ہیں۔ آپ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم اشاعت کرنے والے ہیں، لیکن درحقیقت اس اِشاعت کے روکنے والے ہم ہی لوگ ہیں جن کی بداَطواریاں اور بدنیتیاں دنیا کو مجبور کر رہی ہیں کہ وہ قرآنِ پاک ہی کو چھوڑ بیٹھیں۔ علماء نے تعلیم کی تنخواہ کو اس لئے جائز نہیں فرمایا کہ ہم لوگ اسی کو مقصود بنالیں، بلکہ حقیقتاً مُدَرِّسین کی اصل غرض صرف تعلیم اور اِشاعتِ علم وقرآن شریف ہونے کی ضرورت ہے اور تنخواہ اس کا معاوضہ نہیں بلکہ رفعِ ضرورت کی ایک صورت ہے جس کو مجبوراً اور اضطرار کی وجہ سے اختیار کیا گیا۔

تَتِمّہ

قرآنِ پاک کے ان سب فضائل اور خوبیوں کے ذکر کرنے سے مقصود اس کے ساتھ محبت پیدا کرنا ہے، اس لئے کہ کلام اللہ شریف کی محبت حق تعالیٰ شانہٗ کی محبت کے لئے لازم وملزوم ہے اور ایک کی محبت دوسرے کی محبت کا سبب ہوتی ہے۔ دنیا میں آدمی کی خلقت صرف اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی معرفت کے لئے ہوئی ہے اور آدمی کے علاوہ سب چیز کی خلقت آدمی کے لئے۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک درکارند — تا تو نانے بکف آری وبغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار — شرطِ انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نبری

کہتے ہیں بادل وہوا، چاند وسورج، آسمان وزمین، غرض ہر چیز تیری خاطر کام میں مشغول ہے تاکہ تو اپنی حوائج ان کے ذریعے سے پوری کرے اور عبرت کی نگاہ سے دیکھے کہ آدمی کی ضروریات کے لئے یہ سب چیزیں کس قدر فرماں بردار و مطیع اور وقت پر کام کرنے والی ہیں اور تنبیہ کے لئے کبھی کبھی ان میں تَخَلُّف بھی تھوڑی دیر کے لئے کر دیا جاتا ہے۔ بارش کے وقت بارش نہ ہونا، ہَوا کے وقت ہَوا نہ چلنا، اسی طرح گرہن کے ذریعے سے چاند سورج، غرض ہر چیز میں کوئی تغیّر بھی پیدا کیا جاتا ہے تاکہ ایک غافل کے لئے تنبیہ کا تازیانہ بھی لگے۔ اس سب کے بعد کس قدر حیرت کی بات ہے کہ تیری وجہ سے یہ سب چیزیں تیری ضروریات کے تابع کی جاویں اور ان کی فرماں برداری بھی تیری اطاعت اور

فرمانبرداری کا سبب نہ بنے، اور اطاعت وفرمانبرداری کے لئے بہترین معین محبت ہے "اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ" جب کسی شخص سے محبت ہو جاتی ہے، عشق وفریفتگی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کی اطاعت وفرماں برداری طبیعت اور عادت بن جاتی ہے اور اس کی نافرمانی ایسی ہی گراں اور شاق ہوتی ہے جیسے کہ بغیر محبت کے کسی کی اطاعت خلافِ عادت وطبع ہونے کی وجہ سے بار ہوتی ہے، کسی چیز سے محبت پیدا کرنے کی صورت اس کے کمالات وجمال کا مشاہدہ ہے، حواسِ ظاہرہ سے ہو یا حواسِ باطنہ میں اِستحضار سے۔ اگر کسی کے چہرے کو دیکھ کر بے اختیار اس سے وابستگی ہو جاتی ہے تو کسی کی دل آویز آواز بھی بسا اوقات مقناطیس کا اثر رکھتی ہے۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد　　بسا کیں دولت از گفتار خیزد

عشق ہمیشہ صورت ہی سے پیدا نہیں ہوتا بسا اوقات یہ مبارک دولت بات سے بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ کان میں آواز پڑ جانا اگر کسی کی طرف بے اختیار کھینچتا ہے تو کسی کے کلام کی خوبیاں، اس کے جوہر، اس کے ساتھ الفت کا سبب بن جاتی ہیں، کسی کے ساتھ عشق پیدا کرنے کی تدبیر اہلِ فن نے یہ بھی لکھی ہے کہ اس کی خوبیوں کا استحضار کیا جاوے، اس کے غیر کو دل میں جگہ نہ دی جاوے، جیسا کہ عشقِ طبعی میں یہ سب باتیں بے اختیار ہوتی ہیں، کسی کا حسین چہرہ یا ہاتھ نظر پڑ جاتا ہے تو آدمی سعی کرتا ہے، کوشش کرتا ہے کہ بقیہ اعضاء کو دیکھے تاکہ محبت میں اضافہ ہو، قلب کو تسکین ہو حالانکہ تسکین ہوتی نہیں "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"۔ کسی کھیت میں بیج ڈالنے کے بعد اگر اس کی آبپاشی کی خبر نہ لی گئی تو پیداوار نہیں ہوتی، اگر کسی کی محبت دل میں بے اختیار آجانے کے بعد اس کی طرف التفات نہ کیا جاوے تو آج نہیں تو کل دل سے محو ہو جاوے گی، لیکن اس کے خدوخال، سراپا اور رفتار و گفتار کے تصور سے اس قلبی بیج کو سینچتا رہے تو اس میں ہر لحہ اضافہ ہوگا۔

مکتبِ عشق کے انداز نرالے دیکھے　　اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

اس سبق کو بھلا دو گے فوراً چھٹی مل جاوے گی، جتنا جتنا یاد کرو گے اتنا ہی جکڑے جاؤ گے۔

اسی طرح کسی قابل عشق سے محبت پیدا کرنی ہو تو اس کے کمالات اس کی دل آویزیوں کا تتبع کرے، جوہروں کو تلاش کرے اور جس قدر معلوم ہو جاویں اس پر بس نہ کرے بلکہ اس سے زائد کا متلاشی ہو کہ فنا ہونے والے محبوب کے کسی ایک عضو کو دیکھنے پر قناعت نہیں کی جاتی، اس سے زیادہ کی ہوس جہاں تک کہ امکان میں ہو باقی رہتی ہے۔ حق سبحانہ وتقدس جو حقیقتاً ہر جمال وحسن کا منبع ہیں اور حقیقتاً دنیا میں کوئی بھی جمال ان کے علاوہ نہیں ہے، یقیناً ایسے محبوب ہیں کہ جن کے کسی جمال وکمال پر بس نہیں، نہ اس کی کوئی غایت، ان ہی بے نہایت کمالات میں سے ان کا کلام بھی ہے جس کے متعلق میں پہلے اجمالاً کہہ چکا ہوں کہ اس انتساب کے بعد پھر کسی کمال کی ضرورت نہیں، عشاق کے لئے اس انتساب کے برابر اور کون سی چیز ہوگی۔

اے گل بتو خرسندم تو بوئے کسے داری

قطع نظر اس سے کہ اس انتساب کو اگر چھوڑ بھی دیا جاوے کہ اس کا موجد کون ہے اور وہ کس کی صفت ہے تو پھر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کو جو جو نسبتیں ہیں، ایک مسلمان کی فریفتگی کے لئے وہ کیا کم ہیں؟ اگر اس سے بھی قطع نظر کی جائے تو خود کلامِ پاک ہی میں غور کیجئے کہ کون سی خوبی دنیا میں ایسی ہے جو کسی چیز میں پائی جاتی ہے اور کلامِ پاک میں نہ ہو۔

دامانِ نگہ تنگ وگلِ حسن تو بسیار — گل چیں بہارِ تو ز داماں گلہ دارد
فدا ہو آپ کی کس کس ادا پر — ادائیں لاکھ اور بیتاب دل ایک

احادیثِ سابقہ کو غور سے پڑھنے والوں پر مخفی نہیں کہ کوئی بھی چیز دنیا میں ایسی نہیں جس کی طرف احادیثِ بالا میں متوجہ نہ کر دیا ہو اور انواعِ محبت وافتخار میں سے کسی نوع کا دلدادہ بھی ایسا نہ ہوگا کہ اسی رنگ میں کلام اللہ شریف کی افضلیت وبرتری اس نوع میں کمال درجہ کی نہ بتلادی گئی ہو، مثلاً کلی اور اجمالی بہترائی جو دنیا بھر کی چیزوں کو شامل ہے ہر جمال وکمال اس میں داخل ہے سب سے پہلی حدیث (۱) نے کلی طور پر ہر چیز سے اس کی افضلیت اور برتری بتلادی۔ محبت کی کوئی سی نوع لے لیجئے، کسی شخص کو اسبابِ غیر متناہیہ میں سے کسی وجہ سے کوئی پسند آئے، قرآن شریف اسی کلی افضلیت میں اس سے افضل ہے، اس

کے بعد بالعموم جو اسباب تعلق ومحبت ہوتے ہیں۔ جزئیات وتمثیل کے طور سے ان سب پر قرآن شریف کی افضلیت بتلا دی گئی۔ حدیث (۲) اگر کسی کو ثمرات اور منافع کی وجہ سے کسی سے محبت ہوتی ہے تو اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا وعدہ ہے کہ ہر مانگنے والے سے زیادہ عطا کروں گا۔ اگر کسی کو ذاتی فضیلت، ذاتی جوہر، ذاتی کمال سے کوئی بھاتا ہے تو اللہ جل شانہٗ نے بتلا دیا کہ دنیا کی ہر بات پر قرآن شریف کو اتنی فضیلت ہے جتنی خالق کو مخلوق پر، آقا کو بندوں پر، مالک کو مملوک پر۔

حدیث (۳) اگر کوئی مال ومتاع، حَشَم وخَدم اور جانوروں کا گرویدہ ہے اور کسی نوع کے جانور پالنے پر دل کھوئے ہوئے ہے تو جانوروں کے بے مشقت حاصل کرنے سے تحصیل کلامِ پاک کی افضلیت پر متنبہ کر دیا۔

حدیث (۴) اگر کوئی صوفی مُنِشِ[1] تقدس وتقویٰ کا بھوکا ہے، اس کے لئے سرگرداں ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا کہ قرآن کے ماہر کا ملائکہ کے ساتھ شمار ہے جن کے برابر تقویٰ کا ہونا مشکل ہے کہ ایک آن بھی خلافِ اطاعت نہیں گزار سکتے۔ مزید یہ فضیلت ہے کہ اگر کوئی شخص دوہرا حصہ ملنے سے افتخار کرتا ہے یا اپنی بڑائی اسی میں سمجھتا ہے کہ اس کی رائے دو راؤں کے برابر شمار کی جاوے تو اٹکنے والے کے لئے دوہرا اجر ہے۔

حدیث (۵) اگر کوئی حاسد بداخلاقیوں کا مُتَوالا ہے، دنیا میں حسد ہی کا خوگر ہو گیا ہو، اسکی زندگی حسد سے نہیں ہٹ سکتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا کہ اس قابل جس کے کمال پر واقعی حسد ہو سکتا ہے وہ حافظِ قرآن ہے۔ حدیث (۶) اگر کوئی فَوَاکِہ کا متوالا ہے، اس پر جان دیتا ہے، پھل بغیر اس کو چین نہیں پڑتا تو قرآن شریف تُرنج کی مشابہت رکھتا ہے۔ اگر کوئی میٹھے کا عاشق ہے، مٹھائی بغیر اس کا گذر نہیں تو قرآن شریف کھجور سے زیادہ میٹھا ہے۔ حدیث (۷) اگر کوئی شخص عزت ووقار کا دلدادہ ہے، ممبری اور کونسل بغیر اس سے نہیں رہا جاتا تو قرآن شریف دنیا وآخرت میں رفع درجات کا ذریعہ ہے۔ حدیث (۸) اگر کوئی شخص معین ومددگار چاہتا ہے، ایسا جاں نثار چاہتا ہے کہ ہر جھگڑے میں اپنے ساتھی کی طرف سے لڑنے کو تیار رہے تو قرآن شریف سلطانُ السلاطین، مَلِکُ المُلوک شہنشاہ سے اپنے ساتھی کی

---

[1] مُنِش:- خوخصلت

طرف سے جھگڑنے کو تیار ہے۔ مزید یہ فضیلت ہے کہ اگر کوئی نکتہ رس باریک بینیوں میں عمر خرچ کرنا چاہتا ہے، اس کے نزدیک ایک باریک نکتہ حاصل کر لینا دنیا بھر کی لذات سے اِعراض کو کافی ہے تو بطنِ قرآن شریف دقائق کا خزانہ ہے۔ مزید یہ فضیلت ہے کہ اسی طرح اگر کوئی شخص مخفی رازوں کا پتہ لگانا کمال سمجھتا ہے، محکمہ سی آئی ڈی میں تجربہ کو ہنر سمجھتا ہے، عمر کھپاتا ہے تو بطنِ قرآن شریف ان اَسرارِ مخفیہ پر متنبہ کرتا ہے جن کی انتہا نہیں۔ حدیث (۹) اگر کوئی شخص اونچے مکان بنانے پر مر رہا ہے، ساتویں منزل پر اپنا خاص کمرہ بنانا چاہتا ہے تو قرآن شریف ساتویں ہزار منزل پر پہنچاتا ہے۔

حدیث (۱۰) اگر کوئی اس کا گرویدہ ہے کہ ایسی سہل تجارت کروں جس میں محنت کچھ نہ ہو اور نفع بہت سا ہو جاوے تو قرآنِ شریف ایک حرف پر دس نیکیاں دلاتا ہے۔

حدیث (۱۱) اگر کوئی تاج وتخت کا بھوکا ہے، اس کی خاطر دنیا سے لڑتا ہے تو قرآن شریف اپنے رفیق کے والدین کو بھی وہ تاج دیتا ہے جس کی چمک دمک کی دنیا میں کوئی نظیر ہی نہیں۔

حدیث (۱۲) اگر کوئی شعبدہ بازی میں کمال پیدا کرتا ہے، آگ ہاتھ پر رکھتا ہے، جلتی دیا سلائی منہ میں رکھ لیتا ہے تو قرآن شریف جہنّم تک کی آگ کو اثر کرنے سے مانع ہے۔

حدیث (۱۳) اگر کوئی حُکّام رَسی پر مرتا ہے، اس پر ناز ہے کہ ہمارے ایک خط سے فلاں حاکم نے اس ملزم کو چھوڑ دیا، ہم نے فلاں شخص کو سزا نہیں ہونے دی، اتنی سی بات حاصل کرنے کے لئے جج وکلکٹر کی دعوتوں اور خوشامدوں میں جان ومال ضائع کرتا ہے، ہر روز کسی نہ کسی حاکم کی دعوت میں سرگرداں رہتا ہے تو قرآن شریف اپنے ہر رفیق کے ذریعے ایسے دس شخصوں کو خلاصی دلاتا ہے جن کو جہنّم کا حکم مل چکا ہے۔ حدیث (۱۴) اگر کوئی خوشبوؤں پر مرتا ہے، چمن اور پھولوں کا دلدادہ ہے تو قرآن شریف بالچھڑ ہے۔ مزید یہ فضیلت ہے کہ اگر کوئی عطور کا فریفتہ ہے، حنائے مُشکی میں غُسل چاہتا ہو تو کلامِ مجید سراپا مُشک ہے اور غور کرو گے تو معلوم ہو جاوے گا کہ اس مُشک سے اُس مشک کو کچھ بھی نسبت نہیں، چہ نسبت خاک را بہ عالمِ پاک۔

کارِ زلفِ تست مُشک افشانی اما عاشقاں مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

حدیث (۱۵) اگر کوئی جوتہ کا آشنا ڈر سے کوئی کام کر سکتا ہے، ترغیب اس کے

لئے کارآمد نہیں تو قرآن شریف سے خالی ہونا گھر کی بربادی کے برابر ہے۔

حدیث (۱۶) اگر کوئی عابد افضل العبادات کی تحقیق میں رہتا ہے اور ہر کام میں اس کا متمنی ہے کہ جس چیز میں زیادہ ثواب ہو اسی میں مشغول رہوں تو قراءتِ قرآن افضل العبادات ہے اور تصریح سے بتلا دیا کہ نفل نماز، روزہ، تسبیح و تہلیل وغیرہ سب سے افضل ہے۔

حدیث (۱۷، ۱۸) بہت سے لوگوں کو حاملہ جانوروں سے دلچسپی ہوتی ہے، حاملہ جانور قیمتی داموں میں خریدے جاتے ہیں۔ حضور ﷺ نے متنبہ فرما دیا اور خصوصیت سے اس جزو کو بھی مثال میں ذکر فرمایا کہ قرآن شریف اس سے بھی افضل ہے۔

حدیث (۱۹) اکثر لوگوں کو صحت کی فکر دامنگیر رہتی ہے، ورزش کرتے ہیں، روزانہ غسل کرتے ہیں، دوڑتے ہیں، عَلَی الصُّبح تفریح کرتے ہیں۔ اسی طرح سے بعض لوگوں کو رنج و غم، فکر و تشویش دامنگیر رہتی ہے۔ حضور ﷺ نے فرما دیا کہ سورۂ فاتحہ ہر بیماری کی شفا ہے اور قرآن شریف دلوں کی بیماری کو دور کرنے والا ہے۔

حدیث (۲۰) لوگوں کے افتخار کے اسباب گذشتہ افتخارات کے علاوہ اور بھی بہت سے ہوتے ہیں جن کا احاطہ مشکل ہے۔ اکثر اپنے نسب پر افتخار ہوتا ہے، کسی کو اپنی عادتوں پر، کسی کو اپنی ہر دلعزیزی پر، کسی کو اپنے حسنِ تدبیر پر۔ حضور ﷺ نے فرما دیا کہ حقیقتاً قابل افتخار جو چیز ہے وہ قرآن شریف ہے اور کیوں نہ ہو کہ درحقیقت ہر جمال و کمال کو جامع ہے ؎

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حدیث (۲۱) اکثر لوگوں کو خزانہ جمع کرنے کا شوق ہوتا ہے، کھانے اور پہننے میں تنگی کرتے ہیں، تکالیف برداشت کرتے ہیں اور ننانوے کے پھیر میں ایسے پھنس جاتے ہیں جس سے نکلنا دشوار ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ذخیرہ کے قابل کلامِ پاک ہے، جتنا دل چاہے آدمی جمع کرے کہ اس سے بہتر کوئی خزینہ نہیں۔

حدیث (۲۲) اسی طرح اگر برقی روشنیوں کا آپ کو شوق ہے، آپ اپنے کمرے میں دس قمقمے بجلی کے اس لئے نصب کرتے ہیں کہ کمرہ جگمگا اٹھے تو قرآن شریف سے بڑھ کر نورانیت کس چیز میں ہو سکتی ہے؟ مزید برآں یہ کہ اگر آپ اس پر جان دیتے ہیں کہ آپ

کے پاس ہدایا آیا کریں، دوست روزانہ کچھ نہ کچھ بھیجتے رہا کریں تو آپ توسیعِ تعلقات اسی کی خاطر کرتے ہیں، جو دوست آشنا اپنے باغ کے پھلوں میں آپ کا حصہ نہ لگائے تو آپ اس کی شکایت کرتے ہیں تو قرآن شریف سے بہتر تحائف دینے والا کون ہے کہ سکینہ اس کے پاس بھیجی جاتی ہے۔ پس آپ کے کسی پر مرنے کی اگر یہی وجہ ہے کہ وہ آپ کے پاس روزانہ کچھ نذرانہ لاتا ہے تو قرآن شریف میں اسکا بھی بدل ہے۔ اگر آپ خواہاں ہیں اور آپ کسی وزیر کے اس لئے ہر وقت قدم چومتے ہیں کہ وہ دربار میں آپ کا ذکر کر دے گا، کسی پیش کار کی اس لئے خوشامد کرتے ہیں کہ وہ کلکٹر کے یہاں آپ کی کچھ تعریف کر دے گا یا کسی کی آپ اس لئے چاپلوسی کرتے ہیں کہ محبوب کی مجلس میں آپ کا ذکر کر دے تو قرآن شریف احکم الحاکمین محبوبِ حقیقی کے دربار میں آپ کا ذکر خود محبوب و آقا کی زبان سے کراتا ہے۔ حدیث (۲۳) اگر آپ اس کے جویاں رہتے ہیں کہ محبوب کو سب سے زیادہ مرغوب چیز کیا ہے کہ اس کے مہیا کرنے میں پہاڑوں سے دودھ کی نہر نکالی جائے تو قرآن شریف کے برابر آقا کو کوئی چیز بھی مرغوب نہیں۔ حدیث (۲۴) اگر آپ درباری بننے میں عمر کھپا رہے ہیں، سلطان کے مُصاحِب بننے کے لئے ہزار تدبیر اختیار کرتے ہیں تو کلام اللہ شریف کے ذریعے آپ اس بادشاہ کے مُصاحِب شمار ہوتے ہیں جس کے سامنے کسی بڑے سے بڑے کی بادشاہت کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ مزید برآں کتنے تعجب کی بات ہے کہ لوگ کونسل کی ممبری کے لئے اور اتنی سی بات کے لئے کہ کلکٹر صاحب شکار میں جاویں تو آپ کو بھی ساتھ لے لیں، آپ کس قدر قربانیاں کرتے، راحت و آرام، جان و مال نثار کرتے ہیں، لوگوں سے کوشش کراتے ہیں، دین اور دنیا دونوں کو برباد کرتے ہیں، صرف اس لئے کہ آپ کی نگاہ میں اس سے آپ کا اعزاز ہوتا ہے تو پھر کیا حقیقی اعزاز کے لئے، حقیقی حاکم و بادشاہ کی مُصاحبت کے لئے واقعی درباری بننے کے لئے آپ کو ذرا سی توجہ کی بھی ضرورت نہیں۔ آپ اس نمائشی اعزاز پر عمر خرچ کیجئے، مگر خدارا! اس عمر کا تھوڑا سا حصہ، عمر دینے والے کی خوشنودی کیلئے بھی تو خرچ کیجئے۔ حدیث (۲۵) اسی طرح اگر آپ میں چشتیت پھونک دی گئی ہے اور ان مجالس بغیر آپ کو قرار نہیں تو مجالسِ تلاوت اس سے کہیں زیادہ دل کو پکڑنے والی ہیں اور بڑے سے بڑے مستغنی کے کان اپنی طرف متوجہ کر لیتی

ہیں۔حدیث (۲۶) اسی طرح اگر آپ آقا کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں تو تلاوت کیجئے۔ حدیث (۲۷) اور آپ اسلام کے مدعی ہیں، مسلم ہونے کا دعویٰ ہے تو حکم ہے نبی کریم ﷺ کا کہ قرآن شریف کی ایسی تلاوت کرو جیسا کہ اس کا حق ہے، اگر آپ کے نزدیک اسلام صرف زبانی جمع خرچ نہیں ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرماں برداری سے بھی آپ کے اسلام کو کوئی سروکار ہے تو یہ اللہ کا فرمان ہے اور اس کے رسول کی طرف سے اس کی تلاوت کا حکم ہے۔ مزید برآں اگر آپ میں قومی جوش بہت زور کرتا ہے، ترکی ٹوپی کے آپ صرف اس لئے دلدادہ ہیں کہ وہ آپ کے نزدیک خالص اسلامی لباس ہے، قومی شِعار میں آپ بہت خاص دلچسپی رکھتے ہیں، ہر طرح اس کے پھیلانے کی آپ تدبیریں اختیار کرتے ہیں، اخبارات میں مضامین شائع کرتے ہیں، جلسوں میں ریزولیوشن پاس کرتے ہیں تو اللہ کا رسول ﷺ آپ کو حکم دیتا ہے کہ جس قدر ممکن ہو قرآن شریف کو پھیلاؤ۔

بے جا نہ ہوگا اگر میں یہاں پہنچ کر سربرآوردگانِ قوم کی شکایت کروں کہ قرآنِ پاک کی اِشاعت میں آپ کی طرف سے کیا اِعانت ہوتی ہے اور یہی نہیں بلکہ خدارا! ذرا غور سے جواب دیجئے کہ اس کے سلسلہ کو بند کرنے میں آپ کا کس قدر حصہ ہے؟ آج اس کی تعلیم کو بیکار بتلایا جاتا ہے، اضاعتِ عمر سمجھا جاتا ہے، اس کو بیکار دماغ سوزی اور بے نتیجہ عَرق ریزی کہا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ آپ اس کے موافق نہ ہوں، لیکن ایک جماعت جب ہمہ تن اس میں کوشاں ہے تو کیا آپ کا سکوت اس کی اعانت نہیں ہے، مانا کہ آپ اس خیال سے بیزار ہیں، مگر آپ کی اس بیزاری نے کیا فائدہ دیا۔

ہم نے مانا کہ تغافُل نہ کرو گے لیکن خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

آج اس کی تعلیم پر بڑے زور سے اس لئے انکار کیا جاتا ہے کہ مسجد کے مُلّانوں نے اپنے ٹکڑوں کے لئے دھندا کر رکھا ہے، گویہ عامۂ نیتوں پر حملہ ہے جو بڑی سخت ذمہ داری ہے اور اپنے وقت پر اس کا ثبوت دینا ہوگا، مگر میں نہایت ہی ادب سے پوچھتا ہوں کہ خدارا! ذرا اس کو تو غور کیجئے کہ ان خودغرض مُلّانوں کی ان خودغرضیوں کے ثمرات آپ دنیا میں کیا دیکھ رہے ہیں اور آپ کی ان بے غرضانہ تجاویز کے ثمرات کیا ہوں گے اور نشر و اشاعت

کلامِ پاک میں آپ کی ان مفید تجاویز سے کس قدر مدد ملے گی، بہرحال حضور ﷺ کا ارشاد آپ کے لئے قرآن شریف کے پھیلانے کا ہے۔ اس میں آپ خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ اس ارشادِ نبوی کا کس درجہ امتثال آپ کی ذات سے ہوا اور ہو رہا ہے۔

دیکھیے ایک دوسری بات کا بھی خیال رکھیں، بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم اس خیال میں شریک نہیں تو ہم کو کیا، مگر اس سے آپ اللہ کی پکڑ سے بچ نہیں سکتے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضورِ اکرم ﷺ سے پوچھا تھا: اَنَهْلَكُ وَفِيْنَا الصَّالِحُوْنَ؟ قَالَ: نَعَمْ، اِذَا كَثُرَ الْخُبْثُ (کیا ہم ایسی حالت میں ہلاک ہو جاویں گے کہ ہم میں صلحاء موجود ہوں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں! جب خباثت غالب ہو جائے)۔ اسی طرح ایک روایت میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے ایک گاؤں کے الٹ دینے کا حکم فرمایا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اس میں فلاں بندہ ایسا ہے کہ جس نے کبھی گناہ نہیں کیا۔ ارشاد ہوا کہ صحیح ہے، مگر یہ میری نافرمانی ہوتے ہوئے دیکھتا رہا اور کبھی اس کی پیشانی پر بل نہیں پڑا۔ درحقیقت علماء کو یہی امور مجبور کرتے ہیں کہ وہ ناجائز امور کو دیکھ کر ناگواری کا اظہار کریں جس کو ہمارے روشن خیال تنگ نظری سے تعبیر کرتے ہیں۔ آپ حضرات اپنی اس وسعتِ خیالی اور وسعتِ اخلاق پر مطمئن نہ رہیں کہ یہ فریضہ صرف علماء ہی کے ذمہ نہیں، ہر اس شخص کے ذمہ ہے جو کسی ناجائز بات کا وقوع دیکھے اور اس پر ٹوکنے کی قدرت رکھتا ہو پھر نہ ٹوکے۔ بلال بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ معصیت جب مخفی طور سے کی جاتی ہے تو اس کا وبال صرف کرنے والے پر ہوتا ہے، لیکن جب کھلم کھلا کی جاوے اور اس پر انکار نہ کیا جاوے تو اس کا وبال عام ہوتا ہے۔

حدیث (۲۸) اسی طرح اگر آپ تاریخ کے دلدادہ ہیں جہاں کہیں معتبر تاریخ، پرانی تاریخ آپ کو ملتی ہے آپ اس کے لئے سفر کرتے ہیں تو قرآن شریف میں تمام ایسی کتب کا بدل موجود ہے جو قرونِ سابقہ میں حجت و معتبر مانی گئی ہیں۔

حدیث (۲۹) اگر آپ اس قدر اونچے مرتبے کے متمنی ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو آپ کی مجلس میں بیٹھنے اور شریک ہونے کا حکم ہو تو یہ بات بھی صرف کلامُ اللہ شریف میں ہی ملے گی۔ حدیث (۳۰) اگر آپ اس قدر کاہل ہیں کہ کچھ کر ہی نہیں سکتے تو بے محنت، بے مشقت اِکرام بھی آپ کو صرف کلامُ اللہ شریف میں ملے گا کہ چُپ چاپ کسی مکتب میں

بیٹھے بچوں کا کلام مجید سنے جایئے اور مفت کا ثواب لیجئے۔

حدیث (۳۱) اگر آپ مختلف اَلوان کے گرویدہ ہیں، ایک نوع سے اکتا جاتے ہیں تو قرآن شریف کے معنی میں مختلف اَلوان، مختلف مضامین حاصل کیجئے، کہیں رحمت، کہیں عذاب، کہیں قصے، کہیں احکام، اور کیفیت تلاوت میں کبھی پکار کر پڑھیں اور کبھی آہستہ۔ حدیث (۳۲) اگر آپ کی سیہ کاریاں حد سے متجاوز ہیں اور مرنے کا آپ کو یقین بھی ہے تو پھر تلاوتِ کلامِ پاک میں ذرا بھی کوتاہی نہ کیجئے کہ اس درجہ کا سفارشی نہ ملے گا اور پھر ایسا کہ جس کی سفارش کے قبول ہونے کا یقین بھی ہو۔ حدیث (۳۳) اسی طرح اگر آپ اس قدر باوقار واقع ہوئے ہیں کہ جھگڑالو سے گھبراتے ہیں۔ لوگوں کے جھگڑے کے ڈر سے آپ بہت سی قربانیاں کر جاتے ہیں تو قرآن شریف کے مطالبہ سے ڈریئے کہ اس جیسا جھگڑالو آپ کو نہ ملے گا۔ فَرِیقَین کے جھگڑے میں ہر شخص کا کوئی نہ کوئی طرفدار ہوتا ہے، مگر اس کے جھگڑنے میں اس کی تصدیق کی جاتی ہے اور ہر شخص اسی کو سچا بتلائے گا اور آپ کا کوئی طرف دار نہ ہوگا۔ حدیث (۳۴) اگر آپ کو ایسا رہبر درکار ہے اور اس پر آپ قربان ہیں جو محبوب کے گھر تک پہنچا دے تو تلاوت کیجئے اور اگر آپ اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں جیل خانہ نہ ہو جائے تو ہر حالت میں قرآن شریف کی تلاوت بغیر چارہ نہیں۔

حدیث (۳۵) اگر آپ علومِ انبیاء علیہم السلام حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس کے گرویدہ اور شیدائی ہیں تو قرآن شریف پڑھئے اور جتنا چاہے کمال پیدا کیجئے۔ اسی طرح اگر آپ بہترین اخلاق پر جان دینے کو تیار ہیں تو بھی تلاوت کی کثرت کیجئے۔ حدیث (۳۶) اگر آپ کا مچلا ہوا دل ہمیشہ شملہ اور منصوری کی چوٹیوں ہی پر تفریح میں بہلتا ہے اور سو جان سے آپ ایک پہاڑ کے سفر پر قربان ہیں تو قرآنِ پاک مُشک کے پہاڑوں پر ایسے وقت میں تفریح کراتا ہے کہ تمام عالم میں نفسا نفسی کا زور ہو۔ حدیث (۳۷، ۳۸، ۳۹) اگر آپ زاہدوں کی اعلیٰ فہرست میں شمار چاہتے ہیں اور رات دن نوافل سے آپ کو فرصت نہیں تو کلامِ پاک سیکھنا، سکھانا اس سے پیش پیش ہے۔ حدیث نمبر (۴۰) اگر دنیا کے ہر جھگڑے سے آپ نجات چاہتے ہیں، ہر مخمصہ سے آپ علیحدہ رہنے کے دلدادہ ہیں تو صرف قرآنِ پاک ہی میں ان سے مخلصی ہے۔

حدیثِ خاتمہ

حدیث (۱) اگر آپ کسی طبیب کے ساتھ وابستگی چاہتے ہیں تو سورۂ فاتحہ میں ہر بیماری کی شفا ہے۔

حدیث (۲) اگر آپ کی بے نہایت غرضیں پوری نہیں ہوتیں تو کیوں روزانہ سورۂ یٰسٓ کی تلاوت آپ نہیں کرتے؟۔

حدیث (۳) اگر آپ کو پیسہ کی محبت ایسی ہے کہ اس کے بغیر آپ کسی کے بھی نہیں تو کیوں روزانہ سورۂ واقعہ کی تلاوت نہیں کرتے۔ حدیث (۴) اگر آپ کو عذابِ قبر کا خوف دامن گیر ہے اور آپ اس کے متحمل نہیں تو اس کے لئے بھی کلامِ پاک میں نجات ہے۔ حدیث (۵) اور اگر آپ کو کوئی دائمی مشغلہ درکار ہے کہ جس میں آپ کے مبارک اوقات ہمیشہ مصروف رہیں تو قرآنِ پاک سے بڑھ کر نہ ملے گا۔ حدیث (۶، ۷) مگر ایسا نہ ہو کہ یہ دولت حاصل ہونے کے بعد چھن جاوے کہ سلطنت ہاتھ آنے کے بعد پھر ہاتھ سے نکل جانا زیادہ حسرت وخسران کا سبب ہوتا ہے اور کوئی حرکت ایسی بھی نہ کر جایئے کہ نیکی برباد گناہ لازم۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ۔

مجھ سا ناکارہ قرآنِ پاک کی خوبیوں پر کیا متنبہ ہو سکتا ہے۔ ناقص سمجھ کے موافق جو ظاہری طور پر سمجھ میں آیا ظاہر کر دیا، مگر اہلِ فہم کے لئے غور کا راستہ ضرور کھل گیا، اس لئے کہ اسبابِ محبت جن کو اہلِ فن نے کسی کے ساتھ محبت کا ذریعہ بتلایا ہے پانچ چیز میں منحصر ہے: اول اپنا وجود کہ طبعاً آدمی اس کو محبوب رکھتا ہے، قرآن شریف میں حوادث سے امن ہے اس لئے وہ اپنی حیات وبقا کا سبب ہے، دوسرے طبعی مناسبت جس کے متعلق اس سے زیادہ وضاحت کیا کر سکتا ہوں کہ کلام، صفتِ الٰہی ہے اور مالک اور مملوک، آقا اور بندہ میں جو مناسبت ہے وہ واقفوں سے مخفی نہیں۔

ہست رَبّ الناس رابا جان ناس — اِتصال بے تکیف و بے قیاس
سب سے ربطِ آشنائی ہے اسے — دِل میں ہر اک کے رسائی ہے اسے

تیسرے جمال، چوتھے کمال، پانچویں احسان۔ ان ہر سہ امور کے متعلق احادیث بالا

میں اگر غور فرمائیں گے تو نہ صرف اس جمال وکمال پر جس کی طرف ایک ناقص الفہم نے اشارہ کیا ہے اقتصار کریں گے بلکہ وہ خود بے تردُّد اس اَمر تک پہنچیں گے کہ عزت وافتخار، شوق وسکون، جمال وکمال، اکرام واحسان، لذت وراحت، مال ومتاع غرض کوئی بھی ایسی چیز نہ پاویں گے جو محبت کے اسباب میں ہوسکتی ہے اور نبی کریم ﷺ نے اس پر تنبیہ فرما کر قرآن شریف کو اسی نوع میں اس سے افضل ارشاد نہ فرمایا ہو، البتہ حجاب میں مستور ہونا دنیا کے لوازمات میں سے ہے، لیکن عقلمند شخص اس وجہ سے کہ لیچی[1] کا چھلکا خاردار ہے اس کے گودہ سے اعراض نہیں کرتا اور کوئی دل کھویا ہوا اپنی محبوبہ سے اس لئے نفرت نہیں کرتا کہ وہ اس وقت برقعہ میں ہے، پردہ کے ہٹانے کی ہر ممکن سے ممکن کوشش کرے گا اور کامیاب نہ بھی ہوسکا تو اس پردہ کے اوپر ہی سے آنکھیں ٹھنڈی کرے گا۔ اس کا یقین ہوجاوے کہ جس کی خاطر برسوں سے سرگرداں ہوں وہ اسی چادر میں ہے، ممکن نہیں کہ پھر اس چادر سے نگاہ ہٹ سکے۔ اسی طرح قرآنِ پاک کے ان فضائل ومناقب اور کمالات کے بعد اگر وہ کسی حجاب کی وجہ سے محسوس نہیں ہوتے تو عاقل کا کام نہیں کہ اس سے بے توجہی اور لاپرواہی کرے، بلکہ اپنی تقصیر اور نقصان پر افسوس کرے اور کمالات میں غور۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر قلوب نجاست سے پاک ہوجاویں تو تلاوتِ کلام اللہ سے کبھی بھی سیری نہ ہو۔ ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بیس برس میں نے کلامِ پاک کو مشقت سے پڑھا اور بیس برس سے مجھے اس کی ٹھنڈک پہنچ رہی ہے، پس جو شخص بھی معاصی سے توبہ کے بعد غور کرے گا کلامِ پاک کو ''آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری'' کا مصداق پائے گا۔ اے کاش! کہ ان الفاظ کے معنی مجھ پر بھی صادق آتے۔ میں ناظرین سے یہ بھی درخواست کروں گا کہ کہنے والے کی طرف التفات نہ فرمائیں کہ میری ناکارگی آپ کو اہم مقصود سے نہ روکے، بلکہ بات کی طرف توجہ فرمائیں اور جہاں سے یہ امور ماخوذ ہیں اس کی طرف التفات کیجئے کہ میں درمیان میں صرف نقل کا واسطہ ہوں۔

یہاں تک پہنچنے کے بعد اللہ کی ذات سے بعید نہیں کہ وہ کسی دل میں حفظِ قرآن پاک کا ولولہ پیدا کردے۔ پس اگر بچہ کو حفظ کرانا ہے تو اس کے لئے کسی عمل کی ضرورت نہیں کہ

[1] لیچی:- ایک کھردرے چھلکے والا سرخی مائل شیریں پھل۔

بچپن کی عمر خود حفظ کے لئے مُعین ومُجرّب ہے، البتہ اگر کوئی شخص بڑی عمر میں حفظ کا ارادہ کرے تو اس کیلئے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمایا ہوا ایک مجرب عمل لکھتا ہوں جس کو ترمذی حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جاویں قرآنِ پاک میرے سینے سے نکل جاتا ہے، جو یاد کرتا ہوں وہ محفوظ نہیں رہتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تجھے ایسی ترکیب بتلاؤں کہ جو تجھے بھی نفع دے اور جس کو تو بتلا وے اس کے لئے بھی نافع ہو اور جو کچھ تو سیکھے وہ محفوظ رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دریافت کرنے پر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب جمعہ کی شب آوے تو اگر یہ ہوسکتا ہو کہ رات کے اخیر تہائی حصہ میں اُٹھے تو یہ بہت ہی اچھا ہے کہ یہ وقت ملائکہ کے نازل ہونے کا ہے اور دعا اس وقت میں خاص طور سے قبول ہوتی ہے۔ اسی وقت کے انتظار میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا "سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ" عنقریب میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت طلب کرونگا (یعنی جمعہ کی رات کے آخری حصہ میں)۔ پس اگر اس وقت میں جاگنا دشوار ہو تو آدھی رات کے وقت، اور یہ بھی نہ ہوسکے تو پھر شروع ہی رات میں کھڑا ہو اور چار رکعت نفل اس طرح پڑھے کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ یٰسٓ شریف پڑھے اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ دُخان اور تیسری رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۂ الٓمٓ سجدہ[1] اور چوتھی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۂ ملک پڑھے اور جب التحیات سے فارغ ہو جاوے تو اوّل حق تعالیٰ شانہٗ کی خوب حمد وثنا کر، اس کے بعد مجھ پر درود وسلام بھیج، اس کے بعد تمام انبیاء علیہم السلام پر درود بھیج، اس کے بعد تمام مومنین کے لئے اور ان تمام مسلمان بھائیوں کے لئے جو تجھ سے پہلے مر چکے ہیں استغفار کر اور اس کے بعد یہ دعا پڑھ۔

ف: دعا آگے آرہی ہے اس کے ذکر سے قبل مناسب ہے کہ حمد وثنا وغیرہ جن کا

---

[1] ترتیب قرآن میں یہ سورت پہلی دونوں سورتوں سے مقدم ہے۔ مگر اول تو نوافل میں فقہاء نے اس قسم کی گنجائش فرمائی ہے، دوسرے نوافل کا ہر شفعہ مستقل نماز کا حکم رکھتا ہے اور اس شفعہ کی دونوں سورتیں آپس میں مرتب ہیں اس لئے کوئی کراہت نہیں۔ هكذا في الكوكب الدري وهامشه۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے دوسری روایات سے جن کو شروحِ حصن اور مناجاتِ مقبول وغیرہ میں نقل کیا ہے، مختصر طور پر ایک ایک دعا نقل کر دی جاوے تا کہ جو لوگ اپنے طور سے نہیں پڑھ سکتے وہ اس کو پڑھیں اور جو حضرات خود پڑھ سکتے ہیں وہ اس پر قناعت نہ کریں بلکہ حمد و صلوٰۃ کو بہت اچھی طرح سے مبالغہ سے پڑھیں۔ دعا یہ ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ عَدَدَ خَلْقِهٖ، وَرِضَا نَفْسِهٖ، وَزِنَةَ عَرْشِهٖ، وَ مِدَادَ كَلِمٰتِهٖ، اَللّٰهُمَّ لَآ اُحْصِيْ ثَنَآءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ نِالنَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الْهَا شِمِيِّ، وَعَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهِ الْبَرَرَةِ الْكِرَامِ، وَعَلٰى سَائِرِ الْاَنْبِيَآءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَالْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ، رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ○ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِجَمِيْعِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ، اِنَّكَ سَمِيْعٌ مُّجِيْبُ الدَّعْوَاتِ ط

تمام تعریف جہانوں کے پروردگار کے لئے ہے ایسی تعریف جو اس کی مخلوقات کے اعداد کے برابر ہو، اس کی مرضی کے موافق ہو، اس کے عرش کے وزن کے برابر ہو، اس کے کلمات کی سیاہیوں کے برابر ہو۔ اے اللہ! میں تیری تعریف کا اِحاطہ نہیں کر سکتا، تو ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی تعریف خود بیان کی۔ اے اللہ! ہمارے سردار نبی امی اور ہاشمی پر درود و سلام اور برکات نازل فرما اور تمام نبیوں اور رسولوں اور ملائکہ مقربین پر بھی۔ اے ہمارے رب! ہماری اور ہم سے پہلے مسلمانوں کی مغفرت فرما اور ہمارے دلوں میں مومنین کی طرف سے کینہ پیدا نہ کر۔ اے ہمارے رب! تو مہربان اور رحیم ہے۔ اے اِلٰـهَ الْعَالَمِيْن! میری اور میرے والدین کی اور تمام مومنین اور مسلمانوں کی مغفرت فرما، بیشک تو دعاؤں کو سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔

اس کے بعد وہ دعا پڑھے جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثِ بالا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تعلیم فرمائی اور وہ یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ[1] اَرْحَمْنِیْ بِتَرْکِ الْمَعَاصِیْ اَبَدًا مَّا اَبْقَیْتَنِیْ، وَارْحَمْنِیْ اَنْ اَتَکَلَّفَ مَالَا یَعْنِیْنِیْ، وَارْزُقْنِیْ حُسْنَ النَّظَرِ فِیْمَا یُرْضِیْکَ عَنِّیْ، اَللّٰھُمَّ بَدِیْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ وَالْعِزَّۃِ الَّتِیْ لَا تُرَامُ، اَسْئَلُکَ یَا اَللّٰہُ! یَا رَحْمٰنُ! بِجَلَالِکَ وَنُوْرِ وَجْھِکَ اَنْ تُلْزِمَ قَلْبِیْ حِفْظَ کِتَابِکَ کَمَا عَلَّمْتَنِیْ، وَارْزُقْنِیْ اَنْ اَقْرَأَہٗ عَلَی النَّحْوِ الَّذِیْ یُرْضِیْکَ عَنِّیْ، اَللّٰھُمَّ بَدِیْعَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ وَالْعِزَّۃِ الَّتِیْ لَا تُرَامُ، اَسْئَلُکَ یَا اَللّٰہُ! یَا رَحْمٰنُ! بِجَلَالِکَ وَنُوْرِ وَجْھِکَ اَنْ تُنَوِّرَ بِکِتَابِکَ بَصَرِیْ، وَاَنْ تُطْلِقَ بِہٖ لِسَانِیْ، وَ اَنْ تُفَرِّجَ بِہٖ عَنْ قَلْبِیْ، وَاَنْ تَشْرَحَ بِہٖ صَدْرِیْ، وَ اَنْ تَغْسِلَ بِہٖ بَدَنِیْ؛ فَاِنَّہٗ لَا یُعِیْنُنِیْ عَلَی الْحَقِّ غَیْرُکَ وَلَا یُؤْتِیْہِ اِلَّا اَنْتَ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ط

اے اِلٰہَ الْعَالَمین! مجھ پر رحم فرما کہ جب تک میں زندہ رہوں گناہوں سے بچتا رہوں اور مجھ پر رحم فرما کہ میں بیکار چیزوں میں کلفت نہ اٹھاؤں، اور اپنی مرضیات میں خوش نظری مرحمت فرما۔ اے اللہ! اے زمین اور آسمان کے بے نمونہ پیدا کرنے والے! اے عظمت و بزرگی والے اور اس غلبہ یا عزت کے مالک جس کے حصول کا ارادہ بھی ناممکن ہے۔ اے اللہ! اے رحمٰن! میں تیری بزرگی اور تیری ذات کے نور کے طفیل تجھ سے مانگتا ہوں کہ جس طرح تو نے اپنی کلامِ پاک مجھے سکھا دی اسی طرح اس کی یاد بھی میرے دل سے چسپاں کر دے اور مجھے توفیق عطا فرما کہ میں اس کو اس طرح پڑھوں جس سے تو راضی ہو جاوے۔ اے اللہ! زمین اور آسمانوں کے بے نمونہ پیدا کرنے والے، اے عظمت اور بزرگی والے اور اس غلبہ یا عزت کے مالک جس کے حصول کا ارادہ بھی ناممکن۔ اے اللہ! اے رحمٰن! میں تیری بزرگی اور تیری ذات کے نور کے طفیل تجھ سے مانگتا ہوں کہ تو میری نظر کو اپنی کتاب کے نور سے منور کر دے اور میری زبان کو اس پر جاری کر دے اور اس کی برکت سے میرے دل کی تنگی کو دور کر دے اور میرے سینے کو کھول دے اور اس کی برکت سے میرے جسم کے گناہوں کا میل دھو دے کہ حق پر تیرے سوا میرا کوئی مددگار نہیں اور تیرے سوا میری

[1] حضور ﷺ کی ارشاد فرمائی ہوئی دعا یہ ہے۔

یہ آرزو کوئی پوری نہیں کرسکتا، اور گناہوں سے بچنا یا عبادت پر قدرت نہیں ہوسکتی، مگر اللہ برتر و بزرگی والے کی مدد سے۔

پھر حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے علی! اس عمل کو تین جمعہ یا پانچ جمعہ یا سات جمعہ کر، ان شاء اللہ دعا ضرور قبول کی جائے گی۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے کسی مومن سے بھی قبولیتِ دعا نہ چوکے گی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کو پانچ یا سات ہی جمعہ گذرے ہونگے کہ وہ حضور ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! پہلے میں تقریباً چار آیتیں پڑھتا تھا اور وہ بھی مجھے یاد نہ ہوتی تھیں اور اب تقریباً چالیس آیتیں پڑھتا ہوں اور ایسی از بر ہو جاتی ہیں کہ گویا قرآن شریف میرے سامنے کھلا ہوا رکھا ہے اور پہلے میں حدیث سنتا تھا اور جب اس کو دوبارہ کہتا تھا تو ذہن میں نہیں رہتی تھی اور اب احادیث سنتا ہوں اور جب دوسروں سے نقل کرتا ہوں تو ایک لفظ بھی نہیں چھوٹتا۔

حق تعالیٰ شانہٗ اپنے نبی ﷺ کی رحمت کے طفیل مجھے بھی قرآن و حدیث کے حفظ کی توفیق عطا فرماویں اور تمہیں بھی۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

تَكْمِلَه

اوپر جو چہل حدیث لکھی گئی ہے ایک خاص مضمون کے ساتھ مخصوص ہونے کی وجہ سے اس میں اختصار کی رعایت نہیں ہوسکی۔ اس زمانے میں چونکہ ہمتیں نہایت پست ہوگئی ہیں، دین کے لئے کسی معمولی سی مشقت کا بھی برداشت کرنا گراں ہے اس لئے ایک اس جگہ دوسری چہل حدیث نقل کرتا ہوں جو نہایت ہی مختصر ہے اور نبی کریم ﷺ سے ایک ہی جگہ منقول ہے، اس کے ساتھ ہی بڑی خوبی اس میں یہ ہے کہ مُہِمّاتِ دینیہ کو ایسی جامع ہے کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ ''کنز العمال'' میں قُدمائے محدثین کی ایک جماعت کی طرف اس کا انتساب کیا ہے اور متاخرین میں سے مولانا قطب الدین صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے

بھی اس کو ذکر فرمایا ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ دین کے ساتھ وابستگی رکھنے والے حضرات کم از کم اس کو ضرور حفظ کر لیں کہ کوڑیوں میں لعل (موتی) ملتے ہیں۔ وہ حدیث یہ ہے:

عَنْ سَلْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْاَرْبَعِيْنَ حَدِيْثًا الَّتِيْ قَالَ: مَنْ حَفِظَهَا مِنْ اُمَّتِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ، قُلْتُ: وَمَا هِيَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: (۱) اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ (۲) وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (۳) وَالْمَلَائِكَةِ (۴) وَالْكُتُبِ (۵) وَالنَّبِيِّيْنَ (۶) وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ (۷) وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى (۸) وَاَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ (۹) وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ بِوُضُوْءٍ سَابِغٍ كَامِلٍ لِوَقْتِهَا وَتُؤْتِيَ (۱۰) الزَّكٰوةَ (۱۱) وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ (۱۲) وَتَحُجَّ الْبَيْتَ اِنْ كَانَ لَكَ مَالٌ (۱۳) وَتُصَلِّيَ اثْنَتَيْ عَشَرَةَ رَكْعَةً فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ (۱۴) وَالْوِتْرَ لَا تَتْرُكُهٗ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ (۱۵) وَّ لَا تُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا (۱۶) وَلَا تَعُقَّ وَالِدَيْكَ (۱۷) وَلَا تَاْكُلَ مَالَ الْيَتِيْمِ ظُلْمًا (۱۸) وَّ لَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ (۱۹) وَلَا تَزْنِ (۲۰) وَلَا تَحْلِفُ بِاللّٰهِ كَاذِبًا (۲۱) وَّ لَا تَشْهَدَ شَهَادَةَ زُوْرٍ (۲۲) وَّلَا تَعْمَلُ بِالْهَوٰى (۲۳) وَلَا تَغْتَبْ اَخَاكَ الْمُسْلِمَ (۲۴) وَلَا تَقْذِفِ الْمُحْصَنَةَ (۲۵) وَلَا تَغُلَّ اَخَاكَ الْمُسْلِمَ (۲۶) وَلَا تَلْعَبْ (۲۷) وَلَا تَلْهُ مَعَ اللَّاهِيْنَ (۲۸) وَلَا تَقُلْ لِلْقَصِيْرِ: يَاقَصِيْرُ، تُرِيْدُ بِذٰلِكَ عَيْبَهٗ (۲۹) وَلَا تَسْخَرْ بِاَحَدٍ مِّنَ النَّاسِ (۳۰) وَلَا تَمْشِ بِالنَّمِيْمَةِ بَيْنَ الْاَخَوَيْنِ (۳۱) وَاشْكُرِ اللّٰهَ تَعَالٰى عَلٰى نِعْمَتِهٖ (۳۲) وَاصْبِرْ عَلَى الْبَلَاءِ وَالْمُصِيْبَةِ (۳۳) وَلَا تَاْمَنْ مِنْ عِقَابِ اللّٰهِ (۳۴) وَلَا تَقْطَعْ اَقْرِبَائَكَ (۳۵) وَصِلْهُمْ (۳۶) وَلَاتَلْعَنْ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِ اللّٰهِ (۳۷) وَاَكْثِرْ مِنَ التَّسْبِيْحِ وَالتَّكْبِيْرِ وَ التَّهْلِيْلِ (۳۸) وَلَا تَدَعْ حُضُوْرَ الْجُمُعَةِ وَالْعِيْدَيْنِ (۳۹) وَاعْلَمْ اَنَّ مَااَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَمَا اَخْطَاَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَكَ (۴۰) وَلَا تَدَعْ قِرَاءَةَ الْقُرْاٰنِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ. (رواه الحافظ أبو القاسم بن عبدالرحمن بن محمد بن إسحاق بن مندة، والحافظ ابو الحسن علی بن أبی القاسم بن بابویه الرازی فی الاربعین وابن عساکر والرافعی عن سلمان)

ترجمہ: سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ وہ چالیس حدیثیں جن کے بارے میں یہ کہا ہے کہ جو ان کو یاد کر لے جنّت میں داخل ہوگا وہ کیا ہیں؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(۱) اللہ پر ایمان لاوے یعنی اس کی ذات وصفات پر (۲) اور آخرت کے دن پر (۳) اور فرشتوں کے وجود پر (۴) اور کتابوں پر (۵) اور تمام انبیاء علیہم السلام پر (۶) اور مرنے کے بعد دوبارہ زندگی پر (۷) اور تقدیر پر کہ بھلا اور بُرا جو کچھ ہوتا ہے سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ (۸) اور گواہی دے تو اس امر کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سچے رسول ہیں۔ (۹) ہر نماز کے وقت کامل وضو کر کے نماز کو قائم کرے۔ کامل وضو وہ کہلاتا ہے جس میں آداب و مستحبات کی رعایت رکھی گئی ہو اور ہر نماز کے وقت اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ نیا وضو ہر نماز کے لئے کرے، اگرچہ پہلے سے وضو ہو کہ یہ مستحب ہے۔ اور نماز قائم کرنے سے اس کے تمام سُنَن اور مستحبات کا اہتمام کرنا مراد ہے، چنانچہ دوسری روایت میں وارد ہے اِنَّ تَسْوِیَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ اِقَامَةِ الصَّلٰوةِ یعنی جماعت میں صفوں کا ہموار کرنا کہ کسی قسم کی کجی یا درمیان میں خلا نہ رہے، یہ بھی نماز قائم کرنے کے مفہوم میں داخل ہے۔ (۱۰) زکوٰۃ ادا کرے (۱۱) اور رمضان کے روزے رکھے۔ (۱۲) اگر مال ہو تو حج کرے یعنی اگر جانے کی قدرت رکھتا ہو تو حج بھی کرے، چونکہ اکثر مانع مال ہی ہوتا ہے اس لئے اسی کو ذکر فرما دیا، ورنہ مقصود یہ ہے کہ حج کی شرائط پائے جاتے ہوں تو حج کرے (۱۳) بارہ رکعات سنت مؤکدہ روزانہ ادا کرے (اس کی تفصیل دوسری روایات میں اس طرح آئی ہے کہ صبح سے پہلے دو رکعت، ظہر سے قبل چار، ظہر کے بعد دو رکعت، مغرب کے بعد دو رکعت، عشاء کے بعد دو رکعت (۱۴) اور وتر کو کسی رات میں نہ چھوڑے (چونکہ وہ واجب ہے اور اس کا اہتمام سنتوں سے زیادہ ہے اس لئے اس کو تاکیدی لفظ سے ذکر فرمایا (۱۵) اور اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرے (۱۶) اور والدین کی نافرمانی نہ کرے (۱۷) اور ظلم سے یتیم کا مال نہ کھاوے (یعنی اگر کسی وجہ سے یتیم کا مال کھانا جائز ہو جیسا کہ بعض صورتوں میں ہوتا ہے تو مضائقہ نہیں) (۱۸) اور شراب نہ پیئے (۱۹) زنا نہ کرے (۲۰) جھوٹی قسم نہ کھاوے (۲۱) جھوٹی گواہی نہ دے (۲۲) خواہشاتِ نفسانیہ پر عمل نہ کرے (۲۳) مسلمان بھائی کی غیبت نہ کرے (۲۴) عَفِیفَہ عورت کو تہمت نہ لگائے (اسی طرح

عفیف مرد کو) (۲۵) اپنے مسلمان بھائی سے کینہ نہ رکھے (۲۶) لہو ولعب میں مشغول نہ ہو۔ (۲۷) تماشائیوں میں شریک نہ ہو۔ (۲۸) کسی پستہ قد کو عیب کی نیت سے ٹھگنا مت کہو (یعنی اگر کوئی عیب دار لفظ ایسا مشہور ہو گیا ہو کہ اس کے کہنے سے نہ عیب سمجھا جاتا ہو نہ عیب کی نیت سے کہا جاتا ہو جیسا کہ کسی کا نام بدھو پڑ جاوے تو مضائقہ نہیں، لیکن طعن کی غرض سے کسی کو ایسا کہنا جائز نہیں)۔ (۲۹) کسی کا مذاق مت اڑا۔ (۳۰) نہ مسلمانوں کے درمیان چغل خوری کر۔ (۳۱) اور ہر حال میں اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی نعمتوں پر اس کا شکر کر (۳۲) بلا اور مصیبت پر صبر کر۔ (۳۳) اور اللہ کے عذاب سے بے خوف مت ہو (۳۴) اَعِزّہ سے قطع تعلّق مت کر (۳۵) بلکہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کر (۳۶) اللہ کی کسی مخلوق کو لعنت مت کر (۳۷) سُبْحَانَ اللّٰهِ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ان الفاظ کا اکثر ورد رکھا کر۔ (۳۸) جمعہ اور عیدین میں حاضری مت چھوڑ۔ (۳۹) اور اس بات کا یقین رکھ کہ جو تکلیف و راحت تجھے پہنچی وہ مقدر میں تھی، جو ٹلنے والی نہ تھی اور جو کچھ نہیں پہنچا وہ کسی طرح بھی پہنچنے والا نہ تھا۔ (۴۰) اور کلامُ اللہ شریف کی تلاوت کسی حال میں بھی مت چھوڑ۔

سَلمان رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کہتے ہیں: میں نے حضورِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے پوچھا کہ جو شخص اس کو یاد کر لے اس کو کیا اجر ملے گا؟ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ حق سبحانہٗ وتقدس اس کا انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام اور علماء کے ساتھ حشر فرماویں گے۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہماری سَیِّئات سے درگذر فرما کر اپنے نیک بندوں میں محض اپنے لطف سے شامل فرمائیں تو اس کی کریمی شان سے کچھ بھی بعید نہیں۔ پڑھنے والے حضرات سے بڑی ہی لجاجت کے ساتھ اِستدعا ہے کہ دعائے خیر سے اس سیہ کار کی بھی دستگیری فرماویں۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔

محمد زکریا کاندھلوی عُفِیَ عَنْہُ

مقیم مدرسہ مظاہر العلوم، سہارن پور، ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ پنجشنبہ

Specialist in
DIGITIZING ISLAMIC BOOKS
Contact: noorbari786@gmail.com
Visit: noorhiraislamicbooks.com
١١ ذالقعدہ ١٤٤٦

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ط

بیشک فلاح اور کامیابی کو پہنچ گئے وہ لوگ جو اپنی نماز کو خشوع سے پڑھنے والے ہیں

فضائلِ نماز

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ

DIGITIZED ISLAMIC BOOKS
noorhiraislamicbooks.com

فہرست مضامین فضائل نماز

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	خطبہ وتمہید	۳۴۸
	باب اوّل (نماز کی اہمیت کے بیان میں)	۳۵۰
	فصلِ اول (نماز کی فضیلت کے بیان میں)	۳۵۰
۱	عن ابن عمر رضی اللہ عنہما بنی الاسلام علی خمس۔	۳۵۰
۲	عن ابی ذر رضی اللہ عنہ خرج والورق۔ یتہافت۔	۳۵۱
۳	عن ابی عثمان رضی اللہ عنہ وقد اخذ غصنا۔	۳۵۲
۴	عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ لوان بباب احدکم نہراً۔	۳۵۴
۵	عن جابر رضی اللہ عنہ مثل الصلوات الخمس کمثل نہر۔	۳۵۵
۶	عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ اذا حزبہ امر صلی۔	۳۵۶
۷	عن ابی مسلم رحمہ اللہ من توضأ فقام الی فریضۃ۔	۳۶۰
۸	عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ فی رجلین استشہد احدہما۔	۳۶۲
۹	عن ابن مسعود رضی اللہ عنہما فی ملک ینادی اطفوا۔	۳۶۴
۱۰	عن ابی قتادۃ رضی اللہ عنہ فی عہدہ تعالیٰ بالمغفرۃ۔	۳۶۵
۱۱	عن ابن سلمان فی رجل ربح لم یربح مثلہ۔	۳۶۶
۱۲	چہل حدیث اُردو۔	۳۶۸
۱۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت نماز میں۔	۳۷۱
۱۴	ایک مجددی کی حسرت جنّت پر۔	۳۷۲
	فصل دوم (نماز کے چھوڑنے پر وعید وعتاب کا بیان)	۳۷۴
۱	عن جابر رضی اللہ عنہ بین العبد والکفر الخ۔	۳۷۴
۲	عن عبادۃ رضی اللہ عنہ اوصانی خلیلی بسبع۔	۳۷۵
۳	عن معاذ رضی اللہ عنہ اوصانی بعشر۔	۳۷۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۴	عن نوفل رضی اللہ عنہ من فاتتہ کانما وتر۔	۳۷۸
۵	عن ابن عباس رضی اللہ عنہ من جمع بغیر عذر۔	۳۷۸
۶	عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ من حافظ کانت لہ نوراً والامع فرعون وہامان۔	۳۷۹
۷	من حافظ اکرم بخمس والاعوقب بخمس عشر عقوبۃ۔	۳۸۱
۸	من ترک عذب حقبا۔	۳۹۱
۹	عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ لاسہم فی الاسلام۔	۳۹۳
	باب دوم (جماعت کے بیان میں)	۳۹۵
	فصل اوّل (جماعت کے فضائل میں)	۳۹۵
۱	عن ابن عمر رضی اللہ عنہ صلوٰۃ الجماعۃ بسبع عشرین۔	۳۹۵
۲	عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ تضعف خمساً وعشرین۔	۳۹۷
۳	عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ شرع سنن الہدیٰ۔	۴۰۰
۴	عن انس رضی اللہ عنہ من صلی اربعین یوماً فی جماعۃ کتب لہ برائتان۔	۴۰۲
۵	عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ من توضأ فاحسن ثم راح فوجد الناس صلوا۔	۴۰۲
۶	عن قباث صلوٰۃ الرجلین یؤم احدہما ازکی من اربعۃ تتریٰ۔	۴۰۳
۷	عن سہل رضی اللہ عنہ بشر المشائین فی الظلم۔	۴۰۴
	فصل دوم (جماعت چھوڑنے پر عتاب کا بیان)	۴۰۷
۱	عن ابن عباس رضی اللہ عنہما من سمع النداء ولم یمنعہ عذر لم تقبل منہ۔	۴۰۸
۲	عن معاذ رضی اللہ عنہ الجفاء والکفر الخ۔	۴۰۹
۳	عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ہممت ان امر فتیتی فیجمعو الی حطباً۔	۴۰۹
۴	عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ ما من ثلاثۃ فی قریۃ ولا بدو الخ۔	۴۱۰
۵	عن ابنِ عباس رضی اللہ عنہ من یصوم ویقوم اللّیل ولا یشہد الجماعۃ الخ۔	۴۱۱
۶	عن کعب فی تفسیر یوم یکشف الآیۃ۔	۴۱۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	باب سوم (خشوع وخضوع کے بیان میں)	۴۱۳
۱	تفسیر آیاتِ خشوع۔	۴۱۵
۲	عن عمار رضی اللہ عنہ لینصرف وما کتب لہ الاعشر صلوٰتہ الخ۔	۴۲۷
۳	عن انس رضی اللہ عنہ من اتم قیامہا تخرج بیضاء سفرۃ تقول حفظک اللہ والاتقول ضیعک اللہ۔	۴۲۸
۴	عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ اول مایحاسب الصلوۃ ویکمل الفریضۃ عن التطوع۔	۴۳۰
۵	عن عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ اول مایحاسب الصلوۃ فان صلحت صلح سائر عملہ۔	۴۳۲
۶	عن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ اسوء الناس سرقۃ۔	۴۳۳
۷	عن ام رومان رضی اللہ عنہ رآنی ابوبکر رضی اللہ عنہ اتمیل الخ۔	۴۳۴
۸	عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فی قولہ تعالیٰ ان الصلوۃ تنہی عن الفحشاء والمنکر۔	۴۳۶
۹	عن جابر رضی اللہ عنہ رفعہ افضل الصلوۃ طول القنوت۔	۴۳۸
۱۰	نماز میں بارہ ہزار چیزیں۔	۴۴۱
۱۱	آخری گذارش۔	۴۵۰
۱۲	تمت۔	۴۵۱

----------☆---☆---☆----------

خطبہ وتمہید

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنَشْکُرُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ، وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَاَتْبَاعِہِ الْحُمَاۃِ لِلدِّیْنِ الْقَوِیْمِ، وَبَعْدُ: فَھٰذِہٖ اَرْبَعُوْنَۃٌ فِیْ فَضَائِلِ الصَّلٰوۃِ جَمَعْتُھَا اِمْتِثَالًا لِاَمْرِ عَمِّیْ وَصِنْوِ اَبِیْ، رَقَاہُ اللّٰہُ اِلَی الْمَرَاتِبِ الْعُلْیَا وَوَفَّقَنِیْ وَاِیَّاہُ لِمَا یُحِبُّ وَیَرْضٰی. اَمَّا بَعْدُ:

اس زمانہ میں دین کی طرف سے جتنی بے توجہی اور بے اِلتفاتی کی جارہی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں، حتیٰ کہ اہم ترین عبادت نماز جو بالاتفاق سب کے نزدیک ایمان کے بعد تمام فرائض پر مقدّم ہے اور قیامت میں سب سے اوّل اسی کا مطالبہ ہوگا اس سے بھی نہایت غفلت اور لاپرواہی ہے، اس سے بڑھ کر یہ کہ دین کی طرف متوجہ کرنے والی کوئی آواز کانوں تک نہیں پہنچتی، تبلیغ کی کوئی صورت بارآور نہیں ہوتی۔ تجربہ سے یہ بات خیال میں آئی ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ کے پاک اِرشادات لوگوں تک پہنچانے کی سَعی کی جائے، اگرچہ اس میں بھی جو مُزاحمتیں حائل ہیں وہ بھی مجھ سے بے بِضاعت کیلئے کافی ہیں، تاہم اُمید یہ ہے کہ جو لوگ خالیُ الذّہن ہیں اور دین کا مقابلہ نہیں کرتے ہیں، یہ پاک الفاظ ان شاء اللہ تعالیٰ ان پر ضرور اثر کریں گے اور کلام وصاحبِ کلام کی برکت سے نفع کی توقّع ہے، نیز دوسرے دوستوں کو اس میں کامیابی کی اُمیدیں زیادہ ہیں جن کی وجہ سے مخلصین کا اصرار بھی ہے، اس لئے اس رسالہ میں صرف نماز کے متعلق چند احادیث کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔ چونکہ نفسِ تبلیغ کے متعلق بندۂ ناچیز کا ایک مضمون رسالہ فضائلِ تبلیغ کے نام سے شائع ہو چکا ہے، اس وجہ سے اس کو سلسلۂ تبلیغ کا نمبر ۲ قرار دے کر فضائلِ نماز کے نام کیساتھ موسوم کرتا ہوں۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ.

نماز کے بارے میں تین قسم کے حضرات عام طور سے پائے جاتے ہیں: ایک جماعت وہ ہے جو سرے سے نماز ہی کی پرواہ نہیں کرتی، دوسرا گروہ وہ ہے جو نماز تو پڑھتا ہے،

مگر جماعت کا اہتمام نہیں کرتا، تیسرے وہ لوگ ہیں جو نماز بھی پڑھتے ہیں اور جماعت کا بھی اہتمام بھی کرتے ہیں، مگر لاپروائی اور بُری طرح سے پڑھتے ہیں۔ اس لئے اس رسالہ میں تینوں مضامین کی مناسبت سے تین باب ذکر کئے گئے ہیں اور ہر باب میں نبی اکرم ﷺ کے پاک ارشادات اور ان کا ترجمہ پیش کر دیا ہے، مگر ترجمہ میں وضاحت اور سہولت کا لحاظ کیا ہے، لفظی ترجمہ کی زیادہ رعایت نہیں کی، نیز چونکہ نماز کی تبلیغ کرنیوالے اکثر اہلِ علم بھی ہوتے ہیں اس لئے حدیث کا حوالہ اور اس کے مُتعلّق جو مضامین اہلِ علم سے تعلّق رکھتے تھے وہ عربی میں لکھ دیئے گئے ہیں کہ عوام کو اُن سے کچھ فائدہ نہیں ہے اور تبلیغ کرنیوالے حضرات کو بسا اوقات ضرورت پڑ جاتی ہے اور ترجمہ وفوائد وغیرہ اردو میں لکھ دیئے گئے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب اوّل

نماز کی اہمیّت کے بیان میں

اس باب میں دو فصلیں ہیں: فصلِ اوّل میں نماز کی فضیلت کا بیان ہے اور دوسری فصل میں نماز کے چھوڑنے پر جو وعید اور عتاب حدیث میں آیا ہے اس کا بیان ہے۔

فصل اوّل

نماز کی فضیلت کے بیان میں

(۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ، وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ (متفق عليه) . وقال المنذري في الترغيب: رواه البخاري ومسلم وغيرهما عن غير واحد من الصحابة بنحوه

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر ہے۔ سب سے اول لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی گواہی دینا، یعنی اس بات کا اقرار کرنا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اس کے بعد نماز کا قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، حج کرنا، رَمضانُ المبارک کے روزے رکھنا۔

ف: یہ پانچوں چیزیں ایمان کے بڑے اُصول اور اہم ارکان ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے اس پاک حدیث میں بطور مثال کے اسلام کو ایک خیمہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو پانچ ستونوں پر قائم ہوتا ہے، پس کلمۂ شہادت خیمہ کی درمیانی لکڑی کی طرح ہے اور بقیہ چاروں اَرکان بمنزلہ ان چار ستونوں کے ہیں جو چاروں کونوں پر ہوں، اگر درمیانی لکڑی نہ ہو تو خیمہ کھڑا ہو ہی نہیں سکتا اور اگر یہ لکڑی موجود ہو اور چاروں طرف کے کونوں میں کوئی سی لکڑی نہ ہو تو خیمہ قائم تو ہو جائے گا، لیکن جونسے کونے کی لکڑی نہیں ہوگی وہ جانب ناقص اور گری ہوئی ہوگی۔ اس پاک ارشاد کے بعد اب ہم لوگوں کو اپنی حالت پر خود ہی غور کر لینا

چاہیئے کہ اسلام کے اس خیمہ کو ہم نے کس درجہ تک قائم کر رکھا ہے اور اسلام کا کونسا رکن ایسا ہے جس کو ہم نے پورے طور پر سنبھال رکھا ہے، اسلام کے یہ پانچوں ارکان نہایت اہم ہیں، حتیٰ کہ اسلام کی بنیاد انہی کو قرار دیا گیا ہے اور ایک مسلمان کے لئے بحیثیت مسلمان ہونے کے ان سب کا اہتمام نہایت ضروری ہے، مگر ایمان کے بعد سب سے اہم چیز نماز ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے یہاں سب سے زیادہ محبوب عمل کونسا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ نماز۔ میں نے عرض کیا: کہ اس کے بعد کیا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ والدین کے ساتھ حُسنِ سُلوک۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد کونسا ہے؟ ارشاد فرمایا: جہاد۔ مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں علماء کے اس قول کی دلیل ہے کہ ایمان کے بعد سب سے مُقدّم نماز ہے۔ اس کی تائید اس حدیث صحیح سے بھی ہوتی ہے جس میں ارشاد ہے "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرُ مَوْضُوْعٍ" یعنی بہترین عمل جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے مُقرّر فرمایا وہ نماز ہے، اور احادیث میں کثرت سے یہ مضمون صاف اور صحیح حدیثوں میں نقل کیا گیا ہے کہ تمہارے سب اعمال میں سب سے بہتر عمل نماز ہے، چنانچہ جامع صغیر[1] میں حضرت ثوبان، ابن عمرو، سلمہ، ابو اُمامہ، عُبادہ رضی اللہ عنہم پانچ صحابہ سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے اور حضرت ابن مسعود و انس رضی اللہ عنہما سے اپنے وقت پر نماز کا پڑھنا افضل ترین عمل نقل کیا گیا ہے[1] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور اُمِ فَروہ رضی اللہ عنہا سے اوّل وقت نماز پڑھنا نقل کیا گیا ہے۔ مقصد سب کا قریب قریب ایک ہی ہے۔

(۲) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ: اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ خَرَجَ فِی الشِّتَاءِ وَالْوَرَقُ یَتَهَافَتُ، فَاَخَذَ بِغُصْنٍ مِّنْ شَجَرَةٍ، قَالَ: فَجَعَلَ ذٰلِكَ الْوَرَقُ یَتَهَافَتُ، فَقَالَ: یَا اَبَا ذَرٍّ! قُلْتُ: لَبَّیْكَ، یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: اِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَیُصَلِّی الصَّلٰوةَ یُرِیْدُ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ، فَتَهَافَتْ عَنْهُ

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سردی کے موسم میں باہر تشریف لائے اور پتے درختوں پر سے گر رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کی ٹہنی ہاتھ میں لی اس کے پتے اور بھی گرنے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! مسلمان بندہ جب اخلاص سے اللہ کے

[1] جامع الصغیر

ذُنُوْبُهُ كَمَا تَهَافَتَ هٰذَا الْوَرَقُ عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ. (رواه أحمد باسناد حسن، كذافي الترغيب)

لئے نماز پڑھتا ہے تو اس سے اس کے گناہ ایسے ہی گِرتے ہیں جیسے یہ پتے درخت سے گِر رہے ہیں۔

ف: سردی کے موسم میں درختوں کے پتے ایسی کثرت سے گرتے ہیں کہ بعضے درختوں پر ایک بھی پتہ نہیں رہتا، نبیِ اکرم ﷺ کا پاک اِرشاد ہے کہ اخلاص سے نماز پڑھنے کا اثر بھی یہی ہے کہ اس کے سارے گُناہ معاف ہو جاتے ہیں، ایک بھی نہیں رہتا، مگر ایک بات قابلِ لحاظ ہے۔ علماء کی تحقیق آیاتِ قرآنیہ اور اَحادِیث نبویّہ کی وجہ سے یہ ہے کہ نماز وغیرہ عبادات سے صرف گناہِ صغیرہ مُعاف ہوتے ہیں، کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے مُعاف نہیں ہوتا، اس لئے نماز کے ساتھ توبہ واستغفار کا اہتمام بھی کرنا چاہئے، اس سے غافل نہ ہونا چاہئے، البتہ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل سے کسی کے گناہ کبیرہ بھی معاف فرمادیں تو دوسری بات ہے۔

(۳) عَنْ اَبِیْ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ: كُنْتُ مَعَ سَلْمَانَ رضی اللہ عنہ تَحْتَ شَجَرَةٍ، فَاَخَذَ غُصْنًا مِنْهَا يَابِسًا، فَهَزَّهُ حَتّٰى تَحَاتَّ وَرَقُهُ، ثُمَّ قَالَ: يَااَبَا عُثْمَانَ! اَلَا تَسْئَلُنِیْ لِمَ اَفْعَلُ هٰذَا، قُلْتُ: وَلِمَ تَفْعَلُهُ؟ قَالَ: هٰكَذَا فَعَلَ بِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَنَا مَعَهُ تَحْتَ الشَّجَرَةِ، وَاَخَذَ مِنْهَا غُصْنًا يَابِسًا، فَهَزَّهُ حَتّٰى تَحَاتَّ وَرَقُهُ، فَقَالَ يَاسَلْمَانُ: اَلَا تَسْئَالُنِیْ لِمَ اَفْعَلُ هٰذَا، قُلْتُ: وَلِمَ تَفْعَلُهُ؟ قَالَ: اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا تَوَضَّأَ، فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ، ثُمَّ صَلَّى الصَّلَوٰتِ الْخَمْسَ تَحَاتَّتْ خَطَايَاهُ

اَبُو عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کیساتھ ایک درخت کے نیچے تھا، انہوں نے اس درخت کی ایک خشک ٹہنی پکڑ کر اس کو حرکت دی، جس سے اس کے پتے گر گئے۔ پھر مجھ سے کہنے لگے کہ اَبُو عثمان! تم نے مجھ سے یہ نہ پوچھا کہ میں نے یہ کیوں کیا۔ میں نے کہا: بتا دیجئے، کیوں کیا؟ اُنہوں نے کہا کہ میں ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے تھا۔ آپ ﷺ نے بھی درخت کی ایک خشک ٹہنی پکڑ کر اسی طرح کیا تھا جس سے اس ٹہنی کے پتے جھڑ گئے تھے، پھر حضور ﷺ نے

كَمَا تَحَاتَّ هٰذَا الْوَرَقُ، وَقَالَ: اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ط اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ط ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ (هود:۱۱٤)

(رواه أحمد والنسائي والطبراني، ورُواةُ أحمد محتج بهم في الصحيح إلا علي بن زيد، كذا في الترغيب)

ارشاد فرمایا تھا کہ سلمان! پوچھتے نہیں کہ میں نے اس طرح کیوں کیا، میں نے عرض کیا کہ بتادیجئے، کیوں کیا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مسلمان اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر پانچوں نمازیں پڑھتا ہے تو اس کی خطائیں اس سے ایسے ہی گرجاتی ہیں جیسے یہ پتے گرتے ہیں، پھر آپ ﷺ نے قرآن کی آیت "اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ" تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ قائم کر نماز کو دن کے دونوں سروں میں اور رات کے کچھ حصوں میں، بیشک نیکیاں دور کردیتی ہیں گناہوں کو، یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے۔

ف: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے جو عمل کر کے دکھلایا، یہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے تعشق کی ادنیٰ مثال ہے۔ جب کسی شخص کو کسی سے عشق ہوتا ہے اس کی ہر ادا بھاتی ہے اور اسی طرح ہر کام کے کرنے کو جی چاہا کرتا ہے جس طرح محبوب کو کرتے دیکھتا ہے، جو لوگ محبت کا ذائقہ چکھ چکے ہیں وہ اس کی حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم ﷺ کے ارشادات نقل کرنے میں اکثر ان افعال کی بھی نقل کرتے تھے جو اس ارشاد کے وقت حضور ﷺ نے کئے تھے۔ نماز کا اہتمام اور اس کی وجہ سے گناہوں کا مُعاف ہونا جس کثرت سے روایات میں ذکر کیا گیا ہے اس کا اِحاطہ دشوار ہے۔ پہلے بھی مُتعدد روایات میں یہ مضمون گذر چکا ہے، علماء نے اس کو صغیرہ گناہوں کے ساتھ مخصوص کیا ہے، جیسا پہلے معلوم ہو چکا، مگر اَحادیث میں صغیرہ کبیرہ کی کچھ قید نہیں ہے، مطلق گناہوں کا ذکر ہے۔ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیم کے وقت اس کی دو وجہیں اِرشاد فرمائی تھیں: ایک یہ کہ مسلمان کی شان سے یہ بعید ہے کہ اس کے ذمہ کوئی کبیرہ ہو، اوّلاً تو اس سے گناہِ کبیرہ کا صادر ہونا ہی مُشکل ہے اور اگر ہو بھی گیا تو بغیر توبہ کے اس کو چین آنا مشکل ہے۔ مسلمان کی مسلمانی شان کا مُقتضیٰ یہ ہے کہ جب اس سے کبیرہ صادر ہو جائے تو اتنے

رو پیٹ کر اس کو دھونہ لے اس کو چین نہ آئے، البتہ صغیرہ گناہ ایسے ہیں کہ ان کی طرف بسا اوقات التفات نہیں ہوتا ہے اور ذمہ پر رہ جاتے ہیں، جو نماز وغیرہ سے معاف ہو جاتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جو شخص اخلاص سے نماز پڑھے گا اور آداب و مُستَحَبات کی رعایت رکھے گا، وہ خود ہی نہ معلوم کتنی مرتبہ توبہ استغفار کرے گا اور نماز میں التحیات کی اخیر دعا "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ" الخ میں تو توبہ واستغفار خود ہی موجود ہے۔ ان روایات میں وضو کو بھی اچھی طرح سے کرنے کا حکم ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے آداب و مُستَحَبات کی تحقیق کر کے ان کا اہتمام کرے، مثلاً ایک سنت اس کی مسواک ہی ہے جس کی طرف عام طور پر بے توجہی ہے، حالانکہ حدیث میں وارد ہے کہ جو نماز مسواک کر کے پڑھی جائے وہ اس نماز سے جو بلا مسواک پڑھی جائے ستّر درجہ افضل ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ مسواک کا اہتمام کیا کرو، اس میں دس فائدے ہیں: (۱) منہ کو صاف کرتی ہے، (۲) اللہ کی رضا کا سبب ہے۔ (۳) شیطان کو غصہ دلاتی ہے۔ (۴) مسواک کرنے والے کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں اور فرشتے محبوب رکھتے ہیں۔ (۵) مسوڑھوں کو قوت دیتی ہے۔ (۶) بلغم کو قطع کرتی ہے۔ (۷) منہ میں خوشبو پیدا کرتی ہے۔ (۸) صَفرا[1] کو دور کرتی ہے۔ (۹) نگاہ کو تیز کرتی ہے۔ (۱۰) منہ کی بدبو کو زائل کرتی ہے اور اس سب کے علاوہ یہ ہے کہ سنت ہے۔ (مُنَبِّہات اِبنِ حَجَر رحمۃ اللہ علیہ)۔

علماء نے لکھا ہے کہ مسواک کے اہتمام میں ستّر فائدے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ مرتے وقت کلمۂ شہادت پڑھنا نصیب ہوتا ہے اور اس کے بالمقابل افیون کھانے میں ستر مَضرتیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ مرتے وقت کلمہ یاد نہیں آتا۔ اچھی طرح وضو کرنے کے فضائل احادیث میں بڑی کثرت سے آئے ہیں۔ وضو کے اعضاء قیامت کے دن روشن اور چمک دار ہوں گے اور اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فوراً اپنے اُمّتی کو پہچان جائیں گے۔

(۴) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ: اَرَاَیْتُمْ لَوْ اَنَّ نَھْرًا بِبَابِ اَحَدِکُمْ، یَغْتَسِلُ فِیْہِ کُلَّ یَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ، ھَلْ بَقِیَ مِنْ دَرَنِہٖ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: بتاؤ اگر کسی شخص کے دروازہ پر ایک نہر جاری ہو جس میں وہ پانچ

[1] صفرا:- پت، اخلاطِ اربعہ میں سے ایک زرد رنگ کا کڑوا مادہ۔

شَيْءٌ؟ قَالُوْا: لَايَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْءٌ، قَالَ: فَكَذٰلِكَ مِثْلُ الصَّلَوٰتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا. (رواه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی ورواه ابن ماجة من حديث عثمان، كذافي الترغيب).

مرتبہ روزانہ غسل کرتا ہو، کیا اس کے بدن پر کچھ میل باقی رہے گا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ کچھ بھی باقی نہیں رہے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی حال پانچوں نمازوں کا ہے کہ اللہ جل شانہ ان کی وجہ سے گناہوں کو زائل کر دیتے ہیں۔

(۴ب) عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَثَلُ الصَّلَوٰتِ الْخَمْسِ، كَمَثَلِ نَهْرٍ جَارٍ غَمْرٍ عَلٰى بَابِ اَحَدِكُمْ، يَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ. (رواه مسلم، كذافي الترغيب)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ پانچوں نمازوں کی مثال ایسی ہے کہ کسی کے دروازے پر ایک نہر ہو جس کا پانی جاری ہو اور بہت گہرا ہو، اس میں روزانہ پانچ دفعہ غسل کرے۔

ف: جاری پانی گندگی وغیرہ سے پاک ہوتا ہے اور پانی جتنا بھی گہرا ہوگا اتنا ہی صاف اور شفاف ہوگا، اسی لئے اس حدیث میں اس کا جاری ہونا اور گہرا ہونا فرمایا گیا ہے، اور جتنے صاف پانی سے آدمی غسل کریگا اتنی ہی صفائی بدن پر آئے گی۔ اسی طرح نمازوں کی وجہ سے اگر آداب کی رعایت رکھتے ہوئے پڑھی جائیں تو گناہوں سے صفائی حاصل ہوتی ہے۔ جس قسم کا مضمون ان دو حدیثوں میں ارشاد ہوا ہے اس قسم کا مضمون کئی حدیثوں میں مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف الفاظ میں نقل کیا گیا ہے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پانچوں نمازیں درمیانی اوقات کے لئے کفّارہ ہیں، یعنی ایک نماز سے دوسری نماز تک جو صغیرہ گناہ ہوتے ہیں وہ نماز کی برکت سے معاف ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مثلاً ایک شخص کا کوئی کارخانہ ہے، جس میں وہ کچھ کاروبار کرتا ہے، جس کی وجہ سے اس کے بدن پر کچھ گرد و غبار، میل کچیل لگ جاتا ہے اور اس کے کارخانے اور مکان کے درمیان میں پانچ نہریں پڑتی ہیں، جب وہ کارخانے سے گھر جاتا ہے تو ہر نہر پر غسل کرتا ہے۔ اسی طرح سے پانچوں نمازوں کا حال ہے کہ جب

کبھی درمیانی اوقات میں کچھ خطا اور لَغزِش وغیرہ ہو جاتی ہے تو نمازوں میں دُعا استغفار کرنے سے اللہ جَلَّ شَانُہٗ بالکل اس کو مُعاف فرما دیتے ہیں۔ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا مقصود اس قسم کی مثالوں سے اس امر کا سمجھا دینا ہے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے نماز کو گناہوں کی معافی میں بہت قوی تاثیر عطا فرمائی ہے اور چونکہ مثال سے بات ذرا اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے اس لئے مختلف مثالوں سے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اس مضمون کو واضح فرما دیا ہے۔ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی اس رحمت اور وُسعتِ مغفرت اور لُطف وانعام اور کرم سے ہم لوگ فائدہ نہ اٹھائیں تو کسی کا کیا نقصان ہے، اپنا ہی کچھ کھوتے ہیں۔ ہم لوگ گناہ کرتے ہیں، نافرمانیاں کرتے ہیں، حکم عدولیاں کرتے ہیں، تعمیلِ ارشاد میں کوتاہیاں کرتے ہیں، اس کا مُقتضیٰ یہ تھا کہ قادر، عادل بادشاہ کے یہاں ضرور سزا ہوتی اور اپنے کئے کو بھگتتے، مگر اللہ کے کرم پر قربان کہ جس نے اپنی نافرمانیاں اور حکم عدولیاں کرنے کی تلافی کا طریقہ بھی بتا دیا، اگر ہم اس سے نفع حاصل نہ کریں تو ہماری حماقت ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت اور لُطف تو عطا کے واسطے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔ ایک حدیث میں اِرشاد ہے کہ جو شخص سوتے ہوئے یہ ارادہ کرے کہ تہجّد پڑھونگا اور پھر آنکھ نہ کھلے تو اس کا ثواب اس کو ملے گا اور سونا مفت میں رہا[1] کیا ٹھکانا ہے اللہ کی دَین اور عطا کا؟ اور جو کریم اس طرح عطائیں کرتا ہو اس سے نہ لینا کتنی سخت محرومی اور کتنا زبردست نقصان ہے۔

(۵) عَنْ حُذَیْفَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِذَا حَزَبَهٗ اَمْرٌ، فَزَعَ اِلَی الصَّلٰوةِ. (اخرجه احمد و ابو داود وابن جریر، کذا فی الدر المنثور)

حضرت حُذیفہ رضی اللہ عنہ اِرشاد فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو جب کوئی سخت امر پیش آتا تھا تو نماز کی طرف فوراً متوجہ ہوتے تھے۔

ف: نماز اللہ کی بڑی رحمت ہے، اس لئے ہر پریشانی کے وقت میں ادھر مُتوجّہ ہو جانا گویا اللہ کی رحمت کی طرف مُتوجّہ ہو جانا ہے اور جب رحمتِ الٰہی مُساعد و مددگار ہو تو پھر کیا مجال ہے کسی پریشانی کی کہ باقی رہے۔ بہت سی روایتوں میں مختلف طور سے یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جو ہر قدم پر حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا اِتّباع فرمانے والے ہیں ان کے

[1] ترغیب

حالات میں بھی یہ چیز نقل کی گئی ہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آندھی چلتی تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فوراً مسجد میں تشریف لے جاتے تھے اور جب تک آندھی بند نہ ہو جاتی مسجد سے نہ نکلتے۔ اسی طرح جب سورج یا چاند گرہن ہو جاتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فوراً نماز کی طرف مُتوجّہ ہو جاتے۔ حضرت صُہَیب رضی اللہ عنہ، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کا بھی یہی معمول تھا کہ ہر پریشانی کے وقت نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ حضرت اِبنِ عباس رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ سفر میں تھے، راستہ میں اطلاع ملی کہ بیٹے کا انتقال ہو گیا، اونٹ سے اترے، دو رکعت نماز پڑھی پھر "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن" پڑھا اور پھر فرمایا کہ ہم نے وہ کیا جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اور قرآن پاک کی آیت "وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ" (البقرہ:۴۵) تلاوت کی۔

ایک اور قصہ اِسی قسم کا نقل کیا گیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تشریف لے جا رہے تھے، راستہ میں ان کے بھائی قُثم کے انتقال کی خبر ملی، راستہ سے ایک طرف کو ہو کر اونٹ سے اُترے، دو رکعت نماز پڑھی اور التحیّات میں بہت دیر تک دعائیں پڑھتے رہے۔ اس کے بعد اٹھے اور اونٹ پر سوار ہوئے اور قرآنِ پاک کی آیت "وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ" (البقرہ:۴۵) تلاوت فرمائی۔ (ترجمہ) اور مدد حاصل کرو صبر کے ساتھ اور نماز کے ساتھ، اور بیشک وہ نماز دُشوار ضرور ہے، مگر جن کے دلوں میں خشوع ہے ان پر کچھ دشوار نہیں۔ خشوع کا بیان تیسرے باب میں مُفصّل آ رہا ہے۔ انہیں کا ایک اور قصہ ہے کہ اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی کے انتقال کی خبر ملی تو سجدہ میں گر گئے، کسی نے دریافت کیا کہ یہ کیا بات تھی؟ آپ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم کو یہی ارشاد ہے کہ جب کوئی حادثہ دیکھو تو سجدہ میں (یعنی نماز میں) مشغول ہو جاؤ، اس سے بڑا حادثہ اور کیا ہوگا کہ اُم المؤمنین کا انتقال ہو گیا۔[1]

حضرت عُبادہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کا وقت جب قریب آیا تو جو لوگ وہاں موجود تھے ان سے فرمایا کہ میں ہر شخص کو اس سے روکتا ہوں کہ وہ مجھے روئے اور جب میری رُوح نکل جائے تو ہر شخص وضو کرے اور اچھی طرح سے آداب کی رعایت رکھتے ہوئے وضو کرے،

[1] ابوداؤد

پھر مسجد میں جائے اور نماز پڑھ کر میرے واسطے استغفار کرے، اس لئے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے "وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ" (البقرہ:۴۵) کا حکم فرمایا ہے۔ اس کے بعد مجھے قبر کے گڑھے میں پہنچا دینا۔ حضرت اُمِّ کلثوم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا کے خاوند حضرت عبدالرحمٰن رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بیمار تھے اور ایک دفعہ ایسی سکتہ کی سی حالت ہوگئی کہ سب نے انتقال ہو جانا تجویز کر لیا۔ حضرت اُمِّ کلثوم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا اٹھیں اور نماز کی نیت باندھ لی، نماز سے فارغ ہوئیں تو حضرت عبدالرحمٰن رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کو بھی اِفاقہ ہوا۔ لوگوں سے پوچھا: کیا میری حالت موت کی سی ہوگئی تھی؟ لوگوں نے عرض کیا: جی ہاں۔ فرمایا کہ دو فرشتے میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ چلو اَحْکَمُ الْحَاکِمِین کی بارگاہ میں تمہارا فیصلہ ہونا ہے، وہ مجھے لے جانے لگے تو ایک تیسرے فرشتے آئے اور ان دونوں سے کہا کہ تم چلے جاؤ، یہ ان لوگوں میں ہیں جن کی قسمت میں سعادت اسی وقت لکھ دی گئی تھی جب یہ ماں کے پیٹ میں تھے اور ابھی ان کی اولاد کو ان سے اور فوائد حاصل کرنے ہیں۔ اس کے بعد ایک مہینہ تک حضرت عبدالرحمٰن رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ زندہ رہے، پھر انتقال ہوا۔[1]

حضرت نضر رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ کہتے ہیں کہ دن میں ایک مرتبہ سخت اندھیرا ہو گیا۔ میں دوڑا ہوا حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دریافت کیا کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے زمانہ میں بھی کبھی ایسی نوبت آئی ہے۔ انہوں نے فرمایا: خدا کی پناہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے زمانہ میں تو ذرا بھی ہوا تیز چلتی تھی تو ہم سب مسجدوں کو دوڑ جاتے تھے کہ کہیں قیامت تو نہیں آگئی۔[2]

عبداللہ بن سلام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کہتے ہیں کہ جب نبیِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے گھر والوں پر کسی قسم کی تنگی پیش آتی تو ان کو نماز کا حکم فرمایا کرتے اور یہ آیت تلاوت فرماتے "وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا" (طٰہٰ:۱۳۲) اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرتے رہئے اور خود بھی اس کا اہتمام کیجئے، ہم آپ سے روزی کموانا نہیں چاہتے، روزی تو آپ کو ہم دیں گے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس شخص کو کوئی بھی ضرورت پیش آئے، دینی ہو یا دُنیوی، اس کا تعلق مالِکُ الملک سے ہو یا کسی آدمی سے، اس کو چاہئے کہ بہت اچھی طرح وضو کرے، پھر دو رکعت نماز پڑھے، پھر اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی حمد و ثنا کرے اور پھر درود شریف پڑھے، اس کے بعد یہ دعا پڑھے تو ان شاءاللہ اس کی حاجت ضرور پوری ہوگی۔ دعا یہ ہے:

---

[1] درِّ منثور [2] ابوداؤد

"لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ الْـحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ، وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ، وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ، لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ! وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ، وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ!

وَہب بن مُنَبِّہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے حاجتیں نماز کے ذریعہ طلب کی جاتی ہیں اور پہلے لوگوں کو جب کوئی حادثہ پیش آتا تھا وہ نماز ہی کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ جس پر بھی کوئی حادثہ گذرتا وہ جلدی سے نماز کی طرف رجوع کرتا۔

کہتے ہیں کہ کوفہ میں ایک قُلی تھا جس پر لوگوں کو بہت اعتماد تھا۔ امین ہونے کی وجہ سے تاجروں کا سامان روپیہ وغیرہ بھی لے جاتا۔ ایک مرتبہ وہ سفر میں جارہا تھا، راستہ میں ایک شخص اس کو ملا۔ پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ قلی نے کہا: فلاں شہر کا۔ وہ کہنے لگا کہ مجھے بھی جانا ہے، میں پاؤں چل سکتا تو تیرے ساتھ ہی چلتا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک دینار کرایہ پر مجھے خچر پر سوار کرلے؟ قلی نے اس کو منظور کرلیا، وہ سوار ہوگیا، راستہ میں ایک دوراہہ ملا۔ سوار نے پوچھا: کدھر کو چلنا چاہئے؟ قلی نے شارع عام کا راستہ بتایا۔ سوار نے کہا: یہ دوسرا راستہ قریب کا ہے اور جانور کے لئے بھی سہولت کا ہے کہ سبزہ اس پر خوب ہے۔ قلی نے کہا: میں نے یہ راستہ دیکھا نہیں۔ سوار نے کہا: میں بارہا اس راستہ پر چلا ہوں۔ قلی نے کہا: اچھی بات ہے اسی راستہ کو چلے۔ تھوڑی دیر چل کر وہ راستہ ایک وحشت ناک جنگل پر ختم ہوگیا، جہاں بہت سے مردے پڑے تھے۔ وہ شخص سواری سے اُترا اور کمر سے خنجر نکال کر قلی کے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ قلی نے کہا کہ ایسا نہ کر۔ یہ خچر اور سامان سب کچھ لے لے، یہی تیرا مقصود ہے، مجھے قتل نہ کر۔ اس نے نہ مانا اور قسم کھالی کہ پہلے تجھے ماروں گا، پھر یہ سب کچھ لوں گا۔ اس نے بہت عاجزی کی، مگر اس ظالم نے ایک بھی نہ مانی۔ قلی نے کہا: اچھا مجھے دو رکعت آخری نماز پڑھنے دے۔ اس نے قبول کیا اور ہنس کر کہا: جلدی سے پڑھ لے، ان مُردوں نے بھی یہی درخواست کی تھی، مگر ان کی نماز نے کچھ بھی کام نہ دیا۔ اس قلی نے نماز شروع کی۔ اَلْحَمْدْ شریف پڑھ کر سورت بھی یاد نہ آئی۔ اُدھر وہ ظالم کھڑا تقاضا کررہا تھا کہ

جلدی ختم کر، بے اختیار اس کی زبان پر یہ آیت جاری ہوئی: "اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ." (النمل:۶۲) یہ پڑھ رہا تھا اور رو رہا تھا کہ ایک سوار نمودار ہوا جس کے سر پر چمکتا ہوا خود (لوہے کی ٹوپی) تھا، اس نے نیزہ مار کر اس ظالم کو ہلاک کر دیا۔ جس جگہ وہ ظالم مر کر گرا آگ کے شعلے اس جگہ سے اٹھنے لگے۔ یہ نمازی بے اختیار سجدہ میں گر گیا، اللہ کا شکر ادا کیا۔ نماز کے بعد اس سوار کی طرف دوڑا۔ اس سے پوچھا کہ خدا کے واسطے اتنا بتا دو کہ تم کون ہو؟ کیسے آئے؟ اس نے کہا کہ میں اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ کا غلام ہوں۔ اب تم مامون ہو، جہاں چاہے جاؤ۔[1] یہ کہہ کر چلا گیا۔

درحقیقت نماز ایسی ہی بڑی دولت ہے کہ اللہ کی رضا کے علاوہ دنیا کے مصائب سے بھی اکثر نجات کا سبب ہوتی ہے اور سکونِ قلب تو حاصل ہوتا ہی ہے۔ ابنِ سیرین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر مجھے جنّت کے جانے میں اور دو رکعت نماز پڑھنے میں اختیار دے دیا جائے تو میں دو رکعت ہی کو اختیار کروں گا، اس لئے کہ جنّت میں جانا میری اپنی خوشی کے واسطے ہے اور دو رکعت نماز میں میرے مالک کی رضا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: بڑا قابلِ رشک ہے وہ مسلمان جو ہلکا پھلکا ہو (یعنی اہل وعیال کا زیادہ بوجھ نہ ہو) نماز سے وافر حصہ اس کو ملا ہو۔ روزی صرف گزارے کے قابل ہو جس پر صبر کر کے عمر کو گزار دے، اللہ کی عبادت اچھی طرح کرتا ہو، گمنامی میں پڑا ہو، جلدی سے مر جاوے، نہ میراث زیادہ ہو، نہ رونے والے زیادہ ہوں۔[2] ایک حدیث میں آیا ہے کہ اپنے گھر میں نماز کثرت سے پڑھا کرو، گھر کی خیر میں اضافہ ہوگا۔[3]

(۶) عَنْ اَبِیْ مُسْلِمِ نِ التَّغْلَبِیِّ قَالَ: دَخَلْتُ عَلٰی اَبِیْ اُمَامَةَ رضی اللہ عنہ وَهُوَ فِی الْمَسْجِدِ، فَقُلْتُ: یَا اَبَا اُمَامَةَ! اِنَّ رَجُلًا حَدَّثَنِیْ عَنْكَ اَنَّكَ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: مَنْ تَوَضَّاَ، فَاَسْبَغَ الْوُضُوْءَ، غَسَلَ یَدَیْهِ وَوَجْهَهٗ،

ابو مسلم کہتے ہیں کہ میں حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ مسجد میں تشریف فرما تھے میں نے عرض کیا کہ مجھ سے ایک صاحب نے آپ کی طرف سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد سنا ہے جو شخص اچھی طرح

[1] نزھۃ المجالس، [2] جامع الصغیر، [3] جامع الصغیر

وَمَسَحَ عَلٰى رَأْسِهٖ وَأُذُنَيْهِ، ثُمَّ قَامَ إِلَى صَلٰوةٍ مَّفْرُوْضَةٍ، غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ فِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ مَا مَشَتْ إِلَيْهِ رِجْلَاهُ، وَ قَبَضَتْ عَلَيْهِ يَدَاهُ، وَسَمِعَتْ إِلَيْهِ أُذُنَاهُ، وَنَظَرَتْ إِلَيْهِ عَيْنَاهُ، وَحَدَّثَ بِهٖ نَفْسُهٗ مِنْ سُوْءٍ، فَقَالَ: وَاللّٰهِ لَقَدْ سَمِعْتُهٗ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ مِرَارًا. (رواه احمد والغالب على سنده الحسن و تقدم له شواهد فى الوضوء، كنا فى الترغيب قلت: و قد روى معنى الحديث عن أبى امامة رضي الله عنه بطرق فى مجمع الزوائد)

وضو کرے اور پھر فرض نماز پڑھے تو حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ اس دن وہ گناہ جو چلنے سے ہوئے ہوں اور وہ گناہ جن کو اس کے ہاتھوں نے کیا ہو اور وہ گناہ جو اس کے کانوں سے صادر ہوئے ہوں اور وہ گناہ جن کو اس نے آنکھوں سے کیا ہو، اور وہ گناہ جو اس کے دل میں پیدا ہوئے ہوں سب کو معاف فرما دیتے ہیں۔ حضرت اَبواُمامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے یہ مضمون نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی دفعہ سنا ہے۔

ف: یہ مضمون بھی کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا گیا ہے، چنانچہ حضرت عثمان، حضرت ابو ہریرہ، حضرت اَنس، حضرت عبداللہ صُنَابحی، حضرت عَمرو بن عبسہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ حضرات سے مختلف الفاظ کے ساتھ مُتعدِد روایات میں ذکر کیا گیا ہے اور جو حضرات اہلِ کشف ہوتے ہیں ان کو گناہوں کا زائل ہو جانا محسوس بھی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ مشہور ہے کہ وضو کا پانی گرتے ہوئے یہ محسوس فرما لیتے تھے کہ کونسا گناہ اس میں دُھل رہا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل کیا گیا ہے کہ ''کسی شخص کو اس بات سے مغرور نہیں ہونا چاہئے'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اس گھمنڈ پر کہ نماز سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں گناہوں پر جرأت نہیں کرنا چاہئے، اس لئے کہ ہم لوگوں کی نماز اور عبادات جیسی ہوتی ہیں ان کو اگر حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ اپنے لطف و کرم سے قبول فرما لیں تو ان کا لطف، احسان و انعام ہے، ورنہ ہماری عبادتوں کی حقیقت ہمیں خوب معلوم ہے۔ اگرچہ نماز کا یہ اثر ضروری ہے کہ اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں، مگر ہماری نماز بھی اس قابل ہے، اس کا علم اللہ ہی کو ہے اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ اس وجہ سے گناہ کرنا کہ میرا مالک کریم ہے، معاف کرنے والا ہے، انتہائی بے غیرتی ہے۔ اس کی مثال تو ایسی ہوئی

کہ کوئی شخص یوں کہے کہ اپنے ان بیٹوں سے جو فلاں کام کریں درگذر کرتا ہوں تو وہ نالائق بیٹے اس وجہ سے کہ باپ نے درگذر کرنے کو کہہ دیا ہے جان جان کر اس کی نافرمانیاں کریں۔

(۷) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: كَانَ رَجُلَانِ مِنْ بَلِيٍّ، حَيٌّ مِنْ قُضَاعَةَ اَسْلَمَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: فَاسْتُشْهِدَ أَحَدُهُمَا وَاُخِّرَ الْاٰخَرُ سَنَةً، قَالَ طَلْحَةُ ابْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ ﷺ: فَرَأَيْتُ الْمُؤَخَّرَ مِنْهُمَا اُدْخِلَ الْجَنَّةَ قَبْلَ الشَّهِيْدِ، فَتَعَجَّبْتُ لِذٰلِكَ، فَاَصْبَحْتُ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ اَوْ ذُكِرَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلَيْسَ قَدْ صَامَ بَعْدَهُ رَمَضَانَ، وَصَلّٰى سِتَّةَ اٰلَافِ رَكْعَةٍ، وَكَذَا وَكَذَا رَكْعَةً صَلٰوةَ سَنَةٍ. (رواه أحمد بإسنادٍ حسن، ورواه ابن ماجة وابن حبان في صحيحه والبيهقي، كلهم عن طلحة بنحوه أطول منه، وزاد ابن ماجة وابن حبان في آخره: فلما بينهما أطول مما بين السماء والارض، كذافي الترغيب، ولفظ أحمد في النسخة التي بأيدينا أو كذا وكذا ركعة بلفظ أو. وفي النسر: أخرجه مالك و احمد و النسائي وابن خزيمة والحاكم وصححه والبيهقي في شعب الإيمان عن عامر بن سعد. قال سمعتُ سعداً و ناسًا من الصحابة يقولون: كان رجلان اخوان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک قبیلہ کے دو صحابی ایک ساتھ مسلمان ہوئے، ان میں سے ایک صاحب جہاد میں شہید ہوگئے اور دوسرے صاحب کا ایک سال بعد انتقال ہوا۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ وہ صاحب جن کا ایک سال بعد انتقال ہوا تھا ان شہید سے بھی پہلے جنّت میں داخل ہوگئے، تو مجھے بڑا تعجب ہوا کہ شہید کا درجہ تو بہت اونچا ہے، وہ پہلے جنّت میں داخل ہوتے۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خود عرض کیا یا کسی اور نے عرض کیا تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جن صاحب کا بعد میں انتقال ہوا ان کی نیکیاں نہیں دیکھتے کتنی زیادہ ہوگئیں۔ ایک رمضان المبارک کے پورے روزے بھی ان کے زیادہ ہوئے اور چھ ہزار اور اتنی اتنی رکعتیں نماز کی ایک سال میں ان کی بڑھ گئیں۔

فی عهد رسول الله ﷺ، وكان احدهما افضل من الآخر فتوفي الذي هو افضلهما، ثم عُمِّر الآخر بعده أربعين ليلة الحديث. وقد أخرج أبوداود بمعنى حديث الباب من حديث عبيد بن خالد بلفظ "قتل أحدهما ومات الاخر بعده بجمعة" الحديث)

ف: اگر ایک سال کے تمام مہینے انتیس دن کے لگائے جائیں اور صرف فرض اور وتر کی بیس رکعتیں شمار کی جائیں تب بھی چھ ہزار نو سو ساٹھ رکعتیں ہوتی ہیں اور جتنے مہینے تیس دن کے ہوں گے بیس بیس رکعتوں کا اضافہ ہوتا رہے گا اور سنتیں اور نوافل بھی شمار کئے جائیں تو کیا ہی پوچھنا۔ ابنِ ماجہ میں یہ قصہ اور بھی مُفصّل آیا ہے، اس میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جو خواب دیکھنے والے ہیں وہ خود بیان کرتے ہیں کہ ایک قبیلہ کے دو آدمی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ساتھ آئے اور اکٹھے ہی مسلمان ہوئے۔ ایک صاحب بہت زیادہ مُستعِد اور ہمّت والے تھے، وہ ایک لڑائی میں شہید ہو گئے اور دوسرے صاحب کا ایک سال بعد انتقال ہوا، میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنّت کے دروازے پر کھڑا ہوں اور وہ دونوں صاحب بھی وہاں ہیں۔ اندر سے ایک شخص آئے اور ان صاحب کو جن کا ایک سال بعد انتقال ہوا تھا اندر جانے کی اجازت ہو گئی اور جو صاحب شہید ہوئے تھے وہ کھڑے رہ گئے۔ تھوڑی دیر بعد پھر اندر سے ایک شخص آئے اور ان شہید کو بھی اجازت ہو گئی اور مجھ سے یہ کہا کہ تمہارا ابھی وقت نہیں آیا، تم واپس چلے جاؤ۔ میں نے صبح کو لوگوں سے اپنے خواب کا تذکرہ کیا، سب کو اس پر تعجب ہوا کہ ان شہید کو بعد میں اجازت کیوں ہوئی، ان کو تو پہلے ہونی چاہئے تھی؟ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے اس کا تذکرہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یارسولَ اللہ! وہ شہید بھی ہوئے اور بہت زیادہ مُستعِد اور ہمت والے بھی تھے اور جنّت میں یہ دوسرے صاحب پہلے داخل ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا انہوں نے ایک سال عبادت زیادہ نہیں کی؟ عرض کیا: بیشک کی۔ ارشاد فرمایا: کیا انہوں نے پورے ایک رمضان کے روزے ان سے زیادہ نہیں رکھے؟ عرض کیا گیا: بیشک رکھے۔ ارشاد فرمایا: کیا انہوں نے اتنے اتنے سجدے ایک سال کی نمازوں کے زیادہ نہیں کئے؟ عرض کیا گیا: بیشک

کئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: پھر ان دونوں میں آسمان زمین کا فرق ہوگیا۔

اس نوع کے قصے کئی لوگوں کے ساتھ پیش آئے۔ ابوداؤد شریف میں دو صحابہ کا قصہ اسی قسم کا صرف آٹھ دن کے فرق سے ذکر کیا گیا ہے کہ دوسرے صاحب کا انتقال ایک ہفتہ بعد ہوا، پھر بھی وہ جنّت میں پہلے داخل ہوگئے۔ حقیقت میں ہم لوگوں کو اس کا اندازہ نہیں کہ نماز کتنی قیمتی چیز ہے۔ آخر کوئی بات تو ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں بتلائی ہے۔ حضور ﷺ کی آنکھ کی ٹھنڈک جو انتہائی محبت کی علامت ہے، معمولی چیز نہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ کہ دو بھائی تھے، ان میں سے ایک چالیس روز پہلے انتقال کر گئے، دوسرے بھائی کا چالیس روز بعد انتقال ہوا۔ پہلے بھائی زیادہ بزرگ تھے، لوگوں نے ان کو بہت بڑھانا شروع کر دیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا دوسرے بھائی مسلمان نہ تھے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ بیشک مسلمان تھے مگر معمولی درجہ میں تھے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں کیا معلوم کہ ان چالیس دن کی نمازوں نے ان کو کس درجہ تک پہنچا دیا ہے۔ نماز کی مثال ایک میٹھی اور گہری نہر کی سی ہے جو دروازہ پر جاری ہو اور آدمی پانچ دفعہ اسی میں نہاتا ہو تو اس کے بدن پر کیا میل رہ سکتا ہے۔ اس کے بعد پھر دوبارہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں کیا معلوم کہ اس کی نمازوں نے جو بعد میں پڑھی گئیں اس کو کس درجہ تک پہنچا دیا ہے۔[1]

(۸) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ: يُبْعَثُ مُنَادٍ عِنْدَ حَضْرَةِ كُلِّ صَلٰوةٍ فَيَقُوْلُ: يَا بَنِيْ اٰدَمَ! قُوْمُوْا فَاَطْفِئُوْا مَا اَوْقَدْتُمْ عَلٰى اَنْفُسِكُمْ، فَيَقُوْمُوْنَ، فَيَتَطَهَّرُوْنَ، وَيُصَلُّوْنَ الظُّهْرَ، فَيُغْفَرُ لَهُمْ مَا بَيْنَهُمَا، فَاِذَا حَضَرَتِ الْعَصْرُ فَمِثْلُ ذٰلِكَ، فَاِذَا حَضَرَتِ الْمَغْرِبُ فَمِثْلُ ذٰلِكَ فَاِذَا حَضَرَتِ

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب نماز کا وقت آتا ہے تو ایک فرشتہ اعلان کرتا ہے کہ اے آدم کی اولاد! اٹھو اور جہنّم کی اس آگ کو جسے تم نے (گناہوں کی بدولت) اپنے اوپر جلانا شروع کر دیا ہے بجھاؤ، چنانچہ (دیندار لوگ) اٹھتے ہیں، وضو کرتے ہیں، ظہر کی نماز پڑھتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے گناہوں کی (صبح سے ظہر تک کی)

[1] قال المنذري: رواه مالك واللفظ له وأحمد باسناد حسن والنسائي وابن خزيمة في صحيحه.

الْعَتَمَةُ فَمِثْلُ ذٰلِكَ، فَيَنَامُوْنَ، فَمُدْلِجٌ فِيْ خَيْرٍ وَمُدْلِجٌ فِيْ شَرٍّ. (رواه الطبراني في الكبير، كذا في الترغيب)

مغفرت کر دی جاتی ہے۔ اسی طرح پھر عصر کے وقت، پھر مغرب کے وقت، پھر عشاء کے وقت (غرض ہر نماز کے وقت یہی صورت ہوتی ہے) عشاء کے بعد لوگ سونے میں مشغول ہو جاتے ہیں، اس کے بعد اندھیری میں بعض لوگ برائیوں (زنا کاری بدکاری چوری وغیرہ) کی طرف چل دیتے ہیں اور بعض لوگ بھلائیوں (نماز، وظیفہ، ذکر وغیرہ) کی طرف چلنے لگتے ہیں۔

ف: حدیث کی کتابوں میں بہت کثرت سے یہ مضمون آیا ہے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ اپنے لُطف سے نماز کی بدولت گناہوں کو مُعاف فرماتے ہیں اور نماز میں چونکہ اِستِغفار خود موجود ہے جیسا کہ اوپر گذرا، اس لئے صغیرہ اور کبیرہ ہر قسم کے گناہ اس میں داخل ہو جاتے ہیں، بشرطیکہ دل سے گناہوں پر ندامت ہو۔ خود حق تعالیٰ شانہٗ کا اِرشاد ہے۔ "اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ" جیسا کہ حدیث ۳ میں گذرا۔

حضرت سلمان رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ایک بڑے مشہور صحابی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جب عشاء کی نماز ہو لیتی ہے تو تمام آدمی تین جماعتوں میں مُنقَسِم ہو جاتے ہیں: ایک وہ جماعت ہے جس کے لئے یہ رات نعمت ہے اور کمائی ہے اور بھلائی ہے۔ یہ وہ حضرات ہیں جو رات کی فرصت کو غنیمت سمجھتے ہیں اور جب لوگ اپنے اپنے راحت و آرام اور سونے میں مشغول ہو جاتے ہیں تو یہ لوگ نماز میں مشغول ہو جاتے ہیں، ان کی رات ان کے لئے اجر و ثواب بن جاتی ہے۔ دوسری وہ جماعت ہے جس کیلئے رات وَبال ہے، عذاب ہے۔ یہ وہ جماعت ہے جو رات کی تنہائی اور فرصت کو غنیمت سمجھتی ہے اور گناہوں میں مشغول ہو جاتی ہے، ان کی رات ان پر وبال بن جاتی ہے۔ تیسری وہ جماعت ہے جو عشاء کی نماز پڑھ کر سو جاتی ہے، اس کے لئے نہ وبال ہے نہ کمائی، نہ کچھ گیا نہ آیا۔[1]

(۹) عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ بْنِ رِبْعِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے یہ فرمایا کہ میں نے تمہاری اُمّت پر پانچ

[1] درمنثور

"اِنِّی افْتَرَضْتُ عَلٰی اُمَّتِكَ خَمْسَ صَلَوَاتٍ، وَعَهِدْتُّ عِنْدِیْ عَهْدًا اَنَّهٗ مَنْ حَافَظَ عَلَيْهِنَّ لِوَقْتِهِنَّ اَدْخَلْتُهُ الْجَنَّةَ فِیْ عَهْدِیْ وَمَنْ لَّمْ يُحَافِظْ عَلَيْهِنَّ فَلَا عَهْدَلَهٗ عِنْدِیْ." (كذا فی الدر المنثور برواية أبی داود و ابن ماجة، وفيه أيضاً خرج مالك و ابن أبی شيبة وأحمد و أبو داود، والنسائی و ابن ماجة وا بن حبان والبيهقی عن عبادة بن الصامت، فذكر معنى حديث الباب مرفوعًا بأطول منه)

نمازیں فرض کی ہیں اور اس کا میں نے اپنے لئے عہد کر لیا ہے کہ جو شخص ان پانچوں نمازوں کو ان کے وقت پر ادا کرنے کا اہتمام کرے اس کو اپنی ذِمہ داری پر جنّت میں داخل کرونگا اور جو ان نمازوں کا اہتمام نہ کرے تو مجھ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔

ف: ایک دوسری حدیث میں یہ مضمون اور وضاحت سے آیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے پانچ نمازیں فرض فرمائی ہیں، جو شخص ان میں لاپروائی سے کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے، اچھی طرح وضو کرے اور وقت پر ادا کرے، خشوع وخضوع سے پڑھے، حق تعالیٰ شانہٗ کا عہد ہے کہ اس کو جنّت میں ضرور داخل فرمائیں گے اور جو شخص ایسا نہ کرے اللہ تعالیٰ کا کوئی عہد اس سے نہیں، چاہے اس کی مغفرت فرمائیں چاہے عذاب دیں۔ کتنی بڑی فضیلت ہے نماز کی کہ اس کے اہتمام سے اللہ کے عہد میں اور ذِمہ داری میں آدمی داخل ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی معمولی سا حاکم یا دولت مند کسی شخص کو اطمینان دلادے یا کسی مطالبہ کا ذِمہ دار ہو جائے یا کسی قسم کی ضمانت کرے تو وہ کتنا مطمئن اور خوش ہوتا ہے اور اس حاکم کا کس قدر احسان مند اور گرویدہ بن جاتا ہے۔ یہاں ایک معمولی عبادت پر جس میں کچھ مَشَقَّت بھی نہیں ہے، مالکُ الملک دو جہاں کا بادشاہ عہد کرتا ہے، پھر بھی لوگ اس چیز سے غفلت اور لاپروائی کرتے ہیں، اس میں کسی کا کیا نقصان ہے، اپنی ہی کم نصیبی اور اپنا ہی ضرر ہے۔

(۱۰) عَنِ ابْنِ سَلْمَانَ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ حَدَّثَهٗ، قَالَ: لَمَّا فَتَحْنَا خَيْبَرَ، اَخْرَجُوْا غَنَائِمَهُمْ مِنَ الْمَتَاعِ وَالسَّبْیِ، فَجَعَلَ النَّاسُ

ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ لڑائی میں جب خیبر کو فتح کر چکے تو لوگوں نے اپنے مالِ غنیمت کو نکالا جس میں مُتفرق سامان تھا اور قیدی تھے اور خرید وفروخت

يَتَبَايَعُوْنَ غَنَائِمَهُمْ، فَجَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! لَقَدْ رَبِحْتُ رِبْحًا مَا رَبِحَ الْيَوْمَ مِثْلَهُ اَحَدٌ مِنْ اَهْلِ الْوَادِيْ. قَالَ: وَيْحَكَ! وَمَا رَبِحْتَ؟ قَالَ: مَازِلْتُ اَبِيْعُ وَاَبْتَاعُ حَتّٰى رَبِحْتُ ثَلٰثَمِائَةِ اُوْقِيَةٍ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَنَا اُنَبِّئُكَ بِخَيْرٍ رَجُلٍ رَبِحَ. قَالَ: مَا هُوَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ. (اخرجه أبوداود وسكت عنه المنذري)

شروع ہوگئی (کہ ہر شخص اپنی ضروریات خریدنے لگا اور دوسری زائد چیزیں فروخت کرنے لگا) اتنے میں ایک صحابی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے آج کی اس تجارت میں اس قدر نفع ہوا کہ ساری جماعت میں سے کسی کو بھی اتنا نفع نہیں مل سکا۔ حضور ﷺ نے تعجب سے پوچھا کہ کتنا کمایا؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضور! میں سامان خریدتا رہا اور بیچتا رہا جس میں تین سو اوقیہ چاندی نفع میں بچی۔ حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا: میں تمہیں بہترین نفع کی چیز بتاؤں؟ انہوں نے عرض کیا: حضور! ضرور بتائیں۔ ارشاد فرمایا کہ فرض نماز کے بعد دو رکعت نفل۔

ف: ایک اُوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور ایک درہم تقریباً چار آنہ کا، تو اس حساب سے تین ہزار روپیہ ہوا جس کے مقابلہ میں دو جہاں کے بادشاہ کا ارشاد ہے کہ یہ کیا نفع ہوا۔ حقیقی نفع وہ ہے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہنے والا ہے اور کبھی نہ ختم ہونے والا ہے، اگر حقیقت میں ہم لوگوں کے ایمان ایسے ہی ہو جائیں اور دو رکعت نماز کے مقابلہ میں تین ہزار روپے کی وقعت نہ رہے تو پھر واقعی زندگی کا لُطف ہے، اور حق یہ ہے کہ نماز ہے ہی ایسی دولت۔ اسی وجہ سے حضورِ اقدس، سیدُ البشر، فخرِ رُسل ﷺ نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں بتلائی ہے اور وصال کے وقت آخری وصیّت جو فرمائی ہے اس میں نماز کے اہتمام کا حکم فرمایا ہے (کنز العُمّال)۔ متعدِّد حدیثوں میں اس کی وصیّت مذکور ہے، منجملہ ان کے حضرت اِمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آخری وقت میں جب زبان مبارک سے پورے لفظ نہیں نکل رہے تھے، اس وقت بھی حضور ﷺ نے نماز اور غلاموں کے حقوق کی تاکید فرمائی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی نقل کیا گیا کہ آخری کلام حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز کی تاکید اور غلاموں کے بارے میں اللہ سے ڈرنے کا حکم تھا (جامع الصغیر)۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف ایک مرتبہ جہاد کے لئے لشکر بھیجا جو بہت ہی جلدی واپس لوٹ آیا اور ساتھ ہی بہت سارا مالِ غنیمت لے کر آیا۔ لوگوں کو بڑا تعجب ہوا کہ اتنی ذرا سی مدت میں ایسی بڑی کامیابی اور مال و دولت کے ساتھ واپس آ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں اس سے بھی کم وقت میں اس مال سے بہت زیادہ غنیمت اور دولت کمانے والی جماعت بتاؤں؟ یہ وہ لوگ ہیں جو صبح کی نماز میں جماعت میں شریک ہوں اور آفتاب نکلنے تک اسی جگہ بیٹھے رہیں۔ آفتاب نکلنے کے بعد (جب مکروہ وقت جو تقریباً بیس منٹ رہتا ہے نکل جائے) تو دو رکعت (اشراق کی) نماز پڑھیں، یہ لوگ بہت تھوڑے سے وقت میں بہت زیادہ دولت کمانے والے ہیں۔ حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ مشہور صوفی بزرگ ہیں، فرماتے ہیں کہ ہم نے پانچ چیزیں تلاش کیں ان کو پانچ جگہ پایا: (۱) روزی کی برکت چاشت کی نماز میں ملی (۲) اور قبر کی روشنی تہجد کی نماز میں ملی۔ (۳) منکر نکیر کے سوال کا جواب طلب کیا تو اس کو قراءت میں پایا (۴) اور پل صراط کا سہولت سے پار ہونا روزہ اور صدقہ میں پایا (۵) اور عرش کا سایہ خلوت میں پایا (نزہۃ المجالس)۔

حدیث کی کتابوں میں نماز کے بارے میں بہت ہی تاکید اور بہت سے فضائل وارد ہوئے ہیں، ان سب کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ تبرّکاً چند احادیث کا صرف ترجمہ لکھا جاتا ہے۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے میری امت پر سب چیزوں سے پہلے نماز فرض کی اور قیامت میں سب سے پہلے نماز ہی کا حساب ہوگا۔ (۲) نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو، نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو، نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ (۳) آدمی کے اور شرک کے درمیان نماز ہی حائل ہے۔ (۴) اسلام کی علامت نماز ہے جو شخص دل کو فارغ کر کے اوقات اور مُستَحَبّات کی رعایت رکھ کر نماز پڑھے وہ مومن ہے۔ (۵) حق تعالیٰ جلّ شانہٗ نے کوئی چیز ایمان اور نماز سے افضل فرض نہیں کی، اگر اس سے افضل کسی اور چیز کو فرض کرتے تو فرشتوں کو اس کا حکم دیتے، فرشتے دن رات کوئی رکوع میں ہے،

کوئی سجدے میں۔ (۶) نماز دین کا ستون ہے۔ (۷) نماز شیطان کا منہ کالا کرتی ہے۔ (۸) نماز مومن کا نور ہے۔ (۹) نماز افضل جہاد ہے۔ (۱۰) جب آدمی نماز میں داخل ہوتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کی طرف پوری توجہ فرماتے ہیں، جب وہ نماز سے ہٹ جاتا ہے تو وہ بھی توجہ ہٹا لیتے ہیں۔ (۱۱) جب کوئی آفت آسمان سے اترتی ہے تو مسجد کے آباد کرنے والوں سے ہٹ جاتی ہے۔ (۱۲) اگر آدمی کسی وجہ سے جہنّم میں جاتا ہے تو اس کی آگ سجدے کی جگہ کو نہیں کھاتی۔ (۱۳) اللہ نے سجدہ کی جگہ کو آگ پر حرام فرمادیا ہے۔ (۱۴) سب سے زیادہ پسندیدہ عمل اللہ کے نزدیک وہ نماز ہے جو وقت پر پڑھی جائے۔ (۱۵) اللہ جَلَّ شَانُہٗ کو آدمی کی ساری حالتوں میں سب سے زیادہ پسند یہ ہے کہ اس کو سجدہ میں پڑا ہوا دیکھیں کہ پیشانی زمین سے رگڑ رہا ہے۔ (۱۶) اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے ساتھ آدمی کو سب سے زیادہ قُرب سجدہ میں ہوتا ہے۔ (۱۷) جنّت کی کنجیاں نماز ہیں۔ (۱۸) جب آدمی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو جنّت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے اور اس نمازی کے درمیان پردے ہٹ جاتے ہیں جب تک کہ کھانسی وغیرہ میں مشغول نہ ہو۔ (۱۹) نمازی شہنشاہ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جو دروازہ کھٹکھٹاتا ہی رہے تو کھلتا ہی ہے۔ (۲۰) نماز کا مرتبہ دین میں ایسا ہی ہے جیسا کہ سر کا درجہ ہے بدن میں۔

(۲۱) نماز دل کا نور ہے، جو اپنے دل کو نورانی بنانا چاہے (نماز کے ذریعہ سے) بنالے۔ (۲۲) جو شخص اچھی طرح وضو کرے اس کے بعد خشوع وخضوع سے دو یا چار رکعت نماز فرض یا نفل پڑھ کر اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہے اللہ تعالیٰ شانہٗ معاف فرما دیتے ہیں۔ (۲۳) زمین کے جس حصّہ پر نماز کے ذریعہ سے اللہ کی یاد کی جاتی ہے وہ حصّہ زمین کے دوسرے ٹکڑوں پر فخر کرتا ہے۔ (۲۴) جو شخص دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا مانگتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ وہ دعا قبول فرمالیتے ہیں، خواہ فوراً ہو یا کسی مصلحت سے کچھ دیر کے بعد، مگر قبول ضرور فرماتے ہیں۔ (۲۵) جو شخص تنہائی میں دو رکعت نماز پڑھے جس کو اللہ اور اس کے فرشتوں کے سوا کوئی نہ دیکھے تو اس کو جہنّم کی آگ سے بَری ہونے کا پروانہ مل جاتا ہے۔ (۲۶) جو شخص ایک فرض نماز ادا کرے اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے یہاں ایک مقبول

دعا اس کی ہو جاتی ہے۔ (۲۷) جو پانچوں نمازوں کا اہتمام کرتا رہے، ان کے رکوع وسجود اور وضو وغیرہ کو اہتمام کے ساتھ اچھی طرح سے پورا کرتا رہے جنّت اس کے لئے واجب ہو جاتی ہے اور دوزخ اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ (۲۸) مسلمان جب تک پانچوں نمازوں کا اہتمام کرتا رہتا ہے شیطان اس سے ڈرتا رہتا ہے اور جب وہ نمازوں میں کوتاہی کرنے لگتا ہے تو شیطان کو اس پر جرأت ہو جاتی ہے اور اس کے بہکانے کی طمع کرنے لگتا ہے۔ (۲۹) سب سے افضل عمل اوّل وقت نماز پڑھنا ہے۔ (۳۰) نماز ہر متقی کی قربانی ہے۔ (۳۱) اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل نماز کو اول وقت پڑھنا ہے۔ (۳۲) صبح کو جو شخص نماز کو جاتا ہے اس کے ہاتھ میں ایمان کا جھنڈا ہوتا ہے اور جو بازار کو جاتا ہے اس کے ہاتھ میں شیطان کا جھنڈا ہوتا ہے۔ (۳۳) ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعتوں کا ثواب ایسا ہے جیسا کہ تہجّد کی چار رکعتوں کا۔ (۳۴) ظہر سے پہلے چار رکعتیں تہجُّد کی چار رکعتوں کے برابر شمار ہوتی ہیں۔ (۳۵) جب آدمی نماز کو کھڑا ہوتا ہے تو رحمتِ الٰہیہ اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ (۳۶) افضل ترین نماز آدھی رات کی ہے مگر اس کے پڑھنے والے بہت ہی کم ہیں۔ (۳۷) میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے: اے محمد! خواہ کتنا ہی آپ زندہ رہیں۔ آخر ایک دن مرنا ہے اور جس سے چاہے محبّت کریں۔ آخر ایک دن اس سے جدا ہونا ہے اور آپ جس قسم کا بھی عمل کریں (بھلا یا بُرا) اس کا بدلہ ضرور ملے گا، اس میں کوئی تردد نہیں کہ مومن کی شرافت تہجّد کی نماز ہے اور مومن کی عزت لوگوں سے اِستِغنَاء ہے۔ (۳۸) اخیر رات کی دو رکعتیں تمام دنیا سے افضل ہیں، اگر مجھے مَشَقَّت کا اندیشہ نہ ہوتا تو امت پر فرض کر دیتا۔ (۳۹) تہجّد ضرور پڑھا کرو کہ تہجّد صالحین کا طریقہ ہے اور اللہ کے قرب کا سبب ہے، تہجّد گناہوں سے روکتا ہے اور خطاؤں کی معافی کا ذریعہ ہے، اس سے بدن کی تندرستی بھی ہوتی ہے۔ (۴۰) حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے کہ اے آدم کی اولاد! تُو دن کے شروع میں چار رکعتوں سے عاجز نہ بن، میں تمام دن تیرے کاموں کی کفایت کروں گا۔

حدیث کی کتابوں میں بہت کثرت سے نماز کے فضائل اور ترغیبیں ذکر کی گئی ہیں۔

چالیس کے عدد کی رعایت سے اتنے پر کفایت کی گئی کہ اگر کوئی شخص ان کو حفظ یاد کر لے تو چالیس حدیثیں یاد کرنے کی فضیلت حاصل کر لے گا۔ حق یہ ہے کہ نماز ایسی بڑی دولت ہے کہ اس کی قدر وہی کر سکتا ہے جس کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے اس کا مزہ چکھا دیا ہو۔ اسی دولت کی وجہ سے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنی آنکھ کی ٹھنڈک اس میں فرمائی اور اسی لذت کی وجہ سے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رات کو اکثر حصہ نماز ہی میں گذار دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے وصال کے وقت خاص طور پر نماز کی وصیت فرمائی اور اس کے اہتمام کی تاکید فرمائی۔ مُتعدد احادیث میں اِرشادِ نبوی نقل کیا گیا: اِتَّقُوا اللّٰهَ فِي الصَّلٰوةِ "نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو" حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے نقل کرتے ہیں کہ تمام اعمال میں مجھے نماز سب سے زیادہ محبوب ہے۔

ایک صحابی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کہتے ہیں کہ میں ایک رات مسجد نبوی پر گذرا، حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نماز پڑھ رہے تھے، مجھے بھی شوق ہوا، حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے پیچھے نیت باندھ لی۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سورۂ بقرہ پڑھ رہے تھے۔ میں نے خیال کیا کہ سو آیتوں پر رکوع کر دیں گے، مگر جب وہ گذر گئیں اور رکوع نہ کیا تو میں نے سوچا دو سو پر رکوع کریں گے، مگر وہاں بھی نہ کیا تو مجھے خیال ہوا کہ سورت کے ختم ہی پر کریں گے۔ جب سورت ختم ہوئی تو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے کئی مرتبہ "اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ. اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ" پڑھا اور سورۂ آل عمران شروع کر دی۔ میں سوچ میں پڑ گیا، آخر میں نے خیال کیا کہ آخر اس کے ختم پر تو رکوع کریں گے۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اس کو ختم فرمایا اور تین مرتبہ "اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ" پڑھا اور سورۂ مائدہ شروع کر دی، اس کو ختم کر کے رکوع کیا اور رکوع میں "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ" پڑھتے رہے اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھتے رہے، جو سمجھ میں نہ آیا۔ اس کے بعد اسی طرح سجدہ میں "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى" بھی پڑھتے رہے، اس کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھتے تھے۔ اس کے بعد دوسری رکعت میں سورۂ اَنعام شروع کر دی۔ میں حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھ نماز پڑھنے کی ہمت نہ کر سکا اور مجبور ہو کر چلا آیا۔ پہلی رکعت میں تقریباً پانچ سپارے ہوئے اور پھر حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا پڑھنا جو نہایت اطمینان سے تجوید اور ترتیل کے ساتھ ایک ایک آیت جدا جدا کر کے پڑھتے تھے۔ ایسی

صورت میں کتنی لانبی رکعت ہوئی ہوگی۔ انہیں وجوہ سے آپ ﷺ کے پاؤں پر نماز پڑھتے پڑھتے ورم آجاتا تھا، مگر جس چیز کی لذت دل میں اتر جاتی ہے اس میں مَشَقَّت اور تکلیف دشوار نہیں رہتی۔ ابو اسحٰق سبیعی رحمۃ اللہ علیہ مشہور محدّث ہیں، سو برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ اس پر افسوس کیا کرتے تھے کہ بڑھاپے اور ضُعف کی وجہ سے نماز کا لُطف جاتا رہا۔ دو رکعتوں میں صرف دو سورتیں سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران پڑھی جاتی ہیں، زیادہ نہیں پڑھا جاتا (تہذیب التہذیب)۔ یہ دو سورتیں بھی پونے چار پاروں کی ہیں۔ محمد بن سَمّاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوفہ میں میرا ایک پڑوسی تھا، اس کے ایک لڑکا تھا جو دن کو ہمیشہ روزہ رکھتا اور رات بھر نماز میں اور شوقیہ اشعار میں رہتا تھا۔ وہ سوکھ کر ایسا ہوگیا کہ صرف ہڈی اور چمڑہ رہ گیا۔ اس کے والد نے مجھ سے کہا کہ تم اس کو ذرا سمجھاؤ۔ میں ایک مرتبہ اپنے دروازہ پر بیٹھا ہوا تھا، وہ سامنے سے گذرا، میں نے اسے بلایا، وہ آیا سلام کر کے بیٹھ گیا۔ میں نے کہنا شروع ہی کیا تھا کہ وہ کہنے لگا: چچا! شاید آپ محنت میں کمی کا مشورہ دیں گے۔ چچا جان! میں نے اس محلے کے چند لڑکوں کے ساتھ یہ طے کیا تھا کہ دیکھیں کون شخص عبادت میں زیادہ کوشش کرے۔ انہوں نے کوشش اور محنت کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلا لئے گئے۔ جب وہ بلائے گئے تو بڑی خوشی اور سُرور کے ساتھ گئے۔ ان میں سے میرے سوا کوئی باقی نہیں رہا۔ میرا عمل دن میں دو بار ان پر ظاہر ہوتا ہوگا، وہ کیا کہیں گے جب اس میں کوتاہی پائیں گے۔ چچا جان! ان جوانوں نے بڑے بڑے مُجاہدے کئے، ان کی محنتیں اور مجاہدے بیان کرنے لگا جن کو سن کر ہم لوگ مُتحیّر رہ گئے۔ اس کے بعد وہ لڑکا اٹھ کر چلا گیا۔ تیسرے دن ہم نے سنا کہ وہ بھی رخصت ہو گئے رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً (نزہۃ)۔

اب بھی اس گئے گذرے زمانے میں اللہ کے بندے ایسے دیکھے جاتے ہیں جو رات کا اکثر حصّہ نماز میں گذار دیتے ہیں اور دن میں دین کے دوسرے کاموں تبلیغ و تعلیم میں مُنہمک رہتے ہیں۔ حضرت مُجدّدِ الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نامِ نامی سے کون شخص ہندوستان میں ناواقف ہوگا، ان کے ایک خلیفہ مولانا عبدالواحد لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن ارشاد فرمایا کہ کیا جنّت میں نماز نہ ہوگی؟ کسی نے عرض کیا کہ حضرت جنّت میں نماز کیوں ہو، وہ تو اعمال کے بدلہ کی جگہ ہے نہ کہ عمل کرنے کی۔ اس پر ایک آہ کھینچی اور رونے لگے اور فرمایا کہ

بغیر نماز کے جنّت میں کیونکر گذرے گی؟ ایسے ہی لوگوں سے دنیا قائم ہے اور زندگی کو وصول کرنے والی حقیقت میں یہی مبارک ہستیاں ہیں۔ اللہ جَلَّ شَانُہٗ اپنے لُطف اور اپنے پر مرمٹنے والوں کے طفیل اس روسیاہ کو بھی نواز دے تو اس کے لطفِ عام سے کیا بعید ہے۔

ایک پر لطف قصہ پر اس فصل کو ختم کرتا ہوں۔ حافظ اِبنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''منبہات'' میں لکھا ہے: ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے دنیا میں تین چیزیں محبوب ہیں: خوشبو، عورتیں، اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چند صحابہ رضی اللہ عنہم تشریف فرما تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: آپ نے سچ فرمایا اور مجھے تین چیزیں محبوب ہیں: آپ کے چہرہ کا دیکھنا، اپنے مال کو آپ پر خرچ کرنا اور یہ کہ میری بیٹی آپ کے نکاح میں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سچ ہے اور مجھے تین چیزیں محبوب ہیں: اَمر بالمعرُوف، نہی عن المنکر (اچھے کاموں کا حکم کرنا اور بری باتوں سے روکنا) اور پرانا کپڑا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ نے سچ کہا اور مجھے تین چیزیں محبوب ہیں: بھوکوں کو کھانا کھلانا، ننگوں کو کپڑا پہنانا اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ نے سچ فرمایا اور مجھے تین چیزیں پسند ہیں: مہمان کی خدمت، گرمی کا روزہ اور دشمن پر تلوار۔ اتنے میں جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا کہ مجھے حق تعالیٰ شانہٗ نے بھیجا ہے اور فرمایا کہ اگر میں (یعنی جبرئیل) دنیا والوں میں ہوتا تو بتاؤں مجھے کیا پسند ہوتا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بتاؤ۔ عرض کیا: بھولے ہوؤں کو راستہ بتانا، غریب عبادت کرنے والوں سے محبت رکھنا اور عیال دار مفلسوں کی مدد کرنا اور اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کو بندوں کی تین چیزیں پسند ہیں: (اللہ کی راہ میں) طاقت کا خرچ کرنا (مال سے ہو یا جان سے) اور (گناہ پر) ندامت کے وقت رونا اور فاقہ پر صبر کرنا۔

حافظِ اِبنِ قیم ''زادُ المعاد'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ نماز روزی کو کھینچنے والی ہے، صحت کی مُحافظ ہے، بیماریوں کو رفع کرنے والی ہے، دل کو تقویت پہنچاتی ہے، چہرہ کو خوبصورت اور مُنور کرتی ہے، جان کو فرحت پہنچاتی ہے، اَعضا میں نشاط پیدا کرتی ہے، کاہلی کو دفع کرتی ہے، شرحِ صدر کا سبب ہے، روح کی غِذا ہے، دل کو منور کرتی ہے۔ اللہ کے انعام کی محافظ ہے اور

عذابِ الٰہی سے حفاظت کا سبب ہے۔ شیطان کو دور کرتی ہے اور رحمٰن سے قرب پیدا کرتی ہے۔ غرض روح اور بدن کی صحت کی حفاظت میں اس کو خاص دخل ہے اور دونوں چیزوں میں اس کی عجیب تاثیر ہے، نیز دنیا اور آخرت کی مَضرتوں کے دور کرنے میں اور دونوں جہاں کے منافع پیدا کرنے میں اس کو بہت خصوصیّت ہے۔

فصلِ دوم

نماز کے چھوڑنے پر جو وعید اور عتاب حدیث میں آیا ہے اس کا بیان

حدیث کی کتابوں میں نماز نہ پڑھنے پر بہت سخت سخت عذاب ذکر کئے گئے ہیں۔ نمونے کے طور پر چند حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں۔ سچی خبر دینے والے کا ایک ارشاد بھی سمجھ دار کے لئے کافی تھا، مگر حضورِ اقدس ﷺ کی شفقت کے قربان کہ آپ نے کئی کئی طرح سے اور بار بار اس چیز کی طرف متوجہ فرمایا کہ اُن کے نام لیوا، ان کی امت کہیں اس میں کوتاہی نہ کرنے لگے۔ پھر افسوس ہے ہمارے حال پر کہ ہم حضور ﷺ کے اس اہتمام کے باوجود نماز کا اہتمام نہیں کرتے اور بے غیرتی اور بے حیائی سے اپنے کو امتی اور متبعِ رسول اور اسلام کا دھنی بھی سمجھتے ہیں۔

(۱) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ . (رواه احمد ومسلم) وَقَالَ: بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ. (أبو داود والنسائي ولفظه: "ليس بين العبد و

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ نماز چھوڑنا آدمی کو کفر سے ملا دیتا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ بندہ کو اور کفر کو ملانے والی چیز صرف نماز چھوڑنا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ ایمان اور کفر کے درمیان نماز چھوڑنے کا فرق ہے۔

بين الكفر الاترك الصَّلٰوة" والترمذي و لفظه قال: "بين الكفر والايمان ترك الصلوة" وابن ماجة ولفظه قال: "بين العبد وبين الكفر ترك الصلوة" كذا في الترغيب للمنذري، وقال السيوطي في الدر لحديث جابر أخرجه ابن أبي شيبة وأحمد و مسلم و أبو داود والترمذي والنسائي و ابن ماجة، ثم قال: وأخرج ابن أبي

شیبة و أحمد و أبو داود والترمذی و صححه والنسائی وابن ماجة و ابن حبان والحاکم وصححه عن بُرَیْدَةَ مَرْفُوْعًا، "اَلْعَهْدُ الَّذِیْ بَیْنَنَا وَبَیْنَهُمُ الصَّلٰوةُ، فَمَنْ تَرَکَهَا فَقَدْ کَفَرَ")

ف: اس قسم کا مضمون اور بھی کئی حدیثوں میں آیا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اَبر کے دن نماز جلدی پڑھا کرو کیونکہ نماز چھوڑنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے، یعنی کہیں ایسا نہ ہو کہ اَبر کی وجہ سے وقت کا پتہ نہ چلے اور نماز قضا ہو جائے، اس کو بھی نماز کا چھوڑنا ارشاد فرمایا۔ کتنی سخت بات ہے کہ نبی اکرم ﷺ نماز کے چھوڑنے والے پر کفر کا حکم لگاتے ہیں۔ گو علماء نے اس حدیث کو انکار کے ساتھ مقید فرمایا ہے، مگر حضور ﷺ کے اِرشاد کی فکر اتنی سخت چیز ہے کہ جس کے دل میں ذرا بھی حضورِ اقدس ﷺ کی وُقعت اور حضور ﷺ کے اِرشاد کی اہمیّت ہوگی، اس کے لئے یہ ارشادات نہایت سخت ہیں۔ اس کے علاوہ بڑے بڑے صحابہ جیسا کہ حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ حضرات کا یہی مذہب ہے کہ بلا عذر جان کر نماز چھوڑنے والا کافر ہے۔ آئمہ میں سے حضرت امام احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ، ابن مبارک رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب نقل کیا جاتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ[1]

(۲) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ قَالَ: اَوْصَانِیْ خَلِیْلِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِسَبْعِ خِصَالٍ فَقَالَ: لَا تُشْرِکُوْا بِاللّٰهِ شَیْئًا وَّاِنْ قُطِعْتُمْ اَوْ حُرِّقْتُمْ اَوْصُلِّبْتُمْ، وَلَا تَتْرُکُوا الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدِیْنَ، فَمَنْ تَرَکَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْمِلَّةِ، وَلَا تَرْکَبُوا الْمَعْصِیَةَ فَاِنَّهَا سَخَطُ اللّٰهِ، وَلَا تَشْرَبُوا الْخَمْرَ، فَاِنَّهَا رَأْسُ الْخَطَایَا کُلِّهَا. (الحدیث رواه الطبرانی و محمد بن نصر فی کتاب الصلوٰة باسناد بن

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے محبوب حضورِ اقدس ﷺ نے سات نصیحتیں کی ہیں جن میں سے چار یہ ہیں: اوّل یہ کہ اللہ کا شریک کسی کو نہ بناؤ چاہے تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاویں یا تم جلا دیئے جاؤ یا تم سولی چڑھا دیئے جاؤ۔ دوسری یہ کہ جان کر نماز نہ چھوڑو۔ جو جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے وہ مذہب سے نکل جاتا ہے۔ تیسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو کہ اس سے حق تعالیٰ ناراض ہو جاتے ہیں۔ چوتھی یہ کہ شراب نہ پیو

[1] ترغیب

لابأس بهما كذا في الترغيب، وهكذا ذكره السيوطي في الدر المنثور وعزاه إليهما في المشكوة برواية ابن ماجة عن ابن أبي الدرداء نحوه)

کہ وہ ساری خطاؤں کی جڑ ہے۔

ف: ایک دوسری حدیث میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بھی اسی قسم کا مضمون نقل فرماتے ہیں کہ مجھے میرے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ اللہ کا شریک کسی کو نہ کرنا خواہ تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاویں یا آگ میں جلا دیا جائے، دوسری نماز جان بوجھ کر نہ چھوڑنا، جو شخص جان بوجھ کر نماز چھوڑتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ شانہٗ بَرِی الذِمّہ ہیں۔ تیسری شراب نہ پینا کہ یہ ہر برائی کی کنجی ہے۔

(۳) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: اَوْصَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِعَشْرِ كَلِمَاتٍ، قَالَ: لَاتُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّاِنْ قُتِلْتَ اَوْ حُرِّقْتَ، وَلَا تَعُقَّنَّ وَالِدَيْكَ وَاِنْ اَمَرَاكَ اَنْ تَخْرُجَ مِنْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ، وَلَا تَتْرُكَنَّ صَلٰوةً مَّكْتُوْبَةً مُّتَعَمِّدًا؛ فَاِنَّ مَنْ تَرَكَ صَلٰوةً مَّكْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا، فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ، وَلَا تَشْرَبَنَّ خَمْرًا؛ فَاِنَّهٗ رَأْسُ كُلِّ فَاحِشَةٍ، وَاِيَّاكَ وَالْمَعْصِيَةَ؛ فَاِنَّ بِالْمَعْصِيَةِ حَلَّ سَخَطُ اللّٰهِ، وَاِيَّاكَ وَالْفِرَارَ مِنَ الزَّحْفِ وَاِنْ هَلَكَ النَّاسُ، وَاِنْ اَصَابَ النَّاسَ مَوْتٌ فَاثْبُتْ، وَاَنْفِقْ عَلٰى اَهْلِكَ مِنْ طَوْلِكَ، وَلَا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ اَدَبًا وَّاَخِفْهُمْ فِي اللّٰهِ.

(رواه أحمد والطبراني في الكبير وإسناد أحمد

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دس باتوں کی وصیت فرمائی: (۱) یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا گو تو قتل کر دیا جائے یا جلا دیا جائے۔ (۲) والدین کی نافرمانی نہ کرنا گو وہ تجھے اس کام کا حکم کریں کہ بیوی کو چھوڑ دے یا سارا مال خرچ کر دے۔ (۳) فرض نماز جان کر نہ چھوڑنا۔ جو شخص فرض نماز جان کر چھوڑ دیتا ہے اللہ کا ذمہ اس سے بَری ہے۔ (۴) شراب نہ پینا کہ یہ ہر برائی اور فحش کی جڑ ہے۔ (۵) اللہ کی نافرمانی نہ کرنا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا غضب اور قہر نازل ہوتا ہے۔ (۶) لڑائی میں نہ بھاگنا چاہے سب ساتھی مر جائیں۔ (۷) اگر کسی جگہ وَبا پھیل جاوے (جیسے طاعون وغیرہ) تو وہاں سے نہ بھاگنا۔ (۸) اپنے گھر والوں پر اپنی طاقت کے مطابق خرچ کرنا۔

صحیح لو سلم من الانقطاع فان عبدالرحمن ابن جبیر لم یسمع من معاذ کذافی الترغیب، وإلیهما عزاه السیوطی فی الدرولم یذکر الانقطاع، ثم قال:وأخرج الطبرانی عن أمیمة مولاة رسول الله ﷺ قالت: کنت أصب علی رسول الله ﷺ وضوء ه، فدخل رجل فقال:أوصنی، فقال:لا تشرك بالله شیئا وإن قطعت أوحرقت ولاتعص والدیك وإن أمراك أن تخلی من أهلك ودنیاك فتحله، ولاتشربن خمرًا؛ فإنه مفتاح کل شر، ولاتترکن صلوٰة متعمدا، فمن فعل ذلك فقد برأت منه ذمة الله و رسوله)

(۹) تنبیہ کے واسطے ان پر سے لکڑی نہ ہٹانا۔ (۱۰) اللہ تعالیٰ سے ان کو ڈراتے رہنا۔

ف: لکڑی نہ ہٹانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے بے فکر نہ ہوں کہ باپ تنبیہ نہیں کرتا اور مارتا نہیں جو چاہے کرتے رہو، بلکہ ان کو حدودِ شرعیہ کے تحت کبھی کبھی مارتے رہنا چاہئے کہ بغیر مار کے اکثر تنبیہ نہیں ہوتی۔ آج کل اولاد کو شروع میں تو محبت کے جوش میں تنبیہ نہیں کی جاتی، جب وہ بری عادتوں میں پختہ ہو جاتے ہیں تو پھر روتے پھرتے ہیں، حالانکہ یہ اولاد کے ساتھ محبت نہیں، سخت دشمنی ہے کہ اس کو بری باتوں سے روکا نہ جائے اور مار پیٹ کو محبت کے خلاف سمجھا جائے۔ کون سمجھدار اس کو گوارا کر سکتا ہے کہ اولاد کے پھوڑے پھنسی کو بڑھایا جائے اور اس وجہ سے کہ نشتر لگانے سے زخم اور تکلیف ہوگی عملِ جراحی نہ کرایا جائے بلکہ لاکھ بچہ روئے، منہ بنائے، بھاگے، بہرحال نشتر لگانا ہی پڑتا ہے۔ بہت سی حدیثوں میں حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ بچہ کو سات برس کی عمر میں نماز کا حکم کرو اور دس برس کی عمر میں نماز نہ پڑھنے پر مارو[1]۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بچوں کی نماز کی نگرانی کیا کرو اور اچھی باتوں کی ان کو عادت ڈالو۔ حضرت لقمان حکیم کا ارشاد ہے کہ باپ کی مار اولاد کے لئے ایسی ہے جیسا کہ کھیتی کے لئے پانی[2] حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص اپنی اولاد کو تنبیہ کرے یہ ایک صاع صدقہ سے بہتر ہے[3]۔ ایک صاع تقریباً ساڑھے تین سیر غلہ کا ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمت کرے جو گھر والوں کو تنبیہ کے واسطے گھر میں کوڑا لٹکائے رکھے[4] ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ کوئی باپ اپنی اولاد کو اس سے افضل عطیہ نہیں دے سکتا کہ اس کو اچھا طریقہ تعلیم کرے۔[5]

---

[1] درمنثور، [2] درمنثور، [3] جامع الصغیر، [4] ایضاً، [5] ایضاً

(۴) عَنْ نَوْفَلِ بْنِ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: مَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةٌ فَكَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ. (رواه ابن حبان فی صحيحه كذا فی الترغيب، زاد السيوطی فی الدر والنسائی أيضا، قلت: و رواه أحمد فی مسنده)

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کی ایک نماز بھی فوت ہو گئی وہ ایسا ہے کہ گویا اس کے گھر کے لوگ اور مال و دولت سب چھین لیا گیا ہو۔

ف: نماز کا ضائع کرنا اکثر یا بال بچوں کی وجہ سے ہوتا ہے کہ ان کی خیر خبر میں مشغول رہے یا مال و دولت کمانے کے لالچ میں ضائع کی جاتی ہے۔ حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ نماز کا ضائع کرنا انجام کے اعتبار سے ایسا ہی ہے گویا بال بچے اور مال و دولت سب ہی چھین لیا گیا اور اکیلا کھڑا رہ گیا، یعنی جتنا خسارہ اور نقصان اس حالت میں ہے اتنا ہی نماز کے چھوڑنے میں ہے یا جس قدر رنج و صدمہ اس حالت میں ہو اتنا ہی نماز کے چھوٹنے میں ہونا چاہئے۔ اگر کسی شخص سے کوئی معتبر آدمی یہ کہہ دے اور اسے یقین آ جائے کہ فلاں راستہ لٹتا ہے اور جو رات کو اس راستہ سے جاتا ہے تو ڈاکو اس کو قتل کر دیتے ہیں اور مال چھین لیتے ہیں، تو کون بہادر ہے کہ اس راستہ سے رات کو چلے، رات کو تو در کنار دن کو بھی مشکل سے اس راستہ کو چلے گا، مگر اللہ کے سچے رسول ﷺ کا یہ پاک ارشاد ایک دو نہیں، کئی کئی حدیثوں میں وارد ہوا ہے اور ہم مسلمان حضور ﷺ کے سچے ہونے کا دعویٰ بھی جھوٹی زبانوں سے کرتے ہیں، مگر اس پاک ارشاد کا ہم پر اثر کیا ہے؟ ہر شخص کو معلوم ہے۔

(۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ جَمَعَ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ، فَقَدْ اَتٰى بَابًا مِنْ اَبْوَابِ الْكَبَائِرِ. (رواه الحاكم و قال: حنش هُوَ ابن قيس ثقة، وقال الحافظ: بل واه بمرة لانعلم أحداً وثقه غير حصين بن نمير كذافی الترغيب، زاد السيوطی فی الدر والترمذی أيضا و ذكر فی اللآلی له شواهد، وكذا فی التعقبات وقال: الحديث أخرجه الترمذی و قال: حنش ضعيف ضعفه أحمد وغيره، والعمل على هذا عند أهل العلم فأشار بذلك إلى أن

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص دو نمازوں کو بلا کسی عذر کے ایک وقت میں پڑھے وہ کبیرہ گناہوں کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر پہنچ گیا۔

الحديث اعتضد بقول أهل العلم ، وقد صرح غير واحد بان من دليل صحة الحديث قولَ أهل العلم به و إن لم يكن له إسناد يعتمد علىٰ مثله)

ف: حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ فرماتے ہیں کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزوں میں تاخیر نہ کر، ایک نماز جب اس کا وقت ہو جائے۔ دوسری جنازہ جب تیار ہو جائے۔ تیسری بے نکاحی عورت جب اس کے جوڑ کا خاوند مل جائے (یعنی فوراً نکاح کر دینا)۔ بہت سے لوگ جو اپنے کو دیندار بھی سمجھتے ہیں اور گویا نماز کے پابند بھی سمجھے جاتے ہیں وہ کئی کئی نمازیں معمولی بہانہ سے، سفر کا ہو، دوکان کا ہو، ملازمت کا ہو، گھر آ کر اکٹھی ہی پڑھ لیتے ہیں۔ یہ گناہِ کبیرہ ہے کہ بلا کسی عذر بیماری وغیرہ کے نماز کو اپنے وقت پر نہ پڑھا جاوے، گو بالکل نماز نہ پڑھنے کے برابر گناہ نہ ہو، لیکن بے وقت پڑھنے کا بھی سخت گناہ ہے، اس سے خلاصی نہ ہوئی۔

(۲) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّهٗ ذَكَرَ الصَّلٰوةَ يَوْمًا فَقَالَ: مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهٗ نُوْرًا وَّبُرْهَانًا وَّ نَجَاةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ. وَمَنْ لَّمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ يَكُنْ لَّهٗ نُوْرٌ وَّلَا بُرْهَانٌ وَّلَا نَجَاةٌ، وَّكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَاُبَيِّ بْنِ خَلْفٍ.

(اخرجه أحمد و ابن حبان والطبرانی، كذا فی الدر المنثور للسيوطی، وقال الهيثمی: رواه أحمد و الطبرانی فی الكبير والأوسط ورجال أحمد ثقات، وقال ابن حجر فی الزواجر: أخرجه أحمد بسند جيد، وزادفيه قارون أيضا مع فرعون وغيره، وكذا زاده فی منتخب الكنز برواية ابن نصر والمشكوة أيضا برواية أحمد والدارمی والبيهقی فی الشعب وابن قيم فی كتاب الصلوة).

ایک مرتبہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے نماز کا ذکر فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص نماز کا اہتمام کرے تو نماز اس کے لئے قیامت کے دن نور ہو گی اور حساب پیش ہونے کے وقت حجت ہو گی اور نجات کا سبب ہو گی اور جو شخص نماز کا اہتمام نہ کرے اس کیلئے قیامت کے دن نہ نور ہو گا اور نہ اس کے پاس کوئی حجت ہو گی اور نہ نجات کا کوئی ذریعہ۔ اس کا حشر فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہو گا۔

ف: فرعون کو تو ہر شخص جانتا ہے کہ کس درجہ کا کافر تھا حتیٰ کہ خدائی کا دعویٰ کیا تھا

اور ہامان اس کے وزیر کا نام ہے اور اُبَی بن خَلَف مکّہ کے مشرکین میں سے بڑا دشمن اسلام تھا۔ ہجرت سے پہلے نبیِ اکرم ﷺ سے کہا کرتا تھا کہ میں نے ایک گھوڑا پالا ہے، اس کو بہت کچھ کھلاتا ہوں، اس پر سوار ہوکر (نعوذ باللہ) تم کو قتل کروں گا۔ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ اس سے فرمایا تھا کہ ان شاء اللہ میں ہی تجھ کو قتل کروں گا۔ اُحد کی لڑائی میں وہ حضور اقدس ﷺ کو تلاش کرتا پھرتا تھا اور کہتا تھا کہ اگر وہ آج بچ گئے تو میری خیر نہیں، چنانچہ حملہ کے ارادہ سے وہ حضور ﷺ کے قریب پہنچ گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ارادہ بھی فرمایا کہ دور ہی سے اس کو نمٹا دیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آنے دو، جب وہ قریب ہوا تو حضور ﷺ نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں سے برچھا لے کر اس کے مارا جو اس کی گردن پر لگا اور ہلکا سا خراش اس کی گردن پر آ گیا، مگر اس کی وجہ سے گھوڑے سے لڑھکتا ہوا گرا اور کئی مرتبہ گرا اور بھاگتا ہوا اپنے لشکر میں پہنچ گیا اور چلّا تا تھا کہ خدا کی قسم! مجھے محمد ﷺ نے قتل کر دیا۔ کفار نے اس کو اطمینان دلایا کہ معمولی خراش ہے، کوئی فکر کی بات نہیں، مگر وہ کہتا تھا کہ محمد ﷺ نے مکّہ میں کہا تھا کہ میں تجھ کو قتل کروں گا۔ خدا کی قسم! اگر وہ مجھ پر تھوک بھی دیتے تو میں مر جاتا۔ لکھتے ہیں کہ اس کے چلّانے کی آواز ایسی ہوگئی تھی جیسا کہ بیل کی ہوتی ہے۔

اَبُو سفیان نے جو اس لڑائی میں بڑے زوروں پر تھا اس کو شرم دلائی کہ اس ذرا سی خراش سے اتنا چلّا تا ہے۔ اس نے کہا تجھے خبر بھی ہے کہ یہ کس نے ماری ہے؟ یہ محمد کی مار ہے، مجھے اس سے جس قدر تکلیف ہو رہی ہے لات و عُزّٰی (دو مشہور بتوں کے نام ہیں) کی قسم! اگر یہ تکلیف سارے حجاز والوں کو تقسیم کر دی جائے تو سب ہلاک ہو جائیں۔ محمد نے مجھ سے مکّہ میں کہا تھا کہ میں تجھ کو قتل کروں گا۔ میں نے اسی وقت سمجھ لیا تھا کہ میں ان کے ہاتھ سے ضرور مارا جاؤں گا، میں ان سے چھوٹ نہیں سکتا، اگر وہ اس کہنے کے بعد مجھ پر تھوک بھی دیتے تو میں اس سے بھی مر جاتا، چنانچہ مکّہ مکرمہ پہنچنے سے ایک دن پہلے وہ راستہ ہی میں مر گیا۔[1] ہم مسلمانوں کے لئے نہایت غیرت اور عبرت کا مقام ہے کہ ایک کافر پکّے کافر اور سخت دشمن کو تو حضور ﷺ کے اِرشاد کے سچّا ہونے کا اس قدر یقین ہے کہ اس کو اپنے مارے جانے میں ذرا بھی تردّد یا شک نہ تھا، لیکن ہم لوگ حضور ﷺ کو نبی ماننے کے

[1] خمیس

باوجود، حضور ﷺ کو سچا ماننے کے باوجود، حضور ﷺ کے اِرشادات کو یقینی کہنے کے باوجود، حضور ﷺ کے ساتھ محبت کے دعوے کے باوجود، حضور ﷺ کی امت میں ہونے پر فخر کے باوجود، کتنے اِرشادات پر عمل کرتے ہیں اور جن چیزوں میں حضور ﷺ نے عذاب بتائے ہیں ان سے کتنا ڈرتے ہیں، کتنا کانپتے ہیں، یہ ہر شخص کے اپنے ہی گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنے کی بات ہے۔ کوئی دوسرا کسی کے متعلق کیا کہہ سکتا ہے۔

اِبن حَجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''کِتَابُ الزَّواجر'' میں قارون کا بھی فرعون وغیرہ کے ساتھ ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے ساتھ حشر ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اکثر انہی وجوہ سے نماز میں سستی ہوتی ہے جو ان لوگوں میں پائی جاتی تھیں۔ پس اگر اس کی وجہ مال و دولت کی کثرت ہے تو قارون کے ساتھ حشر ہوگا اور اگر حکومت و سلطنت ہے تو فرعون کے ساتھ اور وزارت (یعنی ملازمت یا مصاحبت) ہے تو ہامان کے ساتھ اور تجارت ہے تو اُبَی بن خلف کے ساتھ اور جب ان لوگوں کے ساتھ اس کا حشر ہوگیا تو پھر جس قسم کے بھی عذاب احادیث میں وارد ہوئے، خواہ وہ حدیثیں متکلّم فیہ ہوں ان میں کوئی اشکال نہیں رہا کہ جہنّم کے عذاب سخت سے سخت ہیں، البتہ یہ ضرور ہے کہ اس کو اپنے ایمان کی وجہ سے ایک نہ ایک دن ان سے خلاصی ہو جائے گی اور وہ لوگ ہمیشہ کے لئے اس میں رہیں گے، لیکن خلاصی ہونے تک کا یہ زمانہ کیا کچھ ہنسی کھیل ہے، نہ معلوم کتنے ہزار برس ہوں گے۔

(۷) قَالَ بَعْضُهُمْ: وَرَدَفِي الْحَدِيْثِ اَنَّ مَنْ حَافَظَ عَلَى الصَّلٰوةِ اَكْرَمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِخَمْسِ خِصَالٍ: يَرْفَعُ عَنْهُ ضِيْقَ الْعَيْشِ، وَعَذَابَ الْقَبْرِ، وَيُعْطِيْهِ اللّٰهُ كِتَابَهٗ بِيَمِيْنِهٖ، وَيَمُرُّ عَلَى الصِّرَاطِ كَالْبَرْقِ، وَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ. وَمَنْ تَهَاوَنَ عَنِ الصَّلٰوةِ عَاقَبَهُ اللّٰهُ بِخَمْسَ عَشَرَةَ عُقُوْبَةً، خَمْسَةٌ فِي

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص نماز کا اہتمام کرتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ پانچ طرح سے اس کا اکرام و اعزاز فرماتے ہیں: ایک یہ کہ اس پر سے رزق کی تنگی ہٹا دی جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس سے عذابِ قبر ہٹا دیا جاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ قیامت کو اس کے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے (جن کا حال ''سورۃ الحاقّہ'' میں

الدُّنْيَا، وَثَلٰثَةٌ عِنْدَ الْمَوْتِ، وَ ثَلٰثٌ فِيْ قَبْرِهٖ، وَثَلَاثٌ عِنْدَ خُرُوْجِهٖ مِنَ الْقَبْرِ. فَاَمَّا الَّلوَاتِيْ فِي الدُّنْيَا، فَالْاُوْلٰى تُنْزَعُ الْبَرَكَةُ مِنْ عُمْرِهٖ، وَالثَّانِيَةُ تُمْحٰى سِيْمَاءُ الصَّالِحِيْنَ مِنْ وَجْهِهٖ، وَالثَّالِثَةُ كُلُّ عَمَلٍ يَعْمَلُهٗ لَا يَأْجُرُهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَالرَّابِعَةُ لَايُرْفَعُ لَهٗ دُعَاءٌ اِلَى السَّمَاءِ، وَالْخَامِسَةُ لَيْسَ لَهٗ حَقٌّ فِيْ دُعَاءِ الصَّالِحِيْنَ، وَاَمَّا الَّتِيْ تُصِيْبُهٗ عِنْدَ الْمَوْتِ فَاِنَّهٗ يَمُوْتُ ذَلِيْلاً،وَالثَّانِيَةُ يَمُوْتُ جُوْعًا، وَ الثَّالِثَةُ يَمُوْتُ عَطْشَانًا، وَلَوْسُقِيَ بِحَارَ الدُّنْيَا مَا رَوِيَ مِنْ عَطْشِهٖ، وَاَمَّا الَّتِيْ تُصِيْبُهٗ فِيْ قَبْرِهٖ فَالْاُوْلٰى يَضِيْقُ عَلَيْهِ الْقَبْرُ حَتّٰى تَخْتَلِفَ اَضْلَاعُهٗ ، وَالثَّانِيَةُ يُوْقَدُ عَلَيْهِ الْقَبْرُ نَارًا، فَيَتَقَلَّبُ عَلَى الْجَمْرِ لَيْلاً وَنَهَارًا، وَالثَّالِثَةُ يُسَلَّطُ عَلَيْهِ فِيْ قَبْرِهٖ ثُعْبَانٌ اِسْمُهُ الشُّجَاعُ الْاَقْرَعُ عَيْنَاهُ مِنْ نَّارٍ، وَاَظْفَارُهٗ مِنْ حَدِيْدٍ، طُوْلُ كُلِّ ظُفُرٍ مَسِيْرَةُ يَوْمٍ، يُكَلِّمُ الْمَيِّتَ فَيَقُوْلُ: اَنَا الشُّجَاعُ الْاَقْرَعُ، وَصَوْتُهٗ مِثْلُ الرَّعْدِ الْقَاصِفِ، يَقُوْلُ: اَمَرَنِيْ

مفصّل مذکور ہے کہ جن لوگوں کے نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے وہ نہایت خوش وخرم ہر شخص کو دکھاتے پھریں گے) اور چوتھے یہ کہ پُل صراط پر سے بجلی کی طرح گذر جائیں گے۔ پانچویں بغیر حساب جنّت میں داخل ہونگے اور جو شخص نماز میں سستی کرتا ہے اس کو پندرہ طریقہ سے عذاب ہوتا ہے، پانچ طرح دنیا میں اور تین طرح سے موت کے وقت اور تین طرح قبر میں اور تین طرح قبر سے نکلنے کے بعد۔ دنیا کے پانچ تو یہ ہیں : اول یہ کہ اس کی زندگی میں برکت نہیں رہتی۔ دوسرے یہ کہ صُلحاء کا نور اس کے چہرے سے ہٹا دیا جاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ اس کے نیک کاموں کا اجر ہٹا دیا جاتا ہے۔ چوتھے اس کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ پانچویں یہ کہ نیک بندوں کی دعاؤں میں اس کا استحقاق نہیں رہتا اور موت کے وقت کے تین عذاب یہ ہیں کہ اول ذلت سے مرتا ہے۔ دوسرے بھوکا مرتا ہے۔ تیسرے پیاس کی شدت میں موت آتی ہے، اگر سمندر بھی پی لے تو پیاس نہیں بجھتی۔ قبر کے تین عذاب یہ

رَبِّیْ اَنْ اَضْرِبَكَ عَلٰی تَضْیِیْعِ صَلٰوةِ الصُّبْحِ اِلٰی بَعْدِ طُلُوْعِ الشَّمْسِ، وَاَضْرِبَكَ عَلٰی تَضْیِیْعِ صَلٰوةِ الظُّهْرِ اِلَی الْعَصْرِ، وَاَضْرِبَكَ عَلٰی تَضْیِیْعِ صَلٰوةِ الْعَصْرِ اِلَی الْمَغْرِبِ، وَاَضْرِبَكَ عَلٰی تَضْیِیْعِ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ اِلَی الْعِشَاءِ وَاَضْرِبَكَ عَلٰی تَضْیِیْعِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ اِلَی الْفَجْرِ، فَكُلَّمَا ضَرَبَهٗ ضَرْبَةً یَغُوْصُ فِی الْاَرْضِ سَبْعِیْنَ ذِرَاعًا، فَلَا یَزَالُ فِی الْقَبْرِ مُعَذَّبًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ. وَاَمَّا الَّتِیْ تُصِیْبُهٗ عِنْدَ خُرُوْجِهٖ مِنَ الْقَبْرِ فِیْ مَوْقِفِ الْقِیَامَةِ فَشِدَّةُ الْحِسَابِ، وَسَخَطُ الرَّبِّ وَدُخُوْلُ النَّارِ. وَفِیْ رِوَایَةٍ فَاِنَّهٗ یَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَعَلٰی وَجْهِهٖ ثَلَاثَةُ اَسْطُرٍ مَّكْتُوْبَاتٌ: اَلسَّطْرُ الْاَوَّلُ یَا مُضَیِّعَ حَقِّ اللّٰهِ! اَلسَّطْرُ الثَّانِیْ یَا مَخْصُوْصًا بِغَضَبِ اللّٰهِ! الثَّالِثُ كَمَا ضَیَّعْتَ فِی الدُّنْیَا حَقَّ اللّٰهِ فَایْسَ الْیَوْمَ اَنْتَ مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ. (وما ذکر فی هذا الحدیث من تفصیل العدد لایطابق جملة لخمس عشرة لان المفصل اربع عشرة فقط، فلعل الراوی نسی

ہیں: اوّل اس پر قبر اتنی تنگ ہو جاتی ہے کہ پسلیاں ایک دوسری میں گھس جاتی ہیں۔ دوسرے قبر میں آگ جلا دی جاتی ہے۔ تیسرے قبر میں ایک سانپ اس پر ایسی شکل کا مُسلّط ہوتا ہے جس کی آنکھیں آگ کی ہوتی ہیں اور ناخن لوہے کے اتنے لانبے کہ ایک دن پورا چل کر اس کے ختم تک پہنچا جائے، اس کی آواز بجلی کی کڑک کی طرح ہوتی ہے، وہ یہ کہتا ہے کہ مجھے میرے رَبّ نے تجھ پر مُسلّط کیا ہے کہ تجھے صبح کی نماز ضائع کرنے کی وجہ سے آفتاب کے نکلنے تک مارے جاؤں اور ظہر کی نماز ضائع کرنے کی وجہ سے عصر تک مارے جاؤں اور پھر عصر کی نماز ضائع کرنے کی وجہ سے غروب تک اور مغرب کی نماز کی وجہ سے عشاء تک اور عشاء کی نماز کی وجہ سے صبح تک مارے جاؤں، جب وہ ایک دفعہ اس کو مارتا ہے تو اس کی وجہ سے وہ مردہ ستر ہاتھ زمین میں دھنس جاتا ہے، اسی طرح قیامت تک اس کو عذاب ہوتا رہے گا اور قبر سے نکلنے کے بعد کے تین عذاب یہ ہیں کہ ایک حساب سختی سے کیا جائے گا۔ دوسرے حق تعالیٰ شانہٗ

الخامس عشر، كذافي الزواجر لابن حجر المكي
قلت: وهو كذلك فان ابا الليث السمرقندي ذكر
الحديث في قرة العيون، فجعل ستة في الدنيا
فقال: الخامسة تمقته الخلائق في الدار الدنيا،
والسادس ليس له حظ في دعاء الصالحين، ثم
ذكر الحديث بتمامه، ولم يعزه الى احد. وفي تنبيه
الغافلين للشيخ نصر بن محمد بن ابراهيم
السمرقندي يقال: من داوم على الصلوة الخمس
في الجماعة اعطاه الله خمس خصال، ومن
تهاون بهافي الجماعة عاقبه الله باثني عشر خصلة،
ثلاثة في الدنيا، و ثلاثة عند الموت و ثلاثة في القبر، و ثلاثة يوم القيامة ثم ذكر نحوها، ثم قال: وروى عن
ابي ذرعن النبي ﷺ نحو هذا، و ذكر السيوطي في ذيل اللالي بعد ماخرج بمعناه من تخريج ابن النجارفي
تاريخ بغداد بسنده الى ابي هريرة رضی اللہ عنہ، قال في الميزان هذا حديث باطل ركبه محمد بن علي بن عباس
على ابي بكر بن زياد النيسابوري، قلت: لكن ذكر الحافظ في المنبهات عن ابي هريرة مرفوعاً، الصلوة عماد
الدين وفيها عشر خصال، الحديث ذكرته في الهندية وذكر الغزالي في دقائق الاخبار بنحو هذا اتم منه
وقال: من حافظ عليها اكرمه الله بخمس عشرة الخ مفصلاً)

کا اس پر غصہ ہوگا۔ تیسرے جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔ یہ کل میزان چودہ ہوئی، ممکن ہے کہ پندرھواں بھول سے رہ گیا ہو اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس کے چہرہ پر تین سطریں لکھی ہوئی ہوتی ہیں: پہلی سطر: او اللہ کے حق کو ضائع کرنے والے! دوسری سطر: او اللہ کے غصے کے ساتھ مخصوص! تیسری سطر جیسا کہ تو نے دنیا میں اللہ کے حق کو ضائع کیا، آج تو اللہ کی رحمت سے مایوس ہے۔

ف: یہ حدیث پوری اگرچہ عام کتب حدیث میں مجھے نہیں ملی، لیکن اس میں جتنے قسم کے ثواب اور عذاب ذکر کئے گئے ہیں ان کی اکثر کی تائید بہت سی روایات سے ہوتی ہے جن میں سے بعض پہلے گذر چکی ہیں اور بعض آگے آ رہی ہیں اور پہلی روایات میں بے نمازی کا اسلام سے نکل جانا بھی مذکور ہے، تو پھر جس قدر عذاب ہو تھوڑا ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ یہ جو کچھ مذکور ہے اور آئندہ آ رہا ہے وہ سب اس فعل کی سزا ہے، اس کے مستحقِ سزا ہونے کے بعد اور اس دفعہ کی فردِ جرم کے ساتھ ہی ارشادِ خداوندی ہے "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ" کہ اللہ تعالیٰ شرک کی تو معافی نہیں فرمائیں گے، اس کے علاوہ جس کی دل چاہے معافی فرما دیں گے۔ اس آیتِ شریفہ اور اس جیسی آیات اور

احادیث کی بنا پر اگر معاف فرمادیں تو زہے قسمت۔ احادیث میں آیا ہے کہ قیامت میں تین عدالتیں ہیں، ایک کفر واسلام کی، اس میں بالکل بخشش نہیں۔ دوسری حقوق العباد کی، اس میں حق والے کا حق ضرور دلایا جائے گا، چاہے اس سے لیا جائے جس کے ذمہ ہے یا اس کو معاف فرمانے کی مرضی ہو تو اپنے پاس سے دیا جائے گا۔ تیسری عدالت اللہ تعالیٰ کے اپنے حقوق کی ہے، اس میں بخشش کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ اس بنا پر یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اپنے افعال کی سزائیں تو یہی ہیں جو احادیث میں وارد ہوئیں لیکن مراحمِ خسروانہ اس سے بالاتر ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بعض قسم کے عذاب اور ثواب احادیث میں آئے ہیں۔

بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ کا معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت فرماتے کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ اگر کوئی دیکھتا تو بیان کر دیتا۔ حضور ﷺ اس کی تعبیر ارشاد فرما دیتے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حسبِ معمول دریافت فرمایا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ دو شخص آئے اور مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ اس کے بعد بہت لمبا خواب ذِکر فرمایا جس میں جنت و دوزخ اور اس میں مختلف قسم کے عذاب لوگوں کو ہوتے ہوئے دیکھے۔ منجملہ ان کے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا سر پتھر سے کچلا جا رہا ہے اور اس زور سے پتھر مارا جاتا ہے کہ وہ پتھر لڑھکتا ہوا دور جا پڑتا ہے۔ اتنے اس کو اٹھایا جاتا ہے وہ سر پھر ویسا ہی ہو جاتا ہے تو دوبارہ اس کو زور سے مارا جاتا ہے، اسی طرح اس کے ساتھ برتاؤ کیا جا رہا ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے دونوں ساتھیوں سے دریافت فرمایا کہ یہ کون شخص ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ اس شخص نے قرآن شریف پڑھا تھا اور اس کو چھوڑ دیا تھا اور فرض نماز چھوڑ کر سو جاتا تھا۔ ایک دوسری حدیث میں اسی قسم کا ایک اور قصہ ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک جماعت کے ساتھ یہ برتاؤ دیکھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز میں سستی کرتے تھے[1] مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو لوگ نماز کے اوقات معلوم کرنے کا اہتمام رکھتے ہیں ان میں ایسی برکت ہوتی ہے جیسی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی

[1] ترغیب

اولاد میں ہوئی[1] حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص دنیا سے ایسے حال میں رخصت ہو کہ اخلاص کے ساتھ ایمان رکھتا ہو، اس کی عبادت کرتا ہو، نماز پڑھتا ہو، زکوٰۃ ادا کرتا ہو تو وہ ایسی حالت میں دنیا سے رخصت ہوگا کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس سے راضی ہوں گے[2] حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حق تعالیٰ شانہٗ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ میں کسی جگہ عذاب بھیجنے کا ارادہ کرتا ہوں مگر وہاں ایسے لوگوں کو دیکھتا ہوں جو مسجدوں کو آباد کرتے ہیں، اللہ کے واسطے آپس میں محبت رکھتے ہیں، اخیر راتوں میں استغفار کرتے ہیں تو عذاب کو موقوف کر دیتا ہوں[3] حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا جس میں یہ لکھا کہ مسجد میں اکثر اوقات گذارا کرو۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مسجد متقی کا گھر ہے اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے اس بات کا عہد فرمالیا ہے کہ جو شخص مسجد میں اکثر رہتا ہے اس پر رحمت کروں گا، اس کو راحت دونگا اور قیامت میں پل صراط کا راستہ آسان کر دوں گا اور اپنی رضا نصیب کروں گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ مسجدیں اللہ کے گھر ہیں اور گھر آنے والے کا اکرام ہوتا ہی ہے، اس لئے اللہ پر ان کا اکرام ضروری ہے جو مسجدوں میں حاضر ہونے والے ہیں۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص مسجد سے الفت رکھے حق تعالیٰ شانہٗ اس سے الفت رکھتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جب مردہ قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو جو لوگ قبر تک ساتھ گئے تھے وہ ابھی تک واپس بھی نہیں ہوتے کہ فرشتے اس کے امتحان کے لئے آتے ہیں۔ اس وقت اگر وہ مومن ہے تو نماز اس کے سر کے قریب ہوتی ہے، اور زکوٰۃ دائیں جانب اور روزہ بائیں جانب اور باقی جتنے بھلائی کے کام کئے تھے وہ پاؤں کی جانب ہو جاتے ہیں اور ہر طرف سے اس کا احاطہ کر لیتے ہیں کہ اس کے قریب تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ فرشتے دور ہی سے کھڑے ہو کر سوال کرتے ہیں[4] ایک صحابی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں پر خرچ کی کچھ تنگی ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نماز کا حکم فرماتے اور یہ آیت تلاوت فرماتے "وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ

[1] درمنثور، [2] درمنثور، [3] ایضاً، [4] ایضاً

لِلتَّقْوٰی" ط (طٰہٰ: ۱۳۲) "اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کیجئے اور خود بھی اس کا اہتمام کرتے رہیے ہم آپ سے روزی (کموانا) نہیں چاہتے، روزی تو ہم دیں گے اور بہترین انجام تو پرہیزگاری ہی کا ہے۔"

حضرت اَسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ قیامت کے دن سارے آدمی ایک جگہ جمع ہوں گے اور فرشتہ جو بھی آواز دے گا سب کو سنائی دے گی۔ اس وقت اعلان ہوگا کہاں ہیں وہ لوگ جو راحت اور تکلیف میں، ہر حال میں اللہ کی حمد کرتے تھے؟ یہ سن کر ایک جماعت اٹھے گی اور بغیر حساب و کتاب کے جنّت میں داخل ہو جائے گی۔ پھر اعلان ہوگا کہاں ہیں وہ لوگ جو راتوں کو عبادت میں مشغول رہتے تھے اور ان کے پہلو بستروں سے دور رہتے تھے؟ پھر ایک جماعت اٹھے گی اور بغیر حساب کتاب کے جنّت میں داخل ہو جائے گی۔ پھر اعلان ہوگا کہاں ہیں وہ لوگ جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی تھی؟ پھر ایک جماعت اٹھے گی اور بغیر حساب کتاب کے جنّت میں داخل ہو جائے گی۔ ایک اور حدیث میں بھی یہی قصّہ آیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ اعلان ہوگا آج محشر والے دیکھیں گے کہ کریم لوگ کون ہیں اور اعلان ہوگا کہاں ہیں وہ لوگ جن کو تجارتی مشاغل اللہ کے ذکر اور نماز سے نہیں روکتے تھے[1]؟ شیخ نصر سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے "تنبیہ الغافلین" میں بھی یہ حدیث لکھی ہے، اس کے بعد لکھا ہے کہ جب یہ حضرات بغیر حساب کتاب چھوٹ چکیں گے تو جہنّم سے ایک (عُنُق) لمبی گردن ظاہر ہوگی جو لوگوں کو پھاندتی ہوئی چلی آئے گی، اس میں دو چمکدار آنکھیں ہوں گی اور نہایت فصیح زبان ہوگی، وہ کہے گی کہ میں ہر اس شخص پر مُسلّط ہوں جو مُتکبّر بدمزاج ہو اور مجمع میں سے ایسے لوگوں کو اس طرح چن لے گی جیسا کہ جانور دانہ چگتا ہے، ان سب کو چُن کر جہنّم میں پھینک دے گی۔ اس کے بعد پھر اسی طرح دوبارہ نکلے گی اور کہے گی کہ اب میں ہر اس شخص پر مُسلّط ہوں جس نے اللہ کو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دی، ان لوگوں کو بھی جماعت سے چن کر لے جائے گی۔ اس کے بعد سہ بارہ پھر نکلے گی اور اس مرتبہ تصویر والوں کو چن کر لے جائے گی۔ اس کے بعد جب یہ تینوں قسم کے آدمی مجمع سے چھٹ جائیں گے تو حساب کتاب شروع ہوگا۔ کہتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں شیطان آدمیوں کو نظر آجاتا تھا۔ ایک صاحب نے اس سے کہا

[1] درمنثور

کہ کوئی ترکیب ایسی بتا کہ میں تجھ جیسا ہو جاؤں۔ شیطان نے کہا کہ ایسی فرمائش تو آج تک مجھ سے کسی نے بھی نہیں کی تجھے اس کی کیا ضرورت پیش آئی؟ انہوں نے کہا کہ میرا دل چاہتا ہے۔ شیطان نے کہا اس کی ترکیب یہ ہے کہ نماز میں سستی کر اور قسم کھانے میں ذرا پرواہ نہ کر، جھوٹی سچی ہر طرح کی قسمیں کھایا کر۔ ان صاحب نے کہا کہ میں اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ کبھی نماز نہ چھوڑوں گا اور کبھی قسم نہ کھاؤں گا، شیطان نے کہا کہ تیرے سوا مجھ سے چال کے ساتھ کسی نے کچھ نہیں لیا۔ میں نے بھی عہد کر لیا کہ آدمی کو کبھی نصیحت نہیں کروں گا۔

حضرت اُبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: اس امت کو رِفعت وعزت اور دین کے فروغ کی بشارت دو، لیکن دین کے کسی کام کو جو شخص دنیا کے واسطے کرے آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں[1] ایک حدیث میں آیا ہے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اِرشاد فرماتے ہیں کہ میں نے حق تعالیٰ شانہٗ کی بہترین صورت میں زیارت کی، مجھ سے اِرشاد ہوا کہ محمد ملأ اعلیٰ والے یعنی فرشتے کس چیز میں جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا: مجھے تو علم نہیں تو حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنا دستِ مبارک میرے سینہ پر رکھ دیا۔ جس کی ٹھنڈک سینہ کے اندر تک محسوس ہوئی اور اس کی برکت سے تمام عالم مجھ پر مُنکشف ہو گیا۔ پھر مجھ سے ارشاد فرمایا: اب بتاؤ فرشتے کس چیز میں جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ درجہ بلند کرنے والی چیزوں میں اور ان چیزوں میں جو گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہیں اور جماعت کی نماز کی طرف جو قدم اٹھتے ہیں ان کے ثواب میں اور سردی کے وقت وضو کو اچھی طرح سے کرنے کے فضائل میں اور ایک نماز کے بعد سے دوسری نماز تک انتظار میں بیٹھے رہنے کی فضیلت میں۔ جو شخص ان کا اہتمام کرے گا، بہترین حالت میں زندگی گذارے گا اور بہترین حالت میں مرے گا۔ مُتعدِّد احادیث میں آیا ہے حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں: اے ابنِ آدم! تو دن کے شروع میں میرے لئے چار رکعت پڑھ لیا کر میں تمام دن کے تیرے کام بنا دیا کروں گا۔

''تنبیہ الغافلین'' میں ایک حدیث لکھی ہے کہ نماز اللہ کی رضا کا سبب ہے، فرشتوں

[1] ترغیب

کی محبوب چیز ہے، انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے، اس سے معرفت کا نور پیدا ہوتا ہے۔ دعا قبول ہوتی ہے، رزق میں برکت ہوتی ہے، یہ ایمان کی جڑ ہے، بدن کی راحت ہے، دشمن کے لئے ہتھیار ہے، نمازی کے لئے سفارشی ہے۔ قبر میں چراغ ہے اور اسکی وحشت میں دل بہلانے والی ہے۔ مُنکر نکیر کے سوال کا جواب ہے اور قیامت کی دھوپ میں سایہ ہے اور اندھیرے میں روشنی ہے، جہنم کی آگ کے لئے آڑ ہے، اعمال کی ترازو کا بوجھ ہے، پُل صراط پر جلدی سے گذارنے والی ہے۔ جنت کی کنجی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''منبہات'' میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص نماز کی محافظت کرے، اوقات کی پابندی کے ساتھ اس کا اہتمام کرے حق تعالیٰ شانہٗ نو چیزوں کے ساتھ اس کا اکرام فرماتے ہیں: اول یہ کہ اس کو خود محبوب رکھتے ہیں۔ دوسرے تندرستی عطا فرماتے ہیں۔ تیسرے فرشتے اس کی حفاظت فرماتے ہیں۔ چوتھے اس کے گھر میں برکت عطا فرماتے ہیں۔ پانچویں اس کے چہرہ پر صلحاء کے انوار ظاہر ہوتے ہیں۔ چھٹے اس کا دل نرم فرماتے ہیں۔ ساتویں وہ پُل صراط پر بجلی کی طرح سے گذر جائے گا۔ آٹھویں جہنم سے نجات فرمادیتے ہیں۔ نویں جنت میں ایسے لوگوں کا پڑوس نصیب ہوگا جن کے بارے میں "لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" (یونس:۶۲) وارد ہے یعنی قیامت میں نہ ان کو کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نماز دین کا ستون ہے اور اس میں دس خوبیاں ہیں: چہرہ کی رونق ہے، دل کا نُور ہے، بدن کی راحت اور تندرستی کا سبب ہے، قبر کا اُنس ہے، اللہ کی رحمت اترنے کا ذریعہ ہے، آسمان کی کنجی ہے، اعمال ناموں کی ترازو کا وزن ہے (کہ اس سے نیک اَعمال کا پلڑا بھاری ہو جاتا ہے) اللہ کی رضا کا سبب ہے، جنت کی قیمت ہے اور دوزخ کی آڑ ہے۔ جس شخص نے اس کو قائم کیا اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے اس کو چھوڑا اپنے دین کو گرا دیا۔[1] ایک حدیث میں وارد ہوا کہ گھر میں نماز پڑھنا نور ہے، نماز سے اپنے گھروں کو منور کیا کرو۔[2] اور یہ تو مشہور حدیث ہے کہ میری امت قیامت کے دن وضو اور سجدہ کی وجہ سے روشن ہاتھ پاؤں والی روشن چہرہ والی ہوگی، اسی علامت سے دوسری

[1] منبہات ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، [2] جامع الصغیر

امتوں سے پہچانی جائے گی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب آسمان سے کوئی بلا آفت نازل ہوتی ہے تو مسجد کے آباد کرنے والوں سے ہٹالی جاتی ہے[1] متعدد احادیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم پر حرام کر دیا ہے کہ سجدہ کے نشان کو جلائے (یعنی اگر اپنے اعمال بد کی وجہ سے وہ جہنم میں داخل ہوگا تو سجدہ کا نشان جس جگہ ہوگا اس پر آگ کا اثر نہ ہو سکے گا) ایک حدیث میں ہے کہ نماز شیطان کا منہ کالا کرتی ہے اور صدقہ اس کی کمر توڑ دیتا ہے[2] ایک جگہ ارشاد ہے کہ نماز شفا ہے[3] دوسری جگہ اس کے متعلق ایک قصہ نقل کیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ پیٹ کے بل لیٹے ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: پیٹ میں درد ہے؟ عرض کیا: جی ہاں۔ فرمایا: اٹھ نماز پڑھ، نماز میں شفا ہے۔[4] حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ جنت کو خواب میں دیکھا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے جوتوں کے گھسیٹنے کی آواز بھی سنائی دی۔ صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تیرا وہ خصوصی عمل کیا ہے جس کی وجہ سے جنت میں بھی تو (دنیا کی طرح سے) میرے ساتھ ساتھ چلتا رہا؟ عرض کیا کہ رات دن میں جس وقت بھی میرا وضو ٹوٹ جاتا ہے تو وضو کرتا ہوں اس کے بعد (تحیۃ الوضو کی) نماز جتنی مقدر ہو پڑھتا ہوں[5] سفیری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ صبح کی نماز چھوڑنے والے کو ملائکہ "او فاجر!" سے پکارتے ہیں اور ظہر کی نماز چھوڑنے والے کو "او خاسر!" (خسارہ والے) سے اور عصر کی نماز چھوڑنے والے کو عاصی سے اور مغرب کی نماز چھوڑنے والے کو کافر سے اور عشاء کی نماز چھوڑنے والے کو "او مُضیّع!" (اللہ کا حق ضائع کرنے والے) سے پکارتے ہیں[6]

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات سمجھ لینا چاہئے کہ مصیبت ہر اس آبادی سے ہٹا دی جاتی ہے کہ جہاں کے لوگ نمازی ہوں جیسا کہ ہر اس آبادی پر نازل ہوتی ہے جہاں کے لوگ نمازی نہ ہوں۔ ایسی جگہوں میں زلزلوں کا آنا، بجلیوں کا گرنا، مکانوں کا دھنس جانا کچھ بھی مستبعد نہیں اور کوئی یہ خیال نہ کرے کہ میں تو نمازی ہوں، مجھے دوسروں سے کیا غرض، اس لئے کہ جب بلا نازل ہوتی ہے تو عام ہوا کرتی ہے (خود حدیث شریف میں مذکور ہے کسی نے سوال کیا کہ ہم لوگ ایسی صورت میں ہلاک ہو سکتے ہیں کہ ہم میں صلحاء

---

[1] جامع الصغیر، [2] ایضاً، [3] ایضاً، [4] ابن کثیر، [5] فتح، [6] غالیۃ المواعظ

موجود ہوں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں! (جب خباثت کا غلبہ ہو جائے) اس لئے کہ ان کے ذمہ یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی وسعت کے موافق دوسروں کو بری باتوں سے روکیں اور اچھی باتوں کا حکم کریں۔[1]

(۸) رُوِیَ اَنَّهٗ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ والسَّلَامُ قَالَ: مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ حَتّٰی مَضٰی وَقْتُهَا، ثُمَّ قَضٰی، عُذِّبَ فِی النَّارِ حُقْبًا، وَالْحُقْبُ ثَمَانُوْنَ سَنَةً، وَالسَّنَةُ ثَلٰثُمِائَةٍ وَّسِتُّوْنَ يَوْمًا، كُلُّ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ اَلْفَ سَنَةٍ. (کذافی مجالس الابرار، قلت: لم اجده فیما عندی من کتب الحدیث الا ان مجالس الابرار مدحه شیخ مشایخنا الشاه عبدالعزیز الدهلوی، ثم قال الراغب فی قوله تعالیٰ "لّٰبِثِیْنَ فِیْهَا اَحْقَابًا" قیل: جمع الحقب ای الدهر، قیل والحقبة ثمانون عاماً والصحیح ان الحقبة مدة من الزمان مبهمة، واخرج ابن کثیر فی تفسیر قوله تعالیٰ "فویل للمصلین ○ الذین هم عن صلوتهم ساهون" عن ابن عباس ان فی جهنم لوادیا تستعیذ جهنم من ذلك الوادی فی کل یوم اربعمائة مرة، اعد ذلك الوادی للمرائین من امة محمد، الحدیث. و ذکر ابو اللیث السمرقندی فی قرة العیون عن ابن عباس وهو مسکن من یؤخر الصلوٰة عن وقتها. وعن سعد بن ابی وقاص مرفوعاً "الذین هم عن صلوتهم ساهون" قال: هم الذین یؤخرون الصلوة عن وقتها، وصحح الحاکم والبیهقی وقفه، واخرج الحاکم عن عبدالله فی قوله تعالیٰ "فسوف یلقون غیا" قال: واد فی جهنم بعید القعر، خبیث الطعم، وقال صحیح الاسناد ۱۲)

حضور ﷺ سے نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص نماز کو قضا کر دے، گو وہ بعد میں پڑھ بھی لے، پھر بھی اپنے وقت پر نہ پڑھنے کی وجہ سے ایک حقب جہنم میں جلے گا اور حقب کی مقدار اسی برس (۸۰) کی ہوتی ہے اور ایک برس تین سو ساٹھ دن کا اور قیامت کا ایک دن ایک ہزار برس کے برابر ہو گا (اس حساب سے ایک حقب کی مقدار دو کروڑ اٹھاسی لاکھ برس ہوئی ۲۸۸۰۰۰۰۰

ف: حُقب کے معنی لغت میں بہت زیادہ زمانہ کے ہیں۔ اکثر حدیثوں میں اس کی مقدار یہی آئی ہے جو اوپر گذری یعنی اسّی سال۔ ''دُرِ منثور'' میں متعدد روایات سے یہی مقدار منقول ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہلال ہجری رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت فرمایا کہ حقب کی کیا مقدار ہے؟ انہوں نے کہا کہ حقب اسی برس کا ہوتا ہے اور ہر برس بارہ مہینے کا اور ہر مہینہ تیس دن کا اور ہر دن ایک ہزار برس کا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی صحیح

[1] لوامع الانوار

روایت سے اسّی برس منقول ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے خود حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی نقل کیا ہے کہ ایک حقب اسّی سال کا ہوتا ہے اور ایک سال تین سو ساٹھ دن کا اور ایک دن تمہارے دنوں کے اعتبار سے (یعنی دنیا کے موافق) ایک ہزار دن کا۔ یہی مضمون حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرمایا ہے، اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس بھروسہ پر نہیں رہنا چاہئے کہ ایمان کی بدولت جہنّم سے آخر نکل جائیں گے۔ اتنے سال یعنی دو کروڑ اٹھاسی لاکھ برس جلنے کے بعد نکلنا ہوگا، وہ بھی جب ہی کہ اور وجہ زیادہ پڑے رہنے کی نہ ہو۔ اس کے علاوہ اور بھی کچھ مقدار اس سے کم زیادہ حدیث میں آئی ہے، مگر اول تو اوپر والی مقدار کئی حدیثوں میں آئی ہے اس لئے یہ مُقدَّم ہے، دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ آدمیوں کی حالت کے اعتبار سے کم وبیش ہو۔

اَبواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے ''قُرۃ العیون'' میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد نقل کیا ہے جو شخص ایک فرض نماز بھی جان بوجھ کر چھوڑ دے اس کا نام جہنّم کے دروازہ پر لکھ دیا جاتا ہے اور اس کو اس میں جانا ضروری ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: یہ کہو کہ اے اللہ! ہم میں کسی کو شقی محروم نہ کر۔ پھر فرمایا: جانتے ہو، شقی محروم کون ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کے استفسار پر ارشاد فرمایا کہ شقی محروم نماز کا چھوڑنے والا ہے، اس کا کوئی حصہ اسلام میں نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ دیدہ ودانستہ بلا عذر نماز چھوڑنے والے کی طرف حق تعالیٰ قیامت میں التفات ہی نہ فرمائیں گے اور عذاب اَلیم (دکھ دینے والا عذاب) اس کو دیا جائے گا۔ ایک حدیث سے نقل کیا ہے کہ دس آدمیوں کو خاص طور سے عذاب ہوگا، منجملہ ان کے نماز کا چھوڑنے والا بھی ہے کہ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہوں گے اور فرشتے منہ اور پشت پر ضرب لگا رہے ہوں گے۔ جنّت کہے گی کہ میرا تیرا کوئی تعلُّق نہیں، نہ میں تیرے لئے، نہ تو میرے لئے۔ دوزخ کہے گی کہ آجا میرے پاس آجا، تو میرے لئے ہے، میں تیرے لئے۔ یہ بھی نقل کیا ہے کہ جہنّم میں ایک وادی (جنگل) ہے جس کا نام ہے لَمْلَم، اس میں سانپ ہیں جو اونٹ کی گردن کے برابر موٹے ہیں اور ان کی لمبائی ایک مہینہ کی مسافت کے برابر ہے، اس میں نماز چھوڑنے والوں کو عذاب

دیا جائے گا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک میدان ہے جس کا نام ''جُب الحزن'' ہے، وہ بچھوؤں کا گھر ہے اور ہر بچھو خچر کے برابر بڑا ہے وہ بھی نماز چھوڑنے والوں کو ڈسنے کے لئے ہیں۔ ہاں مولائے کریم معاف کر دے تو کون پوچھنے والا ہے، مگر کوئی معافی چاہے بھی تو۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے زواجر میں لکھا ہے کہ ایک عورت کا انتقال ہو گیا، اس کا بھائی دفن میں شریک تھا، اتفاق سے دفن کرتے ہوئے ایک تھیلی قبر میں گر گئی۔ اس وقت خیال نہیں آیا بعد میں یاد آئی تو بہت رنج ہوا، چپکے سے قبر کھول کر نکالنے کا ارادہ کیا، قبر کو کھولا تو وہ آگ کے شعلوں سے بھر رہی تھی۔ روتا ہوا ماں کے پاس آیا اور حال بیان کیا اور پوچھا کہ یہ بات کیا ہے؟ ماں نے بتایا کہ وہ نماز میں سستی کرتی تھی اور قضا کر دیتی تھی۔ اَعَاذَ نَا اللّٰہُ مِنْھَا.

(۹) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَاسَھْمَ فِی الْاِسْلَامِ لِمَنْ لَّا صَلٰوۃَ لَہٗ، وَلَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّا وُضُوْءَ لَہٗ. (اخرجہ البزار، واخرج الحاکم عن عائشۃ رضی اللہ عنہا مرفوعًا و صححہ، ثلث احلف علیھن لایجعل اللہ من لہ سھم فی الاسلام کمن لاسھم لہ، ومسھام الاسلام الصوم و الصلٰوۃ و الصدقۃ، الحدیث. واخرج الطبرانی فی الاوسط عن ابن عمر مرفوعًا، لادین لمن لاصلٰوۃ لہ، انما موضع الصلوٰۃ من الدین کموضع الراس من الجسد، کذا فی الدر المنثور)

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ اسلام میں کوئی بھی حصہ نہیں اس شخص کا جو نماز نہ پڑھتا ہو اور بے وضو کی نماز نہیں ہوتی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ دین بغیر نماز کے نہیں ہے۔ نماز دین کے لئے ایسی ہے جیسا آدمی کے بدن کیلئے سر ہوتا ہے۔

ف: جو لوگ نماز نہ پڑھ کر اپنے کو مسلمان کہتے ہیں یا حمیّتِ اسلامی کے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں، وہ حضورِ اقدس ﷺ کے ان اِرشادات پر ذرا غور کر لیں اور جن اسلاف کی کامیابیوں تک پہنچنے کے خواب دیکھتے ہیں ان کے حالات کی بھی تحقیق کریں کہ وہ دین کو کس مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے، پھر دنیا ان کے قدم کیوں نہ چومتی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی آنکھ میں پانی اُتر آیا، لوگوں نے عرض کیا کہ اس کا علاج تو ہو سکتا ہے مگر چند روز آپ نماز نہ پڑھ سکیں گے۔ انہوں نے فرمایا: یہ نہیں ہو سکتا، میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص نماز نہ پڑھے وہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے یہاں ایسی حالت میں

حاضر ہوگا کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس پر ناراض ہوں گے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ لوگوں نے کہا: پانچ دن لکڑی پر سجدہ کرنا پڑے گا۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک رکعت بھی اس طرح نہیں پڑھوں گا۔ عمر بھر بینائی کو صبر کر لینا ان حضرات کے یہاں اس سے سہل تھا کہ نماز چھوڑیں، حالانکہ اس عذر کی وجہ سے نماز کا چھوڑنا جائز بھی تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اخیر زمانہ میں جب برچھا مارا گیا تو ہر وقت خون جاری رہتا تھا اور اکثر اوقات غفلت رہتی تھی حتیٰ کہ اسی غفلت میں وِصال بھی ہو گیا، مگر بیماری کے ان دنوں میں جب نماز کا وقت ہوتا تو ان کو ہوشیار کیا جاتا اور نماز کی درخواست کی جاتی۔ وہ اسی حالت میں نماز ادا کرتے اور یہ فرماتے کہ ہاں! ہاں! ضرور جو شخص نماز نہ پڑھے اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ ہمارے یہاں بیمار کی خیر خواہی، راحت رسانی اس میں سمجھی جاتی ہے کہ اس کو نماز کی تکلیف نہ دی جائے۔ بعد میں فدیہ دے دیا جائے گا۔ ان حضرات کے یہاں خیر خواہی یہ تھی جو عبادت بھی چلتے چلاتے کر سکے دریغ نہ کیا جائے۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجا است تا بہ کجا

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خادم مانگا کہ کاروبار میں مدد کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تین غلام ہیں جو پسند ہو لے لو، انہوں نے عرض کیا آپ ہی پسند فرما دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے متعلق فرمایا کہ اس کو لے لو، یہ نمازی ہے مگر اس کو مارنا نہیں، ہمیں نمازیوں کے مارنے کی ممانعت ہے۔ اس قسم کا واقعہ ایک اور صحابی ابو الہیثم رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ہوا، انہوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غلام مانگا تھا۔ اس کے بالمقابل ہمارا ملازم نمازی بن جائے تو ہم اس کو طعن کرتے ہیں اور حماقت سے اس کی نماز میں اپنا حرج سمجھتے ہیں۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ پر ایک مرتبہ غلبۂ حال ہوا تو سات روز تک گھر میں رہے، نہ کھاتے تھے نہ پیتے تھے نہ سوتے تھے۔ شیخ کو اس کی اطلاع کی گئی دریافت کیا کہ نماز کے اوقات تو محفوظ رہتے ہیں (یعنی نماز کے اوقات کا تو اہتمام رہتا ہے) لوگوں نے عرض کیا کہ نماز کے اوقات بیشک محفوظ ہیں۔ فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَجْعَلْ لِلشَّیْطَانِ عَلَیْهِ سَبِیْلاً تمام تعریف اللہ ہی کے لئے جس نے شیطان کو اس پر مسلّط نہ ہونے دیا۔ (بہجۃ النفوس)

دوسرا باب

جماعت کے بیان میں

جیسا کہ شروع رسالہ میں لکھا جا چکا ہے بہت سے حضرات نماز پڑھتے ہیں، لیکن جماعت کا اہتمام نہیں کرتے حالانکہ نبی اکرم ﷺ سے جس طرح نماز کے بارے میں بہت سخت تاکید آئی ہے اسی طرح جماعت کے بارے میں بھی بہت سی تاکیدیں وارد ہوئی ہیں۔ اس باب میں بھی دو فصلیں ہیں: پہلی فصل جماعت کے فضائل میں، دوسری فصل جماعت کے چھوڑنے پر عتاب میں۔

فصلِ اوّل

جماعت کے فضائل میں

(۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوةِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً.

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جماعت کی نماز اکیلے کی نماز سے ستائیس درجہ زیادہ ہوتی ہے۔

(رواہ مالك والبخاری ومسلم والترمذی والنسائی، کذا فی الترغیب)

ف: جب آدمی نماز پڑھتا ہے اور ثواب ہی کی نیت سے پڑھتا ہے تو معمولی سی بات ہے کہ گھر میں نہ پڑھے، مسجد میں جا کر جماعت سے پڑھ لے کہ نہ اس میں کچھ مشقت ہے نہ دِقت اور اتنا بڑا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ کون شخص ایسا ہوگا جس کو ایک روپے کے ستائیس یا اٹھائیس روپے ملتے ہوں اور وہ ان کو چھوڑ دے؟ مگر دین کی چیزوں میں اتنے بڑے نفع سے بھی بے توجہی کی جاتی ہے۔ اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ ہم لوگوں کو دین کی پرواہ نہیں، اس کا نفع ہم لوگوں کی نگاہ میں نفع نہیں۔ دنیا کی تجارت جس میں ایک آنہ دو آنہ فی روپیہ نفع ملتا ہے اس کے پیچھے دن بھر خاک چھانتے ہیں۔ آخرت کی تجارت جس میں ستائیس گنا نفع ہے وہ ہمارے لئے مصیبت ہے۔ جماعت کی نماز کے لئے

جانے میں دکان کا نقصان سمجھا جاتا ہے، بکری کا بھی نقصان بتایا جاتا ہے، دکان کے بند کرنے کی بھی دِقت کہی جاتی ہے، لیکن جن لوگوں کے یہاں اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی عظمت ہے، اللہ کے وعدوں پر ان کو اطمینان ہے، اس کے اجر وثواب کی کوئی قیمت ہے، ان کے یہاں یہ لچر عذر کچھ بھی وقعت نہیں رکھتے۔ ایسے ہی لوگوں کی اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے کلامِ پاک میں تعریف فرمائی ہے "رِجَالٌ لَّاتُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ" (النور: ۳۷) تیسرے باب کے شروع میں پوری آیت مع ترجمہ موجود ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جو معمول اذان کے بعد اپنی تجارت کے ساتھ تھا وہ حکایاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے پانچویں باب میں مختصر طور پر گذر چکا۔ سالم حدّاد رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ تھے، تجارت کرتے تھے، جب اذان کی آواز سنتے تو رنگ متغیر ہو جاتا اور زرد پڑ جاتا، بے قرار ہو جاتے، دکان کھلی چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے اور یہ اشعار پڑھتے۔

اِذا مَادَعَادَاعِيْكُمْ قُمْتُ مُسْرِعًا مُجِيْبًا لِمَوْلٰى جَلَّ لَيْسَ لَهٗ مِثْلُ

"جب تمہارا منادی (مؤذن) پکارنے کے واسطے کھڑا ہو جاتا ہے تو میں جلدی سے کھڑا ہو جاتا ہوں ایسے مالک کی پکار کو قبول کرتے ہوئے جس کی بڑی شان ہے، اس کا کوئی مثل نہیں"۔

اُجِيْبُ اِذَا نَادٰى بِسَمْعٍ وَّطَاعَةٍ وَبِیْ نَشْوَةٌ لَبَّيْكَ يَامَنْ لَّهُ الْفَضْلُ

"جب وہ منادِی (مؤذن) پکارتا ہے تو میں بحالتِ نشاط، اطاعت وفرمانبرداری کے ساتھ جواب میں کہتا ہوں کہ اے فضل وبزرگی والے! لبّیک یعنی حاضر ہوتا ہوں"۔

وَيَصْفَرُّ لَوْنِیْ خِيْفَةً وَّمَهَابَةً وَيَرْجِعُ لِیْ عَنْ كُلِّ شُغْلٍ بِهٖ شُغْلُ

"اور میرا رنگ خوف اور ہیبت سے زرد پڑ جاتا ہے اور اس پاک ذات کی مشغولی مجھے ہر کام سے بے خبر کر دیتی ہے"۔

وَحَقِّكُمْ مَالِلَّذِیْ غَيْرُ ذِكْرِكُمْ وَذِكْرُ سِوَاكُمْ فِیْ فَمِیْ قَطُّ لَايَحْلُوْ

"تمہارے حق کی قسم تمہارے ذکر کے سوا مجھے کوئی چیز بھی لذیذ نہیں معلوم ہوتی اور تمہارے سوا کسی کے ذکر میں بھی مجھے مزہ نہیں آتا"۔

مَتٰی یَجْمَعُ الْاَیَّامُ بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ وَیَفْرَحُ مُشْتَاقٌ اِذَا جَمَعَ الشَّمْلُ

''دیکھیے زمانہ مجھ کو اور تم کو کب جمع کرے گا اور مشتاق تو جب ہی خوش ہوتا ہے جب اجتماع نصیب ہوتا ہے''۔

فَمَنْ شَاهَدَتْ عَیْنَاهُ نُوْرَ جَمَالِکُمْ یَمُوْتُ اشْتِیَاقًا نَحْوَکُمْ قَطُّ لَایَسْلُوْ

''جس کی آنکھوں نے تمہارے جمال کا نور دیکھ لیا ہے، تمہارے اشتیاق میں مرجائے گا، کبھی بھی تسلی نہیں پاسکتا''۔[1]

حدیث میں آیا ہے کہ جو لوگ کثرت سے مسجد میں جمع رہتے ہوں وہ مسجد کے کھونٹے ہیں، فرشتے ان کے ہمنشین ہوتے ہیں، اگر وہ بیمار ہوجائیں تو فرشتے ان کی عیادت کرتے ہیں اور وہ کسی کام کو جائیں تو فرشتے ان کی اِعانت کرتے ہیں۔[2]

(۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: صَلٰوةُ الرَّجُلِ فِیْ جَمَاعَةٍ تَضْعَفُ عَلٰی صَلٰوتِهٖ فِیْ بَیْتِهٖ وَفِیْ سُوْقِهٖ خَمْسًا وَّعِشْرِیْنَ ضِعْفًا، وَّذٰلِكَ اَنَّهٗ اِذَا تَوَضَّاَ، فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ خَرَجَ اِلَی الْمَسْجِدِ لَایُخْرِجُهٗ اِلَّا الصَّلٰوةُ، لَمْ یَخْطُ خُطْوَةً اِلَّا رُفِعَتْ لَهٗ بِهَا دَرَجَةٌ، وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِیْئَةٌ، فَاِذَا صَلّٰی لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّیْ عَلَیْهِ مَادَامَ فِی مُصَلَّاهُ مَا لَمْ یُحْدِثْ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَیْهِ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ وَ لَایَزَالُ فِیْ صَلٰوةٍ مَا انْتَظَرَ الصَّلٰوةَ. (رواه البخاری واللفظ له، ومسلم و ابو داود والترمذی و ابن ماجة، کذا فی الترغیب)

حضورِ اقدس ﷺ کا اِرشاد ہے کہ آدمی کی وہ نماز جو جماعت سے پڑھی گئی ہو اس نماز سے جو گھر میں پڑھ لی ہو یا بازار میں پڑھ لی ہو پچیس درجہ اَلْمُضَاعَفُ (زیادہ) ہوتی ہے اور بات یہ ہے کہ جب آدمی وضو کرتا ہے اور وضو کو کمال درجہ تک پہنچا دیتا ہے، پھر مسجد کی طرف صرف نماز کے ارادہ سے چلتا ہے، کوئی اور ارادہ اس کے ساتھ شامل نہیں ہوتا تو جو قدم بھی رکھتا ہے اس کی وجہ سے ایک نیکی بڑھ جاتی ہے اور ایک خطا معاف ہو جاتی ہے اور پھر جب نماز پڑھ کر اسی جگہ بیٹھا رہتا ہے تو جب تک وہ باوضو بیٹھا رہے گا فرشتے اس کے لئے

[1] نزہۃ [2] حاکم

مغفرت اور رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور جب تک آدمی نماز کے انتظار میں رہتا ہے وہ نماز کا ثواب پاتا رہتا ہے۔

ف: پہلی حدیث میں ستائیس درجہ کی زیادتی بتلائی گئی تھی اور اس حدیث میں پچیس درجہ کی، ان دونوں حدیثوں میں جو اختلاف ہوا ہے، علماء نے اس کے بہت سے جوابات تحریر فرمائے ہیں جو شروحِ حدیث میں مذکور ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ نمازیوں کے حال کے اِختلاف کی وجہ سے ہے کہ بعضوں کو پچیس درجہ کی زیادتی ہوتی ہے اور بعضوں کو اِخلاص کی وجہ سے ستائیس کی ہو جاتی ہے۔ بعض علماء نے نماز کے اختلاف پر محمول فرمایا ہے کہ سرّی نمازوں میں پچیس ہے اور جہری میں ستائیس ہے۔ بعض نے ستائیس عشاء اور صبح کے لئے بتایا ہے کہ ان دونوں نمازوں میں جانا مشکل معلوم ہوتا ہے اور پچیس باقی نمازوں میں۔ بعض شُرّاح نے لکھا ہے کہ اس امت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات کی بارش بڑھتی ہی چلی گئی جیسا کہ اور بھی بہت سی جگہ اس کا ظہور ہے، اس لئے اوّل پچیس درجہ تھا، بعد میں ستائیس ہو گیا۔ بعض شُرّاح نے ایک عجیب بات سمجھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا ثواب پہلی حدیث سے بہت زیادہ ہے، اس لئے کہ اس حدیث میں یہ ارشاد نہیں کہ وہ پچیس درجہ کی زیادتی ہے، بلکہ یہ ارشاد ہے کہ پچیس درجہ المضاعف ہوتی ہے جس کا ترجمہ دو چند اور دوگنا ہوتا ہے، یعنی یہ کہ پچیس مرتبہ تک دوگنا اجر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس صورت میں جماعت کی ایک نماز کا ثواب تین کروڑ پینتیس لاکھ چون ہزار چار سو بتیس (۳۳۵۵۴۴۳۲) درجہ ہوا۔ حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت سے یہ ثواب کچھ بعید نہیں اور جب نماز کے چھوڑنے کا گناہ ایک حقب ہے جو پہلے باب میں گذرا تو اس کے پڑھنے کا ثواب یہ ہونا قرینِ قیاس بھی ہے۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے اس طرف اِشارہ فرمایا کہ یہ تو خود ہی غور کر لینے کی چیز ہے کہ جماعت کی نماز میں کس قدر اجر و ثواب اور کس کس طرح حسنات کا اِضافہ ہوتا چلا جاتا ہے کہ جو شخص گھر سے وضو کر کے محض نماز کی نیت سے مسجد میں جائے تو اس کے ہر ہر قدم پر ایک نیکی کا اضافہ اور ایک خطا کی معافی ہوتی چلی جاتی ہے۔ بنو سلمہ مدینہ طیبہ میں ایک قبیلہ تھا، ان کے مکانات مسجد سے دور تھے، انہوں نے ارادہ کیا کہ مسجد کے قریب ہی

کہیں منتقل ہو جائیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہیں رہو، تمہارے مسجد تک آنے کا ہر ہر قدم لکھا جاتا ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص گھر سے وضو کر کے نماز کو جائے وہ ایسا ہے جیسا کہ گھر سے اِحرام باندھ کر حج کو جائے۔ اس کے بعد حضور ﷺ ایک اور فضیلت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ جب نماز پڑھ چکا تو اس کے بعد جب تک مُصلّے پر رہے فرشتے مغفرت اور رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ فرشتے اللہ کے مقبول اور معصوم بندے ہیں، ان کی دعا کی برکات خود ظاہر ہیں۔

محمد بن سماعہ رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ عالم ہیں جو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، ایک سو تین برس کی عمر میں انتقال ہوا، اس وقت دو سو رکعات نفل روزانہ پڑھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ مسلسل چالیس برس تک میری ایک مرتبہ کے علاوہ تکبیرِ اولیٰ فوت نہیں ہوئی، صرف ایک مرتبہ جس دن میری والدہ کا انتقال ہوا ہے اس کی مشغولی کی وجہ سے تکبیر اولیٰ فوت ہوگئی تھی۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میری جماعت کی نماز فوت ہوگئی تھی تو میں نے اس وجہ سے کہ جماعت کی نماز کا ثواب پچیس درجہ زیادہ ہے اس نماز کو پچیس دفعہ پڑھا تا کہ وہ عدد پورا ہو جائے تو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کہتا ہے: محمد! پچیس دفعہ نماز تو پڑھ لی، مگر ملائکہ کی آمین کا کیا ہوگا۔[1]

ملائکہ کی آمین کا مطلب یہ ہے کہ بہت سی احادیث میں یہ ارشادِ نبوی آیا ہے کہ جب امام سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہتا ہے تو ملائکہ بھی آمین کہتے ہیں۔ جس شخص کی آمین ملائکہ کی آمین کے ساتھ ہو جاتی ہے اس کے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو خواب میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس قصے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جماعت کا ثواب مجموعی طور سے جو حاصل ہوتا ہے وہ اکیلے میں حاصل ہو ہی نہیں سکتا، چاہے ایک ہزار مرتبہ اس نماز کو پڑھ لے اور یہ ظاہر بات ہے کہ ایک آمین کی موافقت ہی صرف نہیں بلکہ مجمع کی شرکت، نماز سے فراغت کے بعد ملائکہ کی دعا، جس کا اس حدیث میں ذکر ہے، ان کے علاوہ اور بہت سی خصوصیات ہیں جو جماعت ہی میں پائی جاتی ہیں۔ ایک ضروری امر یہ بھی قابل لحاظ ہے، علماء نے لکھا ہے کہ فرشتوں کی

---

[1] فوائد بہیہ

اس دعا کا مستحق جب ہی ہوگا جب نماز نماز بھی ہو اور اگر ایسے ہی پڑھی کہ پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر منہ پر ماردی گئی تو پھر فرشتوں کی دعا کا مستحق نہیں ہوتا۔[1]

(۳) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَلْقَى اللّٰهَ غَدًا مُسْلِمًا، فَلْيُحَافِظْ عَلٰى هٰؤُلَآءِ الصَّلَوَاتِ حَيْثُ يُنَادٰى بِهِنَّ، فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ ﷺ سُنَنَ الْهُدٰى وَاِنَّهُنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى، وَلَوْ اَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ كَمَا يُصَلِّيْ هٰذَا الْمُتَخَلِّفُ فِيْ بَيْتِهٖ لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ، وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ، وَمَا مِنْ رَّجُلٍ يَتَطَهَّرُ فَيُحْسِنُ الطُّهُوْرَ، ثُمَّ يَعْمِدُ اِلٰى مَسْجِدٍ مِّنْ هٰذِهِ الْمَسَاجِدِ اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِكُلِّ خُطْوَةٍ يَخْطُوْهَا حَسَنَةً، وَيَرْفَعُهٗ بِهَا دَرَجَةً، وَيَحُطُّ عَنْهُ بِهَا سَيِّئَةً، وَلَقَدْ رَاَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا اِلَّا مُنَافِقٌ مَّعْلُوْمُ النِّفَاقِ، وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يُؤْتٰى بِهَا يُهَادٰى بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتّٰى يُقَامَ فِي الصَّفِّ. وفي رواية: لَقَدْ رَاَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلٰوةِ اِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُهٗ اَوْ مَرِيْضٌ، اِنْ كَانَ الرَّجُلُ لَيَمْشِيْ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتّٰى يَاْتِيَ الصَّلٰوةَ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہے کہ کل قیامت کے دن اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی بارگاہ میں مسلمان بن کر حاضر ہو وہ ان نمازوں کو ایسی جگہ ادا کرنے کا اہتمام کرے جہاں اذان ہوتی ہے (یعنی مسجد میں) اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے تمہارے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کیلئے ایسی سنتیں جاری فرمائی ہیں جو سراسر ہدایت ہیں، انہیں میں سے یہ جماعت کی نمازیں بھی ہیں۔ اگر تم لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھنے لگو گے جیسا کہ فلاں شخص پڑھتا ہے تو تم نبی ﷺ کی سنت کے چھوڑنے والے ہو گے اور یہ سمجھ لو کہ اگر نبی اکرم ﷺ کی سنت کو چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے اور جو شخص اچھی طرح وضو کرے، اس کے بعد مسجد کی طرف جائے تو ہر ہر قدم پر ایک ایک نیکی لکھی جائے گی اور ایک ایک درجہ بلند ہوگا اور ایک ایک خطا معاف ہوگی اور ہم تو اپنا یہ حال دیکھتے تھے کہ جو شخص کھلم کھلا منافق ہو وہ تو جماعت سے رہ جاتا تھا، ورنہ

[1] بہجۃ النفوس

وَقَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدٰى، وَإِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى الصَّلٰوةُ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِيْ يُؤَذَّنُ فِيْهِ (رواه مسلم و أبو داود والنسائي وابن ماجة، كذا في الترغيب والدر المنثور، والسنة نوعان: سنة الهدى، و تاركها يستوجب اساءة كالجماعة والأذان والزوائد، وتاركها لا يستوجب اساءة كسير النبي ﷺ في لباسه وقعوده، كذا في نور الأنوار، والإضافة في سنة الهدى بيانية أي سنة هي هدى، والحمل مبالغة كذا في قمر الأقمار)

حضور ﷺ کے زمانہ میں عام منافقوں کی بھی جماعت چھوڑنے کی ہمت نہ ہوتی تھی یا کوئی سخت بیمار، ورنہ جو شخص دو آدمیوں کے سہارے سے گھسٹتا ہوا جا سکتا تھا وہ بھی صف میں کھڑا کر دیا جاتا تھا۔

ف: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہاں جماعت کا اس قدر اہتمام تھا اگر بیمار بھی کسی طرح جماعت میں جا سکتا تھا تو وہ بھی جا کر شریک ہو جاتا تھا، چاہے دو آدمیوں کو کھینچ کر لے جانے کی نوبت آتی اور یہ اہتمام کیوں نہ ہوتا جب کہ ان کے اور ہمارے آقا نبیِ اکرم ﷺ کو اسی طرح کا اہتمام تھا، چنانچہ حضورِ اقدس ﷺ کے مرض الوفات میں یہی صورت پیش آئی کہ مرض کی شدت کی وجہ سے بار بار غشی ہوتی تھی اور کئی کئی دفعہ وضو کا پانی طلب فرماتے تھے۔ آخر ایک مرتبہ وضو فرمایا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ایک دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ کے سہارے سے مسجد میں تشریف لے گئے کہ زمین پر پاؤں مبارک اچھی طرح جمتا بھی نہ تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تعمیلِ ارشاد میں نماز پڑھانا شروع کر دی تھی، حضور ﷺ جا کر نماز میں شریک ہوئے[1] حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورِ اقدس ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا وہ بالکل سامنے ہے اور تو اس کو دیکھ رہا ہے اور اپنے آپ کو مُردوں کی فہرست میں شمار کیا کر (زندوں میں اپنے کو سمجھ ہی نہیں کہ پھر نہ کسی بات کی خوشی نہ کسی بات سے رنج) اور مظلوم کی بددعا سے اپنے کو بچا اور جو تُو اتنی بھی طاقت رکھتا ہو کہ زمین پر گھسٹ کر عشاء اور صبح کی جماعت میں شریک ہو سکے تو دریغ نہ کر۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ منافقوں پر عشاء اور صبح کی نماز بہت بھاری ہے، اگر ان کو یہ معلوم ہو جاتا کہ جماعت میں کتنا ثواب ہے تو زمین پر گھسٹ کر جاتے اور جماعت سے

---

[1] صحیحین

ان کو پڑھتے ہے[1]

(۴)عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ صَلّٰى لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا فِيْ جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى، كُتِبَ لَهٗ بَرَآئَتَانِ: بَرَآءَةٌ مِّنَ النَّارِ، وَبَرَآءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ.

نبی اکرم ﷺ کا اِرشاد ہے کہ جو شخص چالیس دن اخلاص کے ساتھ ایسی طرح نماز پڑھے کہ تکبیرِ اولیٰ فوت نہ ہو تو اس کو دو پروانے ملتے ہیں: ایک پروانہ جہنّم سے چھٹکارے کا، دوسرا نفاق سے بَری ہونے کا۔

(رواه الترمذی وقال: لاأعلم أحدًا رفعه إلاماروی مسلم بن قتيبة عن طعمة بن عمر، وقال المنذری: ومسلم وطعمة وبقية رواته ثقاة، كذا فی الترغيب، قلت: وله شواهد من حديث عمر ﷺ رفعه "من صلى فی مسجد جماعة أربعين ليلة لاتفوته الركعة الأولى من صلوة العشاء كتب الله له بها عتقا من النار" رواه ابن ماجة واللفظ له، والترمذی وقال نحو حديث أنس يعنی المتقدم ولم يذكر لفظه، وقال: مرسل يعنی أن عمارة الراوی عن أنس لم يدرك أنسا وعزاه فی منتخب الكنز إلى البيهقی فی الشعب وابن عساكر وابن النجار)

ف: یعنی جو اس طرح چالیس دن اخلاص سے نماز پڑھے کہ شروع سے امام کے ساتھ شریک ہو اور نماز شروع کرنے کی تکبیر جب امام کہے تو اسی وقت یہ بھی نماز میں شریک ہو جائے تو وہ شخص نہ جہنّم میں داخل ہوگا، نہ منافقوں میں داخل ہوگا۔ منافق وہ لوگ کہلاتے ہیں جو اپنے کو مسلمان ظاہر کریں، لیکن دل میں کفر رکھتے ہوں اور چالیس دن کی خصوصیت بظاہر اس وجہ سے ہے کہ حالات کے تغیّر میں چالیس دن کو خاص دخل ہے، چنانچہ آدمی کی پیدائش کی ترتیب جس حدیث میں آئی ہے اس میں بھی چالیس دن تک نطفہ رہنا، پھر گوشت کا ٹکڑا چالیس دن تک، اسی طرح چالیس چالیس دن میں اس کا تغیّر ذکر فرمایا ہے، اسی وجہ سے صوفیاء کے یہاں چلّہ بھی خاص اہمیّت رکھتا ہے۔ کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کی برسوں بھی تکبیرِ اولیٰ فوت نہیں ہوتی۔

(۵)عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ وُضُوْءَهٗ، ثُمَّ رَاحَ فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ

نبی اکرم ﷺ کا اِرشاد ہے کہ جو شخص اچھی طرح وضو کرے، پھر مسجد میں نماز کیلئے جائے اور وہاں پہنچ کر معلوم ہو کہ جماعت

---

[1] ترغیب

صَلَّوْا، اَعْطَاهُ اللّٰهُ مِثْلَ اَجْرِ مَنْ صَلَّاهَا وَحَضَرَهَا لَايَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا. (رواه أبوداود والنسائی والحاكم وقال: صحيح على شرط مسلم، كذا فی الترغيب ،

ہوچکی، تو بھی اس کو جماعت کی نماز کا ثواب ہوگا اور اس ثواب کی وجہ سے ان لوگوں کے ثواب میں کچھ کمی نہیں ہوگی جنہوں نے جماعت سے نماز پڑھی ہے۔

وفيه أيضاً عن سعيد بن المسيب قال: حضر رجلا من الانصار الموت، فقال: انی محدثكم حديثا ما أحدثكموه الا احتسابًا، إنی سمعت رسول الله ﷺ يقول: اذا توضأ أحدكم فاحسن الوضوء، الحديث. وفيه: فإن أتى المسجد فصلى فی جماعة غفرله فان أتى المسجد وقد صلوا بعضا وبقی بعض صلى ما أدرك وأتم مابقی كان كذلك، فإن أتى المسجد و قد صلوا فأتم الصلوٰة كان كذلك، رواه أبو داود)

ف: یہ اللہ کا کس قدر انعام واحسان ہے کہ محض کوشش اور سعی پر جماعت کا ثواب مل جائے گو جماعت نہ مل سکے۔ اللہ کی اس دَین (عطا) پر بھی ہم لوگ خود ہی نہ لیں تو کسی کا کیا نقصان ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ محض اس کھٹکے سے کہ جماعت ہوچکی ہوگی مسجد میں جانا ملتوی نہ کرنا چاہئے۔ اگر جا کر معلوم ہو کہ ہوچکی ہے، تب بھی ثواب تو مل ہی جائے گا، البتہ اگر پہلے سے یقیناً معلوم ہوجائے کہ جماعت ہوچکی ہے تو مضائقہ نہیں۔

(٦) عَنْ قُبَاثِ بْنِ اَشْيَمَ اللَّيْثِي رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: صَلٰوةُ الرَّجُلَيْنِ يَؤُمُّ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهٗ اَزْكٰى عِنْدَاللّٰهِ مِنْ صَلٰوةِ اَرْبَعَةٍ تَتْرٰى، وَصَلٰوةُ اَرْبَعَةٍ اَزْكٰى عِنْدَاللّٰهِ مِنْ صَلٰوةِ ثَمَانِيَةٍ تَتْرٰى، وَصَلٰوةُ ثَمَانِيَةٍ يَؤُمُّهُمْ اَحَدُهُمْ اَزْكٰى عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ صَلٰوةِ مِائَةٍ تَتْرٰى. (رواه البزار و الطبرانی بإسناد لابأس به، كذافی الترغيب وفی مجمع الزوائد: رواه البزار و الطبرانی فی الكبير ورجال الطبرانی موثقون وعزاه فی الجامع الصغير إلى الطبرانی والبيهقی ورقم له

نبیِ اکرم ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ دو آدمیوں کی جماعت کی نماز کہ ایک امام ہو، ایک مقتدی، اللہ کے نزدیک چار آدمیوں کی علیحدہ علیحدہ نماز سے زیادہ پسندیدہ ہے، اسی طرح چار آدمیوں کی جماعت کی نماز آٹھ آدمیوں کی متفرق نماز سے زیادہ محبوب ہے اور آٹھ آدمیوں کی جماعت کی نماز سو آدمیوں کی متفرق نمازوں سے بڑھی ہوئی ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے اسی طرح جتنی بڑی جماعت میں نماز پڑھی جائے گی وہ اللہ کو زیادہ محبوب ہے مختصر

بالصحة، وعن أبي كعب رفعه بمعنى حديث الباب، **جماعت سے۔**

وفيه قصة وفي اخره و كلما كثر فهو احب الى الله عزو جل، رواه احمد وابوداود و النسائي وابن خزيمة وابن حبان في صحيحيهما والحاكم، وقد جزم يحيى بن معين و الذهلي بصحة هذا الحديث، كذا في الترغيب)

ف: جولوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دو چار آدمی مل کر گھر، دوکان وغیرہ پر جماعت کرلیں وہ کافی ہے، اوّل تو اس میں مسجد کا ثواب شروع ہی سے نہیں ہوتا، دوسرے کثرتِ جماعت کے ثواب سے بھی محرومی ہوتی ہے، مجمع جتنا زیادہ ہوگا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے واسطے ایک کام کرنا ہے تو پھر جس طریقہ میں اس کی خوشنودی زیادہ ہو اسی طریقہ سے کرنا چاہئے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ تین چیزوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں: ایک جماعت کی صف کو، ایک اس شخص کو جو آدھی رات (تہجد) کی نماز پڑھ رہا ہو، تیسرے اس شخص کو جو کسی لشکر کے ساتھ لڑ رہا ہو۔[1]

(۷) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: بَشِّرِ الْمَشَّائِيْنَ فِي الظُّلَمِ اِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّوْرِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (رواه ابن ماجة وابن خزيمة في صحيحه والحاكم واللفظ له

حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضورِ اقدس ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ جولوگ اندھیرے میں مسجدوں میں بکثرت جاتے رہتے ہیں، ان کو قیامت کے دن کے پورے پورے نور کی خوشخبری سنادے۔

وقال صحيح على شرط الشيخين كذا في الترغيب، وفي المشكوة برواية الترمذي وأبي داود عن بريدة، ثم قال رواه ابن ماجة عن سهل ابن سعد وأنس. قلت: وله شاهد في منتخب كنز العمال برواية الطبراني عن ابي أمامة بلفظ "بشّر المدلجين إلى المساجد في الظلم بمنابر من نور يوم القيامة، يفزع الناس ولا يفزعون" ذكر السيوطي في الدر المنثور في تفسير قوله تعالى: "انما يعمر مساجد الله" عدة روايات في هذا المعنى)

ف: یعنی آج دنیا میں اندھیری رات میں مسجد میں جانے کی قدر اس وقت معلوم ہوگی جب قیامت کا ہولناک منظر سامنے ہوگا اور ہر شخص مصیبت میں گرفتار ہوگا۔ آج کے اندھیروں کی مشقت کا بدلہ اور اس کی قدر اس وقت ہوگی جب ایک چمکتا ہوا نور اور آفتاب سے کہیں زیادہ روشنی ان کے ساتھ ساتھ ہوگی۔ ایک حدیث میں ہے کہ وہ قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہوں گے اور بے فکر، جبکہ اور لوگ گھبراہٹ میں ہونگے۔ ایک حدیث میں ہے

---

[1] جامع الصغیر

کہ حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن اِرشاد فرمائیں گے کہ میرے پڑوسی کہاں ہیں؟ فرشتے عرض کریں گے کہ آپ کے پڑوسی کون ہیں؟ اِرشاد ہوگا کہ مسجدوں کو آباد کرنے والے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب جگہوں سے زیادہ محبوب مسجدیں ہیں اور سب میں زیادہ ناپسند بازار ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ مسجدیں جنّت کے باغ ہیں۔[1] ایک صحیح حدیث میں وارد ہے: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں "جس شخص کو دیکھو کہ مسجد کا عادی ہے تو اس کے ایماندار ہونے کی گواہی دو"۔[2] اس کے بعد "اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ" یہ آیت تلاوت فرمائی یعنی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔[3] ایک حدیث میں وارد ہے کہ مشقت کے وقت وضو کرنا اور مسجد کی طرف قدم اٹھانا اور نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھے رہنا گناہوں کو دھو دیتا ہے۔[4] ایک حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص جتنا مسجد سے دور ہوگا اتنا ہی زیادہ ثواب ہوگا۔[5] اس کی وجہ یہی ہے کہ ہر ہر قدم پر اجر و ثواب ہے اور جتنی دور مسجد ہوگی اتنے ہی قدم زیادہ ہوں گے، اسی وجہ سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم چھوٹے چھوٹے قدم رکھتے تھے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ اگر لوگوں کو ان کا ثواب معلوم ہو جائے تو لڑائیوں سے ان کو حاصل کیا جائے: ایک اذان کہنا، دوسری جماعت کی نمازوں کے لئے دوپہر کے وقت جانا، تیسری پہلی صف میں نماز پڑھنا۔[6] ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ قیامت کے دن جب ہر شخص پریشان حال ہوگا اور آفتاب نہایت تیزی پر ہوگا، سات آدمی ایسے ہوں گے جو اللہ کی رحمت کے سایہ میں ہوں گے، ان میں ایک شخص وہ بھی ہوگا جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے کہ جب کسی ضرورت سے باہر آئے تو پھر مسجد ہی واپس جانے کی خواہش ہو۔ ایک حدیث میں وارد ہے جو شخص مسجد سے الفت رکھتا ہے اللہ جَلَّ شَانُہٗ اس سے الفت فرماتے ہیں۔[7]

شریعتِ مطہّرہ کے ہر حکم میں خیر و برکت، اجر و ثواب تو بے پایاں ہے ہی، اس کے ساتھ ہی بہت سی مصلحتیں بھی اِن اَحکام میں جو ملحوظ ہوتی ہیں ان کی حقیقت تک پہنچنا تو مشکل ہے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے علوم اور ان کے مَصالح تک کس کی رسائی ہے؟ مگر اپنی اپنی

---

[1] جامع الصغیر [2] ایضاً [3] دُرّ [4] جامع الصغیر [5] ایضاً [6] ایضاً [7] ایضاً

استعداد اور حوصلہ کے موافق جہاں تک اپنی سمجھ کام دیتی ہے ان کی مصالح بھی سمجھ میں آتی ہیں اور جتنی استعداد ہوتی ہے اتنی ہی خوبیاں ان احکام کی معلوم ہوتی رہتی ہیں۔ علماء نے جماعت کی مصالح بھی اپنی اپنی سمجھ کے موافق تحریر فرمائی ہیں۔ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نَوَّرَ اللہُ مَرقَدَہٗ نے ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں ایک تقریر اس کے متعلق ارشاد فرمائی ہے جس کا ترجمہ اور مطلب یہ ہے کہ:

رسم و رواج کے مہلکات سے بچنے کے لئے اس سے زیادہ نافع کوئی چیز نہیں کہ عبادات میں سے کسی عبادت کو ایسی عام رسم اور عام رواج بنالیا جائے جو علی الاعلان ادا کی جائے اور ہر شخص کے سامنے خواہ سمجھدار ہو یا ناسمجھ وہ ادا کی جاسکے، اس کے ادا کرنے میں شہری اور غیر شہری برابر ہوں۔ مُسابقَت اور تفاخُر اسی پر کیا جائے اور ایسی عام ہو جائے کہ ضروریاتِ زندگی میں اس طرح داخل ہو جائے کہ اس سے علیحدگی ناممکن اور دشوار بن جائے تاکہ وہ اللہ کی عبادت کے لئے مُؤیّد ہو جائے اور وہ رسم و رواج جو موجبِ مَضرّت و نقصان تھا وہی حق کی طرف کھینچنے والا بن جائے اور چونکہ عبادات میں کوئی عبادت بھی نماز سے زیادہ مُہتَم بالشان اور دلیل و حجّت کے اعتبار سے بڑھی ہوئی نہیں، اسلئیے ضروری ہوا کہ آپس میں اس کے رواج کو خوب شائع کیا جائے اور اس کے لئے خاص طور پر اجتماع کیا جائے اور آپس میں اتفاق سے اس کو ادا کیا جائے، نیز ہر مذہب اور دین میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو مقتدا ہوتے ہیں کہ ان کا اتباع کیا جاتا ہے اور کچھ لوگ دوسرے درجہ میں ایسے ہوتے ہیں جو کسی معمولی سی ترغیب و تنبیہ کے محتاج ہوتے ہیں اور کچھ لوگ تیسرے درجہ میں بہت ناکارہ اور ضعیفُ الاِعتِقاد ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کو اگر مجمع میں عبادت کا مکلّف نہ کیا جائے تو سستی اور کاہلی کی وجہ سے عبادت بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ اس وجہ سے مصلحت کا مقتضا یہی ہے کہ یہ سب لوگ اجتماعی طور پر عبادت کو ادا کریں تاکہ جو لوگ عبادت کو چھوڑنے والے ہیں وہ عبادت کرنے والوں سے ممتاز ہو جائیں اور رغبت کرنے والوں اور بے رغبتی کرنے والوں میں کھلا تفاوُت ہو جائے اور ناواقف لوگ علماء کے اتباع سے واقف بن جائیں اور جاہل لوگوں کو عبادت کا طریقہ معلوم ہو جائے اور اللہ کی عبادت

ان لوگوں میں اس پگھلی ہوئی چاندی کی طرح سے ہو جائے جو کسی ماہر کے سامنے رکھی جائے جس سے جائز ناجائز اور کھرے کھوٹے میں کھلا فرق ہو جائے، جائز کی تقویت کی جائے اور ناجائز کو روکا جائے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کے ایسے اجتماع میں جس میں اللہ کی طرف رغبت کرنے والے، اس کی رحمت کے طلب کرنے والے، اس سے ڈرنے والے موجود ہوں اور سب کے سب اللہ ہی کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوں، برکتوں کے نازل ہونے اور رحمت کے متوجہ ہونے کی عجیب خاصیت رکھی ہے۔

نیز امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے قیام کا مقصد ہی یہ ہے کہ اللہ کا بول بالا ہو اور دینِ اسلام کو تمام دینوں پر غلبہ ہو اور یہ ممکن نہیں جب تک یہ طریقہ رائج نہ ہو کہ سب کے سب عوام، خواص، شہر کے رہنے والے اور گاؤں کے رہنے والے، چھوٹے بڑے ایک جگہ جمع ہو کر اس چیز کو جو اسلام کا سب سے بڑا شعار ہے اور سب سے بالاتر عبادت ہے ادا نہ کریں۔ ان وجوہ سے شریعت جمعہ اور جماعت کے اہتمام کی طرف متوجہ ہوئی، ان کے اظہار و اعلان کی ترغیبیں، اور چھوڑنے پر وعیدیں نازل ہوئیں اور چونکہ اظہار و اجتماع ایک صرف محلّہ اور قبیلہ کا ہے اور ایک تمام شہر کا، اور محلّہ کا اجتماع ہر وقت سہل ہے اور تمام شہر کا ہر وقت مشکل ہے کہ اس میں تنگی ہے، اس لئے محلّہ کا اجتماع ہر نماز کے وقت قرار دیا اور جماعت کی نماز اس کے لئے مشروع ہوئی اور تمام شہر کا اجتماع آٹھویں دن قرار دیا اور جمعہ کی نماز اس کے لئے تجویز ہوئی۔

فصلِ دوم

جماعت کے چھوڑنے پر عِتاب کے بیان میں

حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے احکام کی پابندی پر جیسے کہ انعامات کا وعدہ فرمایا ہے ایسے ہی تعمیل نہ کرنے پر ناراضی اور عتاب بھی فرمایا ہے۔ یہ بھی اللہ کا فضل ہے کہ تعمیل میں بے گراں انعامات کا وعدہ ہے، ورنہ بندگی کا مقتضا صرف عتاب ہی ہونا چاہئے تھا کہ بندگی کا فرض ہے تعمیلِ ارشاد، پھر اس پر انعام کے کیا معنی اور نافرمانی کی صورت میں جتنا بھی

عِتاب وعذاب ہو وہ برمحل کہ آقا کی نافرمانی سے بڑھ کر اور کیا جرم ہوسکتا ہے۔ پس کسی خاص عِتاب یا تنبیہ کے فرمانے کی ضرورت نہ تھی، مگر پھر بھی اللہ جَلَّ شَانُہٗ اور اس کے پاک رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ہم پر شفقت فرمائی کہ طرح طرح سے مُتنبّہ فرمایا، اس کے نقصانات بتائے، مختلف طور سے سمجھایا، پھر بھی ہم نہ سمجھیں تو اپنا ہی نقصان ہے۔

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ یَمْنَعْہُ مِنِ اتِّبَاعِہٖ عُذْرٌ، قَالُوْا: وَمَا الْعُذْرُ؟ قَالَ: خَوْفٌ اَوْ مَرَضٌ لَمْ تُقْبَلْ مِنْہُ الصَّلٰوۃُ الَّتِیْ صَلّٰی۔ (رواہ ابو داود و ابن حبان فی صحیحہ وابن ماجۃ بنحوہ، کذا فی الترغیب، و فی المشکوۃ: رواہ أبو داود والدار قطنی)

نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا اِرشاد ہے کہ جو شخص اذان کی آواز سنے اور بلا کسی عذر کے نماز کو نہ جائے (وہیں پڑھ لے) تو وہ نماز قبول نہیں ہوتی۔ صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ نے عرض کیا کہ عذر سے کیا مراد ہے؟ ارشاد ہوا کہ مرض ہو یا کوئی خوف ہو۔

ف: قبول نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس نماز پر جو ثواب اور انعام حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے ہوتا وہ نہ ہوگا، گو فرض ذِمہ سے اتر جائے گا اور یہی مراد ہے ان حدیثوں سے جن میں آیا ہے کہ اس کی نماز نہیں ہوتی، اس لئے کہ ایسا ہونا بھی کچھ ہونا ہوا جس پر انعام واکرام نہ ہوا۔ یہ ہمارے امام صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ کے نزدیک ہے، ورنہ صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ اور تابعین رَحِمَہُمُ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ کی ایک جماعت کے نزدیک ان احادیث کی بنا پر بلا عذر جماعت کا چھوڑنا حرام ہے اور جماعت سے پڑھنا فرض ہے حتیٰ کہ بہت سے علماء کے نزدیک نماز ہوتی ہی نہیں۔ حَنفِیہ رَحِمَہُمُ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ کے نزدیک اگرچہ نماز ہوجاتی ہے مگر جماعت کے چھوڑنے کا مجرم تو ہو ہی جائیگا۔ حضرت ابنِ عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا سے ایک حدیث میں یہ بھی نقل کیا گیا کہ اس شخص نے اللہ کی نافرمانی کی اور رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی نافرمانی کی۔ حضرت ابنِ عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا کا یہ بھی اِرشاد ہے کہ جو شخص اذان کی آواز سنے اور جماعت سے نماز نہ پڑھے، نہ اس نے بھلائی کا ارادہ کیا، نہ اس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا گیا۔ حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ جو شخص اذان کی آواز سنے اور جماعت میں حاضر نہ ہو اس کے کان پگھلے ہوئے سیسے سے بھر دیئے جاویں، یہ بہتر ہے۔

(۲) عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: اَنَّهٗ قَالَ: اَلْجَفَاءُ كُلُّ الْجَفَاءِ وَالْكُفْرُ وَ النِّفَاقُ مَنْ سَمِعَ مُنَادِيَ اللّٰهِ يُنَادِيْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَلَا يُجِيْبُهٗ. (رواه أحمد والطبراني من رواية زبان بن فائد، كذا في الترغيب، وفي مجمع الزوائد رواه الطبراني في الكبير، و زبان ضعفه ابن معين ووثقهٗ أبو حاتم . وعزاه في الجامع الصغير الى الطبراني و رقم له بالضعف)

نبی اکرم ﷺ کا اِرشاد ہے کہ سراسر ظلم ہے اور کفر ہے اور نِفاق ہے اس شخص کا فعل جو اللہ کے مُنادِی (یعنی مؤذن) کی آواز سنے اور نماز کو نہ جائے۔

ف: کتنی سخت وعید اور ڈانٹ ہے اس حدیث پاک میں کہ اس کی اس حرکت کو کافروں کا فعل اور منافقوں کی حرکت بتایا ہے کہ گویا مسلمان سے یہ بات ہو ہی نہیں سکتی۔ ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ آدمی کی بدبختی اور بدنصیبی کے لئے یہ کافی ہے کہ مؤذن کی آواز سنے اور نماز کو نہ جائے۔ سلیمان بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر لوگوں میں تھے۔ حضور ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہوئے، مگر حضور ﷺ سے روایت سننے کی نوبت کم عمری کی وجہ سے نہیں آئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بازار کا نگران بنا رکھا تھا۔ ایک دن اِتفاق سے صبح کی نماز میں موجود نہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس طرف تشریف لے گئے تو ان کی والدہ سے پوچھا کہ سلیمان آج صبح کی نماز میں نہیں تھے۔ والدہ نے کہا کہ رات بھر نفلوں میں مشغول رہا، نیند کے غلبہ سے آنکھ لگ گئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں صبح کی جماعت میں شریک ہوں یہ مجھے اس سے پسندیدہ ہے کہ رات بھر نفلیں پڑھوں۔

(۳) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ فِتْيَتِيْ، فَيَجْمَعُوْا لِيْ حُزَمًا مِنْ حَطَبٍ، ثُمَّ اٰتِيَ قَوْمًا يُصَلُّوْنَ فِيْ بُيُوْتِهِمْ لَيْسَتْ بِهِمْ عِلَّةٌ، فَاُحَرِّقَهَا عَلَيْهِمْ. (رواه مسلم و أبو داود و ابن ماجة والترمذي، كذا في الترغيب،

حضورِ اقدس ﷺ اِرشاد فرماتے ہیں کہ میرا دل چاہتا ہے کہ چند جوانوں سے کہوں کہ بہت سا ایندھن اکٹھا کر کے لائیں، پھر میں ان لوگوں کے پاس جاؤں جو بلا عذر گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں اور جا کر ان کے گھروں کو جلا دوں۔

قال السيوطي في الدرّ: أخرج ابن أبي شيبة والبخاري و مسلم و ابن ماجة عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ رفعه "ثقل الصلوة على المنافقين صلوة العشاء وصلوة الفجر، و لو يعلمون ما فيهما لأتوهما ولو حبوًا،

ولقد هممت ان امر بالصلوة فتقام" الحديث بنحوه)

ف: نبی اکرم ﷺ کو باوجود اس شفقت ورحمت کے جو امت کے حال پر تھی اور کسی شخص کی ادنیٰ سی تکلیف بھی گوارا نہ تھی ان لوگوں پر جو گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں اس قدر غصہ ہے کہ ان کے گھروں میں آگ لگا دینے کو بھی آمادہ ہیں۔

(۴) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رضی الله عنه قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَا مِنْ ثَلَاثَةٍ فِیْ قَرْيَةٍ وَلَا بَدْوٍ لَاتُقَامُ فِيْهِمُ الصَّلٰوةُ اِلَّا اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ، فَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ فَاِنَّمَا يَاْكُلُ الذِّئْبُ مِنَ الْغَنَمِ الْقَاصِيَةَ.

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس گاؤں یا جنگل میں تین آدمی ہوں اور وہاں باجماعت نماز نہ ہوتی ہو تو ان پر شیطان مسلّط ہو جاتا ہے اس لئے جماعت کو ضروری سمجھو، بھیڑیا اکیلی بکری کو کھا جاتا ہے اور آدمیوں کا بھیڑیا شیطان ہے۔

(رواه أحمد وأبو داود والنسائي وابن خزيمة وابن حبان في صحيحيهما والحاكم، وزاد رزين في جامعه وان ذئب الإنسان الشيطان إذا خلا به أكله، كذا في الترغيب، ورقم له في الجامع الصغير بالصحة، وصححه الحاكم وأقره عليه الذهبي.

ف: اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ کھیتی باڑی میں مشغول رہتے ہیں، اگر تین آدمی ہوں تو ان کو جماعت سے نماز پڑھنا چاہئے، بلکہ دو کو بھی جماعت سے پڑھنا اولیٰ ہے۔ کسان عام طور سے اول تو نماز پڑھتے ہی نہیں کہ ان کے لئے کھیتی کی مشغولی اپنے نزدیک کافی عذر ہے اور جو بہت دیندار سمجھے جاتے ہیں وہ بھی اکیلے ہی پڑھ لیتے ہیں، حالانکہ اگر چند کھیت والے بھی ایک جگہ جمع ہو کر پڑھیں تو کتنی بڑی جماعت ہو جائے اور کتنا بڑا ثواب حاصل کریں۔ چار پیسے کے واسطے سردی، گرمی، دھوپ، بارش سب سے بے نیاز ہو کر دن بھر مشغول رہتے ہیں، لیکن اتنا بڑا ثواب ضائع کرتے ہیں اور اس کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتے، حالانکہ یہ لوگ اگر جنگل میں جماعت سے نماز پڑھیں تو اور بھی زیادہ ثواب کا سبب ہوتا ہے حتیٰ کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ پچاس نمازوں کا ثواب ہو جاتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب کوئی بکریاں چرانے والا کسی پہاڑ کی جڑ میں (یا جنگل میں) اذان کہتا ہے اور نماز

پڑھنے لگتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ اس سے بے حد خوش ہوتے ہیں اور تعجب و تفاخُر سے فرشتوں سے فرماتے ہیں: دیکھو جی! میرا بندہ اذان کہہ کر نماز پڑھنے لگا۔ یہ سب میرے ڈر کی وجہ سے کر رہا ہے میں نے اس کی مغفرت کر دی اور جنّت کا داخلہ طے کر دیا۔[1]

(۵)عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما: اَنَّهٗ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ يَّصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ اللَّيْلَ وَ لَايَشْهَدُ الْجَمَاعَةَ وَلَا الْجُمُعَةَ، فَقَالَ: هُوَفِي النَّارِ. (رواه الترمذی موقوفا کذافی الترغیب، وفی تنبیه الغافلین: روی عن مجاهد أن رجلا جاء الی ابن عباس، فقال: یا ابن عباس! ما تقول فی رجل؟ فذکره بلفظه، زاد فی اٰخره فاختلف إلیه شهرًا یسأله عن ذلك وهو یقول: هو فی النار)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا کہ ایک شخص دن بھر روزہ رکھتا ہے اور رات بھر نفلیں پڑھتا ہے، مگر جمعہ اور جماعت میں شریک نہیں ہوتا (اس کے متعلق کیا حکم ہے) آپ نے فرمایا کہ یہ شخص جہنمی ہے۔

ف: گو ایک خاص زمانہ تک سزا بھگتنے کے بعد جہنّم سے نکل آئے کہ بہر حال مسلمان ہے، مگر نہ معلوم کتنے عرصے تک پڑا رہنا پڑے گا۔ جاہل صوفیوں میں وظیفوں اور نفلوں کا تو زور ہوتا ہے مگر جماعت کی پرواہ نہیں ہوتی، اس کو وہ بزرگی سمجھتے ہیں حالانکہ کمالِ بزرگی اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا اِتباع ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ تین شخصوں پر حق تعالیٰ شانہٗ لعنت بھیجتے ہیں: ایک اس شخص پر جس سے نمازی (کسی معقول وجہ سے) ناراض ہوں اور وہ امامت کرے۔ دوسرے اس عورت پر جس کا خاوند اس سے ناراض ہو۔ تیسرے اس شخص پر جو اذان کی آواز سنے اور جماعت میں شریک نہ ہو۔

(۶)اَخْرَجَ ابْنُ مَرْدَوَيْهِ عَنْ كَعْبِ الْاَحْبَارِ قَالَ: وَالَّذِیْ اَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلٰى مُوْسٰى عليه السلام، وَالْاِنْجِيلَ عَلٰى عِيْسٰى عليه السلام، وَالزَّبُوْرَ عَلٰى دَاوٗدَ، وَالْفُرْقَانَ عَلٰى مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم، اَنْزِلَتْ

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس پاک ذات کی جس نے تورات حضرت موسیٰ پر اور انجیل حضرت عیسیٰ پر اور زبور حضرت داؤد پر (علیٰ نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام) نازل فرمائی اور قرآن شریف

[1] مشکوٰۃ

هٰذِهِ الْاٰيَاتُ فِي الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوْبَاتِ حَيْثُ يُنَادٰى بِهِنَّ: يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ اِلٰى قَوْلِهٖ: وَهُمْ سَالِمُوْنَ، الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ اِذَا نُوْدِيَ بِهَا.

(وأخرج البيهقي في الشعب عن سعيد بن جبير قال: الصلوات في الجماعات، وأخرج البيهقي عن ابن عباس قال: الرجل يسمع الاذان فلا يجيب الصلوة. كذا في الدر المنثور قلت: و تمام الآية) "يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۚ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سَالِمُوْنَ ۝ (سورۃ نٓ: ۴۲،۴۳)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا کہ یہ آیتیں فرض نمازوں کو جماعت سے ایسی جگہ پڑھنے کے بارہ میں جہاں اذان ہوتی ہو نازل ہوئی ہیں۔ (ترجمہ آیات) جس دن حق تعالیٰ شانہٗ ساق کی تجلّی فرمائیں گے (جو ایک خاص قسم کی تجلّی ہوگی) اور لوگ اس دن سجدہ کے لئے بلائے جاویں گے تو یہ لوگ سجدہ نہیں کرسکیں گے، ان کی آنکھیں شرم کے مارے جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذِلت چھائی ہوئی ہوگی، اِس لئے کہ یہ لوگ دنیا میں سجدہ کی طرف بلائے جاتے تھے اور صحیح سالم تندرست تھے (پھر بھی سجدہ نہیں کرتے تھے)۔

ف: ساق کی تجلّی ایک خاص قسم کی تجلّی ہے جو میدانِ حشر میں ہوگی اس تجلّی کو دیکھ کر سارے مسلمان سجدہ میں گر جائیں گے، مگر بعض لوگ ایسے ہوں گے جن کی کمر تختہ ہو جائے گی اور سجدہ پر قدرت نہ ہوگی۔ یہ کون لوگ ہوں گے؟ اس کے بارے میں تفسیریں مختلف وارد ہوئی ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے جو کعب احبار رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور اسی کے موافق حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے بھی منقول ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں جماعت کی نماز کے واسطے بلائے جاتے تھے اور جماعت کی نماز نہیں پڑھتے تھے۔ دوسری تفسیر بخاری شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ یہ لوگ وہ ہوں گے جو دنیا میں ریا اور دکھلاوے کے واسطے نماز پڑھتے تھے۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ یہ کافر لوگ ہیں جو دنیا میں سرے سے نماز ہی نہیں پڑھتے تھے۔ چوتھی تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد منافق ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ۔

بہر حال اس تفسیر کے موافق جس کو حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ قسم کھا کر ارشاد فرمارہے ہیں اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابی، امامِ تفسیر سے اس کی تائید ہوتی ہے، کتنا سخت معاملہ ہے کہ میدانِ حشر میں ذلّت وخجلت ہو اور جہاں سارے مسلمان سجدہ میں مشغول ہوں اس سے سجدہ ادا نہ ہو سکے۔ ان کے عِلاوہ اور بھی بہت سی وعیدیں جماعت کے چھوڑنے پر آئی ہیں۔ مسلمان کے لئے تو ایک بھی وعید کی ضرورت نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم وارشاد ہی سب کچھ ہے اور جس کو اس کی قدر نہیں اس کے لئے ہزار طرح کی وعیدیں بھی بیکار ہیں۔ جب سزا کا وقت آئے گا تو پشیمانی ہوگی جو بیکار ہوگی۔

تیسرا باب

خشوع، خضوع کے بیان میں

بہت سے لوگ ایسے ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور ان میں سے بہت سے ایسے بھی ہیں جو جماعت کا بھی اہتمام فرماتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ایسی بری طرح پڑھتے ہیں کہ وہ نماز بجائے اس کے ثواب واجر کا سبب ہو، ناقص ہونے کی وجہ سے منہ پر ماردی جاتی ہے، گو نہ پڑھنے سے یہ بھی بہتر ہے کیونکہ نہ پڑھنے کی صورت میں جو عذاب ہے وہ بہت زیادہ سخت ہے اور اس صورت میں یہ ہوا کہ وہ قابلِ قبول نہ ہوئی اور منہ پر پھینک کر ماردی گئی، اس پر کوئی ثواب نہیں ہوا، لیکن نہ پڑھنے میں جس درجہ کی نافرمانی اور نخوت ہوتی وہ تو اس صورت میں نہ ہوگی، البتہ یہ مناسب ہے کہ جب آدمی وقت خرچ کرے، کاروبار چھوڑے، مشقت اٹھائے تو اس کی کوشش کرنا چاہئے کہ جتنی زیادہ سے زیادہ وزنی اور قیمتی پڑھ لے اس میں کوتاہی نہ کرے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا اِرشاد ہے، گو وہ قربانی کے بارے میں ہے مگر احکام تو سارے ایک ہی ہیں۔ فرماتے ہیں "لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاءُ هَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ" (الحج:۳۶) نہ تو حق تعالیٰ شانہٗ کے پاس ان کا گوشت پہنچتا ہے نہ ان کا خون، بلکہ اس کے پاس تو تمہارا تقویٰ اور اخلاص پہنچتا ہے۔ پس جس درجہ کا اخلاص ہوگا اسی درجہ کی مقبولیت ہوگی۔ حضرت مُعاذ رضی اللہ عنہ اِرشاد فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے

جب مجھے یمن کو بھیجا تو میں نے آخری وصیّت کی درخواست کی۔ حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ دین کے ہر کام میں اِخلاص کا اہتمام کرنا کہ اِخلاص سے تھوڑا عمل بھی بہت کچھ ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اِخلاص والوں کے لئے خوش حالی ہو کہ وہ ہدایت کے چراغ ہیں، ان کی وجہ سے سخت سخت فتنے دور ہو جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا اِرشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ضعیف لوگوں کی برکت سے اس امت کی مدد فرماتے ہیں، نیز ان کی دعا سے، ان کی نماز سے، ان کے اخلاص سے[1] نماز کے بارے میں اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا اِرشاد ہے: "فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝" (الماعون:۴،۵،۶) بڑی خرابی ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں، جو ایسے ہیں کہ دکھلاوا کرتے ہیں۔ بے خبر ہونے کی بھی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں: ایک یہ کہ وقت کی خبر نہ ہو قضا کر دے۔ دوسرے یہ کہ متوجہ نہ ہو، اِدھر اُدھر مشغول ہو۔ تیسرے یہ کہ یہی خبر نہ ہو کتنی رکعتیں ہوئیں۔ دوسری جگہ منافقین کے بارے میں اِرشادِ خداوندی ہے: "وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝" (النساء:۱۴۲) اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں، تو بہت کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں صرف لوگوں کو دکھلاتے ہیں (کہ ہم بھی نمازی ہیں) اور اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے مگر بہت تھوڑا سا۔ ایک جگہ چند انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر فرما کر اِرشاد ہے: "فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝" (مریم:۵۹) پس ان نبیوں کے بعد بعضے ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کر دیا اور خواہشاتِ نفسانیہ کے پیچھے پڑ گئے، سو عنقریب آخرت میں خرابی دیکھیں گے۔ "غَیّ" کا ترجمہ لغت میں گمراہی ہے جس سے مراد آخرت کی خرابی اور ہلاکت ہے اور بہت سے مفسّرین نے لکھا ہے کہ "غَیّ" جہنّم کا ایک طبقہ ہے جس میں لہو، پیپ وغیرہ جمع ہوگا، اس میں یہ لوگ ڈال دیئے جائیں گے۔

ایک جگہ اِرشاد ہے: "وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا

---

[1] ترغیب

بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ○" (التوبہ:۵۴) (ترجمہ) "اوران کی خیر خیرات مقبول ہونے سے اور کوئی چیز بجز اس کے مانع نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کیا اور نماز نہیں پڑھتے مگر کاہلی سے، اور نیک کام میں خرچ نہیں کرتے مگر گرانی سے۔"

اس کے بالمقابل اچھی طرح سے نماز پڑھنے والوں کے بارے میں اِرشاد ہے: "قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ○ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ○ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○" (المؤمنون:۱تا۱۱) (ترجمہ) "بے شک کامیابی اور فلاح کو پہنچ گئے وہ مومن جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں اور وہ لوگ جو لَغوِیات سے اعراض کرنے والے ہیں اور جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں[1] (یا اپنے اَخلاق کو درست کرنے والے ہیں) اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں بجز اپنی بیبیوں اور باندیوں کے کہ ان میں کوئی حرج نہیں، البتہ جو ان کے علاوہ اور جگہ شہوت پوری کرنا چاہیں وہ لوگ حد سے گزرنے والے ہیں اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کی رعایت کرنے والے ہیں اور جو اپنی نمازوں کا اہتمام کرنے والے ہیں، یہی لوگ جنّت کے وارث ہیں جو فِردَوس کے وارث بنیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ کو اس میں رہیں گے۔"

حدیث میں آیا ہے کہ فردوس جنّت کا اَعلیٰ اور اَفضل ترین حصہ ہے، وہاں سے جنّت کی نہریں جاری ہوتی ہیں، اسی پر عرش الٰہی ہوگا، جب تم جنّت کی دعا کیا کرو تو جنّۃُ الفردوس مانگا کرو۔ دوسری جگہ نماز کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے: "وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ○ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ" (البقرہ:۴۵،۴۶) (ترجمہ) "بے شک نماز

[1] زکوٰۃ کی تفسیر میں اختلاف ہے کہ اس جگہ مشہور معنی زکوٰۃ کے مراد ہیں یا زکوٰۃ بدنی یعنی اپنی اصلاح اور نفس کا تزکیہ۔

دشوار ہے، مگر جن کے دلوں میں خشوع ہے ان پر کچھ بھی دشوار نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اس کا خیال رکھتے ہیں کہ بلاشبہ وہ اپنے رب سے قیامت میں ملنے والے ہیں اور مرنے کے بعد اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں"۔ ایسے ہی لوگوں کی تعریف میں ایک جگہ ارشادِ خداوندی ہے: "فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ○ رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوةِ ۙ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ○ لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَاعَمِلُوْا وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ" (النور:۳۶، ۳۷، ۳۸)

ایسے گھروں میں جن کے متعلق اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے حکم فرمادیا کہ ان کا ادب کیا جائے، ان کو بلند کیا جائے، ان میں صبح شام اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔ ایسے لوگ جن کو اللہ کی یاد سے اور نماز کے قائم کرنے سے اور زکوٰۃ کے دینے سے نہ تو تجارت غافل کرتی ہے نہ خرید وفروخت غفلت میں ڈالتی ہے، وہ لوگ ایسے دن کی سختی سے ڈرتے ہیں جس دن دل اور آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی (یعنی قیامت کا دن) اور وہ لوگ یہ سب کچھ اس لئے کرتے ہیں کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ ان کے نیک اعمال کا بدلہ ان کو عطا فرمادیں اور بدلہ سے بھی بہت زیادہ انعامات اپنے فضل سے عطا فرماویں اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ جس کو چاہتے ہیں بے شمار عطا فرمادیتے ہیں۔

تُو تو وہ داتا ہے کہ دینے کے لئے — دَر تری رحمت کے ہیں ہر دم کھُلے

حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا فرماتے ہیں کہ نماز قائم کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس کے رکوع سجدہ کو اچھی طرح ادا کرے، ہمہ تن متوجہ رہے اور خشوع کے ساتھ پڑھے۔ قتادہ رَحِمَہُ اللّٰہُ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے کہ نماز کا قائم کرنا اس کے اوقات کی حفاظت رکھنا اور وضو کا اور رکوع، سجدے کا اچھی طرح ادا کرنا ہے یعنی جہاں جہاں قرآن شریف میں "اَقَامَ الصَّلٰوةَ اور یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ آیا ہے یہی مراد ہے[1] یہی لوگ ہیں جن کی تعریف دوسری جگہ ان الفاظ سے ارشاد فرمائی گئی: "وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا ○ وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ○"

[1] دُرّ

(الفرقان:۶۳،۶۴) اور رحمٰن کے خاص بندے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر عاجزی سے (اکڑ کر نہیں چلتے) اور جب ان سے جاہل لوگ (جہالت کی) بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ سلام (یعنی سلامتی کی بات کرتے ہیں جو رفع شر کی ہو، یا بس دور ہی سے سلام) اور یہ وہ لوگ ہیں جو رات بھر گذار دیتے ہیں اپنے رب کے لئے سجدے کرنے میں اور نماز میں کھڑے رہنے میں۔" یہ آگے ان کے اور چند اوصاف ذکر فرمانے کے بعد اِرشاد ہے: "اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝" (الفرقان:۷۵،۷۶) یہی لوگ ہیں جن کو جنّت کے بالا خانے بدلہ میں دیئے جائیں گے، اس لئے کہ انہوں نے صبر کیا (یا دین پر ثابت قدم رہے) اور جنّت میں فرشتوں کی طرف سے دعا وسلام سے استقبال کیا جاوے گا اور اس جنّت میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، کیا ہی اچھا ٹھکانہ اور رہنے کی جگہ ہے۔

دوسری جگہ اِرشاد ہے "وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝" (الرعد:۲۳،۲۴) "اور فرشتے ہر دروازہ سے داخل ہوں گے اور کہیں گے کہ تم پر سلام (اور سلامتی) ہو، اس وجہ سے کہ تم نے صبر کیا (یا دین پر مضبوط اور ثابت قدم رہے) پس کیا ہی اچھا انجام کار ٹھکانہ ہے"۔ انہیں لوگوں کی تعریف دوسری جگہ ان الفاظ سے فرمائی گئی ہے: "تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۖ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝" (السجدہ:۱۶،۱۷) وہ لوگ ایسے ہیں کہ رات کو ان کے پہلو ان کی خواب گاہوں اور بستروں سے علیحدہ رہتے ہیں (کہ نماز پڑھتے رہتے ہیں اور) اپنے رب کو عذاب کے ڈر سے ثواب کی امید میں پکارتے رہتے ہیں اور ہماری عطا کی ہوئی چیزوں سے خرچ کرتے ہیں، سو کوئی بھی نہیں جانتا کہ ایسے لوگوں کے لئے کیا کچھ آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان پردۂ غیب میں موجود ہے جو بدلہ ہے ان کے نیک اعمال کا۔"

انہیں لوگوں کی شان میں ہے: "اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۝ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝

وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ" (الذریات:۱۵،۱۶،۱۷) بے شک متقی لوگ جنتوں اور پانی کے چشموں کے درمیان میں ہوں گے اور ان کو ان کے رب اور مالک نے جو کچھ ثواب عطا فرمایا اس کو خوشی خوشی لے رہے ہوں گے اور کیوں نہ ہو کہ وہ لوگ اس سے پہلے (دنیا میں) اچھے کام کرنے والے تھے، وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے اور اخیر شب میں استغفار کرنے والے تھے"۔

ایک جگہ ارشادِ خداوندی ہے: "اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْ رَحْمَةَ رَبِّهٖ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ط اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ o" (الزمر:۹) (کیا برابر ہو سکتا ہے بے دین) اور وہ شخص جو عبادت کرنے والا ہو، رات کے اوقات میں کبھی سجدہ کرنے والا ہو اور کبھی نیت باندھ کر کھڑا ہونے والا ہو، آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہو (اچھا آپ ان سے یہ پوچھیں) کہیں عالم اور جاہل برابر ہو سکتا ہے (اور یہ ظاہر ہے کہ عالم اپنے رب کی عبادت کرے ہی گا اور جو ایسے کریم مولا کی عبادت نہ کرے وہ جاہل بلکہ اجہل ہے ہی) نصیحت وہی لوگ مانتے ہیں جو اہل عقل ہیں"۔ ایک جگہ ارشاد ہے: "اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا o اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا o وَ اِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا o اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ o الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ دَآئِمُوْنَ o" (المعارج:۱۹،۲۰،۲۱،۲۲،۲۳) اس میں شک نہیں کہ انسان غیر مستقل مزاج پیدا ہوا ہے کہ جب کوئی تکلیف اس کو پہنچتی ہے تو بہت زیادہ گھبرا جاتا ہے اور جب کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے کہ دوسرے کو یہ بھلائی نہ پہنچے، مگر (ہاں) وہ نمازی جو اپنی نماز کے ہمیشہ پابند رہتے ہیں اور سکون و وقار سے پڑھنے والے ہیں۔ آگے ان کی اور چند صفتیں ذکر فرمانے کے بعد ارشاد ہے کہ "وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ o اُولٰٓئِكَ فِىْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ o" (المعارج:۳۴،۳۵) "اور وہ لوگ نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کا جنتوں میں اکرام کیا جائے گا۔" ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں نماز کا حکم اور نمازیوں کے فضائل، ان کے اعزاز و اکرام ذکر فرمائے گئے ہیں اور حقیقت میں نماز ایسی ہی دولت ہے۔ اسی وجہ سے دو جہاں کے

سردار، فخرِ رُسل، حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے، اسی وجہ سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام دعا فرماتے ہیں: "رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ" "اے رب! مجھ کو نماز کا خاص اہتمام کرنے والا بنادے اور میری اولاد میں سے بھی ایسے لوگ پیدا فرما جو اہتمام کرنے والے ہوں، اے ہمارے رب! میری یہ دعا قبول فرمالے"۔

اللہ کا ایک پیارا نبی جس کو خلیل ہونے کا بھی فخر ہے وہ نماز کی پابندی اور اہتمام کو اللہ ہی سے مانگتا ہے۔ خود حق سبحانہٗ وتقدس اپنے محبوب سید المرسلین کو حکم فرماتے ہیں "وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۝" (طٰہٰ:۱۳۲) "اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرتے رہئے اور خود بھی اس کا اہتمام کیجئے۔ ہم آپ سے روزی (کمانا) نہیں چاہتے، روزی تو آپ کو ہم دیں گے اور بہترین انجام تو پرہیز گاری کا ہے"۔

حدیث میں آیا ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کو کچھ تنگی وغیرہ پیش آتی تو گھر والوں کو نماز کا حکم فرماتے اور یہ آیت تلاوت فرماتے اور یہی انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا بھی معمول نقل کیا گیا کہ جب بھی ان حضرات کو کوئی دِقت پیش آتی تو نماز میں مشغول ہوجاتے، مگر ہم لوگ اس اہم چیز سے ایسے غافل اور بے نیاز ہیں کہ اسلام اور مسلمانی کے لمبے لمبے دعوؤں کے باوجود بھی ادھر متوجہ نہیں ہوتے بلکہ اگر کوئی بلانے والا، کہنے والا کھڑا ہوتا ہے تو اس پر فقرے کستے ہیں، اس کی مخالفت کرتے ہیں، مگر کسی کا کیا نقصان ہے، اپنا ہی کچھ کھوتے ہیں اور جو لوگ نماز پڑھتے بھی ہیں ان میں سے بھی اکثر ایسی پڑھتے ہیں جس کو نماز کے ساتھ مذاق سے اگر تعبیر کیا جائے تو بے جا نہیں کہ اکثر ارکان بھی پورے طور سے ادا نہیں کرتے، خشوع وخضوع کا تو کیا ذکر ہے، حالانکہ نبی اکرم ﷺ کا نمونہ سامنے ہے، وہ ہر کام خود کر کے دکھلا گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کارنامے بھی سامنے ہیں، ان کا اتباع کرنا چاہئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چند قصے نمونے کے طور پر اپنے رسالہ حکایاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں لکھ چکا ہوں، یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں، البتہ اس رسالہ میں چند حکایات، صوفیاء کی نقل کرنے کے بعد چند

ارشادات، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقل کرتا ہوں۔

شیخ عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ مشہور صوفیاء میں ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ایک روز نیند کا اتنا غلبہ ہوا کہ رات کو اوراد و وظائف بھی چھوٹ گئے، خواب میں دیکھا کہ ایک نہایت حسین خوبصورت لڑکی سبز ریشمی لباس پہنے ہوئے ہے، جس کے پاؤں کی جوتیاں تک تسبیح میں مشغول ہیں، کہتی ہے کہ میری طلب میں کوشش کر، میں تیری طلب میں ہوں، اس کے بعد اس نے چند شوقیہ شعر پڑھے۔ یہ خواب سے اٹھے اور قسم کھالی کہ رات کو نہیں سوؤں گا، کہتے ہیں کہ چالیس برس تک صبح کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھی۔[1]

شیخ مظہر سعدی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ ہیں جو اللہ جل شانہٗ کے عشق و شوق میں ساٹھ برس تک روتے رہے، ایک شب خواب میں دیکھا، گویا ایک نہر ہے جس میں خالص مشک بھرا ہوا ہے۔ اس کے کناروں پر موتیوں کے درخت سونے کی شاخوں والے لہلہا رہے ہیں۔ وہاں چند نوعمر لڑکیاں پکار پکار کر اللہ کی تسبیح میں مشغول ہیں، انہوں نے پوچھا: تم کون ہو؟ تو انہوں نے دو شعر پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ ہم کو لوگوں کے معبود اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردگار نے ان لوگوں کے واسطے پیدا فرمایا ہے جو رات کو اپنے پروردگار کے سامنے اپنے قدموں پر کھڑے رہتے ہیں اور اپنے اللہ سے مناجات کرتے رہتے ہیں۔

ابوبکر ضریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک نوجوان غلام رہتا تھا، دن بھر روزہ رکھتا تھا اور رات بھر تہجد پڑھتا۔ ایک دن وہ میرے پاس آیا اور بیان کیا کہ میں اتفاق سے آج رات سو گیا تھا، خواب میں دیکھا کہ محراب کی دیوار پھٹی، اس میں سے چند لڑکیاں نہایت ہی حسین اور خوبصورت ظاہر ہوئیں، مگر ایک ان میں نہایت بدصورت بھی ہے۔ میں نے ان سے پوچھا: تم کون ہو اور یہ بدصورت کون ہے؟ وہ کہنے لگیں کہ ہم تیری گذشتہ راتیں ہیں اور یہ تیری آج کی رات ہے۔[2]

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ مجھے ایک رات ایسی گہری نیند آئی کہ آنکھ نہ کھلی، میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک ایسی نہایت حسین لڑکی ہے کہ اس جیسی میں نے عمر بھر نہیں دیکھی۔

---

[1] نزہۃ، [2] نزہۃ

اس میں سے ایسی تیز خوشبو مہک رہی تھی کہ میں نے ویسی خوشبو بھی کبھی نہیں سونگھی، اس نے مجھے ایک کاغذ کا پرچہ دیا۔ جس میں تین شعر لکھے ہوئے تھے، ان کا مطلب یہ تھا کہ تو نیند کی لذت میں مشغول ہو کر جنّت کے بالا خانوں سے غافل ہو گیا جہاں ہمیشہ تجھے رہنا ہے اور موت بھی وہاں نہ آئے گی، اپنی نیند سے اٹھ، سونے سے تہجّد میں قرآن پڑھنا بہت بہتر ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے جب مجھے نیند آتی ہے اور یہ اشعار یاد آتے ہیں تو نیند بالکل اڑ جاتی ہے۔

حضرت عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک بازار میں گیا، وہاں ایک باندی فروخت ہو رہی تھی جو دیوانی بتائی جاتی تھی۔ میں نے سات دینار میں خرید لی اور اپنے گھر لے آیا۔ جب رات کا کچھ حصّہ گذرا تو میں نے دیکھا کہ وہ اٹھی، وضو کیا، نماز شروع کر دی اور نماز میں اس کی یہ حالت تھی کہ روتے روتے اس کا دم نکلا جاتا تھا۔ نماز کے بعد اس نے مناجات شروع کی اور یہ کہنے لگی: اے میرے معبود! آپ کو مجھ سے محبّت رکھنے کی قسم! مجھ پر رحم فرما۔ میں نے اس سے کہا کہ اس طرح نہ کہو بلکہ یوں کہو کہ مجھے تجھ سے محبّت رکھنے کی قسم۔ یہ سن کر اس کو غصّہ آ گیا اور کہنے لگی: قسم ہے اس ذات کی، اگر اس کو مجھ سے محبّت نہ ہوتی تو تجھے میٹھی نیند نہ سُلاتا اور مجھے یوں نہ کھڑا رکھتا۔ پھر اوندھے منہ گر گئی اور چند شعر پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ بے چینی بڑھتی جا رہی ہے اور دل جلا جا رہا ہے اور صبر جاتا رہا اور آنسو بہہ رہے ہیں، اس شخص کو کس طرح قرار آ سکتا ہے جس کو عشق و شوق اور اضطراب سے چین ہی نہیں۔ اے اللہ! اگر کوئی خوشی کی چیز ہو تو اس کو عطا فرما کر مجھ پر احسان فرما۔ اس کے بعد بلند آواز سے یہ دعا کی کہ یا اللہ! میرا اور آپ کا معاملہ اب تک پوشیدہ تھا، اب مخلوق کو خبر ہو چلی، اب مجھے اٹھا لیجئے۔ یہ کہہ کر زور سے ایک چیخ ماری اور مر گئی۔

اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت سَرِی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی پیش آیا۔ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی خدمت کے لئے ایک باندی خریدی۔ ایک مدت تک وہ میری خدمت کرتی رہی اور اپنی حالت کا مجھ سے اِخفا کرتی، اس کی نماز کی ایک جگہ متعیّن تھی۔ جب کام سے فارغ ہو جاتی وہاں جا کر نماز میں مشغول ہو جاتی۔ ایک رات میں نے دیکھا کہ وہ کبھی نماز پڑھتی ہے اور کبھی مناجات میں مشغول ہو جاتی ہے اور کہتی ہے کہ آپ اس محبّت کے وسیلہ سے جو مجھ

سے ہے فلاں فلاں کام کر دیں۔ میں نے آواز سے کہا: اے عورت! یوں کہہ کہ میری محبت کے وسیلہ سے جو مجھے آپ سے ہے۔ کہنے لگی: میرے آقا! اگر اس کو مجھ سے محبت نہ ہوتی تو تمہیں نماز سے بٹھلا کر مجھے کھڑا نہ کرتا۔ سری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جب صبح ہوئی تو میں نے اس کو بلا کر کہا کہ تو میری خدمت کے قابل نہیں، اللہ ہی کی عبادت کے لائق ہے۔ اس کو کچھ سامان دے کر آزاد کر دیا۔[1]

حضرت سَرِی سقطی رحمۃ اللہ علیہ ایک عورت کا حال فرماتے ہیں کہ جب وہ تہجد کی نماز کو کھڑی ہوتی تو کہتی: اے اللہ! ابلیس بھی تیرا ایک بندہ ہے، اس کی پیشانی بھی تیرے قبضہ میں ہے، وہ مجھے دیکھتا ہے اور میں اسے نہیں دیکھ سکتی۔ تو اسے دیکھتا ہے اور اس کے سارے کاموں پر قادر ہے اور وہ تیرے کسی کام پر بھی قدرت نہیں رکھتا۔ اے اللہ! اگر وہ میری برائی چاہے تو تُو اس کو دفع کر اور وہ میرے ساتھ مکر کرے تو تُو اس کے مکر کا انتقام لے۔ میں اس کے شر سے تیری پناہ مانگتی ہوں اور تیری مدد سے اس کو دھکیلتی ہوں۔ اس کے بعد وہ روتی رہتی تھی حتیٰ کہ روتے روتے اس کی ایک آنکھ جاتی رہی۔ لوگوں نے اس سے کہا: خدا سے ڈر، کہیں دوسری آنکھ بھی نہ جاتی رہے۔ اس نے کہا: اگر یہ آنکھ جنت کی آنکھ ہے تو اللہ جَلَّ شَانُہٗ اس سے بہتر عطا فرمائیں گے اور اگر دوزخ کی آنکھ ہے تو اس کا دور ہی ہونا اچھا ہے۔

شیخ ابوعبداللہ جلاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میری والدہ نے میرے والد سے مچھلی کی فرمائش کی۔ والد صاحب بازار تشریف لے گئے میں بھی ساتھ تھا، مچھلی خریدی، گھر تک لانے کے واسطے مزدور کی تلاش تھی کہ ایک نوعمر لڑکا جو پاس ہی کھڑا تھا کہنے لگا: چچا جان! اسے اٹھانے کے واسطے مزدور چاہئے؟ کہا: ہاں۔ اس لڑکے نے اپنے سر پر اٹھائی اور ہمارے ساتھ چل دیا۔ راستہ میں اس نے اذان کی آواز سن لی۔ کہنے لگا: اللہ کے منادی نے بلایا ہے، مجھے وضو بھی کرنا ہے، نماز کے بعد لے جا سکوں گا۔ آپ کا دل چاہے انتظار کر لیجئے، ورنہ اپنی مچھلی لے لیجئے، یہ کہہ کر مچھلی رکھ کر چلا گیا۔ میرے والد صاحب کو خیال آیا کہ یہ مزدور لڑکا تو ایسا کرے، ہمیں بطریق اولیٰ اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ یہ سوچ کر وہ بھی مچھلی

---

[1] نزہۃ

رکھ کر مسجد میں چلے گئے، نماز سے فارغ ہو کر ہم سب آئے تو مچھلی اسی طرح رکھی ہوئی تھی، اس لڑکے نے اٹھا کر ہمارے گھر پہنچا دی۔ گھر جا کر والد نے یہ عجیب قصہ والدہ کو سنایا۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کو روک لو، وہ بھی مچھلی کھا کر جائے، اس سے کہا گیا: اس نے جواب دیا کہ میرا تو روزہ ہے۔ والد نے اصرار کیا کہ شام کے وقت یہیں آ کر افطار کرے۔ لڑکے نے کہا: میں ایک دفعہ جا کر دوبارہ نہیں آتا۔ یہ ممکن ہے کہ میں پاس مسجد میں ہوں، شام کو آپ کی دعوت کھا کر چلا جاؤں گا۔ یہ کہہ کر وہ قریب ہی مسجد میں چلا گیا، شام کو بعد مغرب آیا، کھانا کھایا اور کھانے سے فراغت پر اس کو تخلیہ کی جگہ بتا دی۔ ہمارے قریب ہی ایک اپاہج عورت رہا کرتی تھی، ہم نے دیکھا کہ وہ بالکل اچھی تندرست آ رہی ہے۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ تو کس طرح اچھی ہو گئی؟ کہا: میں نے اس مہمان کے طفیل سے دعا کی تھی کہ یا اللہ! اس کی برکت سے مجھے اچھا کر دے، میں فوراً اچھی ہو گئی۔ اس کے بعد جب ہم اس کے تخلیہ کی جگہ اس کو دیکھنے گئے تو دیکھا دروازے بند ہیں اور اس مزدور کا کہیں پتہ نہیں۔

ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ ان کے پاؤں میں پھوڑا نکل آیا۔ طبیبوں نے کہا: اگر ان کا پاؤں نہ کاٹا گیا تو ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ ان کی والدہ نے کہا: ابھی ٹھہر جاؤ۔ جب یہ نماز کی نیت باندھ لیں تو کاٹ لینا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، ان کو خبر بھی نہ ہوئی۔

اَبو عامر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک باندی دیکھی جو بہت کم داموں میں فروخت ہو رہی تھی جو نہایت دبلی پتلی تھی، اس کا پیٹ کمر سے لگ رہا تھا، بال بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے اس پر رحم کھا کر اس کو خرید لیا: اس سے کہا کہ ہمارے ساتھ بازار چل۔ رمضانُ المبارک کے واسطے کچھ ضروری سامان خرید لیں۔ کہنے لگی: اللہ کا شکر ہے جس نے میرے واسطے سارے مہینے یکساں کر دیئے، وہ ہمیشہ دن کو روزہ رکھتی، رات بھر نماز پڑھتی۔ جب عید قریب آئی تو میں نے اس سے کہا کہ کل صبح بازار چلیں گے، تو بھی ساتھ چلنا، عید کے واسطے کچھ ضروری سامان خرید لائیں گے۔ کہنے لگی: میرے آقا! تم تو دنیا میں بہت ہی مشغول ہو۔ پھر اندر گئی اور نماز میں مشغول ہو گئی اور اطمینان سے ایک ایک آیت مزے لے لے کر پڑھتی رہی حتیٰ کہ اس آیت پر پہنچی "وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ" (ابراھیم:۱۶) اس

آیت کو بار بار پڑھتی رہی اور ایک چیخ مار کر اس دنیا سے رخصت ہوگئی۔

ایک سیّد صاحب کا قصہ لکھا ہے کہ بارہ دن تک ایک ہی وضو سے ساری نمازیں پڑھیں اور پندرہ برس مسلسل لیٹنے کی نوبت نہیں آئی، کئی کئی دن ایسے گذر جاتے کہ کوئی چیز چکھنے کی نوبت نہ آتی تھی۔

اہلِ مجاہدہ لوگوں میں اس قسم کے واقعات بہت کثرت سے ملتے ہیں۔ ان حضرات کی حرص تو بہت ہی مشکل ہے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے ان کو پیدا ہی اس لئے فرمایا تھا، لیکن جو حضرات اکابر کہ دوسرے دینی اور دنیوی مشاغل میں مشغول تھے ان کی حرص بھی ہم جیسوں کو دشوار ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے سب ہی واقف ہیں۔ خلفاءِ راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد انہیں کا شمار ہے۔ ان کی بیوی فرماتی ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ وضو اور نماز میں مشغول ہونے والے تو اور بھی ہوں گے، مگر ان سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا میں نے نہیں دیکھا۔ عشاء کی نماز کے بعد مصلّے پر بیٹھ جاتے اور دعا کے واسطے ہاتھ اٹھاتے اور روتے رہتے، حتیٰ کہ اسی میں نیند کا غلبہ ہوتا تو آنکھ لگ جاتی۔ پھر جب کھل جاتی تو اسی طرح روتے رہتے اور دعا میں مشغول رہتے۔ کہتے ہیں کہ خلافت کے بعد سے جنابت کے غسل کی نوبت نہیں آئی۔ ان کی بیوی عبدالملک بادشاہ کی بیٹی تھیں۔ باپ نے بہت سے زیورات جواہر دیئے تھے اور ایک ایسا ہیرا دیا تھا جس کی نظیر نہیں تھی۔ آپ نے بیوی سے فرمایا کہ دو باتوں میں سے ایک اختیار کر، یا تو وہ زیور سارا اللہ کے واسطے دے کہ میں اس کو بیت المال میں داخل کر دوں یا مجھ سے جدائی اختیار کر لے، مجھے یہ چیز ناگوار ہے کہ میں اور وہ مال ایک گھر میں جمع رہیں۔ بیوی نے عرض کیا کہ وہ مال کیا چیز ہے، میں اس سے کئی چند زیادہ پر بھی آپ کو نہیں چھوڑ سکتی۔ یہ کہہ کر سب بیت المال میں داخل کر دیا۔

آپ کے انتقال کے بعد عبدالملک کا بیٹا یزید بادشاہ بنا تو اس نے بہن سے دریافت کیا۔ اگر تم چاہو تو تمہارا زیور تم کو واپس دے دیا جائے۔ فرمانے لگیں کہ جب میں ان کی زندگی میں اس سے خوش نہ ہوئی تو ان کے مرنے کے بعد اس سے کیا خوش ہوں گی۔ مرض الموت میں آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ اس مرض کے متعلق کیا خیال کیا جاتا ہے؟ کسی نے

عرض کیا کہ لوگ جادو سمجھ رہے ہیں، آپ نے فرمایا: یہ نہیں۔ پھر ایک غلام کو بلایا۔ اس سے پوچھا کہ مجھے زہر دینے پر کس چیز نے تجھ کو آمادہ کیا؟ اس نے کہا: سو دینار دیئے گئے اور آزادی کا وعدہ کیا گیا، آپ نے فرمایا: وہ دینار لے آ، اس نے حاضر کئے۔ آپ نے ان کو بیت المال میں داخل فرما دیا اور اس غلام سے فرمایا تو کسی ایسی جگہ چلا جا جہاں تجھے کوئی نہ دیکھے۔ انتقال کے وقت مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ نے اولاد کے ساتھ ایسا کیا جو کسی نے بھی نہیں کیا ہوگا۔ آپ کے تیرہ بیٹے ہیں اور ان کے لئے نہ کوئی روپیہ آپ نے چھوڑا، نہ پیسہ، آپ نے فرمایا: ذرا مجھے بٹھا دو۔ بیٹھ کر فرمایا کہ میں نے ان کا کوئی حق نہیں دبایا اور جو دوسروں کا حق تھا وہ ان کو دیا نہیں۔ پس اگر وہ صالح ہیں تو اللہ جَلَّ شَانُہٗ خود ان کا کفیل ہے، قرآن پاک میں ارشاد ہے: "وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِيْنَ ۝" (الاعراف:۱۹۶) (وہی مُتَولّی ہے صلحاء کا) اور اگر وہ گناہ گار ہیں تو ان کی مجھے بھی کچھ پرواہ نہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جو فقہ کے مشہور امام ہیں۔ دن بھر مسائل میں مشغول رہنے کے باوجود رات دن میں تین سو رکعات نفل پڑھتے تھے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ ایک رکعت میں پورا قرآن شریف پڑھ لیتے تھے۔ حضرت محمد بن منکدر حفاظِ حدیث میں ہیں۔ ایک رات تہجد میں اتنی کثرت سے روئے کہ حد نہ رہی، کسی نے دریافت کیا تو فرمایا: تلاوت میں یہ آیت آ گئی تھی "وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ۝" اخیر تک (الزمر:۴۷) اوپر کی آیت میں اس کا ذکر ہے کہ اگر ظلم کرنے والوں کے پاس دنیا کی ساری چیزیں ہوں اور اتنی ہی ان کے ساتھ اور بھی ہوں تو وہ قیامت کے دن سخت عذاب سے چھوٹنے کے لئے فدیہ کے طور پر دینے لگیں۔ اس کے بعد ارشاد ہے: "وَبَدَا لَهُمْ" الآیۃ اور اللہ کی طرف سے ان کے لئے (عذاب کا) وہ معاملہ پیش آئے گا جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا اور اس وقت ان کو اپنی تمام بداعمالیاں ظاہر ہو جائیں گی۔ حضرت محمد بن مُنکَدِر رحمۃ اللہ علیہ وفات کے وقت بھی بہت گھبرا رہے تھے اور فرماتے تھے کہ اسی آیت سے ڈر رہا ہوں۔

حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ حُفاظِ حدیث میں ہیں، اس قدر کثرت سے اللہ کے سامنے روتے تھے کہ حد نہیں۔ کسی نے عرض کیا کہ آنکھیں جاتی رہیں گی۔ فرمایا کہ ان آنکھوں سے

اگر روئیں نہیں تو فائدہ ہی کیا ہے۔ اس کی دعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ! اگر کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت ہو سکتی ہو تو مجھے بھی ہو جائے۔ ابو سنان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: خدا کی قسم! میں ان لوگوں میں تھا جنہوں نے ثابت کو دفن کیا، دفن کرتے ہوئے لحد کی ایک اینٹ گر گئی تو میں نے دیکھا کہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا: دیکھو، یہ کیا ہو رہا ہے؟ اس نے مجھے کہا: چپ ہو جاؤ۔ جب دفن کر چکے تو ان کے گھر جا کر ان کی بیٹی سے دریافت کیا کہ ثابت کا عمل کیا تھا؟ اس نے کہا کہ کیوں پوچھتے ہو؟ ہم نے قصہ بیان کیا۔ اس نے کہا کہ پچاس برس شب بیداری کی اور صبح کو ہمیشہ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ! اگر تو کسی کو یہ دولت عطا کرے کہ وہ قبر میں نماز پڑھے تو مجھے بھی عطا فرما۔[1]

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ باوجود علمی مشاغل کے جو سب کو معلوم ہیں اور ان کے علاوہ قاضی القضاۃ ہونے کی وجہ سے قضا کے مشاغل علیحدہ تھے، لیکن پھر بھی دو سو رکعات نوافل روزانہ پڑھتے تھے۔ حضرت محمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ مشہور محدث ہیں۔ اس انہماک سے نماز پڑھتے تھے جس کی نظیر مشکل ہے۔ ایک مرتبہ پیشانی پر ایک بھڑ نے نماز میں کاٹا جس کی وجہ سے خون بھی نکل آیا! مگر نہ حرکت ہوئی، نہ خشوع خضوع میں کوئی فرق آیا۔ کہتے ہیں کہ نماز میں لکڑی کی طرح سے بے حرکت کھڑے رہتے تھے۔ حضرت بقی بن مخلد روزانہ تہجد اور وتر کی نماز تیرہ رکعت میں ایک قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔

حضرت ہناد رحمۃ اللہ علیہ ایک محدث ہیں۔ ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ وہ بہت ہی زیادہ روتے تھے۔ ایک مرتبہ صبح کو ہمیں سبق پڑھاتے رہے، اس کے بعد وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر زوال تک نفلیں پڑھتے رہے، دوپہر کو گھر تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر میں آ کر ظہر کی نماز پڑھائی اور عصر تک نفلوں میں مشغول رہے، پھر عصر کی نماز پڑھائی اور قرآن پاک کی تلاوت مغرب تک فرماتے رہے، مغرب کے بعد میں واپس چلا آیا۔ میں نے ان کے ایک پڑوسی سے تعجب سے کہا کہ یہ شخص کس قدر عبادت کرنے والے ہیں۔ اس نے کہا کہ ستر برس سے ان کا یہی عمل ہے اور اگر تم ان کی رات کی عبادت دیکھو گے تو اور بھی تعجب کرو گے۔

---

[1] اقامۃ الحجہ

مسروق رحمۃ اللہ علیہ ایک محدث ہیں، ان کی بیوی کہتی ہیں کہ وہ نمازیں اتنی لمبی لمبی پڑھا کرتے تھے کہ ان کی پنڈلیوں پر ہمیشہ اس کی وجہ سے ورم رہتا تھا اور میں ان کے پیچھے بیٹھی ہوئی ان کے حال پر ترس کھا کر رویا کرتی تھی۔ سعید بن المُسَیَّب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ پچاس برس تک عشاء اور صبح ایک ہی وضو سے پڑھی۔ اور ابو المُعْتَمِر رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ چالیس برس تک ایسا ہی کیا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ چالیس تابعیوں سے تواتر کے طریق سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے تھے، ان میں سے بعض کا چالیس برس تک یہی عمل رہا۔[1]

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تو بہت کثرت سے یہ چیز نقل کی گئی کہ تیس، چالیس یا پچاس برس عشاء اور صبح ایک وضو سے پڑھی اور یہ اختلاف نقل کرنے والوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے کہ جس شخص کو جتنے سال کا علم ہوا اتنا ہی نقل کیا۔ لکھا ہے کہ آپ کا معمول صرف دو پہر کو تھوڑی دیر سونے کا تھا اور یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ دوپہر کو سونے کا حدیث میں حکم ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ رمضان میں ساٹھ قرآن شریف نماز میں پڑھتے تھے۔ ایک شخص کہتے ہیں کہ میں کئی روز تک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں رہا، صرف رات کو تھوڑی دیر سوتے تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ تین سو رکعتیں روزانہ پڑھتے تھے اور جب بادشاہِ وقت نے آپ کے کوڑے لگوائے اور اس کی وجہ سے ضعف بہت ہو گیا تو ڈیڑھ سو رہ گئی تھیں اور تقریباً اسّی ۸۰ برس کی عمر تھی۔ ابو عتاب سُلمی رحمۃ اللہ علیہ چالیس برس تک رات بھر روتے تھے اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ ان کے علاوہ ہزاروں لاکھوں واقعات توفیق والوں کے کتبِ تواریخ میں مذکور ہیں جن کا احاطہ بھی دشوار ہے۔ نمونہ اور مثال کے لئے یہی واقعات کافی ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ مجھے بھی اور ناظرین کو بھی ان حضرات کے اتباع کا کچھ حصہ اپنے لطف و فضل سے نصیب فرمائیں۔ آمین۔

(۱) عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اِنَّ الرَّجُلَ

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی نماز سے فارغ ہوتا ہے اور اس کے لئے ثواب

---

[1] اتحاف

لَيَنْصَرِفُ وَمَا كُتِبَ لَهُ إِلَّا عُشْرُ صَلٰوتِهٖ، تُسْعُهَا، ثُمُنُهَا، سُبُعُهَا، سُدُسُهَا، خُمُسُهَا، رُبُعُهَا، ثُلُثُهَا، نِصْفُهَا.

(رواه أبو داود وقال المنذري في الترغيب: رواه أبو داود والنسائي وابن حبان في صحيحه بنحوه. وعزاه في الجامع الصغير إلى أحمد وأبي داود وابن حبان ورقم له بالصحيح، وفي المنتخب عزاه إلى أحمد أيضاً، وفي الدر المنثور: أخرج أحمد عن أبي اليسر مرفوعاً: "منكم من يصلي الصلوة كاملة ومنكم من يصلي النصف والثلث والربع حتى بلغ العشر" قال المنذري في الترغيب: رواه النسائي باسناد حسن، واسم أبي اليسر كعب بن عمرو السلمي، شهد بدراً.)

کا دسواں حصہ لکھا جاتا ہے، اسی طرح بعض کیلئے نواں حصہ، بعض کیلئے آٹھواں، ساتواں، چھٹا، پانچواں، چوتھائی، تہائی، آدھا حصہ لکھا جاتا ہے۔

ف: یعنی جس درجہ کا خشوع اور اخلاص نماز میں ہوتا ہے اتنی ہی مقدار اجر وثواب کی ملتی ہے حتی کہ بعض کو پورے اجر کا دسواں حصہ ملتا ہے، اگر اس کے موافق خشوع وخضوع ہو اور بعض کو آدھا مل جاتا ہے اور اسی طرح دسویں سے کم اور آدھے سے زیادہ بھی مل جاتا ہے، حتی کہ بعض کو پورا پورا اجر مل جاتا ہے اور بعض کو بالکل بھی نہیں ملتا کہ وہ اس قابل ہی نہیں ہوتی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ فرض نماز کے لئے اللہ کے یہاں ایک خاص وزن ہے، جتنی اس میں کمی رہ جاتی ہے اس کا حساب کیا جاتا ہے۔ احادیث میں آیا ہے کہ لوگوں میں سے سب سے پہلے خشوع اٹھایا جائے گا کہ پوری جماعت میں ایک شخص بھی خشوع سے پڑھنے والا نہ ملے گا۔[1]

(۲) رُوِيَ عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ صَلَّى الصَّلَوَاتِ لِوَقْتِهَا، وَأَسْبَغَ لَهَا وُضُوْءَهَا، وَأَتَمَّ لَهَا قِيَامَهَا وَخُشُوْعَهَا وَرُكُوْعَهَا وَسُجُوْدَهَا، خَرَجَتْ وَهِيَ بَيْضَاءُ مُسْفِرَةٌ: تَقُوْلُ: حَفِظَكَ اللّٰهُ كَمَا حَفِظْتَنِيْ. وَمَنْ صَلَّاهَا لِغَيْرِ وَقْتِهَا،

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص نمازوں کو اپنے وقت پر پڑھے، وضو بھی اچھی طرح کرے، خشوع وخضوع سے بھی پڑھے، کھڑا بھی پورے وقار سے ہو۔ پھر اسی طرح رکوع سجدہ بھی اچھی طرح سے، اطمینان سے کرے؛ غرض ہر چیز کو اچھی طرح ادا کرے تو وہ نماز نہایت روشن

[1] جامع الصغیر

وَلَمْ يُسْبِغْ لَهَا وُضُوْءَهَا، وَلَمْ يُتِمَّ لَهَا خُشُوْعَهَا، وَلَا رُكُوْعَهَا، وَلَا سُجُوْدَهَا، خَرَجَتْ وَهِيَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَةٌ تَقُوْلُ: ضَيَّعَكَ اللّٰهُ كَمَا ضَيَّعْتَنِيْ، حَتّٰى إِذَا كَانَتْ حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ لُفَّتْ كَمَا يُلَفُّ الثَّوْبُ الْخَلِقُ، ثُمَّ ضُرِبَ بِهَا وَجْهُهُ.

(رواه الطبراني في الأوسط، وكذا في الترغيب والدر المنثور وعزاه في المنتخب إلى البيهقي في الشعب، وفيه أيضًا برواية عبادة بنحوه بمعناه، وزاد في الأولى بعد قوله "كما حفظتني": ثم صعد بها إلى السماء ولها ضوء ونور، ففتحت له أبواب السماء، حتى ينتهي بها إلى الله فتشفع لصاحبها، وقال في الثانية "وغلقت دونها أبواب السماء" وعزاه في الدر إلى البزار والطبراني، وفي الجامع الصغير حديث عبادة إلى الطيالسي، وقال: صحيحٌ)

چمکدار بن کر جاتی ہے اور نمازی کو دعا دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ تیری بھی ایسی ہی حفاظت کرے جیسی تو نے میری حفاظت کی۔ اور جو شخص نماز کو بری طرح پڑھے، وقت کو بھی ٹال دے، وضو بھی اچھی طرح نہ کرے، رکوع سجدہ بھی اچھی طرح نہ کرے تو وہ نماز بری صورت سے سیاہ رنگ میں بد دعا دیتی ہوئی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے بھی ایسا ہی برباد کرے جیسا تو نے مجھے ضائع کیا۔ اس کے بعد وہ نماز پرانے کپڑے کی طرح سے لپیٹ کر نمازی کے منہ پر ماردی جاتی ہے۔

ف: خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو نماز کو اچھی طرح پڑھیں کہ اللہ کی اہم ترین عبادت ان کے لئے دعا کرتی ہے، لیکن عام طور سے جیسی نماز پڑھی جاتی ہے کہ رکوع کیا تو وہیں سے سجدے میں چلے گئے، سجدے سے اٹھے تو سر اٹھانے بھی نہ پائے تھے کہ فوراً کوّے کی سی ٹھونگ دوسری دفعہ ماردی۔ ایسی نماز کا جو حشر ہے وہ اس حدیث شریف میں ذکر فرما ہی دیا اور پھر جب وہ بربادی کی بددعا کرے تو اپنی بربادی کا گِلہ کیوں کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل مسلمان گرتے جارہے ہیں اور ہر طرف تباہی ہی تباہی کی صدائیں گونج رہی ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں بھی یہی مضمون وارد ہوا ہے، اس میں یہ بھی اضافہ ہے کہ جو نماز خشوع وخضوع سے پڑھی جاتی ہے آسمان کے دروازے اس کے لئے کھل جاتے ہیں، وہ نہایت نورانی ہوتی ہے اور نمازی کیلئے حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں سفارشی

بنتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نماز میں رکوع اچھی طرح نہ کیا جائے کہ کمر پوری جھک جائے اس کی مثال اس عورت کی سی ہے جو حاملہ ہو اور جب بچہ ہونے کا وقت قریب آجائے تو اِسقاط کردے۔[1] ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ بہت سے روزے دار ایسے ہیں جن کو روزے سے بجز بھوکا اور پیاسا رہنے کے کوئی حاصل نہیں اور بہت سے شب بیدار ایسے ہیں جن کو جاگنے کے علاوہ کوئی چیز نہیں ملتی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جو قیامت کے دن پانچوں نمازیں ایسی لے کر حاضر ہو کہ ان کے اوقات کی بھی حفاظت کرتا رہا ہو اور وضو کا بھی اہتمام کرتا رہا ہو اور ان نمازوں کو خشوع و خضوع سے پڑھتا رہا ہو تو حق تعالیٰ شانہٗ نے عہد فرمالیا ہے کہ اس کو عذاب نہیں کیا جائے گا اور جو ایسی نمازیں نہ لے کر حاضر ہو اس کے لئے کوئی وعدہ نہیں ہے، چاہے اپنی رحمت سے معاف فرمادیں چاہے عذاب دیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: تمہیں معلوم بھی ہے، اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے کیا فرمادیا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی جانتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام کی وجہ سے تین مرتبہ یہی دریافت فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہی جواب دیتے رہے، اس کے بعد ارشاد ہوا کہ حق تعالیٰ شانہٗ اپنی عزت اور اپنی بڑائی کی قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ جو شخص ان نمازوں کو اوقات کی پابندی کے ساتھ پڑھتا رہے گا میں اس کو جنت میں داخل کروں گا اور جو پابندی نہ کرے گا تو میرا دل چاہے گا، رحمت سے بخش دوں گا، ورنہ عذاب دوں گا۔

(۳) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اِنَّ اَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عَمَلِهٖ صَلٰوتُهٗ، فَاِنْ صَلَحَتْ فَقَدْ اَفْلَحَ وَ اَنْجَحَ، وَاِنْ فَسَدَتْ خَابَ وَخَسِرَ، وَاِنِ انْتَقَصَ مِنْ فَرِيْضَةٍ قَالَ الرَّبُّ: اُنْظُرُوْا هَلْ لِعَبْدِیْ مِنْ تَطَوُّعٍ،

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت میں آدمی کے اعمال میں سب سے پہلے فرض نماز کا حساب کیا جائے گا۔ اگر نماز اچھی نکل آئی تو وہ شخص کامیاب ہوگا اور بامراد۔ اور اگر نماز بیکار ثابت ہوئی تو وہ نامُراد، خسارہ میں ہوگا اور کچھ نماز میں کمی پائی گئی تو ارشادِ خداوندی ہوگا کہ دیکھو اس بندہ کے

[1] ترغیب

فَيُكْمَلُ بِهَا مَا انْتَقَصَ مِنَ الْفَرِيْضَةِ، ثُمَّ يَكُوْنُ سَائِرُ عَمَلِهِ عَلٰى ذٰلِكَ.

(رواه الترمذي و حسنه النسائي وابن ماجة والحاكم و صححه، كذا في الدر، وفي المنتخب برواية الحاكم في الكنى عن ابن عمر "أول ما افترض الله على أمتي الصلوات الخمس، وأول ما يرفع من أعمالهم الصلوات الخمس، الحديث بطوله بمعنى حديث الباب، وفيه ذكر الصيام والزكوة نحو الصلوة، وفي الدر أخرج أبو يعلىٰ عن أنس رفعه" أول ما افترض الله على الناس من دينهم الصّلوٰة وآخر مايبقى الصلوة، واول ما يحاسب به الصلوة، يقول الله: انظروا في صلوة عبدي، فإن كانت تامة كتبت تامة، وإن كانت ناقصة قال: انظروا هل له من تطوع، الحديث. فيه ذكر الزكوة والصدقة، وفيه أيضا أخرج ابن ماجة والحاكم عن تميم الداري مرفوعاً" أول مايحسب به العبد يوم القيامة صلوته، الحديث. وفي آخره: ثم الزكوٰة مثل ذلك، ثم تؤخذ الأعمال حسب ذٰلك، وعزاه السيوطي في الجامع إلى احمد و أبي داود والحاكم و ابن ماجة، ورقم له بالصحيح).

پاس کچھ نفلیں بھی ہیں جن سے فرضوں کو پورا کر دیا جائے۔ اگر نکل آئیں تو ان سے فرضوں کی تکمیل کر دی جائے گی۔ اس کے بعد پھر اسی طرح باقی اعمال روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کا حساب ہوگا۔

ف: اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آدمی کو نفلوں کا ذخیرہ بھی اپنے پاس کافی رکھنا چاہئے کہ اگر فرضوں میں کچھ کوتاہی نکلے تو میزان پوری ہو جائے۔ بہت سے لوگ کہہ دیا کرتے ہیں: اجی! ہم سے فرض ہی پورے ہو جائیں تو بہت غنیمت ہے، نفلیں پڑھنا تو بڑے آدمیوں کا کام ہے۔ اس میں شک نہیں کہ فرض ہی اگر پورے پورے ہو جائیں تو بہت کافی ہیں، لیکن ان کا بالکل پورا پورا ادا ہو جانا کونسا سہل کام ہے کہ ہر ہر چیز بالکل پوری ادا ہو جائے اور جب تھوڑی بہت کوتاہی ہوتی ہے تو اس کو پورا کرنے کے لئے نفلوں کے بغیر چارۂ کار نہیں۔ ایک دوسری حدیث میں یہ مضمون زیادہ وضاحت سے آیا ہے، ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عبادات میں سب سے پہلے نماز کو فرض فرمایا ہے اور سب سے پہلے اعمال میں سے نماز ہی پیش کی جاتی ہے اور سب سے پہلے قیامت میں نماز ہی کا حساب ہوگا۔ اگر فرض نمازوں میں کچھ کمی رہ گئی تو نفلوں سے اس کو پورا کیا جائے گا اور پھر اس کے بعد اسی طرح روزوں کا حساب کیا جائے گا اور فرض روزوں میں جو کمی ہوگی وہ نفل روزوں سے پوری کر دی جائے گی اور پھر زکوٰۃ کا حساب اسی طریقہ سے ہوگا۔ ان سب چیزوں میں نوافل کو ملا کر بھی اگر نیکیوں کا پلہ بھاری ہو گیا تو وہ شخص خوشی خوشی جنّت میں داخل ہو جائے گا، ورنہ جہنّم

میں پھینک دیا جائے گا۔ خود نبیِ اکرم ﷺ کا معمول یہی تھا کہ جو شخص مسلمان ہوتا سب سے اوّل اس کو نماز سکھائی جاتی۔

(۴) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قُرْطٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الصَّلٰوةُ، فَاِنْ صَلُحَتْ صَلُحَ سَائِرُ عَمَلِهٖ، وَاِنْ فَسَدَتْ فَسَدَ سَائِرُ عَمَلِهٖ.

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت میں سب سے پہلے نماز کا حساب کیا جائے گا، اگر وہ اچھی اور پوری نکل آئی تو باقی اعمال بھی پورے اتریں گے اور اگر وہ خراب ہوگئی تو باقی اعمال بھی خراب نکلیں گے۔

(رواہ الطبرانی فی الأوسط ولا بأس بإسنادہ إن شاء اللہ، کذافی الترغیب، وفی المنتخب بروایۃ الطبرانی فی الأوسط أیضاً عن أنس بلفظہ، وفی الترغیب عن أبی ہریرۃ رفعہ "الصلوۃ ثلثۃ ثلاث: الطہور ثلث، والرکوع ثلث، والسجود ثلث، فمن أداہا بحقہا قبلت منہ وقبل منہ سائر عملہ. ومن ردت علیہ صلوتہ، رد علیہ سائر عملہ. رواہ البزار وقال: لا نعلمہ مرفوعًا إلا من حدیث المغیرۃ بن مسلم، قال الحافظ: وإسنادہ حسن. وأخرج مالک فی الموطأ أن عمر بن الخطاب کتب إلی عمالہ: إن أہم أمورکم عندی الصلوۃ، من حفظہا وحافظ علیہا حفظ دینہ. ومن ضیعہا فہو لما سواہا أضیع، کذا فی الدر).

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ایک اعلان سب جگہ کے حکام کے پاس بھیجا تھا کہ سب سے زیادہ مُہتَم بِالشّان چیز میرے نزدیک نماز ہے، جو شخص اس کی حفاظت اور اس کا اہتمام کرے گا وہ دین کے اور اجزاء کا بھی اہتمام کرسکتا ہے اور جو اس کو ضائع کر دے گا وہ دین کے اور اجزاء کو زیادہ برباد کردے گا۔

ف: نبی اکرم ﷺ کے اس پاک ارشاد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اعلان کا منشا بظاہر یہ ہے کہ جو دوسری حدیث میں آیا ہے کہ شیطان مسلمان سے اس وقت تک ڈرتا رہتا ہے جب تک وہ نماز کا پابند اور اس کو اچھی طرح ادا کرتا رہتا ہے، کیونکہ خوف کی وجہ سے اس کو زیادہ جرأت نہیں ہوتی لیکن جب وہ نماز کو ضائع کردیتا ہے تو اس کی جرأت بہت بڑھ جاتی ہے اور اس آدمی کے گمراہ کرنے کی اُمنگ پیدا ہو جاتی ہے اور پھر بہت سے مُہلکات اور بڑے بڑے گناہوں میں اس کو مبتلا کر دیتا ہے[1] اور یہی مطلب ہے حق سبحانہٗ وتقدس کے اِرشاد "اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ" (العنکبوت:۴۵)

[1] منتخب کنز

کا جس کا بیان قریب ہی آ رہا ہے۔

(۵) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِیْهِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَسْوَأُ النَّاسِ سَرِقَةً الَّذِیْ یَسْرِقُ صَلٰوتَهٗ، قَالُوْا: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَکَیْفَ یَسْرِقُ صَلٰوتَهٗ؟ قَالَ: لَایُتِمُّ رُکُوْعَهَا وَلَاسُجُوْدَهَا.

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بدترین چوری کرنے والا شخص وہ ہے جو نماز میں سے بھی چوری کر لے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! نماز میں سے کس طرح چوری کرے گا؟ اِرشاد فرمایا کہ اس کا رکوع اور سجدہ اچھی طرح سے نہ کرے۔

(رواہ الدارمی، وفی الترغیب رواہ أحمد والطبرانی وابن خزیمة فی صحیحه: وقال: صحیح الإسناد. وفی المقاصد الحسنة حدیث "إن أسوء الناس سرقة" رواہ أحمد والدارمی فی مسندیهما من حدیث الولید بن مسلم عن الأوزاعی عن یحییٰ بن أبی کثیر عن عبدالله بن أبی قتادہ عن ابیه مرفوعًا، وفی لفظ بحذف "إن" وصححه ابن خزیمة، والحاکم وقال: انه علی شرطهما ولم یخرجاه لروایة کاتب الاوزاعی له عنه عن یحیی عن أبی سلمة عن أبی هریرة، ورواہ أحمد أیضاً، والطیالسی فی مسندیهما من حدیث علی بن زید عن سعید بن المسیب عن ابی سعید الخدری به مرفوعاً، وروایة ابی هریرة عند ابن منیع، وفی الباب عن عبدالله بن مغفّل وعن النعمان بن مرة عند مالك مرسلاً فی اخرین. وقال المنذری فی الترغیب لحدیث ابن مغفل: رواہ الطبرانی فی معاجمه الثلاثة باسناد جید، وقال لحدیث أبی هریرة: رواہ الطبرانی فی الأوسط وابن حبان فی صحیحه والحاکم وقال: صحیح الاسناد، قلت: وحدیث ابی قتادة و أبی سعید ذکرهما السیوطی فی الجامع الصغیر ورقم بالصحیح).

ف: یہ مضمون کئی حدیثوں میں وارد ہوا ہے۔ اول تو چوری خود ہی کس قدر ذِلت کی چیز ہے اور چور کو کیسی حِقارت سے دیکھا جاتا ہے۔ پھر چوری میں بھی اس حرکت کو بدترین چوری اِرشاد فرمایا ہے کہ رکوع سجدہ کو اچھی طرح نہ کرے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور یہ ارشاد فرمایا کہ اس وقت علم دنیا سے اٹھ جانے کا وقت (منکشف ہوا) ہے۔ حضرت زِیاد صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! علم ہم سے کس طرح اٹھ جائے گا؟ ہم لوگ قرآن شریف پڑھتے ہیں اور اپنی اولاد کو پڑھاتے ہیں (اور وہ اسی طرح اپنی اولاد کو پڑھائیں گے اور سلسلہ چلتا رہے گا)۔ حضور ﷺ نے فرمایا: میں تو تجھے بڑا سمجھ دار خیال کرتا تھا۔ یہ یہود و نصاریٰ بھی تو توراۃ

انجیل پڑھتے پڑھاتے ہیں، پھر کیا کارآمد ہوا؟ ابو درداء رضی اللہ عنہ کے شاگرد کہتے ہیں کہ میں نے دوسرے صحابی حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے جا کر یہ قصہ سنایا۔ انہوں نے فرمایا کہ ابو درداء سچ کہتے ہیں، اور میں بتاؤں کہ سب سے پہلے کیا چیز دنیا سے اٹھے گی۔ سب سے پہلے نماز کا خشوع اٹھ جائے گا، تو دیکھے گا کہ بھری مسجد میں ایک شخص بھی خشوع سے نماز پڑھنے والا نہ ہوگا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راز دار کہلاتے ہیں وہ بھی فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے نماز کا خشوع اٹھایا جائے گا۔[1] ایک حدیث میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس نماز کی طرف توجہ ہی نہیں فرماتے جس میں رکوع سجدہ اچھی طرح نہ کیا جائے۔ ایک حدیث میں ارشادِ نبوی ہے کہ آدمی ساٹھ برس تک نماز پڑھتا ہے، مگر ایک نماز بھی قبول نہیں ہوتی کہ کبھی رکوع اچھی طرح کرتا ہے تو سجدہ پورا نہیں کرتا، سجدہ کرتا ہے تو رکوع پورا نہیں کرتا۔ حضرت مجدّدِ الف ثانی نوّر اللہ مرقدہٗ نے اپنے مکاتیب (خطوط) میں نماز کے اہتمام پر بہت زور دیا ہے اور بہت سے گرامی ناموں میں مختلف مضامین پر بحث فرمائی ہے۔ ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ سجدہ میں ہاتھوں کی انگلیوں کو ملانے کا، اور رکوع میں انگلیوں کو علیحدہ علیحدہ کرنے کا اہتمام بھی ضروری ہے، شریعت نے انگلیوں کو ملانے کا، کھولنے کا حکم بے فائدہ نہیں فرمایا ہے، یعنی ایسے معمولی آداب کی رعایت بھی ضروری ہے، اسی سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ نماز میں کھڑے ہونے کی حالت میں سجدہ کی جگہ نگاہ کا جمائے رکھنا اور رکوع کی حالت میں پاؤں پر نگاہ رکھنا اور سجدہ میں جا کر ناک پر رکھنا اور بیٹھنے کی حالت میں ہاتھوں پر نگاہ رکھنا نماز میں خشوع کو پیدا کرتا ہے اور اس سے نماز میں دلجمعی نصیب ہوتی ہے، جب ایسے معمولی آداب بھی اتنے اہم فائدے رکھتے ہیں تو بڑے آداب اور سنتوں کی رعایت تم سمجھ لو کہ کس قدر فائدہ بخشے گی۔

(۲) عَنْ اُمِّ رُوْمَانَ رضی اللہ عنہا وَالِدَةِ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: رَآنِیْ اَبُوْبَكْرِ الصِّدِّيْقُ اَتَمَيَّلُ فِیْ صَلٰوتِیْ، فَزَجَرَنِیْ زَجْرَةً كِدْتُّ اَنْصَرِفُ مِنْ صَلٰوتِیْ، قَالَ: سَمِعْتُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ اُمِّ رومان رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ایک مرتبہ نماز پڑھ رہی تھی کہ نماز میں اِدھر اُدھر جھکنے لگی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا تو مجھے اس

[1] در

انجیل پڑھتے پڑھاتے ہیں، پھر کیا کارآمد ہوا؟ ابو درداء رضی اللہ عنہ کے شاگرد کہتے ہیں کہ میں نے دوسرے صحابی حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے جا کر یہ قصہ سنایا۔ انہوں نے فرمایا کہ ابو درداء سچ کہتے ہیں، اور میں بتاؤں کہ سب سے پہلے کیا چیز دنیا سے اٹھے گی۔ سب سے پہلے نماز کا خشوع اٹھ جائے گا، تو دیکھے گا کہ بھری مسجد میں ایک شخص بھی خشوع سے نماز پڑھنے والا نہ ہوگا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راز دار کہلاتے ہیں وہ بھی فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے نماز کا خشوع اٹھایا جائے گا۔[1] ایک حدیث میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس نماز کی طرف توجہ ہی نہیں فرماتے جس میں رکوع سجدہ اچھی طرح نہ کیا جائے۔ ایک حدیث میں ارشادِ نبوی ہے کہ آدمی ساٹھ برس تک نماز پڑھتا ہے، مگر ایک نماز بھی قبول نہیں ہوتی کہ کبھی رکوع اچھی طرح کرتا ہے تو سجدہ پورا نہیں کرتا، سجدہ کرتا ہے تو رکوع پورا نہیں کرتا۔

حضرت مجدّدِ الف ثانی نوّر اللہ مرقدہٗ نے اپنے مکاتیب (خطوط) میں نماز کے اہتمام پر بہت زور دیا ہے اور بہت سے گرامی ناموں میں مختلف مضامین پر بحث فرمائی ہے۔ ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ سجدہ میں ہاتھوں کی انگلیوں کو ملانے کا، اور رکوع میں انگلیوں کو علیحدہ علیحدہ کرنے کا اہتمام بھی ضروری ہے، شریعت نے انگلیوں کو ملانے کا، کھولنے کا حکم بے فائدہ نہیں فرمایا ہے، یعنی ایسے معمولی آداب کی رعایت بھی ضروری ہے، اسی سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ نماز میں کھڑے ہونے کی حالت میں سجدہ کی جگہ نگاہ کا جمائے رکھنا اور رکوع کی حالت میں پاؤں پر نگاہ رکھنا اور سجدہ میں جا کر ناک پر رکھنا اور بیٹھنے کی حالت میں ہاتھوں پر نگاہ رکھنا نماز میں خشوع کو پیدا کرتا ہے اور اس سے نماز میں دلجمعی نصیب ہوتی ہے، جب ایسے معمولی آداب بھی اتنے اہم فائدے رکھتے ہیں تو بڑے آداب اور سنتوں کی رعایت تم سمجھ لو کہ کس قدر فائدہ بخشے گی۔

(۲) عَنْ اُمِّ رُوْمَانَ رضی اللہ عنہا وَالِدَةِ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: رَآنِیْ اَبُوْبَكْرِ الصِّدِّيْقُ اَتَمَيَّلُ فِیْ صَلٰوتِیْ، فَزَجَرَنِیْ زَجْرَةً كِدْتُّ اَنْصَرِفُ مِنْ صَلٰوتِیْ، قَالَ: سَمِعْتُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ اُمِّ رومان رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ایک مرتبہ نماز پڑھ رہی تھی کہ نماز میں اِدھر اُدھر جھکنے لگی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا تو مجھے اس

[1] در

رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَلْيُسْكِنْ اَطْرَافَهٗ لَايَتَمَيَّلْ تَمَيُّلَ الْيَهُوْدِ، فَاِنَّ سُكُوْنَ الْاَطْرَافِ فِي الصَّلٰوةِ مِنْ تَمَامِ الصَّلٰوةِ. (اخرجه الحكيم الترمذي من طريق القاسم بن محمد عن اسماء بنت ابي بكر عن ام رومان، كذا في الدر موعزاه السيوطي في الجامع الصغير الى ابن نعيم في الحلية، وابن عدي في الكامل، ورقم له بالضعف، وذكر ايضاً برواية ابن عساكر عن ابي بكر ﷺ، من تمام الصلوة سكون الاطراف)

زور سے ڈانٹا کہ میں (ڈر کی وجہ سے) نماز توڑنے کے قریب ہوگئی، پھر ارشاد فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ جب کوئی شخص نماز کے لئے کھڑا ہو تو اپنے تمام بدن کو بالکل سکون سے رکھے، یہود کی طرح ہلے نہیں۔ بدن کے تمام اعضاء کا نماز میں بالکل سکون سے رہنا نماز کے پورا ہونے کا جزو ہے۔

ف: نماز کے درمیان میں سکون سے رہنے کی تاکید بہت سی حدیثوں میں آئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی عادتِ شریفہ اکثر آسمان کی طرف دیکھنے کی تھی کہ وحی کے فرشتے کا انتظار رہتا تھا اور جب کسی چیز کا انتظار ہوتا ہے تو اس طرف نگاہ بھی لگ جاتی ہے، اسی وجہ سے کبھی نماز میں بھی نگاہ اوپر اٹھ جاتی تھی۔ جب "قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ" (المؤمنون: ۱،۲) نازل ہوئی تو پھر نگاہ نیچے رہتی تھی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق بھی حدیث میں آیا ہے کہ اوّل اوّل اِدھر اُدھر توجہ فرمالیا کرتے تھے مگر اس آیتِ شریفہ کے نازل ہونے کے بعد سے کسی طرف توجہ نہیں کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اسی آیتِ شریفہ کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جب نماز کو کھڑے ہوتے تھے تو کسی طرف توجہ نہیں کرتے تھے، ہمہ تن نماز کی طرف متوجہ رہتے تھے، اپنی نگاہوں کو سجدہ کی جگہ رکھتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ان کی طرف متوجہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ خشوع کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ خشوع دل میں ہوتا ہے (یعنی دل سے نماز میں متوجہ رہنا) اور یہ بھی اس میں داخل ہے کہ کسی طرف توجہ نہ کرے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ خشوع کرنے والے وہ ہیں جو اللہ سے

ڈرنے والے ہیں اور نماز میں سکون سے رہنے والے ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ نفاق کے خشوع سے اللہ ہی سے پناہ مانگو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ حضور! نفاق کا خشوع کیا چیز ہے؟ ارشاد فرمایا کہ ظاہر میں تو سکون ہو اور دل میں نفاق ہو۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بھی اس قسم کا ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا کہ نفاق کا خشوع یہ ہے کہ ظاہر بدن تو خشوع والا معلوم ہو اور دل میں خشوع نہ ہو۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دل کا خشوع اللہ کا خوف ہے اور نگاہ کو نیچی رکھنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں داڑھی پر ہاتھ پھیر رہا ہے: ارشاد فرمایا کہ اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو بدن کے سارے اعضاء میں سکون ہوتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا کیسا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ یہ شیطان کا نماز میں سے اچک لینا ہے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ نماز میں اوپر دیکھتے ہیں وہ اپنی اس حرکت سے باز آجائیں، ورنہ نگاہیں اوپر کی اوپر ہی رہ جائیں گی۔[1] بہت سے صحابہ اور تابعین سے نقل کیا گیا ہے کہ خشوع سکون کا نام ہے یعنی نماز نہایت سکون سے پڑھی جائے۔ متعدد احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ نماز ایسی طرح پڑھا کرو گویا یہ آخری نماز ہے۔ ایسی طرح پڑھا کرو جیسا کہ وہ شخص پڑھتا ہے جس کو یہ گمان ہو کہ اس وقت کے بعد مجھے دوسری نماز کی نوبت ہی نہ آئے گی۔[2]

(۷) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: "اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ" فَقَالَ مَنْ لَّمْ تَنْهَهُ صَلٰوتُهُ عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ، فَلَا صَلٰوةَ لَهُ. (اخرجه ابن ابی حاتم وابن مردويه،

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے حق تعالیٰ شانہٗ کے ارشاد "اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى" الخ (بے شک نماز روکتی ہے بے حیائی اور ناشائستہ حرکتوں سے) کے متعلق دریافت کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کی نماز ایسی نہ ہو اور اس کو بے حیائی اور ناشائستہ

---

[1] درمنثور، [2] جامع الصغیر

حرکتوں سے نہ روکے وہ نماز ہی نہیں۔ (کذافی الدر المنثور)

ف: بے شک نماز ایسی ہی بڑی دولت ہے اور اس کو اپنی اصلی حالت پر پڑھنے کا ثمرہ یہی ہے کہ وہ ایسی نامناسب باتوں سے روک دے۔ اگر یہ بات پیدا نہیں ہوئی تو نماز کے کمال میں کمی ہے، بہت سی حدیثوں میں یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نماز میں گناہوں سے روک ہے اور گناہوں سے ہٹانا ہے۔ حضرت ابوالعالیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے ارشاد "اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی" کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں تین چیزیں ہوتی ہیں: اخلاص، اللہ کا خوف، اللہ کا ذکر، جس نماز میں یہ چیزیں نہیں وہ نماز ہی نہیں۔ اخلاص نیک کاموں کا حکم کرتا ہے اور اللہ کا خوف بری باتوں سے روکتا ہے اور اللہ کا ذکر قرآنِ پاک ہے جو مستقل طور پر اچھی باتوں کا حکم کرتا ہے اور بری باتوں سے روکتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جو نماز بری باتوں اور نامناسب حرکتوں سے نہ روکے وہ نماز بجائے اللہ کے قرب کے اللہ سے دوری پیدا کرتی ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی نقل کرتے ہیں کہ جس شخص کی نماز اس کو بری باتوں سے نہ روکے وہ نماز ہی نہیں، اس نماز کی وجہ سے اللہ سے دوری پیدا ہوتی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی مضمون نقل فرمایا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو نماز کی اطاعت نہ کرے اس کی نماز ہی کیا، اور نماز کی اطاعت یہ ہے کہ بے حیائی اور بری باتوں سے رکے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ فلاں شخص رات کو نماز پڑھتا رہتا ہے اور صبح ہوتے ہی چوری کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی نماز اس کو اس فعل سے عنقریب ہی روک دے گی[1] اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص بری باتوں میں مشغول ہو تو اس کو اہتمام سے نماز میں مشغول ہونا چاہئے، بری باتیں اس سے خود ہی چھوٹ جائیں گی۔ ہر ہر بری بات کے چھوڑنے کا اہتمام دشوار بھی ہے اور دیر طلب بھی اور اہتمام سے نماز میں مشغول ہو جانا آسان بھی ہے اور دیر طلب بھی نہیں۔ اس کی برکت سے بری باتیں اس سے اپنے آپ ہی چھوٹتی چلی جاویں گی۔

[1] درمنثور

حق تعالیٰ شانہٗ مجھے بھی اچھی طرح نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

(۸) عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ طُوْلُ الْقُنُوْتِ. اخرجه ابن ابی شیبة ومسلم والترمذی وابن ماجة، كذافی الدر المنثور، وفيه ايضا عَنْ مُجَاهِدٍ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی "وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ" قَالَ: مِنَ الْقُنُوْتِ الرُّكُوْعُ وَالْخُشُوْعُ، وَطُوْلُ الرُّكُوْعِ يَعْنِیْ طُوْلَ الْقِيَامِ، وَغَضُّ الْبَصَرِ، وَخَفْضُ الْجَنَاحِ وَالرَّهْبَةُ لِلّٰهِ، وَكَانَ الْفُقَهَاءُ مِنْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ اِذَا قَامَ اَحَدُهُمْ فِی الصَّلٰوةِ، يَهَابُ الرَّحْمٰنَ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی اَنْ يَلْتَفِتَ، اَوْيَقْلِبَ الْحَصٰی، اَوْيَشُدَّ بَصَرَهٗ، اَوْيَعْبَثَ بِشَیْءٍ، اَوْ يُحَدِّثَ نَفْسَهٗ بِشَیْءٍ مِنْ اَمْرِ الدُّنْيَا، اِلَّا نَاسِيًا حَتّٰی يَنْصَرِفَ. (اخرجه سعید بن منصور وعبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر وابن حاتم والاصبهانی فی الترغیب، والبیهقی فی شعب الایمان. هذا اخر ما اردت ایراده فی هذه المعجالة، رعایة لعدد الاربعین، والله ولی التوفیق وقد وقع الفراغ منه لیلة الثروية من سنة سبع و خمسین بعد الف وثلاثمائة والحمد لله اولاً واخراً)

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ افضل نماز وہ ہے جس میں لمبی لمبی رکعتیں ہوں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے ارشاد قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ (اور نماز میں) کھڑے رہو اللہ کے سامنے مؤدّب، اس آیت میں رکوع بھی داخل ہے اور خشوع بھی اور لمبی رکعت ہونا بھی اور آنکھوں کو پست کرنا، بازوؤں کو جھکانا (یعنی اکڑ کر کھڑا نہ ہونا) اور اللہ سے ڈرنا بھی شامل ہے کہ لفظِ قنوت میں جس کا اس آیت میں حکم دیا گیا یہ سب چیزیں داخل ہیں۔ حضورِ اقدس ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جب کوئی شخص نماز کو کھڑا ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا تھا اس بات سے کہ اِدھر اُدھر دیکھے یا (سجدہ میں جاتے ہوئے) کنکریوں کو الٹ پلٹ کرے (عرب میں صفوں کی جگہ کنکریاں بچھائی جاتی ہیں) یا کسی اور لغو چیز میں مشغول ہو یا دل میں کسی دنیاوی چیز کا خیال لائے، ہاں بھول کے خیال آگیا ہو تو دوسری بات ہے۔

ف: "قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ" کی تفسیر میں مختلف ارشادات وارد ہوئے ہیں۔ ایک یہ بھی ہے کہ قانتین کے معنی چپ چاپ کے ہیں۔ ابتدائے زمانہ میں نماز میں بات کرنا، سلام کا جواب دینا وغیرہ وغیرہ امور جائز تھے، مگر جب یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی تو نماز میں بات کرنا ناجائز ہوگیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا عادی بنا رکھا تھا کہ جب میں حاضر ہوں تو گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہوں میں سلام کرتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے۔ ایک مرتبہ میں حاضر ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے۔ میں نے حسبِ عادت سلام کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہیں دیا۔ مجھے سخت فکر ہوا کہ شاید میرے بارے میں اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے یہاں سے کوئی عتاب نازل ہوا ہو، نئے اور پرانے خیالات نے مجھے گھیر لیا۔ پرانی پرانی باتیں سوچتا تھا کہ شاید فلاں بات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوگئے ہوں، شاید فلانی بات ہوگئی ہو۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر لیا تو ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے احکام میں جو چاہتے ہیں تبدیلی فرماتے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے نماز میں بولنے کی ممانعت فرمادی، اور یہ آیت تلاوت فرمائی اور پھر ارشاد فرمایا کہ نماز میں اللہ کے ذکر، اس کی تسبیح، اس کی حمد وثنا کے سوا بات کرنا جائز نہیں۔

معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں مدینہ طیبہ مسلمان ہونے کے لئے حاضر ہوا تو مجھے بہت سی چیزیں سکھائی گئیں۔ منجملہ ان کے یہ بھی تھا کہ جب کوئی چھینکے اور الحمدللہ کہے تو اس کے جواب میں یَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہنا چاہئے۔ چونکہ نئی تعلیم تھی اس وقت تک یہ بھی معلوم نہ تھا کہ نماز میں نہ کہنا چاہئے۔ ایک صاحب کو نماز میں چھینک آئی، میں نے جواب میں یَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہا۔ آس پاس کے لوگوں نے مجھے تنبیہ کے طور پر گھورا، مجھے اس وقت تک یہ بھی معلوم نہ تھا کہ نماز میں بولنا جائز نہیں، اس لئے میں نے کہا کہ ہائے افسوس! تمہیں کیا ہوا کہ مجھے کڑوی کڑوی نگاہوں سے گھورتے ہو۔ مجھے اشارہ سے ان لوگوں نے چپ کرا دیا، میری سمجھ میں تو آیا نہیں، مگر میں چپ ہوگیا۔ جب نماز ختم ہو چکی تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (میرے ماں باپ آپ پر قربان) نہ مجھے مارا، نہ ڈانٹا، نہ برا بھلا کہا بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ نماز میں بات کرنا جائز نہیں۔ نماز تسبیح وتکبیر اور قراءۃ قرآن ہی کا موقع

ہے۔ خدا کی قسم! حضور ﷺ جیسا شفیق استاذ نہ میں نے پہلے دیکھا نہ بعد میں۔

دوسری تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ''قَانِتِیْنَ'' کے معنی خَاشِعِیْن کے ہیں یعنی خشوع سے نماز پڑھنے والے۔ اسی کے موافق مجاہد یہ نقل کرتے ہیں جو اوپر ذکر کیا گیا کہ یہ سب چیزیں خشوع میں داخل ہیں، یعنی لمبی لمبی رکعات کا ہونا اور خشوع وخضوع سے پڑھنا، نگاہ کو نیچی رکھنا، اللہ تعالیٰ سے ڈرنا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ابتدا میں حضورِ اقدس ﷺ رات کو جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے آپ کو رسی سے باندھ لیا کرتے کہ نیند کے غلبہ سے گر نہ جائیں۔ اس پر ''طٰهٰ o مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى o'' (طٰہٰ:۱،۲) نازل ہوئی اور یہ مضمون تو کئی حدیثوں میں آیا ہے کہ حضور ﷺ اتنی طویل رکعت کیا کرتے تھے کہ کھڑے کھڑے پاؤں پر ورم آجاتا تھا۔ اگرچہ ہم لوگوں پر شفقت کی وجہ سے حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جس قدر تحمل اور نباہ ہو سکے اتنی محنت کرنا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ تحمل سے زیادہ بار اٹھانے کی وجہ سے بالکل ہی جاتا رہے، چنانچہ ایک صحابی عورت رضی اللہ عنہا نے بھی اسی طرح رسی میں اپنے کو باندھنا شروع کیا تو حضور ﷺ نے منع فرمادیا۔ مگر اتنی بات ضرور ہے کہ تحمل کے بعد جتنی لمبی نماز ہوگی اتنی ہی بہتر اور افضل ہوگی۔ آخر حضور ﷺ کا اتنی لمبی نماز پڑھنا کہ پاؤں مبارک پر ورم آجاتا تھا کوئی بات تو رکھتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عرض بھی کرتے کہ سورۂ فتح میں آپ کی مغفرت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمالیا ہے تو حضور ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ پھر میں شکر گزار بندہ کیوں نہ بنوں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب حضورِ اقدس ﷺ نماز پڑھتے تھے تو آپ کے سینۂ مبارک سے رونے کی آواز (سانس رکنے کی وجہ سے) ایسی مسلسل آتی تھی جیسا چکی کی آواز ہوتی ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ایسی آواز ہوتی تھی جیسا کہ ہنڈیا کے پکنے کی آواز ہوتی ہے۔[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی میں مَیں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ ایک درخت کے نیچے کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اور رو رہے تھے کہ اسی حالت میں صبح فرمادی۔ متعدد احادیث میں ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ چند آدمیوں سے بے حد خوش

---

[1] ترغیب

ہوتے ہیں۔ منجملہ ان کے وہ شخص ہے جو سردی کی رات میں نرم بستر پر لحاف میں لپٹا ہوا لیٹا ہو اور خوبصورت دل میں جگہ کرنے والی بیوی پاس لیٹی ہو اور پھر تہجد کے لئے اٹھے اور نماز میں مشغول ہو جائے۔ حق تعالیٰ شانہٗ اس شخص سے بہت ہی خوش ہوتے ہیں، تعجب فرماتے ہیں باوجود عالمِ الغیب ہونے کے فرشتوں سے فخر کے طور پر دریافت فرماتے ہیں کہ اس بندہ کو کس بات نے مجبور کیا کہ اس طرح کھڑا ہو گیا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ آپ کے لطف و عطایا کی امید نے اور آپ کے عتاب کے خوف نے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اچھا جس چیز کی اس نے مجھ سے امید رکھی وہ میں نے عطا کی اور جس چیز کا اس کو خوف ہے اس سے امن بخشا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ کسی بندہ کو کوئی عطا اللہ کی طرف سے اس سے بہتر نہیں دی گئی کہ اس کو دو رکعت نماز کی توفیق عطا ہو جائے۔

قرآن و حدیث میں کثرت سے وارد ہوا ہے کہ فرشتے ہر وقت عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ احادیث میں آیا ہے کہ ایک جماعت ان کی ایسی ہے جو قیامت تک رکوع ہی میں رہے گی اور ایک جماعت اسی طرح ہر وقت سجدہ میں مشغول رہتی ہے اور ایک جماعت اسی طرح کھڑی رہتی ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے مؤمن کے لئے یہ اکرام و اعزاز فرمایا کہ ان سب چیزوں کا مجموعہ اس کو دو رکعت نماز میں عطا فرما دیا تاکہ فرشتوں کی ہر عبادت سے اس کو حصّہ مل جائے اور نماز میں قرآن شریف کی تلاوت ان کی عبادتوں پر اضافہ ہے اور جب یہ فرشتوں کی عبادتوں کا مجموعہ ہے تو انہیں کی سی صفات سے اس میں لطف میسّر ہو سکتا ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ نماز کے لئے اپنی کمر اور پیٹ کو ہلکا رکھا کرو[1] کمر کو ہلکا رکھنے کا یہ مطلب ہے کہ بہت سے جھگڑے اپنے پیچھے نہ لگاؤ اور پیٹ کو ہلکا رکھنا ظاہر ہے کہ زیادہ سیر ہو کر نہ کھاؤ اس سے کاہلی، سُستی پیدا ہوتی ہے۔

صوفیہ کہتے ہیں کہ نماز میں بارہ ہزار چیزیں ہیں جن کو حق تعالیٰ شانہٗ نے بارہ چیزوں میں مُنضم فرمایا ہے، ان بارہ کی رعایت ضروری ہے تاکہ نماز مکمّل ہو جائے اور اس کا پورا فائدہ حاصل ہو۔ یہ بارہ حسبِ ذیل ہیں:

اوّل علم، حضور ﷺ کا اِرشاد ہے کہ علم کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی جہل کی حالت کے

---

[1] جامع الصغیر

بہت سے عمل سے افضل ہے۔ دوسرے وضو، تیسرے لباس، چوتھے وقت، پانچویں قبلہ کی طرف رخ کرنا، چھٹے نیت، ساتویں تکبیرِ تحریمہ، آٹھویں نماز میں کھڑا ہونا، نویں قرآن شریف پڑھنا، دسویں رکوع، گیارھواں سجدہ، بارہویں التحیات میں بیٹھنا، اوران سب کی تکمیل اخلاص کے ساتھ ہے۔

پھران بارہ کے تین تین جزو ہیں: اوّل، علم کے تین جزو یہ ہیں کہ فرضوں اور سنتوں کو علیحدہ علیحدہ معلوم کرے، دوسرے یہ معلوم کرے کہ وضو اور نماز میں کتنی چیزیں فرض ہیں، کتنی سنت ہیں، تیسرے یہ معلوم کرے کہ شیطان کس کس مکر سے نماز میں رخنہ ڈالتا ہے۔

اس کے بعد وضو کے بھی تین جزو ہیں: اول یہ کہ دل کو کینہ اور حسد سے پاک کرے جیسا کہ ظاہری اعضاء کو پاک کر رہا ہے، دوسرے ظاہری اعضاء کو گناہوں سے پاک رکھے، تیسرے وضو کرنے میں نہ اسراف کرے نہ کوتاہی کرے۔

پھر لباس کے بھی تین جزو ہیں: اول یہ کہ حلال کمائی سے ہو، دوسرے یہ کہ پاک ہو، تیسرے سنت کے موافق ہو کہ ٹخنے وغیرہ ڈھکے ہوئے نہ ہوں، تکبر اور بڑائی کے طور پر نہ پہنا ہو۔

پھر وقت میں بھی تین چیزوں کی رعایت ضروری ہے: اول یہ کہ دھوپ ستاروں وغیرہ کی خبر گیری رکھے تا کہ اوقات صحیح معلوم ہو سکیں (اور ہمارے زمانہ میں اس کے قائم مقام گھڑی گھنٹے ہو گئے ہیں)، دوسرے اذان کی خبر رکھے، تیسرے دل سے ہر وقت نماز کے وقت کا خیال رکھے، کبھی ایسا نہ ہو کہ وقت گذر جائے پتہ نہ چلے۔

پھر قبلہ کی طرف منہ کرنے میں بھی تین چیزوں کی رعایت رکھے: اول یہ کہ ظاہری بدن سے ادھر متوجہ ہو، دوسرے یہ کہ دل سے اللہ کے طرف توجہ رکھے کہ دل کا کعبہ وہی ہے، تیسرے مالک کے سامنے جس طرح ہمہ تن متوجہ ہونا چاہئے اس طرح متوجہ ہو۔

پھر نیت بھی تین چیزوں کی محتاج ہے: اول یہ کہ کونسی نماز پڑھ رہا ہے، دوسرے یہ کہ اللہ کے سامنے کھڑا ہے اور وہ دیکھتا ہے، تیسرے یہ کہ وہ دل کی حالت کو بھی دیکھتا ہے۔

پھر تکبیرِ تحریمہ کے وقت بھی تین چیزوں کی رعایت کرنا ہے: اوّل یہ کہ لفظ صحیح ہو، دوسرے ہاتھوں کو کانوں تک اٹھائے (گویا اشارہ ہے کہ اللہ کے ماسوا سب چیزوں کو پیچھے

پھینک دیا)، تیسرے یہ کہ اللہ اکبر کہتے ہوئے اللہ کی بڑائی اور عظمت دل میں بھی موجود ہو۔

پھر قیام یعنی کھڑے ہونے میں بھی تین چیزیں ہیں: اوّل یہ کہ نگاہ سجدہ کی جگہ رہے، دوسرے دل سے اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کا خیال کرے، تیسرے کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہو۔ کہتے ہیں کہ جو شخص نماز میں اِدھر اُدھر متوجہ ہو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بڑی مشکل سے دربانوں کی منت سماجت کر کے بادشاہ کے حضور میں پہنچے اور جب رسائی ہو اور بادشاہ اس کی طرف متوجہ ہو تو وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگے، ایسی صورت میں بادشاہ اس کی طرف کیا توجہ کرے گا۔

پھر قراءت میں بھی تین چیزوں کی رعایت کرے: اوّل صحیح ترتیل سے پڑھے، دوسرے اس کے معنی پر غور کرے، تیسرے جو پڑھے اس پر عمل کرے۔

پھر رکوع میں بھی تین چیزیں ہیں: اوّل یہ کہ کمر کو رکوع میں بالکل سیدھا رکھے، نہ نیچا کرے نہ اونچا (علماء نے لکھا ہے کہ سر اور کمر اور سرین تینوں چیزیں برابر رہیں)، دوسرے ہاتھوں کی انگلیاں کھول کر چوڑی کر کے گھٹنوں پر رکھے۔ تیسرے تسبیحات کو عظمت اور وقار سے پڑھے۔

پھر سجدہ میں بھی تین چیزوں کی رعایت کرے: اوّل یہ کہ دونوں ہاتھ سجدہ میں کانوں کے برابر رہیں۔ دوسرے ہاتھوں کی کہنیاں کھڑی رہیں، تیسرے تسبیحات کو عظمت سے پڑھے۔

پھر بیٹھنے میں بھی تین چیزوں کی رعایت کرے: اول یہ کہ دایاں پاؤں کھڑا کرے اور بائیں پر بیٹھے، دوسرے یہ کہ عظمت کے ساتھ معنی کی رعایت کر کے تشہد پڑھے کہ اس میں حضور ﷺ پر سلام ہے، مؤمنین کے لئے دعا ہے، پھر فرشتوں پر اور دائیں بائیں جانب جو لوگ ہیں ان پر سلام کی نیت کرے۔

پھر اخلاص کے بھی تین جزو ہیں: اوّل یہ کہ اس نماز سے صرف اللہ کی خوشنودی مقصود ہو، دوسرے یہ سمجھے کہ اللہ ہی کی توفیق سے یہ نماز ادا ہوئی، تیسرے اس پر ثواب کی امید رکھے۔

حقیقت میں نماز میں بڑی خیر اور بڑی برکت ہے۔ اس کا ہر ذکر بہت سی خوبیوں کو اور اللہ کی بڑائیوں کو لئے ہوئے ہے۔ ایک سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ ہی کو دیکھ لیجئے جو سب سے

پہلی دعا ہے کہ کتنے فضائل پر حاوی ہے۔

سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ: یااللہ! تیری پاکی کا بیان کرتا ہوں کہ تو ہر عیب سے پاک ہے۔ ہر برائی سے دور ہے۔ وَبِحَمْدِكَ: جتنی تعریف کی باتیں ہیں اور جتنے بھی قابلِ مدح امور ہیں وہ سب تیرے لئے ثابت ہیں اور تجھے زیبا۔ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ: تیرا نام بابرکت ہے اور ایسا بابرکت ہے کہ جس چیز پر تیرا نام لیا جائے وہ بھی بابرکت ہو جاتی ہے۔

وَتَعَالٰى جَدُّكَ: تیری شان بہت بلند ہے، تیری عظمت سب سے بالاتر ہے۔ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ: تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں، نہ کوئی ذات پرستش کے لائق کبھی ہوئی، نہ ہے۔

اسی طرح رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ میرا عظمت اور بڑائی والا رب، ہر عیب سے بالکل پاک ہے۔ اس کی بڑائی کے سامنے اپنی عاجزی اور بیچارگی کا اظہار ہے کہ گردن کا بلند کرنا غرور اور تکبّر کی علامت ہے اور اس کا جھکا دینا نیاز مندی اور فرماں برداری کا اقرار ہے، تو رکوع میں گویا اس کا اقرار ہے کہ تیرے احکام کے سامنے اپنے کو جھکاتا ہوں اور تیری اطاعت اور بندگی کو اپنے سر پر رکھتا ہوں، میرا یہ گنہگار جسم تیرے سامنے حاضر ہے اور تیری بارگاہ میں جھکا ہوا ہے، تو بیشک بڑائی والا ہے اور تیری بڑائی کے سامنے میں سرنگوں ہوں۔ اسی طرح سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى میں بھی اللہ کی بے حد رفعت اور بلندی کا اقرار ہے اور اس بلندی کے ساتھ ہر برائی اور عیب سے پاکی کا اقرار ہے، اپنے سر کو اس کے سامنے ڈال دینا ہے جو سارے اعضاء میں اشرف شمار کیا جاتا ہے اور اس میں محبوب ترین چیزیں آنکھ، کان، ناک، زبان ہیں۔ گویا اس کا اقرار ہے کہ میری یہ سب اشرف اور محبوب چیزیں تیرے حضور میں حاضر اور تیرے سامنے زمین پر پڑی ہوئی ہیں اس امید پر کہ تو مجھ پر فضل فرمائے اور رحم کرے، اور اس عاجزی کا پہلا ظہور اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر مؤدب کھڑے ہونے میں تھا، اس پر ترقی اس کے سامنے سر جھکا دینے میں تھی اور اس پر بھی ترقی اس کے سامنے زمین پر ناک رگڑنے اور سر رکھ دینے میں ہے۔ اسی طرح پوری نماز کی حالت ہے اور حق یہ ہے کہ یہی اصلی ہیئت نماز کی ہے اور یہی ہے وہ نماز جو دین و دنیا کی فلاح و بہبود کا زینہ ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف سے مجھے اور سب مسلمانوں کو اس پر عمل

کی توفیق عطا فرمائے۔

اور جیسا کہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے فقہائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہی نماز تھی۔ وہ جب نماز میں کھڑے ہوتے تھے اللہ سے ڈرتے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ جب وضو فرماتے تو چہرہ کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا۔ کسی نے پوچھا: یہ کیا بات ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ ایک بڑے جبّار بادشاہ کے حضور میں کھڑے ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ پھر وضو کر کے جب مسجد میں تشریف لے جاتے تو مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہو کر یہ فرماتے: "اِلٰهِیْ عَبْدُكَ بِبَابِكَ، یَا مُحْسِنُ! قَدْ اَتَاكَ الْمُسِیْءُ، وَقَدْ اَمَرْتَ الْمُحْسِنَ مِنَّا اَنْ یَّتَجَاوَزَ عَنِ الْمُسِیْءِ فَاَنْتَ الْمُحْسِنُ وَاَنَا الْمُسِیْءُ فَتَجَاوَزْ عَنْ قَبِیْحِ مَا عِنْدِیْ بِجَمِیْلِ مَا عِنْدَكَ یَا كَرِیْمُ" (ترجمہ) "یا اللہ! تیرا بندہ دروازہ پر حاضر ہے۔ اے احسان کرنے والے اور بھلائی کا برتاؤ کرنے والے! بداعمال تیرے پاس حاضر ہے، تو نے ہم لوگوں کو یہ حکم فرمایا ہے کہ اچھے لوگ بروں سے درگذر کریں۔ تو اچھائی والا ہے اور میں بدکار ہوں۔ اے کریم! میری برائیوں سے ان خوبیوں کی بدولت جن کا تو مالک ہے درگذر فرما۔" اس کے بعد مسجد میں داخل ہوتے۔

حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ روزانہ ایک ہزار رکعت پڑھتے تھے، تہجد کبھی سفر یا حضر میں ناغہ نہیں ہوا، جب وضو کرتے تو چہرہ زرد ہو جاتا تھا اور جب نماز کو کھڑے ہوتے تو بدن پر لرزہ آ جاتا۔ کسی نے دریافت کیا تو فرمایا: کیا تمہیں خبر نہیں کہ کس کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں؟ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے کہ گھر میں آگ لگ گئی، یہ نماز میں مشغول رہے۔ لوگوں نے عرض کیا تو فرمایا کہ دنیا کی آگ سے آخرت کی آگ نے غافل رکھا۔ آپ کا ارشاد ہے کہ مجھے تکبر کرنے والے پر تعجب ہے کہ کل تک ناپاک نطفہ تھا اور کل کو مردار ہو جائے گا پھر تکبر کرتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ تعجب ہے کہ لوگ فنا ہونے والے گھر کے لئے تو فکر کرتے ہیں، ہمیشہ رہنے والے گھر کی فکر نہیں کرتے۔ آپ کا معمول تھا کہ رات کو چھپ کر صدقہ کیا کرتے، لوگوں کو یہ خبر بھی نہ ہوتی کہ کس نے دیا۔ جب آپ کا انتقال ہوا تو سو گھر ایسے نکلے جن کا گذارہ آپ کی اعانت پر تھا۔[1]

---

[1] نزہۃ البساتین

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے متعلق نقل کیا گیا ہے کہ جب نماز کا وقت آتا تو چہرہ کا رنگ بدل جاتا، بدن پر کپکپی آجاتی۔ کسی نے پوچھا تو اِرشاد فرمایا کہ اس امانت کے ادا کرنے کا وقت ہے جس کو آسمان وزمین نہ اُٹھا سکے، پہاڑ اس کے اٹھانے سے عاجز ہو گئے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس کو پورا کرسکوں گا یا نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جب اذان کی آواز سنتے تو اس قدر روتے کہ چادر تر ہو جاتی، رگیں پھول جاتیں، آنکھیں سرخ ہو جاتیں۔ کسی نے عرض کیا کہ ہم تو اذان سنتے ہیں مگر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا، آپ اس قدر گھبراتے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ مؤذن کیا کہتا ہے تو راحت وآرام سے محروم ہو جائیں اور نیند اُڑ جائے۔ اس کے بعد اذان کے ہر ہر جملہ کی تنبیہ کو مفصّل ذکر فرمایا۔

ایک شخص نقل کرتے ہیں کہ میں نے ذُوالنُّون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی جب انہوں نے اللہ اکبر کہا تو لفظ اللہ کے وقت ان پر جلالِ الٰہی کا ایسا غلبہ تھا گویا ان کے بدن میں روح نہیں رہی، بالکل مبہوت سے ہو گئے اور جب اکبر زبان سے کہا تو میرا دل ان کی اس تکبیر کی ہیبت سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔[1]

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ مشہور بزرگ اور افضل ترین تابعی ہیں۔ بعض مرتبہ رکوع کرتے اور تمام رات اسی حالت میں گذار دیتے۔ کبھی سجدہ میں یہی حالت ہوتی کہ تمام رات ایک ہی سجدہ میں گذار دیتے۔[2]

عِصام رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حاتم زاہد بلخی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ نماز کس طرح پڑھتے ہیں؟ فرمایا کہ جب نماز کا وقت آتا ہے اوّل نہایت اطمینان سے اچھی طرح وضو کرتا ہوں، پھر اس جگہ پہنچتا ہوں جہاں نماز پڑھنا ہے اور اوّل نہایت اطمینان سے کھڑا ہوتا ہوں کہ گویا کعبہ میرے منہ کے سامنے ہے اور میرا پاؤں پل صراط پر ہے، داہنی طرف جنّت ہے اور بائیں طرف دوزخ ہے۔ موت کا فرشتہ میرے سر پر ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ میری آخری نماز ہے، پھر کوئی اور نماز شاید میسّر نہ ہو اور میرے دل کی حالت کو اللہ ہی جانتا ہے، اس کے بعد نہایت عاجزی کے ساتھ "اللہ اکبر" کہتا ہوں، پھر معنی کو سوچ کر قرآن پڑھتا

[1] نزہۃ المجالسین، [2] ایضاً

ہوں، تواضع کے ساتھ رکوع کرتا ہوں، عاجزی کے ساتھ سجدہ کرتا ہوں اور اطمینان سے نماز پوری کرتا ہوں، اس طرح کہ اللہ کی رحمت سے اس کے قبول ہونے کی امید رکھتا ہوں اور اپنے اعمال سے مردود ہو جانے کا خوف کرتا ہوں۔ عصام رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ کتنی مدت سے آپ ایسی نماز پڑھتے ہیں؟ حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: تیس برس سے۔ عصام رحمۃ اللہ علیہ رونے لگے کہ مجھے ایک بھی نماز ایسی نصیب نہ ہوئی۔ کہتے ہیں کہ حاتم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مرتبہ جماعت فوت ہوگئی جس کا بے حد اثر تھا، ایک دو ملنے والوں نے تعزیت کی۔ اس پر رونے لگے اور یہ فرمایا کہ اگر میرا ایک بیٹا مر جاتا تو آدھا بلخ تعزیت کرتا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ دس ہزار آدمیوں سے زیادہ تعزیت کرتے، جماعت کے فوت ہونے پر ایک دو آدمیوں نے تعزیت کی۔ یہ صرف اس وجہ سے کہ دین کی مصیبت لوگوں کی نگاہ میں دنیا کی مصیبت سے ہلکی ہے۔

حضرت سعید بن المُسیّب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بیس برس کے عرصہ میں کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ اذان ہوئی ہو اور میں مسجد میں پہلے سے موجود نہ ہوں۔ محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے دنیا میں صرف تین چیزیں چاہئیں: ایک ایسا دوست ہو جو میری لغزشوں پر مُتنبّہ کرتا رہے۔ ایک بقدر زندگی روزی جس میں کوئی جھگڑا نہ ہو۔ ایک جماعت کی نماز ایسی کہ اس میں جو کوتاہی ہو جائے وہ تو معاف ہو، اور جو ثواب ہو وہ مجھے مل جائے۔

حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد فرمانے لگے کہ شیطان نے اس وقت مجھ پر ایک حملہ کیا۔ میرے دل میں یہ خیال ڈالا کہ میں افضل ہوں (اس لئے کہ افضل کو امام بنایا جاتا ہے) آئندہ کبھی بھی نماز نہیں پڑھاؤں گا۔ میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لے گئے تو جماعت ہو چکی تھی "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○" پڑھا اور فرمایا کہ نماز کی فضیلت مجھے عراق کی سلطنت سے بھی زیادہ محبوب تھی۔

کہتے ہیں کہ ان حضراتِ کرام میں سے جس کی تکبیر اولیٰ فوت ہو جاتی تین دن تک اس کا رنج کرتے تھے اور جس کی جماعت جاتی رہتی سات دن تک اس کا افسوس کرتے تھے۔[1]

بکر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر تو اپنے مالک، اپنے مولا سے بلاواسطہ بات

---

[1] احیاء

کرنا چاہے تو جب چاہے کرسکتا ہے، کسی نے پوچھا کہ اس کی کیا صورت ہے؟ فرمایا کہ اچھی طرح وضو کر اور نماز کی نیت باندھ لے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے باتیں کرتے تھے اور ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرتے تھے، لیکن جب نماز کا وقت آجاتا تو ایسے ہو جاتے گویا ہم کو پہنچانتے ہی نہیں اور ہمہ تن اللہ کی طرف مشغول ہو جاتے تھے۔

سعید تنوخی رحمۃ اللہ علیہ جب تک نماز پڑھتے رہتے مسلسل آنسوؤں کی لڑی رخساروں پر جاری رہتی۔ خلف بن ایوب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ یہ مکھیاں تم کو نماز میں دِق نہیں کرتیں؟ کہنے لگے کہ میں اپنے کو کسی ایسی چیز کا عادی نہیں بناتا جس سے نماز میں نقصان آئے۔ یہ بدکار لوگ حکومت کے کوڑوں کو برداشت کرتے رہتے ہیں محض اتنی سی بات کے لئے کہ لوگ کہیں گے کہ بڑا متحمل مزاج ہے اور پھر اس کو فخریہ بیان کرتے ہیں۔ میں اپنے مالک کے سامنے کھڑا ہوں اور ایک مکھی کی وجہ سے حرکت کرنے لگوں۔

بہجۃ النفوس میں لکھا ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ رات کو نماز پڑھ رہے تھے ایک چور آیا اور گھوڑا کھول کر لے گیا، لے جاتے ہوئے اس پر نظر بھی پڑ گئی مگر نماز نہ توڑی، بعد میں کسی نے کہا بھی کہ آپ نے پکڑ نہ لیا؟ فرمایا: جس چیز میں مشغول تھا وہ اس سے بہت اونچی تھی۔

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کا تو قصہ مشہور ہے کہ جب لڑائی میں ان کے تیر لگ جاتے تو وہ نماز ہی میں نکالے جاتے، چنانچہ ایک مرتبہ ران میں ایک تیر گھس گیا۔ لوگوں نے نکالنے کی کوشش کی، نہ نکل سکا۔ آپس میں مشورہ کیا کہ جب یہ نماز میں مشغول ہوں اس وقت نکالا جائے۔ آپ نے جب نفلیں شروع کیں اور سجدہ میں گئے تو ان لوگوں نے اس کو زور سے کھینچ لیا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آس پاس مجمع دیکھا۔ فرمایا: کیا تم تیر نکالنے کے واسطے آئے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا کہ وہ تو ہم نے نکال بھی لیا۔ آپ نے فرمایا: مجھے خبر ہی نہیں ہوئی۔

مسلم بن یسار رحمۃ اللہ علیہ جب نماز پڑھتے تو گھر والوں سے کہہ دیتے کہ تم باتیں کرتے رہو، مجھے تمہاری باتوں کا پتہ نہیں چلے گا۔ ربیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب نماز میں کھڑا ہوتا ہوں، مجھ پر اس کا فکر سوار ہو جاتا ہے کہ مجھ سے کیا کیا سوال و جواب ہوگا۔ عامر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ جب نماز پڑھتے تو گھر والوں کی باتوں کی تو کیا خبر ہوتی، ڈھول کی

آواز کا بھی پتہ نہ چلتا تھا۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ تمہیں نماز میں کسی چیز کی بھی خبر ہوتی ہے؟ فرمایا: ہاں! مجھے اس کی خبر ہوتی ہے کہ ایک دن اللہ کی بارگاہ میں کھڑا ہونا ہوگا اور دونوں گھروں جنت یا دوزخ میں سے ایک میں جانا ہوگا۔ انہوں نے عرض کیا۔ یہ نہیں پوچھتا، ہماری باتوں میں سے بھی کسی کی خبر ہوتی ہے؟ فرمایا کہ مجھ میں نیزوں کی بھالیں گھس جائیں یہ زیادہ اچھا ہے اس سے کہ مجھے نماز میں تمہاری باتوں کا پتہ چلے۔ ان کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر آخرت کا منظر اس وقت میرے سامنے ہو جائے تو میرے یقین اور ایمان میں اِضافہ نہ ہو (کہ غیب پر ایمان اتنا ہی پختہ ہے جتنا مشاہدہ پر ہوتا ہے)۔

ایک صاحب کا کوئی عضو خراب ہو گیا تھا جس کے لئے اس کے کاٹنے کی ضرورت تھی۔ لوگوں نے تجویز کیا کہ جب یہ نماز کی نیت باندھیں اس وقت کاٹنا چاہئے، ان کو پتہ بھی نہ چلے گا، چنانچہ نماز پڑھتے ہوئے اس عضو کو کاٹ دیا گیا۔ ایک صاحب سے پوچھا گیا کہ کیا تمہیں نماز میں دنیا کا بھی خیال آجاتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ نہ نماز میں آتا ہے نہ بغیر نماز کے۔ ایک اور صاحب کا قصہ لکھا ہے کہ ان سے کسی نے دریافت کیا کہ تمہیں نماز میں کوئی چیز یاد آجاتی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ نماز سے بھی زیادہ کوئی محبوب چیز ہے جو نماز میں یاد آئے۔

''بَہجَۃُ النفوس'' میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ کی خدمت میں ایک شخص ملنے کے لئے آیا، وہ ظہر کی نماز میں مشغول تھے، وہ انتظار میں بیٹھ گیا۔ جب نماز سے فارغ ہو چکے تو نفلوں میں مشغول ہو گئے اور عصر تک نفلیں پڑھتے رہے۔ یہ انتظار میں بیٹھا رہا۔ نفلوں سے فارغ ہوئے تو عصر کی نماز شروع کر دی اور اس سے فارغ ہو کر دعا میں مشغول ہو گئے اور مغرب تک مشغول رہے۔ پھر مغرب کی نماز پڑھی اور نفلیں شروع کر دیں۔ عشاء تک اس میں مشغول رہے۔ یہ بیچارہ انتظار میں بیٹھا رہا۔ عشاء کی نماز پڑھ کر پھر نفلوں کی نیت باندھ لی اور صبح تک اس میں مشغول رہے۔ پھر صبح کی نماز پڑھی اور ذکر شروع کر دیا اور اوراد و وظائف پڑھتے رہے۔ اسی میں مصلے پر بیٹھے بیٹھے آنکھ جھپک گئی تو فوراً آنکھوں کو ملتے ہوئے اٹھے۔ استغفار و توبہ کرنے لگے اور یہ دعا پڑھی: ''اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ عَیْنٍ لَّا تَشْبَعُ مِنَ النَّوْمِ'' (اللہ ہی سے پناہ مانگتا ہوں ایسی آنکھ سے جو نیند سے بھرتی ہی نہیں)۔

ایک صاحب کا قصہ لکھا ہے کہ وہ رات کو سونے لیٹتے تو کوشش کرتے کہ آنکھ لگ جائے،

مگر جب نیند نہ آتی تو اٹھ کر نماز میں مشغول ہو جاتے اور عرض کرتے، یا اللہ! تجھ کو معلوم ہے کہ جہنم کی آگ کے خوف نے میری نیند اُڑا دی اور یہ کہہ کر صبح تک نماز میں مشغول رہتے۔

ساری رات بے چینی اور اضطراب یا شوق واشتیاق میں جاگ کر گذار دینے کے واقعات اس کثرت سے ہیں کہ ان کا احاطہ ممکن نہیں۔ ہم لوگ اس لذت سے اتنے دور ہو گئے ہیں کہ ہم کو ان واقعات کی صحت میں بھی تردّد ہونے لگا، لیکن اول تو جس کثرت اور تواتر سے یہ واقعات نقل کئے گئے ہیں ان کی تردید میں ساری ہی تواریخ سے اعتماد اٹھتا ہے کہ واقعہ کی صحت کثرتِ نقل ہی سے ثابت ہوتی ہے۔ دوسرے ہم لوگ اپنی آنکھوں سے ایسے لوگوں کو آئے دن دیکھتے ہیں جو سینما اور تھیٹر میں ساری رات کھڑے کھڑے گذار دیتے ہیں کہ نہ ان کو تعب ہوتا ہے نہ نیند ستاتی ہے۔ پھر کیا وجہ کہ ہم ایسے معاصی کی لذتوں کا یقین کرنے کے باوجود ان طاعات کی لذتوں کا انکار کریں حالانکہ طاعات میں اللہ تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ کی طرف سے قوت بھی عطا ہوتی ہے۔ ہمارے اس تردد کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہم ان لذتوں سے ناآشنا ہیں اور نابالغ بلوغ کی لذتوں سے ناواقف ہوتا ہی ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ اس لذت تک پہنچا دیں تو زہے نصیب۔

آخری گذارش

صوفیہ نے لکھا ہے کہ نماز حقیقت میں اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے ساتھ مُناجات کرنا اور ہم کلام ہونا ہے جو غفلت کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتا۔ نماز کے علاوہ اور عبادتیں غفلت سے بھی ہو سکتی ہیں مثلاً زکوٰۃ ہے کہ اس کی حقیقت مال کا خرچ کرنا ہے۔ یہ خود ہی نفس کو اتنا شاق ہے کہ اگر غفلت کے ساتھ ہو تب بھی نفس کو شاق گذرے گا، اسی طرح روزہ دن بھر کا بھوکا پیاسا رہنا صحبت کی لذت سے رکنا کہ یہ سب چیزیں نفس کو مغلوب کرنے والی ہیں، غفلت سے بھی اگر متحقق ہوں تو نفس کی شدت اور تیزی پر اثر پڑیگا، لیکن نماز کا معظم حصہ ذکر ہے، قراءت قرآن ہے۔ یہ چیزیں اگر غفلت کی حالت میں ہوں تو مناجات یا کلام نہیں ہیں، ایسی ہی ہیں جیسے کہ بخار کی حالت میں ہذیان ہوتی ہے کہ جو چیز دل میں ہوتی ہے وہ زبان پر ایسے اوقات میں جاری ہو جاتی ہے، نہ اس میں کوئی مشقت ہوتی ہے نہ کوئی نفع۔ اسی طرح چونکہ نماز کی

عادت پڑ گئی ہے اس لئے اگر توجہ نہ ہو تو عادت کے موافق بلا سوچے سمجھے زبان سے الفاظ نکلتے رہیں گے جیسا کہ سونے کی حالت میں اکثر باتیں زبان سے نکلتی ہیں کہ نہ سننے والا اس کو اپنے سے کلام سمجھتا ہے نہ اس کا کوئی فائدہ ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ شانہٗ بھی ایسی نماز کی طرف التفات اور توجہ نہیں فرماتے جو بلا ارادہ کے ہو۔ اس لئے نہایت اہم ہے کہ نماز اپنی وسعت و ہمت کے موافق پوری توجہ سے پڑھی جائے، لیکن یہ امر نہایت ضروری ہے کہ اگر یہ حالات اور کیفیات جو پچھلوں کی معلوم ہوئی ہیں حاصل نہ بھی ہوں تب بھی نماز جس حال سے بھی ممکن ہو ضرور پڑھی جائے۔ یہ بھی شیطان کا ایک سخت ترین مکر ہوتا ہے، وہ یہ سمجھائے کہ بری طرح پڑھنے سے تو نہ پڑھنا ہی اچھا ہے، یہ غلط ہے، نہ پڑھنے سے بری طرح کا پڑھنا ہی بہتر ہے، اس لئے کہ نہ پڑھنے کا جو عذاب ہے وہ نہایت ہی سخت ہے، حتیٰ کہ علماء کی ایک جماعت نے اس شخص کے کفر کا فتویٰ دیا ہے جو جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے جیسا کہ پہلے باب میں مفصل گذر چکا ہے، البتہ اس کی کوشش ضرور ہونا چاہئے کہ نماز کا جو حق ہے اور اپنے اکابر اس کے مطابق پڑھ کر دکھا گئے ہیں حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف سے اس کی توفیق عطا فرمائیں اور عمر بھر میں کم از کم ایک ہی نماز ایسی ہو جائے جو پیش کرنے کا قابل ہو۔ اخیر میں اس امر پر تنبیہ بھی ضروری ہے کہ حضرات محدثین رحمہم اللہ اجمعین کے نزدیک فضائل کی روایات میں توسع ہے اور معمولی ضعف قابل تسامح۔ باقی صوفیۂ کرام رحمہم اللہ کے واقعات تو تاریخی حیثیت رکھتے ہی ہیں اور ظاہر ہے کہ تاریخ کا درجہ حدیث کے درجہ سے کہیں کم ہے۔ وَمَا تَوْفِيقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ، رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِنْ نَّسِيْنَا أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ، رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ، وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ . وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَأَتْبَاعِهِمْ وَحَمَلَةِ الدِّيْنِ الْمَتِيْنِ، بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

محمد زکریا عفی عنہ کاندھلوی

شب دوشنبہ ۷ محرم ۱۳۵۸ھ

Specialist in
DIGITIZING ISLAMIC BOOKS
Contact: noorbari786@gmail.com
Visit: noorhiraislamicbooks.com
١١ ذالقعدہ ١٤٤٦

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ

کیا ایمان والوں کیلئے اس کا وقت نہیں آیا کہ اُنکے دل اللہ کے ذکر کیلئے جُھک جائیں



برکاتِ ذِکر

یعنی

فضائلِ ذِکر

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ

DIGITIZED ISLAMIC BOOKS
noorhiraislamicbooks.com

فہرست مضامین فضائل ذِکر

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	تمہید	۴۵۴
	باب اوّل (فضائلِ ذکر)	۴۵۶
	فصل اوّل (آیاتِ ذکر)	۴۵۶
	فصل ثانی (احادیثِ ذکر)	۴۶۹
۱	اللہ کے ساتھ نیک گمانی۔	۴۶۹
۲	آدمی افضل ہے یا فرشتہ۔	۴۷۳

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳	ذکر کے ساتھ رطبُ اللّسان رہنے کی تاکید۔	۴۷۳
۴	بہترین عمل اللہ کا ذکر ہے۔	۴۷۵
۵	بستروں پر ذکر کرنے والے بھی افضل ہیں۔	۴۷۷
۶	ذکر کرنے والا زندہ ہے، نہ کرنے والا مردہ۔	۴۷۸
۷	ذکر کرنے والا روپے تقسیم کرنے والے سے افضل ہے۔	۴۷۹
۸	جنتیوں کا ذکر سے خالی وقت پر افسوس۔	۴۸۰
۹	ذکر کرنے والوں کو فرشتوں کا گھیر لینا۔	۴۸۱
۱۰	اللہ تعالیٰ کا ذاکرین پر فخر۔	۴۸۴
۱۱	ذاکرین کی خطاؤں کا تبادلہ۔	۴۸۵
۱۲	عذابِ قبر سے ذاکر کی حفاظت۔	۴۹۱
۱۳	ذاکرین نُور کے ممبروں پر۔	۴۹۳
۱۴	ذکر کے حلقے جنّت کے باغ ہیں	۴۹۶
۱۵	شیطان کے وسوسہ ڈالنے کی صورت	۴۹۸
۱۶	اللہ کا ذکر ایسا کرو کہ لوگ مجنوں کہنے لگیں	۴۹۹
۱۷	سونے کی تختی پر نصائح	۴۹۹
۱۸	ذاکر قیامت میں عرش کے سایہ تلے	۵۰۲
۱۹	عقلمند وہ لوگ ہیں جو ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے ہیں	۵۰۴
۲۰	غور و فکر یعنی مراقبہ	۵۰۴
۲۱	حضور اکرم ﷺ کو ذاکرین کے پاس بیٹھنے کا حکم	۵۰۷
۲۲	نماز فجر اور عصر کے بعد ذکر کی تاکید	۵۱۰
۲۳	ذکر اور علم کے علاوہ دنیا ملعون ہے	۵۱۱
۲۴	ذکر اللہ کی سو سے زیادہ برکات	۵۱۳

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	باب دوم (کلمہ طیّبہ کے فضائل)	۵۲۵
	فصل اوّل (اُن آیات میں جن سے کلمہ مراد ہے)	۵۲۶
	فصل دوم (اُن آیات میں جن میں کلمہ وارد ہے)	۵۳۷
	فصل سوم (فضائل کلمہ کی احادیث میں)	۵۴۰
۱	افضل ترین ذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ہے	۵۴۰
۲	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خُصوصی درخواست پر کلمہ کی تعلیم	۵۴۲
۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کلمہ والے کے لئے	۵۴۳
۴	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے انواع	۵۴۴
۵	کلمہ کا اخلاص یہ ہے کہ محرمات سے روک دے	۵۴۵
۶	گناہوں کی نحوست سے ایمان جاتا رہتا ہے	۵۴۶
۷	لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ عرش تک پہنچتا ہے	۵۴۷
۸	حضورؐ کا کواڑ بند کروا کر کلمہ پڑھوانا	۵۴۸
۹	ایمان کی تجدید اور کلمہ کی کثرت کا حکم	۵۴۹
۱۰	اخلاص سے کلمہ پڑھ کر مرنے والے پر جہنّم حرام ہے	۵۵۰
۱۱	جنّت کی کنجی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ہے	۵۵۱
۱۲	لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اعمال نامہ میں سے بُرائیاں دھو دیتا ہے	۵۵۲
۱۳	کلمہ سے عرش کا ستون حرکت میں آتا ہے	۵۵۲
۱۴	لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ والوں کو وحشت نہیں ہوتی	۵۵۴
۱۵	لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ننانوے دفتروں کے مقابلہ میں	۵۵۶
۱۶	کلمہ طیّبہ آسمان و زمین وغیرہ سب پر غالب ہے	۵۵۸
۱۷	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اُمّتِ محمدیہ پر کلمہ سہل ہے	۵۶۰
۱۸	لَآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہ جنّت کے دروازے پر	۵۶۲
۱۹	افضل ترین کلمہ اور افضل ترین دعا	۵۶۳
۲۰	شیطان کا قول ہے کہ کلمہ طیّبہ اور استغفار نے مجھے ہلاک کر دیا	۵۶۴

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۱	کلمہ کی برکات موت کے وقت	۵۶۶
۲۲	حضور ﷺ کا اپنے چچا ابوطالب پر کلمہ پیش کرنا	۵۷۰
۲۳	حضرت آدم علیہ السلام کا حضور ﷺ کے وسیلہ سے توبہ کرنا	۵۷۵
۲۴	اسم اعظم اور نظر کی دعا	۵۷۷
۲۵	حضرت نوح علیہ السلام کی اپنے بیٹوں کو وصیت	۵۸۱
۲۶	بُرائی کو بھلائی سے دھونے کا حکم	۵۸۵
۲۷	ایک مخصوص کلمہ پر چالیس ہزار نیکیاں	۵۸۶
۲۸	وضو کے بعد کلمہ پر آٹھوں دروازے جنّت کے کھلنا	۵۸۸
۲۹	سو۱۰۰ مرتبہ کلمہ پڑھنے والے کا منہ بدر کی طرح	۵۸۹
۳۰	بچوں کو ابتداء کلمہ کی تلقین کی برکت	۵۸۹
۳۱	لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ سے نہ کوئی عمل بڑھ سکتا ہے	۵۹۲
۳۲	ایمان کے ستر شعبے اور ان کی تفصیل	۵۹۳
	باب سوم (تیسرا کلمہ)	۵۹۹
	فصل اوّل (قرآن پاک میں کلمات مذکورہ تسبیح، تحمید، تکبیر وارد ہیں)	۵۹۹
	فصل دوم (احادیث میں کلمات مذکورہ کے فضائل)	۶۲۵
۱	قیامت میں اللہ کی نعمتوں کا حساب ہوگا	۶۲۷
۲	جنّت کے درخت یہ کلمات ہیں	۶۳۲
۳	فُقَراء کی شکایت کہ مال دار ثواب میں بڑھ جاتے ہیں	۶۳۵
۴	باطل میں اعانت کرنے والا اللہ کے غصّہ میں ہے	۶۵۱
۵	اُنگلیوں سے قیامت میں سُوال اور اُن پر گننے کی فضیلت	۶۵۵
۶	گٹھلیوں پر گننے اور تسبیح متعارف کا جواز	۶۶۰
۷	حضرت فاطمہ زَہرا رضی اللہ عنہا کا خادم مانگنا اور حضور ﷺ کا اس کی بجائے تسبیح کا تلقین فرمانا	۶۶۴
۸	خاتمہ اور صلوٰۃ التسبیح	۶۶۹
	تمت بالخیر	۶۷۸

تمہید

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ، وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ حَمَلَۃِ الدِّیْنِ الْقَوِیْمِ.

اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ عَمَّ نَوَالُہٗ کے پاک نام میں جو برکت، لذت، حلاوت، سرور، طُمانیت ہے وہ کسی ایسے شخص سے مخفی نہیں جو کچھ دن اس پاک نام کی رٹ لگا چکا ہو اور ایک زمانہ تک اس کو حرزِ جان بنا چکا ہو۔ یہ پاک نام دلوں کا سرور اور طمانیت کا باعث ہے۔ خود حق تعالیٰ شانہٗ کا اِرشاد ہے "اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ" ○ (الرعد:۲۸) ترجمہ: "خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر (میں یہ خاصیت ہے کہ اس) سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے"۔ آج کل عام طور سے عالم میں پریشانی ہے۔ روزانہ ڈاک میں اکثر و بیشتر مختلف نوع سے پریشانیوں ہی کا تذکرہ اور تفکُّرات ہی کی داستان ہوتی ہے۔

اس رسالہ کا مقصد یہی ہے کہ جو لوگ پریشان حال ہیں خواہ انفرادی طور پر یا اجتماعی طریقہ سے ان کو اپنے درد کی دوا معلوم ہو جائے اور اللہ کے ذکر کے فضائل کی عام اشاعت سے سعید و مبارک ہستیاں بہرہ مند ہو جائیں۔ کیا بعید ہے کہ اس رسالہ کے دیکھنے سے کسی کو اخلاص سے اس پاک نام کے لینے کی توفیق ہو جائے اور یہ مجھ ناکارہ و بے عمل کے لئے بھی ایسے وقت میں کام آ جائے جس وقت صرف عمل ہی کام آتا ہے۔ باقی اللہ تعالیٰ بلا عمل بھی اپنے فضل سے کسی کی دستگیری فرمالیں یہ دوسری بات ہے۔ اس کے علاوہ اس وقت ایک خاص محرک یہ بھی پیش آیا کہ حق تعالیٰ شانہٗ عَمَّ نَوَالُہٗ نے اپنے لطف و احسان سے میرے عم محترم حضرت مولانا الحافظ الحاج محمد الیاس صاحب کاندھلوی مقیم نظام الدین دہلی کو تبلیغ میں ایک خاص ملکہ اور جذبہ عطا فرمایا ہے جس کی وہ سرگرمیاں جو ہند سے مُتجاوز ہو کر حجاز تک بھی پہنچ گئی ہیں کسی تعارف کی محتاج نہیں رہیں۔ اس کے ثمرات سے ہند و بیرون ہند عموماً اور خطۂ میوات خصوصاً جس قدر مُتمتّع اور مُنتفع ہوا اور ہو رہا ہے وہ واقفین سے مخفی نہیں۔ ان کے اصولِ تبلیغ سب ہی نہایت پختہ، مضبوط اور ٹھوس ہیں اور جن کے لئے عادۃً ثمرات و

برکات لازم ہیں۔ان کے اہم ترین اصول میں سے یہ بھی ہے کہ مبلّغین ذکر کا اہتمام رکھیں اور بالخصوص تبلیغی اوقات میں ذکرِ الٰہی کی کثرت کی جائے۔اس ضابطہ کی برکات آنکھوں سے دیکھیں، کانوں سے سنیں جس کی وجہ سے اس کی ضرورت خود بھی محسوس ہوئی اور آن مخدوم کا بھی ارشاد ہوا کہ فضائلِ ذکر کو ان لوگوں تک پہنچایا جائے تا کہ جو لوگ محض تعمیلِ ارشاد میں اب تک اس کا اہتمام کرتے ہیں، وہ اس کے فضائل معلوم ہونے کے بعد خود اپنے شوق سے بھی اس کا اہتمام کریں کہ اللہ کا ذکر بڑی دولت ہے۔اس کے فضائل کا اِحاطہ نہ تو مجھ جیسے بے بِضاعت کے امکان میں ہے اور نہ واقع میں ممکن ہے اس لئے مختصر طور پر اس رسالہ میں چند روایات ذکر کرتا ہوں اور اس کو تین بابوں پر منقسم کرتا ہوں۔

باب اوّل: مطلق ذکر کے فضائل میں۔
باب دوم: افضل الذکر کلمہ طیبہ کے بیان میں۔
باب سوم: کلمہ سوئم یعنی تسبیحاتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بیان میں۔

اوّل باب

فضائل ذِکر

اللہ تعالیٰ شانہٗ کے پاک ذِکر میں اگر کوئی آیت یا حدیثِ نبوی نہ بھی وارد ہوتی تب بھی اس مُنعِم حقیقی کا ذِکر ایسا تھا کہ بندہ کو کسی آن بھی اس سے غافل نہ ہونا چاہئے تھا کہ اس ذات پاک کے اِنعام واحسان ہر آن اتنے کثیر ہیں جن کی نہ کوئی انتہا ہے نہ مثال۔ ایسے منعِم کا ذکر، اس کی یاد، اس کا شکر، اس کی اِحسان مندی فطری چیز ہے۔

خداوندِ عالَم کے قربان میں کرم جس کے لاکھوں ہیں ہر آن میں

لیکن اس کے ساتھ جب قرآن وحدیث اور بزرگوں کے اقوال واحوال اس پاک ذکر کی ترغیب وتحریص سے بھرے ہوئے ہیں تو پھر کیا پوچھنا ہے اس پاک ذکر کی بَرَکات کا، اور کیا ٹھکانہ ہے اس کے انوار کا۔ تاہم اول چند آیات پھر چند احادیث اس مبارک ذکر کے متعلق پیش کرتا ہوں۔

فصلِ اوّل آیاتِ ذکر میں

(۱) فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ○ (البقرۃ:۱۵۲)

پس تم میری یاد کرو (میرا ذکر کرو) میں تمہیں یاد رکھونگا اور میرا شکر ادا کرتے رہو، اور ناشکری نہ کرو۔

(۲) فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ○ (البقرۃ:۱۹۸)

پھر جب تم (حج کے موقعہ میں) عرفات سے واپس آ جاؤ تو مزدلفہ میں (ٹھہر کر) اللہ کو یاد کرو اور اس طرح یاد کرو جس طرح تم کو بتلا رکھا ہے۔ درحقیقت تم اس سے پہلے محض ناواقف تھے۔

(۳) فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا

پھر جب تم حج کے اعمال پورے کر چکو تو

اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ (البقرۃ: ۲۰۰، ۲۰۲)

اللہ کا ذکر کیا کرو جس طرح تم اپنے آباء (واجداد) کا ذکر کیا کرتے ہو (کہ ان کی تعریفوں میں رَطبُ اللّسان ہوتے ہو) بلکہ اللہ کا ذکر اس سے بھی بڑھ کر ہونا چاہئے۔ پھر (جو لوگ اللہ کو یاد بھی کر لیتے ہیں اُن میں سے) بعض تو ایسے ہیں (جو اپنی دعاؤں میں) یوں کہتے ہیں: اے پروردِگار! ہمیں تو دنیا ہی میں دے دے (سو ان کو تو جو ملنا ہوگا دنیا ہی میں مل جائے گا) اور ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور بعض آدمی یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردِگار! ہم کو دنیا میں بھی بہتری عطا فرما اور آخرت میں بھی بہتری عطا کر اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔ سو یہی ہیں جن کو ان کے عمل کی وجہ سے (دونوں جہاں میں) حصہ ملے گا اور اللہ جلد ہی حساب لینے والے ہیں۔

ف: حدیث میں آیا ہے کہ تین شخصوں کی دعا رد نہیں کی جاتی (بلکہ ضرور قبول ہوتی ہے): ایک وہ جو کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو، دوسرے مظلوم، تیسرے وہ بادشاہ جو ظلم نہ کرتا ہو۔[1]

(۴) وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ (البقرۃ: ۲۰۳)

اور (حج کے زمانہ میں منیٰ میں بھی ٹھہر کر) کئی روز تک اللہ کو یاد کیا کرو (اس کا ذکر کیا کرو)۔

(۵) وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝ (آلِ عمران: ۴۱)

اور کثرت سے اپنے رب کو یاد کیا کیجئے اور صبح و شام تسبیح کیا کیجئے۔

(۶) اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا

(پہلے سے عقلمندوں کا ذکر ہے) وہ ایسے

---

[1] الجامع الصغیر

وَّقُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَاخَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (آلِ عمران: ۱۹۱)

لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے بھی اور بیٹھے بھی اور لیٹے ہوئے بھی، اور آسمانوں اور زمینوں کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں (اور غور کے بعد یہ کہتے ہیں) کہ اے ہمارے رب! آپ نے یہ سب بیکار تو پیدا کیا نہیں۔ ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں، آپ ہم کو عذابِ جہنّم سے بچا لیجئے۔

(۷) فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ (النساء: ۱۰۳)

جب تم نماز (خوف جس کا پہلے سے ذکر ہے) پوری کر چکو تو اللہ کی یاد میں مشغول ہو جاؤ کھڑے بھی بیٹھے بھی اور لیٹے بھی (کسی حال میں بھی اس کی یاد اور اس کے ذکر سے غافل نہ ہو)۔

(۸) وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (النساء: ۱۴۲)

(منافقوں کی حالت کا بیان ہے) اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں۔ صرف لوگوں کو اپنا نمازی ہونا دکھلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی نہیں کرتے مگر یوں ہی تھوڑا سا۔

(۹) اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ (المائدة: ۹۱)

شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تم میں آپس میں عداوت اور بُغض پیدا کر دے اور تم کو اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے۔ بتاؤ! اب بھی (ان بری چیزوں سے) باز آ جاؤ گے۔

(۱۰) وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۚ (الانعام: ۵۲)

اور ان لوگوں کو اپنی مجلس سے علیحدہ نہ کیجئے جو صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں، جس سے خاص اس کی رضا کا ارادہ کرتے ہیں۔

(۱۱) وَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ○ (الأعراف :۲۹)

اور پکارا کرو اس کو (یعنی اللہ کو) خالص کرتے ہوئے اس کے لئے دین کو۔

(۱۲) اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ○ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۚ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (الأعراف : ۵۵، ۵۶)

تم لوگ پکارتے رہو اپنے رب کو عاجزی کرتے ہوئے اور چپکے چپکے (بھی) بیشک حق تعالیٰ شانہٗ حد سے بڑھنے والوں کو ناپسند کرتے ہیں اور دنیا میں بعد اس کے کہ اس کی اصلاح کر دی گئی فساد نہ پھیلاؤ، اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ کو پکارا کرو خوف کیساتھ (عذاب سے) اور طمع کے ساتھ (رحمت میں) بیشک اللہ کی رحمت اچھے کام کرنیوالوں کے بہت قریب ہے۔

(۱۳) وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا (الأعراف : ۱۸۰)

اللہ ہی کے واسطے ہیں اچھے اچھے نام، پس ان کے ساتھ اللہ کو پکارا کرو۔

(۱۴) وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ○ (الأعراف :۲۰۵)

اور اپنے رب کی یاد کیا کرا پنے دل میں اور ذرا دھیمی آواز سے بھی اس حالت میں کہ عاجزی بھی ہو اور اللہ کا خوف بھی ہو، (ہمیشہ) صبح کو بھی اور شام کو بھی اور غافلین میں سے نہ ہو۔

(۱۵) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○ (الأنفال :۲)

ایمان والے تو وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو (اس کی بڑائی کے تصور سے) ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کے ایمان کو بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے اللہ پر توکل کرتے ہیں (آگے ان کی نماز وغیرہ کے ذکر کے بعد ارشاد ہے "یہی لوگ سچے ایمان والے ہیں ان کے لئے بڑے بڑے درجے ہیں، ان کے رب کے پاس، اور مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے"۔)

(۱۶) وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝ (الرعد: ۲۷، ۲۸)

اور جو شخص اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کو ہدایت فرماتے ہیں۔ وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر (میں ایسی خاصیّت ہے کہ اس) سے دلوں کو اطمینان ہوجاتا ہے۔

(۱۷) قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۝ (الاسراء: ۱۱۰)

آپ فرما دیجئے کہ خواہ "اللہ" کہہ کر پکارو یا "رحمٰن" کہہ کر پکارو، جس نام سے بھی پکارو گے (وہی بہتر ہے) کیونکہ اس کے لئے بہت اچھے اچھے نام ہیں۔

(۱۸) وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ ۝ (الکہف: ۲۴، وفی مسائل السلوك فیہ مطلوبیۃ الذکر الظاہر)

اور جب آپ بھول جاویں تو اپنے رب کا ذکر کرلیا کیجئے۔

(۱۹) وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝ (الکہف: ۲۸)

آپ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ (بیٹھنے کا) پابند رکھا کیجئے جو صبح شام اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں محض اس کی رضا جوئی کے لئے اور محض دنیا کی رونق کے خیال سے آپ کی نظر (یعنی توجہ) ان سے ہٹنے نہ پاوے (رونق سے یہ مراد ہے کہ رئیس مسلمان ہوجائیں تو اسلام کو فروغ ہو) اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی خواہشات کا تابع ہے اور اس کا حال حد سے بڑھ گیا ہے۔

(۲۰) وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ

اور ہم دوزخ کو اس روز (یعنی قیامت

عَرْضًا ۝ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ ۝ (الکھف: ۱۰۰،۱۰۱)

کے دن) کافروں کے سامنے پیش کر دیں گے جن کی آنکھوں پر ہماری یاد سے پردہ پڑا ہوا تھا۔

(۲۱) ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝ (مریم: ۲،۳)

یہ تذکرہ ہے آپ کے پروردگار کی مہربانی فرمانے کا اپنے بندے زکریا علیہ السلام پر جب کہ انہوں نے اپنے پروردگار کو چپکے سے پکارا۔

(۲۲) وَاَدْعُوْا رَبِّيْ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝ (مریم: ۴۸)

اور پکارتا ہوں میں اپنے رب کو، (قطعی) امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر محروم نہ رہوں گا۔

(۲۳) اِنَّنِيْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ۝ (طٰہٰ: ۱۴،۱۵)

بیشک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم (اے موسیٰ) میری ہی عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کے لئے نماز پڑھا کرو، بلاشبہ قیامت آنے والی ہے۔ میں اس کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ مل جائے۔

(۲۴) وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۝ (طٰہٰ: ۴۲)

(حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو ارشاد ہے) اور میری یاد میں سستی نہ کرو۔

(۲۵) وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ. (الأنبیاء: ۷۶)

اور نوح (علیہ السلام کا تذکرہ ان سے کیجئے) جبکہ پکارا انہوں نے اپنے رب کو (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے سے) پہلے۔

(۲۶) وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ

اور ایوب (علیہ السلام کا ذکر کیجئے) جبکہ انہوں

الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ○ (الأنبیاء:۷۳)

نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھ کو بڑی تکلیف پہنچی اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں۔

(۲۷) وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ○ (الأنبیاء:۸۷)

اور مچھلی والے (پیغمبر یعنی حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر کیجئے) جب وہ (اپنی قوم سے) خفا ہوکر چلے گئے اور یہ سمجھے کہ ہم ان پر داروگیر نہ کریں گے۔ پس انہوں نے اندھیروں میں پکارا کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ ہر عیب سے پاک ہیں، بیشک میں قصوروار ہوں۔

(۲۸) وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ○ (الأنبیاء: ۸۹)

اور زکریا (علیہ السلام کا ذکر کیجئے) جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ میرے رب مجھے لاوارث نہ چھوڑ (اور یوں تو) سب وارثوں سے بہتر (اور حقیقی وارث) آپ ہی ہیں۔

(۲۹) اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ○ (الأنبیاء: ۹۰)

بیشک یہ سب (انبیاء علیہم السلام جن کا پہلے سے ذکر ہورہا ہے) نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور پکارتے تھے ہم کو (ثواب کی) رغبت اور (عذاب کا) خوف کرتے ہوئے اور تھے سب کے سب ہمارے لئے عاجزی کرنے والے۔

(۳۰) وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ○ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (الحج:۳۴،۳۵)

اور آپ (جنّت وغیرہ کی) خوشخبری سنادیجئے ایسے خشوع کرنے والوں کو جن کا یہ حال ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔

(۳۱) اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِىْ (قیامت میں کفار سے گفتگو کے ذیل میں کہا

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ○ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِىْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ○ اِنِّىْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ (المؤمنون: ۱۱۰، ۱۱۱)

جائے گا کیا تم کو یاد نہیں) میرے بندوں کا ایک گروہ تھا (جو بیچارے ہم سے) یوں کہا کرتے تھے: اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے، سو ہم کو بخش دیجئے اور ہم پر رحمت فرمایئے، آپ سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔ پس تم نے ان کا مذاق اڑایا حتیٰ کہ اس مشغلہ نے تم کو ہماری یاد بھی بھلا دی اور تم ان سے ہنسی کیا کرتے تھے۔ میں نے آج ان کو ان کے صبر کا بدلہ دیدیا کہ وہی کامیاب ہوئے۔

(۳۲) رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ . (النور: ۳۷)

(کامل ایمان والوں کی تعریف کے ذیل میں ہے) وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کو اللہ کے ذکر سے نہ خرید غفلت میں ڈالتی ہے نہ فروخت۔

(۳۳) وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (العنکبوت: ۴۵)

اور اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔

(۳۴) تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِىَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (السجدة: ۱۶، ۱۷)

ان کے پہلو خوابگاہوں سے علیحدہ رہتے ہیں اس طرح پر کہ عذاب کے ڈر سے اور رحمت کی امید سے وہ اپنے رب کو پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں سے خرچ کرتے ہیں۔ پس کسی کو بھی خبر نہیں کہ ایسے لوگوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان خزانۂ غیب میں محفوظ ہے جو بدلہ ہے ان کے اعمال کا۔

(فی الدر عن الضحاك: "هُمْ قَوْمٌ لَّا يَتْرُكُوْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ" وروى نحوه عن ابن عباس رضی اللہ عنہ)

ف: ایک حدیث میں آیا ہے کہ بندہ اخیر شب میں اللہ کے یہاں بہت مُقَرّب ہوتا ہے، اگر تجھ سے ہو سکے تو اس وقت اللہ کا ذکر کیا کر۔[1]

[1] جامع الصغیر

(۳۵) لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ○ (الأحزاب:۲۱)

بے شک تم لوگوں کے لئے رسول اللہ کا نمونہ موجود تھا، یعنی ہر اس شخص کے لئے جو اللہ سے اور آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہو (کہ جب حضور ﷺ لڑائی میں شریک ہوئے اور جہاد کیا تو اس کے لئے کیا مانع ہو سکتا ہے)۔

(۳۶) وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرَاتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ○ (الأحزاب:۳۵)

(پہلے سے مؤمنوں کی صفات کا بیان ہے، اس کے بعد ارشاد ہے) اور بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور اللہ کا ذکر کرنے والی عورتیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔

(۳۷) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ○ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا. (الأحزاب: ٤٢)

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کا خوب کثرت سے ذکر کیا کرو اور صبح شام اس کی تسبیح کرتے رہو۔

(۳۸) وَلَقَدْ نَادٰنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ○ (الصّٰفّٰت:۷۵)

اور پکارا تھا ہم کو نوح علیہ السلام نے، پس ہم خوب فریاد سننے والے ہیں۔

(۳۹) فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (الزمر:۲۲)

پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جن کے دِل اللہ کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے، یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

(۴۰) اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ

اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے بڑا عمدہ کلام (یعنی قرآن) نازل فرمایا جو ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے، بار بار دہرائی گئی جس سے ان لوگوں کے بدن کانپ اٹھتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر ان کے بدن اور

مَنْ يُّشَآءُ (الزمر: ۲۳) دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کو چاہتا ہے اس کے ذریعہ سے ہدایت فرما دیتا ہے۔

(۴۱) فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ ○ (المؤمن: ۱۴) پس پکارو اللہ کو خالص کرتے ہوئے اس کے لئے دین کو، گو کافروں کو نا گوار ہو۔

(۴۲) هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (المؤمن: ۶۵) وہی زندہ ہے، اس کے سوا کوئی لائق عبادت کے نہیں۔ پس تم خالص اعتقاد کر کے اس کو پکارا کرو۔

(۴۳) وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ○ (الزخرف: ۳۶) جو شخص رحمان کے ذکر سے (جان بوجھ کر) اندھا ہو جائے ہم اس پر ایک شیطان مسلّط کر دیتے ہیں، پس وہ (ہر وقت) اس کے ساتھ رہتا ہے۔

(۴۴) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ز سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ج وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ج كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ط وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ○ (الفتح: ۲۹) محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان، اور اے مخاطب! تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں اور کبھی سجدہ اور اللہ کے فضل اور رضا مندی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں (اور خشوع و خضوع کے) آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔ یہ ان کے اوصاف توراۃ میں ہیں اور انجیل میں، جیسا کھیتی کہ اس نے اول اپنی سوئی نکالی پھر اس کو قوی کیا، پھر وہ کھیتی اور

موٹی ہوئی، پھر اپنے تنہ پر سیدھی کھڑی ہوگئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی (اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم میں اول ضعف تھا، پھر روزانہ قوت بڑھتی گئی اور اللہ نے یہ نشو ونما اس لئے دیا) تاکہ ان سے کافروں کو جلائے۔ اللہ نے تو ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کر رہے ہیں بخشش اور اجرِ عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

ف: آیتِ شریفہ میں گو ظاہر طور پر رکوع وسجود اور نماز کی فضیلت زیادہ تر مقصود ہے اور وہ تو ظاہر ہے، لیکن کلمہ طیبہ کے دوسرے جز و مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی فضیلت بھی اس سے ظاہر ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اوپر سے صلح حدیبیہ میں کفار کے انکار پر اور اس بات کے اصرار کرنے پر کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ نہ لکھو، محمد بن عبد اللہ لکھو۔ حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں کہ اللہ خود گواہ ہیں اس بات پر کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور جب بھیجنے والا خود اقرار کرے کہ فلاں شخص میرا قاصد ہے تو لاکھ کوئی انکار کرے اس کے انکار سے کیا ہوتا ہے؟ اسی گواہی کے اقرار کے لئے اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد آیت شریفہ میں اور بھی کئی اہم مضامین ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ چہرہ کے آثار نمایاں ہونے کی فضیلت ہے۔ اس کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں: ایک یہ بھی ہے کہ شب بیداروں کے چہروں پر جو انوار و برکات ظاہر ہوتے ہیں وہ مراد ہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ محقّق امر ہے کہ رات کو دو شخص جاگیں: ایک لہو ولعب میں مشغول رہے، دوسرا نماز، قرآن اور علم کے سیکھنے میں مشغول رہے، دوسرے دن دونوں کے چہرے کے نور میں کھلا ہوا فرق ہوگا۔ جو شخص لہو ولعب میں مشغول ہے وہ اس جیسا ہو ہی نہیں سکتا جو ذِکر وشکر میں رات بھر لگا رہے۔ تیسری اہم بات یہ ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور علماء کی ایک جماعت نے اس آیت سے ان لوگوں کے کفر پر استدلال کیا ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گالیاں دیتے ہیں، برا کہتے ہیں، ان سے بغض رکھتے ہیں۔[1]

(۴۵) اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ — کیا ایمان والوں کے لئے اس کا وقت نہیں

[1] ابن کثیر

قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ ○ (الحدید:۱۶)

آیا کہ ان کے دل خدا کی یاد کے واسطے جھک جائیں۔

(۴۶) اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ (المجادلة:۱۹)

(پہلے سے منافقوں کا ذکر ہے) ان پر شیطان کا تسلّط ہوگیا، پس اس نے ان کو ذکراللہ سے غافل کر دیا، یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں۔ خوب سمجھ لو یہ بات محقّق ہے کہ شیطان کا گروہ خسارہ والا ہے۔

(۴۷) فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (الجمعة:۱۰)

پھر جب (جمعہ کی) نماز پوری ہو چکے تو (تم کو اجازت ہے کہ) تم زمین پر چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو (یعنی دنیا کے کاموں میں مشغول ہونے کی اجازت ہے لیکن اس میں بھی) اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو تا کہ تم فلاح کو پہنچ جاؤ۔

(۴۸) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ (المنافقون:۹)

اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور اولاد اللہ کے ذکر سے، اس کی یاد سے غافل نہ کرنے پائیں اور جو لوگ ایسا کریں گے وہی خسارہ والے ہیں۔ (کیونکہ یہ چیزیں تو دنیا ہی میں ختم ہو جانے والی ہیں اور اللہ کی یاد آخرت میں کام دینے والی ہے)۔

(۴۹) وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ○ (القلم:۵۱)

یہ کافر لوگ جب ذکر (قرآن) سنتے ہیں (تو شدتِ عداوت سے) ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر گرا دیں گے اور کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ تو مجنون ہیں۔

ف: نگاہ سے پھسلا کر گرا دینا کِنایہ ہے دشمنی کی زیادتی سے جیسا کہ ہمارے یہاں بولتے ہیں "ایسا دیکھ رہا ہے کہ کھا جائے گا" حَسَن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس کو نظر لگ گئی ہو اس پر اس آیتِ شریفہ کو پڑھ کر دم کرنا مفید ہے۔ (جمل)

(۵۰) وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۝ (الجن: ۱۷)

اور جو شخص اپنے پروردگار کی یاد سے روگردانی اور اِعراض کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا۔

(۵۱) وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۝ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ۝ (الجن: ۱۹، ۲۰)

جب خدا کا خاص بندہ (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کو پکارنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو یہ کافر لوگ اس بندہ پر بھیڑ لگانے کو ہو جاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار ہی کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

(۵۲) وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝ (المزمل: ۸)

اور آپ اپنے رب کا نام لیتے رہیں اور سب سے تعلقات منقطع کر کے اسی کی طرف متوجہ رہیں۔

(منقطع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے تعلق کے مقابلہ میں سب مغلوب ہوں)۔

(۵۳) وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ۝ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ۝ (الدھر: ۲۵، ۲۶، ۲۷)

اور اپنے رب کا صبح اور شام نام لیتے رہا کیجئے اور کسی قدر رات کے حصہ میں بھی اس کو سجدہ کیا کیجئے اور رات کے بڑے حصہ میں اس کی تسبیح کیا کیجئے (مراد اس سے تہجد کی نماز ہے)، یہ لوگ (جو آپ کے مخالف ہیں) دنیا سے محبت رکھتے ہیں اور اپنے آگے (آنے والے) ایک بھاری دن کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔

(۵۴) قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝

بیشک بامراد ہو گیا وہ شخص جو (برے اخلاق

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ○ سے) پاک ہوگیا اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔

(الاعلیٰ : ١٤، ١٥)

فصلِ ثانی احادیثِ ذکر میں

جب کہ اس مضمون میں قرآن پاک کی آیات اس کثرت سے موجود ہیں تو احادیث کا کیا پوچھنا کیونکہ قرآن شریف کے کل تیس پارے ہیں اور حدیث شریف کی لاتعداد کتابیں ہیں اور ہر کتاب میں بے شمار حدیثیں ہیں۔ ایک بخاری شریف ہی کے بڑے بڑے تین پارے ہیں اور ابوداؤد شریف کے بتیس ۳۲ پارے ہیں اور کوئی کتاب بھی ایسی نہیں کہ اس مبارک ذِکر سے خالی ہو۔ اس لئے احادیث کا اِحاطہ تو کون کرسکتا ہے؟ نمونہ اور عمل کے واسطے ایک آیت اور ایک حدیث بھی کافی ہے اور جس کو عمل ہی نہیں کرنا اس کے لئے دفتر کے دفتر بھی بیکار ہیں۔ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا۔

(١) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى: اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ، وَاَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَكَرَنِیْ، فَاِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیْ، وَاِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ مَلَاءٍ ذَكَرْتُهٗ فِیْ مَلَاءٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ، وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ ذِرَاعًا، وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ بَاعًا، وَاِنْ اَتَانِیْ يَمْشِیْ اَتَيْتُهٗ هَرْوَلَةً.

(رواه احمد والبخاری ومسلم والترمذی والنسائی و ابن ماجة والبیهقی فی الشعب واخرج احمد والبیهقی فی الأسماء والصفات عن انس بمعناه بلفظ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اِرشاد فرماتے ہیں کہ میں بندہ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میرا مجمع میں ذکر کرتا ہے تو میں اس مجمع سے بہتر یعنی فرشتوں کے مجمع میں (جو معصوم اور بے گناہ ہیں) تذکرہ کرتا ہوں اور اگر بندہ میری طرف ایک بالشت متوجہ ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں

"يَا ابنَ آدَمَ إِنَّا ذَكَرْتُنِيْ فِيْ نَفْسِكَ" الحديث. وفي الباب عن معاذ بن أنس عند الطبراني باسناد حسن وعن ابن عباس عند البزار باسناد صحيح و البيهقي وغيرهما، وعن أبي هريرة عند ابن ماجة وابن حبان و غيرهما بلفظ " أنا مع عبدي اذا ذكرني وتحركت بي شفتاه" كما في الدر المنثور والترغيب للمنذري والمشكوة مختصرًا، وفيه برواية مسلم عن أبي ذر بمعناه ، وفي الاتحاف علقه البخاري عن أبي هريرة بصيغة الجزم، ورواه ابن حبان من حديث أبي الدرداء اهـ)

اور اگر وہ ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ ادھر متوجہ ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر چلتا ہوں۔

ف: اس حدیث شریف میں کئی مضمون وارد ہیں: اول یہ کہ بندہ کے ساتھ اس کے گمان کے موافق معاملہ کرتا ہوں، جس کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ سے اس کے لطف وکرم کی امید رکھنا چاہئے، اس کی رحمت سے ہرگز مایوس نہ ہونا چاہئے۔ یقیناً ہم لوگ گنہگار ہیں اور سراپا گناہ، اور اپنی حرکتوں اور گناہوں کی سزا اور بدلہ کا یقین ہے، لیکن اللہ کی رحمت سے مایوس بھی نہ ہونا چاہئے۔ کیا بعید ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ محض اپنے لطف وکرم سے بالکل ہی معاف فرمادیں کہ "اِنَّ اللّٰهَ لَايَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُمَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ" (النساء:۱۱۶) کلام اللہ شریف میں وارد ہے (ترجمہ) حق تعالیٰ شانہٗ شرک کے گناہ کو تو معاف نہیں فرمائیں گے، اس کے علاوہ جس کو چاہیں گے سب کچھ معاف فرمائیں گے، لیکن ضروری نہیں کہ معاف ہی فرمادیں۔ اسی وجہ سے علماء فرماتے ہیں کہ ایمان اُمید اور خوف کے درمیان ہے۔ حضورِ اقدس ﷺ ایک نوجوان صحابی رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے، وہ نزع کی حالت میں تھے۔ حضورِ اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا: کس حال میں ہو؟ عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ کی رحمت کا امیدوار ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈر رہا ہوں۔ حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ یہ دونوں یعنی امید وخوف جس بندہ کے دل میں ایسی حالت میں ہوں تو اللہ جَلَّ شَانُہٗ جو امید ہے وہ عطا فرمادیتے ہیں اور جس کا خوف ہے اس سے امن عطا فرمادیتے ہیں۔[1]

ایک حدیث میں آیا ہے کہ مومن اپنے گناہ کو ایسا سمجھتا ہے کہ گویا ایک پہاڑ کے نیچے

[1] جمع الفوائد

بیٹھا ہے اور وہ پہاڑ اس پر گرنے لگا اور فاجر شخص گناہ کو ایسا سمجھتا ہے گویا ایک مکھی بیٹھی تھی اڑادی، یعنی ذرا پرواہ نہیں ہوتی، مقصود یہ ہے کہ گناہ کا خوف اس کے مناسب ہونا چاہئے اور رحمت کی امید اس کے مناسب۔

حضرت مُعاذ رضی اللہ عنہ طاعون میں شہید ہوئے، انتقال کے قریب زمانہ میں بار بار غشی ہوتی تھی، جب افاقہ ہوتا تو فرماتے: یا اللہ! تجھے معلوم ہے کہ مجھ کو تجھ سے محبّت ہے، تیری عزت کی قسم! تجھے یہ بات معلوم ہے۔ جب بالکل موت کا وقت قریب آ گیا تو فرمایا کہ اے موت! تیرا آنا مبارک ہے۔ کیا ہی مبارک مہمان آیا، مگر فاقہ کی حالت میں یہ مہمان آیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں ہمیشہ تجھ سے ڈرتا رہا اور آج تیرا امیدوار ہوں۔ یا اللہ! مجھے زندگی کی محبت تھی، مگر نہریں کھودنے اور باغ لگانے کے واسطے نہیں تھی بلکہ گرمیوں کی شدتِ پیاس برداشت کرنے اور (دین کی خاطر) مشقتیں جھیلنے کے واسطے اور ذکر کے حلقوں میں علماء کے پاس جم کر بیٹھنے کے واسطے تھی۔[1]

بعض علماء نے لکھا ہے: حدیثِ بالا میں گمان کے موافق معاملہ عام حالات کے اعتبار سے ہے، خاص مغفرت کے متعلق نہیں۔ دعا، صحت، وسعت، امن وغیرہ سب چیزیں اس میں داخل ہیں مثلاً دعا کے ہی متعلق سمجھو، مطلب یہ ہے: اگر بندہ یہ یقین کرتا ہے کہ میری دعا قبول ہوتی ہے اور ضرور ہوگی تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور اگر یہ گمان کرے کہ میری دعا قبول نہیں ہوتی تو ویسا ہی معاملہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ دوسری احادیث میں آیا ہے کہ بندہ کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک یہ نہ کہنے لگے کہ میری دعا قبول نہیں ہوتی۔ اسی طرح صحت، تونگری وغیرہ سب امور کا حال ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص کو فاقہ کی نوبت آئے اگر اس کو لوگوں سے کہتا پھرے تو تونگری نصیب نہیں ہوتی۔ اللہ کی پاک بارگاہ میں عرض معروض کرے تو جلد یہ حالت دور ہو جائے، لیکن یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ حُسنِ ظن اور چیز ہے اور اللہ پر گھمنڈ دوسری چیز ہے۔ کلام اللہ شریف میں مختلف عنوانات سے اس پر تنبیہ کی گئی۔ ارشاد ہے: "وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝" (لقمان:۳۳) (اور نہ دھوکہ میں

[1] تہذیب اللغات

ڈالے تم کو دھوکہ باز) یعنی شیطان تم کو یہ نہ سمجھائے کہ گناہ کئے جاؤ، اللہ غفورٌ رَّحیم ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: "اَطَّلَعَ الْغَیْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا" (مریم:۷۸) (کیا وہ غیب پر مطلع ہو گیا یا اللہ تعالیٰ سے اس نے عہد کر لیا ہے، ایسا ہرگز نہیں)۔

دوسرا مضمون یہ ہے کہ جب بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ جب بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو جب تک اس کے ہونٹ میری یاد میں حرکت کرتے رہتے ہیں میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، یعنی میری خاص توجہ اس پر رہتی ہے، اور خصوصی رحمت کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ تیسرا مضمون یہ ہے کہ میں فرشتوں کے مجمع میں ذکر کرتا ہوں، یعنی تفاخر کے طور پر ان کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ آدمی کی خِلقت جس ترکیب سے ہوئی ہے اس کے موافق اس میں اِطاعت اور معصیت دونوں کا مادہ رکھا ہے جیسا کہ حدیث نمبر ۸ کے ذیل میں آ رہا ہے۔ اس حالت میں طاعت کا کرنا یقیناً تفاخر کا سبب ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ فرشتوں نے ابتدائے خلقت کے وقت عرض کیا تھا: "آپ ایسی مخلوق کو پیدا فرماتے ہیں جو دنیا میں خونریزی اور فساد کرے گی۔" اور اس کی وجہ بھی وہی مادہ فساد کا ان میں ہونا ہے، بخلاف فرشتوں کے کہ ان میں یہ مادہ نہیں۔ اس لئے انہوں نے عرض کیا تھا کہ تیری تسبیح و تقدیس ہم کرتے ہی ہیں۔ تیسرے اس وجہ سے کہ انسان کی اطاعت، اس کی عبادت، فرشتوں کی عبادت سے اس وجہ سے بھی افضل ہے کہ انسان کی عبادت غیب کے ساتھ ہے اور فرشتوں کی عالمِ آخرت کے مشاہدہ کے ساتھ۔ اسی کی طرف اللہ پاک کے اس کلام میں اشارہ ہے کہ اگر وہ جنّت و دوزخ کو دیکھ لیتے تو کیا ہوتا۔ ان وجوہ سے حق تعالیٰ شانہٗ اپنے یاد کرنے والوں اور اپنی عبادت کرنے والوں کے کارنامے جتاتے ہیں۔

چوتھا مضمون حدیث میں یہ ہے کہ بندہ جس درجہ میں حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس سے زیادہ توجہ اور لطف اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی طرف سے اس بندہ پر ہوتا ہے۔ یہی مطلب ہے قریب ہونے اور دوڑ کر چلنے کا کہ میرا لطف اور میری رحمت تیزی کے ساتھ اس کی طرف چلتی ہے۔ اب ہر شخص کو اپنا اختیار ہے کہ جس قدر رحمت و لطفِ الٰہی کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہے اتنی ہی اپنی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھائے۔ پانچویں بحث اس حدیث شریف میں یہ

ہے کہ اس میں فرشتوں کی جماعت کو بہتر بتایا ہے ذکر کرنے والے شخص سے، حالانکہ یہ مشہور امر ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اس کی ایک وجہ تو ترجمہ میں ظاہر کردی گئی کہ ان کا بہتر ہونا ایک خاص حیثیت سے ہے کہ وہ معصوم ہیں، ان سے گناہ ہو ہی نہیں سکتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ باعتبار اکثر افراد کے ہے کہ اکثر افراد فرشتوں کے اکثر آدمیوں بلکہ اکثر مؤمنوں سے افضل ہیں، گو خاص مؤمن جیسے انبیاء علیہم السلام سارے ہی فرشتوں سے افضل ہیں، اس کے علاوہ اور بھی وجوہ ہیں جن میں بحث طویل ہے۔

(۲) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ شَرَائِعَ الْاِسْلَامِ قَدْ كَثُرَتْ عَلَيَّ، فَاَخْبِرْنِيْ بِشَيْءٍ اَتَشَبَّثُ بِهٖ، قَالَ: لَايَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ. (اخرجه ابن ابی شیبة واحمد والترمذی وحسنه وابن ماجة وابن حبان فی صحیحه

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! احکام تو شریعت کے بہت سے ہیں ہی، مجھے ایک چیز کوئی ایسی بتادیجئے جس کو میں اپنا دستور اور اپنا مشغلہ بنالوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ اللہ کے ذکر سے تو ہر وقت رَطْبُ اللِّسان رہے۔

والحاکم وصححه والبیهقی کذا فی الدر وفی المشکوة برواية الترمذی وابن ماجة وحکی عن الترمذی حسن غریب. قلت: وصححه الحاکم واقره علیه الذهبی، وفی الجامع الصغیر برواية أبی نعیم فی الحلیه مختصرًا بلفظ "أَنْ تُفَارِقَ الدُّنْيَا وَلِسَانُكَ رَطْبٌ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ" ورقم له بالضعف وبمعناه عن مالك بن یخامر أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قَالَ لَهُمْ: إِنَّ آخِرَ كَلَامٍ فَارَقْتُ عَلَيْهِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ قُلْتُ: أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ؟ قال: "ان تموت ولسانك رطب من ذكر الله" أخرجه ابن أبی الدنیا والبزار وابن حبان والطبرانی و البیهقی، کذا فی الدر والحصن الحصین والترغیب للمنذری وذکره فی الجامع الصغیر مختصرًا وعزاه إلی ابن حبان فی صحیحه وابن السنی فی عمل الیوم واللیلة والطبرانی فی الکبیر والبیهقی فی الشعب وفی مجمع الزوائد رواه الطبرانی بأسانید)

ایک اور حدیث میں ہے: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جدائی کے وقت آخری گفتگو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی وہ یہ تھی "میں نے دریافت کیا کہ سب اعمال میں محبوب ترین عمل اللہ کے نزدیک کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس حال میں تیری موت آوے کہ اللہ کے ذکر میں رَطْبُ اللّسان ہو۔"

ف: جدائی کے وقت کا مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو

اہلِ یمن کی تبلیغ وتعلیم کے لئے یمن کا امیر بنا کر بھیجا تھا۔اس رخصت کے وقت حضور ﷺ نے کچھ وصیتیں بھی فرمائی تھیں اور انھوں نے بھی کچھ سوالات کئے تھے۔شریعت کے احکام بہت سے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر حکم کی بجا آوری تو ضروری ہے ہی، لیکن ہر چیز میں کمال پیدا کرنا اور اس کو مستقل مشغلہ بنانا دشوار ہے، اس لئے ان میں سے ایک چیز جو سب سے اہم ہو مجھے ایسی بتا دیجئے کہ اس کو مضبوط پکڑ لوں اور ہر وقت ہر جگہ، چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے کرتا رہوں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص کو یہ مل جائیں اس کو دین ودنیا کی بھلائی مل جائے: ایک وہ زبان جو ذکر میں مشغول رہنے والی ہو، دوسرے وہ دل جو شکر میں مشغول رہتا ہو، تیسرے وہ بدن جو مشقت برداشت کرنے والا ہو، چوتھے وہ بیوی جو اپنے نفس میں اور خاوند کے مال میں خیانت نہ کرے۔نفس میں خیانت یہ ہے کہ کسی قسم کی گندگی میں مبتلا ہو جائے۔

رطب اللّسان کا مطلب اکثر علماء نے کثرت کا لکھا ہے اور یہ عام محاورہ ہے۔ہمارے عرف میں بھی جو شخص کسی کی تعریف یا تذکرہ کثرت سے کرتا ہے تو یہ بولا جاتا ہے کہ فلاں کی تعریف میں رطب اللّسان ہے۔مگر بندۂ ناچیز کے خیال میں ایک دوسرا مطلب بھی ہو سکتا ہے وہ یہ کہ جس سے عشق ومحبت ہوتی ہے اس کا نام لینے سے منہ میں ایک لذت اور مزہ محسوس ہوا کرتا ہے۔جن کو بابِ عشق سے کچھ سابقہ پڑ چکا ہے وہ اس سے واقف ہیں۔اس بنا پر مطلب یہ ہے کہ اس لذت سے اللہ کا پاک نام لیا جائے کہ مزہ آجائے۔میں نے اپنے بعض بزرگوں کو بکثرت دیکھا ہے کہ ذکر بالجہر کرتے ہوئے ایسی تراوٹ آجاتی ہے کہ پاس بیٹھنے والا بھی اس کو محسوس کرتا ہے اور ایسا منہ میں پانی بھر جاتا ہے کہ ہر شخص اس کو محسوس کرتا ہے، مگر یہ جب حاصل ہوتا ہے کہ جب دل میں چسک ہو اور زبان کثرتِ ذکر کے ساتھ مانوس ہو چکی ہو۔ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ سے محبت کی علامت اس کے ذکر سے محبّت ہے اور اللہ سے بغض کی علامت اس کے ذکر سے بغض ہے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کی زبان اللہ کے ذکر سے تر وتازہ رہتی

ہے وہ جنّت میں ہنستے ہوئے داخل ہوں گے۔

(۳) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرِ اَعْمَالِكُمْ، وَاَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيْكِكُمْ، وَاَرْفَعِهَا فِیْ دَرَجَاتِكُمْ، وَ خَيْرٍ لَّكُمْ مِّنْ اِنْفَاقِ الذَّهَبِ وَ الْوَرِقِ، وَخَيْرٍ لَّكُمْ مِّنْ اَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ، فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُوْا اَعْنَاقَكُمْ، قَالُوْا: بَلٰى! قَالَ: ذِكْرُ اللّٰهِ. (اخرجه احمد والترمذی و ابن ماجة وابن أبی الدنیا والحاکم وصححه والبیهقی، کذا فی الدر والحصن الصحیح، قلت: قال الحاکم: صحیح الاسناد ولم یخرجاه، واقره علیه الذهبی

حضورِ اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ سے ارشاد فرمایا: کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں جو تمام اعمال میں بہترین چیز ہے اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے زیادہ پاکیزہ اور تمہارے درجوں کو بہت زیادہ بلند کرنے والی اور سونے چاندی کو (اللہ کے راستہ) میں خرچ کرنے سے بھی زیادہ بہتر اور (جہاد میں) تم دشمنوں کو قتل کرو وہ تم کو قتل کریں اس سے بھی بڑھی ہوئی؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ضرور بتادیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کا ذکر ہے۔

و رقم له فی الجامع الصغیر بالصحة، وأخرجه احمد عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، کذا فی الدر وفیه ایضاً بروایة أحمد والترمذی والبیهقی عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ "سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَیُّ الْعِبَادِ اَفْضَلُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: الذَّاكِرُوْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا، قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمِنَ الْغَازِیْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ؟ قَالَ: لَوْ ضَرَبَ بِسَيْفِهٖ فِی الْكُفَّارِ وَالْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يَنْكَسِرَ وَيَخْتَضِبَ دَمًا، لَكَانَ الذَّاكِرُوْنَ اللّٰهَ اَفْضَلَ مِنْهُ دَرَجَةً".

ف: یہ عام حالت اور ہر وقت کے اعتبار سے ارشاد فرمایا، ورنہ وقتی ضرورت کے اعتبار سے صدقہ، جہاد وغیرہ امور سب سے افضل ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض احادیث میں ان چیزوں کی افضلیت بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ ان کی ضرورتیں وقتی ہیں اور اللہ پاک کا ذکر دائمی چیز ہے اور سب سے زیادہ اہم اور افضل۔

ایک حدیث میں حضورِ اقدس ﷺ کا اِرشاد ہے کہ ہر چیز کے لئے کوئی صاف کرنے والی اور میل کچیل دور کرنے والی چیز ہوتی ہے (مثلاً کپڑے اور بدن کے لئے صابون، لوہے کے لئے آگ کی بھٹی وغیرہ وغیرہ) دلوں کی صفائی کرنے والی چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور کوئی چیز اللہ کے عذاب سے بچانے والی اللہ کے ذکر سے بڑھ کر نہیں ہے، اس حدیث میں

چونکہ ذکر کو دل کی صفائی کا ذریعہ اور سبب بتایا ہے اس سے بھی اللہ کے ذکر کا سب سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ہر عبادت اسی وقت عبادت ہوسکتی ہے جب اخلاص سے ہو اور اس کا مدار دلوں کی صفائی پر ہے۔

اسی وجہ سے بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ذکر سے مراد ذِکرِ قلبی ہے نہ کہ زبانی ذِکر، اور ذِکرِ قلبی یہ ہے کہ دل ہر وقت اللہ کے ساتھ وابستہ ہو جائے اور اس میں کیا شک ہے کہ یہ حالت ساری عبادتوں سے افضل ہے۔ اس لئے کہ جب یہ حالت ہو جائے تو پھر کوئی عبادت چھوٹ ہی نہیں سکتی کہ سارے اعضاء ظاہرہ و باطنہ دل کے تابع ہیں۔ جس چیز کے ساتھ دل وابستہ ہو جاتا ہے سارے ہی اعضاء اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ عشاق کے حالات سے کون بے خبر ہے۔ اور بھی بہت سی احادیث میں ذکر کا سب سے افضل ہونا وارد ہوا ہے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ سب سے بڑا عمل کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ تم نے قرآن شریف نہیں پڑھا۔ قرآنِ پاک میں ہے "وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ" کوئی چیز اللہ کے ذکر سے افضل نہیں۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے جس آیت شریفہ کی طرف اِشارہ فرمایا وہ اکیسویں پارے کی پہلی آیت ہے۔

صاحبِ مجالس الابرار کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اللہ کے ذکر کو صدقہ اور جہاد اور ساری عبادات سے اس لئے افضل فرمایا کہ اصل مقصود اللہ کا ذکر ہے اور ساری عبادتیں اس کا ذریعہ اور آلہ ہیں اور ذکر بھی دو قسم کا ہوتا ہے: ایک زبانی اور ایک قلبی جو زبان سے بھی افضل ہے اور وہ مراقبہ اور دل کی سوچ ہے اور یہی مراد ہے اس حدیث سے جس میں آیا ہے کہ ایک گھڑی کا سوچنا ستر برس کی عبادت سے افضل ہے۔ مسند احمد میں ہے: حضرت سہل رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ کا ذکر اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے سات لاکھ حصہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس تقریر سے یہ معلوم ہو گیا کہ صدقہ اور جہاد وغیرہ جو وقتی چیزیں ہیں وقتی ضرورت کے اعتبار سے ان کی فضیلت بہت زیادہ ہو جاتی ہے، لہٰذا ان احادیث میں کوئی اشکال نہیں جن میں ان چیزوں کی بہت زیادہ فضیلت وارد ہوئی ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ تھوڑی دیر کا اللہ کے راستہ میں کھڑا ہونا اپنے گھر پر ستر سال کی نماز سے

افضل ہے، حالانکہ نماز بالاتفاق افضل ترین عبادت ہے، لیکن کفار کے ہجوم کے وقت جہاد اس سے بہت زیادہ افضل ہوجاتا ہے۔

(۴) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَيَذْكُرَنَّ اللّٰهَ اَقْوَامٌ فِي الدُّنْيَا عَلَى الْفُرُشِ الْمُمَهَّدَةِ، يُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِي الدَّرَجَاتِ الْعُلٰى.

(اخرجه ابن حبان، كذا في الدر، قلت: ويؤيده الحديث المتقدم قريبًا بلفظ "اَرْفَعُهَا فِيْ دَرَجَاتِكُمْ" وَاَيْضًا قَوْلُهٗ ﷺ: سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ، قَالُوْا: وَمَا الْمُفَرِّدُوْنَ؟ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: الذَّاكِرُوْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذَّاكِرَاتِ. رواه مسلم كذا في الحصن. وفي رواية قَالَ: "اَلْمُسْتَهْتَرُوْنَ فِيْ ذِكْرِ اللّٰهِ يَضَعُ الذِّكْرُ عَنْهُمْ اَثْقَالَهُمْ، فَيَاْتُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِفَافًا". رواه الترمذي والحاكم مختصراً، وقال: صحيح على شرط الشيخين، وفي الجامع رواه الطبراني عن أبي الدرداء أيضًا)

حضورِ اقدس ﷺ کا اِرشاد ہے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ دنیا میں نرم نرم بستروں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں جس کی وجہ سے حق تعالیٰ شانہٗ جنّت کے اعلیٰ درجوں میں ان کو پہنچادیتا ہے۔

ف: یعنی دنیا میں مشقتیں جھیلنا، صعوبتیں برداشت کرنا آخرت کے رفعِ درجات کا سبب ہے اور جتنی بھی دینی امور میں یہاں مشقت اٹھائی جائے گی اتنا ہی بلند مرتبوں کا استحقاق ہوگا، لیکن اللہ پاک کے مبارک ذکر کی یہ برکت ہے کہ راحت وآرام سے نرم بستروں پر بیٹھ کر بھی کیا جائے تب بھی رفعِ درجات کا سبب ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا اِرشاد ہے کہ اگر تم ہر وقت ذکر میں مشغول رہو تو فرشتے تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں میں تم سے مصافحہ کرنے لگیں۔

ایک حدیث میں حضور ﷺ کا اِرشاد وارد ہوا ہے کہ مفرّدلوگ بہت آگے بڑھ گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ مُفرِّدکون ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو اللہ کے ذکر میں والہانہ طریقہ پر مشغول ہیں۔ اس حدیث کی بنا پر صوفیہ نے لکھا ہے کہ سلاطین اور امراء کو اللہ کے ذکر سے نہ روکنا چاہئے کہ وہ اس کی وجہ سے درجاتِ اعلیٰ حاصل کر سکتے ہیں۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تو اللہ کے ذکر کو اپنی مسرتوں اور خوشیوں کے اوقات میں کر، وہ تجھ کو مشقتوں اور تکلیفوں کے وقت کام دے گا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بندہ راحت کے، خوشی کے، ثروت کے اوقات میں اللہ کا ذکر کرتا ہے

پھر اس کو کوئی مشقت اور تکلیف پہنچے تو فرشتے کہتے ہیں کہ مانوس آواز ہے جو ضعیف بندہ کی ہے۔ پھر اللہ کے یہاں اس کی سفارش کرتے ہیں۔ اور جو شخص راحت کے اوقات میں اللہ کو یاد نہ کرے، پھر کوئی تکلیف اس کو پہنچے اور اس وقت یاد کرے تو فرشتے کہتے ہیں: کیسی غیر مانوس آواز ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جنّت کے آٹھ دروازے ہیں۔ ایک ان میں سے صرف ذاکرین کے لئے ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ کا ذکر کثرت سے کرے وہ نِفاق سے بری ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ اس سے محبّت فرماتے ہیں۔ ایک سفر سے واپسی ہو رہی تھی، ایک جگہ پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آگے بڑھنے والے کہاں ہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ بعض تیز رَو آگے چلے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ آگے بڑھنے والے کہاں ہیں جو اللہ کے ذکر میں والہانہ مشغول ہیں جو شخص یہ چاہے کہ جنّت سے خوب سیراب ہو وہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرے۔

(۵) عَنْ أَبِیْ مُوْسٰی رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ رَبَّهٗ، مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ. (أخرجه البخاري ومسلم والبيهقي، كذا في الدر والمشكوٰة)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اور جو نہیں کرتا، ان دونوں کی مثال زندہ اور مردے کی سی ہے کہ ذِکر کرنے والا زندہ ہے اور ذِکر نہ کرنے والا مردہ ہے۔

ف: زندگی ہر شخص کو محبوب ہے اور مرنے سے ہر شخص ہی گھبراتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ جو اللہ کا ذکر نہیں کرتا وہ زندہ بھی مردے ہی کے حکم میں ہے، اس کی زندگی بھی بیکار ہے۔

زندگانی نتواں گفت حیاتیکہ مراست　　زندہ آنست کہ با دوست وصالے دارد

ترجمہ: کہتے ہیں کہ وہ زندگی ہی نہیں ہے جو میری ہے۔ زندہ وہ ہے جس کو دوست کا وصال حاصل ہو۔

بعض علماء نے فرمایا ہے یہ دل کی حالت کا بیان ہے کہ جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اس کا

دل زندہ رہتا ہے اور جو ذِکر نہیں کرتا اس کا دِل مرجاتا ہے اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ تشبیہ نفع اور نقصان کے اعتبار سے ہے کہ اللہ کا ذکر کرنے والے شخص کو جو ستائے وہ ایسا ہے جیسا کسی زندہ کو ستائے کہ اس سے انتقام لیا جائے گا اور وہ اپنے کئے کو بھگتے گا اور غیر ذاکر کو ستانے والا ایسا ہے جیسا مردہ کو ستانے والا کہ وہ خود انتقام نہیں لے سکتا۔ صوفیہ کہتے ہیں کہ اس سے ہمیشہ کی زندگی مراد ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے اخلاص کے ساتھ کرنے والے مرتے ہی نہیں، بلکہ وہ اس دنیا سے منتقل ہو جانے کے بعد بھی زندوں ہی کے حکم میں رہتے ہیں جیسا کہ قرآنِ پاک میں شہید کے متعلق وارد ہوا ہے: "بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ" اسی طرح ان کے لئے بھی ایک خاص قسم کی زندگی ہے۔

حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ کا ذِکر دل کو تَر کرتا ہے اور نرمی پیدا کرتا ہے اور جب دل اللہ کے ذکر سے خالی ہوتا ہے تو نفس کی گرمی اور شہوت کی آگ سے خشک ہو کر سخت ہو جاتا ہے اور سارے اعضاء سخت ہو جاتے ہیں، طاعت سے رک جاتے ہیں۔ اگر ان اعضاء کو کھینچو تو ٹوٹ جائیں گے جیسے کہ خشک لکڑی کہ جھکانے سے نہیں جھکتی، صرف کاٹ کر جلا دینے کے کام کی رہ جاتی ہے۔

(٦) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَوْ اَنَّ رَجُلًا فِیْ حِجْرِهٖ دَرَاهِمُ یَقْسِمُهَا وَ اٰخَرُ یَذْکُرُ اللّٰهَ لَکَانَ الذَّاکِرُ لِلّٰهِ اَفْضَلَ.

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر ایک شخص کے پاس بہت سے روپے ہوں اور وہ ان کو تقسیم کر رہا ہو، اور دوسرا شخص اللہ کے ذکر میں مشغول ہو تو ذکر کرنے والا افضل ہے۔

(أخرجه الطبراني، كذا في الدر، وفي مجمع الزوائد رواه الطبراني في الأوسط ورجاله وثقوا)

ف: یعنی اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا کتنی ہی بڑی چیز کیوں نہ ہو، لیکن اللہ کی یاد اس کے مقابلہ میں بھی افضل ہے۔ پھر کس قدر خوش نصیب ہیں وہ مالدار اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے والے جن کو اللہ کے ذکر کی بھی توفیق نصیب ہو جائے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے بھی روزانہ بندوں پر صدقہ ہوتا رہتا ہے اور ہر شخص کو اس کی حیثیت کے موافق کچھ نہ کچھ عطا ہوتا رہتا ہے، لیکن کوئی عطا اس سے بڑھ کر نہیں کہ اس کو اللہ

کے ذکر کی توفیق نصیب ہو جائے۔ جو لوگ کاروبار میں مشغول رہتے ہیں، تجارت، زراعت، ملازمت میں گھرے رہتے ہیں اگر تھوڑا بہت وقت اللہ کی یاد کے لئے اپنے اوقات میں سے نکال لیں تو کیسی مفت کی کمائی ہے۔ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں سے دو چار گھنٹے اس کام کے لئے نکال لینا کون سی مشکل بات ہے۔ آخر فضولیات، لَغوِیات میں بہت سا وقت خرچ ہوتا ہے، اس کارآمد چیز کے واسطے وقت نکالنا کیا دشوار ہے۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا اِرشاد ہے کہ اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جو اللہ کے ذکر کے واسطے چاند، سورج، ستارے اور سایہ کی تحقیق رکھتے ہیں، یعنی اوقات کی تحقیق کا اہتمام کرتے ہیں۔ اگرچہ اس زمانہ میں گھڑی گھنٹوں کی کثرت نے اس سے بے نیاز کر دیا، پھر بھی فی الجملہ واقفیت ان چیزوں کی مناسب ہے کہ گھڑی کے خراب اور غلط ہو جانے کی صورت میں اوقات ضائع نہ ہو جائیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ زمین کے جس حصّہ پر اللہ کا ذکر کیا جائے وہ حصّہ نیچے ساتوں زمینوں تک دوسرے حصوں پر فخر کرتا ہے۔

(۷) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَيْسَ يَتَحَسَّرُ اَهْلُ الْجَنَّةِ اِلَّا عَلٰى سَاعَةٍ مَرَّتْ بِهِمْ لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ تَعَالٰى فِيْهَا.

حضورِ اقدس ﷺ کا اِرشاد ہے کہ جنّت میں جانے کے بعد اہلِ جنّت کو دنیا کی کسی چیز کا بھی قلق و افسوس نہیں ہوگا، بجز اس گھڑی کے جو دنیا میں اللہ کے ذکر کے بغیر گذر گئی ہو۔

(أخرجه الطبراني و البيهقي، كذا في الدر، وفي الجامع رواه الطبراني في الكبير، والبيهقي في الشعب ورقم له بالحسن، وفي مجمع الزوائد رواه الطبراني ورجاله ثقات، وفي شيخ الطبراني خلاف، واخرج ابن ابي الدنيا والبيهقي عن عائشة بمعناه مرفوعًا، كذا في الدر، وفي الترغيب بمعناه عن ابي هريرة مرفوعًا، وقال: رواه احمد باسناد صحيح وابن حبان والحاكم وقال: صحيح على شرط البخاري)

ف: جنّت میں جانے کے بعد جب یہ منظر سامنے ہوگا کہ ایک دفعہ اس پاک نام کو لینے کا اجر و ثواب کتنا زیادہ مقدار میں ہے کہ پہاڑوں کے برابر مل رہا ہے تو اس وقت اپنی اس کمائی کے نقصان پر جس قدر بھی افسوس ہوگا ظاہر ہے۔ ایسے خوش نصیب بندے بھی ہیں جن کو دنیا ہی بغیر ذِکرُ اللہ کے اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''مُنَبِّہات''

میں لکھا ہے کہ یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مناجات میں کہا کرتے تھے۔ "اِلٰهِی لَا یَطِیْبُ اللَّیْلُ اِلَّا بِمُنَاجَاتِكَ، وَلَا یَطِیْبُ النَّهَارُ اِلَّا بِطَاعَتِكَ، وَلَاتَطِیْبُ الدُّنْیَا اِلَّا بِذِكْرِكَ، وَلَا تَطِیْبُ الْاٰخِرَةُ اِلَّا بِعَفْوِكَ، وَلَا تَطِیْبُ الْجَنَّةُ اِلَّا بِرُؤْیَتِكَ" (ترجمہ) یا اللہ! رات اچھی نہیں لگتی مگر تجھ سے راز و نیاز کے ساتھ، اور دن اچھا معلوم نہیں ہوتا مگر تیری عبادت کے ساتھ، اور دنیا اچھی معلوم نہیں ہوتی مگر تیرے ذکر کے ساتھ، اور آخرت بھلی نہیں مگر تیری معافی کے ساتھ، اور جنّت میں لطف نہیں مگر تیرے دیدار کے ساتھ۔

حضرت سَرِی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ ستو پھانک رہے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ خشک ہی پھانک رہے ہو؟ کہنے لگے کہ میں نے روٹی چبانے اور پھانکنے کا جب حساب لگایا تو چبانے میں اتنا وقت زیادہ خرچ ہوتا ہے کہ اس میں آدمی ستّر مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکتا ہے۔ اس لئے میں نے چالیس برس سے روٹی کھانا چھوڑ دی، ستو پھانک کر گذر کر لیتا ہوں۔

منصور بن مُعْتَمِر رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ چالیس برس تک عشاء کے بعد کسی سے بات نہیں کی۔ ربیع بن خُثَیم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ بیس برس تک جو بات کرتے اس کو ایک پرچہ پر لکھ لیتے اور رات کو اپنے دل سے حساب کرتے کہ کتنی بات اس میں ضروری تھی اور کتنی غیر ضروری۔

(۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَاَبِیْ سَعِیْدٍ رضی اللہ عنہما: اَنَّهُمَا شَهِدَا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ: لَا یَقْعُدُ قَوْمٌ یَّذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَآئِكَةُ، وَغَشِیَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَنَزَلَتْ عَلَیْهِمُ السَّكِیْنَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِیْمَنْ عِنْدَهٗ. (اخرجه ابن ابي شیبة وأحمد ومسلم والترمذي وابن ماجة والبیهقي، كذا في الدر والحصن والمشكوٰة)، وفي حدیث طویل

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما دونوں حضرات اس کی گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، اِرشاد فرماتے تھے کہ جو جماعت اللہ کے ذکر میں مشغول ہو فرشتے اس جماعت کو سب طرف سے گھیر لیتے ہیں اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور سکینہ ان پر نازل ہوتی ہے اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ ان کا تذکرہ اپنی مجلس میں (تفاخر کے طور

لابی ذر " اُوْصِیْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ ؛فَإِنَّهُ رَأْسُ الْاَمْرِ كُلِّهٖ، وَعَلَيْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ وَذِكْرِ اللّٰهِ؛ فَإِنَّهُ ذِكْرٌ لَّكَ فِي السَّمَآءِ وَنُوْرٌ لَّكَ فِي الْاَرْضِ" الحديث ذكره في الجامع الصغير برواية الطبراني وعبد بن حميد في تفسيره ورقم له بالحسن.

پر) فرماتے ہیں ۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ میں تجھے اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں کہ تمام چیزوں کی جڑ ہے اور قرآن شریف کی تلاوت اور اللہ کے ذکر کا اہتمام کر کہ اس سے آسمانوں میں تیرا ذکر ہو گا اور زمین میں نور کا سبب بنے گا۔ اکثر اوقات چپ رہا کر کہ بھلائی بغیر کوئی کلام نہ ہو۔ یہ بات شیطان کو دور کرتی ہے اور دین کے کاموں میں مددگار ہوتی ہے۔ زیادہ ہنسی سے بھی بچتا رہ کہ اس سے دل مر جاتا ہے اور چہرہ کا نور جاتا رہتا ہے۔ جہاد کرتے رہنا کہ میری امت کی فقیری یہی ہے۔ مسکینوں سے محبت رکھنا، ان کے پاس اکثر بیٹھتے رہنا اور اپنے سے کم حیثیت لوگوں پر نگاہ رکھنا اور اپنے سے اونچے لوگوں پر نگاہ نہ کرنا کہ اس سے اللہ کی ان نعمتوں کی ناقدری پیدا ہوتی ہے جو اللہ نے تجھے عطا فرمائی ہیں۔ قرابت والوں سے تعلقات جوڑنے کی فکر رکھنا وہ اگرچہ تجھ سے تعلقات توڑ دیں۔ حق بات کہنے میں تردد نہ کرنا گو کسی کو کڑوی لگے۔ اللہ کے معاملہ میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا۔ تجھے اپنی عیب بینی دوسروں کے عیوب پر نظر نہ کرنے دے اور جس عیب میں خود مبتلا ہو اس میں دوسرے پر غصہ نہ کرنا۔ اے ابوذر! حسنِ تدبیر سے بڑھ کر کوئی عقل مندی نہیں اور ناجائز امور سے بچنا بہترین پرہیزگاری ہے اور خوش خُلقی کے برابر کوئی شرافت نہیں۔

ف: سکینہ کے معنی سکون و وقار کے ہیں یا کسی مخصوص رحمت کے، جس کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں جن کو مختصر طور پر میں اپنے رسالہ ''چہلِ حدیث'' جدید در فضائل قرآن میں لکھ چکا ہوں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ کوئی ایسی مخصوص چیز ہے جو طمانیت، رحمت وغیرہ سب کو شامل ہے اور ملائکہ کے ساتھ اترتی ہے۔

حق تعالیٰ شانہٗ کا ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے تفاخر کے طور پر فرمانا ایک تو اس وجہ سے ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت عرض کیا تھا کہ یہ لوگ دنیا

میں فساد کریں گے جیسا کہ پہلی حدیث کے ذیل میں گذر چکا ہے۔ دوسرے اس وجہ سے ہے کہ فرشتوں کی جماعت اگرچہ سراپا عبادت، سراپا بندگی واطاعت ہے، لیکن ان میں معصیت کا مادہ بھی نہیں ہے اور انسان میں چونکہ دونوں مادے موجود ہیں اور غفلت اور نافرمانی کے اسباب اس کو گھیرے ہوئے ہیں، شہوتیں، لذتیں اس کا جزو ہیں اس لئے اس سے ان سب کے مقابلہ میں جو عبادت، جو اطاعت ہو اور جو معصیت کا مقابلہ ہو وہ زیادہ قابلِ مدح اور قابلِ قدر ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب حق تعالیٰ شانہٗ نے جنت کو بنایا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ارشاد ہوا کہ اس کو دیکھ کر آؤ۔ انہوں نے آکر عرض کیا: یا اللہ! آپ کی عزت کی قسم! جو شخص بھی اس کی خبر سن لے گا اسمیں جائے بغیر نہیں رہے گا یعنی لذتیں اور راحتیں، فرحتیں، نعمتیں جس قدر اس میں رکھی گئی ہیں ان کے سننے اور یقین آجانے کے بعد کون ہوگا جو اس میں جانے کی انتہائی کوشش نہ کرے گا۔ اس کے بعد حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کو مشقتوں سے ڈھانک دیا کہ نمازیں پڑھنا، روزے رکھنا، جہاد کرنا، حج کرنا وغیرہ وغیرہ اس پر سوار کر دیئے گئے کہ ان کو بجا لاؤ تو جنت میں جاؤ اور پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ارشاد ہوا کہ اب دیکھو۔ انہوں نے عرض کیا کہ اب تو یا اللہ! مجھے یہ اندیشہ ہے کہ کوئی اس میں جا ہی نہ سکے گا۔ اسی طرح جب جہنم کو بنایا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اس کے دیکھنے کا حکم ہوا۔ وہاں کے عذاب، وہاں کے مصائب، گندگیاں اور تکلیفیں دیکھ کر انہوں نے عرض کیا کہ یا اللہ! آپ کی عزت کی قسم! جو شخص اس کے حالات سن لے گا کبھی بھی اس کے پاس نہ جائے گا۔ حق سبحانہ وتقدس نے دنیا کی لذتوں سے اس کو ڈھانک دیا کہ زنا کرنا، شراب پینا، ظلم کرنا، احکام پر عمل نہ کرنا وغیرہ وغیرہ کا پردہ اس پر ڈال دیا گیا۔ پھر ارشاد ہوا کہ اب دیکھو۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا اللہ! اب تو مجھے اندیشہ ہو گیا کہ شاید ہی کوئی اس سے بچے۔ اسی وجہ سے جب کوئی بندہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے، گناہ سے بچتا ہے تو اس ماحول کے اعتبار سے جس میں وہ ہے قابل قدر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے حق تعالیٰ شانہٗ اظہارِ مسرّت فرماتے ہیں۔

جن فرشتوں کا اس حدیثِ پاک میں اور اس قسم کی بہت سی حدیثوں میں ذکر آیا ہے وہ

فرشتوں کی ایک خاص جماعت ہے جو اسی کام پر متعیّن ہے کہ جہاں اللہ کے ذکر کی مجالس ہوں، اللہ کا ذکر کیا جارہا ہو وہاں جمع ہوں اور اس کو سنیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں اِرشاد ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت متفرق طور پر پھرتی رہتی ہے اور جس جگہ اللہ کا ذکر سنتی ہے اپنے ساتھیوں کو آواز دیتی ہے کہ آجاؤ، اس جگہ تمہارا مقصود اور غرض موجود ہے اور پھر ایک دوسرے پر جمع ہوتے رہتے ہیں حتّٰی کہ آسمان تک ان کا حلقہ پہنچ جاتا ہے جیسا کہ تیسرے باب کی دوسری فصل کے نمبر ۱۴ پر آرہا ہے۔

(۹) عَنْ مُعَاوِيَةَ ﷺ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ عَلٰى حَلْقَةٍ مِّنْ اَصْحَابِهٖ، فَقَالَ: مَا اَجْلَسَكُمْ؟ قَالُوْا: جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللّٰهَ، وَنَحْمَدُهٗ عَلٰى مَا هَدٰنَا لِلْاِسْلَامِ، وَمَنَّ بِهٖ عَلَيْنَا، قَالَ: آللّٰهِ مَا اَجْلَسَكُمْ اِلَّا ذٰلِكَ؟ قَالُوْا: آللّٰهِ مَا اَجْلَسَنَا اِلَّا ذٰلِكَ، قَالَ: اَمَا اِنِّيْ لَمْ اَسْتَحْلِفْكُمْ تُهْمَةً لَّكُمْ، وَلٰكِنْ اَتَانِيْ جِبْرَئِيْلُ، فَاَخْبَرَنِيْ اَنَّ اللّٰهَ يُبَاهِيْ بِكُمُ الْمَلَائِكَةَ. (اخرجه ابن ابي شيبة واحمد و مسلم والترمذي والنسائي، كذا في الدر والمشكوة)

حضورِ اقدس ﷺ ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے پاس تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ کس بات نے تم لوگوں کو یہاں بٹھایا ہے؟ عرض کیا کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا ذکر کررہے ہیں اور اس بات پر اس کی حمد وثنا کررہے ہیں کہ اس نے ہم لوگوں کو اسلام کی دولت سے نوازا، یہ اللہ کا بڑا ہی احسان ہم پر ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کیا خدا کی قسم! صرف اسی وجہ سے بیٹھے ہو؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: خدا کی قسم! صرف اسی وجہ سے بیٹھے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کسی بدگمانی کی وجہ سے میں نے تم لوگوں کو قسم نہیں دی، بلکہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس ابھی آئے تھے اور یہ خبر سنا گئے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ تم لوگوں کی وجہ سے ملائکہ پر فخر فرمارہے ہیں۔

ف: یعنی میں نے جو قسم دے کر پوچھا اس سے مقصود اہتمام اور تاکید تھی کہ ممکن ہے کوئی اور خاص بات بھی اس کے علاوہ ہو اور وہ بات اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے فخر کا سبب ہو۔ اب معلوم ہوگیا کہ صرف یہ تذکرہ ہی سببِ فخر ہے۔ کس قدر خوش قسمت تھے وہ لوگ جن کی عبادتیں

مقبول تھیں اور ان کی حمد وثنا پر حق تعالیٰ شانہٗ کے فخر کی خوشخبری ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے دنیا ہی میں معلوم ہو جاتی تھی اور کیوں نہ ہوتا کہ ان حضرات کے کارنامے اسی کے مستحق تھے۔ ان کے کارناموں کا مختصر تذکرہ، میں اپنے رسالہ ''حکایاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم'' میں نمونہ کے طور پر لکھ چکا ہوں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ دیکھو! یہ لوگ باوجودیکہ نفس ان کے ساتھ ہے، شیطان ان پر مسلّط ہے، شہوتیں ان میں موجود ہیں، دنیا کی ضرورتیں ان کے پیچھے لگی ہوئی ہیں۔ ان سب کے باوجود، ان سب کے مقابلہ میں اللہ کے ذکر میں مشغول ہیں اور اتنی کثرت سے ہٹانے والی چیزوں کے باوجود میرے ذکر سے نہیں ہٹتے۔ تمہارا ذِکر و تسبیح اس لحاظ سے کہ تمہارے لئے کوئی مانع بھی ان میں سے نہیں ہے، ان کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ہے۔

(۱۰) عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَا مِنْ قَوْمٍ اجْتَمَعُوْا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ لَا يُرِيْدُوْنَ بِذٰلِكَ اِلَّا وَجْهَهٗ، اِلَّا نَادَاهُمْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَاءِ اَنْ قُوْمُوْا مَغْفُوْرًا لَّكُمْ، قَدْ بُدِّلَتْ سَيِّئَاتُكُمْ حَسَنَاتٍ. (اخرجه احمد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ جو بھی لوگ اللہ کے ذکر کے لئے مجتمع ہوں، اور ان کا مقصود صرف اللہ ہی کی رِضا ہو تو آسمان سے ایک فرشتہ ندا کرتا ہے کہ تم لوگ بخش دیئے گئے، اور تمہاری برائیاں نیکیوں سے بدل دی گئیں۔

والبزار و ابو يعلى والطبراني، واخرجه الطبراني عن سهل بن الحنظلية ايضًا واخرجه البيهقي

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رضی اللہ عنہ وَزَادَ: "وَمَا مِنْ قَوْمٍ اِجْتَمَعُوْا فِيْ مَجْلِسٍ، فَتَفَرَّقُوْا، وَ لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ اِلَّا كَانَ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

دوسری حدیث میں ہے اس کے بالمقابل جو اجتماع ایسا ہو کہ اس میں اللہ پاک کا کوئی ذکر ہو ہی نہیں تو یہ اجتماع قیامت کے دن حسرت وافسوس کا سبب ہوگا۔

كذا في الدر، قال المنذري: رواه الطبراني في الكبير والأوسط، ورواته محتج بهم في الصحيح، وفي الباب عن ابي هريرة عند احمد وابن حبان وغيرهما، وصححه الحاكم على شرط مسلم في موضع وعلى شرط البخاري

في موضع اخرى، وعزا السيوطي في الجامع حديث سهل الى الطبراني، والبيهقي في الشعب والضياء ورقم له بالحسن، وفي الباب روايات ذكرها في مجمع الزوائد.

ف: یعنی اس اجتماع کی بے برکتی اور اِضاعت پر حسرت ہوگی اور کیا بعید ہے کہ وبال کا سبب کسی وجہ سے بن جائے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس مجلس میں اللہ کا ذکر نہ ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ ہو، اس مجلس والے ایسے ہیں جیسے مرے ہوئے گدھے پر سے اٹھے ہوں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مجلس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کے اختتام پر یہ دعا پڑھ لے: "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ" ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جو بھی مجلس ایسی ہو جس میں اللہ کا ذکر، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف نہ ہو وہ مجلس قیامت کے دن حسرت اور نقصان کا سبب ہوگی۔ پھر حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف سے چاہے مغفرت فرماویں، چاہے مطالبہ اور عذاب فرماویں۔ ایک حدیث میں ہے کہ مجلسوں کا حق ادا کیا کرو اور وہ یہ ہے کہ اللہ کا ذکر ان میں کثرت سے کرو۔ راہگیروں کو (بوقت ضرورت) راستہ بتاؤ اور (ناجائز چیز سامنے آجائے تو) آنکھیں بند کرلو (یا نیچی کرلو کہ اس پر نگاہ نہ پڑے)

حضرت علی کرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس کا ثواب بہت بڑی ترازو میں تلے (یعنی ثواب بہت زیادہ مقدار میں ہو کہ وہی بڑی ترازو میں تُلے گا، معمولی چیز تو بڑی ترازو کے پاسنگ میں آجائے گی) اس کو چاہئے کہ مجلس کے ختم پر یہ دعا پڑھا کرے:

"سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝" (الصّٰفّٰت: ۸۰، ۸۱، ۸۲)[1]

حدیثِ بالا میں برائیوں کے نیکیوں سے بدل دینے کی بشارت بھی ہے۔ قرآن پاک میں بھی سورۂ فرقان کے ختم پر مومنین کی چند صفات ذکر فرمانے کے بعد ارشاد ہے: "فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝" (الفرقان: ۷۰) (پس یہی لوگ

(۱) حصن وحامش

ہیں جن کی برائیوں کو حق تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں)۔

اس آیتِ شریفہ کے متعلق علمائے تفسیر کے چند اقوال ہیں:۔

ایک یہ کہ سیّئات معاف فرما دی جائیں گی اور حَسَنَات باقی رہ جائیں گی، گویا یہ بھی تبدیلی ہے کہ سیّئہ کوئی باقی نہیں رہی۔ دوسرے یہ کہ ان لوگوں کو بجائے برے اعمال کرنے کے نیک اعمال کی توفیق حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں نصیب ہوگی جیسا کہ بولتے ہیں کہ گرمی کے بجائے سردی ہوگئی۔ تیسرے یہ کہ ان کی عادتوں کا تعلّق بجائے بری چیزوں کے اچھی چیزوں کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ آدمی کی عادتیں طبعی ہوتی ہیں جو بدلتی نہیں۔ اسی وجہ سے ضرب المثل ہے "جَبَل گَرْدَدْ، جِبِلَّت نہ گردد" اور یہ مثل بھی ایک حدیث سے ماخوذ ہے جس میں ارشاد ہے کہ اگر تم سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا اور دوسری جگہ چلا گیا تو اس کی تصدیق کرلو، لیکن اگر سنو کہ طبیعت بدل گئی تو اس کی تصدیق نہ کرو۔ گویا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ عادات کا زائل ہونا پہاڑ کے زائل ہونے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ اس کے بعد پھر اشکال ہوتا ہے کہ صوفیہ اور مشائخ جو عادات کی اصلاح کرتے ہیں اس کا کیا مطلب ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عادتیں نہیں بدلتیں بلکہ ان کا تعلّق بدل جاتا ہے، مثلاً ایک شخص کے مزاج میں غصّہ ہے وہ مشائخ کی اصلاح اور مجاہدوں سے ایسا ہو جائے کہ غصّہ بالکل باقی نہ رہے یہ تو دشوار ہے۔ ہاں اس غصّہ کا تعلّق پہلے سے جن چیزوں کے ساتھ تھا مثلاً بے جا ظلم، تکبّر وغیرہ اب بجائے ان کے اللہ کی نافرمانیوں پر، اس کے احکام کی خلاف ورزی وغیرہ وغیرہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ وہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو ایک زمانہ میں مسلمانوں کی ایذاء رسانی میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑتے تھے، ایمان کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت سے کفار وفساق پر اسی طرح ٹوٹتے تھے، اسی طرح اور اخلاق کا بھی حال ہے۔

اس توضیح کے بعد اب مطلب یہ ہوا کہ حق تعالیٰ شانہٗ ایسے لوگوں کے اخلاق کا تعلّق بجائے معاصی کے حسنات سے فرما دیتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ حق تعالیٰ شانہٗ ان کو اپنی برائیوں پر توبہ کی توفیق عطا فرماتے ہیں جس کی وجہ سے پرانے پرانے گناہ یاد آ کر ندامت

اور توبہ کا سبب ہوتا ہے اور ہر گناہ کے بدلے ایک توبہ جو عبادت ہے اور نیکی ہے ثبت ہو جاتی ہے۔ پانچویں یہ ہے کہ اگر مولائے کریم کو کسی کی کوئی ادا پسند ہو اور اس کو اپنے فضل سے برائیوں کے برابر نیکیاں دے تو کسی کے باپ کا کیا اجارہ ہے، وہ مالک ہے، بادشاہ ہے، قدرت والا ہے، اس کی رحمت کی وُسعت کا کیا کہنا، اس کی مغفرت کا دروازہ کون بند کر سکتا ہے؟ اس کی عطا کو کون روک سکتا ہے؟ جو دے رہا ہے وہ اپنی ہی مِلک سے دیتا ہے، اس کو اپنی قدرت کے مظاہر بھی دکھانا ہیں، اپنی مغفرت کے کرشمے بھی اسی دن ظاہر کرنا ہیں۔

احادیث میں محشر کا نظارہ اور حساب کی جانچ مختلف طریقوں سے وارد ہوئی ہے جس کو ''بَہجَۃُ النُفوس'' نے مختصر طور پر ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ حساب چند انواع پر منقسم ہوگا۔ ایک نوع یہ ہوگی کہ بعض بندوں سے نہایت مخفی رحمت کے پردہ میں محاسبہ ہوگا اور ان کے گناہ ان کو گنوائے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ تو نے فلاں وقت یہ گناہ کیا، فلاں وقت ایسا کیا اور اس کو اقرار بغیر چارۂ کار نہ ہوگا، حتیٰ کہ وہ گناہوں کی کثرت سے یہ سمجھے گا کہ میں ہلاک ہو گیا تو اِرشاد ہوگا کہ ہم نے دنیا میں بھی تجھ پر ستاری کی، آج بھی ستاری کرتے ہیں اور معاف کرتے ہیں، چنانچہ جب یہ شخص اور اس جیسا جو ہوگا وہ حساب کے مقام سے واپس جائے گا تو لوگ دیکھ کر کہیں گے کہ یہ کیسا مبارک بندہ ہے کہ اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔ اس لئے کہ ان کو اس کے گناہوں کی خبر ہی نہ ہوئی۔ اسی طرح ایک نوع ایسی ہوگی کہ ان کے لئے چھوٹے بڑے گناہ ہوں گے۔ اس کے بعد ارشاد ہوگا کہ اچھا ان کے چھوٹے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دو تو وہ جلدی سے کہیں گے کہ ابھی اور بھی گناہ ایسے ہیں جو یہاں ذکر نہیں کئے گئے۔ اسی طرح اور انواع کا ذکر کیا ہے کہ کس کس طرح سے پیشی اور حساب ہوگا۔

حدیث میں ایک قصہ آتا ہے نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اس شخص کو پہچانتا ہوں جو سب سے اخیر میں جہنّم سے نکالا جائے گا اور سب سے اخیر میں جنّت میں داخل کیا جائے گا۔ ایک شخص کو بلایا جائے گا اور فرشتوں سے کہا جائے گا کہ اس کے بڑے بڑے گناہ تو ابھی ذکر نہ کئے جائیں، چھوٹے چھوٹے گناہ اس کے سامنے پیش کئے جائیں، ان پر باز پرس کی جائے، چنانچہ یہ شروع ہو جائے گا اور ایک ایک گناہ وقت کے حوالہ کے

ساتھ اس کو جتایا جائے گا۔ وہ انکار کیسے کرسکتا ہے، اقرار کرتا جائے گا۔ اتنے میں ارشادِ ربی ہوگا کہ اس کو ہر گناہ کے بدلے ایک نیکی دی جائے تو وہ جلدی سے کہے گا کہ ابھی تو اور بھی بہت سے گناہ باقی ہیں، ان کا تو ذکر ہی نہیں آیا۔ اس قصہ کو نقل فرماتے ہوئے حضور ﷺ کو بھی ہنسی آگئی۔

اس قصے میں اوّل تو جہنّم میں سے سب سے اخیر میں نکلنا ہے، یہی کیا کم سزا ہے؟ دوسرے کیا معلوم کون خوش قسمت ایسا ہوسکتا ہے جس کے گناہوں کی تبدیلی ہو۔ اس لئے اللہ کی پاک ذات سے اُمید کرتے ہوئے فضل کا مانگتے رہنا بندگی کی شان ہے، لیکن اس پر مطمئن ہونا جرأت ہے، البتہ سیئات کو حسنات سے بدلنے کا سبب اخلاص سے مجالسِ ذکر میں حاضری حدیثِ بالا سے معلوم ہوتی ہی ہے، لیکن اخلاص بھی اللہ ہی کی عطا سے ہوسکتا ہے۔

ایک ضروری بات یہ ہے کہ جہنّم سے اخیر میں نکلنے والے کے بارہ میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں، لیکن ان میں کوئی اشکال نہیں۔ ایک مُعتدبہ جماعت اگر نکلے تو بھی ہر شخص اخیر میں نکلنے والا ہے اور جو قریب اخیر کے نکلے وہ بھی اخیر ہی کہلاتا ہے، نیز خاص خاص جماعت کا اخیر بھی مراد ہوسکتا ہے۔ اس حدیث میں اہم مسئلہ اخلاص کا ہے اور اخلاص کی قید اور بھی بہت سی احادیث میں اس رسالہ میں نظر سے گذرے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اخلاص ہی کی قدر ہے۔ جس درجہ کا اخلاص ہوگا اسی درجہ کی عمل کی قیمت ہوگی۔ صوفیہ کے نزدیک اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ قَال اور حَال برابر ہوں۔ ایک حدیث میں آئندہ آرہا ہے کہ اخلاص یہ ہے کہ گناہوں سے روک دے۔ ''بَہْجَۃُ النُّفُوس'' میں لکھا ہے: ایک بادشاہ کے لئے جو نہایت ہی جابر اور مُتشدد تھا ایک جہاز میں بہت سی شراب لائی جارہی تھی۔ ایک صاحب کا اس جہاز پر گذر ہوا اور جس قدر ٹھلیاں شراب سے بھری ہوئی تھیں سب ہی توڑ دیں، ایک چھوڑ دی۔ کسی شخص کی ہمت ان کو روکنے کی نہ پڑی لیکن اس پر حیرت تھی کہ اس بادشاہ کے تشدد کا مقابلہ بھی کوئی نہیں کرسکتا تھا، پھر اس نے کس طرح جرأت کی۔ بادشاہ کو اطلاع دی گئی، اس کو بھی تعجب ہوا۔ اوّلاً اس بات پر کہ اس کے مال پر کس طرح ایک معمولی آدمی نے جرأت کی اور پھر اس پر کہ ایک مٹکی کیوں چھوڑ دی۔ ان صاحب کو بلایا گیا، پوچھا

کہ یہ کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میرے دل میں اس کا تقاضا ہوا اس لئے ایسا کیا، تمہارا جو دل چاہے سزا دیدو۔ اس نے پوچھا کہ یہ ایک کیوں چھوڑ دی؟ انہوں نے کہا کہ مجھے اوّلاً اسلامی غیرت کا تقاضا تھا اس لئے میں نے توڑیں، مگر جب ایک رہی تو میرے دل میں ایک خوشی سی پیدا ہوئی کہ میں نے ایک ناجائز کام کو مٹا دیا تو مجھے اس کے توڑنے میں یہ شبہ ہوا کہ یہ حظِ نفس، دل کی خوشی کی وجہ سے ہے اس لئے ایک کو چھوڑ دیا۔ بادشاہ نے کہا: اس کو چھوڑ دو، یہ مجبور تھا۔

''اِحیاءُ العلوم'' میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا جو ہر وقت عبادت میں مشغول رہتا تھا، ایک جماعت اس کے پاس آئی اور کہا کہ یہاں ایک قوم ہے جو ایک درخت کو پوجتی ہے، یہ سن کر اس کو غصہ آیا اور کلہاڑا کندھے پر رکھ کر اس کو کاٹنے کے لئے چل دیا۔ راستہ میں شیطان ایک پیر مرد کی صورت میں مِلا۔ عابد سے پوچھا: کہاں جارہے ہو؟ اس نے کہا: فلاں درخت کاٹنے جاتا ہوں۔ شیطان نے کہا: تمہیں اس درخت سے کیا واسطہ؟ تم اپنی عبادت میں مشغول رہو، تم نے اپنی عبادت کو ایک مُہمل کام کے واسطے چھوڑ دیا۔ عابد نے کہا: یہ بھی عبادت ہے۔ شیطان نے کہا: میں نہیں کاٹنے دوں گا۔ دونوں میں مقابلہ ہوا، وہ عابد اس کے سینے پر چڑھ گیا۔ شیطان نے اپنے کو عاجز دیکھ کر خوشامد کی اور کہا: اچھا ایک بات سن لے، عابد نے اس کو چھوڑ دیا۔ شیطان نے کہا کہ اللہ نے تجھ پر اس کو فرض تو کیا نہیں، تیرا اس سے کوئی نقصان نہیں، تو اس کی پرستش نہیں کرتا۔ اللہ کے بہت سے نبی ہیں، اگر وہ چاہتا تو کسی نبی کے ذریعہ سے اس کو کٹوا دیتا۔ عابد نے کہا: میں ضرور کاٹوں گا۔ پھر مقابلہ ہوا، وہ عابد پھر اس کے سینے پر چڑھ گیا۔ شیطان نے کہا: اچھا سن، ایک فیصلہ والی بات تیرے نفع کی کہوں۔ اس نے کہا: کہہ۔ شیطان نے کہا: تو غریب ہے، دنیا پر بوجھ بنا ہوا ہے، تو اس کام سے باز آ، میں تجھے روزانہ تین دینار (اشرفی) دیا کروں گا جو روزانہ تیرے سرہانے رکھے ہوئے مِلا کریں گے۔ تیری بھی ضرورتیں پوری ہو جائیں گی۔ اپنے اَعزّہ پر بھی احسان کر سکے گا۔ فقیروں کی مدد کر سکے گا اور بہت سے ثواب کے کام کر سکے گا۔ اس میں ایک ہی ثواب ہوگا اور وہ بھی بیکار کہ وہ لوگ پھر دوسرا لگالیں گے۔ عابد کی سمجھ میں

آ گیا، قبول کر لیا۔ دو دن تو وہ ملے، تیسرے دن سے ندارد۔ عابد کو غصہ آیا اور کلہاڑا لے کر پھر چلا۔ راستہ میں وہ بوڑھا ملا، پوچھا: کہاں جا رہا ہے؟ عابد نے بتایا کہ اسی درخت کو کاٹنے جا رہا ہوں۔ بوڑھے نے کہا کہ تو اس کو نہیں کاٹ سکتا۔ دونوں میں جھگڑا ہوا وہ بوڑھا غالب آ گیا اور عابد کے سینہ پر چڑھ گیا۔ عابد کو بڑا تعجب ہوا، اس سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ تو اس مرتبہ غالب ہو گیا؟ اس بوڑھے نے کہا کہ پہلی مرتبہ تیرا غصہ خالص اللہ کے واسطے تھا، اس لئے اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے مجھے مغلوب کر دیا تھا۔ اس مرتبہ اس میں دیناروں کا دخل تھا اس لئے تو مغلوب ہوا۔ حق یہ ہے کہ جو کام خالص اللہ کے واسطے کیا جاتا ہے اس میں بڑی قوت ہوتی ہے۔

(۱۱) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا عَمِلَ اٰدَمِيٌّ عَمَلًا اَنْجٰى لَهٗ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ.

نبی اکرم ﷺ کا اِرشاد ہے اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کسی آدمی کا کوئی عمل عذابِ قبر سے زیادہ نجات دینے والا نہیں ہے۔

اخرجه أحمد، كذا في الدر والىٰ أحمد عزاه في الجامع الصغير بلفظ اَنْجٰى لَهٗ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ ورقم له بالصحة، وفي مجمع الزوائد رواه أحمد ورجاله رجال الصحيح الا أن زيادًا لم يدرك معاذًا، ثم ذكره بطريق اخر وقال: رواه الطبراني ورجاله رجال الصحيح، قلت: وفي المشكوة عنه موقوفًا بلفظ "مَاعَمِلَ الْعَبْدُ عَمَلًا اَنْجٰى لَهٗ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ" وقال: رواه مالك والترمذي و ابن ماجة. قلت: وهٰكذا رواه الحاكم وقال: صحيح الاسناد واقره عليه الذهبي، و في المشكوٰة برواية البيهقي في الدعوات عن ابن عمر مرفوعًا بمعناه، قال القاري: رواه ابن ابي شيبة و ابن ابي الدنيا، وذكره في الجامع الصغير برواية البيهقي في الشعب ورقم له بالضعف وزاد في اوّله "لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ" و في مجمع الزوائد برواية جابر مرفوعًا نحوه، و قال: رواه الطبراني في الصغير والأوسط، ورجالهما رجال الصحيح.)

ف: عذابِ قبر کتنی سخت چیز ہے، اس سے وہی لوگ واقف ہیں جن کے سامنے وہ احادیث ہیں جو عذابِ قبر کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر تشریف لے جاتے تو اس قدر روتے کہ ڈاڑھی مبارک تر ہو جاتی۔ کسی نے پوچھا کہ آپ جنت کے، دوزخ کے ذکر سے ایسا نہیں روتے جیسا کہ قبر کے سامنے آ جانے سے روتے ہیں۔ آپ نے اِرشاد فرمایا کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے سب سے پہلی منزل ہے جو شخص اس سے نجات پا لے بعد کی سب منزلیں اس پر سہل ہو جاتی ہیں اور جو اس سے نجات نہ پائے بعد کی منزلیں دشوار ہی ہوتی جاتی ہیں۔ پھر آپ نے حضورِ اقدس ﷺ کا پاک ارشاد سنایا کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرماتے تھے کہ میں نے کوئی منظر قبر سے زیادہ گھبراہٹ والا نہیں دیکھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد عذابِ قبر سے پناہ مانگتے تھے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے یہ اندیشہ ہے کہ تم ڈر اور خوف کی وجہ سے مُردوں کا دفن کرنا چھوڑ دو گے، ورنہ میں اس کی دعا کرتا کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ تمہیں بھی عذابِ قبر سنادے۔ آدمیوں اور جنات کے سوا اور جاندار عذابِ قبر کو سنتے ہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ سفر میں تشریف لے جارہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بدکنے لگی۔ کسی نے پوچھا: حضور کی اونٹنی کو کیا ہوا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی کو قبر کا عذاب ہورہا ہے، اس کی آواز سے بدکنے لگی۔ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے تو چند آدمیوں کو دیکھا کہ کھل کھلا کر ہنس رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر موت کو اکثر یاد کیا کرو تو یہ بات نہ ہو۔ کوئی دن قبر پر ایسا نہیں گذرتا جس میں وہ یہ اعلان نہیں کرتی کہ میں غربت کا گھر ہوں، تنہائی کا گھر ہوں، کیڑوں اور جانوروں کا گھر ہوں۔ جب کوئی مؤمن (کامل ایمان والا) دفن ہوتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے: تیرا آنا مبارک ہے۔ تو نے بہت ہی اچھا کیا کہ آگیا۔ جتنے لوگ میری پشت پر (یعنی زمین پر) چلتے تھے، تُو ان سب میں مجھے بہت محبوب تھا۔ آج تو میرے سپرد ہوا تو تُو میرا حُسنِ سلوک بھی دیکھے گا۔ اس کے بعد وہ اس قدر وسیع ہوجاتی ہے کہ منتہائے نظر تک کھل جاتی ہے اور جنّت کا ایک دروازہ اس میں کھل جاتا ہے جس سے وہاں کی ہوائیں خوشبوئیں وغیرہ پہنچتی رہتی ہیں اور جب کافر یا فاجر دفن کیا جاتا ہے تو قبر کہتی ہے کہ تیرا آنا منحوس اور نامبارک ہے، کیا ضرورت تھی تیرے آنے کی۔ جتنے آدمی میری پشت پر چلتے تھے سب میں زیادہ بغض مجھے تجھ سے تھا۔ آج تو میرے حوالہ ہوا تو میرا معاملہ بھی دیکھے گا۔ اس کے بعد اُس کو اس قدر زور سے بھینچتی ہے کہ پسلیاں ایک دوسری میں گھس جاتی ہیں جس طرح ہاتھ میں ہاتھ ڈالنے سے انگلیاں ایک دوسری میں گھس جاتی ہیں۔ اس کے بعد نوے یا ننانوے اژدہے اس پر مسلّط ہوجاتے ہیں جو اس کو نوچتے رہتے ہیں اور قیامت تک یہی ہوتا رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر ایک اژدہا بھی ان میں سے زمین پر پھنکار

ماردے تو قیامت تک زمین میں گھاس نہ اُگے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ قبر، یا جنّت کا ایک باغ ہے یا جہنّم کا ایک گڑھا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا دو قبروں پر گذر ہوا۔ ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے۔ ایک کو چغل خوری کے جرم میں، دوسرے کو پیشاب کی احتیاط نہ کرنے میں (کہ بدن کو اس سے بچاتا نہ تھا) ہمارے کتنے مہذب لوگ ہیں جو استنجے کو عیب سمجھتے ہیں، اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ علماء نے پیشاب سے نہ بچنا گناہِ کبیرہ بتایا ہے۔ ابنِ حجر مکّی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ صحیح روایت میں آیا ہے کہ اکثر عذابِ قبر پیشاب کی وجہ سے ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ قبر میں سب سے پہلے مطالبہ پیشاب کا ہوتا ہے۔ بالجُملہ عذابِ قبر نہایت سخت چیز ہے اور جیسا کہ اس کے ہونے میں بعض گناہوں کو خاص دخل ہے اسی طرح اس سے بچنے میں بھی بعض عبادات کو خصوصی شرافت حاصل ہے، چنانچہ متعدد احادیث میں وارد ہے کہ سورۂ تبارک الذی کا ہر رات کو پڑھتے رہنا عذابِ قبر سے نجات کا سبب ہے اور عذابِ جہنّم سے بھی حفاظت کا سبب ہے اور اللہ کا ذکر کے بارے میں تو حدیثِ بالا ہے ہی۔

(۱۲) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَيُبْعَثَنَّ اللّٰهُ اَقْوَامًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِیْ وُجُوْهِهِمُ النُّوْرُ عَلٰى مَنَابِرِ اللُّؤْلُؤِ، يَغْبِطُهُمُ النَّاسُ، لَيْسُوْا بِاَنْبِيَآءَ وَلَا شُهَدَآءَ، فَقَالَ اَعْرَابِیٌّ: حُلِّهِمْ لَنَا نَعْرِفْهُمْ، قَالَ: هُمُ الْمُتَحَابُّوْنَ فِی اللّٰهِ مِنْ قَبَائِلَ شَتّٰى وَبِلَادٍ شَتّٰى، يَجْتَمِعُوْنَ عَلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ يَذْكُرُوْنَهٗ. (اخرجه الطبراني باسناد حسن، كذا في الدر و مجمع الزوائد والترغيب للمنذري، و

حضور ﷺ کا اِرشاد ہے کہ قیامت کے دن اللہ جَلَّ شَانُہٗ بعضے قوموں کا حشر ایسی طرح فرمائیں گے کہ ان کے چہروں میں نور چمکتا ہوا ہوگا، وہ موتیوں کے منبروں پر ہوں گے، لوگ ان پر رشک کرتے ہوں گے، وہ انبیاء اور شہداء نہیں ہونگے، کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان کا حال بیان کر دیجئے کہ ہم ان کو پہچان لیں، حضور ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کی محبت میں مختلف جگہوں سے مختلف

ذكر ايضًا له متابعة برواية عمرو بن عبسة عند الطبراني مرفوعًا، قال المنذري: و اسنادهٗ مقارب لا بأس به، ورقم لحديث عمرو بن عبسة في الجامع الصغير بالحسن، وفي مجمع الزوائد رجاله موثوقون، وفي مجمع الزوائد بمعني هذا الحديث مطولًا و فيه "حُلْهُمْ لَنَا يَعْنِيْ صِفْهُمْ لَنَا شَكْلَهُمْ لَنَا فَسُرَّ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِسُؤَالِ الْأَعْرَابِيِّ" الْحَدِيْثَ ـ قال: رواه احمد والطبراني بنحوه ورجاله وثقوا، قلت: و في الباب عن ابي هريرة عند البيهقي في الشعب إنّ في الجنّة لَعُمُدًا مِن يَاقوت، عَلَيْهَا غُرَفٌ مِنْ زَبَرْجَدٍ، لَهَا أَبْوَابٌ مُفَتَّحَةٌ تُضِيءُ كما يُضِيءُ الْكَوْكَبُ الدُّرِّيُّ، يَسْكُنُهَا الْمُتَحَابُّوْنَ فِي اللّٰهِ تَعَالٰى، وَالْمُتَجَالِسُوْنَ فِي اللّٰهِ تَعَالٰي وَالْمُتَلَاقُوْنَ فِي اللّٰهِ، كذا في الجامع الصغير، ورقم له بالصعف وذكر في مجمع الزوائد له شواهد، وكذافي المشكوة)

خاندانوں سے آ کر ایک جگہ جمع ہو گئے ہوں اور اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ جنّت میں یاقوت کے ستون ہوں گے جن پر زَبَرجَد (زُمُرُّد) کے بالا خانے ہوں گے، ان میں چاروں طرف دروازے کھلے ہوئے ہوں گے اور ایسے چمکتے ہوں گے جیسے کہ نہایت روشن ستارہ چمکتا ہے۔ ان بالا خانوں میں وہ لوگ رہیں گے جو اللہ کے واسطے آپس میں محبّت رکھتے ہوں اور وہ لوگ جو اللہ ہی کے واسطے ایک جگہ اکٹھے ہوں اور وہ لوگ جو اللہ ہی کے واسطے آپس میں ملتے جلتے ہوں۔

ف: اس میں اَطِبَّاء کا اِختلاف ہے کہ زَبَرجَد اور زُمُرُّد ایک ہی پتھر کے دو نام ہیں یا ایک پتھر کی دو قسمیں ہیں یا ایک ہی نوع کے دو پتھر ہیں۔ بہر حال یہ ایک پتھر ہوتا ہے جو نہایت ہی روشن چمک دار ہوتا ہے۔

آج خانقاہوں کے بیٹھنے والوں پر ہر طرح الزام ہے، ہر طرف سے فقرے کسے جاتے ہیں۔ آج انہیں جتنا دل چاہے برا بھلا کہہ لیں، کل جب آنکھ کھلے گی اس وقت حقیقت معلوم ہوگی کہ یہ بوریوں پر بیٹھنے والے کیا کچھ کما کر لے گئے جب وہ ان منبروں اور بالا خانوں پر ہوں گے، اور یہ ہنسنے والے اور گالیاں دینے والے کیا کما کر لے گئے۔

فَسَوْفَ تَرٰى اِذَا انْكَشَفَ الْغُبَارُ أَفَرَسٌ تَحْتَ رِجْلِكَ أَمْ حِمَارُ

(عنقریب جب غُبار ہٹ جائے گا تو معلوم ہوگا کہ گھوڑے پر سوار تھے یا گدھے پر)

ان خانقاہوں کی اللہ کے یہاں کیا قدر ہے جن پر آج چاروں طرف سے گالیاں پڑتی ہیں،

یہ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے جن میں ان کی فضیلتیں ذکر کی گئی ہیں۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جس گھر میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہو وہ آسمان والوں کے لئے ایسا چمکتا ہے جیسے زمین والوں کے لئے ستارے چمکتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ذکر کی مجالس پر جو سکینہ (ایک خاص نعمت) نازل ہوتی ہے، فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں، رحمتِ الٰہی ان کو ڈھانک لیتی ہے اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ عرش پر ان کا ذکر فرماتے ہیں۔ ابورزین ایک صحابی ہیں، وہ کہتے ہیں: حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ تجھے دین کی تقویت کی چیز بتاؤں جس سے تو دونوں جہان کی بھلائی کو پہنچے، وہ اللہ کا ذکر کرنے والوں کی مجلسیں ہیں، ان کو مضبوط پکڑ اور جب تو تنہا ہوا کرے تو جتنی بھی قدرت ہو اللہ کا ذکر کرتا رہ۔

حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ آسمان والے ان گھروں کو جن میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے ایسا چمکدار دیکھتے ہیں جیسا کہ زمین والے ستاروں کو چمکدار دیکھتے ہیں۔ یہ گھر جن میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے ایسے منور اور روشن ہوتے ہیں کہ اپنے نور کی وجہ سے ستاروں کی طرح چمکتے ہیں اور جن کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ نور کے دیکھنے کی آنکھیں عطا فرماتے ہیں وہ یہاں بھی ان کی چمک دیکھ لیتے ہیں۔ بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہیں جو بزرگوں کا نور، ان کے گھروں کا نور اپنی آنکھوں سے چمکتا ہوا دیکھتے ہیں، چنانچہ حضرت فضیل بن عیاض رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ جو مشہور بزرگ ہیں فرماتے ہیں کہ جن گھروں میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے وہ آسمان والوں کے نزدیک ایسا چمکتے ہیں جیسا کہ چراغ۔ شیخ عبدالعزیز دباغ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ ابھی قریب ہی زمانہ میں ایک بزرگ گذرے ہیں جو بالکل اُمّی تھے، مگر قرآن شریف کی آیت، حدیثِ قدسی، حدیثِ نبوی اور موضوع حدیث کو علیحدہ علیحدہ بتادیتے تھے اور کہتے تھے کہ متکلم کی زبان سے جب لفظ نکلتے ہیں تو ان الفاظ کے نور سے معلوم ہوجاتا ہے کہ کس کا کلام ہے کہ اللہ پاک کے کلام کا نور علیحدہ ہے اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے کلام کا نور دوسرا ہے اور دوسرے کلاموں میں یہ دونوں نور نہیں ہوتے۔

تذکرۃُ الخلیل یعنی سوانح حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ میں بروایت مولانا ظفر احمد صاحب لکھا ہے کہ حضرت رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کے پانچویں حج میں جس وقت حضرت رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ مسجدِ حرام میں طوافِ قُدوم کے لئے تشریف لائے تو احقر مولانا مُحِبّ الدین صاحب رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ

(جو اعلیٰ حضرت مولانا الحاج امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نور اللہ مرقدہٗ کے خاص خلفاء میں تھے اور صاحبِ کشف مشہور تھے) کے پاس بیٹھا تھا۔ مولانا اس وقت درود شریف کی کتاب کھولے ہوئے اپنا وِرد پڑھ رہے تھے کہ دفعۃً میری طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے: اس وقت حرم میں کون آ گیا کہ دفعۃً سارا حرم انوار سے بھر گیا۔ میں خاموش رہا کہ اتنے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ طواف سے فارغ ہو کر مولانا کے پاس کو گذرے۔ مولانا کھڑے ہو گئے اور ہنس کر فرمایا کہ میں بھی تو کہوں آج حرم میں کون آ گیا۔ مجالسِ ذکر کی فضیلت مختلف عنوانات سے بہت سی احادیث میں وارد ہوئی ہے، ایک حدیث میں وارد ہے کہ افضل ترین رباط نماز ہے اور ذکر کی مجالس۔ رِباط کہتے ہیں دارالاسلام کی سرحد کی حفاظت کرنے کو تاکہ کفار اس طرف سے حملہ نہ کریں۔

(۱۳) عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا، قَالَ: وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ؟ قَالَ حِلَقُ الذِّكْرِ. (اخرجه احمد والترمذی وحسنه،

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ جب جنّت کے باغوں پر گذرو تو خوب چرو۔ کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جنّت کے باغ کیا ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ ذکر کے حلقے۔

وذكره في المشكوة برواية الترمذی، وزاد في الجامع الصغير والبيهقي في الشعب ورقم له بالصحة، وفي الباب عن جابر عند ابن أبي الدنيا والبزار وأبي يعلى والحاكم وصححه، والبيهقي في الدعوات، كذا في الدر وفي الجامع الصغير برواية الطبراني عن ابن عباس بلفظ مجالس العلم، و برواية الترمذي عن ابي هريرة بلفظ المساجد محل حلق الذكر وزاد الرتع ـ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ)

ف: مقصود یہ ہے کہ کسی خوش قسمت کی ان مجالس، ان حلقوں تک رسائی ہو جائے تو اس کو بہت زیادہ غنیمت سمجھنا چاہئے کہ یہ دنیا ہی میں جنّت کے باغ ہیں اور ''خوب چرو'' سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ جیسے جانور جب کسی سبزہ زار یا کسی باغ میں چرنے لگتا ہے تو معمولی سے ہٹانے سے بھی نہیں ہٹتا، بلکہ مالک کے ڈنڈے وغیرہ بھی کھاتا رہتا ہے، لیکن اِدھر سے منہ نہیں موڑتا۔ اسی طرح ذکر کرنے والے کو بھی دنیاوی تفکرات اور موانع کی وجہ سے اِدھر سے منہ نہ موڑنا چاہئے، اور جنّت کے باغ اس لئے فرمائے کہ جیسا کہ جنّت میں کسی قسم کی آفت نہیں ہوتی اسی طرح یہ مجالس بھی آفات سے محفوظ رہتی ہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کا ذکر دلوں کی شفا ہے یعنی دل میں جس قسم کے امراض پیدا ہوتے ہیں تکبّر، حسد، کینہ وغیرہ سب ہی امراض کا علاج ہے۔ صاحبُ الفوائد فی الصلوۃ والعوائد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آدمی ذکر پر مداومت سے تمام آفتوں سے محفوظ رہتا ہے اور صحیح حدیث میں آیا ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میں تمہیں ذکرُ اللہ کی کثرت کا حکم کرتا ہوں اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے پیچھے کوئی دشمن لگ جائے اور وہ اس سے بھاگ کر کسی قلعہ میں محفوظ ہو جائے اور ذکر کرنے والا اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا ہمنشین ہوتا ہے اور اس سے بڑھ کر اور کیا فائدہ ہوگا کہ وہ مالِکُ المُلک کا ہمنشین ہو جائے۔ اس کے علاوہ اس سے شرحِ صدر ہو جاتا ہے، دل منور ہو جاتا ہے، اس کے دل کی سختی دور ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے ظاہری اور باطنی منافع ہوتے ہیں جن کو بعض علماء نے سَو تک شمار کیا ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے اور عرض کیا میں نے خواب میں دیکھا کہ جب بھی آپ اندر جاتے ہیں یا باہر آتے ہیں یا کھڑے ہوتے ہیں یا بیٹھتے ہیں تو فرشتے آپ کے لئے دعا کرتے ہیں۔ ابوأمامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تمہارا دل چاہے تو تمہارے لئے بھی وہ دعا کر سکتے ہیں۔ پھر یہ آیت پڑھی: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا" سے "رَحِیْمًا" تک۔ گویا اس طرف اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت اور ملائکہ کی دعا تمہارے ذکر پر متفرع ہے، جتنا تم ذکر کرو گے اتنا ہی ادھر سے ذکر ہوگا۔

(۱۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ عَجزَ مِنْكُمْ عَنِ اللَّيْلِ اَنْ يُّكَابِدَهٗ، وَبَخِلَ بِالْمَالِ اَنْ يُّنْفِقَهٗ، وَجَبُنَ عَنِ الْعَدُوِّ اَنْ يُّجَاهِدَهٗ فَلْيُكْثِرْ ذِكْرَ اللّٰهِ . (رواه الطبراني والبيهقي والبزار واللفظ له، وفي سنده أبو يحي القتات وبقية مختج بهم في الصحيح، كذا في الترغيب، قلت: هو من رواة البخاري في الأدب المفرد، والترمذي وأبي داود و ابن ماجة، وثقه ابن معين وضعفه اخرون، وفي التقريب لين الحديث، وفي مجمع الزوائد رواه

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو تم میں سے عاجز ہو راتوں کو محنت کرنے سے اور بخل کی وجہ سے مال بھی نہ خرچ کیا جاتا ہو (یعنی نفلی صدقات) اور بزدلی کی وجہ سے جہاد میں بھی شرکت نہ کر سکتا ہو اس کو چاہئے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرے۔

البزار و الطبراني وفيه القتات قد وثق وضعفه الجمهور، وبقية رجال البزار رجالُ الصحيح)

ف: یعنی ہر قسم کی کوتاہی جو عباداتِ نفلیہ میں ہوتی ہے اللہ کے ذکر کی کثرت اس کی تلافی کرسکتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ اللہ کا ذکر ایمان کی علامت ہے اور نفاق سے براءت ہے اور شیطان سے حفاظت ہے اور جہنم کی آگ سے بچاؤ ہے اور انہیں منافع کی وجہ سے اللہ کا ذکر بہت سی عبادتوں سے افضل قرار دیا گیا ہے، بالخصوص شیطان کے تسلّط سے بچنے میں اس کو خاص دخل ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ شیطان گھٹنے جمائے ہوئے آدمی کے دل پر مسلّط رہتا ہے، جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو یہ عاجز و ذلیل ہوکر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ آدمی غافل ہوتا ہے تو یہ وسوسے ڈالنا شروع کردیتا ہے۔ اسی لئے صوفیۂ کرام ذکر کی کثرت کراتے ہیں تاکہ قلب میں اس کے وساوس کی گنجائش نہ رہے اور وہ اتنا قوی ہو جائے کہ اس کا مقابلہ کرسکے۔ یہی راز ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت سے یہ قوتِ قلبیہ اعلیٰ درجہ پر حاصل تھی تو ان کو ضربیں لگانے کی ضرورت پیش نہ آتی تھی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے جتنا بُعد (دوری) ہوتا گیا اتنی ہی قلب کے لئے اس مُقوّی قلب خمیرہ کی ضرورت بڑھتی گئی۔ اب قلوب اس درجہ ماؤف ہوچکے ہیں کہ بہت سے علاج سے بھی وہ درجہ قوت کا تو حاصل نہیں ہوتا، لیکن جتنا بھی ہوجاتا ہے وہی بسا غنیمت ہے کہ وبائی مرض میں جس قدر بھی کمی ہو بہتر ہے۔

ایک بزرگ کا قصہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے اللہ جَلَّ شَانُہٗ سے دعا کی کہ شیطان کے وسوسہ ڈالنے کی صورت ان پر منکشف ہوجائے کہ کس طرح ڈالتا ہے تو انہوں نے دیکھا کہ دل کے بائیں طرف مونڈھے کے پیچھے مچھر کی شکل سے بیٹھا ہے۔ ایک لمبی سی سونڈ منہ پر ہے جس کو سوئی کی طرح سے دل کی طرف لے جاتا ہے، اس کو ذاکر پاتا ہے تو جلدی سے اس سونڈ کو کھینچ لیتا ہے، غافل پاتا ہے تو اس سونڈ کے ذریعہ سے وساوس اور گناہوں کا زہر انجکشن کے طریقہ سے دل میں بھرتا ہے۔ ایک حدیث میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ شیطان اپنی ناک کا اگلا حصّہ آدمی کے دل پر رکھے ہوئے بیٹھا رہتا ہے۔ جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ذلّت سے پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب وہ غافل ہوتا ہے تو اس کے دل کو لقمہ بنالیتا ہے۔

(۱۵) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: اَکْثِرُوْا ذِکْرَ اللّٰہِ حَتّٰی یَقُوْلُوْا مَجْنُوْنٌ. (رواہ أحمد وابو یعلی وابن حبان والحاکم في صحیحه وقال: صحیح الاسناد، وروي عن ابن عباس مرفوعًا بلفظ "اُذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا یَقُوْلُ الْمُنَافِقُوْنَ اِنَّکُمْ مُرَاؤُنَ" رواه الطبراني ورواه البیهقي عن أبي الجوزاء مُرسلًا، کذا في الترغیب والمقاصد الحسنة للسخاوی، وهکذا في الدر المنثور للسیوطی، إلا انه عزا حدیث أبي الجوزاء الی عبداللّٰه بن أحمد في زوائد الزهد، وعزاه في الجامع الصغیر إلی سعید بن منصور في سننه، والبیهقي في الشعب ورقم له بالضعف وذکر في الجامع الصغیر أیضًا بروایة الطبراني عن ابن عباس مسندًا ورقم له بالضعف، وعزا حدیث ابي سعید الی احمد وأبي یعلی في مسنده و ابن حبان والحاکم والبیهقي في الشعب ورقم له بالحسن)

حضورِ اقدس ﷺ کا اِرشاد ہے کہ اللہ کا ذکر ایسی کثرت سے کیا کرو کہ لوگ مجنون کہنے لگیں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ایسا ذکر کرو کہ منافق لوگ تمہیں ریاکار کہنے لگیں۔

ف: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ منافقوں یا بے وقوفوں کے ریاکار کہنے یا مجنون کہنے سے ایسی بڑی دولت چھوڑنا نہ چاہئے، بلکہ اس کثرت اور اہتمام سے کرنا چاہئے کہ یہ لوگ تم کو پاگل سمجھ کر تمہارا پیچھا چھوڑ دیں اور مجنون جب ہی کہا جائے گا جب نہایت کثرت سے اور زور سے ذکر کیا جائے، آہستہ میں یہ بات نہیں ہوسکتی۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے کوئی چیز بندوں پر ایسی فرض نہیں فرمائی جس کی کوئی حد مقرر نہ کردی ہو اور پھر اس کے عذر کو قبول نہ فرمالیا ہو بجز اللہ کے ذکر کے کہ نہ اس کی کوئی حد مقرر فرمائی اور نہ عقل رہنے تک کسی کو معذور قرار دیا، چنانچہ ارشاد ہے: "اُذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا ۝" (اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا خوب کثرت سے ذکر کیا کرو) رات میں، دن میں، جنگل میں، دریا میں، سفر میں، حَضَر میں، فقر میں، تونگری میں، بیماری میں، صحت میں آہستہ اور پکار کر اور ہر حال میں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "مُنَبِّہات" میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قرآن پاک کے ارشاد "وَکَانَ تَحْتَهٗ کَنْزٌ لَّهُمَا" میں منقول ہے کہ وہ سونے کی ایک تختی تھی جس میں سات سطریں لکھی ہوئی تھیں جن کا ترجمہ یہ ہے: (۱) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو موت کو جانتا ہو، پھر بھی ہنسے۔ (۲) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو یہ جانتا ہے کہ دنیا آخر ایک دن ختم ہونے والی ہے، پھر بھی اس میں رغبت

کرے۔(۳) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو یہ جانتا ہو کہ ہر چیز مقدر سے ہے، پھر بھی کسی چیز کے جاتے رہنے پر افسوس کرے۔(۴) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو آخرت میں حساب کا یقین ہو، پھر بھی مال جمع کرے۔(۵) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو جہنّم کی آگ کا علم ہو، پھر بھی گناہ کرے۔(۶) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو اللہ کو جانتا ہو، پھر کسی اور چیز کا ذکر کرے۔(۷) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو جنّت کی خبر ہو، پھر دنیا میں سے کسی چیز سے راحت پائے۔

بعض نسخوں میں یہ بھی ہے کہ مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو شیطان کو دشمن سمجھے، پھر بھی اس کی اطاعت کرے۔ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے اللہ کے ذکر کی اس قدر تاکید کرتے رہے کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ بغیر ذکر کے کوئی چیز نفع نہ دے گی۔

ان سب روایات سے یہ معلوم ہوا کہ ذکر کی جتنی بھی کثرت ممکن ہو دریغ نہ کرے۔ لوگوں کے مجنون یا ریاکار کہنے کی وجہ سے اس کو چھوڑ دینا اپنا ہی نقصان کرنا ہے۔ صوفیہ نے لکھا ہے کہ یہ بھی شیطان کا ایک دھوکہ ہے کہ اوّل وہ ذکر سے اس خیال سے روکتا ہے کہ لوگ دیکھیں گے، کوئی دیکھے گا تو کیا کہے گا وغیرہ وغیرہ۔ پھر شیطان کو روکنے کے لئے یہ ایک مستقل ذریعہ اور حیلہ مل جاتا ہے۔ اس لئے یہ تو ضروری ہے کہ دکھلانے کی نیت سے کوئی عمل نہ کرے، لیکن اگر کوئی دیکھ لے تو بلا سے دیکھے، اس وجہ سے چھوڑنا بھی نہ چاہئے۔ حضرت عبداللہ ذُوالبجادین رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں جو لڑکپن میں یتیم ہو گئے تھے، چچا کے پاس رہتے تھے۔ وہ بہت اچھی طرح رکھتا تھا۔ گھر والوں سے چھپ کر مسلمان ہو گئے تھے۔ چچا کو خبر ہو گئی تو اس نے غصہ میں بالکل ننگا کر کے نکال دیا، ماں بھی بیزار تھی لیکن پھر ماں تھی، ایک موٹی سی چادر ننگا دیکھ کر دے دی جس کو انہوں نے دو ٹکڑے کر کے ایک سے ستر ڈھکا، دوسرا اوپر ڈال لیا۔ مدینہ طیبہ حاضر ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر پڑے رہا کرتے اور بہت کثرت سے بلند آواز کے ساتھ ذکر کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا یہ شخص ریاکار ہے کہ اس طرح ذکر کرتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! بلکہ یہ اوّابین میں ہے۔

غزوۂ تبوک میں انتقال ہوا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ رات کو قبروں کے قریب چراغ جل رہا ہے۔ قریب جا کر دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں اترے ہوئے ہیں، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرما رہے ہیں کہ لاؤ اپنے بھائی کو مجھے پکڑا دو۔ دونوں حضرات نے نعش کو پکڑا دیا۔ دفن کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! میں اس سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سارا منظر دیکھ کر مجھے تمنّا ہوئی کہ یہ نعش تو میری ہوتی۔

حضرت فُضیل رحمۃ اللہ علیہ جو اکابر صوفیہ میں ہیں وہ فرماتے ہیں کہ کسی عمل کو اس وجہ سے نہ کرنا کہ لوگ دیکھیں گے یہ بھی ریا میں داخل ہے اور اس وجہ سے کسی عمل کو کرنا تا کہ لوگ دیکھیں یہ شرک میں داخل ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ بعض آدمی ذکر کی کنجیاں ہیں کہ جب ان کی صورت دیکھی جائے تو اللہ کا ذکر کیا جائے، یعنی ان کی صورت دیکھ کر ہی اللہ کا ذکر یاد آئے۔ ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ اللہ کے ولی ہیں وہ لوگ جن کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ یاد آتے ہوں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ تم میں بہترین وہ لوگ ہیں جن کو دیکھ کر اللہ کی یاد تازہ ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کے دیکھنے سے اللہ تعالیٰ یاد آتے ہوں اور اس کے کلام سے علم میں ترقی ہوتی ہو اور اس کے اعمال سے آخرت کی رغبت پیدا ہوتی ہو اور یہ بات جب ہی حاصل ہو سکتی ہے جب کوئی شخص کثرت سے ذکر کا عادی ہو۔ اور جس کو خود ہی توفیق نہ ہو اس کو دیکھ کر کیا کسی کو اللہ کی یاد آ سکتی ہے۔ بعض لوگ پکار کر ذکر کرنے کو بدعت اور ناجائز بتاتے ہیں، یہ خیال حدیث پر نظر کی کمی کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے۔ مولانا عبدالحی صاحب نے ایک رسالہ "سَبَاحَةُ الْفِكْرِ" اسی مسئلہ میں تصنیف فرمایا ہے جس میں تقریباً پچاس حدیثیں ایسی ذکر فرمائی ہیں جن سے جَہر (پکار کر) ثابت ہوتا ہے۔ البتہ یہ ضروری امر ہے کہ شرائط کے ساتھ اپنی حدود کے اندر رہے، کسی کی اذیت کا سبب نہ ہو۔

(۱۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: سَبْعَةٌ یُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظِلِّهٖ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سات آدمی ہیں جن کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ اپنے (رحمت کے) سایہ میں ایسے دن جگہ عطا فرمائے گا جس دن

ظِلُّهُ: اَلْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَالشَّابُّ نَشَأَ فِيْ عِبَادَةِ اللّٰهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اِجْتَمَعَا عَلٰى ذٰلِكَ وَ تَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ اِمْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصَبٍ وَجَمَالٍ، فَقَالَ: اِنِّيْ اَخَافُ اللّٰهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ، فَاَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهُ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ. (رواه البخاري ومسلم، وغيرهما، كذا في الترغيب والمشكوة، وفي الجامع الصغير برواية مسلم عن أبي هريرة و أبي سعيد معا، وذكر عنده طرقه أخرى)

اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ایک[1] عادل بادشاہ۔ دوسرے[2] وہ جوان جو جوانی میں اللہ کی عبادت کرتا ہو۔ تیسرے[3] وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹک رہا ہو۔ چوتھے[4] وہ دو شخص جن میں اللہ ہی کے واسطے محبت ہو، اسی پر ان کا اجتماع ہو اسی پر جدائی۔ پانچویں[5] وہ شخص جس کو کوئی حسب نسب والی حسین عورت اپنی طرف متوجہ کرے اور وہ کہدے کہ مجھے اللہ کا ڈر مانع ہے۔ چھٹے[6] وہ شخص جو ایسے مخفی طریق سے صدقہ کرے کہ دوسرے ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو۔ ساتویں[7] وہ شخص جو اللہ کا ذکر تنہائی میں کرے اور آنسو بہنے لگیں۔

ف: آنسو بہنے کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دیدہ ودانستہ اپنے معاصی اور گناہوں کو یاد کر کے رونے لگے اور دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ غلبۂ شوق میں بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکلنے لگیں۔ بروایت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ کا مقولہ نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: مجھے معلوم ہوجاتا ہے کہ میری کون سی دعا قبول ہوئی۔ لوگوں نے پوچھا کہ کس طرح معلوم ہوجاتا ہے؟ فرمانے لگے کہ جس دعا میں بدن کے بال کھڑے ہوجاتے ہیں اور دل دھڑکنے لگتا ہے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں وہ دعا قبول ہوتی ہے۔ ان سات آدمیوں میں جن کا ذکر حدیث پاک میں وارد ہوا ایک وہ شخص بھی ہے جو اللہ کا ذکر تنہائی میں کرے اور رونے لگے۔ اس شخص میں دو خوبیاں جمع ہیں اور دونوں اعلیٰ درجہ کی ہیں۔ ایک اخلاص کہ تنہائی میں اللہ کی یاد میں مشغول ہوا۔ دوسرا اللہ کا خوف یا شوق کہ دونوں میں رونا آتا ہے اور دونوں کمال ہیں۔

ہمارا کام ہے راتوں کو رونا یادِ دلبر میں ہماری نیند ہے محوِ خیالِ یار ہوجانا

حدیث کے الفاظ ہیں "رَجُلٌ ذَکَرَ اللّٰہَ خَالِیًا" (ایک وہ آدمی جو اللہ کا ذکر کرے اس حال میں کہ خالی ہو) صوفیہ نے لکھا ہے کہ خالی ہونے کے دو مطلب ہیں: ایک یہ کہ آدمیوں سے خالی ہو جس کے معنی تنہائی کے ہیں، یہ عام مطلب ہے۔ دوسرے یہ کہ دل اغیار سے خالی ہو۔ وہ فرماتے ہیں کہ اصل خَلوت یہی ہے۔ اس لئے اکمل درجہ تو یہ ہے کہ دونوں خلوتیں حاصل ہوں، لیکن اگر کوئی شخص مجمع میں ہو اور دل غیروں سے بالکل خالی ہو اور ایسے وقت اللہ کے ذکر سے کوئی شخص رونے لگے تو وہ بھی اس میں داخل ہے کہ مجمع کا ہونا نہ ہونا اس کے حق میں برابر ہے۔ جب اس کا دل مجمع تو درکنار غیر اللہ کے التفات سے بھی خالی ہے تو اس کو مجمع کیا مُضِر ہو سکتا ہے۔ اللہ کی یاد میں یا اس کے خوف سے رونا بڑی دولت ہے۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو حق تعالیٰ شانہٗ میسّر فرما دیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اللہ کے خوف سے روئے وہ اس وقت تک جہنّم میں نہیں جا سکتا جب تک دودھ تھنوں میں واپس جائے (اور ظاہر ہے کہ یہ ناممکن ہے، پس ایسا ہی اس کا جہنّم میں جانا بھی ناممکن ہے) ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اللہ کے خوف سے روئے حتی کہ اس کے آنسوؤں میں سے کچھ زمین پر ٹپک جائے تو اس کو قیامت کے دن عذاب نہیں ہوگا۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ دو آنکھوں پر جہنّم کی آگ حرام ہے۔ ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی ہو اور دوسری وہ جو اسلام کی اور مسلمانوں کی کفار سے حفاظت کرنے میں جاگی ہو۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو آنکھ اللہ کے خوف سے روئی ہو اس پر جہنّم کی آگ حرام ہے اور جو آنکھ اللہ کی راہ میں جاگی ہو اس پر بھی حرام ہے اور جو آنکھ ناجائز چیز (مثلاً نامحرم وغیرہ) پر پڑنے سے رک گئی ہو اس پر بھی حرام ہے اور جو آنکھ اللہ کی راہ میں ضائع ہوگئی ہو اس پر بھی جہنّم کی آگ حرام ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص تنہائی میں اللہ کا ذکر کرنے والا ہو وہ ایسا ہے جیسے اکیلا کفار کے مقابلہ میں چل دیا ہو۔

(۱۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: یُنَادِیْ مُنَادٍ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَیْنَ اُولُوا الْاَلْبَابِ؟ قَالُوْا: اَیُّ اُولِی الْاَلْبَابِ تُرِیْدُ؟ قَالَ: الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ o عُقِدَ لَهُمْ لِوَاءٌ فَاتَّبَعَ الْقَوْمُ لِوَائَهُمْ، وَقَالَ لَهُمْ اُدْخُلُوْهَا خٰلِدِیْنَ. (اخرجه الأصبهانی في الترغیب، کذا في الدر)

حضورِ اقدس ﷺ کا اِرشاد ہے کہ قیامت کے دن ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ عقلمند لوگ کہاں ہیں؟ لوگ پوچھیں گے کہ عقلمندوں سے کون مراد ہیں؟ جواب ملے گا: وہ لوگ جو اللہ کا ذکر کرتے تھے کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہوئے (یعنی ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے) اور آسمانوں اور زمینوں کے پیدا ہونے میں غور کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یا اللہ! آپ نے یہ سب بے فائدہ تو پیدا کیا ہی نہیں۔ ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں، آپ ہم کو جہنّم کے عذاب سے بچا لیجئے۔ اس کے بعد ان لوگوں کے لئے ایک جھنڈا بنایا جائے گا جس کے پیچھے یہ سب جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ ہمیشہ کے لئے جنّت میں داخل ہو جاؤ۔

ف: آسمانوں اور زمینوں کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں یعنی اللہ کی قدرت کے مظاہر اور اس کی حکمتوں کے عجائب سوچتے ہیں جس سے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی معرفت میں قوت پیدا ہوتی ہے۔

الٰہی یہ عالَم ہے گلزار تیرا

اِبْنُ اَبِی الدُّنْیَا نے ایک مرسل روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے پاس تشریف لے گئے جو چپ چاپ بیٹھے تھے۔ حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا: کیا بات ہے، کس سوچ میں بیٹھے ہو؟ عرض کیا کہ مخلوقاتِ الٰہیہ کی سوچ میں ہیں۔ حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ ہاں اللہ کی ذات میں غور نہ کیا کرو (کہ وہ وَرَاءُ الوَرَاء ہے) اس کی مخلوقات میں غور کیا کرو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور ﷺ کی کوئی عجیب بات سنا دیجئے۔ فرمایا: حضور ﷺ کی کونسی بات ایسی

تھی جو عجیب نہ تھی۔ ایک مرتبہ رات کو تشریف لائے، میرے بستر ے پر میرے لحاف میں لیٹ گئے، پھر ارشاد فرمایا: چھوڑ میں تو اپنے رَبّ کی عبادت کروں۔ یہ فرما کر اٹھے، وضو فرمایا اور نماز کی نیت باندھ کر رونا شروع کر دیا، یہاں تک کہ آنسو سینہ مبارک پر بہتے رہے، پھر اسی طرح رکوع میں روتے رہے، پھر سجدہ میں اسی طرح روتے رہے۔ ساری رات اسی طرح گذار دی حتیٰ کہ صبح کی نماز کے واسطے حضرت بلال رضی اللہ عنہ بلانے کے لئے آ گئے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ تو بخشے بخشائے ہیں، پھر آپ اتنا کیوں روئے؟ ارشاد فرمایا: میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں؟ پھر فرمایا: میں کیوں نہ روتا حالانکہ آج یہ آیتیں نازل ہوئیں (یعنی آیاتِ بالا "اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" سے "فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ" تک) پھر فرمایا کہ ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو ان کو پڑھے اور غور و فکر نہ کرے۔

عامر بن عبدِ قیس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے سنا ہے ایک سے، دو سے، تین سے نہیں (بلکہ ان سے زیادہ سے سنا ہے) کہ ایمان کی روشنی اور ایمان کا نور غور و فکر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی چھت پر لیٹا ہوا اور آسمان اور ستاروں کو دیکھ رہا تھا، پھر کہنے لگا، خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ تمہارا پیدا کرنے والا بھی کوئی ضرور ہے، اے اللہ! تو میری مغفرت فرما دے۔ نظرِ رحمت اس کی طرف متوجہ ہوئی اور اس کی مغفرت ہو گئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک ساعت کا غور تمام رات کی عبادت سے افضل ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی نقل کیا گیا کہ ایک ساعت کا غور ان چیزوں میں اَسّی ۸۰ سال کی عبادت سے افضل ہے۔ اُمِّ درداء رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ ابو درداء رضی اللہ عنہ کی افضل ترین عبادت کیا تھی؟ فرمایا: غور و فکر۔ بروایتِ ابو ہریرہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ ایک ساعت کا غور و فکر ساٹھ ۶۰ برس کی عبادت سے افضل ہے، لیکن ان روایتوں کا یہ مطلب نہیں کہ پھر عبادت کی ضرورت نہیں رہتی۔ ہر عبادت اپنی جگہ جو درجہ رکھتی ہے فرض ہو یا واجب، سنت ہو یا مستحب اس کے چھوڑنے پر اسی درجہ کی وعید، عذاب یا ملامت ہو گی جس درجہ کی وہ عبادت ہو گی۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ غور وفکر کو افضل عبادات اس لئے کہا گیا ہے کہ اس میں معنی ذکر کے تو موجود ہوتے ہی ہیں، دو چیزوں کا اضافہ اور ہوتا ہے: ایک اللہ کی معرفت، اس لئے کہ غور وفکر معرفت کی کنجی ہے۔ دوسری اللہ کی محبّت کہ فکر پر یہ مرتب ہوتی ہے۔ یہی غور وفکر ہے جس کو صوفیہ مُراقبہ سے بھی تعبیر فرماتے ہیں، بہت سی روایات سے اس کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ مُسند ابو یعلی میں بَروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد نقل کیا ہے کہ وہ ذکر خفی جس کو فرشتے بھی نہ سن سکیں ستّر درجہ دو چند ہوتا ہے۔ جب قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہٗ تمام مخلوق کو حساب کے لئے جمع فرمائیں گے اور کِرَاماً کَاتِبِین اعمال نامے لے کر آئیں گے تو اِرشاد ہوگا کہ فلاں بندہ کے اعمال دیکھو کچھ اور باقی ہیں۔ وہ عرض کریں گے کہ ہم نے کوئی بھی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو لکھی نہ ہو اور محفوظ نہ ہو تو اِرشاد ہوگا کہ ہمارے پاس اس کی ایسی نیکی باقی ہے جو تمہارے علم میں نہیں، وہ ذکرِ خفی ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ''شُعَب'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے کہ جس ذکر کو فرشتے بھی نہ سن سکیں وہ اس ذکر پر جس کو وہ سنیں، ستّر درجہ بڑھا ہوا ہے۔ یہی مراد ہے اس شعر سے جس میں کہا گیا ہے ؎

میانِ عاشق ومعشوق رمزے است کِرامًا کاتبین را ہم خبر نیست

کہ عاشق ومعشوق میں ایسی رَمز ہوتی ہے جس کی فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوتی۔

کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو ایک لَحظہ بھی غفلت نہیں ہوتی کہ ان کی ظاہری عبادات تو اپنے اپنے اجر وثواب حاصل کریں ہی گی، یہ ہر وقت کا ذکر وفکر پوری زندگی کے اوقات میں ستر گنا مزید برآں، یہی چیز ہے جس نے شیطان کو دِق کر رکھا ہے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ خواب میں شیطان کو بالکل ننگا دیکھا۔ انہوں نے فرمایا کہ تجھے شرم نہیں آتی کہ آدمیوں کے سامنے ننگا ہوتا ہے، وہ کہنے لگا کہ یہ کوئی آدمی ہیں، آدمی وہ ہیں جو ''شونیزیہ'' کی مسجد میں بیٹھے ہیں جنہوں نے میرے بدن کو دبلا کر دیا اور میرے جگر کے کباب کر دیئے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ''شونیزیہ'' کی مسجد میں گیا۔ میں نے دیکھا کہ چند حضرات گھٹنوں پر سر رکھے ہوئے مراقبہ میں مشغول ہیں، جب

انہوں نے مجھے دیکھا تو کہنے لگے کہ خبیث کی باتوں سے کہیں دھوکہ میں نہ پڑ جانا۔ مسوحی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اس کے قریب ہی نقل کیا گیا ہے۔ انہوں نے شیطان کو ننگا دیکھا۔ انہوں نے کہا: تجھے آدمیوں کے درمیان اس طرح چلتے شرم نہیں آتی؟ کہنے لگا: خدا کی قسم! یہ آدمی نہیں۔ اگر یہ آدمی ہوتے تو میں ان کے ساتھ اس طرح نہ کھیلتا جس طرح لڑکے گیند سے کھیلتے ہیں۔ آدمی وہ لوگ ہیں جنہوں نے میرے بدن کو بیمار کر دیا اور صوفیہ کی جماعت کی طرف اشارہ کیا۔

ابو سعید خرّاز رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ شیطان نے مجھ پر حملہ کیا۔ میں لکڑی سے مارنے لگا۔ اس نے ذرا بھی پرواہ نہ کی۔ غیب سے ایک آواز آئی کہ یہ اس سے نہیں ڈرتا، یہ دل کے نور سے ڈرتا ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ بہترین ذِکر، ذِکرِ خفی ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو کفایت کا درجہ رکھتا ہو۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی نقل کیا ہے کہ بہترین ذکر ذکرِ خفی ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو کفایت کا درجہ رکھتا ہو (یعنی نہ کم ہو کہ گذر نہ ہو سکے نہ زیادہ ہو کہ تکبر اور فواحش میں مبتلا کرے) ابن حبّان اور ابو یَعْلیٰ رحمۃ اللہ علیہما نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد نقل کیا ہے کہ اللہ کو ذِکرِ خامِل سے یاد کیا کرو۔ کسی نے دریافت کیا کہ ذِکرِ خامِل کیا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ مخفی ذِکر، ان سب روایات سے ذکرِ خفی کی افضلیت معلوم ہوتی ہے اور ابھی قریب ہی وہ روایت گذر چکی جس میں مجنون کہنے کا ذکر گذرا ہے، دونوں مستقل چیزیں ہیں جو حالات کے اعتبار سے مختلف ہیں، اس کو شیخ تجویز کرتا ہے کہ کس شخص کے لئے کس وقت کیا مناسب ہے۔

(۱۸) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، قَالَ نَزَلَتْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ فِيْ بَعْضِ اَبْيَاتِهٖ، "وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ" فَخَرَجَ يَلْتَمِسُهُمْ، فَوَجَدَ قَوْمًا يَّذْكُرُوْنَ اللّٰهَ فِيْهِمْ ثَائِرُ

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دولت کدہ میں تھے کہ آیت "وَاصْبِرْ نَفْسَكَ" نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے: "اپنے آپ کو ان لوگوں کے پاس (بیٹھنے کا) پابند کیجئے جو صبح شام اپنے رَب کو پکارتے ہیں"۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نازل ہونے

الرَّأْسِ، وَجَافُ الْجِلْدِ، وَذُو الثَّوْبِ الْوَاحِدِ، فَلَمَّا رَاهُمْ جَلَسَ مَعَهُمْ، وَقَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ فِیْ اُمَّتِیْ مَنْ اَمَرَنِیْ اَنْ اَصْبِرَ نَفْسِیْ مَعَهُمْ. (اخرجه ابن جرير و الطبراني وابن مردويه: كذا في الدر)

پر ان لوگوں کی تلاش میں نکلے، ایک جماعت کو دیکھا کہ اللہ کے ذکر میں مشغول ہے، بعض لوگ ان میں بکھرے ہوئے بالوں والے ہیں اور خشک کھالوں والے اور صرف ایک کپڑے والے ہیں (کہ ننگے بدن ایک لنگی صرف ان کے پاس ہے) جب حضور ﷺ نے ان کو دیکھا تو ان کے پاس بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے کہ خود مجھے ان کے پاس بیٹھنے کا حکم ہے۔

ف: ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو تلاش فرمایا تو مسجد کے آخری حصّہ میں بیٹھے ہوئے پایا کہ ذِکرُ اللہ میں مشغول تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے میری زندگی ہی میں ایسے لوگ پیدا فرمائے کہ مجھے ان کے پاس بیٹھنے کا حکم ہے۔ پھر فرمایا تم ہی لوگوں کے ساتھ زندگی ہے اور تمہارے ہی ساتھ مرنا ہے یعنی مرنے جینے کے ساتھی اور رفیق تم ہی لوگ ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت سلمان فارسی وغیرہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت ذکر اللہ میں مشغول تھی، حضور ﷺ تشریف لائے تو یہ لوگ چپ ہو گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تم کیا کر رہے تھے؟ عرض کیا: ذِکر الٰہی میں مشغول تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ رحمت الٰہی تم لوگوں پر اتر رہی ہے تو میرا بھی دل چاہا کہ آ کر تمہارے ساتھ شرکت کروں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ، اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا کئے جن کے پاس بیٹھنے کا مجھے حکم ہوا۔

ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اَلَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ سے مراد ذاکرین کی جماعت ہے۔ ان ہی جیسے احکام سے صوفیہ نے استنباط کیا ہے کہ مشائخ کو بھی مریدین کے پاس بیٹھنا ضروری ہے کہ اس میں علاوہ فائدہ پہنچانے کے اختلاط سے شیخ کے نفس کے لئے بھی مجاہدہ تامّہ ہے کہ غیر مہذب لوگوں کی بدعنوانیوں کے تحمّل اور برداشت سے نفس میں اِنقیاد پیدا ہوگا، اس کی قوت میں انکسار پیدا ہوگا۔ اس کے علاوہ قلوب کے اجتماع کو اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی رحمت اور

رافت کے متوجہ کرنے میں خاص دخل ہے۔اسی وجہ سے جماعت کی نماز مشروع ہوئی اور یہی بڑی وجہ ہے کہ عرفات کے میدان میں سب حجاج بیک حال ایک میدان میں اللہ کی طرف متوجہ کئے جاتے ہیں جیسا کہ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں متعدد جگہ اس مضمون کو اہتمام سے ارشاد فرمایا ہے۔ یہ سب اس جماعت کے بارے میں ہے جو اللہ کا ذکر کرنے والی ہو کہ احادیث میں کثرت سے اس کی ترغیب آئی ہے۔اس کے بالمقابل اگر کوئی شخص غافلین کی جماعت میں پھنس جائے اور اس وقت اللہ کے ذکر میں مشغول ہو تو اس کے بارے میں بھی احادیث میں کثرت سے فضائل آئے ہیں۔ایسے موقع پر آدمی کو اور بھی زیادہ اہتمام اور توجہ سے اللہ کی طرف مشغول رہنا چاہئے، تاکہ ان کی نحوست سے محفوظ رہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ غافلین کی جماعت میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ جہاد میں بھاگنے والوں کی جماعت میں سے کوئی شخص جم کر مقابلہ کرے۔ایک حدیث میں آیا ہے کہ غافلین میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے بھاگنے والوں کی طرف سے کفار کا مقابلہ کرے۔

نیز وہ ایسا ہے جیسے اندھیرے گھر میں چراغ، نیز وہ ایسا ہے جیسے پت جھڑ والے درختوں میں کوئی شاداب سرسبز درخت ہو۔ایسے شخص کو حق تعالیٰ شانہٗ اس کا جنت کا گھر پہلے ہی دکھا دیں گے اور ہر آدمی اور حیوان کے برابر اس کی مغفرت کی جاوے گی۔ یہ جب ہے کہ ان مجالس میں اللہ کے ذکر میں مشغول ہو، ورنہ ایسی مجالس کی شرکت کی ممانعت آئی ہے، حدیث میں ہے کہ عَشِیرہ یعنی یارانہ کی مجالس سے اپنے آپ کو بچاؤ۔عزیزی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یعنی ایسی مجالس سے جن میں غیر اللہ کا ذکر کثرت سے ہوتا ہو، لغویات اور لہو ولعب میں مشغولی ہوتی ہو۔

ایک بزرگ کہتے ہیں میں ایک مرتبہ بازار جارہا تھا، ایک حبشن باندی میرے ساتھ تھی۔ میں نے بازار میں ایک جگہ اس کو بٹھا دیا کہ میں واپسی میں اس کو لے لوں گا، وہ وہاں سے چلی آئی۔ جب میں نے واپسی پر اس کو وہاں نہ دیکھا تو مجھے غصہ آیا، میں گھر واپس آیا تو وہ باندی آئی اور کہنے لگی: میرے آقا خفگی میں جلدی نہ کریں۔آپ مجھے ایسے لوگوں کے پاس چھوڑ گئے جو اللہ کے ذکر سے غافل تھے۔ مجھے یہ ڈر ہوا کہ ان پر کوئی عذاب نازل نہ ہو، وہ زمین میں دھنس نہ جائیں اور میں بھی ان کے ساتھ عذاب میں دھنس نہ جاؤں۔

(۱۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: فِیْمَا یَذْکُرُ عَنْ رَبِّهٖ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی، اُذْکُرْنِیْ بَعْدَ الْعَصْرِ وَبَعْدَ الْفَجْرِ سَاعَةً، اَکْفِكَ فِیْمَا بَیْنَهُمَا. (اخرجه احمد، کذا فی الدر)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا پاک ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ تو صبح کی نماز کے بعد اور عصر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر مجھے یاد کر لیا کر، میں درمیانی حصّہ میں تیری کفایت کروں گا (ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کا ذکر کیا کر، وہ تیری مطلب براری میں معین ہوگا)

ف: آخرت کے واسطے نہ سہی دنیا کے واسطے ہم لوگ کیسی کیسی کوشش کر ڈالتے ہیں، کیا بگڑ جائے اگر تھوڑی سی دیر صبح اور عصر کے بعد اللہ کا ذکر بھی کر لیا کریں کہ احادیث میں کثرت سے ان دو وقتوں میں اللہ کے ذکر کے فضائل وارد ہوئے ہیں اور جب اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کفایت کا وعدہ فرماتے ہیں، پھر کسی دوسری چیز کی کیا ضرورت باقی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ایسی جماعت کے ساتھ بیٹھوں جو صبح کی نماز کے بعد آفتاب نکلنے تک اللہ کے ذکر میں مشغول ہو مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ چار عرب غلام آزاد کروں۔ اسی طرح ایسی جماعت کے ساتھ بیٹھوں جو عصر کی نماز کے بعد سے غروب تک اللہ کے ذکر میں مشغول رہے یہ زیادہ پسند ہے چار غلام آزاد کرنے سے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص صبح کی نماز جماعت سے پڑھے پھر آفتاب نکلنے تک اللہ کے ذکر میں مشغول رہے اور پھر دو رکعت نفل پڑھے اس کو ایسا ثواب ملے گا جیسا کہ حج اور عمرہ پر ملتا ہے اور حج اور عمرہ بھی وہ جو کامل ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں ایک جماعت کے ساتھ صبح کی نماز کے بعد سے آفتاب نکلنے تک ذکر میں مشغول رہوں یہ مجھے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔ اسی طرح عصر کی نماز کے بعد سے غروب تک ایک ایسی جماعت کے ساتھ ذکر میں مشغول رہوں یہ مجھے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ پسند ہے۔ ان ہی وجوہ سے صبح کی نماز کے بعد اور عصر کی نماز کے بعد اوراد کا معمول ہے اور حضرات صوفیہ کے یہاں تو ان دونوں وقتوں کا خاص اہتمام ہے کہ صبح کی نماز کے بعد عموماً اشغال میں اہتمام فرماتے ہیں اور عصر کے بعد اوراد کا اہتمام کرتے ہیں، بالخصوص

فجر کے بعد فقہاء بھی اہتمام فرماتے ہیں۔

"مُدَوَّنہ" میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ فجر کی نماز کے بعد طلوعِ آفتاب تک باتیں کرنا مکروہ ہیں اور حنفیہ میں سے صاحبِ درمختار رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس وقت باتیں کرنا مکروہ لکھا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص صبح کی نماز کے بعد اسی ہیئت سے بیٹھے ہوئے بولنے سے قبل یہ دعا دس مرتبہ پڑھے: "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اپنی ذات اور صفات میں اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، سارا ملک دنیا اور آخرت کا اسی کا ہے اور جتنی خوبیاں ہیں وہ اس پاک ذات کے لئے ہیں، وہی زندہ کرتا ہے، وہی مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے) تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں، دس برائیاں معاف فرمائی جائیں اور جنّت میں دس درجے بلند کئے جائیں اور تمام دن شیطان سے اور مکروہات سے محفوظ رہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے جو صبح اور عصر کے بعد "اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّاهُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ" (میں اسی اللہ سے جو زندہ ہے، ہمیشہ رہنے والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگتا ہوں اور اس کی طرف رجوع کرتا ہوں، توبہ کرتا ہوں) تین مرتبہ پڑھے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں خواہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

(۲۰) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اَلدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ وَ مَلْعُوْنٌ مَا فِيْهَا اِلَّا ذِكْرَ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ، وَعَالِمًا وَمُتَعَلِّمًا (رواه الترمذي وابن ماجة والبيهقي، وقال الترمذي: حديث حسن،

حضورِ اقدس ﷺ کا اِرشاد ہے کہ دنیا مَلْعُون ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے سب ملعون (اللہ کی رحمت سے دور) ہے، مگر اللہ کا ذکر اور وہ چیز جو اس کے قریب ہو اور عالم اور طالبِ علم۔

كذا في الترغيب، وذكره في الجامع الصغير برواية ابن ماجة ورقم له بالحسن، وذكره في مجمع الزوائد برواية الطبراني في الأوسط عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ، وكذا السيوطي في الجامع الصغير، وذكره برواية البزار عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ بلفظ "اَلَا اَمْرًا بِمَعْرُوْفٍ اَوْنَهْيًا عَنْ مُنْكَرٍ اَوْذِكْرَ اللّٰهِ" رقم له بالصحة)

ف: اس کے قریب ہونے سے مراد ذکر کے قریب ہونا بھی ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں وہ چیزیں مراد ہوں گی جو اللہ کے ذکر میں معین و مددگار ہوں جن میں کھانا پینا بھی بقدر ضرورت داخل ہے اور زندگی کے اَسبابِ ضروریہ بھی اس میں داخل ہیں اور اس صورت میں اللہ کا ذکر ہر چیز کو جو عبادت کی قبیل سے ہو شامل ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے قریب ہونے سے اللہ کا قرب مراد ہو، تو اس صورت میں ساری عبادتیں اس میں داخل ہوں گی اور اللہ کے ذکر سے مخصوص ذکر مراد ہوگا اور دونوں صورتوں میں علم ان میں خود داخل ہوگیا تھا۔ پہلی صورت میں اس وجہ سے کہ علم ہی اللہ کے ذکر کے قریب لے جاتا ہے کہ ''بے علم نتواں خدارا شناخت'' (بغیر علم کے اللہ کو پہچان نہیں سکتا) اور دوسری صورت میں اس وجہ سے کہ علم سے بڑھ کر کون سی عبادت ہوگی، لیکن اس کے باوجود پھر عالم اور طالب علم کو علیحدہ اہتمام کی وجہ سے فرمایا کہ علم بہت ہی بڑی دولت ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ علم کا صرف اللہ کے لئے سیکھنا اللہ کے خوف کے حکم میں ہے اور اس کی طلب (یعنی تلاش کے لئے کہیں جانا) عبادت ہے اور اس کا یاد کرنا تسبیح ہے اور اس کی تحقیقات میں بحث کرنا جہاد ہے اور اس کا پڑھنا صدقہ ہے اور اس کا اہل پر خرچ کرنا اللہ کے یہاں قُربت ہے۔ اس لئے کہ علم جائز ناجائز کے پہچاننے کے لئے علامت ہے اور جنّت کے راستوں کا نشان ہے، وحشت میں جی بہلانے والا ہے اور سفر کا ساتھی ہے (کہ کتاب کا دیکھنا دونوں کام دیتا ہے اسی طرح) تنہائی میں ایک محدِّث ہے، خوشی اور رنج میں دلیل ہے، دشمنوں پر ہتھیار ہے دوستوں کے لئے، حق تعالیٰ شانہٗ اسکی وجہ سے ایک جماعت (علماء) کو بلند مرتبہ کرتا ہے کہ وہ خیر کی طرف بلانے والے ہوتے ہیں اور ایسے امام ہوتے ہیں کہ ان کے نشانِ قدم پر چلا جائے اور ان کے افعال کا اتباع کیا جائے، ان کی رائے کی طرف رجوع کیا جائے۔ فرشتے ان سے دوستی کرنے کی رغبت کرتے ہیں۔ اپنے پروں کو (برکت حاصل کرنے کے لئے یا محبّت کے طور پر) ان پر مَلتے ہیں اور ہر تر اور خشک چیز دنیا کی ان کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا کرتی ہے حتیٰ کہ سمندر کی مچھلیاں اور جنگل کے درندے اور چوپائے اور زہریلے جانور (سانپ وغیرہ) تک بھی دعائے مغفرت کرتے

رہتے ہیں اور یہ سب اس لئے کہ علم دلوں کی روشنی ہے، آنکھوں کا نور ہے۔ علم کی وجہ سے بندہ امت کے بہترین افراد تک پہنچ جاتا ہے دنیا اور آخرت کے بلند مرتبوں کو حاصل کر لیتا ہے، اس کا مطالعہ روزوں کے برابر ہے، اس کا یاد کرنا تہجّد کے برابر ہے۔ اُسی سے رشتے جوڑے جاتے ہیں اور اسی سے حلال وحرام کی پہچان ہوتی ہے، وہ عمل کا امام ہے اور عمل اس کا تابع ہے۔ سعید لوگوں کو اس کا اِلہام کیا جاتا ہے اور بد بخت اس سے محروم رہتے ہیں۔
اس حدیث پر مجموعی طور سے بعض نے کلام کیا ہے، لیکن جس قسم کے فضائل اس میں ذکر کئے گئے ہیں ان کی تائید دوسری روایات سے بھی ہوتی ہے، نیز ان کے علاوہ اور بہت سے فضائل حدیث کی کتابوں میں بکثرت آئے ہیں اس وجہ سے عالم اور طالبِ علم کو خاص طور سے حدیثِ بالا میں ذکر فرمایا ہے۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ایک مشہور محدِّث ہیں، انہوں نے ایک مبسوط رسالہ عربی میں "اَلْوَابِلُ الصَّیِّب" کے نام سے ذکر کے فضائل میں تصنیف کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ذکر میں سَو سے بھی زیادہ فائدے ہیں، ان میں سے نمبر وار ۷۹ (اُناسی) فائدے انہوں نے ذکر فرمائے ہیں جن کو مختصراً اس جگہ ترتیب وار نقل کیا جاتا ہے اور چونکہ بہت سے فوائد ان میں ایسے ہیں جو کئی کئی فائدوں کو شامل ہیں اس لحاظ سے یہ سَو سے زیادہ کو مشتمل ہیں:

(۱) ذکر شیطان کو دفع کرتا ہے اور اس کی قوت کو توڑتا ہے۔
(۲) اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی خوشنودی کا سبب ہے۔
(۳) دل سے فکر وغم کو دور کرتا ہے۔
(۴) دل میں فرحت، سرور اور انبساط پیدا کرتا ہے۔
(۵) بدن کو اور دل کو قوت بخشتا ہے۔
(۶) چہرہ اور دل کو منور کرتا ہے۔
(۷) رزق کو کھینچتا ہے۔
(۸) ذکر کرنے والے کو ہیبت اور حلاوت کا لباس پہناتا ہے، یعنی اس کے دیکھنے سے رُعب پڑتا ہے اور دیکھنے والوں کو حلاوت نصیب ہوتی ہے۔

(۹) اللہ تعالیٰ شانہٗ کی محبّت پیدا کرتا ہے اور محبت ہی اسلام کی روح اور دین کا مرکز ہے اور سعادت اور نجات کا مدار ہے۔ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ کی محبّت تک اس کی رسائی ہو اس کو چاہئے کہ اس کے ذکر کی کثرت کرے۔ جیسا کہ پڑھنا اور تکرار کرنا علم کا دروازہ ہے اسی طرح اللہ کا ذکر اس کی محبّت کا دروازہ ہے۔

(۱۰) ذکر سے مُراقبہ نصیب ہوتا ہے جو مرتبۂ احسان تک پہنچا دیتا ہے، یہی مرتبہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسی نصیب ہوتی ہے گویا اللہ جَلَّ شَانُہٗ کو دیکھ رہا ہے (یہی مرتبہ صوفیہ کا منتہائے مقصد ہوتا ہے)۔

(۱۱) اللہ کی طرف رجوع پیدا کرتا ہے جس سے رفتہ رفتہ یہ نوبت آجاتی ہے کہ ہر چیز میں حق تعالیٰ شانہٗ اس کی جائے پناہ اور مَاوٰی وَمَلجا بن جاتے ہیں اور ہر مصیبت میں اسی کی طرف توجہ ہو جاتی ہے۔

(۱۲) اللہ کا قرب پیدا کرتا ہے اور جتنا ذکر میں اضافہ ہوتا ہے اتنا ہی قرب میں اضافہ ہوتا ہے اور جتنی ذکر سے غفلت ہوتی ہے اتنی ہی اللہ سے دوری ہوتی ہے۔

(۱۳) اللہ کی معرفت کا دروازہ کھولتا ہے۔

(۱۴) اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی ہیبت اور اس کی بڑائی دل میں پیدا کرتا ہے اور اللہ کے ساتھ حضوری پیدا کرتا ہے۔

(۱۵) اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی بارگاہ میں ذکر کا سبب ہے، چنانچہ کلامِ پاک میں ارشاد ہے: "فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ" اور حدیث میں وارد ہے: "مَنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِيْ نَفْسِيْ" الحدیث، چنانچہ آیات اور احادیث کے بیان میں پہلے مفصّل گذر چکا ہے، اگر ذکر میں اس کے سوا اور کوئی بھی فضیلت نہ ہوتی تب بھی شرافت اور کرامت کے اعتبار سے یہی ایک فضیلت کافی تھی چہ جائیکہ اس میں اور بھی بہت سی فضیلتیں ہیں۔

(۱۶) دل کو زندہ کرتا ہے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ کا ذکر دل کے لئے ایسا ہے جیسا مچھلی کے لئے پانی۔ خود غور کرلو کہ بغیر پانی کے مچھلی کا کیا حال ہوتا ہے۔

(۱۷) دل اور روح کی روزی ہے اگر ان دونوں کو اپنی روزی نہ ملے تو ایسا ہے جیسا بدن کو اس کے روزی (یعنی کھانا) نہ ملے۔

(۱۸) دل کو زنگ سے صاف کرتا ہے جیسا کہ حدیث میں بھی وارد ہوا ہے، ہر چیز پر اس کے مناسب زنگ اور میل کچیل ہوتا ہے، دل کا میل اور زنگ خواہشات اور غفلت ہیں، یہ اس کے لئے صفائی کا کام دیتا ہے۔

(۱۹) لغزشوں اور خطاؤں کو دور کرتا ہے۔

(۲۰) بندہ کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ سے جو وحشت ہوتی ہے اس کو دور کرتا ہے کہ غافل کے دل پر اللہ کی طرف سے ایک وحشت رہتی ہے جو ذکر ہی سے دور ہوتی ہے۔

(۲۱) جو اَذکار بندہ کرتا ہے وہ عرش کے چاروں طرف بندہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے (باب نمبر ۳ فصل نمبر ۲ حدیث نمبر ۱۷)۔

(۲۲) جو شخص راحت میں اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا ذکر کرتا ہے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ مصیبت کے وقت اس کو یاد کرتا ہے۔

(۲۳) اللہ کے عذاب سے نجات کا ذریعہ ہے۔

(۲۴) سکینہ اور رحمت کے اترنے کا سبب ہے اور فرشتے ذکر کرنے والے کو گھیر لیتے ہیں (سکینہ کے معنی بابِ ہٰذا کی فصل نمبر ۲ حدیث نمبر ۸ میں گذر چکے ہیں)۔

(۲۵) اس کی برکت سے زبان غیبت، چغل خوری، جھوٹ، بدگوئی، لغو گوئی سے محفوظ رہتی ہے، چنانچہ تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ جس شخص کی زبان اللہ کے ذکر کی عادی ہو جاتی ہے وہ ان اشیاء سے عموماً محفوظ رہتا ہے اور جس کی زبان عادی نہیں ہوتی ہر نوع کی لغویات میں مبتلا رہتا ہے۔

(۲۶) ذکر کی مجلسیں فرشتوں کی مجلسیں ہیں اور لغویات اور غفلت کی مجلسیں شیطان کی مجلسیں ہیں، اب آدمی کو اختیار ہے جس قسم کی مجلسوں کو چاہے پسند کر لے اور ہر شخص اسی کو پسند کرتا ہے جس سے مناسبت رکھتا ہے۔

(۲۷) ذکر کی وجہ سے ذکر کرنے والا بھی سعید (نیک بخت) ہوتا ہے اور اس کے پاس

بیٹھنے والا بھی، اور غفلت یا لغویات میں مبتلا ہونے والا خود بھی بد بخت ہوتا ہے اور اس کے پاس بیٹھنے والا بھی۔

(۲۸) قیامت کے دن حسرت سے محفوظ رہتا ہے اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ ہر وہ مجلس جس میں اللہ کا ذکر نہ ہو قیامت کے دن حسرت اور نقصان کا سبب ہے۔

(۲۹) ذکر کے ساتھ اگر تنہائی کا رونا بھی نصیب ہو جائے تو قیامت کے دن کی تپش اور گرمی میں جب کہ ہر شخص میدانِ حشر میں بلبلا رہا ہوگا، یہ عرش کے سایہ میں ہوگا۔

(۳۰) ذکر میں مشغول رہنے والوں کو ان سب چیزوں سے زیادہ ملتا ہے جو دعائیں مانگنے والوں کو ملتی ہیں، حدیث میں اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جس شخص کو میرے ذکر نے دعا سے روک دیا اس کو میں دعائیں مانگنے والوں سے افضل عطا کروں گا۔

(۳۱) باوجود سہل ترین عبادت ہونے کے تمام عبادتوں سے افضل ہے، اس لئے کہ زبان کو حرکت دینا بدن کے اور تمام اعضاء کو حرکت دینے سے سہل ہے۔

(۳۲) اللہ کا ذکر جنت کے پودے ہیں (چنانچہ باب نمبر ۳ فصل ۲ حدیث نمبر ۴ میں مفصل آرہا ہے)۔

(۳۳) جس قدر بخشش اور انعام کا وعدہ اس پر ہے اتنا کسی اور عمل پر نہیں ہے، چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ" سَو مرتبہ کسی دن پڑھے تو اس کے لئے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ہوتا ہے اور سَو نیکیاں اس کے لئے لکھی جاتی ہیں اور سَو برائیاں اس سے معاف کر دی جاتی ہیں اور شام تک شیطان سے محفوظ رہتا ہے اور دوسرا کوئی شخص اس سے افضل نہیں ہوتا مگر وہ شخص کہ جو اس سے زیادہ عمل کرے۔ اسی طرح اور بہت سی احادیث ہیں جن سے ذکر کا افضلِ اعمال ہونا معلوم ہوتا ہے (اور بہت سی ان میں سے اس رسالہ میں مذکور ہیں)۔

(۳۴) دوامِ ذکر کی بدولت اپنے نفس کو بھولنے سے امن نصیب ہوتا ہے جو سبب ہے

دارین کی شقاوت کا۔ اس لئے کہ اللہ کی یاد کو بھلا دینا سبب ہوتا ہے خود اپنے نفس کے بھلا دینے کا اور اپنے تمام مصالح کے بھلا دینے کا۔ چنانچہ اِرشادِ خداوندی ہے "وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنسٰهُمْ أَنفُسَهُمْ ۚ أُولٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ" (الحشر: ۱۹) (تم ان لوگوں کی طرح نہ بنو جنہوں نے اللہ سے بے پروائی کی، پس اللہ نے ان کو اپنی جانوں سے بے پرواہ کر دیا یعنی ان کی عقل ایسی ماری گئی کہ اپنے حقیقی نفع کو نہ سمجھا) اور جب آدمی اپنے نفس کو بھلا دیتا ہے تو اس کی مصالح سے غافل ہو جاتا ہے اور یہ سبب ہلاکت کا بن جاتا ہے، جیسا کہ کسی شخص کی کھیتی یا باغ ہو اور اس کو بھول جائے، اس کی خبر گیری نہ کرے تو لامحالہ وہ ضائع ہوگا۔ اور اس سے امن جب ہی مل سکتا ہے جب اللہ کے ذکر سے زبان کو ہر وقت تر و تازہ رکھے اور ذکر اس کو ایسا محبوب ہو جائے جیسا کہ پیاس کی شدت کے وقت پانی اور بھوک کے وقت کھانا اور سخت گرمی اور سخت سردی کے وقت مکان اور لباس، بلکہ اللہ کا ذکر اس سے زیادہ کا مستحق ہے۔ اس لئے کہ ان اشیاء کے نہ ہونے سے بدن کی ہلاکت ہے جو روح کی اور دل کی ہلاکت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔

(۳۵) ذکر آدمی کی ترقی کرتا رہتا ہے بستر پر بھی اور بازار میں بھی، صحت میں بھی اور بیماری میں بھی، نعمتوں اور لذتوں کے ساتھ مشغولی میں بھی، اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ہر وقت ترقی کا سبب بنتی ہو۔ حتیٰ کہ جس کا دل نورِ ذکر سے منور ہو جاتا ہے وہ سوتا ہوا بھی غافل شب بیداروں سے بڑھ جاتا ہے۔

(۳۶) ذکر کا نور دنیا میں بھی ساتھ رہتا ہے اور قبر میں بھی ساتھ رہتا ہے اور آخرت میں پل صراط پر آگے آگے چلتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا اِرشاد ہے: "أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا" (الانعام: ۱۲۲) ایسا شخص جو پہلے مردہ یعنی گمراہ تھا، پھر ہم نے اس کو زندہ یعنی مسلمان بنا دیا اور اس کو ایسا نور دے دیا کہ وہ اس نور کو لئے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے، یعنی وہ نور ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے، کیا

ایسا شخص بدحالی میں اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو گمراہیوں کی تاریکیوں میں گھرا ہو کہ ان سے نکلنے ہی نہیں پاتا)۔ پس اول شخص مؤمن ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی محبت اور اس کی معرفت اور اس کے ذکر سے منور ہے اور دوسرا شخص ان چیزوں سے خالی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ نور نہایت مُہتَم بالشان چیز ہے اور اسی میں پوری کامیابی ہے۔ اس لئے نبی اکرم ﷺ اس کی طلب اور دعا میں مبالغہ فرمایا کرتے تھے اور اپنے ہر ہر جزو میں نور کو طلب فرماتے تھے، چنانچہ احادیث میں متعدِد دعائیں ایسی ہیں جن میں حضورِ اقدس ﷺ نے اس کی دعا فرمائی ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ آپ کے گوشت میں، ہڈیوں میں، پٹھوں میں، بال میں، کھال میں، کان میں، آنکھ میں، اوپر، نیچے، دائیں، بائیں، آگے، پیچھے نور ہی نور کردے حتیٰ کہ یہ بھی دعا کی کہ خود مجھی کو سرتاپا نور بنادے کہ آپ کی ذات ہی نور بن جائے۔ اسی نور کے بقدر اعمال میں نور ہوتا ہے حتیٰ کہ بعض لوگوں کے نیک عمل ایسی حالت میں آسمان پر جاتے ہیں کہ ان پر آفتاب جیسا نور ہوتا ہے اور ایسا ہی نور ان کے چہروں پر قیامت کے دن ہوگا۔

(۳۷) ذکر، تصوف کا اصل اصول ہے اور تمام صوفیہ کے سب طریقوں میں رائج ہے۔ جس شخص کے لئے ذکر کا دروازہ کھل گیا ہے اس کے لئے اللہ جَلَّ شَانُہٗ تک پہنچنے کا دروازہ کھل گیا اور جو اللہ جَلَّ شَانُہٗ تک پہنچ گیا وہ جو چاہتا ہے پاتا ہے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے پاس کسی چیز کی بھی کمی نہیں ہے۔

(۳۸) آدمی کے دل میں ایک گوشہ ہے جو اللہ کے ذکر کے علاوہ کسی چیز سے بھی پُر نہیں ہوتا اور جب ذکر دل پر مسلّط ہوجاتا ہے تو وہ نہ صرف اس گوشہ کو پر کرتا ہے بلکہ ذکر کرنے والے کو بغیر مال کے غنی کردیتا ہے اور بغیر کنبہ اور جماعت کے لوگوں کے دلوں میں عزت والا بنادیتا ہے اور بغیر سلطنت کے بادشاہ بنادیتا ہے اور جو شخص ذکر سے غافل ہوتا ہے وہ باوجود مال و دولت، کنبہ اور حکومت کے ذلیل ہوتا ہے۔

(۳۹) ذکر پراگندہ کو مجتمع کرتا ہے اور مجتمع کو پراگندہ کرتا ہے، دور کو قریب کرتا ہے اور

قریب کو دور کرتا ہے۔ پراگندہ کو مجتمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے دل میں جو متفرق ہموم، غموم، تفکرات، پریشانیاں ہوتی ہیں ان کو دور کر کے جمعیّت خاطر پیدا کرتا ہے اور مجتمع کو پراگندہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی پر جو تفکرات مجتمع ہیں ان کو متفرق کر دیتا ہے اور آدمی کی جو لغزشیں اور گناہ جمع ہو گئے ہیں ان کو پراگندہ کر دیتا ہے اور جو شیطان کے لشکر آدمی پر مسلّط ہیں ان کو پراگندہ کر دیتا ہے اور آخرت کو جو دور ہے قریب کر دیتا ہے اور دنیا کو جو قریب ہے دور کر دیتا ہے۔

(۴۰) ذکر آدمی کے دل کو نیند سے جگاتا ہے، غفلت سے چوکنا کرتا ہے اور دل جب تک سوتا رہتا ہے اپنے سارے ہی منافع کھوتا رہتا ہے۔

(۴۱) ذکر ایک درخت ہے جس پر معارف کے پھل لگتے ہیں۔ صوفیہ کی اصطلاح میں احوال اور مقامات کے پھل لگتے ہیں اور جتنی بھی ذکر کی کثرت ہوگی اتنی ہی اس درخت کی جڑ مضبوط ہوگی اور جتنی جڑ مضبوط ہوگی اتنے ہی زیادہ پھل اس پر آئیں گے۔

(۴۲) ذکر اس پاک ذات کے قریب کر دیتا ہے جس کا ذکر کر رہا ہے حتیٰ کہ اس کے ساتھ معیّت نصیب ہو جاتی ہے، چنانچہ قرآنِ پاک میں ہے: "اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا" (اللہ جَلَّ شَانُہٗ متقیوں کے ساتھ ہے) اور حدیث میں وارد ہے: "اَنَا مَعَ عَبْدِیْ مَا ذَکَرَنِیْ" (میں اپنے بندے کے ساتھ رہتا ہوں جب تک وہ میرا ذکر کرتا رہے) ایک حدیث میں ہے کہ میرا ذکر کرنے والے میرے آدمی ہیں، میں ان کو اپنی رحمت سے دور نہیں کرتا۔ اگر وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرتے رہیں تو میں ان کا حبیب ہوں اور اگر وہ توبہ نہ کریں تو میں ان کا طبیب ہوں کہ ان کو پریشانیوں میں مبتلا کرتا ہوں تا کہ ان کو گناہوں سے پاک کروں، نیز ذکر کی وجہ سے جو اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی معیّت نصیب ہوتی ہے وہ ایسی معیّت ہے جس کے برابر کوئی دوسری معیّت نہیں ہے، نہ وہ زبان سے تعبیر ہو سکتی ہے نہ تحریر میں آسکتی ہے، اس کی لذت وہی جان سکتا ہے جس کو یہ نصیب ہو جاتی ہے (اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ مِنْہُ شَیْئًا)۔

(۴۳) ذکر غلاموں کے آزاد کرنے کے برابر ہے، مالوں کے خرچ کرنے کے برابر ہے،

اللہ کے راستے میں جہاد کے برابر ہے (بہت سی روایات میں اس قسم کے مضامین گذر بھی چکے ہیں اور آئندہ بھی آنے والے ہیں)۔

(۴۴) ذکر شکر کی جڑ ہے جو اللہ کا ذکر نہیں کرتا وہ شکر بھی ادا نہیں کرتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ سے عرض کیا: آپ نے مجھ پر بہت احسانات کیے ہیں، مجھے طریقہ بتا دیجئے کہ میں آپ کا بہت شکر ادا کروں۔ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے ارشاد فرمایا کہ جتنا بھی تم میرا ذکر کرو گے اتنا ہی شکر ادا ہوگا۔ دوسری حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ درخواست ذکر کی گئی ہے کہ یا اللہ! تیری شان کے مناسب شکر کس طرح ادا ہو؟ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے فرمایا کہ تمہاری زبان ہر وقت ذکر کے ساتھ تر و تازہ رہے۔

(۴۵) اللہ کے نزدیک پرہیزگار لوگوں میں زیادہ معزز وہ لوگ ہیں جو ذکر میں ہر وقت مشغول رہتے ہوں اس لئے کہ تقویٰ کا مُنتہا جنّت ہے اور ذکر کا مُنتہا اللہ کی معیّت ہے۔

(۴۶) دل میں ایک خاص قسم کی قسوت (سختی) ہے جو ذکر کے علاوہ کسی چیز سے بھی نرم نہیں ہوتی۔

(۴۷) ذِکر دل کی بیماریوں کا علاج ہے۔

(۴۸) ذکر اللہ کے ساتھ دوستی کی جڑ ہے اور ذکر سے غفلت اس کے ساتھ دشمنی کی جڑ ہے۔

(۴۹) اللہ کے ذکر کے برابر کوئی چیز نعمتوں کی کھینچنے والی اور اللہ کے عذاب کو ہٹانے والی نہیں ہے۔

(۵۰) ذکر کرنے والے پر اللہ کی صلوٰۃ (رحمت) اور فرشتوں کی صلوٰۃ (دعا) ہوتی ہے۔

(۵۱) جو شخص یہ چاہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی جنّت کے باغوں میں رہے وہ ذکر کی مجالس میں بیٹھے، کیونکہ یہ مجالس جنّت کے باغ ہیں۔

(۵۲) ذکر کی مجلسیں فرشتوں کی مجلسیں ہیں (احادیثِ مذکورہ میں یہ مضمون مفصّل گذر چکا ہے)۔

(۵۳) اللہ جَلَّ شَانُہٗ ذکر کرنے والوں پر فرشتوں کے سامنے فخر کرتے ہیں۔

(۵۴) ذکر پر مداومت کرنے والا جنّت میں ہنستا ہوا داخل ہوگا۔

(۵۵) تمام اعمال اللہ کے ذکر ہی کے واسطے مقرر کئے گئے ہیں۔

(۵۶) تمام اعمال میں وہی عمل افضل ہے جس میں ذکر کثرت سے کیا جائے، روزوں میں وہ روزہ افضل ہے جس میں ذکر کی کثرت ہو، حج میں وہ حج افضل ہے جس میں ذکر کی کثرت ہو۔ اسی طرح اور اعمال جہاد وغیرہ کا حکم ہے۔

(۵۷) یہ نوافل اور دوسری نفل عبادات کے قائم مقام ہے، چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ فقراء نے حضور ﷺ سے شکایت کی کہ یہ مال دار لوگ بڑے بڑے درجے حاصل کرتے ہیں، یہ روزے نماز میں ہمارے شریک ہیں اور اپنے مالوں کی وجہ سے حج، عمرہ اور جہاد میں ہم سے سبقت لے جاتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں ایسی چیز بتاؤں جس سے کوئی شخص تم تک نہ پہنچ سکے مگر وہ شخص جو یہ عمل کرے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے ہر نماز کے بعد "سُبْحَانَ اللّٰہِ، اَلْحَمْدُ للّٰہِ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ" پڑھنے کو فرمایا (جیسا کہ باب نمبر ۳ فصل نمبر ۲ حدیث نمبر ۷ میں آرہا ہے) کہ حضور ﷺ نے حج، عمرہ، جہاد وغیرہ ہر عبادت کا بدل ذکر کو قرار دیا ہے۔

(۵۸) ذکر دوسری عبادات کے لئے بڑا معین و مددگار ہے کہ اس کی کثرت سے ہر عبادت محبوب بن جاتی ہے اور عبادات میں لذت آنے لگتی ہے اور کسی عبادت میں بھی مشقت اور بار نہیں رہتا۔

(۵۹) ذکر کی وجہ سے ہر مشقت آسان بن جاتی ہے اور ہر دشوار چیز سہل ہو جاتی ہے اور ہر قسم کے بوجھ میں خفت ہو جاتی ہے اور ہر مصیبت زائل ہو جاتی ہے۔

(۶۰) ذکر کی وجہ سے دل سے خوف و ہراس دور ہو جاتا ہے، ڈر کے مقام پر اطمینان پیدا کرنے اور خوف کے زائل کرنے میں اللہ کے ذکر کو خصوصی دخل ہے اور اس کی یہ خاص تاثیر ہے، جتنی ہی ذکر کی کثرت ہوگی اتنا ہی اطمینان نصیب ہوگا اور خوف زائل ہوگا۔

(۶۱) ذکر کی وجہ سے آدمی میں ایک خاص قوت پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے ایسے کام اس سے صادِر ہونے لگتے ہیں جو دشوار نظر آتے ہیں۔ حضورِ اقدس ﷺ نے اپنی

بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جب انہوں نے چکی کی مشقت اور کاروبار کی دشواری کی وجہ سے ایک خادم طلب کیا تو سوتے وقت سُبْحَانَ اللّٰہِ، اَلْحَمْدُ للّٰہِ، ۳۳،۳۳ مرتبہ اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۳۴ مرتبہ پڑھنے کا حکم فرمایا تھا اور یہ ارشاد فرمایا تھا کہ یہ خادم سے بہتر ہے۔

(۶۲) آخرت کے لئے کام کرنے والے سب دوڑ رہے ہیں اور اس دوڑ میں ذاکرین کی جماعت سب سے آگے ہے، عُمر مَولیٰ غُفرۃ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ قیامت میں جب لوگوں کو اعمال کا ثواب ملے گا تو بہت سے لوگ اس وقت حسرت کریں گے کہ ہم نے ذکر کا اہتمام کیوں نہ کیا کہ سب سے زیادہ سہل عمل تھا۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ مُفَرِّدلوگ آگے بڑھ گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ مفرد لوگ کون ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ ذکر پر مرمٹنے والے کہ ذکر ان کے بوجھوں کو ہلکا کر دیتا ہے۔

(۶۳) ذکر کرنے والے کی اللہ تعالیٰ شانہٗ تصدیق کرتے ہیں اور اس کو سچا بتاتے ہیں اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ خود سچا بتائیں اس کا حشر جھوٹوں کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔ حدیث میں آیا ہے کہ جب بندہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ" کہتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں: میرے بندے نے سچ کہا۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں سب سے بڑا ہوں۔

(۶۴) ذکر سے جنّت میں گھر تعمیر ہوتے ہیں۔ جب بندہ ذکر سے رک جاتا ہے تو فرشتے تعمیر سے رک جاتے ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ فلاں تعمیر تم نے کیوں روک دی؟ تو وہ کہتے ہیں کہ اس تعمیر کا خرچ ابھی تک آیا نہیں ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ" سات مرتبہ پڑھے ایک گنبد اس کے لئے جنّت میں تعمیر ہوجاتا ہے۔

(۶۵) ذکر جہنّم کے لئے آڑ ہے اگر کسی بدعملی کی وجہ سے جہنّم کا مستحق ہوجائے تو ذکر درمیان میں آڑ بن جاتا ہے اور جتنی ذکر کی کثرت ہوگی اتنی ہی پختہ آڑ ہوگی۔

(۶۶) ذکر کرنے والے کے لئے فرشتے استغفار کرتے ہیں۔ حضرت عَمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا گیا ہے کہ جب بندہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" کہتا ہے یا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" کہتا ہے تو فرشتے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! اس کی مغفرت فرما۔

(۶۷) جس پہاڑ پر یا میدان میں اللہ کا ذکر کیا جائے وہ فخر کرتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کو آواز دے کر پوچھتا ہے کہ کوئی ذکر کرنے والا تجھ پر آج گذرا ہے، اگر وہ کہتا ہے کہ گذرا ہے، تو وہ خوش ہوتا ہے۔

(۶۸) ذکر کی کثرت نفاق سے بَری ہونے کا اطمینان (اور سند) ہے کیونکہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے منافقوں کی صفت یہ بیان کی ہے کہ "لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝" (نہیں ذکر کرتے اللہ کا مگر تھوڑا سا) غُنب احبار رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ جو کثرت سے اللہ کا ذکر کرے وہ نفاق سے بَری ہے۔

(۶۹) تمام نیک اعمال کے مقابلہ میں ذکر کے لئے ایک خاص لذت ہے جو کسی عمل میں بھی نہیں پائی جاتی اگر ذِکر میں اس لذت کے سوا کوئی بھی فضیلت نہ ہوتی تو یہی چیز اس کی فضیلت کے لئے کافی تھی۔ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ لذت پانے والے کسی چیز میں بھی ذکر کے برابر لذت نہیں پاتے۔

(۷۰) ذکر کرنے والوں کے چہرہ پر دنیا میں رونق اور آخرت میں نور ہوگا۔

(۷۱) جو شخص راستوں میں اور گھروں میں، سفر میں اور حضر میں کثرت سے ذکر کرے قیامت میں اس کے گواہی دینے والے کثرت سے ہوں گے۔ حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن کے بارے میں فرماتے ہیں "يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝" (الزلزال: ٤) (اس دن زمین اپنی خبریں بیان کرے گی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جانتے ہو اس کی خبریں کیا ہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے لاعلمی ظاہر کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ جس مرد و عورت نے جو کام زمین پر کیا ہے وہ بتائے گی کہ فلاں دن فلاں وقت مجھ پر یہ کام کیا ہے (نیک ہو یا برا) اس لئے مختلف جگہوں میں کثرت سے ذکر کرنے والوں کے گواہ بھی بکثرت ہوں گے۔

(۷۲) زبان جتنی دیر ذکر میں مشغول رہے گی لغویات، جھوٹ، غیبت وغیرہ سے محفوظ رہے گی، اس لئے کہ زبان چپ تو رہتی ہی نہیں یا ذکر اللہ میں مشغول ہوگی، ورنہ لغویات میں۔ اسی طرح دل کا حال ہے کہ اگر وہ اللہ کی محبت میں مشغول نہ ہوگا تو مخلوق کی محبت میں مبتلا ہوگا۔

(۷۳) شیاطین آدمی کے کھلے دشمن ہیں اور ہر طرح اس کو وحشت میں ڈالتے رہتے ہیں اور ہر طرف سے اس کو گھیرے رہتے ہیں جس شخص کا یہ حال ہو کہ اس کے دشمن ہر وقت اس کا محاصرہ کئے رہتے ہوں اسکا جو حال ہوگا ظاہر ہے اور دشمن بھی ایسے کہ ہر ایک ان میں سے یہ چاہے کہ جو تکلیف بھی پہنچا سکوں پہنچاؤں۔ ان لشکروں کو ہٹانے والی چیز ذکر کے سوا کوئی نہیں ہے۔ بہت سی احادیث میں بہت سی دعائیں آئی ہیں جن کے پڑھنے سے شیطان قریب بھی نہیں آتا اور سوتے وقت پڑھنے سے رات بھر حفاظت رہتی ہے۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایسی دعائیں متعدد ذکر کی ہیں، ان کے علاوہ مصنف نے چھ نمبروں میں انواعِ ذکر کا تفاضل اور ذکر کی بعض کلی فضیلتیں ذکر کی ہیں اور اس کے بعد پچھتر فصلیں خصوصی دعاؤں میں جو خاص خاص اوقات میں وارد ہوئی ہیں ذکر کی ہیں جن کو اختصار کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا ہے کہ توفیق والے کے لئے جو ذکر کیا گیا ہے یہ بھی کافی سے زیادہ ہے اور جس کو توفیق نہیں ہے اس کے لئے ہزارہا فضائل بھی بیکار ہیں۔

"وَمَاتَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ○".

دوسرا باب

کلمۂ طیّبہ

کلمۂ طیّبہ جس کو کلمۂ توحید بھی کہا جاتا ہے جس کثرت سے قرآنِ پاک اور حدیث شریف میں ذکر کیا گیا ہے شاید ہی اس کثرت سے کوئی دوسری چیز ذکر کی گئی ہو اور جب کہ اصل مقصود تمام شرائع اور تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت سے توحید ہی ہے تو پھر جتنی کثرت سے اس کا بیان ہو وہ قرینِ قیاس ہے۔ قرآنِ پاک میں مختلف عنوانات اور مختلف ناموں سے اس پاک کلمہ کو ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ کلمۂ طیّبہ، قولِ ثابت، کلمۂ تقویٰ، مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آسمانوں اور زمینوں کی کنجیاں) وغیرہ الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ آئندہ آیات میں آرہا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اِحیاء میں نقل کیا ہے کہ یہ کلمۂ توحید ہے، کلمۂ اخلاص ہے، کلمۂ تقویٰ ہے، کلمۂ طیّبہ ہے، عروۃُ الوثقیٰ ہے، دعوۃُ الحق ہے، ثمنُ الجنۃ ہے، اور چونکہ قرآن پاک میں مختلف عنوانات سے اس کو ذکر فرمایا گیا ہے اس لئے اس باب کو تین فصلوں پر منقسم کیا گیا ہے۔ پہلی فصل میں ان آیات کا ذکر ہے جن میں کلمۂ طیّبہ مراد ہے اور کلمۂ طیّبہ کا لفظ نہیں ہے، اس لئے ان آیات کی مختصر تفسیر حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور خود سیدُ البشر علیہ افضل الصلوات والسلام سے نقل کی گئی ہے۔ دوسری فصل میں ان آیات کا حوالہ ہے جن میں کلمۂ طیّبہ پورا یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تمام کا تمام ذکر کیا گیا ہے یا کسی معمولی تغیّر کے ساتھ جیسے لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ اور چونکہ ان میں یہ کلمہ خود ہی موجود ہے یا اس کا ترجمہ دوسرے الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے اس لئے ان آیات کے ترجمہ کی ضرورت نہیں سمجھی، صرف حوالۂ سورت اور رکوع پر اکتفا کیا گیا اور تیسری فصل میں ان احادیث کا ترجمہ اور مطلب ذکر کیا گیا جن میں اس پاک کلمہ کی ترغیب اور حکم فرمایا گیا۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ ط

فصل اول

ان آیات میں جن میں لفظ کلمہ طیبہ کا نہیں ہے اور مراد کلمہ طیبہ ہے۔

(۱) اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ ۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ِۨ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝ (ابراھیم: ۲۵، ۲۶)

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی اچھی مثال بیان فرمائی ہے کلمہ طیبہ کی کہ وہ مشابہ ہے ایک عمدہ پاکیزہ درخت کے جس کی جڑ زمین کے اندر گڑی ہوئی ہو اور اس کی شاخیں اوپر آسمان کی طرف جا رہی ہوں اور وہ درخت اللہ کے حکم سے ہر فصل میں پھل دیتا ہو (یعنی خوب پھلتا ہو) اور اللہ تعالیٰ مثالیں اس لئے بیان فرماتے ہیں تاکہ لوگ خوب سمجھ لیں۔ اور خبیث کلمہ (یعنی کلمہ کفر) کی ایسی مثال ہے جیسے ایک خراب درخت ہو کہ وہ زمین کے اوپر ہی اوپر سے اکھاڑ لیا جاوے اور اس کو زمین میں کچھ ثبات نہ ہو۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کلمہ طیبہ سے کلمہ شہادت "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" مراد ہے جس کی جڑ مؤمن کے دل میں ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں کہ اس کی وجہ سے مؤمن کے اعمال آسمان تک جاتے ہیں اور کلمہ خبیثہ شرک ہے کہ اس کے ساتھ کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ ایک دوسری حدیث میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہر وقت پھل دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو دن رات ہر وقت یاد کرتا ہو۔ حضرت قتادہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ مالدار (صدقات کی بدولت) سارا ثواب اڑا لے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بھلا بتا تو سہی کہ اگر کوئی شخص سامان کو اوپر نیچے رکھتا چلا جائے تو کیا آسمان پر چڑھ جائے گا؟ میں تجھے ایسی چیز بتاؤں جس کی جڑ زمین میں ہو اور شاخیں آسمان پر، ہر نماز کے بعد "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَسُبْحَانَ

اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ" دس دس مرتبہ پڑھا کر۔ اس کی جڑ زمین میں ہے اور شاخیں آسمان پر۔

(۲) مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ط اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ط (الفاطر: ۱۰)

جو شخص عزت حاصل کرنا چاہے (وہ اللہ ہی سے عزت حاصل کرے کیونکہ) ساری عزت اللہ ہی کے واسطے ہے، اسی تک اچھے کلمے پہنچتے ہیں اور نیک عمل ان کو پہنچاتا ہے۔

ف: اچھے کلموں سے مراد بہت سے مفسّرین کے نزدیک "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہے جیسا کہ عام مفسّرین نے نقل کیا ہے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد کلماتِ تسبیح ہیں جیسا کہ دوسرے باب میں آئے گا۔

(۳) وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا (الانعام: ۱۱۵)

اور تیرے رب کا کلمہ سچائی اور انصاف (واعتدال) کے اعتبار سے پورا ہے۔

ف: حضرت انس رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ رب کے کلمہ سے مراد "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہے اور اکثر مفسّرین کے نزدیک اس سے کلامُ اللہ شریف مراد ہے۔

(۴) يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ط وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ لا وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝ (ابراھیم: ۲۷)

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو پکی بات (یعنی کلمۂ طیبہ) سے دنیا اور آخرت دونوں میں مضبوط رکھتا ہے اور کافروں کو دونوں جہان میں بچلا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ (اپنی حکمت سے) جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

ف: حضرت بَرَاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب قبر میں سوال ہوتا ہے تو مسلمان "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کی گواہی دیتا ہے، آیتِ شریفہ میں پکی بات سے یہی مراد ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے کہ اس سے مراد قبر کا سوال جواب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مسلمان جب مرتا ہے تو فرشتے اس وقت حاضر ہوتے ہیں، اس کو سلام کرتے ہیں، جنّت کی خوشخبری

دیتے ہیں۔ جب وہ مرجاتا ہے تو فرشتے اس کے ساتھ جاتے ہیں، اس کی نمازِ جنازہ میں شریک ہوتے ہیں اور جب دفن ہو جاتا ہے تو اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے سوال جواب ہوتے ہیں، جن میں یہ بھی پوچھا جاتا ہے کہ تیری گواہی کیا ہے؟ وہ کہتا ہے "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ" یہی مراد ہے آیتِ شریفہ میں۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں پکی بات سے مراد "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہے اور آخرت میں قبر کا سوال جواب مراد ہے۔ حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔

(۵) لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝ (الرعد: ۱۴)

سچا پکارنا اسی کے لئے خاص ہے اور خدا کے سوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ ان کی درخواست کو اس سے زیادہ منظور نہیں کر سکتے جتنا پانی اس شخص کی درخواست کو منظور کرتا ہے جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے (اور اس پانی کو اپنی طرف بلائے) تاکہ وہ اس کے منہ تک آجائے اور وہ (پانی اُڑ کر) اس کے منہ تک آنے والا کسی طرح بھی نہیں اور کافروں کی درخواست محض بے اثر ہے۔

ف: حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ دَعْوَةُ الحق سے مراد توحید یعنی "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی منقول ہے کہ دعوۃُ الحق سے شہادت "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی مراد ہے۔ اسی طرح ان کے علاوہ دوسرے حضرات سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔

(۶) قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ ۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا

(اے محمد!) آپ فرما دیجئے کہ اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسے کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان (مُسلّم ہونے میں) برابر ہے، وہ یہ کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم

فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ (آلِ عمران: ٦٤)

کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب قرار نہ دے خداوند تعالیٰ کو چھوڑ کر۔ پھر اس کے بعد بھی وہ اعراض کریں تو تم کہہ دو کہ تم اس کے گواہ رہو کہ ہم لوگ تو مسلمان ہیں۔

ف: آیتِ شریفہ کا مضمون خود ہی صاف ہے کہ کلمہ سے مراد توحید اور کلمہ طیبہ ہے۔ حضرت ابوالعالیہ اور مجاہد رحمہما اللہ سے صراحت کے ساتھ منقول ہے کہ کلمہ سے مراد "لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہے۔

(۷) كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (آلِ عمران: ١١٠)

(اے امتِ محمد ﷺ!) تم لوگ (سب اہلِ مذاہب سے) بہترین جماعت ہو کہ وہ جماعت جو لوگوں کو نفع پہنچانے کے لئے ظاہر کی گئی ہے، تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بُری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر اہلِ کتاب بھی ایمان لے آتے تو ان کے لئے بہتر تھا۔ ان میں سے بعض تو مسلمان ہیں (جو ایمان لے آئے) لیکن اکثر حصہ ان میں سے کافر ہے۔

ف: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ" (اچھی بات کا حکم کرتے ہو) کا مطلب یہ ہے کہ اس کا حکم کرتے ہو کہ وہ "لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی گواہی دیں اور اللہ کے احکام کا اقرار کریں اور "لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" ساری اچھی چیزوں میں سے بہترین چیز ہے اور سب سے بڑھی ہوئی۔

(۸) وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝ (هود: ١١٤)

(اور محمد ﷺ!) آپ نماز کی پابندی رکھئے دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں۔ بیشک نیک کام مٹا دیتے ہیں

(نامۂ اعمال سے) بُرے کاموں کو، یہ بات ایک نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے۔

ف: اس آیتِ شریفہ کی تفسیر میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں جن میں حضور ﷺ نے آیتِ شریفہ کی توضیح فرماتے ہوئے اِرشاد فرمایا ہے کہ نیکیاں (اعمال نامہ سے) برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے حضورِ اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ نصیحت فرما دیجئے۔ حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا: اللہ سے ڈرتے رہو، جب کوئی برائی صادر ہو جائے فوراً کوئی بھلائی اس کے بعد کرو تاکہ اس کی مُکافات ہو جائے اور وہ زائل ہو جائے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" بھی نیکیوں میں شمار ہے یعنی اس کا ورد، اس کا پڑھنا بھی اس میں داخل ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو نیکیوں میں افضل ترین چیز ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ جو بندہ رات میں یا دن میں کسی وقت بھی "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" پڑھتا ہے اس کے اعمال نامہ سے برائیاں دُھل جاتی ہیں۔

(۹) اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ (النحل: ۹۰)

بیشک اللہ تعالیٰ حکم فرماتے ہیں عدل کا اور احسان کا اور قرابت داروں کو دینے کا اور منع فرماتے ہیں فحش باتوں سے اور بری باتوں سے اور کسی پر ظلم کرنے سے۔

حق تعالیٰ شانہٗ تم کو نصیحت فرماتے ہیں تاکہ تم نصیحت کو قبول کرو۔

ف: عدل کے معنی تفاسیر میں مختلف آئے ہیں۔ ایک تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے کہ عدل سے مراد "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کا اقرار کرنا ہے اور احسان سے مراد فرائض کا ادا کرنا ہے۔

(۱۰) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور راستی کی (پکی) بات کہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال اچھے کر دے گا اور گناہ معاف فرما دے گا

يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ○ (الاحزاب: ۷۰، ۷۱)

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا۔

ف: حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عِکرِمہ رضی اللہ عنہما دونوں حضرات سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ "قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا" کے معنی یہ ہیں کہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہا کرو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ سب سے زیادہ پکے اعمال تین چیزیں ہیں: ہر حال میں اللہ کا ذکر کرنا (غمی ہو یا خوشی، تنگی ہو یا فراخی)، دوسرے اپنے بارے میں انصاف کا معاملہ کرنا (یہ نہ ہو کہ دوسروں پر تو زور دکھلائے اور جب کوئی اپنا معاملہ ہو تو اِدھر اُدھر کی کہنے لگے)، تیسرے بھائی کے ساتھ مالی ہمدردی کرنا۔

(۱۱) فَبَشِّرْ عِبَادِ ○ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○ (الزمر: ۱۷، ۱۸)

پس آپ میرے ایسے بندوں کو خوش خبری سنا دیجئے جو اس کلامِ پاک کو کان لگا کر سنتے ہیں، پھر اس کی بہترین باتوں کا اتباع کرتے ہیں۔ یہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی اور یہی ہیں جو اہلِ عقل ہیں۔

ف: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت سعید بن زید، حضرت ابوذر غفاری اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم؛ یہ تینوں حضرات جاہلیت کے زمانہ ہی میں "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" پڑھا کرتے تھے اور یہی مراد ہے اس آیتِ شریفہ میں "اَحْسَنَ الْقَوْل" سے۔ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے بھی اس کے قریب ہی منقول ہے کہ یہ آیتیں ان تین آدمیوں کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں جو جاہلیت کے زمانہ میں بھی "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" پڑھا کرتے تھے۔ زید بن عَمرو بن نُفیل اور ابوذر غفاری اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم۔

(۱۲) وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ○

اور جو لوگ (اللہ کی طرف سے یا اس کے رسول کی طرف سے) سچی بات لے کر آئے اور خود بھی اس کی تصدیق کی (اس کو سچا

لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (الزمر: ۳۳، ۳۴، ۳۵)

جانا) تو یہ لوگ پرہیز گار ہیں، یہ لوگ جو کچھ چاہیں گے ان کے لئے ان کے پروردِگار کے پاس سب کچھ ہے۔ یہ بدلہ ہے نیک کام کرنے والوں کا تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے بُرے اعمال کو ان سے دور کر دے (اور مُعاف کر دے) اور نیک کاموں کا بدلہ (ثواب) دے۔

ف: جو لوگ اللہ کی طرف سے لانے والے ہیں وہ انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام ہیں اور جو لوگ اس کے رسول کی طرف سے لانے والے ہیں وہ علماء کرام ہیں (شَكَرَ اللّٰهُ سَعْيَهُمْ)۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ سچّی بات سے مراد "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہے۔ بعض مفسّرین سے نقل کیا گیا ہے کہ "اَلَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ" (جو شخص سچّی بات اللہ کی طرف سے لے کر آیا) سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور "صَدَّقَ بِهٖ" (وہ لوگ جنہوں نے اس کی تصدیق کی) سے مراد مؤمنین ہیں۔

(۱۳) اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ○ (حٰمٓ السجدہ: ۳۰، ۳۱، ۳۲)

بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ (جَلَّ جَلَالُہٗ) ہے، پھر مستقیم رہے (یعنی جمے رہے، اس کو چھوڑ انہیں) ان پر فرشتے اتریں گے (موت کے وقت اور قیامت میں یہ کہتے ہوئے) کہ نہ اندیشہ کرو، نہ رنج کرو اور خوشخبری لو اس جنّت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم تمہارے رفیق تھے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رہیں گے اور آخرت میں تمہارے لئے جس چیز کو تمہارا دل چاہے وہ موجود ہے اور وہاں جو تم مانگو گے وہ ملے گا (اور یہ سب انعام واکرام) بطور مہمانی کے ہے۔ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی طرف سے (کہ تم اس کے مہمان ہو گے اور مہمان کا اِکرام کیا جاتا ہے)

ف: حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "ثُمَّ اسْتَقَامُوْا" کے معنی یہ ہیں کہ پھر "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کے اقرار پر قائم رہے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت مجاہد رحمہما اللہ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے کہ پھر "لَآ اِلٰـــهَ اِلَّا اللّٰـهُ" پر مرنے تک قائم رہے، شرک وغیرہ میں مبتلا نہیں ہوئے۔

(۱۴) وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ○ (حٰمٓ السجدہ:۳۳)

بات کی عمدگی کے لحاظ سے کون شخص اس سے اچھا ہوسکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور یہ کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

ف: حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ "دَعَآ اِلَى اللّٰهِ" سے مؤذن کا "لَآ اِلٰـــهَ اِلَّا اللّٰـهُ" کہنا مراد ہے۔ عاصم بن بُہَیرہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب تو اذان سے فارغ ہو تو "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ" کہا کر۔

(۱۵) فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا○ (الفتح : ۲۶)

پس اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینہ (سکون تحمّل یا خاص رحمت) اپنے رسول پر نازل فرمائی اور مؤمنین پر اور ان کو تقویٰ کے کلمہ پر (تقویٰ کی بات پر) جمائے رکھا اور وہی اسی تقویٰ کے کلمہ کے مستحق تھے اور اہل تھے۔

ف: تقویٰ کے کلمہ سے مراد اکثر روایات میں یہی وارد ہوا ہے کہ کلمہ طیبہ ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ و حضرت سَلَمہ رضی اللہ عنہما نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی نقل کیا ہے کہ اس سے مراد "لَآ اِلٰـــهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہے اور حضرت ابی بن کعب، حضرت علی، حضرت عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر وغیرہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہی نقل کیا گیا ہے۔ عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ سے پورا کلمہ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" نقل کیا گیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ" بھی نقل کیا گیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بَراء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہے۔

(۱۶) هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ○ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ○ (الرحمن: ۶۰،۶۱)

بھلا احسان کا بدلہ اِحسان کے سوا اور بھی کچھ ہوسکتا ہے؟ سوائے (جن وانس!) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آیت شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص پر میں نے دنیا میں "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کہنے کا انعام کیا بھلا آخرت میں جنّت کے سوا اور کیا بدلہ ہوسکتا ہے؟ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے کہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کہنے کا بدلہ جنّت کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔

(۱۷) قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ○ (الاعلی: ۱۴)

فلاح کو پہنچ گیا وہ شخص جس نے تزکیہ کرلیا (پاکی حاصل کی)

ف: حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ تَزَکّٰی سے مراد یہ ہے کہ "لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کی گواہی دے اور بتوں کو خیرباد کہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ تَزَکّٰی کے معنی یہ ہیں کہ "لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ" پڑھے۔ یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی نقل کیا گیا ہے۔

(۱۸) فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ○ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی○ (اللیل: ۵،۶،۷)

پس جس شخص نے (اللہ کی راہ میں مال) دیا اور اللہ سے ڈرا اور اچھی بات کی تصدیق کی تو آسان کردیں گے ہم اس کو آسانی کی چیز کے لئے۔

ف: آسانی کی چیز سے جنّت مراد ہے کہ ہر قسم کی راحت اور سہولتیں وہاں میسّر ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ایسے اعمال کی توفیق اس کو دیں گے جس سے وہ اعمال سہولت سے ہونے لگیں گے جو جنّت میں جلد پہنچا دینے والے ہوں۔ اکثر مفسّرین سے نقل کیا گیا ہے کہ

یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اچھی بات کی تصدیق سے "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی تصدیق مراد ہے۔ حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے کہ اچھی بات سے "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" مراد ہے۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے بروایت ابوالزبیر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے "صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى" پڑھا اور ارشاد فرمایا کہ "لَآاِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی تصدیق کرے اور "كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى" پڑھا اور ارشاد فرمایا کہ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی تکذیب کرے۔

(۱۹) مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَايُظْلَمُوْنَ۝ (الأنعام: ۱۶۰)

جو شخص نیک کام کرے گا اس کو (کم سے کم) دس حصّے ثواب کے ملیں گے اور جو بُرا کام کرے گا اس کو اس کے برابر ہی بدلہ ملے گا اور ان لوگوں پر ظلم نہ ہوگا (کہ کوئی نیکی درج نہ کی جائے یا بدی کو بڑھا کر لکھ دیا جائے)

ف: ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب آیتِ شریفہ "مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ" نازل ہوئی تو کسی شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" بھی حَسَنہ (نیکی) میں داخل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو ساری نیکیوں میں افضل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ "حَسَنَةٌ" سے "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" مراد ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ غالباً حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ "حسنۃ" سے "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" مراد ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" تو ساری نیکیوں میں افضل ہے جیسا کہ آیت نمبر ۸ کے ذیل میں گذر چکا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دس گنا ثواب عوام کے لئے ہے، مہاجرین کے لئے سات سو گنا تک ثواب ہوجاتا ہے۔

(۲۰) حٰمٓ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ یہ کتاب اُتاری گئی ہے اللہ کی طرف سے، جو

الْعَزِيزِ الْعَلِيْمِ ○ غَافِرِ الذَّنْبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِى الطَّوْلِ ط لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ ط اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ○ (المومن: ۱، ۲، ۳)

زبردست ہے، ہر چیز کا جاننے والا ہے، گناہ کا بخشنے والا ہے اور توبہ کا قبول کرنے والا ہے، سخت سزا دینے والا ہے، قدرت (یا عطا) والا ہے، اس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں، اسی کے پاس لَوٹ کر جانا ہے۔

ف: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس آیتِ شریفہ کی تفسیر میں نقل کیا گیا ہے کہ گناہ کی مغفرت کرنے والا ہے اس شخص کے لئے جو "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہے، اور توبہ قبول کرنے والا ہے اس شخص کی جو "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہے۔ سخت عذاب والا ہے اس شخص کے لئے جو "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" نہ کہے۔ ذِى الطَّوْلِ کے معنی غِنا والا ہے۔ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" رَد ہے کفارِ قریش پر جو توحید کے قائل نہ تھے اور اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ کے معنی اسی کی طرف لوٹنا ہے اس شخص کا جو "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہے تاکہ اس کو جنت میں داخل کرے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے اس شخص کا جو "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" نہ کہے تاکہ اس کو جہنم میں داخل کرے۔

(۲۱) فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ م بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ط (البقرہ: ۲۵۶)

پس جو شخص شیطان سے بداعتقاد ہو اور اللہ کے ساتھ خوش عقیدہ ہو تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ پکڑ لیا جس کو کسی طرح شکستگی نہیں۔

ف: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عُرْوَةِ الْوُثْقٰى (مضبوط حلقہ) پکڑ لیا یعنی "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہا۔ سفیان رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی منقول ہے کہ "عُرْوَةِ الْوُثْقٰى" سے مراد کلمۂ اخلاص ہے۔

تکمیل

قُلْتُ، وَقَدْ وَرَدَ فِیْ تَفْسِیْرِ اٰیَاتٍ اُخَرَ عَدِیْدَةٍ اَیضًا اَنَّ الْمُرَادَ بِبَعْضِ الْاَلْفَاظِ فِیْ هٰذِهِ الْاٰیَاتِ کَلِمَةُ التَّوْحِیْدِ عِنْدَ بَعْضِهِمْ، فَقَدْ قَالَ الرَّاغِبُ فِیْ قَوْلِهٖ فِیْ قِصَّةِ زَکَرِیَّا "مُصَدِّقًا بِکَلِمَةٍ" قِیْلَ: کَلِمَةُ التَّوْحِیْدِ، وَکَذَا قَالَ فِیْ قَوْلِهٖ تعالیٰ: "اِنَّاعَرَضْنَا الْاَمَانَةَ" الْاٰیَةَ، قِیْلَ: هِیَ کَلِمَةُ التَّوْحِیْدِ، وَاقْتَصَرْتُ عَلٰی مَا مَرَّ لِلْاِخْتِصَارِ.

فصلِ دوم

میں اُن آیات کا ذکر ہے جن میں کلمۂ طیبہ ذکر کیا گیا ہے۔ اکثر جگہ پورا کلمہ مذکور ہے اور کہیں مختصر اور کہیں دوسرے الفاظ میں کلمۂ طیبہ کے معنی مذکور ہیں کہ کلمۂ طیبہ (لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ) کے معنی ہیں: کوئی معبود نہیں اللہ پاک کے سوا۔ یہی معنی "مَا مِنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ" کے ہیں کہ کوئی معبود نہیں ہے اس کے سوا۔ یہی معنی "لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ" کے ہیں اور یہی معنی قریب قریب ہیں "لَا نَعْبُدُ اِلَّا اللّٰهَ" کے (نہیں عبادت کرتے ہم اللہ کے سوا کسی کی)۔ اور یہی معنی ہیں "لَا نَعْبُدُ اِلَّا اِیَّاهُ" کے کہ نہیں عبادت کرتے ہیں ہم اس کے سوا کسی کی۔ اسی طرح "اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ" کے معنی ہیں "اس کے سوا نہیں کہ معبود وہی ایک ہے" اسی طرح اور آیات بھی ہیں جن کا مفہوم کلمۂ طیبہ ہی کے ہم معنی ہے۔ ان آیات کی سورتوں اور آیتوں کا حوالہ اس لئے لکھا جاتا ہے کہ پوری آیت کا ترجمہ کوئی دیکھنا چاہے تو مترجم قرآن شریف کو سامنے رکھ کر حوالوں سے دیکھتا رہے۔ اور حق تو یہ ہے کہ سارا ہی کلامِ مجید کلمۂ طیبہ کا مفہوم ہے کہ اصل مقصد تمام قرآن شریف کا اور تمام دین کا توحید ہی ہے، توحید ہی کی تعلیم کے لئے مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام مبعوث ہوئے۔ توحید ہی سب مذاہب میں مشترک رہی ہے اور توحید کے اثبات کے لئے مختلف عنوانات اختیار فرمائے گئے ہیں اور یہی مفہوم کلمۂ طیبہ کا ہے۔

(۱) وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ○ (البقرۃ:۱۶۳)

(۲) اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ○ (البقرۃ:۲۵۵) (۳) اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ○ (آلِ عمران :۲) (۴) شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ (آل عمران:۱۸) (۵) لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ○ (آل عمران:۱۸) (۶) وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ط وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ○ (آل عمران :۶۲) (۷) تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ (آل عمران :۶۴) (۸) اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیَامَةِ (النساء :۸۷) (۹) وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ط (المائدہ: ۷۳) (۱۰) قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (الانعام:۱۹) (۱۱) مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِهٖ (الانعام:۴۶) (۱۲) ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج (الانعام :۱۰۲) (۱۳) لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ○ (الانعام:۱۰۶) (۱۴) قَالَ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْكُمْ اِلٰهًا (الاعراف:۱۴۰) (۱۵) لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ (الاعراف :۱۵۸) (۱۶) وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ج لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط (التوبہ:۳۱) (۱۷) حَسْبِیَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ○ (التوبہ:۱۲۹) (۱۸) ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ (یونس:۳) (۱۹) فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ (یونس:۳۲) (۲۰) قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (یونس:۹۰) (۲۱) فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (یونس:۱۰۴) (۲۲) فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج (ھود: ۱۴) (۲۳) اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ط (ھود:۲۶) (۲۴۔۲۵۔۲۶) قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ (ھود:۵۰،۶۱،۸۴) (۲۷) ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ○ (یوسف:۳۹) (۲۸) اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ (یوسف:۴۰) (۲۹) قُلْ هُوَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (الرعد:۳۰) (۳۰) وَلِیَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (ابراھیم:۵۲) (۳۱) اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاتَّقُوْنِ (النحل:۲) (۳۲) اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (النحل:۲۲)

(۳۳) اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (النحل:۵۱) (۳۴) وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (بنی اسرائیل:۳۹) (۳۵) قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا یَقُوْلُوْنَ (بنی اسرائیل:۴۲) (۳۶) فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا (الکہف:۱۴)

(۳۷) هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً (الکھف:۱۵) (۳۸) يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (الکھف:۱۱۰) (۳۹) وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ط (مریم:۳۶) (۴۰) اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط (طٰہٰ:۸) (۴۱) اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ (طٰہٰ:۱۴) (۴۲) اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط (طٰہٰ:۹۸) (۴۳) لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ج (الأنبیاء:۲۲) (۴۴) اَمِ اتَّخَذُوْٓا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً (الأنبیاء:۲۴) (۴۵) اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا (الأنبیاء:۲۵) (۴۶) اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا (الأنبیاء:۲۴) (۴۷) اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ (الأنبیاء:۶۶) (۴۸) لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ (الأنبیاء:۸۷) (۴۹) اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (الأنبیاء:۱۰۸) (۵۰) فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا (الحج:۳۴) (۵۱-۵۲) اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (المؤمنون:۳۲) (۵۳) وَمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ (المؤمنون:۹۱) (۵۴) فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ج لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج (المؤمنون:۱۱۶) (۵۵) وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ (المؤمنون:۱۱۷) (۵۶) ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ (پانچ مرتبہ سورہ نمل رکوع نمبر۵ میں وارد ہے) (۵۷) وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج لَهُ الْحَمْدُ (القصص:۷۰) (۵۸) مَنْ اِلٰهٌ[1] غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ (القصص:۷۲) (۵۹) وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وقف (القصص:۸۸) (۶۰) وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ (العنکبوت:۴۶) (۶۱) لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ (فاطر:۳) (۶۲) اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ (الصّٰفّٰت:۴) (۶۳) اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ (الصّٰفّٰت:۳۵) (۶۴) اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا (صٓ:۵) (۶۵) وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (صٓ:۶۵) (۶۶) هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (الزمر:۴) (۶۷) ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (الزمر:۶) (۶۸) لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ (المؤمن:۳) (۶۹) لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ (المؤمن:۶۲) (۷۰) هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ (المؤمن:۶۵) (۷۱) يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (حٰمٓ السجدہ:۶) (۷۲) اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ (حٰمٓ السجدہ:۱۴) (۷۳) اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ (الشوریٰ:۱۵)

---

[1] مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ (القصص:۷۱)

(۷۴) اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ (الزخرف:٤٥) (۷۵) رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا (الدخان:٧) (۷۶) لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ (الدخان:٨) (۷۷) اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ (الاحقاف:٢١) (۷۸) فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (محمد:١٩) (۷۹) وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (الذریٰت:٥١) (۸۰) هُوَاللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (الحشر:٢٢) (۸۱) اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (الممتحنة:٤) (۸۲) اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (التغابن:١٣) (۸۳) رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (المزمل:٩) (۸۴) لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ٥ وَلَا اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ (الکافرون:٢،٣) (۸۵) قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ٥ (الاخلاص:١)

یہ پچاسی آیات ہیں جن میں کلمۂ طیبہ یا اس کا مضمون وارد ہوا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی آیات بکثرت ہیں جن میں اس کا معنی اور مفہوم وارد ہوا ہے اور جیسا میں اس فصل کے شروع میں لکھ چکا ہوں توحید ہی اصل دین ہے۔ اس لئے جتنا اس میں انہماک اور شغف ہوگا دین میں پختگی پیدا ہوگی۔ اس لئے اس مضمون کو مختلف عبارات میں مختلف طریقوں سے ذِکر فرمایا ہے کہ دل کی گہرائیوں میں اتر جائے اور اندرون دِل میں پختہ ہو جائے اور دل میں اللہ کے ماسوا کی کوئی جگہ باقی نہ رہے۔

فصلِ سوم

میں ان احادیث کا ذکر ہے جن میں کلمۂ طیبہ کی ترغیب وفضائل ذکر فرمائے گئے ہیں۔ اس مضمون میں جب آیات اتنی کثرت سے ذکر فرمائی ہیں تو احادیث کا کیا پوچھنا، سب کا اِحاطہ ناممکن ہے، اس لئے چند احادیث بطور نمونہ کے ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ .

حضورِ اقدس ﷺ کا اِرشاد ہے کہ تمام اذکار میں افضل "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہے اور تمام دعاؤں میں افضل "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" ہے۔

(كذا فى المشكوة برواية الترمذى وابن ماجة، وقال المنذرى: رواه ابن ماجة والنسائى وابن حبان فى

صحیحه والحاکم، کلهم من طریق طلحة بن خراش عنه، وقال الحاکم: صحیح الاسناد، قلت: رواه الحاکم بسندین و صححهما واقره علیهما الذهبی، و کذا رقم له بالصحة السیوطی فی الجامع)

ف: "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اَللّٰهُ" کا افضل الذکر ہونا تو ظاہر ہے اور بہت سی احادیث میں کثرت سے وارد ہوا ہے، نیز سارے دین کا مدار ہی کلمۂ توحید پر ہے تو پھر اس کے افضل ہونے میں کیا تردّد ہے اور الحمد للہ کو افضل دعا اس لحاظ سے فرمایا ہے کہ کریم کی ثنا کا مطلب سوال ہی ہوتا ہے۔ عام مشاہدہ ہے کہ کسی رئیس، امیر، نواب کی تعریف میں قصیدہ خوانی کا مطلب اس سے سوال ہی ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو شخص "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" پڑھے، اس کے بعد اس کو "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" بھی کہنا چاہئے۔ اس لئے کہ قرآن پاک میں "فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" وارد ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ تمام ذکروں میں افضل اور سب سے بڑھا ہوا ذکر کلمۂ طیبہ ہے کہ یہی دین کی وہ بنیاد ہے جس پر سارے دین کی تعمیر ہے اور یہ وہ پاک کلمہ ہے کہ دین کی چکّی اسی کے گرد گھومتی ہے۔ اسی وجہ سے صوفیہ اور عارفین اسی کلمہ کا اہتمام فرماتے ہیں اور سارے اَذکار پر اس کو ترجیح دیتے ہیں اور اسی کی جتنی ممکن ہو کثرت کراتے ہیں کہ تجربے سے اس میں جس قدر فوائد اور منافع معلوم ہوئے ہیں، کسی دوسرے میں نہیں۔

چنانچہ سید علی بن مَیمون مغربی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ مشہور ہے کہ جب شیخ عُلوان حَموِی رحمۃ اللہ علیہ جو ایک متبحّر عالم اور مفتی اور مدرِّس تھے سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سید صاحب کی ان پر خصوصی توجہ ہوئی تو ان کو سارے مشاغل، درس، تدریس، فتویٰ وغیرہ سے روک دیا اور سارا وقت ذکر میں مشغول کر دیا۔ عوام کا تو کام ہی اعتراض اور گالیاں دینا ہے۔ لوگوں نے بڑا شور مچایا کہ شیخ کے منافع سے دنیا کو محروم کر دیا اور شیخ کو ضائع کر دیا وغیرہ وغیرہ۔ کچھ دنوں کے بعد سید صاحب کو معلوم ہوا کہ شیخ کسی وقت کلامُ اللہ شریف کی تلاوت کرتے ہیں۔ سید صاحب نے اس کو بھی منع کر دیا، تو پھر تو پوچھنا ہی کیا، سید صاحب پر زِندیقی اور بددینی کا اِلزام لگنے لگا، لیکن چند ہی روز بعد شیخ پر ذکر کا اثر ہو گیا اور دل رنگ گیا تو سید صاحب نے

فرمایا کہ اب تلاوت شروع کردو۔ کلامِ پاک جو کھولا تو ہر ہر لفظ پر وہ وہ علوم ومعارف کھلے کہ پوچھنا ہی کیا ہے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ میں نے خدانخواستہ تلاوت کو منع نہیں کیا تھا بلکہ اس چیز کو پیدا کرنا چاہتا تھا۔

چونکہ یہ پاک کلمہ دین کی اصل ہے، ایمان کی جڑ ہے۔ اس لئے جتنی بھی اس کی کثرت کی جائے گی اتنی ہی ایمان کی جڑ مضبوط ہوگی، ایمان کا مدار اسی کلمہ پر ہے بلکہ دنیا کے وجود کا مدار اسی کلمہ پر ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ قیامت اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک لَآ اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰـہُ کہنے والا کوئی زمین پر ہو۔ دوسری حدیثوں میں آیا ہے جب تک کوئی بھی اللہ اللہ کہنے والا روئے زمین پر ہو قیامت نہیں ہوگی۔

(۲) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ: اَنَّهٗ قَالَ: قَالَ مُوْسٰی علیہ السلام: یَا رَبِّ! عَلِّمْنِیْ شَیْئًا اَذْکُرُكَ بِهٖ وَاَدْعُوْكَ بِهٖ، قَالَ: قُلْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، قَالَ: یَا رَبِّ! کُلُّ عِبَادِكَ یَقُوْلُ هٰذَا، قَالَ: قُلْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، قَالَ: اِنَّمَا اُرِیْدُ شَیْئًا تَخُصُّنِیْ بِهٖ، قَالَ: یَا مُوْسٰی! لَوْ اَنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَالْاَرَضِیْنَ السَّبْعَ فِیْ کِفَّةٍ، وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فِیْ کِفَّةٍ، مَالَتْ بِهِمْ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ.

(رواہ النسائی وابن حبان والحاکم، کلهم من طریق دراج عن ابی الهیثم عنه، و قال الحاکم: صحیح الاسناد، کذا فی الترغیب، قلت: قال الحاکم: صحیح الاسناد ولم یخرجاه واقره علیه الذهبی، واخرج فی المشکوٰة بروایة شرح السنة

حضور اقدس ﷺ کا اِرشاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی پاک بارگاہ میں عرض کیا کہ مجھے کوئی وِرد تعلیم فرما دیجئے جس سے آپ کو یاد کیا کروں اور آپ کو پکارا کروں۔ اِرشادِ خداوندی ہوا کہ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہا کرو۔ انہوں نے عرض کیا: اے پروردگار! یہ تو ساری ہی دنیا کہتی ہے، اِرشاد ہوا کہ "لَآ اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰـہُ" کہا کرو۔ عرض کیا: میرے رب! میں تو کوئی ایسی مخصوص چیز مانگتا ہوں جو مجھی کو عطا ہو۔ اِرشاد ہوا کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں اور دوسری طرف "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ" کو رکھ دیا جائے تو "لَآ اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰهُ" والا پلڑا جھک جائے گا۔

نحوه، زاد فی منتخب الکنز أبایعلی والحکیم وابا نعیم فی الحلیة والبیهقی فی الأسماء و سعید بن منصور فی سننه و فی مجمع الزوائد رواه أبو یعلی ور جاله وثقوا، وفیهم ضعف)

ف: اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ وعم نوالہٗ کی عادتِ شریفہ یہی ہے کہ جو چیز جس قدر ضرورت کی ہوتی ہے اتنی ہی عام عطا کی جاتی ہے۔ ضروریاتِ دنیویہ میں دیکھ لیا جائے کہ سانس، پانی، ہوا، کیسی عام ضرورت کی چیزیں ہیں، اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے ان کو کس قدر عام فرما رکھا ہے، البتہ یہ ضروری چیز ہے کہ اللہ کے یہاں وزن اخلاص کا ہے، جس قدر اِخلاص سے کوئی کام کیا جائے گا اتنا ہی وزنی ہوگا اور جس قدر اخلاص کی کمی اور بے دلی سے کیا جائے گا اتنا ہی ہلکا ہو گا۔ اخلاص پیدا کرنے کے لئے بھی جس قدر مفید اس کلمہ کی کثرت ہے اتنی کوئی دوسری چیز نہیں کہ اس کلمہ کا نام ہی جلاءُ القلوب (دلوں کی صفائی) ہے۔ اسی وجہ سے حضراتِ صوفیہ اس کا وِرد کثرت سے بتاتے ہیں اور سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کی مقدار میں روزانہ کا معمول تجویز کرتے ہیں۔

مُلا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک مرید نے اپنے شیخ سے عرض کیا تھا کہ میں ذکر کرتا ہوں، مگر دِل غافل رہتا ہے، انہوں نے فرمایا کہ ذکر برابر کرتے رہو اور اس پر اللہ کا شکر کرتے رہو کہ اس نے ایک عضو یعنی زبان کو اپنی یاد کی توفیق عطا فرمائی اور اللہ سے دل کی توجہ کے لئے دعا کرتے رہو۔ اس قسم کا واقعہ ''احیاءُ العلوم'' میں بھی ابوعثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق نقل کیا گیا ہے کہ ان سے کسی مرید نے شکایت کی تھی جس پر انہوں نے یہ جواب دیا تھا۔ یہ درحقیقت بہترین نسخہ ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا کلامِ پاک میں اِرشاد ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں اِضافہ کروں گا۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ اللہ کا ذکر اس کی بڑی نعمت ہے، اس کا شکر ادا کیا کرو کہ اللہ نے ذکر کی توفیق عطا فرمائی۔

(۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَنْ اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَقَدْ ظَنَنْتُ یَا اَبَا هُرَیْرَةَ! اَنْ لَّا یَسْئَلَنِیْ عَنْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ کی شفاعت کا سب سے زیادہ نفع اٹھانے والا قیامت کے دن کون شخص ہو گا؟

هٰذَا الْحَدِيْثِ اَحَدٌ اَوَّلُ مِنْكَ لِمَا رَأَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيْثِ، اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِّنْ قَلْبِهٖ اَوْنَفْسِهٖ. (رواه البخاری وقد اخرجه الحاکم بمعناه، وذکر صاحبُ بهجة النفوس فی الحدیث اربعا وثلثین بحثا)

حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ مجھے احادیث پر تمہاری حرص دیکھ کر یہی گمان تھا کہ اس بات کو تم سے پہلے کوئی دوسرا شخص نہ پوچھے گا۔ (پھر حضور ﷺ نے سوال کا جواب ارشاد فرمایا) کہ سب سے زیادہ سعادت مند اور نفع اٹھانے والا میری شفاعت کے ساتھ وہ شخص ہوگا جو دل کے خلوص کے ساتھ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہے۔

ف: سعادت کہتے ہیں کہ آدمی کو خیر کی طرف پہنچانے کے لئے توفیقِ الٰہی کے شاملِ حال ہونے کو۔ اب اِخلاص سے کلمہ طیّبہ پڑھنے والے کا سب سے زیادہ مستحقِ شفاعت ہونے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک تو یہ کہ اس حدیث سے وہ شخص مراد ہے جو اِخلاص سے مسلمان ہوا اور کوئی نیک عمل بجز کلمہ طیّبہ پڑھنے کے اس کے پاس نہ ہو، اس صورت میں ظاہر ہے کہ سب سے زیادہ سعادت اس کو شفاعت ہی سے حاصل ہو سکتی ہے کہ اپنے پاس تو کوئی عمل نہیں ہے۔ اس مطلب کے موافق یہ حدیث ان احادیث کے قریب قریب ہوگی جن میں اِرشاد ہے کہ میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ والوں کے لئے ہے کہ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے جہنّم میں ڈالے جائیں گے، لیکن کلمہ طیّبہ کی برکت سے حضور ﷺ کی شفاعت ان کو نصیب ہوگی۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس کے مصداق وہ لوگ ہیں جو اخلاص سے اس کلمہ کا وِرد رکھیں اور نیک اعمال ہوں۔ ان کے سب سے زیادہ سعادت مند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ نفع حضور ﷺ کی شفاعت سے ان کو پہنچے گا کہ ترقیٔ درجات کا سبب بنے گی۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ کی شفاعت قیامت کے دن چھ طریقہ سے ہوگی: اوّل میدانِ حشر کی قید سے خلاصی ہوگی کہ حشر میں ساری مخلوق طرح طرح کے مصائب میں مبتلا پریشان حال یہ کہتی ہوئی ہوگی کہ ہم کو جہنم ہی میں ڈال دیا جائے مگر ان مصائب سے تو خلاصی ہو۔ اس وقت جلیل القدر انبیاء علیہم السلام

کی خدمت میں یکے بعد دیگرے حاضری ہوگی کہ آپ ہی اللہ کے یہاں سفارش فرمائیں، مگر کسی کو جرأت نہ ہوگی کہ سفارش فرماسکیں۔ بالآخر حضور ﷺ شفاعت فرمائیں گے یہ شفاعت تمام عالَم، تمام مخلوق جن وانس، مسلم کافر سب کے حق میں ہوگی اور سب ہی اس سے مُنتفع ہوں گے۔ احادیثِ قیامت میں اس کا مفصل قصہ مذکور ہے۔ دوسری شفاعت بعض کفار کے حق میں تخفیفِ عذاب کی ہوگی جیسا ابوطالب کے بارے میں صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے۔ تیسری شفاعت بعض مؤمنوں کو جہنّم سے نکالنے کے بارہ میں ہوگی جو اس میں داخل ہو چکے ہیں۔ چوتھی شفاعت بعض مؤمن جو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے جہنّم میں داخل ہونے کے مستحق ہو چکے ہیں، ان کی جہنّم سے معافی اور جہنّم میں نہ داخل ہونے کے بارے میں ہوگی۔ پانچویں شفاعت بعض مؤمنین کے بغیر حساب کتاب جنّت میں داخل ہونے میں ہوگی۔ اور چھٹی شفاعت مؤمنین کے درجات بلند ہونے میں ہوگی۔

(۴) عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ قَالَ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصًا دَخَلَ الْجَنَّةَ، قِيْلَ: وَمَا اِخْلَاصُهَا؟ قَالَ: اَنْ تَحْجِزَهُ عَنْ مَحَارِمِ اللّٰهِ. (رواه الطبرانی فی الاوسط والکبیر)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں جو شخص اِخلاص کے ساتھ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہے وہ جنّت میں داخل ہوگا۔ کسی نے پوچھا کہ کلمہ کے اِخلاص (کی علامت) کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حرام کاموں سے اس کو روک دے۔

ف: اور یہ ظاہر ہے کہ جب حرام کاموں سے رک جائے گا اور "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کا قائل ہوگا تو اس کے سیدھا جنّت میں جانے میں کیا تردّد ہے، لیکن اگر حرام کاموں سے نہ بھی رکے تب بھی اس کلمۂ پاک کی یہ برکت تو بلاتردّد ہے کہ اپنی بداعمالیوں کی سزا بھگتنے کے بعد کسی نہ کسی وقت جنّت میں ضرور داخل ہوگا، البتہ اگر خدانخواستہ بداعمالیوں کی بدولت اسلام و ایمان ہی سے محروم ہو جائے تو دوسری بات ہے۔

حضرت فقیہ ابواللّیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ "تنبیہ الغافلین" میں لکھتے ہیں: ہر شخص کے

لئے ضروری ہے کہ کثرت سے "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" پڑھتا رہا کرے اور حق تعالیٰ شانہٗ سے ایمان کے باقی رہنے کی دعا بھی کرتا رہے اور اپنے کو گناہوں سے بچاتا رہے۔ اس لئے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ گناہوں کی نحوست سے آخر میں ان کا ایمان سلب ہو جاتا ہے اور دنیا سے کفر کی حالت میں جاتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا مصیبت ہوگی کہ ایک شخص کا نام ساری عمر مسلمانوں کی فہرست میں رہا ہو، مگر قیامت میں وہ کافروں کی فہرست میں ہو، یہ حقیقی حسرت اور کمالِ حسرت ہے۔ اس شخص پر افسوس نہیں ہوتا جو گرجا یا بُت خانہ میں ہمیشہ رہا ہو اور وہ کافروں کی فہرست میں آخر میں شمار کیا جائے۔ افسوس اس پر ہے جو مسجد میں رہا ہو اور کافروں میں شمار ہو جائے اور یہ بات گناہوں کی کثرت سے اور تنہائیوں میں حرام کاموں میں مبتلا ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس دوسروں کا مال ہوتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ دوسروں کا ہے، مگر دل کو سمجھاتے ہیں کہ میں کسی وقت اس کو واپس کر دوں گا اور صاحبِ حق سے معاف کرالوں گا، مگر اس کی نوبت نہیں آتی اور موت اس سے قبل آجاتی ہے۔ بہت سے لوگ ہیں کہ بیوی کو طلاق ہو جاتی ہے اور وہ اس کو سمجھتے ہیں، مگر پھر بھی اس سے ہمبستری کرتے ہیں اور اسی حالت میں موت آجاتی ہے کہ توبہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی ہے۔ ایسے ہی حالات میں آخر میں ایمان سلب ہو جاتا ہے۔ "اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ"۔ حدیث کی کتابوں میں ایک قصہ لکھا ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں ایک نوجوان کا انتقال ہونے لگا۔ حضور ﷺ سے عرض کیا گیا کہ اس سے کلمہ نہیں پڑھا جاتا۔ حضور ﷺ تشریف لے گئے اور اس سے دریافت فرمایا: کیا بات ہے؟ عرض کیا: یارسول اللہ! ایک قُفل سا دل پر لگا ہوا ہے۔ تحقیقِ حالات سے معلوم ہوا کہ اس کی ماں اس سے ناراض ہے اور اس نے ماں کو ستایا ہے۔ حضور ﷺ نے ماں کو بلایا اور دریافت فرمایا کہ اگر کوئی شخص بہت سی آگ جلا کر اس تمہارے لڑکے کو اس میں ڈالنے لگے تو تم سفارش کروگی؟ اس نے عرض کیا: ہاں حضور! کروں گی، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایسا ہے تو اس کا قصور معاف کر دے، انہوں نے سب معاف کر دیا۔ پھر اس سے کلمہ پڑھنے کو کہا گیا تو فوراً پڑھ لیا۔ حضور ﷺ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ حضور ﷺ کی وجہ سے انہوں نے آگ سے

نجات پائی۔ اس قسم کے سینکڑوں واقعات پیش آتے ہیں کہ ہم لوگ ایسے گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں جن کی نحوست دین اور دنیا دونوں میں نقصان پہنچاتی ہے۔ صاحب احیاء رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا جس میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص "لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ" کو اس طرح سے کہے کہ خَلط مَلَط نہ ہو تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور! اس کو واضح فرمادیں، خلط ملط کا کیا مطلب ہے؟ اِرشاد فرمایا کہ دنیا کی محبّت اور اس کی طلب میں لگ جانا۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی سی باتیں کرتے ہیں اور متکبّر اور جابر لوگوں کے سے عمل کرتے ہیں، اگر کوئی اس کلمہ کو اس طرح کہے کہ یہ کام نہ کرتا ہو، تو جنّت اس کے لئے واجب ہے۔

(۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا قَالَ عَبْدٌ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ اِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ السَّمَاءِ، حَتّٰی یُفْضِیَ اِلَی الْعَرْشِ مَا اجْتَنَبَ الْکَبَائِرَ.

(رواہ الترمذی وقال: حدیث حسن غریب، کذا فی الترغیب، وھکذا فی المشکوٰۃ، لکن لیس فیھا حسن بل غریب فقط، قال القاری: ورواہ النسائی وابن حبان، وعزاہ السیوطی فی الجامع الی الترمذی ورقم لہ بالحسن، وحکاہ السیوطی فی الدرمن طریق ابن مردویہ عن أبی ھریرۃ، ولیس فیہ ما اجتنب الکبائر، وفی الجامع الصغیر برواۃ الطبرانی عن معقل بن یسار "لکل شیء مفتاح، ومفتاح السّمٰوات قول "لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" ورقم لہ بالضعف)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ کوئی بندہ ایسا نہیں کہ "لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہے اور اس کے لئے آسمانوں کے دروازے نہ کھل جائیں، یہاں تک کہ یہ کلمہ سیدھا عرش تک پہنچتا ہے بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے۔

ف: کتنی بڑی فضلیت ہے اور قبولیت کی انتہا ہے کہ یہ کلمہ براہِ راست عرشِ معلّٰی تک پہنچتا ہے اور یہ ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ اگر کبیرہ گناہوں کے ساتھ بھی کہا جائے تو نفع سے اس وقت بھی خالی نہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کبائر سے بچنے کی شرط قبول کی جلدی اور آسمان کے سب دروازے کھلنے کے اعتبار سے ہے، ورنہ ثواب اور قبول سے کبائر کے ساتھ بھی خالی نہیں۔ بعض علماء نے اس حدیث کا یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ ایسے شخص کے واسطے مرنے

کے بعد اس کی رُوح کے اِعزاز میں آسمان کے سب دروازے کھل جائیں گے۔ ایک حدیث میں آیا ہے: دو کلمے ایسے ہیں کہ ان میں سے ایک کے لئے عرش سے نیچے کوئی منتہا نہیں۔ دوسرا آسمان اور زمین کو (اپنے نور یا اپنے اجر سے) بھر دے: ایک لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ دوسرا اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔

(٦) عَنْ يَعْلَى بْنِ شَدَّادٍ قَالَ، حَدَّثَنِي اَبِيْ شَدَّادُ بْنُ اَوْسٍ وَعُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ حَاضِرٌ يُصَدِّقُ، قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: هَلْ فِيْكُمْ غَرِيْبٌ يَعْنِيْ اَهْلَ الْكِتَابِ؟ قُلْنَا: لَا، يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، فَاَمَرَ بِغَلْقِ الْاَبْوَابِ، وَقَالَ: ارْفَعُوْا اَيْدِيَكُمْ وَقُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، فَرَفَعْنَا اَيْدِيَنَا سَاعَةً، ثُمَّ قَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ بَعَثْتَنِيْ بِهٰذِهِ الْكَلِمَةِ، وَ وَعَدْتَنِيْ عَلَيْهَا الْجَنَّةَ، وَاَنْتَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ، ثُمَّ قَالَ: اَبْشِرُوْا، فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لَكُمْ.

(رواه احمد باسناد حسن والطبراني وغيرهما، كذا في الترغيب، قلت: وأخرجه الحاكم، وقال: اسمعيل بن عياش أحد ائمة أهل الشام وقد نسب الى سوء الحفظ: وانا على شرطي في أمثاله، وقال الذهبي: راشد ضعفه الدار قطني وغيره ووثقه رجيم. وفي مجمع الزوائد: رواه أحمد والطبراني والبزار ورجال موثقون.)

حضرت شداد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور حضرت عبادۃ رضی اللہ عنہ اس واقعہ کی تصدیق کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: کوئی اجنبی (غیر مسلم) تو مجمع میں نہیں؟ ہم نے عرض کیا: کوئی نہیں۔ ارشاد فرمایا: کواڑ بند کر دو، اس کے بعد ارشاد فرمایا: ہاتھ اٹھاؤ اور کہو "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہم نے تھوڑی دیر ہاتھ اٹھائے رکھے اور کلمہ طیبہ پڑھا)۔ پھر فرمایا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" اے اللہ! تو نے مجھے یہ کلمہ دے کر بھیجا ہے اور اس کلمہ پر جنت کا وعدہ کیا ہے اور تو وعدہ خلاف نہیں ہے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ خوش ہو جاؤ، اللہ نے تمہاری مغفرت فرمادی۔

ف: غالباً اجنبی کو اسی لئے دریافت فرمایا تھا اور اسی لئے کواڑ بند کرائے تھے کہ ان لوگوں کے کلمہ طیبہ پڑھنے پر تو حضورِ اقدس ﷺ کو مغفرت کی بشارت کی امید ہو گی،

اوروں کے متعلق یہ امید نہ ہو۔ صوفیہ نے اس حدیث سے مشائخ کا اپنے مریدین کی جماعت کو ذکر تلقین کرنے پر استدلال کیا ہے۔ چنانچہ جامعُ الاصول میں لکھا ہے: حضور ﷺ کا صحابہ رضی اللہ عنہم کو جماعۃً اور منفرداً ذکر تلقین کرنا ثابت ہے۔ جماعت کو تلقین کرنے میں اس حدیث کو پیش کیا ہے۔ اس صورت میں کواڑوں کا بند کرنا مستفیدین کی توجہ کے تام کرنے کی غرض سے ہو، اور اسی وجہ سے اجنبی کو دریافت فرمایا کہ غیر کا مجمع میں ہونا حضور ﷺ پر تَشَتُّت کا سبب اگرچہ نہ ہو لیکن مستفیدین کے تَشَتُّت کا احتمال تو تھا ہی۔

چہ خوش است با تو بزمے بنہفتہ ساز کردن — در خانہ بند کردن سرِ شیشہ باز کردن

(کیسی مزے کی چیز ہے تیرے ساتھ خفیہ ساز کر لینا، گھر کا دروازہ بند کر لینا اور بوتل کا منہ کھول دینا)

(۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: جَدِّدُوْا اِیْمَانَکُمْ، قِیْلَ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَکَیْفَ نُجَدِّدُ اِیْمَانَنَا؟ قَالَ: اَکْثِرُوْا مِنْ قَوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ.

(رواه أحمد والطبراني واسناد أحمد حسن، كذافي الترغيب، قلت: ورواه الحاكم في صحيحه، وقال: صحيح الاسناد، وقال الذهبي: صدقة (الرواى) ضعفوه، قلت: هو من رواة ابي داود والترمذي وأخرج له البخاري في الأدب المفرد، و قال في التقريب: صدوق، له اوهام، و ذكره السيوطي في الجامع الصغير برواية أحمد والحاكم ورقم له بالصحة، وفي مجمع الزوائد رواه أحمد واسناده جيد، وفي موضع آخر رواه أحمد والطبراني و رجال احمد ثقات)

حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو، یعنی تازہ کرتے رہا کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایمان کی تجدید کس طرح کریں؟ اِرشاد فرمایا کہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کو کثرت سے پڑھتے رہا کرو۔

ف: ایک روایت میں حضورِ اقدس ﷺ کا اِرشاد وارد ہوا ہے کہ ایمان پرانا ہو جاتا ہے جیسا کہ کپڑا پرانا ہو جاتا ہے، اس لئے اللہ جَلَّ شَانُہٗ سے ایمان کی تجدید مانگتے رہا کرو۔ پرانے ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ معاصی سے قوتِ ایمانیہ اور نورِ ایمان جاتا رہتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نشان (دھبّہ) اس

کے دل میں ہو جاتا ہے، اگر وہ سچی توبہ کر لیتا ہے تو وہ نشان دھل جاتا ہے، ورنہ جمار ہتا ہے اور پھر جب دوسرا گناہ کرتا ہے تو دوسرا نشان ہو جاتا ہے، اسی طرح سے آخر دل بالکل کالا ہو جاتا ہے اور زنگ آلود ہو جاتا ہے، جس کو حق تعالیٰ شانہٗ نے سورۂ تطفیف میں اِرشاد فرمایا ہے: "كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝" (المطفیف:۱۴) اس کے بعد اس کے دل کی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ حق بات اس میں اثر اور سرایت ہی نہیں کرتی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ چار چیزیں آدمی کے دل کو برباد کر دیتی ہیں: احمقوں سے مقابلہ، گناہوں کی کثرت، عورتوں کے ساتھ کثرتِ اختلاط اور مُردہ لوگوں کے پاس کثرت سے بیٹھنا۔ کسی نے پوچھا کہ مُردوں سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: ہر وہ مالدار جس کے اندر مال نے اکڑ پیدا کر دی ہو۔

(۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَكْثِرُوْا مِنْ شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَبْلَ اَنْ يُّحَالَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهَا. (رواه أبو يعلى باسناد جيد قوى، كذا فى الترغيب، وعزاه فى الجامع إلى أبى يعلى وابن عدى فى الكامل ورقم له بالضعف وزاد: "لقنوها موتاكم" وفى مجمع الزوائد رواه أبو يعلى، ورجاله رجال الصحيح غير ضمام وهو ثقة)

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کا اقرار کثرت سے کرتے رہا کرو قبل اس کے کہ ایسا وقت آئے کہ تم اس کلمہ کو نہ کہہ سکو۔

ف: یعنی موت حائل ہو جائے کہ اس کے بعد کسی عمل کا بھی وقت نہیں رہتا۔ زندگی کا زمانہ بہت ہی تھوڑا سا ہے اور یہ ہی عمل کرنے کا اور تخم بو لینے کا وقت ہے اور مرنے کے بعد کا زمانہ بہت ہی وسیع ہے، اور وہاں وہی مل سکتا ہے جو یہاں بو دیا گیا۔

(۹) عَنْ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اِنِّیْ لَاَعْلَمُ كَلِمَةً لَا يَقُوْلُهَا عَبْدٌ حَقًّا مِّنْ قَلْبِهٖ، فَيَمُوْتُ عَلٰى ذٰلِكَ اِلَّا حُرِّمَ عَلَى النَّارِ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" (رواه الحاكم

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ کوئی بندہ ایسا نہیں ہے کہ دل سے حق سمجھ کر اس کو پڑھے اور اسی حال میں مر جائے مگر وہ جہنّم پر حرام ہو جائے، وہ کلمہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہے۔

وقال: صحیح علی شرطهما،ورویاه بنحوه کذا فی الترغیب)

ف: بہت سی روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے،ان سب سے اگر یہ مراد ہے کہ وہ مسلمان ہی اس وقت ہوا ہے تب تو کوئی اشکال ہی نہیں کہ اسلام لانے کے بعد کفر کے گناہ بالاتفاق معاف ہیں اور اگر یہ مراد ہے کہ پہلے سے مسلمان تھا اور اخلاص کے ساتھ اس کلمہ کو کہہ کر مرا ہے تب بھی کیا بعید ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف سے سارے ہی گناہ معاف فرمادیں۔حق تعالیٰ شانہٗ کا تو خود ہی ارشاد ہے کہ شرک کے علاوہ سارے ہی گناہ جس کے چاہیں گے معاف فرمادیں گے۔مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بعض علماء سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ اور اس قسم کی احادیث اس وقت کے اعتبار سے ہیں جب تک دوسرے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔بعض علماء نے فرمایا کہ اس سے مراد اس کلمہ کو اس کے حق کی ادائیگی کے ساتھ کہنا جیسا کہ پہلے حدیث نمبر ۴ میں گذر چکا ہے۔حضرت بصری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات کی بھی یہی رائے ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ ندامت کے ساتھ اس کلمہ کو کہا ہو کہ یہی حقیقت توبہ کی ہے اور پھر اسی حال پر انتقال ہوا ہو۔مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ اس سے ہمیشہ جہنّم میں رہنے کی حرمت مراد ہے۔ان سب کے علاوہ ایک کھلی ہوئی بات اور بھی ہے، وہ یہ کہ کسی چیز کا کوئی خاص اثر ہونا اس کے منافی نہیں کہ کسی عارض کی وجہ سے وہ اثر نہ کر سکے۔سقمونیا کا اثر اسہال ہے،لیکن اگر اس کے بعد کوئی سخت قابض چیز کھالی جائے تو یقیناً سقمونیا کا اثر نہ ہوگا،لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس دوا کا وہ اثر نہیں رہا، بلکہ اس عارض کی وجہ سے اس شخص پر اثر نہ ہوسکا۔

(۱۰) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَفَاتِيْحُ الْجَنَّةِ شَهَادَةُ "اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ".

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کا اقرار کرنا جنّت کی کنجیاں ہیں۔

(رواه أحمد، كذا فى المشكوة والجامع الصغير ورقم له بالضعف، وفى مجمع الزوائد رواه أحمد ورجاله وثقوا إلا أن شهرًا لم يسمعه عن معاذ ، ورواه البزار كذا فى الترغيب، وزاد السيوطى فى الدر ابن مردويه والبيهقى وذكره فى المقاصد الحسنة برواية أحمد بلفظ "مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" واختلف فى وجه حمل الشهادة و

هی مفرد علی المفاتیح وهی جمع علی أقوال، أوجهها عندی أنها لما کانت مفتاحاً لکل باب من أبوابه، صارت کالمفاتیح)

ف: کنجیاں اس لحاظ سے فرمایا کہ ہر دروازہ کی اور ہر جنّت کی کنجی یہ ہی کلمہ ہے، اس لئے ساری کنجیاں یہی کلمہ ہوا، یا اس لحاظ سے کہ یہ کلمہ بھی دو جزو لئے ہوئے ہے: ایک "لَااِلٰـهَ اِلَّااللّٰهُ" کا اقرار، دوسرے "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کا اقرار۔ اس لئے دو ہو گئے کہ دونوں کے مجموعہ سے کھل سکتا ہے۔ اور بھی ان روایات میں جہاں جہاں جنّت کے دخول یا جہنّم کے حرام ہونے کا ذکر ہے اس سے مراد پورا ہی کلمہ ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جنّت کی قیمت "لَآ اِلٰـهَ اِلَّااللّٰهُ" ہے۔

(۱۱) عَنْ اَنَسٍ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَآاِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ فِیْ سَاعَةٍ مِّنْ لَیْلٍ اَوْنَهَارٍ، اِلَّا طُمِسَتْ مَا فِی الصَّحِیْفَةِ مِنَ السَّیِّئَاتِ، حَتّٰی تَسْکُنَ اِلٰی مِثْلِهَا مِنَ الْحَسَنَاتِ. (رواه ابو یعلی، کذا فی الترغیب، وفی مجمع الزوائد فیه عثمان بن عبدالرحمٰن الزهری وهو متروك.)

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو بھی بندہ کسی وقت بھی دن میں یا رات میں "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہتا ہے تو اَعمال نامہ میں سے برائیاں مٹ جاتی ہیں، اور ان کی جگہ نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

ف: برائیاں مٹ کر نیکیاں لکھی جانے کے متعلق بابِ اوّل فصلِ ثانی کے نمبر ۱۰ پر مفصل گذر چکا ہے اور اس قسم کی آیات اور روایات کے چند معنی لکھے گئے ہیں۔ ہر معنی کے اعتبار سے گناہوں کا اس حدیث میں اعمالنامہ سے مٹانا تو معلوم ہوتا ہی ہے، البتہ اخلاص ہونا ضروری ہے اور کثرت سے اللہ کا پاک نام لینا اور کلمۂ طیبہ کا کثرت سے پڑھنا خود بھی اخلاص پیدا کرنے والا ہے، اسی لئے اس پاک کلمہ کا نام کلمۂ اخلاص ہے۔

(۱۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ﷺ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اِنَّ لِلّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی عَمُوْدًا مِّنْ نُوْرٍ بَیْنَ یَدَیِ الْعَرْشِ، فَاِذَا قَالَ الْعَبْدُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّااللّٰهُ اِهْتَزَّ ذٰلِكَ الْعَمُوْدُ، فَیَقُوْلُ

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ عرش کے سامنے نور کا ایک ستون ہے جب کوئی شخص "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہتا ہے تو وہ ستون ہلنے لگتا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہوتا ہے کہ ٹھہر جا۔ وہ

اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: اُسْكُنْ، فَيَقُوْلُ: كَيْفَ اَسْكُنُ وَلَمْ تَغْفِرْ لِقَائِلِهَا؟ فَيَقُوْلُ: اِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهٗ، فَيَسْكُنُ عِنْدَ ذٰلِكَ. (رواه البزار وهو غريب، كذا في الترغيب، وفي مجمع الزوائد فيه عبدالله بن ابراهيم بن ابي عمرو وهو ضعيف جدا. قلت: وبسط السيوطي في اللآلي على طرقه وذكر له شواهد)

عرض کرتا ہے: کیسے ٹھہروں حالانکہ کلمہ طیبہ پڑھنے والے کی ابھی تک مغفرت نہیں ہوئی؟ ارشاد ہوتا ہے کہ اچھا میں نے اس کی مغفرت کردی تو وہ ستون ٹھہر جاتا ہے۔

ف: محدثین حضرات کو اس روایت میں کلام ہے، لیکن علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ روایت کئی طریقوں سے مختلف الفاظ سے نقل کی گئی ہے، بعض روایتوں میں اس کے ساتھ اللہ جل شانہٗ کا یہ بھی ارشاد وارد ہے کہ میں نے کلمہ طیبہ اس شخص کی زبان پر اسی لئے جاری کرادیا تھا کہ اس کی مغفرت کروں۔ کس قدر لطف وکرم ہے اللہ کا کہ خود ہی توفیق عطا فرماتے ہیں اور پھر خود ہی اس لطف کی تکمیل میں مغفرت فرماتے ہیں۔ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ مشہور ہے کہ وہ ایک مرتبہ بازار تشریف لے گئے۔ وہاں ایک دیوانی باندی فروخت ہو رہی تھی۔ انہوں نے خرید لی۔ جب رات کا کچھ حصہ گذرا تو وہ دیوانی اٹھی اور وضو کر کے نماز شروع کر دی اور نماز میں اس کی یہ حالت تھی کہ آنسوؤں سے دم گھٹا جا رہا تھا۔ اس کے بعد اس نے کہا: اے میرے معبود! آپ کو مجھ سے محبت رکھنے کی قسم! مجھ پر رحم فرما دیجئے۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سن کر فرمایا کہ لونڈی! یوں کہہ: اے اللہ! مجھے آپ سے محبت رکھنے کی قسم، یہ سن کر اس کو غصہ آیا اور کہنے لگی: اس کے حق کی قسم! اگر اس کو مجھ سے محبت نہ ہوتی تو تمہیں یوں میٹھی نیند نہ سلاتا اور مجھے یوں کھڑا نہ کرتا۔ اس کے بعد اس نے یہ اشعار پڑھے۔

اَلْكَرْبُ مُجْتَمِعٌ وَالْقَلْبُ مُحْتَرِقٌ ۔۔۔ وَالصَّبْرُ مُفْتَرِقٌ وَالدَّمْعُ مُسْتَبِقُ
كَيْفَ الْقَرَارُ عَلٰى مَنْ لَّا قَرَارَ لَهٗ ۔۔۔ مِمَّا جَنَاهُ الْهَوٰى وَالشَّوْقُ وَالْقَلَقُ
يَا رَبِّ! اِنْ كَانَ شَيْءٌ فِيْهِ لِيْ فَرَجٌ ۔۔۔ فَامْنُنْ عَلَيَّ بِهٖ مَا دَامَ بِيْ رَمَقُ

ترجمہ: بے چینی جمع ہو رہی ہے اور دل جل رہا ہے۔ اور صبر جدا ہو گیا اور آنسو بہہ رہے ہیں۔ اس کو کس طرح قرار آسکتا ہے جس کو عشق وشوق اور بے چینی کے حملوں کی وجہ سے

ذرا بھی سکون نہیں۔ اے اللہ! اگر کوئی چیز ایسی ہوسکتی ہے جس میں غم سے نجات ہو تو زندگی میں اس کو عطا فرما کر مجھ پر احسان فرما۔ اس کے بعد اس نے کہا: اے اللہ! میرا اور آپ کا معاملہ اب راز میں نہیں رہا، مجھے اٹھا لیجئے، یہ کہہ کر ایک چیخ ماری اور مرگئی۔ اس قسم کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں اور کھلی ہوئی بات ہے کہ توفیق جب تک شاملِ حال نہ ہو کیا ہوسکتا ہے۔ "وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ" ○ (التکویر: ۲۹) (اور تم بدون خدائے رب العالمین کے چاہے، کچھ نہیں چاہ سکتے ہو)۔

(۱۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَيْسَ عَلٰى اَهْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْشَةٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ وَلَا مَنْشَرِهِمْ، وَكَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى اَهْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَهُمْ يَنْفُضُوْنَ التُّرَابَ عَنْ رُؤُوْسِهِمْ وَيَقُوْلُوْنَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ. وَفِيْ رِوَايَةٍ لَيْسَ عَلٰى اَهْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْشَةٌ عِنْدَ الْمَوْتِ وَلَا عِنْدَ الْقَبْرِ. (رواہ الطبرانی والبیهقی کلاهما من روایة یحیٰی بن عبد الحمید الحمانی وفی متنه نکارة، کذا فی الترغیب، وذکره فی الجامع الصغیر بروایة الطبرانی عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ورقم له بالضعف، وفی أسنی المطالب رواه الطبرانی وابو یعلی بسند ضعیف، وفی مجمع الزوائد رواه الطبرانی. وفی روایة "لَيْسَ عَلٰى اَهْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْشَةٌ عِنْدَ الْمَوْتِ وَلَا عِنْدَ الْقَبْرِ" فی الأولی یحیی الحمانی وفی الأخری مجاشع بن عمر وکلاهما ضعیف. وقال السخاوی فی المقاصد الحسنة: رواه ابو یعلی والبیهقی فی الشعب والطبرانی بسند ضعیف عن ابن عمر رضی اللہ عنہ، قلت: وماحکم علیه المنذری بالنکارة مبناه اَنَّهٗ حَمَلَ اَهْلَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عَلَى الظَّاهِرِ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ، وَمَعْلُوْمٌ اَنَّ بَعْضَ الْمُسْلِمِيْنَ يُعَذَّبُوْنَ فِي الْقَبْرِ وَالْحَشْرِ، فَيَكُوْنُ الْحَدِيْثُ مُخَالِفًا لِلْمَعْرُوْفِ، فَيَكُوْنُ مُنْكَرًا، لٰكِنْ اِنْ اُرِيْدَ بِهِ الْمَخْصُوْصُ بِهٰذِهِ الصِّفَةِ، فَيَكُوْنُ مُوَافِقًا لِلنُّصُوْصِ الْكَثِيْرَةِ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَالْحَدِيْثِ، وَالسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ○ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ وَسَبْعُوْنَ اَلْفًا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ وَغَيْرُ

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" والوں پر نہ قبروں میں وحشت ہے، نہ میدانِ حشر میں، اس وقت گویا وہ منظر میرے سامنے ہے کہ جب وہ اپنے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے (قبروں سے) اٹھیں گے اور کہیں گے کہ تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہم سے (ہمیشہ کے لئے) رنج وغم دور کردیا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" والوں پر نہ موت کے وقت وحشت ہوگی نہ قبر کے وقت۔

ذٰلِكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالرِّوَايَاتِ فَالْحَدِيْثُ مُوَافِقٌ لَهَا لَا مُخَالِفٌ، فَيَكُوْنُ مَعْرُوْفًا لَا مُنْكَرًا، وذكر السيوطي في الجامع الصغير برواية ابن مردويه والبيهقي في البعث عَنْ عُمَرَ بِلَفْظِ" سَابِقُنَا سَابِقٌ، وَمُقْتَصِدُنَا نَاجٍ، وَظَالِمُنَا مَغْفُوْرٌ لَهُ" ورقم له بالحسن، قلت: و يؤيده حديث" سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ الْمُسْتَهْتَرُوْنَ فِيْ ذِكْرِ اللّٰهِ،يَضَعُ الذِّكْرُ عَنْهُمْ أَثْقَالَهُمْ، فَيَأْتُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِفَافًا، رواه الترمذي والحاكم عن أبي هريرة والطبراني عن أبي الدرداء، كذا في الجامع ورقم له بالصحة، وفي الاتحاف عن أبي الدرداء مَوْقُوْفًا" "اَلَّذِيْنَ لَا تَزَالُ اَلْسِنَتُهُمْ رَطْبَةً مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَهُمْ يَضْحَكُوْنَ" وفي الجامع الصغير برواية الحاكم ورقم له بالصحة "اَلسَّابِقُ وَالْمُقْتَصِدُ يَدْخُلَانِ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ" وَالظَّالِمُ لِنَفْسِهِ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيْرًا، ثُمَّ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ)

ف: حضرت ابنِ عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت غمگین تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اللہ جل جلالہٗ نے آپ کو سلام فرمایا ہے اور اِرشاد فرمایا ہے کہ آپ کو رنجیدہ اور غمگین دیکھ رہا ہوں، یہ کیا بات ہے؟ (حالانکہ حق تعالیٰ شانہٗ دلوں کے بھید جاننے والے ہیں، لیکن اِکرام و اِعزاز اور اظہارِ شرافت کے واسطے اس قسم کے سوال کرائے جاتے تھے)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ جبرئیل! مجھے اپنی امت کا فکر بہت بڑھ رہا ہے کہ قیامت میں ان کا کیا حال ہوگا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دریافت کیا کہ کفار کے بارے میں یا مسلمانوں کے بارے میں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کے بارے میں فکر ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لیا اور ایک مقبرہ پر تشریف لے گئے جہاں قبیلۂ بنو سلمہ کے لوگ دفن تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک قبر پر ایک پَر مارا اور ارشاد فرمایا کہ "قُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ" (اللہ کے حکم سے کھڑا ہو جا) اس قبر سے ایک شخص نہایت حسین خوبصورت چہرہ والا اٹھا اور کہہ رہا تھا "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اپنی جگہ لوٹ جا، وہ چلا گیا۔ پھر دوسری قبر پر دوسرا پَر مارا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ کے حکم سے کھڑا ہو جا۔ اس میں سے ایک شخص نہایت بدصورت، کالا منہ، کیری آنکھوں والا کھڑا ہوا۔ وہ کہہ رہا تھا: ہائے افسوس! ہائے شرمندگی! ہائے مصیبت!! پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: اپنی جگہ لوٹ جا۔ اس کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جس حالت پر یہ لوگ مرتے ہیں اسی حالت پر اٹھیں گے۔

حدیثِ بالا میں "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ" والوں سے بظاہر وہ لوگ مراد ہیں جن کو اس

کلمۂ پاک کے ساتھ خصوصی لگاؤ، خصوصی مناسبت، خصوصی اشتغال ہو۔ اس لئے کہ دودھ والا، جوتوں والا، موتی والا، برف والا وہی شخص کہلاتا ہے جس کے ہاں ان چیزوں کی خصوصی بکری اور خصوصی ذخیرہ موجود ہو۔ اس لئے "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" والوں کے ساتھ اس معاملہ میں کوئی اشکال نہیں۔ قرآنِ پاک میں سورۂ فاطر میں اس امت کے تین طبقے بیان فرمائے ہیں: ایک طبقہ "سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ" کا بیان فرمایا جن کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ وہ بے حساب جنّت میں داخل ہوں گے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص سَو مرتبہ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" پڑھا کرے اس کو حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن ایسی حالت میں اٹھائیں گے کہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ان کا چہرہ روشن ہوگا۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کی زبانیں اللہ کے ذکر سے تر وتازہ رہتی ہیں وہ جنّت میں ہنستے ہوئے داخل ہوں گے۔

(۱۴) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ يَسْتَخْلِصُ رَجُلًا مِنْ اُمَّتِيْ عَلٰى رُؤُوْسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ، فَيَنْشُرُ عَلَيْهِ تِسْعَةً وَتِسْعِيْنَ سِجِلًّا، كُلُّ سِجِلٍّ مِثْلُ مَدِّ الْبَصَرِ، ثُمَّ يَقُوْلُ: اَتُنْكِرُ مِنْ هٰذَا شَيْئًا؟ اَظَلَمَكَ كَتَبَتِي الْحٰفِظُوْنَ؟ فَيَقُوْلُ: لَا، يَارَبِّ! فَيَقُوْلُ: اَفَلَكَ عُذْرٌ؟ فَيَقُوْلُ: لَا، يَارَبِّ! فَيَقُوْلُ: اللّٰهُ تَعَالٰى: بَلٰى! اِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً، فَاِنَّهٗ لَا ظُلْمَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ، فَتُخْرَجُ بِطَاقَةٌ فِيْهَا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن میری امت میں سے ایک شخص کو منتخب فرما کر تمام دنیا کے سامنے بلائیں گے اور اس کے سامنے ننانوے دفتر اعمال کے کھولیں گے، ہر دفتر اتنا بڑا ہوگا کہ منتہائے نظر تک (یعنی جہاں تک نگاہ جاسکے وہاں تک) پھیلا ہوا ہوگا۔ اس کے بعد اس سے سُوال کیا جائے گا کہ ان اعمالناموں میں سے تو کسی چیز کا انکار کرتا ہے؟ کیا میرے ان فرشتوں نے جو اعمال لکھنے پر متعیّن تھے تجھ پر کچھ ظلم کیا ہے؟ (کہ کوئی گناہ بغیر کئے ہوئے لکھ لیا ہو یا کرنے سے زیادہ لکھ لیا ہو)۔ وہ عرض کرے

وَرَسُوْلُهٗ، فَيَقُوْلُ: اُحْضُرْ وَزْنَكَ فَيَقُوْلُ: يَارَبِّ! مَاهٰذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ هٰذِهِ السِّجِلَّاتِ؟ فَقَالَ: فَاِنَّكَ لَا تُظْلَمُ الْيَوْمَ، فَتُوْضَعُ السِّجِلَّاتُ فِيْ كَفَّةٍ وَالْبِطَاقَةُ فِيْ كَفَّةٍ، فَطَاشَتِ السِّجِلَّاتُ، وَثَقُلَتِ الْبِطَاقَةُ، فَلَا يَثْقُلُ مَعَ اللّٰهِ شَيْءٌ. (رواه الترمذی وقال: حسن غریب، و ابن ماجة وابن حبان فی صحیحه والبیهقی، و الحاکم وقال: صحیح علی شرط مسلم، کذا فی الترغیب، قلت: کذا قال الحاکم فی کتاب الایمان، واخرجه ایضا فی کتاب الدعوات، وقال: صحیح الاسناد واقره فی الموضعین الذهبی، وفی المشکوة اخرجه بروایة الترمذی وابن ماجة، و زاد السیوطی فی الدر فیمن عزاه الیهم احمد و ابن مردویه والـلالکائی والبیهقی فی البعث وفیه اختلاف، وفی بعض الالفاظ کقوله فی اول الحدیث "يُصَاحُ بِرَجُلٍ مِنْ اُمَّتِيْ عَلٰى رُؤُوْسِ الْخَلَائِقِ، وفیه ایضاً فَيَقُوْلُ: اَفَلَكَ عُذْرٌ اَوْ حَسَنَةٌ، فَيَهَابُ الرَّجُلُ فَيَقُوْلُ: لَا يَارَبِّ! فَيَقُوْلُ: بَلٰى! اِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً" الحدیث، وعلم منه ان الاستدراك فی الحدیث علی محله، ولا حاجة اذاً الی ما أوّله القاری فی المرقاة، وذکر السیوطی ما یؤید الروایة من الروایات الاخر)

گا: نہیں (نہ انکار کی گنجائش ہے نہ فرشتوں نے ظلم کیا)۔ پھر ارشاد ہوگا کہ تیرے پاس ان بداعمالیوں کا کوئی عذر ہے؟ وہ عرض کرے گا: کوئی عذر بھی نہیں۔ ارشاد ہوگا: اچھا! تیری ایک نیکی ہمارے پاس ہے، آج تجھ پر کوئی ظلم نہیں ہے، پھر ایک کاغذ کا پُرزہ نکالا جائے گا۔ جس میں "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" لکھا ہوا ہوگا، ارشاد ہوگا کہ جا، اس کو تُلوا لے۔ وہ عرض کرے گا کہ اتنے دفتروں کے مقابلے میں یہ پُرزہ کیا کام دے گا؟ ارشاد ہوگا کہ آج تجھ پر ظلم نہیں ہوگا، پھر ان سب دفتروں کو ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے گا اور دوسری جانب وہ پُرزہ ہوگا تو دفتروں والا پلڑا اڑنے لگے گا اس پرزہ کے وزن کے مقابلہ میں۔ پس بات یہ ہے کہ اللہ کے نام سے کوئی چیز وزنی نہیں۔

ف: یہ اخلاص ہی کی برکت ہے کہ ایک مرتبہ کلمۂ طیّبہ اخلاص کے ساتھ کا پڑھا ہوا ان سب دفتروں پر غالب آ گیا۔ اسی لئے ضروری ہے کہ آدمی کسی مسلمان کو بھی حقیر نہ سمجھے اور اپنے کو اس سے افضل نہ سمجھے، کیا معلوم کہ اس کا کون سا عمل اللہ کے یہاں مقبول ہو جائے جو اس کی نجات کے لئے کافی ہو جائے اور اپنا حال معلوم نہیں کہ کوئی عمل قابلِ قبول ہوگا یا نہیں۔

حدیث شریف میں ایک قصہ آتا ہے کہ بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے: ایک عابد تھا، دوسرا گنہگار۔ وہ عابد اس گنہگار کو ہمیشہ ٹوکا کرتا تھا، وہ کہہ دیتا کہ مجھے میرے خدا پر چھوڑ۔ ایک دن اس عابد نے غصہ میں آکر کہہ دیا کہ خدا کی قسم! تیری مغفرت کبھی نہیں ہوگی۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے عالمِ اَرواح میں دونوں کو جمع فرمایا اور گنہگار کو اس لئے کہ وہ رحمت کا امیدوار تھا معاف فرمادیا اور عابد کو اس قسم کھانے کی پاداش میں عذاب کا حکم فرمادیا اور اس میں کیا شک ہے کہ یہ قسم نہایت سخت تھی۔ خود حق تعالیٰ شانہٗ تو ارشاد فرمائیں "اِنَّ اللّٰہَ لَایَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ" (النساء:۴۸) (حق تعالیٰ شانہٗ کفر وشرک کی مغفرت نہیں فرماویں گے، اس کے علاوہ ہر گناہ کی جس کے لئے چاہیں گے مغفرت فرمادیں گے) تو کسی کو کیا حق ہے کہ یہ کہنے کا کہ فلاں کی مغفرت نہیں ہوسکتی، لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ معاصی پر، گناہوں پر، ناجائز باتوں پر گرفت نہ کی جائے، ٹوکا نہ جائے۔ قرآن وحدیث میں سینکڑوں جگہ اس کا حکم ہے، نہ ٹوکنے پر وعید ہے۔ احادیث میں بکثرت آیا ہے کہ جو لوگ کسی کو گناہ کرتے دیکھیں اور اس کے روکنے پر قادر ہوں اور نہ روکیں تو وہ خود اس کی سزا میں مبتلا ہوں گے، عذاب میں شریک ہونگے۔ اس مضمون کو میں اپنے رسالہ "فضائلِ تبلیغ" میں مُفصّل لکھ چکا ہوں، جس کا دل چاہے اس کو دیکھے۔ یہاں ایک ضروری چیز یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ جہاں دینداروں کا گنہگاروں کو قطعی جہنمی سمجھ لینا مہلک ہے وہاں جُہلاء کا ہر شخص کو مُقتدا اور بڑا بنالینا خواہ کتنے ہی کفریات بکے، سمِ قاتل اور نہایت مُہلک ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا اِرشاد ہے کہ جو شخص کسی بدعتی کی تعظیم کرتا ہے وہ اسلام کے منہدم کرنے پر اعانت کرتا ہے۔ بہت سی احادیث میں آیا ہے کہ آخر زمانہ میں دَجّال، مکّار، کذّاب پیدا ہوں گے جو ایسی احادیث تم کو سنادیں گے جو تم نے نہ سنی ہوں گی۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو گمراہ کریں اور فتنہ میں ڈال دیں۔

(۱۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ جِیْءَ بِالسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس پاک ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تمام آسمان وزمین، اور جو لوگ ان

فِيْهِنَّ وَمَا بَيْنَهُنَّ وَمَا تَحْتَهُنَّ، فَوُضِعْنَ فِيْ كَفَّةِ الْمِيْزَانِ وَوُضِعَتْ شَهَادَةُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فِي الْكَفَّةِ الْاُخْرٰى، لَرَجَحَتْ بِهِنَّ. (اخرجه الطبراني، كذا في الدر، وهكذا في مجمع الزوائد، وَزَادَ فِيْ اَوَّلِهٖ "لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ شَهَادَةَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، فَمَنْ قَالَهَا عِنْدَ مَوْتِهٖ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ، قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! فَمَنْ قَالَهَا فِيْ صِحَّتِهٖ؟ قَالَ تِلْكَ لَوْجَبُ وَاَوْجَبُ، ثُمَّ قَالَ: وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ" اَلْحَدِيْثَ، قال: رواه الطبراني، ورجاله ثقات الا ان ابن ابی طلحة لم يسمع من ابن عباس)

کے درمیان میں ہیں وہ سب، اور جو چیزیں ان کے درمیان میں ہیں وہ سب کچھ، اور جو کچھ ان کے نیچے ہے وہ سب کا سب، ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کا اقرار دوسری جانب ہو تو وہی تول میں بڑھ جائے گا۔

ف: اس قسم کا مضمون بہت سی مختلف روایتوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ کے پاک نام کے برابر کوئی بھی چیز نہیں۔ بدقسمتی اور محرومی ہے ان لوگوں کی جو اس کو ہلکا سمجھتے ہیں، البتہ اس میں وزن اخلاص سے پیدا ہوتا ہے، جس قدر اخلاص ہوگا اتنا ہی وزنی یہ پاک نام ہوسکتا ہے۔ اسی اخلاص کے پیدا کرنے کے واسطے مشائخِ صوفیہ کی جوتیاں سیدھی کرنا پڑتی ہیں۔ ایک حدیث میں اس اِرشادِ نبوی سے پہلے ایک اور مضمون مذکور ہے، وہ یہ کہ حضور ﷺ نے یہ اِرشاد فرمایا کہ میت کو "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" تلقین کیا کرو۔ جو شخص مرتے وقت اس پاک کلمہ کو کہتا ہے اس کے لئے جنّت واجب ہو جاتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر کوئی تندرستی ہی میں کہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: پھر تو اور بھی زیادہ جنّت کو واجب کرنے والا ہے۔ اس کے بعد یہ قسمیہ مضمون ارشاد فرمایا جو اوپر ذکر کیا گیا۔

(۱۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: جَاءَ النَّخَّامُ ابْنُ زَيْدٍ، وَقُرْدُ بْنُ كَعْبٍ وَبَحْرِيُّ ابْنُ عَمْرٍو، فَقَالُوْا: يَا مُحَمَّدُ! مَا تَعْلَمُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا غَيْرَهٗ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بِذٰلِكَ بُعِثْتُ، وَاِلٰى ذٰلِكَ اَدْعُوْ،

حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک مرتبہ تین کافر حاضر ہوئے اور پوچھا کہ اے محمد! تم اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں جانتے (نہیں مانتے)؟ حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" (نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا) اسی کلمہ کے ساتھ

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِیْ قَوْلِهِمْ "قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً" ط (الأنعام:۱۹) اخرجه ابن اسحاق وابن المنذر وابن ابی حاتم وأبو الشیخ، كذا فی الدر المنثور)

میں مبعوث ہوا ہوں اور اسی کی طرف لوگوں کو بلاتا ہوں، اسی بارہ میں آیت "قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً" نازل ہوئی۔

ف: حضورِ اقدس ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ اسی کلمہ کے ساتھ میں مبعوث ہوا ہوں، یعنی نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں اور اسی کلمہ کی طرف لوگوں کو بلاتا ہوں۔ حضور ﷺ کے اِرشاد کا یہ مطلب نہیں کہ حضور ﷺ کی اس میں خصوصیت ہے، بلکہ سارے ہی نبی اسی کلمہ کے ساتھ نبی بنا کر بھیجے گئے اور سب ہی انبیاء علیہم السلام نے اسی کلمہ کی طرف دعوت دی ہے۔ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر ختم الانبیاء فخرِ رسل ﷺ تک کوئی بھی نبی ایسا نہیں ہے جو اس مبارک کلمہ کی دعوت نہ دیتا ہو۔ کس قدر بابرکت اور مہتم بالشان کلمہ ہے کہ سارے انبیاء علیہم السلام اور سارے سچے مذہب اسی پاک کلمہ کی طرف بلانے والے اور اسی کے شائع کرنے والے رہے۔ آخر کوئی بات تو ہے کہ اس سے کوئی بھی سچا مذہب خالی نہیں۔ اسی کلمہ کی تصدیق میں قرآن پاک کی آیت "قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً" (الانعام:۱۹) نازل ہوئی جس میں نبی اکرم ﷺ کی تصدیق میں حق تعالیٰ شانہٗ کی گواہی کا ذکر ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جب بندہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کی تصدیق فرماتے ہیں اور اِرشاد فرماتے ہیں میرے بندہ نے سچ کہا ہے، میرے سوا کوئی معبود نہیں۔

(۱۷) عَنْ لَیْثٍ قَالَ: قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ: اُمَّةُ مُحَمَّدٍ (ﷺ) اَثْقَلُ النَّاسِ فِی الْمِیْزَانِ ذَلَّتْ اَلْسِنَتُهُمْ بِكَلِمَةٍ، ثَقُلَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. (اخرج الاصبهانی فی الترغیب، كذا فی الدر)

حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ محمد (ﷺ) کی امت کے اعمال (حشر کی ترازو میں اس لئے) سب سے زیادہ بھاری ہیں کہ ان کی زبانیں ایک ایسے کلمہ کے ساتھ مانوس ہیں جو ان سے پہلی امتوں پر بھاری تھا۔ وہ کلمہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہے۔

ف: یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ امتِ محمدیہ علیٰ صَاحِبِہَا اَلْفُ اَلْفُ صَلٰوۃٍ وَّتَحِیَّۃٍ کے

درمیان کلمۂ طیبہ کا جتنا زور اور کثرت ہے کسی امت میں بھی اتنی کثرت نہیں ہے۔ مشائخِ سلوک کی لاکھوں نہیں کروڑوں کی مقدار ہے اور پھر ہر شیخ کے کم وبیش سینکڑوں مرید اور تقریباً سب ہی کے یہاں کلمۂ طیبہ کا وِرد ہزاروں کی مقدار میں روزانہ کے معمولات میں داخل ہے۔ ''جامعُ الاصول'' میں لکھا ہے کہ لفظ اللہ کا ذکر ورد کے طور پر کم از کم پانچ ہزار کی مقدار ہے اور زیادہ کے لئے کوئی حد نہیں اور صوفیہ کے لئے کم از کم پچیس ہزار روزانہ۔ ''لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کی مقدار کے متعلق لکھا ہے کہ کم از کم پانچ ہزار روزانہ ہو۔ یہ مقداریں مشائخِ سلوک کی تجویز کے موافق کم وبیش ہوتی رہتی ہیں۔ میرا مقصود حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی تائید میں مشائخ کا انداز بیان کرنا ہے کہ ایک ایک شخص کے لئے روزانہ کی مقداریں کم از کم یہ بتائی گئی ہیں۔

ہمارے حضرت شاہ ولیُ اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''قولِ جمیل'' میں اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ میں ابتدائے سلوک میں ایک سانس میں ''لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ'' دوسو مرتبہ کہا کرتا تھا۔

شیخ ابویزید قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے یہ سنا کہ جو شخص ستر ہزار مرتبہ ''لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ'' پڑھے اس کو دوزخ کی آگ سے نجات ملے۔ میں نے یہ خبر سن کر ایک نصاب یعنی ستر ہزار کی تعداد اپنی بیوی کے لئے بھی پڑھا اور کئی نصاب خود اپنے لئے پڑھ کر ذخیرۂ آخرت بنایا۔ ہمارے پاس ایک نوجوان رہتا تھا جس کے متعلق یہ مشہور تھا کہ یہ صاحبِ کشف ہے۔ جنّت دوزخ کا بھی اس کو کشف ہوتا ہے۔ مجھے اس کی صحت میں کچھ تردد تھا۔ ایک مرتبہ وہ نوجوان ہمارے ساتھ کھانے میں شریک تھا کہ دفعۃً اس نے ایک چیخ ماری اور سانس پھولنے لگا اور کہا کہ میری ماں دوزخ میں جل رہی ہے، اس کی حالت مجھے نظر آئی۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں اس کی گھبراہٹ دیکھ رہا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ ایک نصاب اس کی ماں کو بخش دوں جس سے اس کی سچائی کا بھی مجھے تجربہ ہو جائے گا۔ چنانچہ میں نے ایک نصاب ستر ہزار کا ان نصابوں میں سے جو اپنے لئے پڑھے تھے اس کی ماں کو بخش دیا۔ میں نے اپنے دل میں چپکے ہی سے بخشا تھا اور میرے اس پڑھنے کی خبر بھی اللہ کے سوا کسی کو نہ تھی، مگر وہ نوجوان

فوراً کہنے لگا کہ چچا! میری ماں دوزخ کے عذاب سے ہٹادی گئی۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے اس قصہ سے دو فائدے ہوئے: ایک تو اس برکت کا جو ستر ہزار کی مقدار پر میں نے سنی تھی اس کا تجربہ ہوا، دوسرے اس نوجوان کی سچّائی کا یقین ہوگیا۔

یہ ایک واقعہ ہے، اس قسم کے نامعلوم کتنے واقعات اس امت کے افراد میں پائے جاتے ہیں۔ صوفیہ کی اصطلاح میں ایک معمولی چیز "پاسِ اَنفاس" ہے، یعنی اس کی مشق کہ کوئی سانس اللہ کے ذِکر بغیر نہ اندر جائے نہ باہر آئے۔ امتِ محمدیہ کے کروڑوں افراد ایسے ہیں جن کو اس کی مشق حاصل ہے تو پھر کیا تردد ہے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس اِرشاد میں کہ ان کی زبانیں اس کلمہ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی ساتھ مانوس اور مُنقاد ہوگئیں۔

(۱۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَكْتُوْبٌ عَلٰى بَابِ الْجَنَّةِ: اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنَا، لَا اُعَذِّبُ مَنْ قَالَهَا. (اخرجه ابوالشیخ، کذا فی الدر)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ جنّت کے دروازہ پر یہ لکھا ہوا ہے: "اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنَا، لَا اُعَذِّبُ مَنْ قَالَهَا" (بے شک) میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، جو شخص اس (کلمہ) کو کہتا رہے گا میں اس کو عذاب نہیں کروں گا۔

ف: گناہوں پر عذاب کا ہونا دوسری احادیث میں بکثرت آیا ہے، اس لئے اس سے اگر دائمی عذاب مراد ہو تو کوئی اشکال نہیں، لیکن کوئی خوش قسمت ایسے اِخلاص سے اس جملہ کا ورد رکھنے والا ہو کہ باجود گناہوں کے اس کو بالکل عذاب نہ کیا جائے یہ بھی رحمتِ خداوندی سے بعید نہیں ہے، جیسا حدیث نمبر ۱۴ میں گذرا۔ اس کے علاوہ نمبر ۹ میں بھی کچھ تفصیل گذر چکی ہے۔

(۱۹) عَنْ عَلِیٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ جَبْرَئِیْلَ علیہ السلام قَالَ: قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِیْ، مَنْ جَآءَنِیْ

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرئیل علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا اِرشاد ہے کہ میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا میری ہی عبادت کیا کرو، جو

مِنْكُمْ بِشَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ بِالْاِخْلَاصِ، دَخَلَ فِيْ حِصْنِيْ. وَمَنْ دَخَلَ حِصْنِيْ، اَمِنَ عَذَابِيْ. (اخرجه ابو نعيم في الحلية، كذا في الدر وابن عساكر، كذا في الجامع الصغير وفيه ايضًا برواية الشيرازي عن علي ورقم له بالصحة، وفي الباب عن عتبان ابن مالك بلفظ "اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، يَبْتَغِيْ بِذٰلِكَ وَجْهَ اللّٰهِ" رواه الشيخان وعن ابن عُمَرَ بلفظ "اِنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ مِنْ عِبَادِهٖ اِلَّا الْمَارِدَ الْمُتَمَرِّدَ، الَّذِيْ يَتَمَرَّدُ عَلَى اللّٰهِ، وَاَبٰى اَنْ يَّقُوْلَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" رواه ابن ماجة)

شخص تم میں سے اِخلاص کے ساتھ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی گواہی دیتا ہوا آوے گا وہ میرے قلعہ میں داخل ہو جائے گا اور جو میرے قلعہ میں داخل ہوگا وہ میرے عذاب سے مامون ہوگا۔

ف: اگر یہ بھی کبائر سے بچنے کے ساتھ مشروط ہو جیسا کہ حدیث نمبر ۵ میں گذر چکا تب تو کوئی اشکال ہی نہیں اور اگر کبائر کے باوجود یہ کلمہ کہے تو پھر قواعد کے موافق تو عذاب سے مراد دائمی عذاب ہے، ہاں اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی رحمت قواعد کی پابند نہیں۔ قرآن پاک کا صاف اِرشاد ہے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ شرک کو معاف نہیں فرمائیں گے، اس کے علاوہ جس کو چاہیں گے معاف کر دیں گے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اسی شخص کو عذاب کرتے ہیں جو اللہ پر تمرُّد (ہیکڑی) کرے اور "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہنے سے انکار کرے۔ ایک حدیث میں آیا ہے "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" حق تعالیٰ شانہٗ کے غصہ کو دور کرتا رہتا ہے جب تک کہ دنیا کو دین پر ترجیح نہ دینے لگیں اور جب دنیا کو دین پر ترجیح دینے لگیں اور "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہتے رہیں تو حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں کہ تم اپنے دعویٰ میں سچے نہیں ہو۔

(۲۰) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَ اَفْضَلُ الدُّعَآءِ اَلْاِسْتِغْفَارُ، ثُمَّ قَرَأَ: "فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ". (محمد:۱۹)

حضورِ اقدس ﷺ کا اِرشاد ہے کہ تمام ذکروں میں افضل "لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہے اور تمام دعاؤں میں افضل اِستغفار ہے، پھر اس کی تائید میں سورۂ محمد کی آیت "فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" تلاوت فرمائی۔

(اخرجه الطبراني وابن مردويه والديلمي، كذا في الدر، وفي الجامع الصغير برواية الطبراني "مَا مِنَ الذِّكْرِ اَفْضَلُ مِنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَلَا مِنَ الدُّعَاءِ اَفْضَلُ مِنَ الْاِسْتِغْفَارِ" ورقم له بالحسن)

ف: اس فصل کی سب سے پہلی حدیث میں بھی یہ مضمون گذر چکا ہے کہ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" سب اذکار سے افضل ہے جس کی وجہ صوفیہ نے یہ لکھی ہے کہ دل کے پاک ہونے میں اس ذکر کو خاص مناسبت ہے۔ اس کی برکت سے دل ساری ہی گندگیوں سے پاک ہو جاتا ہے اور جب اس کے ساتھ استغفار بھی شامل ہو جائے تو پھر کیا ہی کہنا۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو جب مچھلی نے کھا لیا تھا تو اس کے پیٹ میں ان کی دعا یہ تھی: "لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ" جو شخص بھی ان الفاظ سے دعا مانگے گا وہ ضرور قبول ہوگی۔ اس فصل کی سب سے پہلی حدیث میں بھی یہ مضمون گذرا ہے کہ سب سے افضل اور بہترین ذکر "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہے، لیکن وہاں سب سے افضل دعا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ارشاد ہوا تھا اور یہاں استغفار وارد ہے۔ اس قسم کا اختلاف حالات کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے۔ ایک متقی پرہیزگار ہے اس کے لئے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سب سے افضل ہے۔ ایک گناہ گار ہے، وہ توبہ واستغفار کا بہت محتاج ہے، اس کے حق میں استغفار سب سے اہم ہے۔ اس کے علاوہ افضلیت بھی مختلف وُجوہ سے ہوتی ہے۔ منافع کے حاصل کرنے کے واسطے اللہ کی حمد وثنا سب سے زیادہ نافع ہے اور مَضَرّتیں اور تنگیاں دور کرنے کے لئے استغفار سب سے زیادہ مفید ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی وجوہ اس قسم کے اختلاف کی ہوتی ہیں۔

(۲۱) عَنْ اَبِیْ بَكْرِ نِ الصِّدِّیْقِ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: عَلَیْكُمْ بِلَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَالْاِسْتِغْفَارِ، فَاَكْثِرُوْا مِنْهُمَا، فَاِنَّ اِبْلِیْسَ قَالَ: اَهْلَكْتُ النَّاسَ بِالذُّنُوْبِ، وَاَهْلَكُوْنِیْ بِلَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَالْاِسْتِغْفَارِ، فَلَمَّا رَاَیْتُ ذٰلِكَ اَهْلَكْتُهُمْ بِالْاَهْوَآءِ وَ هُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُهْتَدُوْنَ. (اخرجه

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" اور "استغفار" کو بہت کثرت سے پڑھا کرو۔ شیطان کہتا ہے کہ میں نے لوگوں کو گناہوں سے ہلاک کیا اور انہوں نے مجھے "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ" اور "استغفار" سے ہلاک کر دیا۔ جب میں نے دیکھا (کہ یہ تو کچھ بھی نہ ہوا) تو میں نے ان کو ہوائے نفس

ابو یعلی، کذا فی الدر والجامع الصغیر ورقم له بالضعف) (یعنی بدعات) سے ہلاک کیا اور وہ اپنے کو ہدایت پر سمجھتے رہے۔

ف: "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" اور "استغفار" سے ہلاک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کا منتہائے مقصد دل پر اپنا زہر چڑھانا ہے جس کا ذکر بابِ اول فصلِ دوم کے نمبر ۱۴ پر گذر چکا اور یہ زہر جب ہی چڑھتا ہے جب دل اللہ کے ذکر سے خالی ہو، ورنہ شیطان کو ذلت کے ساتھ دل سے واپس ہونا پڑتا ہے اور اللہ کا ذِکر دلوں کی صفائی کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ ہر چیز کے لئے ایک صفائی ہوتی ہے، دلوں کی صفائی اللہ کا ذکر ہے۔ اسی طرح استغفار کے بارہ میں کثرت سے احادیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ دلوں کے مَیل اور زنگ کو دور کرنے والا ہے۔ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب بندہ اِخلاص سے "لَآ اِلٰـہَ" کہتا ہے تو ایک دم دل صاف ہو جاتا ہے (جیسا آئینہ پر بھیگا ہوا کپڑا پھیرا جائے)۔ پھر وہ "اِلَّا اللّٰـہُ" کہتا ہے تو صاف دل پر اس کا نور ظاہر ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ شیطان کی ساری ہی کوشش بے کار ہوگئی اور ساری محنت رائیگاں گئی۔

ہوائے نفس سے ہلاک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ناحق کو حق سمجھنے لگے اور جو دل میں آجائے اسی کو دین اور مذہب بنالے۔ قرآن شریف میں کئی جگہ اس کی مذمت وارد ہوئی ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے: "اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ط فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ط اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝" (الجاثیہ:۲۳) کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہشِ نفس کو بنا رکھا ہے اور خدا تعالیٰ نے اس کو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی اور آنکھ پر پردہ ڈال دیا (کہ حق بات کو نہ سنتا ہے، نہ دیکھتا ہے، نہ دل میں اترتی ہے)۔ پس اللہ کے (گمراہ کر دینے کے) بعد کون ہدایت کر سکتا ہے، پھر بھی تم نہیں سمجھتے)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: "وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ ھَوٰىهُ بِغَیْرِ ھُدًی مِّنَ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝" (القصص:۵۰) (ایسے شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہو بغیر اس کے کہ کوئی دلیل اللہ کی طرف سے (اس

کے پاس) ہو، اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا)۔ اور بھی متعدِد جگہ اس قسم کا مضمون وارد ہوا ہے، یہ شیطان کا بہت ہی سخت حملہ ہے کہ وہ غیرِ دین کو دین کے لباس میں سمجھاوے اور آدمی اس کو دین سمجھ کر کرتا رہے اور اس پر ثواب کا امیدوار بنا رہے۔ اور جب وہ اس کو عبادت اور دین سمجھ کر کر رہا ہے تو اس سے توبہ کیونکر کر سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص زنا کاری، چوری وغیرہ گناہوں میں مبتلا ہو تو کسی نہ کسی وقت توبہ اور چھوڑ دینے کی امید ہے، لیکن جب کسی ناجائز کام کو وہ عبادت سمجھتا ہے تو اس سے توبہ کیوں کرے اور کیوں اس کو چھوڑے، بلکہ دن بدن اس میں ترقی کرے گا۔ یہی مطلب ہے شیطان کے اس کہنے کا کہ میں نے گناہوں میں مبتلا کیا لیکن ذِکر اَذکار، توبہ، استغفار سے وہ مجھے دِق کرتے رہے تو میں نے ایسے جال میں پھانس دیا کہ اس سے نکل ہی نہیں سکتے۔ اس لئے دین کے ہر کام میں نبیِ اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ کو اپنا رہبر بنانا بہت ہی ضروری امر ہے اور کسی ایسے طریقہ کو اختیار کرنا جو خلافِ سنت ہو، نیکی برباد گناہ لازم ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے حَسَن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ شیطان کہتا ہے کہ میں نے امتِ محمدیہ کے سامنے گناہوں کو زیب وزینت کے ساتھ پیش کیا، مگر ان کے استغفار نے میری کمر توڑ دی تو میں نے ایسے گناہ ان کے پاس پیش کئے جن کو وہ گناہ ہی نہیں سمجھتے کہ ان سے استغفار کریں اور وہ اَہْوَا یعنی بدعات ہیں کہ وہ ان کو دین سمجھ کر کرتے ہیں۔ وہب بن مُنَبِّہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ سے ڈر، تو شیطان کو مجمعوں میں لعنت کرتا ہے اور چپکے سے اس کی اطاعت کرتا ہے اور اس سے دوستی کرتا ہے۔ بعض صوفیہ سے منقول ہے کہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ جیسے محسن کے اِحسانات معلوم ہونے کے بعد اور ان کے اقرار کے بعد اس کی نافرمانی کی جائے اور شیطان کی دشمنی کے باوجود، اس کی عیاری اور سرکشی معلوم ہونے کے باوجود اس کی اطاعت کی جائے۔

(۲۲) عَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا يَمُوْتُ عَبْدٌ

حضورِ اقدس ﷺ کا اِرشاد ہے کہ جو شخص بھی اس حال میں مرے کہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ، يَرْجِعُ ذٰلِكَ اِلٰى قَلْبٍ مُّوْقِنٍ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَفِیْ رِوَايَةٍ اِلَّا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ.

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کی سچے دل سے شہادت دیتا ہو ضرور جنّت میں داخل ہوگا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ضرور اس کی اللہ تعالیٰ مغفرت فرمادیں گے۔

(اخرجه احمد والنسائی والطبرانی والحاکم والترمذی فی نوادر الاصول، وابن مردويه والبيهقی فی الاسماء والصفات، کذا فی الدر وابن ماجة، وفی الباب عَنْ عِمْرَانَ بِلَفْظِ" مَنْ عَلِمَ اَنَّ اللّٰهَ رَبُّهٗ، وَاَنِّیْ نَبِيُّهٗ مُوْقِنًا مِنْ قَلْبِهٖ، حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ" رواه البزار ورقم له فی الجامع بالصحة، وفيه ايضاً برواية البزار عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ "مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصًا، دَخَلَ الْجَنَّةَ" وَرَقَمَ لَهٗ بِالصِّحَّةِ)

ف: حضورِ اقدس ﷺ سے صحیح حدیث میں یہ بھی نقل کیا گیا کہ خوشخبری سنو اور دوسروں کو بھی بشارت سنادو کہ جو شخص سچّے دل سے "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کا اقرار کرے وہ جنّت میں داخل ہوگا۔ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے یہاں اِخلاص کی قدر ہے اور اِخلاص کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی بہت زیادہ اجر وثواب رکھتا ہے۔ دنیا کے دکھاوے کے واسطے، لوگوں کے خوش کرنے کے واسطے کوئی کام کیا جاوے وہ تو ان کی سرکار میں بے کار ہے، بلکہ کرنے والے کے لئے وَبال ہے، لیکن اِخلاص کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی بہت کچھ رنگ لاتا ہے۔ اس لئے اخلاص سے جو شخص کلمۂ شہادت پڑھے اس کی ضرور مغفرت ہوگی، وہ ضرور جنّت میں داخل ہو کر رہے گا، اس میں ذرا بھی تَرَدُّد نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے کچھ دنوں سزا بھگت کر داخل ہو، لیکن ضروری نہیں۔ کسی مخلص کا اخلاص مالِکُ الملک کو پسند ہو، اس کی کوئی خدمت ہی پسند آجائے تو وہ سارے ہی گناہوں کو معاف فرما سکتے ہیں۔ ایسی کریم ذات پر ہم نہ مریں کتنی سخت محرومی ہے۔ بہر حال ان احادیث میں کلمۂ طیبہ کے پڑھنے والے کے لئے بہت کچھ وعدے ہیں جن میں دونوں احتمال ہیں: قواعد کے موافق گناہوں کی سزا کے بعد معافی، اور کرم، لطف، احسان اور مَراحِمِ خُسْرَوانہ میں بلا عذاب معافی۔

یحییٰ بن اکثم ایک محدِّث ہیں۔ جب ان کا انتقال ہوا تو ایک شخص نے ان کو خواب میں دیکھا، ان سے پوچھا: کیا گذری؟ فرمانے لگے کہ میری پیشی ہوئی مجھ سے فرمایا: او گنہگار بوڑھے! تو نے فلاں کام کیا، فلاں کیا، میرے گناہ گنوائے گئے اور کہا گیا کہ تو نے

ایسے ایسے کام کئے۔ میں نے عرض کیا: یا اللہ! مجھے آپ کی طرف سے یہ حدیث نہیں پہنچی۔ فرمایا: اور کیا حدیث پہنچی؟ عرض کیا: مجھ سے عبدالرزاق نے کہا، اس سے مَعْمَر نے کہا، ان سے زُہری نے کہا، ان سے عُروہ نے کہا، ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا، ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا، ان سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا، ان سے آپ نے فرمایا کہ جو شخص اسلام میں بوڑھا ہو اور میں اس کو (اس کے اعمال کی وجہ سے) عذاب دینے کا ارادہ بھی کروں لیکن اس کے بڑھاپے سے شرما کر معاف کر دیتا ہوں اور یہ آپ کو معلوم ہے کہ میں بوڑھا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ عبدالرزاق نے سچ کہا، اور معمر نے بھی سچ کہا، اور زُہری نے بھی سچ کہا، عُروہ نے بھی سچ نقل کیا، عائشہ نے بھی سچ کہا، اور نبی علیہ السلام نے بھی سچ کہا اور جبرئیل نے بھی سچ کہا اور میں نے بھی سچی بات کہی۔ یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد مجھے جنّت میں داخلہ کا ارشاد فرما دیا۔

(۲۳) عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَيْسَ شَيْءٌ اِلَّا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ اِلَّا قَوْلَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَدُعَاءَ الْوَالِدِ. (اخرجه ابن مردويه كذا فى الدرّ، و فى الجامع الصغير برواية ابن النجار ورقم له بالضعف، وفى الجامع الصغير برواية الترمذى عن ابن عمر و رقم له بالصحّة "اَلتَّسْبِيْحُ نِصْفُ الْمِيْزَانِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَاُهُ، وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَيْسَ لَهَا دُوْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ حَتّٰى تَخْلُصَ اِلَيْهِ)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ ہر عمل کے لئے اللہ کے یہاں پہنچنے کے لئے درمیان میں حجاب ہوتا ہے مگر "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" اور باپ کی دعا بیٹے کے لئے ان دونوں کے لئے کوئی حجاب نہیں۔

ف: پردہ نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کے قبول ہونے میں ذرا سی بھی دیر نہیں لگتی، اور امور کے درمیان میں قبول تک اور بھی واسطے حائل ہوتے ہیں، لیکن یہ چیزیں براہِ راست بارگاہِ الٰہی تک فوراً پہنچتی ہیں۔

ایک کافر بادشاہ کا قصہ لکھا ہے کہ نہایت مُتَشَدِّد مُتَعَصِّب تھا، اتفاق سے مسلمانوں کی ایک لڑائی میں گرفتار ہو گیا، چونکہ مسلمانوں کو اس سے تکلیفیں بہت پہنچی تھیں اس لئے انتقام

کا جوش ان میں بھی بہت تھا، اس کو ایک دیگ میں ڈال کر آگ پر رکھ دیا۔ اس نے اوّل اپنے بتوں کو پکارنا شروع کیا اور مدد چاہی، جب کچھ بن نہ پڑا تو وہیں مسلمان ہوا اور "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کا وِرد شروع کیا، لگاتار پڑھ رہا تھا، اور ایسی حالت میں جس خلوص اور جوش سے پڑھا جاسکتا ہے ظاہر ہے۔ فوراً اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے مدد ہوئی اور اس زور سے بارش ہوئی کہ وہ ساری آگ بھی بجھ گئی اور دیگ بھی ٹھنڈی ہوگئی۔ اس کے بعد زور سے آندھی چلی جس سے وہ دیگ اڑی اور دور کسی شہر میں جہاں سب ہی کافر تھے جا کر گری۔ یہ شخص لگاتار کلمۂ طیبہ پڑھ رہا تھا۔ لوگ اس کے گرد جمع ہوگئے اور اُعجوبہ دیکھ کر مُتحیّر تھے، اس سے حال دریافت کیا، اس نے اپنی سرگذشت سنائی جس سے وہ لوگ بھی مسلمان ہوگئے۔

(۲۴) عَنْ عُتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَنْ يُّوَافِيَ عَبْدٌ يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ يَقُوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَبْتَغِيْ بِذٰلِكَ وَجْهَ اللّٰهِ اِلَّا حُرِّمَ عَلَى النَّارِ.

(اخرجه احمد والبخاری ومسلم وابن ماجة، والبیهقی فی الاسماء والصفات، کذا فی الدر)

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: نہیں آئے گا کوئی شخص قیامت کے دن کہ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کو اس طرح سے کہتا ہو کہ اللہ کی رضا کے سوا کوئی مقصود نہ ہو مگر جہنّم اس پر حرام ہوگی۔

ف: جو شخص اخلاص کے ساتھ کلمۂ طیبہ کا وِرد کرتا رہا ہو اس پر جہنّم کی آگ کا حرام ہونا ظاہری قواعد کے موافق تو مقیّد ہے کبائرِ گناہ نہ ہونے کے ساتھ، یا جہنّم کے حرام ہونے سے اس میں ہمیشہ کا رہنا مراد ہے، لیکن اللہ جَلَّ شَانُہٗ اس پاک کلمہ کو اِخلاص سے پڑھنے والے کو باوجود گناہوں کے بالکل ہی جہنّم سے معاف فرمادیں تو کون روکنے والا ہے۔ احادیث میں ایسے بندوں کا بھی ذکر آتا ہے کہ قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہٗ بعض لوگوں کو فرمائیں گے تو نے فلاں گناہ کیا، فلاں کیا۔ اس طرح جب بہت سے گناہ گنوائے جاچکیں گے اور وہ سمجھے گا کہ میں ہلاک ہوگیا اور اقرار بغیر چارۂ کار نہ ہوگا تو اِرشاد ہوگا کہ ہم نے دنیا میں تیری ستاری کی، آج بھی ستاری کرتے ہیں، تجھے معاف کردیا۔ اس نوع کے بہت سے واقعات احادیث میں موجود ہیں۔ اس لئے ان ذاکرین کے لئے بھی اس قسم کا معاملہ ہو تو بعید نہیں

ہے۔ اللہ کے پاک نام میں بڑی برکت اور بہبودی ہے۔ اس لئے جتنی بھی کثرت ہو سکے دریغ نہ کرنا چاہئے۔ کیا ہی خوش نصیب ہیں وہ مبارک ہستیاں جنہوں نے اس پاک کلمہ کی برکات کو سمجھا اور اس کے ورد میں عمریں ختم کر دیں۔

(۲۵) عَنْ يَحْيٰى بْنِ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ ﷺ قَالَ: رُءِيَ طَلْحَةُ حَزِيْنًا، فَقِيْلَ لَهٗ: مَالَكَ؟ قَالَ: اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اِنِّيْ لَاَعْلَمُ كَلِمَةً لَا يَقُوْلُهَا عَبْدٌ عِنْدَ مَوْتِهٖ، اِلَّا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَتَهٗ، وَاَشْرَقَ لَوْنَهٗ وَرَاٰى مَايَسُرُّهٗ، وَمَا مَنَعَنِيْ اَنْ اَسْاَلَهٗ عَنْهَا اِلَّا الْقُدْرَةُ عَلَيْهِ، حَتّٰى مَاتَ، فَقَالَ عُمَرُ ﷺ: اِنِّيْ لَاَعْلَمُهَا، قَالَ: فَمَا هِيَ؟ قَالَ: لَا نَعْلَمُ كَلِمَةً هِيَ اَعْظَمُ مِنْ كَلِمَةٍ اَمَرَ بِهَا عَمَّهٗ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ: فَهِيَ وَاللّٰهِ هِيَ. (اخرجه البيهقي في الاسماء والصفات كذا في الدر، قلت: اخرجه الحاكم وقال: صحيح على شرط الشيخين، واقره عليه الذهبي، واخرجه احمد واخرج ايضاً من مسند عمر ﷺ بمعناه بزيادة فيهما، واخرجه ابن ماجة عن يحيى بن طلحة عن امه، وفي شرح الصدور للسيوطي و اخرج ابو يعلى والحاكم بسند صحيح عن طلحة وعمر قالا: سمعنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إني أعلم كلمة، الحديث)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے دیکھا کہ نہایت غمگین بیٹھے ہیں۔ کسی نے پوچھا: کیا بات ہے؟ فرمایا: میں نے حضور ﷺ سے یہ سنا تھا کہ مجھے ایک کلمہ معلوم ہے کہ جو شخص مرتے وقت اس کو کہے تو موت کی تکلیف اس سے ہٹ جائے اور رنگ چمکنے لگے اور خوشی کا منظر دیکھے، مگر مجھے حضور ﷺ سے اس کلمہ کے پوچھنے کی قدرت نہ ہوئی (اس کا رنج ہو رہا ہے)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ (خوش ہو کر) کہنے لگے: کیا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمیں معلوم ہے کہ کوئی کلمہ اس سے بڑھا ہوا نہیں ہے جس کو حضور ﷺ نے اپنے چچا (ابو طالب) پر پیش کیا تھا اور وہ ہے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" فرمایا: واللہ! یہی ہے، واللہ! یہی ہے۔

ف: کلمہ طیبہ کا سراسر نور و سرور ہونا بہت سی روایات سے معلوم و مفہوم ہوتا ہے۔ حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "مُنَبِّہات" میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ

اندھیرے پانچ ہیں اور پانچ ان کے لئے چراغ ہیں: دنیا کی محبت اندھیرا ہے جس کا چراغ تقویٰ ہے، اور گناہ اندھیرا ہے جس کا چراغ توبہ ہے، اور قبر اندھیرا ہے جس کا چراغ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" ہے، اور آخرت اندھیرا ہے جس کا چراغ نیک عمل ہے، اور پل صراط اندھیرا ہے جس کا چراغ یقین ہے۔ رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا مشہور ولیہ ہیں، رات بھر نماز میں مشغول رہتیں، صبح صادق کے بعد تھوڑی دیر سو رہتیں اور جب صبح کا چاند نا اچھی طرح ہو جاتا تو گھبرا کر اٹھتیں اور نفس کو ملامت کرتیں کہ کب تک سوتا رہے گا۔ عنقریب قبر کا زمانہ آنے والا ہے جس میں صور پھونکنے تک سونا ہی ہوگا۔ جب انتقال کا وقت قریب ہوا تو ایک خادمہ کو وصیت فرمائی کہ یہ اونی گدڑی جس کو وہ تہجد کے وقت پہنا کرتی تھیں اس میں مجھے کفن دے دینا اور کسی کو میرے مرنے کی خبر نہ کرنا۔ چنانچہ حسبِ وصیت تجہیز و تکفین کر دی گئی، بعد میں اس خادمہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ نہایت عمدہ لباس پہنے ہوئے ہے اس نے دریافت کیا کہ وہ آپ کی گدڑی کیا ہوئی جس میں کفن دیا گیا تھا؟ فرمایا کہ لپیٹ کر میرے اعمال کے ساتھ رکھ دی گئی۔ انہوں نے درخواست کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں، کہا کہ اللہ کا ذکر جتنا بھی کر سکو کرتی رہو کہ اس کی وجہ سے تم قبر میں قابلِ رشک بن جاؤ گی۔

(۲۶) عَنْ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ: اِنَّ رِجَالاً مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ حِيْنَ تُوُفِّيَ حَزِنُوْا عَلَيْهِ، حَتّٰى كَادَ بَعْضُهُمْ يُوَسْوِسُ، قَالَ عُثْمَانُ رضی اللہ عنہ: وَكُنْتُ مِنْهُمْ، فَبَيْنَا اَنَا جَالِسٌ مَرَّ عَلَيَّ عُمَرُ رضی اللہ عنہ وَسَلَّمَ، فَلَمْ اَشْعُرْ بِهٖ فَاشْتَكٰى عُمَرُ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ رضی اللہ عنہ، ثُمَّ اَقْبَلَا حَتّٰى سَلَّمَا عَلَيَّ جَمِيْعًا، فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ: مَا حَمَلَكَ عَلٰى اَنْ لَا تَرُدَّ عَلٰى اَخِيْكَ عُمَرَ سَلَامَهٗ؟

حضورِ اقدس ﷺ (رُوْحِیْ فِدَاہُ) کے وِصال کے وقت صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس قدر سخت صدمہ تھا کہ بہت سے مختلف طور کے وَساوِس میں مبتلا ہو گئے تھے۔ حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ میں بھی ان ہی لوگوں میں تھا جو وَساوِس میں گھرے ہوئے تھے۔ حضرت عمر میرے پاس تشریف لائے، مجھے سلام کیا، مگر مجھے مطلق پتہ نہ چلا، انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

قُلْتُ: مَافَعَلْتُ، فَقَالَ عُمَرَ: بَلٰى وَاللّٰهِ لَقَدْ فَعَلْتَ، قَالَ: قُلْتُ: وَاللّٰهِ مَاشَعَرْتُ اَنَّكَ مَرَرْتَ وَلَا سَلَّمْتَ، قَالَ اَبُوْبَكْرٍ رضی اللہ عنہ: صَدَقَ عُثْمَانُ، قَدْ شَغَلَكَ عَنْ ذٰلِكَ اَمْرٌ؟ فَقُلْتُ: اَجَلْ، قَالَ: مَا هُوَ؟ قُلْتُ: تَوَفَّى اللّٰهُ تَعَالٰى نَبِيَّهٗ ﷺ قَبْلَ اَنْ نَسْاَلَهٗ عَنْ نَجَاةِ هٰذَا الْاَمْرِ، قَالَ اَبُوْبَكْرٍ رضی اللہ عنہ: قَدْ سَاَلْتُهٗ عَنْ ذٰلِكَ، فَقُمْتُ اِلَيْهِ، وَقُلْتُ لَهٗ: بِاَبِيْ اَنْتَ وَ اُمِّيْ، اَنْتَ اَحَقُّ بِهَا، قَالَ اَبُوْبَكْرٍ رضی اللہ عنہ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَانَجَاةُ هٰذَا الْاَمْرِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ قَبِلَ مِنِّي الْكَلِمَةَ الَّتِيْ عَرَضْتُ عَلٰى عَمِّيْ فَرَدَّهَا فَهِيَ لَهٗ نَجَاةٌ. (رواه احمد، كذا فى المشكوة، وفى مجمع الزوائد رواه أحمد والطبرانى فى الأوسط باختصار وابويعلى بتمامه، والبزار بنحوه وفيه رجل لم يسم، لكن الزهرى وثقه وابهمه . قلت: وذكر فى مجمع الزوائد: له متابعاتٌ بالفاظ متقاربة)

سے شکایت کی (کہ عثمان بھی بظاہر خفا ہیں کہ میں نے سلام کیا، انہوں نے جواب بھی نہ دیا)۔ اس کے بعد دونوں حضرات اکٹھے تشریف لائے اور سلام کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ تم نے اپنے بھائی عمر رضی اللہ عنہ کے سلام کا بھی جواب نہ دیا؟ (کیا بات ہے)؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے تو ایسا نہیں کیا۔ حضرت عمر نے فرمایا: ایسا ہی ہوا۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے تو آپ کے آنے کی بھی خبر نہیں ہوئی کہ کب آئے، نہ سلام کا پتہ چلا۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا: سچ ہے، ایسا ہی ہوا ہوگا۔ غالباً تم کسی سوچ میں بیٹھے ہوگے، میں نے عرض کیا: واقعی میں ایک گہری سوچ میں تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: کیا تھا؟ میں نے عرض کیا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا اور ہم نے یہ بھی نہ پوچھ لیا کہ اس کام کی نجات کس چیز میں ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں پوچھ چکا ہوں۔ میں اٹھا اور میں نے کہا: تم پر میرے ماں باپ قربان، واقعی تم ہی زیادہ مستحق تھے اسکے دریافت کرنے کے (کہ دین کی ہر چیز میں آگے بڑھنے والے ہو)۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ اس کام کی نجات کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اس کلمہ کو قبول کر لے جس کو میں نے اپنے چچا (ابوطالب پر ان کے انتقال کے وقت) پیش کیا تھا اور

انہوں نے رد کر دیا تھا، وہی کلمۂ نجات ہے۔

ف: وَساوِس میں مبتلا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس وقت رنج وغم کی شدت میں ایسے پریشان ہو گئے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر بہادر تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو گئے تھے کہ جو شخص یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اس کی گردن اڑا دوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے رب سے ملنے تشریف لے گئے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر تشریف لے گئے تھے۔ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ دین اب ختم ہو چکا۔ بعض اس سوچ میں تھے کہ اب دین کے فروغ کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ بعض بالکل گم تھے کہ ان سے بولا ہی نہیں جاتا تھا۔ ایک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دم تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کمالِ عشق اور کمالِ محبت کے باوجود اس وقت ثابت قدم اور جمے ہوئے قدم سے کھڑے تھے۔ انہوں نے للکار کر خطبہ پڑھا جس میں "وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ" والی آیت پڑھی جس کا ترجمہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نرے رسول ہی تو ہیں (خدا تو نہیں ہیں جسے موت آ ہی نہ سکے)۔ پس اگر وہ مر جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم لوگ (دین سے) پھر جاؤ گے اور جو شخص (دین سے) پھر جائے گا وہ خدا کا تو کوئی نقصان نہیں کرے گا (اپنا ہی کچھ کھو دیگا)۔ مختصر طور پر اس قصّہ کو میں اپنے رسالہ "حکایاتِ صحابہ" میں لکھ چکا ہوں۔ آگے جو ارشاد ہے کہ اس کام کی نجات کیا ہے۔ اس کے دو مطلب ہیں: ایک یہ کہ دین کے کام تو بہت سے ہیں، ان سب کاموں میں مدار کس چیز پر ہے کہ جس کے بغیر چارۂ کار نہ ہو۔ اس مطلب کے موافق جواب ظاہر ہے کہ دین کا سارا مدار کلمۂ شہادت پر ہے اور اسلام کی جڑ ہی کلمۂ طیبہ ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس کام یعنی دین میں دِقتیں بھی پیش آتی ہیں، وَساوِس بھی گھیرتے ہیں، شیطان کی رخنہ اندازی بھی مستقل ایک مصیبت ہے، دنیاوی ضروریات بھی اپنی طرف کھینچتی ہیں، اس صورت میں مطلب ارشادِ نبوی کا یہ ہے کہ کلمۂ طیبہ کی کثرت ان سب چیزوں کا علاج ہے کہ وہ اِخلاص پیدا کرنے والا ہے، دلوں کا صاف کرنے والا ہے، شیطان کی ہلاکت کا سبب ہے، جیسا کہ ان سب روایات میں اس کے اثرات بہت سے ذکر کئے گئے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کا کلمہ اپنے پڑھنے والے سے ننانوے قسم کی بلائیں دور کرتا ہے جن میں سب سے کم غم ہے جو ہر

وقت آدمی پر سوار رہتا ہے۔

(۲۷) عَنْ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اِنِّیْ لَاَعْلَمُ كَلِمَةً لَا يَقُوْلُهَا عَبْدٌ حَقًّا مِنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حُرِّمَ عَلَى النَّارِ، فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ: اَنَا اُحَدِّثُكَ مَاهِيَ كَلِمَةُ الْاِخْلَاصِ الَّتِیْ اَعَزَّ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى بِهَا مُحَمَّدًا وَاَصْحَابَهٗ، وَهِيَ كَلِمَةُ التَّقْوٰى الَّتِیْ اَلَاصَ عَلَيْهَا نَبِیُّ اللّٰهِ ﷺ عَمَّهٗ اَبَاطَالِبٍ عِنْدَ الْمَوْتِ: شَهَادَةُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. (رواه احمد واخرجه الحاكم بهذا اللفظ وقال: صحيح على شرطهما واقره عليه الذهبی، واخرجه الحاكم برواية عثمان رضی اللہ عنہ عَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعًا "اِنِّیْ لَاَعْلَمُ كَلِمَةً لَايَقُوْلُهَا عَبْدٌ حَقًّا مِنْ قَلْبِهٖ، فَيَمُوْتُ عَلٰى ذٰلِكَ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" وقال: هذا صحيح على شرطهما، ثم ذكر له شاهدين من حديثهما)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا تھا کہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ جو شخص اس کو حق سمجھ کر اخلاص کے ساتھ دل سے (یقین کرتے ہوئے) اس کو پڑھے تو جہنم کی آگ اس پر حرام ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بتاؤں وہ کلمہ کیا ہے؟ وہ وہی کلمہ ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اور اس کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو عزت دی۔ وہ وہی تقویٰ کا کلمہ ہے جس کی حضورِ اقدس ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب سے ان کے انتقال کے وقت خواہش کی تھی۔ وہ شہادت ہے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی۔

ف: حضور ﷺ کے چچا ابوطالب کا قصہ حدیث، تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں مشہور معروف ہے کہ جب ان کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو چونکہ ان کے احسانات نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں پر کثرت سے تھے اس لئے نبی اکرم ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا کہ اے میرے چچا! "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کہہ لیجئے، تاکہ مجھے قیامت کے دن آپ کی سفارش کا موقعہ مل سکے اور میں اللہ کے یہاں آپ کے اسلام کی گواہی دے سکوں۔ انہوں نے فرمایا کہ لوگ مجھے یہ طعنہ دیں گے کہ موت کے ڈر سے بھتیجے کا دین قبول کرلیا۔ اگر یہ خیال نہ ہوتا تو میں اس وقت اس کلمہ کو کہنے سے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔

اس پر حضور ﷺ رنجیدہ واپس تشریف لائے۔ اسی قصہ میں قرآن پاک کی آیت "اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ" (القصص:٥٦) نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں فرما سکتے، بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت کرتا ہے۔ اس قصہ سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ جو لوگ فسق و فجور میں مبتلا رہتے ہیں، خدا اور اس کے رسول ﷺ سے بیگانہ رہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ کسی عزیز قریب بزرگ کی دعا سے بیڑا پار ہو جائے گا غلطی میں مبتلا ہیں، کام چلانے والا صرف اللہ ہی ہے، اسی کی طرف رجوع کرنا چاہئے، اسی سے سچا تعلق قائم کرنا ضروری ہے، البتہ اللہ والوں کی صحبت، ان کی دعا، ان کی توجہ معین و مددگار بن سکتی ہے۔

(۴۸) عَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَمَّا اَذْنَبَ اٰدَمُ الذَّنْبَ الَّذِیْ اَذْنَبَهٗ، رَفَعَ رَاْسَهٗ اِلَی السَّمَآءِ، فَقَالَ: اَسْاَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اِلَّا غَفَرْتَ لِیْ، فَاَوْحَی اللّٰهُ اِلَیْهِ: مَنْ مُحَمَّدٌ؟ فَقَالَ: تَبَارَكَ اسْمُكَ لَمَّا خَلَقْتَنِیْ رَفَعْتُ رَاْسِیْ اِلٰی عَرْشِكَ، فَاِذَا فِیْهِ مَكْتُوْبٌ: "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" فَعَلِمْتُ اَنَّهٗ لَیْسَ اَحَدٌ اَعْظَمَ عِنْدَكَ قَدْرًا عَمَّنْ جَعَلْتَ اِسْمَهٗ مَعَ اسْمِكَ، فَاَوْحَی اللّٰهُ اِلَیْهِ: یَا اٰدَمُ! اِنَّهٗ اٰخِرُ النَّبِیِّیْنَ مِنْ ذُرِّیَّتِكَ، وَلَوْلَا هُوَ مَا خَلَقْتُكَ. (اخرجه الطبرانی فی الصغیر والحاکم وابو نعیم والبیهقی کلاهما فی الدلائل، وابن عساکر فی الدر، وفی مجمع الزوائد رواه الطبرانی فی الاوسط

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ حضرت آدم (علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) سے جب وہ گناہ صادر ہو گیا (جس کی وجہ سے جنت سے دنیا میں بھیج دیئے گئے تو ہر وقت روتے رہتے تھے اور دعا و استغفار کرتے رہتے تھے)۔ ایک مرتبہ آسمان کی طرف منہ کیا اور عرض کیا: یا اللہ! محمد (ﷺ) کے وسیلہ سے تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں، وحی نازل ہوئی کہ محمد کون ہیں (جن کے واسطے سے تم نے استغفار کی)؟ عرض کیا: جب آپ نے مجھے پیدا کیا تھا تو میں نے عرش پر لکھا ہوا دیکھا تھا "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" تو میں سمجھ گیا تھا کہ محمد (ﷺ) سے اونچی ہستی کوئی نہیں ہے جن کا نام تم نے اپنے نام کے ساتھ رکھا۔

والصغير وفيه من لم اعرفهم، قلت: ويؤيد الآخر الحديث المشهور "ولولاك لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ" قال القاري في الموضوعات الكبير: موضوع

وحی نازل ہوئی کہ وہ خاتم النبیین ہیں، تمہاری اولاد میں سے ہیں، لیکن وہ نہ ہوتے تو تم بھی پیدا نہ کئے جاتے۔

لكن معناه صحيح، وفي النشر ف معناه ثابت، ويؤيد الاول ما ورد في غير رواية من انه مكتوب على العرش وعلى اوراق الجنة "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" كما بسط طرقه السيوطي في مناقب اللآلي في غير موضع، وبسط له شواهد ايضاً في تفسيره في سورة الم نشرح)

ف: حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس وقت کیا کیا دعائیں کیں اور کس کس طرح سے گڑگڑائے؟ اس بارے میں بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں اور ان میں کوئی تعارض بھی نہیں جس پر مالک کی ناراضگی، آقا کی خفگی ہوئی ہو وہی جانتا ہے۔ ان بے حقیقت آقاؤں کی ناراضگی کی وجہ سے نوکروں اور خادموں پر کیا کچھ گذر جاتا ہے اور وہاں تو مالک الملک، رزّاقِ عالم اور مختصر یہ کہ خدا کا عتاب تھا اور گذر کس پر رہی تھی؟ اس شخص پر جس کو فرشتوں سے سجدہ کرایا، اپنا مقرّب بنایا، جو شخص جتنا ہی مقرب ہوتا ہے اتنا ہی عتاب کا اس پر اثر ہوتا ہے، بشرطیکہ کمینہ نہ ہو اور وہ تو نبی تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس قدر روئے ہیں کہ تمام دنیا کے آدمیوں کا رونا اگر جمع کیا جائے تو ان کے برابر نہیں ہوسکتا، چالیس برس تک سر اوپر نہیں اٹھایا۔ حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ خود حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ اگر حضرت آدم علیہ السلام کے رونے کا تمام دنیا کے رونے سے مقابلہ کیا جائے تو اُن کا رونا بڑھ جائے گا۔ ایک حدیث میں ہے اگر ان کے آنسوؤں کو ان کی تمام اولاد کے آنسوؤں سے وزن کیا جائے تو ان کے آنسو بڑھ جائیں گے۔ ایسی حالت میں کس کس طرح زاری فرمائی ہوگی ظاہر ہے۔

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اِضطراب میں واں ایک خامُشی تری سب کے جواب میں

اس لئے جو روایات میں ذکر کیا گیا ان سب کے مجموعہ میں کوئی اشکال نہیں۔ منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ اختیار فرمایا۔ دوسرا مضمون عرش پر "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه" لکھا ہوا ہونا، یہ اور بھی بہت سی مختلف روایتوں میں آیا ہے۔

حضور ﷺ اِرشاد فرماتے ہیں: میں جنّت میں داخل ہوا تو میں نے اس کی دونوں جانبوں میں تین سطریں سونے کے پانی سے لکھی ہوئی دیکھیں: پہلی سطر میں "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" لکھا تھا۔ دوسری سطر میں "مَا قَدَّمْنَا وَجَدْنَا، وَمَا اَكَلْنَا رَبِحْنَا، وَمَا خَلَّفْنَا خَسِرْنَا" تھا (جو ہم نے آگے بھیج دیا یعنی صدقہ وغیرہ کر دیا وہ پالیا اور جو دنیا میں کھایا وہ نفع میں رہا اور جو کچھ چھوڑ آئے وہ نقصان رہا) اور تیسری سطر میں تھا "اُمَّةٌ مُّذْنِبَةٌ، وَرَبٌّ غَفُوْرٌ" (امت گناہ گار اور مالک بخشنے والا)۔ ایک بزرگ کہتے ہیں: میں ہندوستان کے ایک شہر میں پہنچا تو میں نے وہاں ایک درخت دیکھا جس کے پھل بادام کے مشابہ ہوتے ہیں، اس کے دو چھلکے ہوتے ہیں، جب ان کو توڑا جاتا ہے تو ان کے اندر سے ایک سبز پتہ لپٹا ہوا نکلتا ہے، جب اس کو کھولا جاتا ہے تو سُرخی سے "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" لکھا ہوا ملتا ہے۔ میں نے اس قصہ کو ابو یعقوب شکاری رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا۔ انہوں نے کہا: تعجب کی بات نہیں، میں نے "ایلہ" میں ایک مچھلی شکار کی تھی، اس کے ایک کان پر "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" اور دوسرے پر "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" لکھا ہوا تھا۔

(۲۹) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ بْنِ السَّكَنِ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ: اِسْمُ اللّٰهِ الْاَعْظَمُ فِيْ هَاتَيْنِ الْاٰيَتَيْنِ: وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ (و) الٓمّٓ ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ. (اخرجه ابن ابی شیبة واحمد والدارمی وابو داود والترمذی و صححه، وابن ماجة وابومسلم الکجی فی السنن، وابن الضریس وابن ابی حاتم والبیهقی فی الشعب، کذا فی الدر)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضورِ اقدس ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ اللہ کا سب سے بڑا نام (جو اسمِ اعظم کے نام سے عام طور پر مشہور ہے) ان دو آیتوں میں ہے (بشرطیکہ اخلاص سے پڑھی جائیں) وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (البقرة: ۱۶۳) اور الٓمّٓ ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ (آل عمران: ۱، ۲)

ف: اسمِ اعظم کے متعلق روایاتِ حدیث میں کثرت سے وارد ہوا ہے کہ جو دعا بھی اس کے بعد مانگی جاتی ہے وہ قبول ہوتی ہے۔

البتہ اسمِ اعظم کی تعیین میں رِوایات مختلف وار دہوئی ہیں اور یہ عادتُ اللہ ہے کہ ہر ایسی مہتم بالشان چیز میں اخفا کی وجہ سے اختلاف پیدا فرمادیتے ہیں۔ چنانچہ شبِ قدر کی تعیین میں، جمعہ کے دن دعا قبول ہونے کے خاص وقت میں اختلاف ہوا۔ اس میں بہت سی مصالح ہیں جن کو میں اپنے رسالہ ''فضائلِ رمضان'' میں لکھ چکا ہوں۔ اسی طرح اسمِ اعظم کی تعیین میں بھی مختلف روایات وارد ہوئیں۔ منجملہ ان کے یہ روایت بھی ہے جو اوپر ذکر کی گئی۔ اور بھی روایات میں ان آیتوں کے متعلق اِرشاد وارد ہوا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ متمرّد اور شرِّی شیاطین پر ان دو آیتوں سے زیادہ سخت کوئی آیت نہیں، وہ دو آیتیں ''وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ'' سے شروع ہیں۔ اِبراہیم بن دُسمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجنونانہ حالتِ نظر کے لئے ان آیات کا پڑھنا مفید ہے۔ جو شخص ان آیات کے پڑھنے کا اِہتمام رکھے اس قسم کی چیزوں سے محفوظ ہے۔ ''وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ'' پوری آیت (البقرۃ:۱۶۳) ''اَللّٰهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ'' آیۃ الکرسی اور سورۂ بقرہ کی آخر آیت اور ''اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سے مُحْسِنِیْنَ'' تک (الاعراف:۵۴) اور سورۂ حشر کی آخری آیتیں (هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سے)۔ ہمیں یہ بات پہنچی کہ سب آیات (جن کو گنوایا) عرش کے کونوں پر لکھی ہوئی ہیں۔ اور ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ بچوں کو اگر ڈر لگتا ہو یا نظر کا اندیشہ ہو تو یہ آیات ان کے لئے لکھ دیا کرو۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ اسمِ اعظم لفظ ''اللہ'' ہے اور لکھا ہے کہ یہی قول علامہ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے علماء سے نقل کیا گیا ہے اور اکثر عارفین (اکابرِ صوفیہ) کی یہی تحقیق ہے۔ اسی وجہ سے ان کے نزدیک ذکر بھی اسی پاک نام کا کثرت سے ہوتا ہے۔ سیدُ الطائفہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نور اللہ مرقدہٗ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے، فرماتے ہیں کہ اسمِ اعظم ''اللہ'' ہے، بشرطیکہ جب تو اس پاک نام کو لے تو تیرے دل میں اس کے سوا کچھ نہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ عوام کے لئے اس پاک نام کو اس طرح لینا چاہئے کہ جب یہ زبان پر جاری ہو تو عظمت اور خوف کے ساتھ ہو، اور خواص کے لئے اس طرح ہو کہ اس پاک نام والے کی ذات وصفات کا بھی استحضار ہو، اور اَخَصُّ الْخَوَاص کے لئے یہ ضروری

ہے کہ اس پاک ذات کے سوا دل میں کوئی چیز بھی نہ ہو، کہتے ہیں کہ قرآنِ پاک میں بھی یہ مبارک نام اتنی کثرت سے ذکر کیا گیا کہ حد نہیں جس کی مقدار دو ہزار تین سو ساٹھ بتاتے ہیں۔

شیخ اسماعیل فرغانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے ایک عرصہ سے اسمِ اعظم سیکھنے کی تمنا تھی، مجاہدے بہت کرتا تھا، کئی کئی دن فاقے کرتا حتّٰی کہ فاقوں کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر جاتا۔ ایک روز میں دمشق کی مسجد میں بیٹھا تھا کہ دو آدمی مسجد میں داخل ہوئے اور میرے قریب کھڑے ہو گئے، مجھے ان کو دیکھ کر خیال ہوا کہ یہ فرشتے معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے پوچھا: کیا تو اسمِ اعظم سیکھنا چاہتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں بتا دیجئے۔ میں یہ گفتگو سن کر غور کرنے لگا۔ اس نے کہا کہ وہ لفظ "اللہ" ہے بشرطیکہ صدقِ لجا سے ہو۔ شیخ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ صدقِ لجا کا مطلب یہ ہے کہ کہنے والے کی حالت اس وقت ایسی ہو کہ جیسا کوئی شخص دریا میں غرق ہو رہا ہو اور کوئی بھی اس کا بچانے والا نہ ہو تو ایسے وقت جس خلوص سے نام لیا جائے گا وہ حالت مراد ہے۔ اسمِ اعظم معلوم ہونے کے لئے بڑی اہلیت اور بڑے ضبط وتحمّل کی ضرورت ہے۔

ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ ان کو اسمِ اعظم آتا تھا۔ ایک فقیر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے تمنّا واستدعا کی کہ مجھے بھی سکھا دیجئے۔ اُن بزرگ نے فرمایا: تم میں اہلیت نہیں ہے۔ فقیر نے کہا کہ مجھ میں اس کی اہلیت ہے، تو بزرگ نے فرمایا کہ اچھا فلاں جگہ جا کر بیٹھ جاؤ اور جو واقعہ وہاں پیش آوے اس کی مجھے خبر دو۔ فقیر اس جگہ گئے، دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص گدھے پر لکڑیاں لادے ہوئے آ رہا ہے۔ سامنے سے ایک سپاہی آیا جس نے اس بوڑھے کو مار پیٹ کی اور لکڑیاں چھین لیں۔ فقیر کو اس سپاہی پر بہت غصّہ آیا، واپس آ کر بزرگ سے سارا قصہ سنایا اور کہا کہ مجھے اگر اسمِ اعظم آ جاتا تو اس سپاہی کے لئے بددُعا کرتا۔ بزرگ نے کہا کہ اس لکڑی والے ہی سے میں نے اسمِ اعظم سیکھا تھا۔

(۳۰) عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: اَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰــهَ اِلَّا اللّٰهُ،

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ (قیامت کے دن) حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرمائیں گے کہ جہنّم سے ہر اُس شخص کو نکال لو جس نے "لَآ

وَفِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ مِّنَ الْاِیْمَانِ. اَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَوْذَکَرَنِیْ، اَوْخَافَنِیْ فِیْ مَقَامٍ.

(اخرجہ الحاکم بروایۃ المؤمل عن المبارک بن فضالۃ، وقال: صحیح الاسناد وأقرّہ علیہ الذھبی وقال الحاکم: قد تابع أبو داود مؤملا علی روایتہ واختصرہ)

اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ" کہا ہو اور اس کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی ایمان ہو اور ہر اس شخص کو نکال لو جس نے "لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ" کہا ہو یا مجھے (کسی طرح بھی) یاد کیا ہو یا کسی موقعہ پر مجھ سے ڈرا ہو۔

ف: اس پاک کلمہ میں حق تعالیٰ شانہٗ نے کیا کیا برکات رکھی ہیں۔ اس کا معمولی سا اندازہ اتنی ہی بات سے ہو جاتا ہے کہ سو برس کا بوڑھا جس کی تمام عمر کفر وشرک میں گذری ہو، ایک مرتبہ اس پاک کلمہ کو ایمان کے ساتھ پڑھنے سے مسلمان ہو جاتا ہے اور عمر بھر کے سارے گناہ زائل ہو جاتے ہیں اور ایمان لانے کے بعد اگر گناہ بھی کئے ہوں تب بھی اس کلمہ کی برکت سے کسی نہ کسی وقت جہنّم سے ضرور نکلے گا۔ حضرت حُذیفہ رضی اللہ عنہ (جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے راز دار ہیں) فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا ہے: (ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے) کہ اسلام ایسا دھندلا رہ جائے گا جیسے کپڑے کے نقش ونگار (پرانے ہو جانے سے) دھندلے ہو جاتے ہیں کہ نہ کوئی روزہ کو جانے گا، نہ حج کو، نہ زکوٰۃ کو، آخر ایک رات ایسی ہوگی کہ قرآنِ پاک بھی اٹھا لیا جائے گا، کوئی آیت اس کی باقی نہ رہے گی۔ بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں یہ کہیں گی کہ ہم نے اپنے بڑوں کو کلمہ "لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ" پڑھتے سنا تھا، ہم بھی اسی کو پڑھیں گے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد نے عرض کیا کہ جب زکوٰۃ، حج، روزہ کوئی رکن نہ ہوگا تو یہ کلمہ ہی کیا کام دے گا۔ حضرت حُذیفہ رضی اللہ عنہ نے سکوت فرمایا۔ انھوں نے پھر یہی عرض کیا۔ تیسری مرتبہ میں حضرت حُذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (کسی نہ کسی وقت) جہنّم سے نکالے گا، جہنّم سے نکالے گا، جہنّم سے نکالے گا، یعنی ارکانِ اسلام کے ادا نہ کرنے کا عذاب بھگتنے کے بعد کسی نہ کسی وقت اس کلمہ کی برکت سے نجات پائے گا۔ یہی مطلب ہے حدیثِ بالا کا کہ اگر ایمان کا ذرا سا حصّہ بھی ہے تب بھی جہنّم سے کسی نہ کسی وقت نکالا جائے گا۔ ایک حدیث میں ہے جو شخص "لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ"

پڑھے وہ اس کو کسی نہ کسی دن ضرور کام دے گا، گو اس کو کچھ نہ کچھ سزا بھگتنا پڑے۔

(۳۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو ؓ قَالَ: اَتَى النَّبِيَّ ﷺ اَعْرَابِيٌّ، عَلَيْهِ جُبَّةٌ مِّنْ طَيَالِسَةَ، مَكْفُوْفَةٌ بِالدِّيْبَاجِ، فَقَالَ: اِنَّ صَاحِبَكُمْ هٰذَا يُرِيْدُ اَنْ يَّرْفَعَ كُلَّ رَاعٍ وَابْنَ رَاعٍ، وَيَضَعَ كُلَّ فَارِسٍ وَابْنَ فَارِسٍ، فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ مُغْضَبًا، فَاَخَذَ بِمَجَامِعِ ثَوْبِهٖ فَاجْتَذَبَهٗ، وَقَالَ: اَلَا اَرٰى عَلَيْكَ ثِيَابَ مَنْ لَّا يَعْقِلُ، ثُمَّ رَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، فَجَلَسَ، فَقَالَ: اِنَّ نُوْحًا لَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ دَعَا ابْنَيْهِ، فَقَالَ: اِنِّيْ قَاصٌّ عَلَيْكُمَا الْوَصِيَّةَ، اٰمُرُكُمَا بِاثْنَتَيْنِ وَاَنْهَاكُمَا عَنِ اثْنَتَيْنِ، اَنْهٰكُمَا عَنِ الشِّرْكِ وَ الْكِبْرِ، وَاٰمُرُكُمَا بِلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ؛ فَاِنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا فِيْهِمَا لَوْ وُضِعَتْ فِيْ كَفَّةِ الْمِيْزَانِ وَوُضِعَتْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فِي الْكَفَّةِ الْاُخْرٰى، كَانَتْ اَرْجَحَ مِنْهُمَا، وَلَوْ اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا فِيْهِمَا كَانَتْ حَلْقَةً، فَوُضِعَتْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عَلَيْهَا، لَقَصَمَتْهَا وَاٰمُرُكُمَا بِسُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، فَاِنَّهُمَا صَلٰوةُ كُلِّ شَيْءٍ، وَبِهِمَا يُرْزَقُ كُلُّ شَيْءٍ. (اخرجه الحاكم

حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک شخص گاؤں کا رہنے والا آیا جو ریشمی جُبہ پہن رہا تھا اور اس کے کناروں پر دیباج کی گوٹ تھی۔ (صحابہ رضی اللہ عنہم سے خطاب کر کے) کہنے لگا کہ تمہارے ساتھی (محمد ﷺ) یہ چاہتے ہیں کہ ہر چرواہے (بکری چرانے والے) اور چرواہے زادے کو بڑھا دیں اور شہسوار اور شہسواروں کی اولاد کو گرا دیں۔ حضور ﷺ ناراضگی سے اٹھے اور اس کے کپڑوں کو گریبان سے پکڑ کر ذرا کھینچا اور ارشاد فرمایا کہ (تو ہی بتا) تو بیوقوفوں کے سے کپڑے نہیں پہن رہا ہے، پھر اپنی جگہ واپس آ کر تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا جب انتقال ہونے لگا تو اپنے دونوں صاحبزادوں کو بلایا اور ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں (آخری) وصیت کرتا ہوں جس میں دو چیزوں سے روکتا ہوں اور دو چیزوں کا حکم کرتا ہوں۔ جن سے روکتا ہوں ایک شرک ہے، دوسرا تکبّر اور جن چیزوں کا حکم کرتا ہوں ایک "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہے کہ تمام آسمان وزمین اور جو کچھ ان میں ہے

وقال: صحيح الإسناد ولم يخرجه للصقعب ابن زهير، فانه ثقة قليل الحديث . و اقره عليه الذهبي وقال: الصقعب ثقة ورواه ابن عجلان عن زيد بن اسلم مرسلا . قلت: ورواه أحمد في مسنده بزيادة فيه بطرق وَفِيْ بَعْضِ مِنْهَا: "فَإِنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَالْاَرَضِيْنَ السَّبْعَ كُنَّ حَلْقَةً مُبْهَمَةً قَصَمَتْهُنَّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" وذكره المنذري في الترغيب عن ابن عمر ﷺ مختصرًا، وفيه "لَوْ كَانَتْ حَلْقَةً لَقَصَمَتْهُنَّ حَتّٰى تَخْلُصَ اِلَى اللّٰهِ" ثم قال: رواه البزار و رواته محتج بهم في الصحيح الا ابن اسحاق، وهو في النسائي عن صالح بن سعيد رفعه إلى سليمان بن يسار، إلى رجل من الأنصار لم يسمه ورواه الحاكم عن عبدالله وقال: صحيح الاسناد ثم ذكر لفظه، قلت : وحديث سليمان بن يسار يأتي في بيان التسبيح، وفي مجمع الزوائد رواه أحمد، و رواه الطبراني بنحوه ورواه البزار من حديث ابن عمر ﷺ، ورجال أحمد ثقات وقال في رواية البزار مُحَمد بن اسحاق وهو مدلس وهو ثقه)

اگر سب ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے میں (اخلاص سے کہا ہوا) "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" رکھ دیا جائے تو وہی پلڑا جھک جائے گا اور اگر تمام آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے ایک حلقہ بنا کر اس پاک کلمہ کو اس پر رکھ دیا جائے تو وہ وزن سے ٹوٹ جائے اور دوسری چیز جس کا حکم کرتا ہوں وہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" ہے کہ یہ دو لفظ ہر مخلوق کی نماز ہیں اور انہیں کی برکت سے ہر چیز کو رزق عطا فرمایا جاتا ہے۔

ف: حضورِ اقدس ﷺ کا کپڑوں کے متعلق اِرشاد فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر سے باطن پر استدلال کیا جاتا ہے، جس شخص کا ظاہرِ حال خراب ہے اس کے باطن کا حال بھی بظاہر ویسا ہی ہے۔ اس لئے ظاہر کو بہتر رکھنے کی سعی کی جاتی ہے کہ باطن اس کے تابع ہوتا ہے۔ اسی لئے صوفیۂ کرام ظاہری طہارت وُضو وغیرہ کا اہتمام کراتے ہیں تاکہ باطن کی طہارت حاصل ہو جائے۔ جو لوگ یہ کہہ دیتے ہیں: اجی!! باطن اچھا ہونا چاہئے، ظاہر چاہے کیسا ہی ہو، صحیح نہیں۔ باطن کا اچھا ہونا مستقل مقصود ہے اور ظاہر کا بہتر ہونا مستقل۔ نبی اکرم ﷺ کی دعاؤں میں ہے: "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِيْرَتِيْ خَيْرًا مِّنْ عَلَانِيَتِيْ وَاجْعَلْ عَلَانِيَتِيْ صَالِحَةً" (اے اللہ میرے باطن کو میرے ظاہر سے زیادہ بہتر بنا اور میرے ظاہر کو صالح اور نیک بنا دے)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضورِ اقدس ﷺ نے یہ دعا

تعلیم فرمائی ہے۔

(۳۲) عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ اَبَابَكْرٍ رضی اللہ عنہ دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ كَئِيْبٌ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: مَا لِيْ اَرَاكَ كَئِيْبًا؟ قَالَ: يَارَسُوْلَ! كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَمٍّ لِّيَ الْبَارِحَةَ فُلَانٌ، وَهُوَ يَكِيْدُ بِنَفْسِهٖ، قَالَ: فَهَلْ لَقَّنْتَهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ؟ قَالَ: قَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: فَقَالَهَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ، قَالَ اَبُوبَكْرٍ: يَارَسُوْلَ! كَيْفَ هِيَ لِلْاَحْيَاءِ، قَالَ: هِيَ اَهْدَمُ لِذُنُوْبِهِمْ، هِيَ اَهْدَمُ لِذُنُوْبِهِمْ. (رواه ابو يعلى والبزار وفيه زائدة بن ابى الرقاد وثقه الفواريرى وضعفه البخارى وغيره، كذا فى مجمع الزوائد واخرج بمعناه عن ابن عباس رضی اللہ عنہما، قلت: وروى عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعًا "مَنْ قَالَ اِذَا مَرَّ بِالْمَقَابِرِ اَلسَّلَامُ عَلٰى اَهْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِنْ قَبْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، كَيْفَ وَجَدْتُمْ قَوْلَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، يَا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اغْفِرْ لِمَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاحْشُرْنَا فِيْ زُمْرَةِ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، غُفِرَ لَهٗ ذُنُوْبُ خَمْسِيْنَ سَنَةً، قِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَنْ لَمْ تَكُنْ لَهٗ ذُنُوْبُ خَمْسِيْنَ سَنَةً؟ قَالَ: لِوَالِدَيْهِ وَلِقَرَابَتِهٖ وَلِعَامَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ" رواه الديلمى فى تاريخ همدان والرافعى وابن النجار، كذا فى منتخب كنزالعمال، لكن روى نحوه السيوطى فى ذيل اللآلى وتكلم على سنده، وقال: الاسناد كله ظُلُمات، ورمى رجاله بالكذب، وفى تنبيه الغافلين: وروى عَنْ بَعْضِ الصَّحَابَةِ "مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِنْ قَلْبِهٖ خَالِصًا، وَمَدَّهَا بِالتَّعْظِيْمِ، كَفَّرَ اللّٰهُ عَنْهُ اَرْبَعَةَ الْاٰفِ ذَنْبٍ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں رنجیدہ سے ہوکر حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ میں تمہیں رنجیدہ دیکھ رہا ہوں، کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ گذشتہ شب میرے چچازاد بھائی کا انتقال ہوگیا، میں نزع کی حالت میں ان کے پاس بیٹھا تھا (اس منظر سے طبیعت پر اثر ہے)۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تم نے اس کو "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی تلقین بھی کی تھی؟ عرض کیا: کی تھی۔ ارشاد فرمایا کہ اس نے یہ کلمہ پڑھ لیا تھا؟ عرض کیا کہ پڑھ لیا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ جنّت اس کے لئے واجب ہوگئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! زندہ لوگ اس کلمہ کو پڑھیں تو کیا ہو؟ حضور ﷺ نے دو مرتبہ یہ ارشاد فرمایا کہ کلمہ ان کے گناہوں کو بہت ہی منہدم کر دینے والا ہے (یعنی بالکل ہی مٹا دینے والا ہے)۔

مِنَ الْكَبَائِرِ، قِيلَ: إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ أَرْبَعَةُ آلَافِ ذَنْبٍ؟ قَالَ: يُغْفَرُ مِنْ ذُنُوْبِ أَهْلِهِ وَجِيْرَانِهِ". قُلت: وروى بمعناه مرفوعًا، لكنهم حكموا عليه بالوضع كما فى ذيل اللآلى، نعم يؤيده الامر بدفن جوار الصالح و تاذيه بجوار السوء، ذكره السيوطى فى اللآلى بطرق و ورد السلام على اهل القبور بالفاظ مختلفة فى كنز العمال وغيره)

ف: مقابر میں اور میت کے قریب کلمۂ طیبہ پڑھنے کے متعلق بھی کثرت سے احادیث میں اِرشاد ہوا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جنازہ کے ساتھ کثرت سے "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ" پڑھا کرو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ میری امت کا شعار (نشان) جب وہ پل صراط پر چلیں گے تو "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اَنْتَ" ہوگا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ جب وہ اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو ان کا نشان "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ" ہوگا۔ تیسری حدیث میں ہے کہ قیامت کے اندھیروں میں اُن کا نشان "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اَنْتَ" ہوگا۔ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کو کثرت سے پڑھنے کی برکتیں مرنے سے پہلے بھی بسا اوقات نزع کے وقت سے محسوس ہو جاتی ہیں اور بعض اللہ کے بندوں کو اس سے بھی پہلے ظاہر ہو جاتی ہیں۔ اَبو العباس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں اپنے شہر "اشبیلہ" میں بیمار پڑا ہوا تھا، میں نے دیکھا کہ بہت سے پرند بڑے بڑے اور مختلف رنگ کے سفید، سرخ، سبز ہیں جو ایک ہی دفعہ سب کے سب پَر سمیٹ لیتے ہیں اور ایک ہی مرتبہ کھول دیتے ہیں اور بہت سے آدمی ہیں جن کے ہاتھ میں بڑے بڑے طباق ڈھکے ہوئے ہیں جن کے اندر کچھ رکھا ہوا ہے۔ میں اس سب کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ یہ موت کے تحفے ہیں۔ میں جلدی جلدی کلمۂ طیبہ پڑھنے لگا۔ ان میں سے ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ تمہارا وقت ابھی نہیں آیا۔ یہ ایک اور مؤمن کے لئے تحفہ ہے جس کا وقت آ گیا ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا جب انتقال ہونے لگا تو فرمایا مجھے بٹھا دو، لوگوں نے بٹھا دیا، پھر فرمایا: (یا اللہ! تو نے مجھے بہت سے کاموں کا حکم فرمایا، مجھ سے اس میں کوتاہی ہوئی۔ تو نے مجھے بہت سی باتوں سے منع فرمایا، مجھ سے اس میں نافرمانی ہوئی، تین مرتبہ یہی کہتے رہے۔ اس کے بعد فرمایا: لیکن "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" یہ فرما کر ایک جانب غور سے دیکھنے لگے۔ کسی نے پوچھا: کیا دیکھتے ہو؟ فرمایا: کچھ سبز چیزیں ہیں کہ نہ وہ آدمی ہیں نہ جن، اس کے بعد اِنتقال فرمایا۔ زبیدہ رحمۃ اللہ علیہا کو کسی نے خواب میں

دیکھا، اس سے پوچھا: کیا گذری؟ اس نے کہا کہ ان چار کلموں کی بدولت میری مغفرت ہو گئی: "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ اُفْنِیْ بِهَا عُمْرِیْ، لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ اَدْخُلُ بِهَا قَبْرِیْ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَخْلُوْ بِهَا وَحْدِیْ، لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ اَلْقٰی بِهَا رَبِّیْ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کے ساتھ اپنی عمر کو ختم کروں گی اور "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہی کو قبر میں لے کر جاؤں گی اور "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہی کے ساتھ تنہائی کا وقت گذاروں گی اور "لَآ اِلٰـــهَ اِلَّا اللّٰـهُ" ہی کو لے کر اپنے رب کے پاس جاؤں گی۔

(۳۳) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ ﷺ قَالَ: قُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ: اَوْصِنِیْ، قَالَ: اِذَا عَمِلْتَ سَیِّئَةً فَاَتْبِعْهَا حَسَنَةً تَمْحُهَا، قُلْتُ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اَمِنَ الْحَسَنَاتِ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ؟ قَالَ: هِیَ اَفْضَلُ الْحَسَنَاتِ.

(رواه أحمد وفی مجمع الزوائد: رواه أحمد ورجاله ثقات إلا أن شمر بن عطية حدثه عن أشياخه، ولم يسم أحدًا منهم، قال السيوطی فی الدر: أخرجه ايضاً ابن مردويه، والبيهقی فی الأسماء والصفات، قلت: وأخرجه الحاكم بلفظ "يَا اَبَا ذَرٍّ! اتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُ كُنْتَ وَاتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ" وقال: صحيح على شرطهما واقره عليه الذهبی، وذكره السيوطی فی الجامع مختصرًا ورقم له بالصحة)

حضرت ابو ذر غِفاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے کوئی وصیّت فرما دیجئے، اِرشاد ہوا کہ جب کوئی برائی سرزد ہو جائے تو کفارہ کے طور پر فوراً کوئی نیک کام کر لیا کرو (تاکہ برائی کی نحوست دھل جائے) میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ پڑھنا بھی نیکیوں میں داخل ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو ساری نیکیوں میں افضل ہے۔

ف: برائی اگر گناہِ صغیرہ ہے تو نیکی سے اس کا محو ہو جانا اور مٹ جانا ظاہر ہے اور اگر کبیرہ ہے تو قواعد کے موافق توبہ سے محو ہو سکتی ہے یا محض اللہ کے فضل سے، جیسا پہلے بھی گذر چکا ہے۔ بہر صورت محو ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پھر وہ گناہ نہ اعمالنامہ میں رہتا ہے، نہ کہیں اس کا ذکر ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جب بندہ توبہ کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ وہ گناہ کراماً کاتبین کو بھلا دیتے ہیں اور اس گناہ گار کے ہاتھ پاؤں کو بھی

بھلا دیتے ہیں اور زمین کے اس حصہ کو بھی جس پر وہ گناہ کیا گیا ہے، حتیٰ کہ کوئی بھی اس گناہ کی گواہی دینے والا نہیں رہتا۔ گواہی کا مطلب یہ ہے کہ قیامت میں آدمی کے ہاتھ پاؤں اور بدن کے دوسرے حصے نیک یا بد اعمال جو بھی کئے ہوں ان کی گواہیاں دیں گے، جیسا کہ باب سوم فصل دوم حدیث نمبر ۱۸ کے تحت میں آرہا ہے۔ حدیث بالا کی تائید ان روایات سے بھی ہوتی ہے جن میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ گناہ کیا ہی نہیں۔ یہ مضمون کئی حدیثوں میں وارد ہوا ہے۔ توبہ اس کو کہتے ہیں کہ گناہ ہو چکا، اس پر انتہائی ندامت اور شرم ہو اور آئندہ کے لئے پکا ارادہ ہو کہ پھر کبھی اس گناہ کو نہیں کروں گا۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ اللہ کی عبادت کر اور کسی کو اس کا شریک نہ بنا اور ایسے اخلاص سے عمل کیا کر جیسا کہ وہ پاک ذات تیرے سامنے ہو اور اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کر اور اللہ کی یاد ہر پتھر اور ہر درخت کے قریب کر (تا کہ بہت سے گواہ قیامت کے دن ملیں) اور جب کوئی برائی ہو جائے تو اس کے کفارہ میں کوئی نیکی کیا کر۔ اگر برائی مخفی کی ہے تو نیکی بھی مخفی ہو اور اگر برائی کو علی الاِعلان کیا ہے تو اس کے کفارہ میں نیکی بھی علی الاِعلان ہو۔

(۳۴) عَنْ تَمِيْمِ الدَّارِيِّ ﷺ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ قَالَ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَاحِـدًا اَحَدًا صَـمَدًا لَمْ يَتَّـخِـذْ صَـاحِبَةً وَّ لَا وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَـدٌ" عَشَرَ مَرَّاتٍ كُتِبَتْ لَـهٗ اَرْبَعُوْنَ اَلْفَ حَسَنَةٍ. (اخرجه احمد قلت اخرج الحاكم شواهده بالفاظ مختلفة)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَاحِـدًا اَحَدًا صَمَدًا لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَّ لَا وَلَدًا وَّلَـمْ يَـكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَـدٌ" کو دس مرتبہ پڑھے گا چالیس ہزار نیکیاں اس کے لئے لکھی جائیں گی۔

ف: کلمۂ طیبہ کی خاص خاص مقدار پر بھی حدیث کی کتابوں میں بڑی فضیلتیں ذکر فرمائی گئی ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے: جب تم فرض نماز پڑھا کرو تو ہر فرض نماز کے بعد دس مرتبہ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" پڑھا کرو۔ اس کا ثواب ایسا ہے کہ جیسے ایک غلام آزاد کیا۔

(۳۵) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ قَالَ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ اَحَدًا صَمَدًا لَّمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ" كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ اَلْفَیْ اَلْفِ حَسَنَةٍ. (رواہ الطبرانی، کذا فی الترغیب وفی مجمع الزوائد فیہ فاید ابو الورقاء متروک)

دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ اَحَدًا صَمَدًا لَّمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ" پڑھے اس کے لئے بیس لاکھ نیکیاں لکھی جائیں گی۔

ف: کس قدر اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی طرف سے انعام واحسان کی بارش ہے کہ ایک معمولی سی چیز کے پڑھنے پر جس میں نہ مشقت نہ وقت خرچ ہو، پھر بھی ہزار ہزار، لاکھ لاکھ نیکیاں عطا ہوتی ہیں، لیکن ہم لوگ اس قدر غفلت اور دنیاوی اغراض کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں کہ ان الطاف کی بارشوں سے کچھ بھی وصول نہیں کرتے۔ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے یہاں ہر نیکی کے لئے کم از کم دس گنا ثواب تو متعیّن ہی ہے، بشرطیکہ اِخلاص سے ہو۔ اس کے بعد اِخلاص ہی کے اعتبار سے ثواب بڑھتا رہتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اسلام لانے سے جتنے گناہ حالتِ کفر میں کئے ہیں وہ معاف ہو جاتے ہیں، اس کے بعد پھر حساب ہے۔ ہر نیکی دس گنے سے لے کر سات سو تک اور جہاں تک اللہ چاہیں لکھی جاتی ہے اور برائی ایک ہی لکھی جاتی ہے، اور اگر اللہ جَلَّ شَانُہٗ اس کو معاف فرما دیں تو وہ بھی نہیں لکھی جاتی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ جب بندہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو صرف ارادہ سے ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور جب عمل کرتا ہے تو دس نیکیاں سات سو تک اور اس کے بعد جہاں تک اللہ تعالیٰ شانہٗ چاہیں لکھی جاتی ہیں۔ اس قسم کی اور بھی احادیث بکثرت ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے یہاں دینے میں کمی نہیں، کوئی لینے والا ہو، یہی چیز اللہ والوں کی نگاہ میں ہوتی ہے جس کی وجہ سے دنیا کی بڑی سے بڑی دولت بھی ان کو نہیں لبھا سکتی۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنْهُمْ۔

حضورِ اقدس ﷺ کا اِرشاد ہے کہ اعمال چھ طریقے کے ہیں اور آدمی چار طریقے کے: دو عمل تو واجب کرنیوالے ہیں، اور دو برابر سرابر، اور ایک دس گنا، اور ایک سات سو گنا۔ دو عمل

جو واجب کرنے والے ہیں: ایک یہ کہ جو شخص اس حال میں مرے کہ شرک نہ کرتا ہو وہ ضرور جنّت میں داخل ہوگا، دوسرے جو شخص شرک کی حالت میں مرے ضرور جہنّم میں جائے گا۔ اور جو عمل برابر سرابر ہے وہ نیکی کا ارادہ ہے کہ دل اس کے لئے پختہ ہوگیا ہو (مگر اس عمل کی نوبت نہ آئی ہو)، اور دس گنا اجر ہے اگر عمل بھی کرلے، اور اللہ کے راستہ میں (جہاد وغیرہ میں) خرچ کرنا سات سو درجہ کا اجر رکھتا ہے۔ اور گناہ اگر کرے تو ایک کا بدلہ ایک ہی ہے۔ اور چار قسم کے آدمی یہ ہیں کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ جن پر دنیا میں وسعت ہے، آخرت میں تنگی ہے، بعض ایسے ہیں جن پر دنیا میں تنگی ہے آخرت میں وُسعت، بعض ایسے ہیں کہ جن پر دونوں جگہ تنگی ہے (کہ دنیا میں فقر، آخرت میں عذاب ہے)۔ بعض ایسے ہیں کہ دونوں جہان میں وسعت ہے۔ ایک شخص حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں نے سنا ہے آپ یہ نقل کرتے ہیں کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ بعض نیکیوں کا بدلہ دس لاکھ گنا عطا فرماتے ہیں؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ میں نے، خدا کی قسم! ایسا ہی سنا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ بعض نیکیوں کا ثواب بیس لاکھ تک ملتا ہے اور جب حق تعالیٰ شانہٗ "یُضٰعِفُهَا وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا" (النساء: ٤٠) ارشاد فرمائیں (اس کے ثواب کو بڑھاتے ہیں اور اپنے پاس سے بہت سا اجر دیتے ہیں) جس چیز کو اللہ تعالیٰ اجرِ عظیم فرمائیں اس کی مقدار کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ثواب کی اتنی بڑی مقداریں جب ہی ہوسکتی ہیں جب ان الفاظ کے معانی کا تصور اور لحاظ کرکے پڑھے کہ یہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی اہم صفات ہیں۔

(۳۶) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: مَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ یَتَوَضَّاُ، فَیُبْلِغُ اَوْ فَیُسْبِغُ الْوُضُوْءَ، ثُمَّ یَقُوْلُ: "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص وضو کرے اور اچھی طرح کرے (یعنی سنتوں اور آداب کی پوری رعایت کرے) پھر یہ دعا پڑھے: "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" اس کے لئے

الثَّمَانِيَةُ، يَدْخُلُ مِنْ اَيِّهَا شَآءَ" .(رواه مسلم

جنّت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس دروازے سے دل چاہے داخل ہو۔

و ابو داود وابن ماجة وفيه لا: "فَيُحْسِنُ الْوُضُوْءَ" زاد ابو داود "ثُمَّ يَرْفَعُ طَرْفَهُ اِلَى السَّمَآءِ، ثُمَّ يَقُوْلُ" فذكره ورواه الترمذى كابى داود وزاد "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِىْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِىْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ" الحديث وتكلم فيه، كذا فى الترغيب، زاد السيوطى فى الدر ابن أبى شيبة والدارمى)

ف: جنّت میں داخل ہونے کے لئے ایک دروازہ بھی کافی ہے، پھر آٹھوں کا کھل جانا یہ غایتِ اِعزاز واِکرام کے طور پر ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص اس حال میں مرے کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو اور ناحق کسی کا خون نہ کیا ہو وہ جنّت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو۔

(۳۷) عَنْ اَبِى الدَّرْدَآءِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يَقُوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِائَةَ مَرَّةٍ اِلَّا بَعَثَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ وَجْهُهُ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، وَلَمْ يُرْفَعْ لِاَحَدٍ يَوْمَئِذٍ عَمَلٌ اَفْضَلُ مِنْ عَمَلِهٖ اِلَّا مَنْ قَالَ مِثْلَ قَوْلِهٖ اَوْ زَادَ.

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص سو مرتبہ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" پڑھا کرے حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن اس کو ایسا روشن چہرہ والا اٹھائیں گے جیسے چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے اور جس دن یہ تسبیح پڑھے اس دن اس سے اَفضل عمل والا وہی شخص ہوسکتا ہے جو اس سے زیادہ پڑھے۔

(رواه الطبرانى وفيه عبدالوهاب بن ضحاك متروك، كذا فى مجمع الزوائد، قلت: هو من رواة ابن ماجة ولاشك أنهم ضعفوه جدًا، إلا أنّ معناه مؤيد بروايات، منها ماتقدم من روايات يحيى بن طلحة ولاشك أنه أفضل الذكر، وله شاهد من حديث أمّ هانى الاتى)

ف: متعدّد آیات وروایات سے یہ مضمون ثابت ہوتا ہے کہ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" دِل کے لئے بھی نور ہے اور چہرے کے لئے بھی نور ہے اور یہ تو مشاہدہ بھی ہے کہ جن اکابر کا اس کلمہ کی کثرت معمول ہے ان کا چہرہ دنیا میں ہی نورانی ہوتا ہے۔

(۳۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اِفْتَحُوْا عَلٰى صِبْيَانِكُمْ اَوَّلَ كَلِمَةٍ بِلَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَلَقِّنُوْهُمْ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بچہ کو شروع میں جب وہ بولنا سیکھنے لگے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" یاد کراؤ اور جب مرنے کا وقت آئے جب

عِنْدَ الْمَوْتِ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِنَّهٗ مَنْ كَانَ اَوَّلُ كَلَامِهٖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاٰخِرُ كَلَامِهٖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، ثُمَّ عَاشَ اَلْفَ سَنَةٍ لَمْ يُسْئَلْ عَنْ ذَنْبٍ وَاحِدٍ.

(موضوع، ابن محمویة وأبوه مجهولان، وفد ضعف البخاری ابراهیم بن مهاجر، حکاه السیوطی عن ابن الجوزی، ثم تعقبه بقوله الحدیث فی المستدرك، وأخرجه البیهقی فی الشعب عن الحاکم وقال: متن غریب لم نکتبه إلا بهذا الاسناد و أورده الحافظ ابن حجر فی امالیه ولم یقدح فیه بشئ، إلا أنه قال: ابراهیم فیه لین، وقد اخرج له مسلم فی المتابعات، کذا فی اللآلی، وذکره السیوطی فی شرح الصدور ولم یقدح فیه بشئ، قلت: وقد ورد فی التلقین أحادیث کثیرة ذکرها الحافظ فی التلخیص، وقال فی جملة من رواها وعن عروة بن مسعود الثقفی رواه العقیلی باسناد ضعیف، ثم قال: روی فی الباب احادیث صحاح عن غیر واحد من الصحابة، ورواه ابن أبی الدنیا فی کتاب المحتضرین من طریق عروة بن مسعود، عن أبیه عَنْ حُذَيْفَةَ "بلفظ لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِنَّهَا تَهْدِمُ مَا قَبْلَهَا مِنَ الْخَطَايَا" وروی فیه أیضًا عن عمر وعثمان وابن مسعود و أنس وغیرهم ﷺ وفی الجامع الصغیر "لقنوا موتاکم لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ "رواه أحمد ومسلم و الأربعة عن أبی سعید و مسلم وابن ماجة عن أبی هریرة والنسائی عن عائشة ورقم له بالصحة. وفی الحصن: اِذَا اَفْصَحَ الْوَلَدُ فَلْيُعَلِّمْهُ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" وفی الحرز رواه ابن السنی عن عمرو بن العاص. قلت: ولفظه فی عمل الیوم واللیلة عن عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ وَجَدْتُ فِیْ كِتَابِ جَدِّی الَّذِیْ حَدَّثَهٗ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "اِذَا اَفْصَحَ اَوْلَادُكُمْ فَعَلِّمُوْهُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، ثُمَّ لَا تُبَالُوْا مَتٰى مَاتُوْا وَاِذَا اَنْفَرُوْا فَمُرُوْهُمْ بِالصَّلٰوةِ" وَفِی الجامع الصغیر بروایة أحمد وأبی داود والحاکم عَنْ مُعَاذٍ ﷺ "مَنْ كَانَ اٰخِرُ كَلَامِهٖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ" ورقم له بالصحة وفی مجمع الزوائد عَنْ عَلِیٍّ ﷺ رَفَعَهٗ "مَنْ كَانَ اٰخِرُ كَلَامِهٖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَمْ يَدْخُلِ النَّارَ" وفی غیر روایة مرفوعة "مَنْ لُقِّنَ عِنْدَ الْمَوْتِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ"۔

ف: تلقین اس کو کہتے ہیں کہ مرتے وقت آدمی کے پاس بیٹھ کر کلمہ پڑھا جائے تا کہ اس کو سن کر وہ بھی پڑھنے لگے۔ اس پر اس وقت جبر یا تقاضا نہیں کرنا چاہئے کہ وہ شدتِ تکلیف میں ہوتا ہے۔ اخیر وقت میں کلمہ تلقین کرنے کا حکم اور بھی بہت سی احادیثِ صحیحہ

میں وارد ہوا ہے۔ متعدد حدیثوں میں یہ بھی ارشاد نبوی وارد ہے کہ جس شخص کو مرتے وقت "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" نصیب ہو جائے اس کے گناہ ایسے گر جاتے ہیں جیسے سیلاب کی وجہ سے تعمیر۔ بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جس شخص کو مرتے وقت یہ مبارک کلمہ نصیب ہو جاتا ہے تو پچھلی خطائیں معاف ہو جاتی ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ منافق کو اس کلمہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اپنے مُردوں کو "لَآ اِلٰــہَ اِلَّا اللّٰہُ" کا توشہ دیا کرو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی بچہ کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کہنے لگے، اس سے حساب معاف ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے جو شخص نماز کی پابندی کرتا ہے مرنے کے وقت ایک فرشتہ اس کے پاس آتا ہے جو شیطان کو دور کر دیتا ہے اور مرنے والے کو "لَآ اِلٰــہَ اِلَّا اللّٰــہُ مُــحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" تلقین کرتا ہے۔ ایک بات کثرت سے تجربہ میں آئی ہے کہ اکثر و بیشتر تلقین کا فائدہ جب ہی ہوتا ہے کہ زندگی میں بھی اس پاک کلمہ کی کثرت رکھتا ہو۔ ایک شخص کا قِصّہ لکھا ہے کہ بھُس فروخت کیا کرتا تھا، جب اس کے مرنے کا وقت قریب آیا تو لوگ اس کو کلمہ طیبہ کی تلقین کرتے تھے اور وہ کہتا تھا کہ کہ یہ گٹھا اتنے کا ہے اور یہ اتنے کا ہے۔ اسی طرح اور بھی متعدد واقعات ''نُزْہَۃُ الْبَسَاتِین'' میں بھی لکھے ہیں اور مشاہدہ میں بھی آتے ہیں۔

بسا اوقات کسی گناہ کا کرنا بھی اس کا سبب بن جاتا ہے کہ مرتے وقت کلمہ طیبہ نصیب نہیں ہوتا۔ علماء نے لکھا ہے کہ افیون کھانے میں ستر نقصان ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ مرتے وقت کلمہ یاد نہیں آتا۔ اس کے بالمقابل مسواک میں ستر فائدے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ مرتے وقت کلمہ طیبہ یاد آتا ہے۔ ایک شخص کا قصہ لکھا ہے کہ مرتے وقت اس کو کلمہ شہادت تلقین کیا گیا، وہ کہنے لگا کہ اللہ سے دعا کرو میری زبان سے نکلتا نہیں۔ لوگوں نے پوچھا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا: میں تولنے میں بے احتیاطی کرتا تھا۔ ایک دوسرے شخص کا قصہ ہے کہ جب اس کو تلقین کی گئی تو کہنے لگا کہ مجھ سے کہا نہیں جاتا۔ لوگوں نے پوچھا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا: کہ ایک عورت مجھ سے تولیہ خریدنے آئی تھی، مجھے وہ اچھی لگی، میں اس کو دیکھتا رہا۔ اور بھی بہت سے واقعات اس نوع کے ہیں جن میں سے بعض ''تذکرۂ قرطبیہ''

میں بھی لکھے ہیں۔ بندہ کا کام ہے کہ گناہوں سے توبہ کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ شانہٗ سے توفیق کی دعا کرتا رہے۔

(۳۹) عَنْ اُمِّ هَانِئٍ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" لَايَسْبِقُهَا عَمَلٌ وَ لَا تَتْرُكُ ذَنْبًا.

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" سے نہ تو کوئی عمل بڑھ سکتا ہے اور نہ یہ کلمہ کسی گناہ کو چھوڑ سکتا ہے۔

(رواه ابن ماجة، كذا في منتخب كنز العمال، قلت: وأخرجه الحاكم في حديث طويل و صححه، ولفظه "قَوْلُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ لَا يَتْرُكُ ذَنْبًا وَلَا يَشْبَهُهَا عَمَلٌ" . وتعقب عليه الذهبي بأن زكريا ضعيف، وسقط بين مُحَمَّدٍ وَأُمِّ هانئ و ذكره في الجامع برواية ابن ماجة ورقم له بالضعف)

ف: کسی عمل کا اس سے نہ بڑھ سکنا تو ظاہر ہے کہ کوئی بھی عمل ایسا نہیں ہے جو بغیر کلمہ طیبہ پڑھے کارآمد ہوسکتا ہو۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ غرض ہر عمل ایمان کا محتاج ہے۔ اگر ایمان ہے تو وہ اعمال بھی مقبول ہو سکتے ہیں ورنہ نہیں اور کلمہ طیبہ جو خود ایمان لانا ہی ہے وہ کسی عمل کا بھی محتاج نہیں۔ اسی وجہ سے اگر کوئی شخص فقط ایمان رکھتا ہو اور ایمان کے علاوہ کوئی عمل صالح نہ ہو تو بھی وہ کسی نہ کسی وقت ان شاء اللہ جنّت میں ضرور جائے گا اور جو شخص ایمان نہ رکھتا ہو خواہ وہ کتنے ہی پسندیدہ اعمال کرے نجات کے لئے کافی نہیں۔ دوسرا جزو کسی گناہ کو نہ چھوڑنا ہے، اگر اس اعتبار سے دیکھا جائے کہ جو شخص آخری وقت میں مسلمان ہو اور کلمہ طیبہ پڑھنے کے بعد فوراً ہی مر جائے تو ظاہر ہے کہ اس ایمان لانے سے پہلے کفر کی حالت میں جتنے گناہ کئے تھے وہ سب بالاِجماع جاتے رہے۔ اور اگر پہلے سے پڑھنا مراد ہو تو حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ یہ کلمہ دِلوں کی صفائی اور صَیْقَل ہونے کا ذریعہ ہے۔ جب اس پاک کلمہ کی کثرت ہوگی تو دِل کی صفائی کی وجہ سے توبہ کئے بغیر چین ہی نہ پڑے گا اور آخر کار گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن جائے گا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص کو سونے کے وقت اور جاگنے کے وقت "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کا اہتمام ہو اس کو دنیا بھی آخرت پر مستعد کرے گی اور مصیبت سے اس کی حفاظت کرے گی۔

(۴۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَ سَبْعُوْنَ شُعْبَةً، فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ، وَالْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ.

(رواہ الستة وغیرھم بالفاظ مختلفة واختلاف یسیر فی العدد وغیرہ، وھذا آخر ما اردت ایرادہ فی ھذا الفصل رعایة لعدد الاربعین. واللہ الموفق لما یحب ویرضی)

حضور ﷺ کا اِرشاد ہے کہ ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں (بعض روایات میں ستتر آئی ہیں) ان میں سب سے افضل "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کا پڑھنا ہے اور سب سے کم درجہ راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز (اینٹ لکڑی کانٹے وغیرہ) کا ہٹا دینا ہے اور حَیا بھی ایک خصوصی شعبہ ہے ایمان کا۔

ف: حَیا کو خصوصی اِہتمام کی وجہ سے ذکر فرمایا کہ یہ بہت سے گناہوں زنا، چوری، فحش گوئی، ننگا ہونا، گالی گلوچ وغیرہ سے بچنے کا سبب ہے۔ اسی طرح رسوائی کے خیال سے بہت سے نیک کام کرنے ضروری ہو جاتے ہیں، بلکہ دنیا اور آخرت کی شرم سارے ہی نیک کاموں پر ابھارتی ہے۔ نماز، زکوٰۃ، حج وغیرہ تو ظاہر ہیں، اسی طرح سے اور بھی تمام اَحکام بجالانے کا سبب ہے۔ اسی وجہ سے مَثَل مشہور ہے "تُو بے حَیا باش وہر چہ خواہی کن" تُو بے غیرت ہو جا، پھر جو چاہے کر۔ اس معنی میں صحیح حدیث بھی وارد ہے: "اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ" جب تُو حیادار نہ رہے تو پھر جو چاہے کر، ساری فکر غیرت اور شرم ہی کی ہے، اگر حَیا ہے تو یہ خیال بھی ضروری ہے کہ نماز نہ پڑھوں گا تو آخرت میں کیا منہ دکھلاؤں گا اور شرم نہیں ہے تو پھر یہ خیال ہوتا ہے کہ کوئی کہہ کر کیا کرے گا۔

تنبیہ: اس حدیث شریف میں ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں اِرشاد فرمائی ہیں۔ اس بارے میں روایات مختلف وارد ہوئی ہیں اور متعدِد روایات میں ستتر کا عدد آیا ہے، اسی لئے ترجمہ میں اس طرف اشارہ بھی کر دیا تھا۔ ان ستتر کی تفصیل میں علماء نے بہت سی مستقل تصانیف فرمائی ہیں۔ امام ابو حاتم بن حَبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کا مطلب ایک مدت تک سوچتا رہا۔ جب عبادتوں کو گنتا تو وہ ستتر سے بہت زیادہ ہو جاتیں۔ احادیث کو تلاش کرتا اور حدیث شریف میں جن چیزوں کا خاص طور سے ایمان کی شاخوں

کے ذیل میں ذکر کیا ہے ان کو شمار کرتا تو وہ اس عدد سے کم ہو جاتیں۔ میں قرآن پاک کی طرف متوجہ ہوا اور قرآن شریف میں جن چیزوں کو ایمان کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔ ان کو شمار کیا تو وہ بھی اس عدد سے کم تھیں، تو میں نے قرآن اور حدیث شریف دونوں کو جمع کیا اور دونوں میں جن چیزوں کو ایمان کا جزو قرار دیا، اُن کو شمار کر کے جو چیزیں دونوں میں مشترک تھیں ان کو ایک ایک عدد شمار کر کے میزان دیکھی، تو دونوں کا مجموعہ مکررات کو نکال کر اس عدد کے موافق ہو گیا، تو میں سمجھا کہ حدیث شریف کا مفہوم یہی ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک جماعت نے ان شاخوں کی تفصیل بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے اور اجتہاد سے ان تفصیلات کے مراد ہونے کا حکم لگایا ہے۔ حالانکہ اس مقدار کی خصوصی تفصیل نہ معلوم ہونے سے ایمان میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا جب کہ ایمان کے اصول وفروع سارے بالتفصیل معلوم ومُحقق ہیں۔ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس تعداد کی تفصیل اللہ کے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں ہے اور شریعتِ مُطہّرہ میں موجود ہے تو اس تعداد کے ساتھ تفصیل کا علم نہ ہونا کچھ مضر نہیں۔

اِمام نَوَوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شاخوں میں سب سے اعلیٰ توحید یعنی کلمہ "لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ" کو قرار دیا ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ ایمان میں سب سے اوپر اس کا درجہ ہے، اس سے اوپر کوئی چیز ایمان کی شاخ نہیں ہے، جس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ اصل توحید ہے جو ہر مکلّف پر ضروری ہے اور سب سے نیچے دفع کرنا ہے اس چیز کا جو کسی مسلمان کو نقصان پہنچانے کا احتمال رکھتی ہو۔ باقی سب شاخیں ان کے درمیان ہیں جن کی تفصیل معلوم ہونا ضروری نہیں، اجمالاً ان پر ایمان لانا کافی ہے جیسا کہ سب فرشتوں پر ایمان لانا ضروری ہے، لیکن ان کی تفصیل اور ان کے نام ہم نہیں جانتے لیکن ایک جماعت محدثین نے ان سب شاخوں کی تفصیل میں مختلف تصانیف فرمائی ہیں۔ چنانچہ ابوعبداللہ حلیمی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب اسی مضمون میں تصنیف فرمائی ہے جس کا نام ''فوائد المِنہاج'' رکھا ہے اور امام بَیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام ہی ''شُعَبُ الاِیمان'' رکھا ہے۔ اسی طرح شیخ عبدالجلیل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک کتاب لکھی ہے اس کا نام

بھی ''شُعَبُ الایمان'' رکھا ہے اور اسحاق بن قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب النصائح'' اسی مضمون میں تصنیف فرمائی ہے اور امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کا نام ''وصف الایمان وشُعَبہ'' رکھا ہے۔ شُرّاحِ بخاری نے اس باب میں مختلف تصانیف سے تلخیص کرتے ہوئے ان کو مختصر طور پر جمع فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دراصل ایمانِ کامل تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے: اوّل تصدیقِ قلبی، یعنی دل سے جملہ امور کا یقین کرنا۔ دوسرے زبان کا اقرار وعمل۔ تیسرے بدن کے اعمال، یعنی ایمان کی جملہ شاخیں تین حصوں پر منقسم ہیں: اول وہ جن کا تعلق نیت واعتقاد اور عملِ قلبی سے ہے۔ دوسرے وہ جن کا تعلق زبان سے ہے۔ تیسرے وہ جن کا تعلّق باقی حصۂ بدن سے ہے۔ ایمان کی جملہ چیزیں ان تین میں داخل ہیں۔

پہلی قسم: جو تمام عقائد کو شامل ہے اس کا خلاصہ تیس چیزیں ہیں۔

(۱) اللہ پر ایمان لانا جس میں اس کی ذات، اس کی صفات پر ایمان لانا داخل ہے اور اس کا یقین بھی کہ وہ پاک ذات ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ اس کا کوئی مثل ہے۔ (۲) اللہ کے ماسوا سب چیزیں بعد کی پیداوار ہیں۔ ہمیشہ سے وہی ایک ذات ہے۔ (۳) فرشتوں پر ایمان لانا۔ (۴) اللہ کی اتاری ہوئی کتابوں پر ایمان لانا۔ (۵) اللہ کے رسولوں پر ایمان لانا۔ (۶) تقدیر پر ایمان لانا کہ بھلی ہو یا بُری، سب اللہ کی طرف سے ہے۔ (۷) قیامت کے حق ہونے پر ایمان لانا جس میں قبر کا سوال جواب، قبر کا عذاب، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا، حساب ہونا، اعمال کا تُلنا اور پل صراط پر گذرنا سب ہی داخل ہے۔ (۸) جنّت کا یقین ہونا اور یہ کہ مؤمن ان شاء اللہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ (۹) جہنّم کا یقین ہونا اور یہ کہ اس میں سخت سے سخت عذاب ہیں اور وہ بھی ہمیشہ ہمیشہ رہے گی۔ (۱۰) اللہ تعالیٰ شانہٗ سے محبت رکھنا۔ (۱۱) اللہ کے واسطے دوسروں سے محبت رکھنا، اور اللہ ہی کے واسطے بغض رکھنا (یعنی اللہ والوں سے محبت رکھنا اور اس کی نافرمانی کرنے والوں سے بغض رکھنا) اور اسی میں داخل ہے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، بالخصوص مہاجرین اور انصار کی محبت اور آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت۔ (۱۲) حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا جس میں آپ کی تعظیم بھی آگئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا بھی اور آپ کی سنتوں کا اتباع کرنا بھی داخل ہے۔

(۱۳) اِخلاص، جس میں رِیا نہ کرنا اور نفاق سے بچنا بھی داخل ہے۔ (۱۴) توبہ یعنی دل سے گناہوں پر ندامت اور آئندہ نہ کرنے کا عہد۔ (۱۵) اللہ کا خوف۔ (۱۶) اللہ کی رحمت کا امید وار ہونا۔ (۱۷) اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ (۱۸) شکر گذاری۔ (۱۹) وفا (۲۰) صبر (۲۱) تواضع جس میں بڑوں کی تعظیم بھی داخل ہے۔ (۲۲) شفقت و رحمت، جس میں بچوں پر شفقت کرنا بھی داخل ہے۔ (۲۳) مقدر پر راضی ہونا۔ (۲۴) تَوَکل (۲۵) خود بینی اور خودستائی کا چھوڑنا جس میں اِصلاح نفس بھی داخل ہے۔ (۲۶) کینہ اور خلش نہ رکھنا جس میں حسد بھی داخل ہے۔ (۲۷) ''عینی'' میں یہ نمبر رہ گیا ہے میرے خیال میں اس جگہ حَیا کرنا ہے، جو کاتب کی غلطی سے رہ گیا ہے۔ (۲۸) غصہ نہ کرنا (۲۹) فریب نہ دینا جس میں بدگمانی نہ کرنا اور کسی کے ساتھ مکر نہ کرنا بھی داخل ہے۔ (۳۰) دنیا کی محبت دل سے نکال دینا جس میں مال کی اور جاہ کی محبت بھی داخل ہے۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اُمورِ بالا میں دل کے تمام اعمال داخل ہیں۔ اگر کوئی چیز بظاہر خارج معلوم ہو تو وہ غور سے ان نمبروں میں سے کسی نہ کسی نمبر میں داخل ہوگی۔

دوسری قسم: زبان کا عمل تھا، اس کے سات شعبے ہیں:

(۱) کلمۂ طیّبہ کا پڑھنا (۲) قرآنِ پاک کی تلاوت کرنا (۳) علم سیکھنا (۴) علم دوسروں کو سکھانا (۵) دعا کرنا (۶) اللہ کا ذکر، جس میں استغفار بھی داخل ہے (۷) لَغو باتوں سے بچنا۔

تیسری قسم: باقی بدن کے اعمال ہیں، یہ کل چالیس ہیں جو تین حصوں پر منقسم ہیں۔

پہلا حصّہ: اپنی ذاتوں سے تعلّق رکھتا ہے، یہ سولہ شاخیں ہیں:

(۱) پاکی حاصل کرنا، جس میں بدن کی پاکی، کپڑے کی پاکی، مکان کی پاکی، سب ہی داخل ہیں اور بدن کی پاکی میں وضو بھی داخل ہے اور حیض و نفاس اور جنابت کا غسل بھی (۲) نماز کی پابندی کرنا، اس کو قائم[1] کرنا، جس میں فرض، نفل، ادا، قضا، واجب سب داخل ہے۔ (۳) صدقہ جس میں زکوٰۃ، صدقۂ فطر وغیرہ بھی داخل ہے اور بخشش کرنا، لوگوں کو کھانا

---

[1] نماز کا قائم کرنا اسکے آداب وشرائط کی رعایت کرتے ہوئے ادا کرنے کا نام ہے جیسا کہ فضائلِ نماز کے تیسرے باب میں مذکور ہے۔

کھلانا، مہمان کا اکرام کرنا اور غلاموں کا آزاد کرنا بھی داخل ہے۔ (۴) روزہ، فرض ہو یا نفل (۵) حج کرنا، فرض ہو یا نفل اور اسی میں عمرہ بھی داخل ہے اور طواف بھی۔ (۶) اعتکاف کرنا، جس میں لَیْلَۃُ القَدْر کو تلاش کرنا بھی داخل ہے۔ (۷) دین کی حفاظت کے لئے گھر چھوڑنا جس میں ہجرت بھی داخل ہے۔ (۸) نذر کا پورا کرنا۔ (۹) قسموں کی نگہداشت رکھنا۔ (۱۰) کفاروں کا ادا کرنا۔ (۱۱) ستر کا نماز میں اور نماز کے علاوہ ڈھانکنا۔ (۱۲) قربانی کرنا اور قربانی کے جانوروں کی خبر گیری کرنا، اور ان کا اہتمام کرنا۔ (۱۳) جنازہ کا اہتمام کرنا، اس کے جملہ امور کا انتظام کرنا۔ (۱۴) قرض کا ادا کرنا۔ (۱۵) معاملات کا درست کرنا، سود سے بچنا۔ (۱۶) سچی بات کی گواہی دینا، حق کو نہ چھپانا۔

دوسرا حصّہ: کسی دوسرے کے ساتھ کے برتاؤ کا ہے۔ اس کی چھ شاخیں ہیں:

(۱) نکاح کے ذریعہ سے حرام کاری سے بچنا۔ (۲) اہل وعیال کے حقوق کی رعایت کرنا اور ان کا ادا کرنا، اس میں نوکروں اور خادموں کے حقوق بھی داخل ہیں۔ (۳) والدین کے ساتھ سُلوک کرنا، نرمی برتنا، فرمانبرداری کرنا۔ (۴) اولاد کی اچھی تربیت کرنا۔ (۵) صلہ رحمی کرنا (۶) بڑوں کی فرمانبرداری اور اطاعت کرنا۔

تیسرا حصّہ: حقوقِ عامہ کا ہے جو اٹھارہ شعبوں پر منقسم ہے:

(۱) عدل کے ساتھ حکومت کرنا (۲) حقانی جماعت کا ساتھ دینا (۳) حکام کی اطاعت کرنا (بشرطیکہ خلافِ شرع حکم نہ ہو) (۴) آپس کے معاملات کی اِصلاح کرنا جس میں مفسِدوں کو سزا دینا، باغیوں سے جہاد کرنا بھی داخل ہے۔ (۵) نیک کاموں میں دوسروں کی مدد کرنا (۶) نیک کاموں کا حکم کرنا اور بری باتوں سے روکنا، جس میں وعظ وتبلیغ بھی داخل ہے۔ (۷) حدود کا قائم کرنا (۸) جہاد کرنا، جس میں مورچوں کی حفاظت بھی داخل ہے (۹) امانت کا ادا کرنا، جس میں خُمس جو غنیمت کے مالوں میں ہوتا ہے وہ بھی داخل ہے (۱۰) قرض کا دینا اور ادا کرنا (۱۱) پڑوسیوں کا حق ادا کرنا، ان کا اِکرام کرنا۔ (۱۲) معاملہ اچھا کرنا، جس میں جائز طریقہ سے مال کا جمع کرنا بھی داخل ہے (۱۳) مال کا اپنے

محل (موقع) پر خرچ کرنا، اِسراف اور بخل سے بچنا بھی اس میں داخل ہے۔ (۱۴) سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا (۱۵) چھینکنے والے کو "یَرْحَمُكَ اللّٰه" کہنا (۱۶) دنیا کو اپنے نقصان سے اپنی تکلیف سے بچانا (۱۷) لہو ولَعِب سے بچنا (۱۸) راستہ سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا۔

یہ ستتر شاخیں ہوئیں، ان میں بعض کو ایک دوسرے میں مُنضم بھی کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ اچھے معاملہ میں مال کا جمع کرنا اور خرچ کرنا دونوں داخل ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح سے غور سے اور بھی اعداد کو کم کیا جا سکتا ہے اور اس لحاظ سے ستر والی روایت یا سڑسٹھ والی روایت کے تحت میں بھی یہ تفصیل آ سکتی ہے۔ اس تفصیل میں بندہ نے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو جو بخاری شریف کی شرح میں ہے اصل قرار دیا ہے کہ انہوں نے نمبر وار ان چیزوں کو ذکر فرمایا ہے اور حافظِ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی "فتح الباری" اور علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ کی "مرقات" سے توضیح و اِضافہ کیا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ ایمان کے سارے شعبے مجملاً یہ ہیں جو مذکور ہوئے۔ آدمی کو چاہئے کہ ان میں غور وفکر کرے جو اوصاف اس میں ان میں سے پائے جاتے ہیں ان پر اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا شکر ادا کرے کہ اسی کی توفیق ولطف سے ہر بھلائی حاصل ہو سکتی ہے اور جن اوصاف میں کمی ہو ان کے حاصل کرنے کی سعی کرے اور اللہ تعالیٰ سے ان کے حصول کی توفیق مانگتا رہے۔ وَ مَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

تیسرا باب

کلمۂ سوم کے فضائل میں

یعنی "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ" اور بعض روایات میں ان کلمات کے ساتھ "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ" بھی وارد ہوا ہے۔ احادیث میں ان کلمات کی بہت زیادہ فضیلت آئی ہے، یہ کلمات تسبیحاتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نام سے بھی مشہور ہیں، اس لئے کہ یہ کلمات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب سے زیادہ لاڈلی صاحبزادی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی تعلیم فرمائے ہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ اس باب میں بھی چونکہ کلام پاک کی آیات اور احادیث بکثرت وارد ہوئی ہیں اس لئے دو فصلوں پر اس کو منقسم کردیا: پہلی فصل آیاتِ قرآنیہ میں، دوسری احادیثِ نبویہ میں۔

فصلِ اول

ان آیات کے بیان میں جن میں "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ" کا مضمون ذکر فرمایا گیا ہے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جو چیز جتنی مہتم بالشان ہوتی ہے اتنے ہی اہتمام سے ذکر کی جاتی ہے اور مختلف طریقہ سے ذہن نشین کی جاتی ہے۔ چنانچہ ان کلمات کا مفہوم بھی قرآن پاک میں مختلف طریقوں سے ذکر فرمایا گیا ہے۔ ان میں سب سے پہلا کلمہ "سُبْحَانَ اللّٰہِ" ہے۔ "سُبْحَانَ اللّٰہِ" کے معنی ہیں اللہ جَلَّ شَانُہٗ ہر عیب اور برائی سے پاک ہے۔ میں اس کی پاکی کا پورا پورا اقرار کرتا ہوں، اس مضمون کو حکم سے بھی ذکر فرمایا ہے کہ اللہ کی پاکی بیان کرو۔ خبر سے بھی اِرشاد فرمایا ہے کہ فرشتے اور دوسری مخلوقات اللہ کی پاکی کا اقرار و بیان کرتی رہتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح دوسرے الفاظ کا بھی یہی حال ہے کہ مختلف عنوانات سے کلام اللہ شریف میں ان مضامین کا ذکر فرمایا ہے۔

(۱) وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط (البقرۃ: ۳۰) (فرشتوں کا مقولہ انسان کی پیدائش کے وقت) ہم بحمدِ اللہ آپ کی تسبیح کرتے

رہتے ہیں اور آپ کی پاکی کا دل سے اقرار کرتے رہتے ہیں۔

(۲) قَالُوْا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ○ (البقرۃ: ۳۲)

(ملائکہ کا جب بمقابلہ انسان امتحان ہوا تو) کہا: آپ تو ہر عیب سے پاک ہیں، ہم کو تو اس کے سوا کچھ بھی علم نہیں جتنا آپ نے بتا دیا ہے۔ بیشک آپ بڑے علم والے ہیں، بڑی حکمت والے ہیں۔

(۳) وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّ سَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ. (آل عمران: ۴۱)

اور اپنے رب کو بکثرت یاد کیجیو اور اس کی تسبیح کیجیو دن ڈھلے بھی اور صبح کے وقت بھی۔

(۴) رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ (آلِ عمران: ۱۹۱)

(سمجھ دار لوگ جو اللہ کے ذکر میں ہر وقت مشغول رہتے ہیں اور قدرت کے کارناموں میں غور و فکر کرتے رہتے ہیں) یہ کہتے ہیں: اے ہمارے ربّ! آپ نے یہ سب بے فائدہ پیدا نہیں کیا ہے (بلکہ بڑی حکمتیں اس میں ہیں) آپ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے، ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں، آپ ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا دیجئے۔

(۵) سُبْحَانَهٗ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ. (النساء: ۱۷۱)

وہ ذات اس سے پاک ہے کہ اس کے اولاد ہو۔

(۶) قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ط (المائدۃ: ۱۱۶)

(قیامت میں جب حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام سے سوال ہوگا کہ اپنی امت کو تثلیث کی تعلیم کیا تم نے دی تھی تو) وہ کہیں گے (توبہ توبہ!!) میں تو آپ کو (شرک سے اور ہر عیب سے) پاک سمجھتا ہوں، میں ایسی بات کیسے کہتا جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہ تھا۔

(۷) سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ (الانعام: ۱۰۰)

اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ (ان سب باتوں سے) پاک ہے جن کو (یہ کافر لوگ) اللہ کی شان میں کہتے ہیں (کہ اس کے اولاد ہے یا شریک ہے وغیرہ وغیرہ)

(۸) فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (الاعراف:۱۴۳)

(جب طور پر حق تعالیٰ شانہٗ کی ایک تجلّی سے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام بے ہوش ہوکر گر گئے تھے) پھر جب افاقہ ہوا تو عرض کیا کہ بیشک آپ کی ذات (ان آنکھوں کے دیکھنے سے اور ہر عیب سے) پاک ہے۔ میں (دیدار کی درخواست سے) توبہ کرتا ہوں اور سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔

(۹) اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ○ (الاعراف:۲۰۶)

بیشک جو اللہ کے مقرب ہیں (یعنی فرشتے) وہ اس کی عبادت سے تکبّر نہیں کرتے اور اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے رہتے ہیں۔

ف: صوفیاء نے لکھا ہے کہ آیت میں تکبّر کی نفی کو مقدم کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ تکبّر کا اِزالہ عبادات پر اہتمام کا ذریعہ ہے اور تکبّر سے عبادات میں کوتاہی واقع ہوتی ہے۔

(۱۰) سُبْحَانَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ○ (التوبہ:۳۱)

اس کی ذات پاک ہے ان چیزوں سے جن کو وہ (کافر اس کا) شریک بناتے ہیں۔

(۱۱) دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ○ (یونس:۱۰)

(ان جنتیوں کے) منہ سے یہ بات نکلے گی "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ" اور آپس کا ان کا سلام ہوگا: السلام علیکم (اور جب دنیا کی دِقتوں کو یاد کریں گے اور خیال کریں گے کہ اب ہمیشہ کے لئے ان سے خلاصی ہوگئی تو) آخر میں کہیں گے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ"۔

(۱۲) سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ○ (یونس:۱۸)

وہ ذات، پاک اور برتر ہے ان چیزوں سے جن کو وہ کافر شریک بناتے ہیں۔

(۱۳) قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ

وہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے اولاد

هُوَ الْغَنِيُّ ط (یونس:٦٨) — ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں۔

(۱۴) وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (یوسف:۱۰۸) — اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ (ہر عیب سے) پاک ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

(۱۵) وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلَآئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ (الرعد:۱۳) — اور رَعد (فرشتہ) اُس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتا ہے اور دوسرے فرشتے بھی اس کے ڈر سے تسبیح وتحمید کرتے ہیں۔

ف: علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص بجلی کے کڑکنے کے وقت "سُبْحَانَ الَّذِیْ یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ" پڑھے گا اس کو بجلی کے نقصان سے حفاظت حاصل ہوگی۔ ایک حدیث میں بھی آیا ہے کہ جب بجلی کی کڑک سنا کرو تو اللہ کا ذکر کیا کرو، بجلی ذکر کرنے والے تک نہیں جاسکتی۔ دوسری حدیث میں وارد ہے کہ بجلی کی کڑک کے وقت تسبیح کیا کرو، تکبیر نہ کہا کرو۔

(۱۶) وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ○ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ○ (الحجر:۹۷،۹۸،۹۹) — اور ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ (جو نامناسب کلمات آپ کی شان میں) کہتے ہیں ان سے آپ کو دل تنگی ہوتی ہے۔ پس (اس کی پرواہ نہ کیجئے) آپ اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے رہیں اور سجدہ کرنے والوں (یعنی نمازیوں) میں شامل رہیں اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں، یہاں تک کہ آپ کی وفات کا وقت آوے۔

(۱۷) سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ (النحل:۱) — وہ ذات لوگوں کے شرک سے پاک اور بالاتر ہے۔

(۱۸) وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنَاتِ سُبْحَانَهٗ ط وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ○ (النحل:۵۷) — اور وہ اللہ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں، وہ ذات اس سے پاک ہے (اور تماشا یہ

ہے کہ) اپنے لئے تو ایسی چیز تجویز کرتے ہیں جس کو خود پسند کرتے ہیں۔

(۱۹) سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی۔ (بنی اسرائیل:۱)

(ہر عیب سے) پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے (محمد ﷺ) کو رات کے وقت مسجدِ حرام (یعنی مسجد کعبہ) سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی (معراج کا قصہ)۔

(۲۰) سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا ○ (بنی اسرائیل: ۴۳)

یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ شانہٗ اس سے پاک اور بہت زیادہ بلند مرتبہ ہیں۔

(۲۱) تُسَبِّحُ لَہُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْھِنَّ ط (بنی اسرائیل:۴۴)

تمام ساتوں آسمان وزمین اور جتنے (آدمی فرشتے اور جن) ان کے درمیان میں ہیں، سب کے سب اس کی تسبیح کرتے ہیں۔

(۲۲) وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ ط (بنی اسرائیل:۴۴)

(اور یہی نہیں بلکہ) کوئی چیز بھی (جاندار ہو یا بے جان) ایسی نہیں جو اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو، لیکن تم لوگ ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔

(۲۳) قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلاً ○ (بنی اسرائیل:۹۳)

(آپ ان لغو مطالبوں کے جواب میں جو وہ کرتے ہیں) کہہ دیجئے کہ سبحان اللہ! میں تو ایک آدمی ہوں، رسول ہوں (خدا نہیں ہوں کہ جو چاہے کروں)۔

(۲۴) وَیَقُوْلُوْنَ سُبْحَانَ رَبِّنَا اِنْ کَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلاً ○ (بنی اسرائیل:۱۰۸)

(ان علماء پر جب قرآن شریف پڑھا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر جاتے ہیں) اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے۔ بے شک اس کا وعدہ ضرور پورا ہونے والا ہے۔

(۲۵) فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِہٖ مِنَ الْمِحْرَابِ

پس (حضرت زکریا علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) حجرہ

فَاَوْحٰى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ○ (مریم:۱۱)
میں سے باہر تشریف لائے اور اپنی قوم کو اشارہ سے فرمایا کہ تم لوگ صبح اور شام خدا کی تسبیح کیا کرو۔

(۲۶) مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحَانَهٗ ط (مریم:۳۵)
اللہ جل شانہٗ کی یہ شان (ہی) نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے، وہ ان سب قصوں سے پاک ہے۔

(۲۷) وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ج وَمِنْ اٰنَآئِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ○ (طٰہٰ:۱۳۰)
(محمد! آپ ان لوگوں کی نامناسب باتوں پر صبر کیجئے) اور اپنے رب کی حمد (وثنا) کے ساتھ تسبیح کرتے رہا کیجئے آفتاب نکلنے سے پہلے اور غروب سے پہلے اور رات کے اوقات میں تسبیح کیا کیجئے اور دن کے اول و آخر میں تاکہ آپ (اس ثواب اور بے انتہا بدلے پر جو اُن کے مقابلہ میں ملنے والا ہے بے حد) خوش ہو جائیں۔

(۲۸) يُسَبِّحُوْنَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ○ (الانبیاء:۲۰)
(اللہ کے مقبول بندے اس کی عبادت سے تھکتے نہیں) شب و روز اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔ کسی وقت بھی موقوف نہیں کرتے۔

(۲۹) فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ (الانبیاء:۲۲)
اللہ تعالیٰ جو کہ مالک ہے عرش کا، ان سب امور سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں (کہ نعوذ باللہ اس کے شریک ہیں یا اس کے اولاد ہے)۔

(۳۰) وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ط (الانبیاء:۲۶)
یہ (کافر لوگ یہ) کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) رحمٰن نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو) اولاد بنایا ہے، اس کی ذات اس سے پاک ہے۔

(۳۱) وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ
ہم نے پہاڑوں کو داؤد (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام)

يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ط (الانبیاء:۷۹)

کے تابع کر دیا تھا کہ ان کی تسبیح کے ساتھ وہ بھی تسبیح کیا کریں اور (اسی طرح) پرندوں کو (تابع کر دیا تھا کہ وہ بھی حضرت داؤد کی تسبیح کے ساتھ تسبیح کیا کریں)

(۳۲) لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ (الانبیاء:۸۷)

(حضرت یونس علیہ السلام نے تاریکیوں میں پکارا) کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ سب عیوب سے پاک ہیں، میں بے شک قصوروار ہوں۔

(۳۳) سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ (المؤمنون:۹۱)

اللہ تعالیٰ ان سب امور سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں۔

(۳۴) سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ○ (النور:۱۶)

سبحان اللہ! یہ (لوگ جو کچھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں تہمت لگاتے ہیں) بہت بڑا بہتان ہے۔

(۳۵) يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ○ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ○ (النور:۳۶،۳۷)

ان (مسجدوں) میں ایسے لوگ صبح و شام اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جن کو اللہ کی یاد سے اور نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے نہ خریدنا غفلت میں ڈالتا ہے نہ فروخت کرنا۔ وہ ایسے دن (کے عذاب) سے ڈرتے ہیں جس میں بہت سے دِل اور بہت سی آنکھیں الٹ جائیں گی (یعنی قیامت کے دن سے)

(۳۶) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صَآفّٰتٍ ط كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ط وَاللّٰهُ

(اے مخاطب!) کیا تجھے (دلائل اور مشاہدہ سے) یہ معلوم نہیں ہوا کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی تسبیح کرتے ہیں وہ سب جو آسمانوں اور زمین

عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ○ (النور:٤١) میں ہیں اور (خصوصًا) پرندے بھی جو پر پھیلائے ہوئے (اڑتے پھرتے) ہیں، سب کو اپنی اپنی دُعا (نماز) اور اپنی اپنی تسبیح (کا طریقہ) معلوم ہے اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ کو سب کا حال اور جو کچھ لوگ کرتے ہیں وہ سب معلوم ہے۔

(۳۷) قَالُوْا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِيْ لَنَا اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوْا قَوْمًا بُوْرًا○ (الفرقان:١٨)

(قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ ان کافروں کو اور جن کو یہ پوجتے تھے سب کو جمع کر کے ان معبودوں سے پوچھے گا: کیا تم نے ان کو گمراہ کیا تھا؟ تو) وہ کہیں گے: سبحان اللہ! ہماری کیا طاقت تھی کہ آپ کے سوا اور کسی کو کارساز تجویز کرتے، بلکہ یہ (احمق خود ہی بجائے شکر کے کفر میں مبتلا ہوئے) کہ آپ نے ان کو اور ان کے بڑوں کو خوب ثروت عطا فرمائی یہاں تک کہ یہ لوگ (دولت کے نشہ میں شہوتوں میں مبتلا ہوئے اور) آپ کی یاد کو بھلا دیا اور خود ہی برباد ہو گئے۔

(۳۸) وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ط وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا○ (الفرقان:٥٨)

اور اس ذات پاک پر توکّل رکھئے جو زندہ ہے اور کبھی اس کو فنا نہیں اور اسی کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہئے (یعنی تسبیح وتحمید میں مشغول رہئے کسی کی مخالفت کی پرواہ نہ کیجئے) کیونکہ وہ پاک ذات اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے (قیامت میں ہر شخص کی مخالفت کا بدلہ دیا جائے گا)۔

(۳۹) وَسُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ○ (النمل:٨)

اللہ رب العالمین ہر قسم کی کدورت سے پاک ہے۔

(۴۰) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (القصص:٦٨)

اللہ جلّ جلالہٗ ان سب چیزوں سے پاک ہے جن کو یہ مشرک بیان کرتے ہیں اور ان سے بالاتر ہے۔

(۴۱) فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ○ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ○ (الروم:۱۷،۱۸)

پس تم اللہ کی تسبیح کیا کرو شام کے وقت (یعنی رات میں) اور صبح کے وقت اور اسی کی حمد (کی جاتی) ہے تمام آسمانوں میں اور زمین میں اور اسی کی (تسبیح وتحمید کیا کرو) شام کے وقت بھی (یعنی عصر کے وقت بھی) اور ظہر کے وقت بھی۔

(۴۲) سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ (الروم:۴۰)

اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی ذات پاک اور بالاتر ہے ان چیزوں سے جن کو یہ لوگ اس کی طرف (منسوب کرکے) بیان کرتے ہیں۔

(۴۳) اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ○ (السجدة:۱۵)

پس ہماری آیتوں پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو وہ آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرنے لگتے ہیں اور وہ لوگ تکبر نہیں کرتے۔

(۴۴) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ○ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ○ (الاحزاب:۴۱،۴۲)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا ذکر خوب کثرت سے کرو اور صبح شام اس کی تسبیح کرتے رہو۔

(۴۵) قَالُوْا سُبْحَانَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ (سبا:۴۱)

(جب قیامت میں ساری مخلوق کو جمع کرکے حق تعالیٰ شانہٗ فرشتوں سے پوچھیں گے: کیا یہ لوگ تمہاری پرستش کرتے تھے؟ تو) وہ کہیں گے: آپ (شرک وغیرہ عُیوب سے) پاک ہیں، ہمارا تو محض آپ سے تعلّق ہے نہ کہ اُن سے۔

(۴۶) سُبْحَانَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا (یٰسٓ:۳۶)

وہ پاک ذات ہے جس نے تمام جوڑ کی (یعنی ایک دوسرے کے مقابل) چیزیں پیدا کیں۔

(۴۷) فَسُبْحَانَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ

پس پاک ہے وہ ذات جس کے قبضہ میں

كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ (یٰسٓ:۸۳)

ہر چیز کا پورا پورا اختیار ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

(۴۸) فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ○ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ○ (الصافات:۱۴۳،۱۴۴)

پس اگر (یونس علیہ السلام) تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے تو قیامت تک اسی (مچھلی) کے پیٹ میں رہتے۔

(۴۹) سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ (الصافات:۱۵۹)

اللہ کی ذات پاک ہے ان چیزوں سے جن کو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔

(۵۰) وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ○ (الصافات:۱۶۶)

(فرشتے کہتے ہیں کہ ہم سب ادب سے صف بستہ کھڑے رہتے ہیں) اور سب اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔

(۵۱) سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ (الصافات:۱۸۰،۱۸۱،۱۸۲)

آپ کا رب جو عزت (وعظمت) والا ہے پاک ہے ان چیزوں سے جن کو یہ بیان کرتے ہیں اور سلام ہو پیغمبروں پر، اور تمام تعریف اللہ ہی کے واسطے ثابت ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

(۵۲) اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ○ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ط كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ○ (ص:۱۸،۱۹)

ہم نے پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے (حضرت داؤد علیہ السلام کے) ساتھ شریک ہو کر صبح شام تسبیح کیا کریں، اسی طرح پرندوں کو بھی حکم کر رکھا تھا (جو کہ تسبیح کے وقت) ان کے پاس جمع ہو جاتے تھے اور سب (پہاڑ اور پرندے مل کر حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ) اللہ کی طرف رجوع کرنے والے (اور تسبیح وتحمید میں مشغول ہونے والے) ہوتے ہیں۔

(۵۳) سُبْحٰنَهٗ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ○ (الزمر:٤)
وہ عیوب سے پاک ہے، ایسا اللہ ہے جو اکیلا ہے (کوئی اس کا شریک نہیں) زبردست ہے۔

(۵۴) سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ (الزمر:٦٧)
وہ ذات پاک اور برتر ہے اس چیز سے جس کو یہ لوگ شریک کرتے ہیں۔

(۵۵) وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ (الزمر:٧٥)
آپ (قیامت میں) فرشتوں کو دیکھیں گے کہ عرش کے چاروں طرف حلقہ باندھے کھڑے ہوں گے اور اپنے رب کی تسبیح وتحمید میں مشغول ہوں گے اور (اس دن) تمام بندوں کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا جائے گا اور (ہر طرف سے) کہا جائے گا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" (تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے)۔

(۵۶) اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ○ (المؤمن:٧)
جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے اس کے چاروں طرف ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور حمد کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ اے ہمارے پروردگار! آپ کی رحمت اور علم ہر شے کو شامل ہے، پس ان لوگوں کو بخش دیجئے جنہوں نے توبہ کر لی ہے اور آپ کے راستہ پر چلتے ہیں اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچائیے۔

(۵۷) وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ○ (المؤمن:٥٥)
صبح اور شام (ہمیشہ) اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہئے۔

(۵۸) فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ ○
جو آپ کے رب کے نزدیک ہیں (یعنی مقرب ہیں، مراد فرشتے ہیں) وہ رات دن اس کی تسبیح

(حٰمٓ السجدہ: ۳۸) کرتے رہتے ہیں، ذرا بھی نہیں اکتاتے۔

(۵۹) وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ط (الشوریٰ: ۵) اور فرشتے اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے رہتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جو زمین میں رہتے ہیں ان کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں۔

(۶۰) وَتَقُوْلُوْا سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ o وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ (الزخرف: ۱۳، ۱۴) (اور تم سواریوں پر بیٹھ جانے کے بعد اپنے رب کی یاد کیا کرو) اور کہو: پاک ہے وہ ذات جس نے ان سواریوں کو ہمارے تابع کیا اور ہم تو ایسے نہ تھے کہ ان کو تابع کر سکتے اور بے شک ہم کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

(۶۱) سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o (الزخرف: ۸۲) آسمانوں اور زمین کا پروردگار جو مالک ہے عرش کا بھی، پاک ہے ان چیزوں سے جن کو یہ بیان کرتے ہیں۔

(۶۲) وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا o (الفتح: ۹) اور تسبیح کرتے رہو اس کی صبح کے وقت اور شام کے وقت۔

(۶۳) فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ o وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ o (قٓ: ۳۹، ۴۰) پس ان لوگوں کی (نامناسب باتوں پر) جو کچھ وہ کہیں صبر کیجئے اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہئے آفتاب نکلنے سے پہلے اور غروبِ آفتاب سے پہلے اور رات میں بھی اس کی تسبیح وتحمید کیجئے اور (فرض) نمازوں کے بعد بھی تسبیح وتحمید کیجئے۔

(۶۴) سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ o (الطور: ۴۳) اللہ کی ذات پاک ہے ان چیزوں سے جن کو وہ شریک کرتے ہیں۔

(۶۵) سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ o وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ اور اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیا کیجئے (مجلس سے یا سونے سے) اُٹھنے کے بعد (یعنی

النُّجُوْمِ ○ (طور:۲) تہجّد کے وقت) اور رات کے وقت بھی اُس کی تسبیح کیا کیجئے اور ستاروں کے (غروب ہونے کے) بعد بھی۔

(۶۶۔۶۷) فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ○ (الواقعة: ۷۴،۹۶) پس اپنے اس بڑی عظمت والے رب کے نام کی تسبیح کیجئے۔

(۶۸) سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (الحدید:۱) اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی تسبیح کرتے ہیں وہ سب کچھ جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں، اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔

(۶۹) سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (الحشر:۱) اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں وہ سب چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور وہ سب چیزیں جو زمین میں ہیں اور وہ زبردست ہے، حکمت والا ہے۔

(۷۰) سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ (الحشر: ۲۳) اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اس چیز سے جس کو یہ شریک کرتے ہیں۔

(۷۱) يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (الحشر:۲۴) اللہ تعالیٰ شانہٗ کی تسبیح کرتی رہتی ہیں وہ سب چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

(۷۲) سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (الصف: ۱) اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی تسبیح کرتی ہیں وہ سب چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اور وہ زبردست ہے، حکمت والا ہے۔

(۷۳) يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ○ (الجمعة:۱) اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی تسبیح کرتی ہیں وہ سب چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمین میں ہیں، وہ بادشاہ ہے (سب عیبوں سے) پاک ہے، زبردست ہے، حکمت والا ہے۔

(۷۴) يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَافِي الْاَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (التغابن:۱)

اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی تسبیح کرتی ہیں وہ سب چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں، اسی کے لئے ساری سلطنت ہے اور وہی تعریف کے قابل ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔

(۷۵۔۷۶) قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ○ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ○ (القلم:۲۸،۲۹)

ان میں سے جو افضل تھا وہ کہنے لگا کہ میں نے تم سے (پہلے ہی) کہا نہ تھا: اللہ کی تسبیح کیوں نہیں کرتے؟ وہ لوگ کہنے لگے: "سُبْحٰنَ رَبِّنَا" (ہمارا رب پاک ہے)، بیشک ہم خطاوار ہیں۔

(۷۷) فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ○ (الحاقة:۵۲)

پس اپنے عظمت والے پروردِگار کے نام کی تسبیح کرتے رہیے۔

(۷۸) وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ○ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ○ (الدھر:۲۵،۲۶)

اپنے پروردِگار کا صبح و شام نام لیا کیجئے اور رات کو بھی اس کے لئے سجدہ کیجئے اور رات کے بڑے حصّے میں اس کی تسبیح کیا کیجئے۔

(۷۹) سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى ○ (الاعلیٰ:۱)

آپ اپنے عالی شان پروردِگار کے نام کی تسبیح کیجئے۔

(۸۰) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ○ (النصر:۳)

پس آپ اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہئے اور اس سے مغفرت طلب کرتے رہئے، بیشک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

ف: یہ اسیؔ آیات ہیں جن میں اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ وعَمَّ نَوالُہٗ کی تسبیح کا حکم ہے۔ اس کی پاکی بیان کرنے اور اقرار کرنے کا حکم ہے یا اس کی ترغیب ہے۔ جس مضمون کو اللہ مالکُ الملک نے اس اہتمام سے اپنے پاک کلام میں بار بار فرمایا ہو اس کے مُہتَم بالشان ہونے میں کیا تردّد

ہوسکتا ہے۔ ان میں سے بہت سی آیات میں تسبیح کے ساتھ دوسرے کلمۂ تحمید یعنی اللہ کی تعریف کرنا، اس کی حمد بیان کرنا اور اسی میں "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کہنا بھی ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ اوپر کی آیات سے معلوم ہوگیا۔ ان کے علاوہ خاص طور پر اللہ کی تعریف کا بیان جو مفہوم ہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کا اور آیات میں بھی آیا ہے اور سب سے اہم یہ کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے پاک کلام کا شروع ہی "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ" سے ہے۔ اس سے بڑھ کر اس پاک کلمہ کی اور کیا فضیلت ہوگی کہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے قرآنِ پاک کا شروع اس سے فرمایا ہے:

(۱) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ○ (الفاتحۃ: ۱)
سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں جو تمام جہانوں کا پروردِگار ہے۔

(۲) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّوْرَ ط ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّھِمْ یَعْدِلُوْنَ ○ (الانعام: ۱)
تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا اور اندھیروں کو اور نور کو بنایا، پھر بھی کافر لوگ (دوسروں کو) اپنے ربّ کے برابر کرتے ہیں۔

(۳) فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ط وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ (الانعام: ۴۵)
پھر (ہماری گرفت سے) ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے (اس کا شکر ہے) جو تمام جہانوں کا پروردِگار ہے۔

(۴) وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْ لَآ اَنْ ھَدَانَا اللّٰہُ. (الاعراف: ۴۳)
اور (جنّت میں پہنچنے کے بعد) وہ لوگ کہنے لگے: تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچادیا اور ہم کبھی بھی یہاں تک نہ پہنچتے اگر اللہ جَلَّ شَانُہٗ ہم کو نہ پہنچاتے۔

(۵) اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ
جو لوگ ایسے رسول نبی اُمّی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا اِتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس

فِی التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِیْلِ۔ (الاعراف:۱۵۷) تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

ف: توریت میں جو صِفات حضور ﷺ کی نقل کی گئی ہیں ان میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ان کی امت بہت کثرت سے اللہ کی حمد کرنے والی ہے۔ چنانچہ ''دُرِّ مَنثور'' میں کئی رِوایات سے یہ مضمون نقل کیا گیا ہے۔

(۶) اَلتَّآئِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرَّاكِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ○ (التوبہ:۱۱۲)

(ان مجاہدین کے اَوصاف جن کے نفوس کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے جنّت کے بدلہ میں خرید لیا ہے یہ ہیں کہ) وہ گناہوں سے توبہ کرنے والے ہیں، اللہ کی عبادت کرنے والے ہیں، اللہ کی حمد کرنے والے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں یا اللہ کی رضا کے لئے سفر کرنے والے ہیں، رُکوع اور سجدہ کرنے والے ہیں (یعنی نمازی ہیں)، نیک باتوں کا حکم کرنے والے ہیں اور بُری باتوں سے روکنے والے ہیں (تبلیغ کرنے والے ہیں) اور اللہ کی حدود کی (یعنی احکام کی) حفاظت کرنے والے ہیں، (ایسے) مومنوں کو آپ خوشخبری سُنا دیجئے۔

(۷) وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ○ (یونس:۱۰)

اور آخری پکار ان کی یہی ہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" (تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردِگار ہے)۔

(۸) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ط (ابراھیم:۳۹)

تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے بڑھاپے میں مجھ کو (دو بیٹے) اسمٰعیل و اسحٰق (علی نبینا و علیہما الصلوٰۃ والسلام) عطا فرمائے۔

(۹) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ○ (النحل:۷۵)

تمام تعریف اللہ ہی کے لئے (پھر بھی وہ لوگ اس طرف متوجہ نہیں ہوتے) بلکہ اکثر ان میں سے ناسمجھ ہیں۔

(۱۰) يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَتَظُنُّونَ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا ○ (بنی اسرائیل:۵۲)

جس دن (صُور پھنکے گا اور) تم کو (زندہ کر کے) پکارا جائے گا تو تم مجبوراً اس کی حمد (وثنا) کرتے ہوئے حکم کی تعمیل کرو گے اور (ان حالات کو دیکھ کر) گمان کرو گے (کہ تم دنیا میں اور قبر میں) بہت ہی کم مدت ٹھہرے تھے۔

(۱۱) وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ○ (النحل:۱۱۱)

اور آپ (علی الاعلان) کہہ دیجئے کہ تمام تعریف اسی اللہ کے لئے ہے جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ اس کا کوئی سلطنت میں شریک ہے اور نہ کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے اور اس کی خوب تکبیر (بڑائی بیان) کیا کیجئے۔

(۱۲) اَلْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا ○ (الکھف:۱)

تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے اپنے بندہ (محمد ﷺ) پر کتاب نازل فرمائی اور اس کتاب میں کسی قسم کی ذرا سی بھی کجی نہیں رکھی۔

(۱۳) فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ○ (المومنون:۲۸)

(حضرت نوح علیہ السلام کو خطاب ہے کہ جب تم کشتی میں بیٹھ جاؤ) تو کہنا کہ تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں ظالموں سے نجات دی۔

(۱۴) وَقَالَا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَى كَثِيرٍ مِنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ ○ (النمل:۱۵)

اور (حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام نے) کہا: تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی۔

(۱۵) قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ

آپ (خطبہ کے طور پر) کہیئے: تمام تعریفیں

الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ط (النمل:٥٩)
اللہ ہی کے لئے ہیں اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

(١٦) وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ط (النمل:٩٣)
اور آپ کہہ دیجئے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے واسطے ہیں، وہ عنقریب تم کو اپنی نشانیاں دکھاوے گا، پس تم اس کو پہچان لوگے۔

(١٧) لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ o (القصص:٧٠)
حمد وثناء کے لائق دنیا اور آخرت میں وہی ہے اور حکومت بھی اسی کے لئے ہے، اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

(١٨) قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ط بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ o (العنکبوت:٦٣)
آپ کہیے تمام تعریف اللہ ہی کے واسطے ہے (یہ لوگ مانتے نہیں) بلکہ اکثر ان میں سمجھتے بھی نہیں۔

(١٩) وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيْدٌ o (لقمان:١٢)
اور جو شخص کفر کرے (ناشکری کرے) تو اللہ تعالیٰ تو بے نیاز ہے، تمام خوبیوں والا ہے۔

(٢٠) قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ط بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ o (لقمان:٢٥)
آپ کہہ دیجئے: تمام تعریف اللہ کے لئے ہے (یہ لوگ مانتے نہیں) بلکہ اکثر ان میں کے جاہل ہیں۔

(٢١) اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِىُّ الْحَمِيْدُ o (لقمان:٢٦)
بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، تمام خوبیوں والا ہے۔

(٢٢) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِى الْاٰخِرَةِ ط (سبا:١)
تمام تعریف اسی اللہ کے لئے ہے جس کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اُسی کی حمد (وثنا) ہوگی آخرت میں (کسی دوسرے کی پوچھ نہیں)۔

(۲۳) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ. (فاطر:۱) — تمام تعریف اللہ کے لئے ہے جو آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے اور زمین کا۔

(۲۴) یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ○ (فاطر:۱۵) — اے لوگو! تم محتاج ہو اللہ کے اور وہ بے نیاز ہے اور تمام خوبیوں والا ہے۔

(۲۵) وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ط اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ نِ○ الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ ○ (فاطر:۳۴،۳۵) — (جب مسلمان جنت میں داخل ہوں گے تو ریشمی لباس پہنائے جائیں گے) اور کہیں گے: تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہم سے (ہمیشہ کیلئے) رنج دُور کر دیا، بیشک ہمارا رب بڑا بخشنے والا، بڑا قدر کرنے والا ہے جس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ کے رہنے کے مقام میں پہنچا دیا۔ نہ ہم کو کوئی کلفت پہنچے گی اور نہ ہم کو کوئی خستگی پہنچے گی۔

(۲۶) وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ○ (الصافات:۱۸۱،۱۸۲) — اور سلام ہو رسولوں پر اور تمام تعریف اللہ ہی کے واسطے ہے جو تمام جہانوں کا پروردِگار ہے۔

(۲۷) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ (الزمر:۲۹) — تمام تعریف اللہ کے واسطے ہے (مگر یہ لوگ سمجھتے نہیں) بلکہ اکثر جاہل ہیں۔

(۲۸) وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ج فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ○ (الزمر:۷۴) — اور (جب مسلمان جنّت میں داخل ہوں گے تو) کہیں گے کہ تمام تعریف اس اللہ کے واسطے ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا اور ہم کو اس زمین کا مالک بنا دیا کہ ہم جنّت میں جہاں چاہیں مقام کریں۔ نیک عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا بدلہ ہے۔

(۲۹) فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ — پس اللہ ہی کے لئے تمام تعریف ہے جو

وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ (الجاثیہ:۳۶)

پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

(۳۰) وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ○ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط (البروج:۸)

(ایک کافر بادشاہ کے مسلمانوں کو ستانے اور تکلیفیں دینے کا اوپر سے ذکر ہے) اور ان کافروں نے ان مسلمانوں میں اور کوئی عیب نہیں پایا تھا، بجز اس کے کہ وہ خدا پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست ہے اور تعریف کا مستحق ہے، اسی کے لئے سلطنت ہے آسمانوں کی اور زمین کی۔

ف: ان آیات میں اللہ کی حمد اور اس کی تعریف کی ترغیب، اس کا حکم، اس کی خبر ہے۔ احادیث میں بھی کثرت سے اللہ کی تعریف کرنے والوں کے فضائل خاص طور پر ذکر کئے گئے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جنّت کی طرف سب سے پہلے وہ لوگ بلائے جائیں گے جو ہر حال میں راحت ہو یا تکلیف، اللہ کی تعریف کرنے والے ہوں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کو اپنی تعریف بہت پسند ہے اور ہونا بھی چاہئے کہ درحقیقت تعریف کی مستحق صرف اللہ ہی کی پاک ذات ہے۔ غیر اللہ کی تعریف کیا؟ جس کے قبضہ میں کچھ بھی نہیں حتیٰ کہ وہ خود بھی اپنے قبضہ میں نہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن افضل بندے وہ ہوں گے جو کثرت سے اللہ کی حمد وثنا کرتے ہوں۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ حمد شکر کی اصل اور بنیاد ہے، جس نے اللہ کی حمد نہیں کی اس نے اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کیا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ کسی نعمت پر حمد کرنا اس نعمت کے زائل ہو جانے سے حفاظت ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اگر دنیا ساری کی ساری میری امت میں سے کسی کے ہاتھ میں ہو اور وہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" کہے تو یہ کہنا اس سب سے افضل ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب حق تعالیٰ شانہٗ کوئی نعمت کسی بندہ کو عطا فرماتے ہیں اور وہ اس نعمت پر حمد کرتا ہے تو وہ حمد بڑھ جاتی ہے خواہ نعمت کتنی ہی بڑی ہو۔ ایک صحابی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے آہستہ سے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ" کہا۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے دریافت فرمایا کہ یہ دعا کس نے پڑھی؟ وہ صحابی اس

سے ڈرے کہ شاید کوئی نامناسب بات ہوگئی ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کچھ مضائقہ نہیں ہے، اس نے بری بات نہیں کہی۔ تب ان صحابی نے عرض کیا کہ یہ دعا میں نے پڑھی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تیرہ فرشتوں کو دیکھا ہے کہ ہر ایک ان میں سے اس کی کوشش کرتا تھا کہ اس کلمہ کو سب سے پہلے وہ لے جائے اور یہ حدیث تو مشہور ہے کہ جو مہتم بالشان کام بغیر اللہ کی تعریف کے شروع کیا جائے گا وہ بے برکت ہوگا۔ اسی وجہ سے عام طور پر ہر کتاب، اللہ کی تعریف کے ساتھ شروع کی جاتی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب کسی کا بچہ مَر جاتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میرے بندے کے بچہ کی روح نکال لی؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ نکال لی۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اس کے دل کے ٹکڑے کو لے لیا؟ وہ عرض کرتے ہیں: بیشک لے لیا۔ ارشاد ہوتا ہے: پھر میرے بندے نے اس پر کیا کہا؟ عرض کرتے ہیں: تیری حمد کی اور "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُوْنَ ○" پڑھا۔ اِرشاد ہوتا ہے کہ اچھا اس کے بدلے میں جنّت میں ایک گھر اس کے لئے بنادو اور اس کا نام "بیت الحمد" (تعریف کا گھر) رکھو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس سے بے حد راضی ہوتے ہیں کہ بندہ کوئی لقمہ کھائے یا پانی کا گھونٹ پیے اور اس پر "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کہے۔

تیسرا کلمہ تہلیل تھا یعنی "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کہنا جس کا مفصل بیان اس سے پہلے باب میں گذر چکا ہے۔ چوتھا کلمہ تکبیر کہلاتا ہے یعنی اللہ کی بڑائی بیان کرنا، اس کی بلندی اور عظمت کا اقرار کرنا جس کا مصداق "اَللّٰہُ اَکْبَرُ" کہنا بھی ہے وہ ان آیات میں بھی گذر چکا ہے۔ ان کے علاوہ صرف تکبیر کا یعنی اللہ کی عظمت اور بڑائی کا بیان بھی بہت سی آیات میں وارد ہوا ہے جن میں سے چند آیات ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ○ (البقرۃ:۱۸۵)

اور تا کہ اللہ کی بڑائی بیان کرو اس بات پر کہ تم کو ہدایت فرمائی اور تا کہ تم شکر کرو اللہ تعالیٰ کا۔

(۲) عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ○ (الرعد:۹)

وہ تمام پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے، (سب سے) بڑا ہے اور عالی شان رُتبہ والا ہے۔

(۳) كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (الحج:۳۷)

اسی طرح اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے (قربانی کے جانوروں کو) تمہارے لئے مسخر کر دیا تا کہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو اس بات پر کہ اس نے تم کو ہدایت کی (اور قربانی کرنے کی توفیق دی) اور (اے محمد!) اِخلاص والوں کو (اللہ کی رضا کی) خوش خبری سنا دیجئے۔

(۴۔۵) وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَالْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ○ (الحج:۸۲) (لقمان:۳۰)

اور بے شک اللہ جَلَّ شَانُہٗ ہی عالی شان اور بڑائی والا ہے۔

(۶) حَتّٰى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ○ (سبا:۲۳)

(جب فرشتوں کو اللہ کی طرف سے کوئی حکم ہوتا ہے تو وہ خوف کے مارے گھبرا جاتے ہیں) یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ پروردِگار کا کیا حکم ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ (فلانی) حق بات کا حکم ہوا، واقعی وہ عالی شان اور بڑے مرتبہ والا ہے۔

(۷) فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ○ (المؤمن:۱۲)

پس حکم اللہ ہی کے لئے ہے جو عالی شان ہے، بڑے رُتبہ والا ہے۔

(۸) وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (المؤمن:۳۷)

اور اسی (پاک ذات) کے لئے بڑائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔

(۹) هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ

وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ ہے، (سب عیبوں سے)

الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ط (الحشر:۲۳)

پاک ہے، (سب نقصانات سے) سالم ہے، امن دینے والا ہے، نگہبانی کرنے والا ہے۔ (یعنی آفتوں سے بچانے والا ہے) زبردست ہے، خرابی کا درست کرنے والا ہے، بڑائی والا ہے۔

ف: ان آیات میں اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی بڑائی اور عظمت کی ترغیب اور اس کا حکم فرمایا گیا ہے۔ احادیث میں بھی خصوصیّت کے ساتھ اللہ کی بڑائی کا حکم، اس کی ترغیب کثرت سے وارد ہوئی ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جب یہ دیکھو کہ کہیں آگ لگ گئی تو تکبیر (یعنی اللہ اکبر کثرت سے) پڑھا کرو، یہ اس کو بجھا دے گی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ تکبیر (یعنی اللہ اکبر کہنا) آگ کو بجھا دیتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب بندہ تکبیر کہتا ہے تو (اس کا نور) زمین سے آسمان تک سب چیزوں کو ڈھانک لیتا ہے۔ ایک حدیث میں اِرشاد ہے کہ مجھے جبرئیل علیہ السلام نے تکبیر کا حکم کیا۔ ان آیات واحادیث کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و رفعت، اس کی حمد وثنا اور عُلوِّشان کو مختلف عنوانات سے کلام اللہ شریف میں بہت سے مختلف الفاظ سے ذکر فرمایا ہے۔ ان کے علاوہ بہت سی آیات ایسی ہیں جن میں ان تسبیحات کے الفاظ ذکر نہیں فرمائے، لیکن مراد یہ تسبیحات ہیں۔ چنانچہ چند آیات حسبِ ذیل ہیں:

(۱) فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ط اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (البقرۃ:۳۷)

پس حاصل کر لئے حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند کلمے (ان کے ذریعہ سے توبہ کی)، پس اللہ تعالیٰ نے رحمت کے ساتھ ان پر توجہ فرمائی، بیشک وہی ہے بڑی توبہ قبول کرنے والا، بڑا مہربان۔

ف: ان کلمات کی تفسیر میں مختلف احادیث وارد ہوئی ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ وہ کلمات یہ تھے۔ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ، رَبِّ! عَمِلْتُ سُوْٓءًا وَظَلَمْتُ نَفْسِى، فَاغْفِرْلِىْ اِنَّكَ اَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ. لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ، رَبِّ! عَمِلْتُ سُوْٓءًا وَظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَارْحَمْنِىْ اِنَّكَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ. لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ، رَبِّ! عَمِلْتُ سُوْٓءًا وَظَلَمْتُ

نَفْسِیْ فَتُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ . اس قسم کے مضمون کی اور بھی متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں جن کو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''دُرِّ منثور'' میں لکھا ہے اور ان میں تسبیح وتحمید مذکور ہے۔

(۲) مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ (الانعام: ۱۶۰)

جو شخص ایک نیکی لے کر آوے گا اس کو دس گنا اجر ملے گا اور جو شخص برائی لے کر آوے گا اس کو اس کے برابر ہی سزا ملے گی اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

ف: نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جو مسلمان ان کا اہتمام کرلے جنّت میں داخل ہو اور وہ دونوں بہت معمولی چیزیں ہیں، مگر ان پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں۔ ایک یہ کہ ''سُبْحَانَ اللّٰهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' ہر نماز کے بعد دس دس مرتبہ پڑھ لیا کرے تو روزانہ ایک سو پچاس مرتبہ (پانچوں نمازوں کے بعد کا مجموعہ) ہو جائے گا اور دس گنا ہو جانے کی وجہ سے پندرہ سو نیکیاں حساب میں شمار کی جائیں گی۔ اور دوسری چیز یہ کہ سوتے وقت ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' چونتیس مرتبہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' تینتیس مرتبہ، ''سُبْحَانَ اللّٰه'' تینتیس مرتبہ پڑھ لیا کرے تو سو کلمے ہو گئے جن کا ثواب ایک ہزار نیکیاں ہو گئیں۔ اب ان کی اور دن بھر کی نمازوں کے بعد کی میزان کل دو ہزار پانچ سو نیکیاں ہو گئیں۔ بھلا اعمال تولنے کے وقت ڈھائی ہزار برائیاں روزانہ کی کس کی ہوں گی جو ان پر غالب آجائیں۔

بندۂ ناچیز کہتا ہے: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں اگرچہ ایسا کوئی نہ ہوگا جس کی ڈھائی ہزار برائیاں روزانہ ہوں، مگر اِس زمانہ میں ہم لوگوں کی بداعمالیاں روزانہ کی اس سے بھی بدرجہا زائد ہیں، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (رُوحی فِداہ) نے اپنی شفقت سے برائیوں پر نیکیوں کے غالب آجانے کا نسخہ اِرشاد فرما دیا۔ عمل کرنا نہ کرنا بیمار کا کام ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ کیا بات ہے کہ یہ دونوں چیزیں ایسی سہل اور ان کو کرنے والے بہت کم ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سونے کا وقت ہوتا ہے تو

شیطان ان کے پڑھنے سے پہلے ہی سُلا دیتا ہے اور نماز کا وقت ہوتا ہے تو وہ کوئی ایسی بات یاد دلاتا ہے کہ پڑھنے سے پہلے ہی اٹھ کر چلا جاوے۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم اس سے عاجز ہو کہ ہزار نیکیاں روزانہ کما لیا کرو؟ کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہزار نیکیاں روزانہ کس طرح کمائی جائیں؟ ارشاد فرمایا کہ "سُبْحَانَ اللّٰہِ" سَو مرتبہ پڑھو ہزار نیکیاں ہو جائیں گی۔

(۳) اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ الْبَاقِیَاتُ الصَّالِحَاتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ اَمَلاً. (الکھف:٤٦)

مال اور اولاد دنیاوی زندگی کی ایک رونق (فقط) ہے اور باقیات صالحات (وہ نیک اعمال جو ہمیشہ رہنے والے ہیں) وہ تمہارے رَبّ کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی (بدرجہا) بہتر ہیں اور امید کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں (کہ ان کے ساتھ امیدیں قائم کی جائیں، بخلاف مال اور اولاد کے کہ ان سے امیدیں قائم کرنا بے کار ہے)۔

(۴) وَیَزِیْدُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اهْتَدَوْا هُدًی ط وَالْبَاقِیَاتُ الصَّالِحَاتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ مَّرَدًّا○ (مریم:٧٦)

اور اللہ تعالیٰ ہدایت والوں کی ہدایت بڑھاتا ہے، اور باقیاتِ صالحات تمہارے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں اور انجام کے اعتبار سے بھی۔

ف: اگرچہ باقِیات صالحِات (وہ نیک عمل جو ہمیشہ رہنے والے ہیں) میں سارے ہی ایسے اعمال داخل ہیں جن کا ثواب ہمیشہ ملتا رہتا ہے، لیکن بہت سی احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ اس کا مصداق یہی تسبیحیں ہیں۔ حضورِ اقدس ﷺ نے اِرشاد فرمایا ہے کہ باقِیات صالحات کو کثرت سے پڑھا کرو۔ کسی نے دریافت کیا کہ وہ کیا چیزیں ہیں؟ حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ تکبیر (اَللّٰهُ اَکْبَرُ کہنا)، تہلیل (لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنا)، تسبیح (سُبْحَانَ اللّٰهِ کہنا)، تحمید (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہنا) اور "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ"۔ دوسری حدیث میں آیا ہے: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دیکھو خبردار رہو "سُبْحَانَ اللّٰهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ" باقیاتِ صالحات میں ہیں۔ ایک حدیث میں آیا

ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دیکھو اپنی حفاظت کا انتظام کر لو۔ کسی نے پوچھا: یارسول اللہ! کسی دشمن کے حملہ سے جو درپیش ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: نہیں، بلکہ جہنم کی آگ سے حفاظت کا انتظام کرو اور وہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اللّٰهُ اَكْبَرُ" کا پڑھنا ہے کہ یہ قیامت کے دن آگے بڑھنے والے کلمے ہیں (کہ سفارش کریں یا آگے بڑھانے والے ہیں کہ پڑھنے والے کو جنت کی طرف بڑھاتے ہیں) اور پیچھے رہنے والے ہیں (کہ حفاظت کریں)، احسان کرنے والے ہیں اور یہی باقیاتِ صالحات ہیں۔ اور بھی بہت سی روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے جن کو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "درِ منثور" میں ذکر فرمایا ہے۔

(۵) لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الزمر:۶۳) (الشوریٰ:۱۲) — اللہ ہی کے واسطے ہیں کنجیاں آسمانوں کی اور زمین کی۔

ف: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے "مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" یعنی آسمانوں اور زمین کی کنجیوں کے بارے میں دریافت کیا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ، يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ، وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" ہیں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ "مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ "سُبْحَانَ اللّٰهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اللّٰهُ اَكْبَرُ" ہیں اور یہ عرش کے خزانہ سے نازل ہوئی۔ اور بھی روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے۔

(۶) اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ (فاطر:۱۰) — اسی کی طرف اچھے کلمے پہنچتے ہیں اور نیک عمل اُن کو پہنچاتا ہے۔

ف: کلمۂ طیبہ کے بیان میں بھی اس آیت کا ذکر گذر چکا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم تمہیں کوئی حدیث سناتے ہیں تو قرآن شریف سے اس کی سند اور تائید بتادیتے ہیں۔ مسلمان جب "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اللّٰهُ اَكْبَرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ" پڑھتا ہے تو فرشتہ اپنے پَروں میں نہایت احتیاط

سے ان کلموں کو آسمان پر لے جاتا ہے اور جس آسمان پر گذرتا ہے اس آسمان کے فرشتے اس پڑھنے والے کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور اس کی تائید یہ آیت شریفہ "اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ" ہے۔ حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ اللّٰهُ اَکْبَرُ" کے لئے عرش کے گرداگرد ایک بھنبھناہٹ ہے جس میں اپنے پڑھنے والوں کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔ بعض روایات میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مضمون نقل کیا ہے، اور ایک دوسرے صحابی حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے بھی اس قسم کا مضمون خود حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے نقل کیا ہے۔

فصلِ دوم

ان احادیث کے بیان میں جن میں ان کلمات کی فضیلت اور ترغیب ذکر فرمائی گئی ہے:

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: کَلِمَتَانِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ، ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ، حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ.

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ دو کلمے ایسے ہیں کہ زبان پر بہت ہلکے اور ترازو میں بہت وزنی اور اللہ کے نزدیک بہت محبوب ہیں، وہ "سُبْحَانَ اللّٰـهِ وَبِحَمْدِهٖ" اور "سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ" ہیں۔

(رواه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجة، کذافی الترغیب)

ف: زبان پر ہلکے کا مطلب یہ ہے کہ پڑھنے میں نہ وقت خرچ ہو کہ بہت مختصر ہیں، نہ یاد کرنے میں کوئی دِقت یا دیر لگے اور اس کے باوجود جب اعمال کے تولنے کا وقت آئے گا تو ترازو میں ان کلموں کی کثرت کی وجہ سے بہت زیادہ وزن ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی بھی فائدہ نہ ہوتا تو بھی اس سے بڑھ کر کیا چیز تھی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ دو کلمے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "صحیح بخاری" کو ان ہی دو کلموں پر ختم فرمایا اور یہی حدیث کتاب کے ختم پر ذکر فرمائی ہے۔ ایک حدیث میں اِرشادِ نبوی ہے کہ کوئی شخص تم میں سے اس بات کو نہ چھوڑے کہ ہزار نیکیاں روزانہ کر لیا کرے۔ "سُبْحَانَ اللّٰهِ

وَبِحَمْدِهٖ" سَوْ مرتبہ پڑھ لیا کرے، ہزار نیکیاں ہو جائیں گی۔ اتنے گناہ تو ان شاء اللہ روزانہ کے ہوں گے بھی نہیں۔ اور اس تسبیح کے علاوہ جتنے نیک کام کئے ہوں گے ان کا ثواب علیحدہ نفع میں رہا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص صبح و شام ایک ایک تسبیح "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" کی پڑھے اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے، خواہ سمندر کے جھاگوں سے بھی زیادہ ہوں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ" سے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے (سردی میں) درخت سے پتے جھڑتے ہیں۔

(۲) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلَا اُخْبِرُكَ بِاَحَبِّ الْكَلَامِ اِلَى اللّٰهِ؟ قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَخْبِرْنِیْ بِاَحَبِّ الْكَلَامِ اِلَى اللّٰهِ. فَقَالَ: اِنَّ اَحَبَّ الْكَلَامِ اِلَى اللّٰهِ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ". (رواه مسلم والنسائی والترمذی، إلا أنه قال: "سُبْحَانَ رَبِّیْ وَبِحَمْدِهٖ" وقال: حسن صحيح، وعزاه السيوطی فی الجامع الصغير إلى مسلم وأحمد والترمذی، ورقم له بالصحة. وفی رواية لمسلم: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سُئِلَ: اَیُّ الْكَلَامِ اَفْضَلُ؟ قَالَ مَا اصْطَفَى اللّٰهُ لِمَلَائِكَتِهٖ اَوْ لِعِبَادِهٖ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ". كذا فی الترغيب، قلت: واخرج الأخير الحاكم وصححه على شرط مسلم، وأقره عليه الذهبی و ذكره السيوطی فی الجامع برواية احمد عن رجل مختصرًا ورقم له بالصحة)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تجھے بتاؤں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ کلام کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: ضرور بتاویں، ارشاد فرمایا "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ"۔ دوسری حدیث میں ہے "سُبْحَانَ رَبِّیْ وَبِحَمْدِهٖ"۔ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ اللہ نے جس چیز کو اپنے فرشتوں کے لئے اختیار فرمایا وہی افضل ترین ہے اور وہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" ہے۔

ف: پہلی فصل میں کئی آیتوں میں یہ مضمون گذر چکا ہے کہ ملائکہ جو عرش کے قریب ہیں وہ اور ان کے علاوہ (دوسرے فرشتے) سب اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہتے ہیں، ان کا مشغلہ یہی ہے کہ وہ اللہ کی پاکی بیان کرنے میں اور حمد کرنے میں مشغول رہیں۔

اسی وجہ سے جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمانے کا وقت ہوا تو انہوں نے یہی بارگاہِ الٰہی میں ذکر کیا کہ "نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ" جیسا کہ اس سے پہلی فصل کی پہلی آیت میں گذر چکا ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ آسمان (عظمتِ الٰہی کے بوجھ سے) بولتا ہے (چرچراتا ہے جیسا کہ چارپائی وغیرہ وزن سے بولنے لگتی ہے) اور آسمان کے لئے حق ہے کہ وہ بولے (کہ ہیبت کا بوجھ سخت ہوتا ہے)۔ قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، کہ آسمان میں ایک بالشت جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کوئی فرشتہ سجدہ کی حالت میں اللہ کی تسبیح وتحمید میں مشغول نہ ہو۔

(۳) عَنْ اِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ طَلْحَةَ عَنْ اَبِیْهِ، عَنْ جَدِّهٖ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ قَالَ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ اَوْوَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ. وَمَنْ قَالَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ مِائَةَ مَرَّةٍ، كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ مِائَةَ اَلْفِ حَسَنَةٍ وَاَرْبَعًا وَّعِشْرِيْنَ اَلْفَ حَسَنَةٍ، قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اِذًا لَّا يَهْلِكُ مِنَّا اَحَدٌ قَالَ: بَلٰى! اِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَجِيْءُ بِالْحَسَنَاتِ، لَوْ وُضِعَتْ عَلٰى جَبَلٍ اَثْقَلَتْهُ، ثُمَّ تَجِيْءُ النِّعَمُ فَتَذْهَبُ بِتِلْكَ، ثُمَّ يَتَطَاوَلُ الرَّبُّ بَعْدَ ذٰلِكَ بِرَحْمَتِهٖ.

(رواه الحاكم وقال صحيح الاسناد، كذا فى الترغيب قلت: و اقره عليه الذهبى)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہے اس کے لئے جنت واجب ہوجائیگی اور جو شخص "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" سو مرتبہ پڑھے گا اس کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایسی حالت میں تو کوئی بھی (قیامت میں) ہلاک نہیں ہوسکتا (کہ نیکیاں غالب ہی رہیں گی)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (بعض لوگ پھر بھی ہلاک ہوں گے اور کیوں نہ ہوں) بعض آدمی اتنی نیکیاں لے کر آئیں گے کہ اگر پہاڑ پر رکھ دی جائیں تو وہ دَب جائے، لیکن اللہ کی نعمتوں کے مقابلہ میں وہ کالعدم ہوجائیں گی، البتہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ پھر اپنی رحمت اور فضل سے دستگیری فرمائیں گے۔

ف: اللہ کی نعمتوں کے مقابلہ میں دَب جانے اور کالعدم ہوجانے کا مطلب یہ ہے

کہ قیامت میں جہاں نیکیاں اور بُرائیاں تولی جائیں گی وہاں اس چیز کا بھی مطالبہ اور محاسبہ ہوگا کہ اللہ جل جلالہٗ نے جو نعمتیں عطا فرمائی تھیں ان کا کیا حق ادا کیا، اور کیا شکر ادا کیا۔ بندہ کے پاس ہر چیز اللہ ہی کی عطا کی ہوئی ہے۔ ہر چیز کا ایک حق ہے، اس حق کی ادائیگی کا مطالبہ ہونا ہے۔ چنانچہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ "یُصْبِحُ عَلٰی کُلِّ سُلَامٰی مِنْ اَحَدِکُمْ صَدَقَۃٌ" الحدیث (فی المشکوۃ برواية مسلم، قلت: ورواه ابو داود و ابن ماجة) جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر صبح کو ہر آدمی کے ہر جوڑ اور ہڈی پر ایک صدقہ واجب ہوتا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ آدمی میں تین سَو ساٹھ جوڑ ہیں، اس کے ذمہ ضروری ہے کہ ہر جوڑ کی طرف سے ایک صدقہ کرے، یعنی اس بات کے شکر میں کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے سونے کے بعد جو مَر جانے کے مشابہ حالت تھی پھر ازسرِ نو زندگی بخشی اور ہر عضو صحیح وسالم رہا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اتنے صدقہ روزانہ کرنے کی طاقت کون رکھتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر تسبیح صدقہ ہے، ہر تکبیر صدقہ ہے، "لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ" ایک مرتبہ کہنا صدقہ ہے۔ "اَللّٰہُ اَکْبَرُ" کہنا صدقہ ہے۔ راستہ سے کسی تکلیف دینے والی چیز کا ہٹا دینا صدقہ ہے؛ غرض بہت سے صدقات شمار کرائے۔ اس قسم کی اور بھی احادیث ہیں جن سے آدمی کی اپنی ذات میں جو اللہ کی نعمتیں ہیں ان کا بیان ہے۔ اس کے علاوہ کھانے پینے راحت وآرام کے متعلق جتنی اللہ کی نعمتیں ہر وقت میسّر ہوتی ہیں وہ مزید برآں۔

قرآنِ پاک میں سورۂ "اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ" میں بھی اس کا ذکر ہے کہ قیامت میں اللہ کی نعمتوں سے بھی سوال ہوگا۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بدن کی صحت، کانوں کی صحت، آنکھوں کی صحت سے سوال ہوگا کہ اللہ نے یہ نعمتیں اپنے لطف سے عطا فرمائیں، ان کو اللہ کے کس کام میں خرچ کیا؟ (یا چوپایوں کی طرح صرف پیٹ پالنے میں خرچ کیا) چنانچہ دوسری جگہ سورۂ بنی اسرائیل میں اِرشاد ہے: "اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُولًا o" (کان، آنکھ، دل ہر شخص سے ان سب کی قیامت کے دن پوچھ ہوگی کہ ان چیزوں کا استعمال کہاں کیا؟) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ جن نعمتوں سے سوال ہوگا ان میں بے فکری (جو اللہ کی بڑی دولت ہے) اور صحتِ بدن بھی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ

کہتے ہیں کہ دنیا کی ہر لذت نعمتوں میں داخل ہے جن سے سوال ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس میں عافیت بھی داخل ہے۔ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ "ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ○" (التکاثر:۸) (پھر اس دن نعمتوں سے بھی سوال کئے جاؤ گے) کا مطلب کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ گیہوں کی روٹی اور ٹھنڈا پانی مراد ہے کہ اس سے بھی سوال ہوگا اور رہنے کے لئے مکان سے بھی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کن نعمتوں کا سوال ہوگا؟ آدھی بھوک روٹی ملتی ہے اور وہ بھی جَو کی (پیٹ بھرائی روٹی بھی میسّر نہیں)، وحی نازل ہوئی: کیا پاؤں میں جوتا نہیں پہنتے؟ کیا ٹھنڈا پانی نہیں پیتے؟ یہ بھی تو اللہ کی نعمتیں ہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس آیتِ شریفہ کے نازل ہونے پر عرض کیا: یارسول اللہ! کن نعمتوں سے سوال ہوگا؟ کھجور اور پانی، صرف یہ دو چیزیں کھانے پینے کو ملتی ہیں اور ہماری تلواریں (جہاد کے لئے) ہر وقت کندھوں پر رہتی ہیں اور دشمن (کافر کوئی نہ کوئی) مقابل (جس کی وجہ سے وہ دو چیزیں بھی اطمینان اور بے فکری سے نصیب نہیں ہوتی)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب نعمتیں میسّر ہونے والی ہیں۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت میں جن نعمتوں سے سوال ہوگا کہ ان میں سب سے اول یہ ہوگا کہ ہم نے تیرے بدن کو تندرستی عطا فرمائی (یعنی اس تندرستی کا کیا حق ادا کیا اور اس میں اللہ کی رضا کی کیا خدمت ادا کی)، اور ہم نے ٹھنڈے پانی سے تجھ کو سیراب کیا (جو درحقیقت اللہ کی بڑی نعمت ہے، جہاں ٹھنڈا پانی میسّر نہیں ہوتا ان سے کوئی اس کی قدر پوچھے۔ یہ اللہ کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ حد نہیں، مگر ہم لوگوں کو اس کی نعمتِ عظیمہ ہونے کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا، چہ جائیکہ اس کا شکر اور اس کی ادائیگی حق)۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جن نعمتوں سے سوال ہوگا، یہ ہیں: وہ روٹی کا ٹکڑا جس سے پیٹ بھرا جاتا ہے، وہ پانی جس سے پیاس بجھائی جاتی ہے۔ وہ کپڑا جس سے بدن ڈھانکا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ دوپہر کے وقت سخت دھوپ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پریشان ہو کر گھر سے چلے۔ مسجد میں پہنچے ہی تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اسی حالت میں تشریف لے آئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بیٹھا

ہوا دیکھ کر دریافت کیا کہ تم اس وقت یہاں کہاں؟ فرمایا کہ بھوک کی بیتابی نے پریشان کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: واللہ! اسی چیز نے مجھے بھی مجبور کیا کہ کہیں جاؤں۔ یہ دونوں حضرات یہ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ سردارِ دو عالم نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ ان کو دیکھ کر دریافت فرمایا کہ تم اس وقت کہاں؟ عرض کیا: یارسول اللہ! بھوک نے پریشان کیا جس سے مضطرب ہو کر نکل پڑے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: اسی مجبوری سے میں بھی آیا ہوں۔ تینوں حضرات اکٹھے ہو کر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچے، وہ تشریف نہیں رکھتے تھے، بیوی نے بڑی مسرت وافتخار سے ان حضرات کو بٹھایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ ابوایوب کہاں گئے ہیں؟ عرض کیا: ابھی حاضر ہوتے ہیں، کسی ضرورت سے گئے ہوئے ہیں۔ اتنے میں ابوایوب رضی اللہ عنہ بھی حاضرِ خدمت ہو گئے اور فرطِ خوشی میں کھجور کا ایک بڑا سا خوشہ توڑ لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سارا خوشہ کیوں توڑا، اس میں کچی اور ادھ کچری بھی ٹوٹ گئیں، چھانٹ کر پکی ہوئی توڑ لیتے۔ انہوں نے عرض کیا: اس خیال سے توڑا کہ ہر قسم کی سامنے ہوں، جو پسند ہو وہ نوش فرماویں (کہ بعض مرتبہ پکی ہوئی سے ادھ کچری زیادہ پسند ہوتی ہیں) خوشہ سامنے رکھ کر جلدی سے گئے اور ایک بکری کا بچہ ذبح کیا اور جلدی جلدی کچھ تو ویسے ہی بھون لیا، کچھ سالن تیار لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روٹی میں تھوڑا سا گوشت رکھ کر ابوایوب رضی اللہ عنہ کو دیا کہ یہ فاطمہ کو پہنچا دو۔ اس کو بھی کئی دن سے کچھ نہیں مل سکا۔ وہ فوراً پہنچا کر آئے۔ ان حضرات نے بھی سیر ہو کر نوش فرمایا۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ دیکھو! یہ اللہ کی نعمتیں ہیں روٹی ہے، گوشت ہے، ہر قسم کی کچی اور پکی کھجوریں ہیں۔ یہ فرما کر نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اِرشاد فرمایا: اس پاک ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہی وہ نعمتیں ہیں جن سے قیامت میں سوال ہوگا، (جن حالات کے تحت میں اس وقت یہ چیزیں میسّر ہوئی تھیں ان کے لحاظ سے) صحابہ رضی اللہ عنہم کو بڑی گرانی اور فکر پیدا ہو گیا (کہ ایسی مجبوری اور اِضطرار کی حالت میں یہ چیزیں میسّر آئیں اور ان پر بھی سوال وحساب ہوگا)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ اللہ کا شکر ادا کرنا تو ضروری ہے ہی۔ جب اس قسم کی چیزوں پر

ہاتھ ڈالو تو اول "بِسْمِ اللّٰہِ" پڑھو اور جب کھا چکو تو کہو "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ هُوَ اَشْبَعَنَا وَاَنْعَمَ عَلَیْنَا وَاَفْضَلَ" (تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہم کو پیٹ بھر کر کھلایا اور ہم پر انعام فرمایا اور بہت زیادہ عطا فرمایا)۔ اس دعا کا پڑھنا شکر ادا کرنے میں کافی ہے۔

اس قسم کے واقعات کئی مرتبہ پیش آئے جو متعدد احادیث میں مختلف عنوانات سے ذکر کئے گئے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ابوالہیثم مالک بن تیہان کے مکان پر تشریف لے جانے کی نوبت آئی۔ اسی قسم کا ایک واقعہ ایک اور صاحب کے ساتھ پیش آیا جن کو واقفی کہا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گذر ایک شخص پر ہوا جو کوڑھی بھی تھا اور اندھا، بہرا، گونگا بھی تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے دریافت فرمایا کہ تم لوگ اللہ کی کچھ نعمتیں اس شخص پر بھی دیکھتے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اس کے پاس کونسی نعمت ہے؟ آپ نے اِرشاد فرمایا کہ کیا پیشاب سہولت سے نہیں کر سکتا؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت میں تین دربار ہیں: ایک دربار میں نیکیوں کا حساب ہے، دوسرے میں اللہ کی نعمتوں کا حساب ہے، تیسرے میں گناہوں کا مطالبہ ہے۔ نیکیاں نعمتوں کے مقابلہ میں ہو جائیں گی اور برائیاں باقی رہ جائیں گی جو اللہ کے فضل کے تحت میں ہوں گی۔ ان سب کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی جس قدر نعمتیں ہر آن اور ہر دم آدمی پر ہوتی ہیں ان کا شکر کرنا، ان کا حق ادا کرنا بھی آدمی کے ذمہ ہے، اس لئے جتنی مقدار بھی نیکیوں کی پیدا ہو سکے ان کو حاصل کرنے میں کمی نہ کرے اور کسی مقدار کو بھی زیادہ نہ سمجھے کہ وہاں پہنچ کر معلوم ہوگا کتنے کتنے گناہ ہم نے اپنی آنکھ، ناک، کان اور دوسرے بدن کے حصوں سے ایسے کئے ہیں جن کو ہم گناہ بھی نہ سمجھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کی قیامت میں اللہ کے یہاں پیشی نہ ہو کہ اس وقت نہ کوئی پردہ درمیان میں حائل ہوگا نہ ترجمان (وکیل وغیرہ)۔ دائیں طرف دیکھے گا تو اپنے اعمال کا انبار ہوگا، بائیں طرف دیکھے گا تب بھی یہی منظر ہوگا۔ جس قسم کے بھی اچھے یا برے اعمال کئے ہیں وہ سب ساتھ ہوں گے، جہنم کی آگ سامنے ہوگی، اس لئے جہاں تک ممکن ہو صدقہ سے جہنم کی آگ کو دفع کرو، خواہ کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت میں سب سے اول یہ سوال ہوگا کہ ہم نے تجھے بدن کی صحت عطا کی، اور ٹھنڈا

پانی پینے کو دیا (یعنی ان چیزوں کا کیا حق ادا کیا)۔ دوسری حدیث میں ہے کہ اس وقت تک آدمی حساب کے میدان سے نہ ہٹے گا جب تک پانچ ۵ چیزوں کا سوال نہ ہو جائے۔ عمر۱ کس کام میں خرچ کی؟ جوانی۲ (کی قوت) کس مشغلہ میں صرف کی؟ مال۳ کس طریقہ سے کمایا اور کس۴ طریقہ سے خرچ کیا؟ (یعنی کمائی کے اور خرچ کے طریقے جائز تھے یا ناجائز)۔ جو۵ کچھ علم حاصل کیا (خواہ کسی درجہ کا ہو) اس میں کیا عمل کیا؟ (یعنی جو مسائل معلوم تھے ان پر عمل کیا یا نہیں)۔

(۴) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَقِيْتُ اِبْرَاهِيْمَ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِيْ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! اَقْرِئْ اُمَّتَكَ مِنِّي السَّلَامَ، وَاَخْبِرْهُمْ اَنَّ الْجَنَّةَ طَيِّبَةُ التُّرْبَةِ عَذْبَةُ الْمَاءِ، وَاَنَّهَا قِيْعَانٌ وَاَنَّ غِرَاسَهَا "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ". (رواه الترمذی والطبرانی فی الصغیر والاوسط، وزاد "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" وقال الترمذی: حسن غریب من هذا الوجه، ورواه الطبرانی ایضًا باسناد وَاهٍ من حدیث سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ، وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما مَرْفُوْعًا: مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ غُرِسَ لَهٗ بِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ شَجَرَةٌ فِي الْجَنَّةِ. رواه الطبرانی واسناده حسن لا بأس به فی المتابعات، وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعًا: مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ شبِ معراج میں جب میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ اپنی امت کو میرا سلام کہہ دینا اور یہ کہنا کہ جنت کی نہایت عمدہ پاکیزہ مٹی ہے اور بہترین پانی، لیکن وہ بالکل چٹیل میدان ہے اور اس کے پودے (درخت) "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" ہیں (جتنے کسی کا دل چاہے درخت لگا لے)۔ ایک حدیث میں اس کے بعد "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" بھی ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ان کلموں میں سے ہر کلمہ کے بدلے ایک درخت جنت میں لگایا جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص "سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ" پڑھے گا ایک درخت جنت میں لگایا جاوے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ تشریف لے جا رہے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ

غُرِسَتْ لَـهُ نَخْلَةٌ فِي الْجَنَّةِ. (رواه الترمذی وحسنه، والنسائی إلا أنه قال شجرة، وابن حبان فی صحیحه والحاکم فی الموضعین باسنادین، قال فی أحدهما: علی شرط مسلم و فی الآخر علی شرط البخاری، وذکره فی الجامع الصغیر بروایة الترمذی وابن حبان والحاکم، ورقم له بالصحة، وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ مَرَّ بِهٖ وَهُوَ یَغْرِسُ الحدیث، رواه ابن ماجة باسناد حسن والحاکم وقال: صحیح الاسناد. کذا فی الترغیب، وعزاه فی الجامع إلی ابن ماجة والحاکم ورقم له بالصحة. قلت: وفی الباب من حدیث أبی أیوب رضی اللہ عنہ مرفوعًا، رواه أحمد باسناد حسن و ابن أبی الدنیا و ابن حبان فی صحیحه ورواه ابن أبی الدنیا والطبرانی من حدیث ابن عمر أیضا مرفوعا مختصرا، إلا أن فی حدیثهما الحوقلة فقط، کما فی الترغیب. قلت: وذکر السیوطی فی الدر حدیث ابن عباس مرفوعا بلفظ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ، وقال: أخرجه ابن مردویه، ذکر ایضًا حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ. وقال: أخرجه الترمذی وحسنه والطبرانی وابن مردویه: قلت: وذکره فی الجامع الصغیر بروایة الطبرانی ورقم له بالصحة وذکر فی مجمع الزوائد عدة روایات فی معنی هذا الحدیث)۔

ایک پودا لگا رہے ہیں۔ دریافت فرمایا: کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: درخت لگا رہا ہوں۔ اِرشاد فرمایا: بہترین پودے جو لگائے جاویں "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" ہر کلمہ سے ایک درخت جنّت میں لگتا ہے۔

ف: حضورِ اقدس ﷺ کے ذریعہ سے حضرت ابراہیم خلیلُ اللہ علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃ والسلامُ نے سلام بھیجا ہے، اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ جس شخص کے پاس یہ حدیث پہنچے اس کو چاہئے کہ حضرت خلیلُ اللہ کے سلام کے جواب میں "وَعَلَیْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ" کہے۔ اس کے بعد ارشاد ہے کہ جنّت کی مٹی بہترین ہے اور پانی میٹھا۔ اس کے دو مطلب ہیں: اوّل یہ کہ صرف اس جگہ کی حالت کا بیان کرنا ہے کہ بہترین جگہ ہے، جس کی مٹی کے متعلق احادیث میں آیا ہے کہ مشک وزعفران کی ہے اور پانی نہایت لذیذ۔ ایسی جگہ ہر شخص اپنا مَسکن بنانا چاہتا ہے اور تفریح وراحت کے لئے باغ وغیرہ لگانے کے اسباب مہیا ہوں تو کون چھوڑ سکتا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ زمین بہتر اور پانی بہتر ہو وہاں پیداوار بہت اچھی ہوتی ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ "سُبْحَانَ اللّٰه" کہہ دینے سے ایک درخت وہاں قائم ہو جاوے گا، اور پھر وہ جگہ اور پانی کی عمدگی کی وجہ سے خود ہی نشوونما پاتا رہے گا۔ صرف ایک مرتبہ بیج ڈال دینا ہے، باقی سب کچھ خود ہی ہو جائے گا۔ اس حدیث میں جنّت کو چٹیل میدان فرمایا ہے، اور جن احادیث میں جنّت کا

حال بیان کیا گیا ہے ان میں جنّت میں ہر قسم کے میوے، باغ، درختوں وغیرہ کا موجود ہونا بتایا گیا ہے، بلکہ جنّت کے معنی ہی باغ کے ہیں۔ اس لئے بظاہر اِشکال واقع ہوتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اصل کے اعتبار سے وہ میدان ہے، لیکن جس حالت پر وہ نیک عمل لوگوں کو دی جائے گی ان کے اعمال کے موافق اس میں باغ اور درخت وغیرہ موجود ہوں گے۔ دوسری توجیہ بعض علماء نے یہ فرمائی ہے کہ جنّت کے وہ باغ وغیرہ ان اعمال کے موافق ملیں گے۔ جب اِن اعمال کی وجہ سے، اور ان کے برابر ملے تو گویا یہ اعمال ہی درختوں کا سبب ہوئے۔ تیسری توجیہ یہ فرمائی گئی ہے کہ کم سے کم مقدار جو ہر شخص کے حصّہ میں ہے وہ ساری دنیا سے کہیں زائد ہے، اس میں بہت سے حصّہ میں خود اپنے اصلی باغ موجود ہیں اور بہت سا حصّہ خالی پڑا ہوا ہے۔ جتنا کوئی ذکر تسبیح وغیرہ کرے گا اتنے ہی درخت اور لگ جائیں گے۔ شیخ المشائخ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد جو "اَلْکَوْکَبُ الدُّرِّیّ[1]" میں نقل کیا گیا ہے کہ اس کے سارے درخت پنیر کی طرح سے ایک جگہ مجتمع ہیں۔ ہر شخص جس قدر اعمالِ خیر کرتا رہتا ہے اُتنا ہی اُس کے حصّہ کی زمین میں لگتے رہتے ہیں اور نشو ونما پاتے رہتے ہیں۔

(۵) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ هَالَهُ اللَّيْلُ اَنْ يُكَابِدَهُ اَوْ بَخِلَ بِالْمَالِ اَنْ يُنْفِقَهُ اَوْجَبُنَ عَنِ الْعَدُوِّ اَنْ يُقَاتِلَهُ ، فَلْيُكْثِرْ مِنْ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ؛ فَاِنَّهَا اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ جَبَلِ ذَهَبٍ يُنْفِقُهُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ . (رواه الفریابی والطبرانی واللفظ لہ، وھو حدیث غریب ولا باس باسنادہ ان شاء اللّٰہ، کذا فی الترغیب، وفی مجمع الزوائد رواہ الطبرانی،

حضور ﷺ کا اِرشاد ہے کہ جو شخص رات کو مشقت جھیلنے سے ڈرتا ہو (کہ راتوں کو جاگنے اور عبادت میں مشغول رہنے سے قاصر ہو) یا بخل کی وجہ سے مال خرچ کرنا دشوار ہو یا بزدلی کی وجہ سے جہاد کی ہمت نہ پڑتی ہو اس کو چاہئے کہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" کثرت سے پڑھا کرے کہ اللہ کے نزدیک یہ کلام پہاڑ کی بقدر سونا خرچ کرنے سے بھی زیادہ محبوب ہے۔

[1] یہ عربی میں ترمذی شریف کی شرح ہے۔

وفيه سليمان بن احمد الواسطي وثقه عبدان، وضعفه الجمهور، والغالب على بقية رجاله التوثيق. وفي الباب عن أبي هريرة رضي الله عنه مرفوعًا، أخرجه ابن مردويه وابن عباس أيضًا عند ابن مردويه كذا في الدر)۔

ف: کس قدر اللہ کا فضل ہے کہ ہر قسم کی مشقت سے بچنے والوں کے لئے بھی فضائل اور درجات کا دروازہ بند نہیں فرمایا۔ راتوں کو نہیں جاگا جاتا، کنجوسی سے پیسہ خرچ نہیں ہوتا، بزدلی اور کم ہمتی سے جہاد جیسا مبارک عمل نہیں ہوتا۔ اس کے بعد بھی اگر دین کی قدر ہے، آخرت کا فکر ہے تو اس کے لئے راستہ کھلا ہوا ہے، پھر بھی کچھ کما نہ سکے تو کم نصیبی کے سوا اور کیا ہے؟ پہلے یہ مضمون ذرا تفصیل سے گذر چکا ہے۔

(۶) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَحَبُّ الْكَلَامِ اِلَى اللّٰهِ اَرْبَعٌ: سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا يَضُرُّكَ بِاَيِّهِنَّ بَدَأْتَ. (رواه مسلم و ابن ماجة والنسائي، و زاد وهن من القرآن، و رواه النسائي أيضاً وابن حبان في صحيحه من حديث أبي هريرة، كذا في الترغيب، وعزا السيوطي حديث سمرة إلى أحمد أيضًا ورقم له بالصحة وحديث أبي هريرة إلى مسند الفردوس للديلمي ورقم له أيضًا بالصحة).

حضور ﷺ کا ارشاد ہے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کلام چار کلمے ہیں: "سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ" ان میں سے جس کو چاہے پہلے پڑھے اور جس کو چاہے بعد میں (کوئی خاص ترتیب نہیں) ایک حدیث میں ہے کہ یہ کلمے قرآن پاک میں بھی موجود ہیں۔

ف: یعنی قرآنِ پاک کے الفاظ میں بھی یہ کلمے کثرت سے وارد ہوئے ہیں اور قرآن پاک میں ان کا حکم، ان کی ترغیب وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ پہلی فصل میں مفصل بیان ہو چکا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ عیدوں کو ان کلموں کے ساتھ مزین کیا کرو یعنی عید کی زینت یہ ہے کہ ان کلموں کا کثرت سے ورد کیا جائے۔

(۷) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: اِنَّ الْفُقَرَاءَ الْمُهَاجِرِيْنَ اَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالُوْا: قَدْ ذَهَبَ اَهْلُ الدُّثُوْرِ

حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک مرتبہ فقراء مہاجرین جمع ہو کر حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ مالدار سارے

بِالدَّرَجَاتِ الْعُلٰى وَ النَّعِيْمِ الْمُقِيْمِ، فَقَالَ: مَاذَاكَ؟ قَالُوْا: يُصَلُّوْنَ كَمَا نُصَلِّيْ، وَيَصُوْمُوْنَ كَمَا نَصُوْمُ، وَيَتَصَدَّقُوْنَ وَلَا نَتَصَدَّقُ، وَيُعْتِقُوْنَ وَلَا نُعْتِقُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَفَلَا اُعَلِّمُكُمْ شَيْئًا تُدْرِكُوْنَ بِهٖ مَنْ سَبَقَكُمْ، وَ تَسْبِقُوْنَ بِهٖ مَنْ بَعْدَكُمْ، وَلَا يَكُوْنُ اَحَدٌ اَفْضَلَ مِنْكُمْ اِلَّا مَنْ صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُمْ؟ قَالُوْا: بَلٰى، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: تُسَبِّحُوْنَ وَتُكَبِّرُوْنَ وَ تَحْمَدُوْنَ دُبُرَ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلَاثًا وَّ ثَلٰثِيْنَ مَرَّةً. قَالَ اَبُوْ صَالِحٍ: فَرَجَعَ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالُوْا: سَمِعَ اِخْوَانُنَا اَهْلُ الْاَمْوَالِ بِمَا فَعَلْنَا، فَفَعَلُوْا مِثْلَهٗ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ. (متفق علیه ولیس قول ابی صالح الی اخره إلا عند مسلم، وفی روایة للبخاری "تُسَبِّحُوْنَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ عَشْرًا، وَ تُحَمِّدُوْنَ عَشْرًا، وَتُكَبِّرُوْنَ عَشْرًا بَدْلَ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِيْنَ" كذافي المشكوٰة. وعن ابی ذرؓ بنحو هذا الحديث وفيه: اِنَّ بِكُلِّ تَسْبِيْحَةٍ صَدَقَةً، وَبِكُلِّ تَحْمِيْدَةٍ صَدَقَةٌ، وَفِيْ بُضْعِ اَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ،

بلند درجے لے اڑے اور ہمیشہ کی رہنے والی نعمت انہیں کے حصہ میں آ گئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کیوں؟ عرض کیا کہ نماز روزہ میں تو یہ ہمارے شریک کہ ہم بھی کرتے ہیں یہ بھی، اور مالدار ہونے کی وجہ سے یہ لوگ صدقہ کرتے ہیں، غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم ان چیزوں سے عاجز ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی چیز بتاؤں کہ تم اس پر عمل کر کے اپنے سے پہلوں کو پکڑ لو اور بعد والوں سے بھی آگے بڑھے رہو اور کوئی شخص تم سے اس وقت تک افضل نہ ہو جب تک ان ہی اعمال کو نہ کرے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ضرور بتا دیجئے۔ ارشاد فرمایا کہ ہر نماز کے بعد "سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ" ۳۳،۳۳ مرتبہ پڑھ لیا کرو، ان حضرات نے شروع کر دیا، مگر اس زمانہ کے مالدار بھی اسی نمونہ کے تھے، انہوں نے بھی معلوم ہونے پر شروع کر دیا) تو فقراء دوبارہ حاضر ہوئے کہ یا رسول اللہ! ہمارے مالدار بھائیوں نے بھی سن لیا اور وہ بھی یہی کرنے لگے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے، اس

قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! يَأْتِيْ اَحَدُنَا شَهْوَتَهٗ، يَكُوْنُ لَهٗ فِيْهَا اَجْرٌ؟ الحديث اخرجه أحمد و (في الباب عن أبي الدرداء عند أحمد)

کوکون روک سکتا ہے؟ ایک دوسری حدیث میں بھی اسی طرح یہ قصّہ ذکر کیا گیا، اس میں حضور ﷺ کا اِرشاد ہے کہ تمہارے لئے بھی اللہ نے صدقہ کا قائم مقام بنا رکھا ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ ایک مرتبہ کہنا صدقہ ہے، "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" ایک مرتبہ کہنا صدقہ ہے، بیوی سے صحبت کرنا صدقہ ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے تعجب سے عرض کیا: یارسول اللہ! بیوی سے ہم بستری میں اپنی شہوت پوری کرے اور یہ صدقہ ہو جائے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر حرام میں مبتلا ہوتو گناہ ہوگا یا نہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ضرور ہوگا۔ اِرشاد فرمایا: اسی طرح حلال میں صدقہ اور اَجر ہے۔

ف: مطلب یہ ہے کہ اس نیت سے صحبت کرنا کہ حرام کاری سے بچے ثواب اور اجر کا سبب ہے، اسی قصّہ کی ایک دوسری حدیث میں اس اشکال کے جواب میں کہ بیوی سے ہم بستری اپنی شہوت کا پورا کرنا ہے حضور ﷺ کا یہ جواب نقل کیا گیا ہے: بتاؤ، اگر بچہ پیدا ہو جائے پھر وہ جوان ہونے لگے اور تم اس کی خوبیوں کی امید باندھنے لگو پھر وہ مر جائے، کیا تم ثواب کی امید رکھتے ہو؟ عرض کیا گیا کہ بیشک امید ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کیوں تم نے اس کو پیدا کیا؟ تم نے اس کو ہدایت کی تھی؟ تم نے اس کو روزی دی تھی؟ بلکہ اللہ ہی نے پیدا کیا ہے، اسی نے ہدایت دی ہے، وہی روزی عطا کرتا ہے۔ اسی طرح صحبت سے تم نطفہ کو حلال جگہ رکھتے ہو، پھر اللہ کے قبضہ میں ہے کہ چاہے اس کو زندہ کرے کہ اس سے اولاد پیدا کر دے یا مردہ کرے کہ اولاد پیدا نہ ہو۔ اس حدیث کا مقتضیٰ یہ ہے کہ یہ اجر وثواب بچہ کے پیدا ہونے کا سبب ہونے کی وجہ سے ہے۔

(۸) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ سَبَّحَ اللّٰهَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِيْنَ، وَحَمِدَ اللّٰهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ، وَكَبَّرَ اللّٰهَ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ، فَتِلْكَ تِسْعَةٌ وَّتِسْعُوْنَ، وَقَالَ

حضورِ اقدس ﷺ کا اِرشاد ہے کہ جو شخص ہر نماز کے بعد "سُبْحَانَ اللّٰهِ" تینتیس مرتبہ۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" تینتیس مرتبہ۔ "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" تینتیس مرتبہ اور ایک مرتبہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ

تَمَامُ الْمِائَةِ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، غُفِرَتْ خَطَايَاهُ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ. (رواه مسلم، كذا فى المشكوة، وكذا فى مسندِ أحمد)

لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" پڑھے۔ اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، خواہ اتنی کثرت سے ہوں جتنے سمندر کے جھاگ۔

ف: خطایا کی مغفرت کے بارہ میں پہلے کئی حدیثوں کے تحت میں بحث گذر چکی ہے کہ ان خطایا سے مراد علماء کے نزدیک صغیرہ گناہ ہیں۔ اس حدیث میں تین کلمے تینتیس ۳۳، تینتیس ۳۳ مرتبہ اور "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" ایک مرتبہ وارد ہوا ہے۔ اس سے اگلی حدیث میں دو کلمے تینتیس، تینتیس مرتبہ اور "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" چونتیس مرتبہ آ رہا ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ہم کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے "سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ" ہر ایک کو تینتیس مرتبہ ہر نماز کے بعد پڑھنے کا حکم فرمایا تھا۔ ایک انصاری نے خواب میں دیکھا کوئی شخص کہتا ہے کہ ہر ایک کلمہ کو پچیس ۲۵ مرتبہ کر لو اور ان کے ساتھ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" پچیس ۲۵ مرتبہ اضافہ کر لو، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما لیا اور اس کی اجازت فرما دی کہ ایسا ہی کر لیا جائے۔ ایک حدیث میں "سُبْحَانَ اللّٰهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کلمہ کو ہر نماز کے بعد گیارہ مرتبہ کا حکم ہے اور ایک حدیث میں دس ۱۰، دس ۱۰، مرتبہ وارد ہوا ہے۔ ایک حدیث میں "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" دس ۱۰ مرتبہ، باقی تینوں کلمے ہر ایک تینتیس ۳۳ مرتبہ۔ ایک حدیث میں ہر نماز کے بعد چاروں کلمے سو ۱۰۰ سو ۱۰۰ مرتبہ وارد ہوئے ہیں جیسا کہ "حِصْنِ حَصِين" میں ان روایات کو ذکر کیا گیا ہے۔ یہ اختلاف بظاہر حالات کے اختلاف کی وجہ سے ہے کہ آدمی فراغت اور مشاغل کے اعتبار سے مختلف ہیں، جو لوگ دوسرے ضروری کاموں میں مشغول ہیں ان کے لئے کم مقدار تجویز فرمائی، اور جو لوگ فارغ ہیں ان کے لئے زیادہ مقدار، لیکن محققین کی رائے یہ ہے کہ جو عدد احادیث میں مذکور ہیں ان کی رعایت ضروری ہے کہ جو چیز دوا کے طور پر استعمال کی جاتی ہے اس میں مقدار کی رعایت بھی اہم ہے۔

(۹) عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مُعَقِّبَاتٌ لَا يَخِيْبُ قَائِلُهُنَّ اَوْفَاعِلُهُنَّ دُبُرَ كُلِّ صَلٰوةٍ مَكْتُوْبَةٍ: ثَلٰثٌ وَثَلٰثُوْنَ تَسْبِيْحَةً وَثَلٰثٌ وَ ثَلٰثُوْنَ تَحْمِيْدَةً، وَاَرْبَعٌ وَثَلٰثُوْنَ تَكْبِيْرَةً.

حضورِ اقدس ﷺ کا اِرشاد ہے کہ چند پیچھے آنے والے (کلمات) ایسے ہیں جن کا کہنے والا نامراد نہیں ہوتا، وہ یہ ہیں کہ ہر فرض نماز کے بعد تینتیس ۳۳ مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ، تینتیس ۳۳ مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، چونتیس ۳۴ مرتبہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔

(رواہ مسلم کذا فی المشکوٰۃ و عزاہ السیوطی فی الجامع إلی أحمد و مسلم والترمذی والنسائی ورقم لہ بالضعف، وفی الباب عن أبی الدرداء عند الطبرانی)

ف: ان کلمات کو پیچھے آنے والے یا تو اس وجہ سے فرمایا کہ یہ نمازوں کے بعد پڑھے جاتے ہیں، یا اس وجہ سے کہ گناہوں کے بعد پڑھنے سے ان کو دھونے اور مٹا دینے والے ہیں یا اس وجہ سے کہ یہ کلمات ایک دوسرے کے بعد پڑھے جاتے ہیں۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں نمازوں کے بعد سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تینتیس ۳۳، تینتیس ۳۳ بار، اور اَللّٰهُ اَكْبَرُ چونتیس ۳۴ مرتبہ پڑھنے کا حکم کیا گیا ہے۔

(۱۰) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہ رَفَعَهٗ: اَمَا يَسْتَطِيْعُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّعْمَلَ كُلَّ يَوْمٍ مِثْلَ اُحُدٍ عَمَلًا؟ قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَنْ يَّسْتَطِيْعُ؟ قَالَ: كُلُّكُمْ يَسْتَطِيْعُ. قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا ذَا؟ قَالَ: "سُبْحَانَ اللّٰهِ" اَعْظَمُ مِنْ اُحُدٍ وَّ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" اَعْظَمُ مِنْ اُحُدٍ وَّ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" اَعْظَمُ مِنْ اُحُدٍ وَّ "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" اَعْظَمُ مِنْ اُحُدٍ. (اللکبیر والبزار کذا فی جمع الفوائد، الیہما عزاہ فی الحصن ومجمع الزوائد

حضورِ اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: کیا تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے کہ روزانہ اُحد (جو مدینہ منورہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے) کے برابر عمل کرلیا کرے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کی کون طاقت رکھتا ہے؟ (کہ اتنے بڑے پہاڑ کے برابر عمل کرے) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر شخص طاقت رکھتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، اس کی کیا صورت ہے؟ ارشاد فرمایا کہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ" کا

ثوابِ اُحد سے زیادہ ہے، "لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" (وقال: رجالها رجال الصحيح)
کا اُحد سے زیادہ ہے، "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کا احد سے زیادہ ہے، "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کا اُحد سے زیادہ ہے۔

ف: یعنی ان کلموں میں سے ہر کلمہ ایسا ہے جس کا ثواب احد پہاڑ سے زیادہ ہے اور ایک پہاڑ کیا، نامعلوم کتنے ایسے پہاڑوں سے زیادہ ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" سارے آسمانوں اور زمینوں کو ثواب سے بھر دیتے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ" کا ثواب آدھی ترازو ہے، اور "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" اس کو پُر کر دیتی ہے اور "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" آسمان زمین کے درمیان کو پُر کر دیتی ہے۔ ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد نقل کیا گیا ہے کہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ" مجھے ہر اُس چیز سے زیادہ محبوب ہے جس پر آفتاب نکلے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ ساری ہی دنیا اللہ کے واسطے خرچ کر دوں تو اس سے بھی یہ زیادہ محبوب ہیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہوائی تخت پر تشریف لے جا رہے تھے، پرندے آپ پر سایہ کئے ہوئے تھے اور جن و اِنس وغیرہ لشکر در قطار۔ ایک عابد پر گذر ہوا جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس وسعتِ ملکی اور عمومِ سلطنت کی تعریف کی۔ آپ نے اِرشاد فرمایا کہ مومن کے اعمال نامہ میں ایک تسبیح سلیمان بن داؤد کے سارے ملک سے اچھی ہے کہ یہ ملک فنا ہو جائے گا اور تسبیح باقی رہنے والی چیز ہے۔

(۱۱) عَنْ اَبِیْ سَلَامٍ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: بَخٍّ بَخٍّ!! خَمْسٌ مَا اَثْقَلَهُنَّ فِی الْمِیْزَانِ: لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَالْوَلَدُ الصَّالِحُ يُتَوَفّٰى لِلْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فَيَحْتَسِبُهُ.

ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ واہ واہ!! پانچ چیزیں (اعمالنامہ تُلنے کی) ترازو میں کتنی زیادہ وزنی ہیں: لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور وہ بچہ جو مر جائے اور باپ (اسی طرح ماں بھی) اس پر صبر کرے۔

(الحديث أخرجه أحمد في مسنده، ورجاله ثقات كما في مجمع الزوائد، والحاكم وقال: صحيحُ الاسناد،

و اقره عليه الذهبي، وذكره في الجامع الصغير برواية البزار عن ثوبان، وبرواية النسائي وابن حبان والحاكم عن أبي سلمى، وبرواية أحمد عن أبي أمامة، ورقم له بالحسن. وذكره في مجمع الزوائد برواية ثوبان و أبي سلمى راعي رسول الله ﷺ، وسفينة ، ومولى لرسول الله ﷺ لم يسم، وصحح بعض طرقها)

ف: یہ مضمون کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعدد احادیث میں نقل کیا گیا ہے۔ نخ نخ!! بڑے سرور اور فرحت کا کلمہ ہے۔ جس چیز کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس خوشی اور مسرت سے ارشاد فرما رہے ہوں، عطا فرما رہے ہوں، کیا محبت کا دعویٰ کرنے والوں کے ذِمہ نہیں ہے کہ ان کلموں پر مرمٹیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خوشی کی قدر دانی اور اس کا استقبال یہی ہے۔

(۱۲) عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ رضی اللہ عنہ عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: قَالَ نُوْحٌ لِّابْنِهٖ: اِنِّيْ مُوْصِيْكَ بِوَصِيَّةٍ، وَقَاصِرُهَا لِكَيْ لَا تَنْسَاهَا، اُوْصِيْكَ بِاثْنَيْنِ وَاَنْهَاكَ عَنِ اثْنَيْنِ: اَمَّا الَّتِيْ اُوْصِيْكَ بِهِمَا فَيَسْتَبْشِرُ اللّٰهُ بِهِمَا وَصَالِحُ خَلْقِهٖ وَهُمَا يُكْثِرَانِ الْوُلُوْجَ عَلَى اللّٰهِ، اُوْصِيْكَ بِلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَوْ كَانَتَا حَلْقَةً قَصَمَتْهُمَا وَلَوْ كَانَتَا فِيْ كَفَّةٍ وَ زَنَتْهُمَا، وَاُوْصِيْكَ بِسُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ؛ فَاِنَّهُمَا صَلٰوةُ الْخَلْقِ، وَبِهَا يُرْزَقُ الْخَلْقُ "وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا" ○ (بنی اسرائیل: ٤٤) وَاَمَّا الثِّنْتَانِ اَنْهَاكَ عَنْهُمَا، فَيَحْتَجِبُ اللّٰهُ مِنْهُمَا وَصَالِحُ

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اور اس خیال سے کہ بھول نہ جاؤ نہایت مختصر کہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ دو کام کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور دو کاموں سے روکتا ہوں۔ جن دو کاموں کے کرنے کی وصیت کرتا ہوں وہ دونوں ایسے ہیں کہ اللہ جل جلالہٗ ان سے نہایت خوش ہوتے ہیں اور اللہ کی نیک مخلوق ان سے خوش ہوتی ہے۔ ان دونوں کاموں کی اللہ کے یہاں رسائی (اور مقبولیت) بھی بہت زیادہ ہے، ان دو میں سے ایک "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہے کہ اگر تمام آسمان اور زمین ایک حلقہ ہو جائیں تو بھی یہ پاک کلمہ ان کو توڑ کر آسمان پر جائے بغیر نہ رہے اور اگر تمام آسمان اور زمین کو ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے

خَلْقِهٖ: اَنْهَاكَ عَنِ الشِّرْكِ وَالْكِبْرِ. (رواه النسائي واللفظ له، والبزار والحاكم من حديث عبد الله بن عمرو، وقال: صحيح الاسناد، كذا في الترغيب وقلت: وقد تقدم في بيان التهليل حديث عبدالله بن عمر رضي الله عنهما مرفوعًا وتقدم فيه أيضاً ما في الباب وتقدم في الآيات قوله عزاسمه" وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (الآية). وَاَخْرَجَ ابْنُ جَرِيْرٍ وَابْنُ اَبِيْ حَاتِمٍ وَاَبُوالشَّيْخِ فِي الْعَظَمَةِ عَنْ جَابِرٍ مَرْفُوْعًا "اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِشَيْءٍ اَمَرَ بِهٖ نُوْحٌ ابْنَهٗ اِنَّ نُوْحًا قَالَ لِابْنِهٖ: يَا بُنَيَّ: اٰمُرُكَ اَنْ تَقُوْلَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا صَلٰوةُ الْخَلْقِ وَتَسْبِيْحُ الْخَلْقِ وَبِهَا يُرْزَقُ الْخَلْقُ" وَاَخْرَجَ احمد وابن مردويه عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعًا "اِنَّ نُوْحًا لَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ قَالَ لِابْنِهٖ: اٰمُرُكُمَا بِسُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ فَاِنَّهَا صَلٰوةُ كُلِّ شَيْءٍ وَبِهَا يُرْزَقُ كُلُّ شَيْءٍ" كذا في الدر)

میں یہ پاک کلمہ ہو تب بھی وہی پلڑا جھک جائے گا اور دوسرا کام جو کرنا ہے وہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" کا پڑھنا ہے کہ یہ کلمہ ساری مخلوق کی عبادت ہے اور اسی کی برکت سے ساری مخلوق کو روزی دیجاتی ہے۔ کوئی بھی چیز مخلوق میں ایسی نہیں جو اللہ کی تسبیح نہ کرتی ہو، مگر تم لوگ ان کا کلام سمجھتے نہیں ہو اور جن چیزوں سے منع کرتا ہوں وہ شرک اور تکبّر ہے کہ ان دونوں کی وجہ سے اللہ سے حجاب ہوتا ہے اور اللہ کی نیک مخلوق سے حجاب ہو جاتا ہے۔

ف: "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کے بیان میں بھی اس حدیث کا مضمون گذر چکا ہے، تسبیح کے متعلق جو ارشاد اس حدیث میں ہے قرآن پاک کی آیات میں بھی گذر چکا ہے: "وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ" قرآن پاک کی آیت ہے۔ نبیِ اکرم ﷺ کا ارشاد بہت سی احادیث میں وارد ہوا ہے کہ شبِ معراج میں آسمانوں کی تسبیح حضورِ اقدس ﷺ نے خود سنی۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ کا ایسی جماعت پر گذر ہوا جو اپنے گھوڑوں اور اونٹوں پر کھڑی ہوئی تھی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جانوروں کو منبر اور کرسیاں نہ بناؤ، بہت سے جانور سواروں سے بہتر اور ان سے زیادہ اللہ کا ذکر کرنے والے ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کھیتی بھی تسبیح کرتی ہے اور کھیتی والے کو اس کا ثواب ملتا ہے۔

ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک پیالہ پیش کیا گیا جس میں ثَرید تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کھانا تسبیح کر رہا ہے۔ کسی نے عرض کیا: آپ اس کی تسبیح سمجھتے ہیں؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں سمجھتا ہوں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ اس کو فلاں شخص کے قریب کردو، وہ پیالہ اس کے قریب کیا گیا تو انہوں نے بھی تسبیح سنی۔ اس کے بعد یہ پھر ایک تیسرے صاحب کے قریب اسی طرح کیا گیا، انہوں نے بھی سنا۔ کسی نے درخواست کی کہ مجمع کے سب ہی لوگوں کو سنوایا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ اگر کسی کو ان میں سے سنائی نہ دے تو لوگ سمجھیں گے کہ یہ گناہ گار ہے، اس چیز کا تعلق کشف سے ہے۔ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو تو یہ چیز بدرجۂ اتم حاصل تھی اور ہونا چاہئے تھی۔ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی بسا اوقات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت اور انوارِ قُرب کی بدولت یہ چیز حاصل ہو جاتی تھی، سینکڑوں واقعات اس کے شاہد ہیں۔ صوفیہ کو بھی اکثر یہ چیز مجاہدوں کی کثرت سے حاصل ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ جمادات اور حیوانات کی تسبیح، ان کا کلام، ان کی گفتگو سمجھ لیتے ہیں، لیکن محققین مشائخ کے نزدیک چونکہ یہ چیز نہ دلیلِ کمال ہے نہ موجبِ قُرب، کہ جو بھی اس قسم کے مجاہدے کرتا ہے وہ حاصل کر لیتا ہے، خواہ اس کو حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں قرب حاصل ہو یا نہ ہو۔ اس لئے محققین اس کو غیر اہم سمجھتے ہیں، بلکہ اس لحاظ سے مُضِر سمجھتے ہیں کہ جب مبتدی اس میں لگ جاتا ہے تو دنیا کی سیر کا ایک شوق پیدا ہو کر ترقی کے لئے مانع بن جاتا ہے۔ مجھے اپنے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض خدام کے متعلق معلوم ہے کہ جب ان کو یہ صورتِ کشف پیدا ہونے لگی تو حضرت نے چند روز کے لئے اہتمام سے سب ذکر شغل چھڑا دیا تھا کہ مبادا یہ حالت ترقی پکڑ جائے۔ اس کے عِلاوہ یہ حضرات اس لئے بھی بچتے ہیں کہ اس صورت میں دوسروں کے گناہوں کا اظہار ہوتا ہے جو ان حضرات کے لئے تکدُّر کا سبب ہوتا ہے۔

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''میزانُ الکبریٰ'' میں لکھا ہے کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جب کسی شخص کو وضو کرتے ہوئے دیکھتے تو اس پانی میں جو گناہ دھلتا ہوا نظر آتا اس کو معلوم کر لیتے۔ یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ کبیرہ گناہ ہے یا صغیرہ، مکروہ فعل ہے یا خلافِ اَولیٰ، جیسا کہ حِسّی چیزیں نظر آیا کرتی ہیں اسی طرح یہ بھی معلوم ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ کوفہ کی

جامع مسجد کے وضو خانہ میں تشریف فرما تھے، ایک جوان وضو کر رہا تھا۔ اس کے وضو کا پانی گرتے ہوئے آپ نے دیکھا، اس کو چپکے سے نصیحت فرمائی کہ بیٹا! والدین کی نافرمانی سے توبہ کر لے، اس نے توبہ کی۔ ایک دوسرے شخص کو دیکھا تو اس کو نصیحت فرمائی کہ بھائی زِنا نہ کیا کر، بہت بُرا عیب ہے۔ اس وقت اس نے بھی زِنا سے توبہ کی۔ ایک اور شخص کو دیکھا کہ شراب خوری اور لہو ولعب کا پانی گر رہا ہے۔ اس کو بھی نصیحت فرمائی، اس نے بھی توبہ کی۔ الغرض اس کے بعد اِمام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ سے دعا کی کہ اے اللہ! اس چیز کو مجھ سے دور فرما دے کہ میں لوگوں کی برائیوں پر مُطّلع ہونا نہیں چاہتا۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے دعا قبول فرمالی اور یہ چیز زائل ہوگئی۔ کہتے ہیں کہ اسی زمانہ میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مُستعمل پانی کے ناپاک ہونے کا فتویٰ دیا تھا، کیونکہ جب وہ پانی گندہ اور مُتعفّن نظر آتا تھا تو کیسے اس کو پاک فرماتے؟ مگر جب یہ چیز زائل ہوگئی تو اس کو ناپاک فرمانا بھی چھوڑ دیا۔ ہمارے حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کے خدام میں ایک صاحب تھے جو کئی کئی روز اس وجہ سے استنجا نہیں جا سکتے تھے کہ ہر جگہ انوار نظر آتے تھے، اور بھی سینکڑوں ہزاروں واقعات اس قسم کے ہیں جن میں کسی قسم کے تردّد کی گنجائش نہیں کہ جن لوگوں کو کشف سے کوئی حصّہ ملتا ہے وہ اس حصّہ کے بقدر احوال کو معلوم کر لیتے ہیں۔

(۱۳) عَنْ اُمِّ هَانِئٍ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: مَرَّ بِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَدْ كَبِرْتُ وَضَعُفْتُ، اَوْ كَمَا قَالَتْ، فَمُرْنِیْ بِعَمَلٍ اَعْمَلُهٗ، وَاَنَا جَالِسَةٌ، قَالَ سَبِّحِی اللّٰهَ مِائَةَ تَسْبِيْحَةٍ، فَاِنَّهَا تَعْدِلُ لَكِ مِائَةَ رَقَبَةٍ تُعْتِقِيْنَهَا مِنْ وُلْدِ اِسْمٰعِيْلَ علیہ السلام، وَاحْمَدِی اللّٰهَ مِائَةَ تَحْمِيْدَةٍ، فَاِنَّهَا تَعْدِلُ لَكِ مِائَةَ فَرَسٍ مُسْرَجَةٍ مُلْجَمَةٍ تَحْمِلِيْنَ عَلَيْهَا فِیْ

حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں بوڑھی ہوگئی ہوں اور ضعیف ہوں۔ کوئی ایسا عمل بتا دیجئے کہ بیٹھے بیٹھے کرتی رہا کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سُبْحَانَ اللّٰهِ" سو مرتبہ پڑھا کرو۔ اس کا ثواب ایسا ہے گویا تم نے سو غلام عرب آزاد کئے اور "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" سو مرتبہ پڑھا کرو، اس کا ثواب ایسا ہے گویا تم نے سو گھوڑے مع

سَبِيْلِ اللّٰهِ، وَكَبِّرِى اللّٰهَ مِائَةَ تَكْبِيْرَةٍ، فَاِنَّهَا تَعْدِلُ لَكِ مِائَةَ بَدَنَةٍ مُقَلَّدَةٍ مُتَقَبَّلَةٍ، وَهَلِّلِى اللّٰهَ مِائَةَ تَهْلِيْلَةٍ. قَالَ اَبُوْخَلْفٍ: اَحْسِبُهٗ قَالَ: "تَمْلَأُ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَلَا يُرْفَعُ لِاَحَدٍ عَمَلٌ اَفْضَلُ مِمَّا يُرْفَعُ لَكِ اِلَّا اَنْ يَّاْتِيَ بِمِثْلِ مَا اَتَيْتِ". (رواه احمد باسناد حسن، واللفظ له، والنسائي ولم يقل ولا يرفع إلى اخره، والبيهقي بتمامه وابن ابي الدنيا فجعل ثواب الرقاب في التحميد والفرس في التسبيح، وابن ماجة بمعناه باختصار، والطبراني في الكبير بنحو احمد ولم يقل احسبه. وفي الأوسط باسناد حسن بمعناه كذا في الترغيب باختصار. قلت: رواه الحاكم بمعناه وصححه، و عزاه في الجامع الصغير إلى أحمد والطبراني والحاكم ورقم له بالصحة، و ذكره في مجمع الزوائد بطرق وقال: أسانيدهم حسنة. وفي الترغيب ايضاً عن أبي امامة مرفوعا بنحو حديث الباب مختصراً. وقال: رواه الطبراني ورواته رواة الصحيح خلا سليم بن عثمان الفوزي يكشف حاله؛ فانه لايحضرني الآن، فيه جرح ولاعدالة. وفي الباب عن سلمى أم بني أبي رافع قالت: يا رسول الله! أخبرني بكلمات ولاتكثر علي الحديث مختصراً، وفيه التكبير والتسبيح عشرًا عشرًا واللّٰهم اغفرلي عشرًا. قال المنذري: رواه الطبراني ورواته محتج بهم في الصحيح. قلت: وبمعناه عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ مَرْفُوْعًا بِلَفْظِ "مَنْ سَبَّحَ لِلّٰهِ مِائَةً بِالْغَدَاةِ وَ مِائَةً بِالْعَشِيِّ، كَانَ كَمَنْ حَجَّ مِائَةَ حَجَّةٍ" الحديث وجعل فيه التحميد كمن حمل على مائة فرس، والتهليل كمن اعتق

سامان لگام وغیرہ جہاد میں سواری کے لئے دیدیئے اور "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" سو مرتبہ پڑھا کرو، یہ ایسا ہے گویا تم نے سو اونٹ قربانی میں ذبح کئے اور وہ قبول ہو گئے اور "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" سو مرتبہ پڑھا کرو اس کا ثواب تو تمام آسمان زمین کے درمیان کو بھر دیتا ہے، اس سے بڑھ کر کسی کا کوئی عمل نہیں جو مقبول ہو۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے کوئی وظیفہ مختصر سا بتا دیجئے، زیادہ لمبا نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" دس مرتبہ پڑھا کرو، اللہ جَلَّ شَانُہٗ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ میرے لئے ہے۔ پھر "سُبْحَانَ اللّٰهِ" دس مرتبہ کہا کرو، اللہ تعالیٰ پھر یہی فرماتے ہیں کہ یہ میرے لئے ہے، پھر "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ" دس مرتبہ پڑھا کرو، حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں کہ ہاں میں نے مغفرت کر دی۔ دس مرتبہ تم "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ" کہو دس مرتبہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے مغفرت کر دی۔

مائة رقبة من ولد اسمٰعيل ذكره في المشكوة برواية الترمذي وقال: حسن غريب)

ف: ضعفاء اور بوڑھوں کے لئے بالخصوص عورتوں کے لئے کس قدر سہل اور مختصر چیز حضورِ اقدس ﷺ نے تجویز فرما دی ہے۔ دیکھیے! ایسی مختصر چیزوں پر جن میں نہ زیادہ مشقت ہے، نہ چلنا پھرنا ہے کتنے بڑے بڑے ثوابوں کا وعدہ ہے۔ کتنی کم نصیبی ہوگی اگر ان کو وصول نہ کیا جائے۔ حضرت اُمِ سُلَیم رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا: کوئی چیز مجھے تعلیم فرما دیجئے جس کے ذریعہ سے نماز میں دعا کیا کروں۔ حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ" دس۱۰، دس۱۰ مرتبہ پڑھ لیا کرو اور جو چاہے اس کے بعد دعا کیا کرو۔ دوسری حدیث میں اس کے بعد یہ ارشاد ہے کہ جو چاہے دعا کیا کرو، حق تعالیٰ شانہٗ اس دعا پر فرماتے ہیں: ہاں ہاں، میں نے قبول کی کتنے سہل اور معمولی الفاظ ہیں جن کو نہ یاد کرنا پڑتا ہے نہ ان میں کوئی محنت اٹھانی پڑتی ہے، دن بھر ہم لوگ بکواس میں گذار دیتے ہیں، تجارت کے ساتھ دکان پر بیٹھے بیٹھے یا کھیتی کے ساتھ زمین کے اِنتظامات میں مشغول رہتے ہوئے اگر زبان سے ان تسبیحوں کو پڑھتے رہیں تو دنیا کی کمائی کے ساتھ ہی آخرت کی کتنی بڑی دولت ہاتھ آجائے۔

(۱۴) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً يَطُوْفُوْنَ فِي الطُّرُقِ، يَلْتَمِسُوْنَ اَهْلَ الذِّكْرِ، فَاِذَا وَجَدُوْا قَوْمًا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَنَادَوْا: هَلُمُّوْا اِلٰى حَاجَتِكُمْ، فَيَحُفُّوْنَهُمْ بِاَجْنِحَتِهِمْ اِلَى السَّمَآءِ، فَاِذَا تَفَرَّقُوْا، عَرَجُوْا وَ صَعِدُوْا اِلَى السَّمَآءِ، فَيَسْئَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ يَعْلَمُ: مِنْ اَيْنَ جِئْتُمْ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: جِئْنَا مِنْ عِنْدِ عِبَادٍ لَكَ، يُسَبِّحُوْنَكَ وَيُكَبِّرُوْنَكَ

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت ہے جو راستوں وغیرہ میں گشت کرتی رہتی ہے اور جہاں کہیں ان کو اللہ کا ذکر کرنے والے ملتے ہیں تو وہ آپس میں ایک دوسرے کو بلا کر سب جمع ہو جاتے ہیں اور ذکر کرنے والوں کے گرد آسمان تک جمع ہوتے رہتے ہیں۔ جب وہ مجلس ختم ہو جاتی ہے تو وہ آسمان پر جاتے ہیں۔ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ باوجود یہ کہ ہر چیز کو جانتے ہیں پھر بھی دریافت فرماتے ہیں کہ تم کہاں

وَيَحْمَدُوْنَكَ، فَيَقُوْلُ : هَلْ رَأَوْنِيْ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: لَا، فَيَقُوْلُ: كَيْفَ لَوْ رَأَوْنِيْ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: لَوْ رَأَوْكَ كَانُوْا اَشَدَّ لَكَ عِبَادَةً، وَاَشَدَّ لَكَ تَمْجِيْدًا، وَاَكْثَرَ لَكَ تَسْبِيْحًا، فَيَقُوْلُ: فَمَا يَسْأَلُوْنَ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: يَسْأَلُوْنَكَ الْجَنَّةَ، فَيَقُوْلُ: وَهَلْ رَأَوْهَا؟ فَيَقُوْلُوْنَ: لَا، فَيَقُوْلُ: فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: لَوْ اَنَّهُمْ رَأَوْهَا كَانُوْا اَشَدَّ عَلَيْهَا حِرْصًا، وَاَشَدَّ لَهَا طَلَبًا، وَاَعْظَمَ فِيْهَا رَغْبَةً. قَالَ: فَمِمَّ يَتَعَوَّذُوْنَ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: يَتَعَوَّذُوْنَ مِنَ النَّارِ، فَيَقُوْلُ: وَهَلْ رَأَوْهَا؟ فَيَقُوْلُوْنَ: لَا، فَيَقُوْلُ: فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا؟ فَيَقُوْلُوْنَ: لَوْ اَنَّهُمْ رَأَوْهَا كَانُوْا اَشَدَّ مِنْهَا فِرَارًا، وَاَشَدَّ لَهَا مَخَافَةً، فَيَقُوْلُ: اُشْهِدُكُمْ اَنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ، فَيَقُوْلُ مَلَكٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ: فُلَانٌ لَيْسَ مِنْهُمْ، اِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ، قَالَ: هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ.

(رواه البخاری ومسلم والبیهقی فی الاسماء والصفات کذا فی الدر والمشکوۃ)

سے آئے ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ تیرے بندوں کی فلاں جماعت کے پاس سے آئے ہیں جو تیری تسبیح اور تکبیر اور تحمید (بڑائی بیان کرنے اور تعریف کرنے) میں مشغول تھے۔ ارشاد ہوتا ہے: کیا ان لوگوں نے مجھے دیکھا ہے؟ عرض کرتے ہیں: یا اللہ! دیکھا تو نہیں، ارشاد ہوتا ہے کہ اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو کیا حال ہوتا؟ عرض کرتے ہیں کہ اور بھی زیادہ عبادت میں مشغول ہوتے اور اس سے بھی زیادہ تیری تعریف اور تسبیح میں منہمک ہوتے، ارشاد ہوتا ہے کہ وہ کیا چاہتے ہیں؟ عرض کرتے ہیں کہ وہ جنّت چاہتے ہیں۔ اِرشاد ہوتا ہے: کیا انہوں نے جنّت کو دیکھا ہے؟ عرض کرتے ہیں کہ دیکھا تو نہیں، ارشاد ہوتا ہے کہ اگر دیکھ لیتے تو کیا ہوتا؟ عرض کرتے ہیں کہ اس سے بھی زیادہ شوق اور تمنّا اور اس کی طلب میں لگ جاتے، پھر ارشاد ہوتا ہے کہ کس چیز سے پناہ مانگ رہے تھے؟ عرض کرتے ہیں کہ جہنّم سے پناہ مانگ رہے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ انہوں نے جہنّم کو دیکھا ہے؟ عرض کرتے ہیں کہ دیکھا تو نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: اگر دیکھتے تو کیا ہوتا؟ عرض کرتے ہیں: اور بھی زیادہ اس سے بھاگتے اور بچنے کی کوشش کرتے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اچھا تم گواہ رہو کہ میں نے اس مجلس والوں کو سب کو بخش دیا۔ ایک فرشتہ عرض کرتا ہے: یا اللہ! فلاں شخص اس مجلس میں اتفاقاً اپنی کسی ضرورت سے آیا تھا وہ اس مجلس کا شریک نہیں تھا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ یہ جماعت ایسی مبارک ہے کہ ان کا پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں ہوتا۔ (لہٰذا اس کو بھی بخش دیا)۔

ف: اس قسم کا مضمون متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت ذکر کی مجالس اور ذکر کرنے والی جماعتوں اور افراد کی تلاش میں رہتی ہے اور جہاں مل جاتی ہے ان کے پاس یہ جماعت بیٹھتی ہے، ان کا ذکر سنتی ہے۔ چنانچہ پہلے باب کی حدیث نمبر ۸ میں یہ مضمون گذر چکا ہے اور اس میں یہ گذر چکا ہے کہ فرشتوں سے تفاخر کے طور پر اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ اس کا ذکر کیوں فرماتے ہیں۔ فرشتہ کا یہ عرض کرنا کہ ایک شخص مجلس میں ایسا بھی تھا کہ جو اپنی ضرورت سے آیا تھا واقعہ کا اظہار ہے کہ اس وقت یہ حضرات بمنزلہ گواہوں کے ہیں اور ان لوگوں کی عبادت اور ذکر اللہ میں مشغولی کی گواہی دے رہے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کے اظہار کی ضرورت پیش آئی کہ مبادا اعتراض ہو جائے، لیکن یہ اللہ کا لطف ہے کہ ذاکرین کی برکت سے ان کے پاس اپنی ضرورت سے بیٹھنے والے کو بھی محروم نہ فرمایا۔ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا اِرشاد ہے: "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ○" (التوبہ:۱۱۹) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو)۔ صوفیہ کا ارشاد ہے کہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے ساتھ رہو اور اگر یہ نہیں ہو سکتا تو پھر ان لوگوں کے ساتھ رہو جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہنے کا مطلب یہ ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بندہ نوافل کے ذریعہ میرے قرب میں ترقی کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں اور جب میں محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے دیکھے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے پکڑے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلے۔ جو وہ مجھ سے مانگتا ہے میں اس کو دیتا ہوں۔ ہاتھ پاؤں بن جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ہر کام اللہ کی رضا اور محبت کے ذیل

میں ہوتا ہے۔اس کا کوئی عمل بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نہیں ہوتا۔صوفیہ کے احوال اور ان کے واقعات جو کثرت سے تواریخ میں موجود ہیں، وہ اس کے شاہدِ عدل ہیں اور وہ اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کے انکار کی بھی گنجائش نہیں۔ایک رسالہ اس باب میں ''نزہۃ البساتین'' کے نام سے مشہور ہے جس سے اس قسم کے حالات کا پتہ چلتا ہے۔

شیخ ابوبکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حج کے موقعہ پر مکہ مکرمہ میں چند صوفیہ کا اجتماع تھا جن میں سب سے کم عمر جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔اس مجمع میں محبتِ الٰہی پر بحث شروع ہوئی کہ محبّ کون ہے؟ مختلف حضرات مختلف ارشادات فرماتے رہے۔حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ چپ رہے، ان حضرات نے ان سے فرمایا کہ تم بھی کچھ کہو۔اس پر انہوں نے سر جھکا کر روتے ہوئے فرمایا کہ عاشق وہ ہے جو اپنی خودی سے جاتا رہے، خدا کے ذکر کے ساتھ وابستہ ہو گیا ہو اور اس کا حق ادا کرتا ہو، دل سے اللہ کی طرف دیکھتا ہو، اس کے دل کو انوارِ ہیبت نے جلا دیا ہو۔اس کے لئے خدا کا ذکر شراب کا پیالہ ہو، اگر کلام کرتا ہو تو اللہ ہی کا کلام ہو۔گویا حق تعالیٰ شانہٗ ہی اس کی زبان سے کلام فرماتا ہے، اگر حرکت کرتا ہو تو اللہ ہی کے حکم سے، اگر تسکین پاتا ہو تو اللہ ہی کے ساتھ، اور جب یہ حالت ہو جاتی ہے تو پھر کھانا، پینا، سونا، جاگنا سب کاروبار اللہ ہی کی رضا کے واسطے ہو جاتے ہیں۔نہ دنیا کا رسم ورواج قابلِ التفات رہتا ہے، نہ لوگوں کی طعن وتشنیع قابل وقعت۔

حضرت سعید بن المسیّب رحمۃ اللہ علیہ مشہور تابعی ہیں، بڑے محدثین میں شمار ہیں ان کی خدمت میں ایک شخص عبداللہ بن ابی وَدَاعہ رحمۃ اللہ علیہ کثرت سے حاضر ہوا کرتے تھے۔ایک مرتبہ چند روز حاضر نہ ہو سکے۔کئی روز کے بعد جب حاضر ہوئے تو حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا: کہاں تھے؟ عرض کیا کہ میری بیوی کا انتقال ہو گیا ہے، اس کی وجہ سے مشاغل میں پھنسا رہا۔فرمایا: ہم کو خبر نہ کی، ہم بھی جنازہ میں شریک ہوتے۔تھوڑی دیر کے بعد میں اٹھ کر آنے لگا، فرمایا: دوسرا نکاح کر لیا؟ میں نے عرض کیا: حضرت مجھ سے کون نکاح کرے گا؟ دو تین آنے کی میری حیثیت ہے، آپ نے فرمایا: ہم کر دیں گے اور یہ کہہ کر خطبہ پڑھا اور اپنی بیٹی کا نکاح نہایت معمولی مہر آٹھ دس آنہ پر مجھ سے کر دیا۔(اتنی مقدار مہر کی ان کے نزدیک

جائز ہوگی جیسا کہ بعض اماموں کا مذہب ہے، حنفیہ کے نزدیک ڈھائی[1] روپے سے کم جائز نہیں) نکاح کے بعد میں اٹھا اور اللہ ہی کو معلوم ہے کہ مجھے کس قدر مسرت تھی۔ خوشی میں سوچ رہا تھا کہ رخصتی کے انتظام کے لئے کس سے قرض مانگو، کیا کروں۔ اسی فکر میں شام ہوگئی۔ میرا روزہ تھا، مغرب کے وقت روزہ افطار کیا، نماز کے بعد گھر آیا، چراغ جلایا، روٹی اور زیتون کا تیل موجود تھا، اس کو کھانے لگا کہ کسی شخص نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے پوچھا کون ہے؟ کہا: سعید ہے۔ میں سوچنے لگا کہ کون سعید ہے۔ حضرت کی طرف میرا خیال بھی نہ گیا کہ چالیس برس سے اپنے گھر یا مسجد کے سوا کہیں آنا جانا تھا ہی نہیں۔ باہر آ کر دیکھا کہ سعید بن المسیّب رحمۃ اللہ علیہ ہیں، میں نے عرض کیا: آپ نے مجھے نہ بلا لیا؟ فرمایا: میرا ہی آنا مناسب تھا۔ میں نے عرض کیا: کیا ارشاد ہے؟ فرمایا: مجھے یہ خیال آیا کہ اب تمہارا نکاح ہو چکا ہے، تنہا رات کو سونا مناسب نہیں، اس لئے تمہاری بیوی کو لایا ہوں۔ یہ فرما کر اپنی لڑکی کو دروازہ کے اندر کر دیا اور دروازہ بند کر کے چلے گئے، وہ لڑکی شرم کی وجہ سے گر گئی۔ میں نے اندر سے کواڑ بند کئے اور وہ روٹی اور تیل جو چراغ کے سامنے رکھا تھا وہاں سے ہٹا دیا کہ اس کی نظر نہ پڑے اور مکان کی چھت پر چڑھ کر پڑوسیوں کو آواز دی۔ لوگ جمع ہو گئے تو میں نے کہا کہ حضرت سعید نے اپنی لڑکی سے میرا نکاح کر دیا ہے اور اس وقت وہ اس کو خود ہی پہنچا گئے ہیں۔ سب کو بڑا تعجب ہوا۔ کہنے لگے: واقعی وہ تمہارے گھر میں ہے؟ میں نے کہا: ہاں! اس کا چرچا ہوا۔ میری والدہ کو خبر ہوئی وہ بھی اسی وقت آ گئیں اور کہنے لگیں: اگر تین دن تک تو نے اس کو چھیڑا تو تیرا منہ نہ دیکھوں گی۔ ہم تین دن میں اس کی تیاری کر لیں۔ تین دن کے بعد جب میں اس لڑکی سے ملا تو دیکھا نہایت خوبصورت، قرآن شریف کی بھی حافظہ اور سنتِ رسول سے بھی بہت زیادہ واقف۔ شوہر کے حقوق سے بھی بہت زیادہ باخبر۔

ایک مہینہ تک نہ تو حضرت سعید میرے پاس آئے، نہ میں ان کی خدمت میں گیا۔ ایک ماہ کے بعد میں حاضر ہوا تو وہاں مجمع تھا، میں سلام کر کے بیٹھ گیا۔ جب سب چلے گئے تو فرمایا: اس آدمی کو کیسا پایا؟ میں نے عرض کیا نہایت بہتر ہے کہ دوست دیکھ کر خوش ہوں، دشمن

[1] چاندی کے روپے مراد ہیں۔ (حنفیہ کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے اور ایک درہم کی مقدار ۳ ماشہ ایک رتی اور ۵/۱ رتی چاندی کے برابر ہے)۔ از مصحح

جلیں۔ فرمایا: اگر کوئی بات ناگوار ہو تو لکڑی سے خبر لینا۔ میں واپس آ گیا تو ایک آدمی کو بھیجا جو بیس ہزار درہم (تقریباً پانچ ہزار روپے) مجھے دے گیا۔ اس لڑکی کو عبدالملک بن مروان بادشاہ نے اپنے بیٹے ولید کے لئے جو ولیٔ عہد بھی تھا مانگا تھا، مگر حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ نے عذر کر دیا تھا جس کی وجہ سے عبدالملک ناراض بھی ہوا اور ایک حیلہ سے حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ کے سو کوڑے سخت سردی میں لگوائے اور پانی کا گھڑا ان پر گروایا۔

(۱۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَنْ قَالَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، كُتِبَتْ لَهٗ بِكُلِّ حَرْفٍ عَشْرُ حَسَنَاتٍ، وَمَنْ اَعَانَ عَلٰى خُصُوْمَةِ بَاطِلٍ لَمْ يَزَلْ فِيْ سَخَطِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْزِعَ، وَمَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهٗ دُوْنَ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ فَقَدْ ضَادَّ اللّٰهَ فِيْ اَمْرِهٖ، وَمَنْ بَهَتَ مُؤْمِنًا اَوْ مُؤْمِنَةً حَبَسَهُ اللّٰهُ فِيْ رَدْغَةِ الْخَبَالِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ وَ لَيْسَ بِخَارِجٍ. (رواه الطبراني في الكبير والأوسط، ورجالهما رجال الصحيح. كذا في مجمع الزوائد، قلت: أخرجه أبوداود بدون ذكر التسبيح فيه)

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" پڑھے ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملیں گی۔ اور جو شخص کسی جھگڑے میں ناحق کی حمایت کرتا ہے وہ اللہ کے غصہ میں رہتا ہے جب تک کہ اس سے توبہ نہ کرے اور جو اللہ کی کسی سزا میں سفارش کرے (اور شرعی سزا کے ملنے میں حارج ہو) وہ اللہ کا مقابلہ کرتا ہے، اور جو شخص کسی مومن مرد یا عورت پر بہتان باندھے وہ قیامت کے دن "رَدْغَةُ الْخَبَال" میں قید کیا جائے گا، یہاں تک کہ اس بہتان سے نکلے اور کس طرح اس سے نکل سکتا ہے۔

ف: ناحق کی حمایت آج کل ہماری طبیعت بن گئی ہے۔ ایک چیز کو ہم سمجھتے ہیں کہ ہم غلطی پر ہیں مگر رشتہ داروں کی طرف داری ہے، پارٹی کا سوال ہے۔ لاکھ اللہ کے غصہ میں داخل ہوں، اللہ کی ناراضگی ہو، اس کا عتاب ہو، مگر کنبہ برادری کی بات کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ ہم اس ناحق کرنے والے کو ٹوک نہ سکیں اور سکوت کریں، یہ بھی نہیں، بلکہ ہر طرح

سے اس کی حمایت کریں گے۔ اگر اس پر کوئی دوسرا مطالبہ کرنے والا کھڑا ہو تو اس کا مقابلہ کریں گے۔ کسی دوست نے چوری کی، ظلم کیا، عیاشی کی اس کے حوصلے بلند کریں گے، اس کی ہر طرح مدد کریں گے، کیا یہی ہے ہمارے ایمان کا مقتضا؟ یہی ہے دین داری؟ اسی پر اسلام کے ساتھ ہم فخر کرتے ہیں یا اپنے اسلام کو دوسروں کی نگاہ میں بھی بدنام کرتے ہیں اور اللہ کے یہاں خود بھی ذلیل ہوتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص عَصَبِیَّت پر کسی کو بلائے یا عصبیت پر لڑے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ عَصَبِیَّت سے یہ مراد ہے کہ ظلم پر اپنی قوم کی مدد کرے۔ ''ردغۃ الخبال'' وہ کیچڑ ہے جو جہنمی لوگوں کے لہو پیپ وغیرہ سے جمع ہو جائے۔ کس قدر گندی اور اَذِیَّت دینے والی جگہ ہے جس میں ایسے لوگوں کو قید کر دیا جائے گا جو مسلمانوں پر بہتان باندھتے ہوں۔ آج دنیا میں بہت سرسری معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کے متعلق جو چاہا منہ بھر کہہ دیا۔ کل جب زبان سے کہی ہوئی ہر بات کو ثابت کرنا پڑے گا اور ثبوت بھی وہی جو شرعاً معتبر ہو، دنیا کی طرح نہیں کہ چرب لسانی اور جھوٹی باتیں ملا کر دوسرے کو چپ کر دیا جائے، اس وقت آنکھیں کھلیں گی، ہم نے کیا کہا تھا اور کیا نکلا۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ آدمی بعض کلام زبان سے ایسا نکالتا ہے جس کی پرواہ بھی نہیں کرتا، لیکن اس کی وجہ سے جہنّم میں پھینک دیا جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آدمی بعضے بات صرف اس وجہ سے کہتا ہے کہ لوگ ذرا ہنس پڑیں گے لیکن اس کی وجہ سے اتنی دور (جہنّم میں) پھینک دیا جاتا ہے جتنی دور آسمان سے زمین ہے، پھر ارشاد فرمایا کہ زبان کی لغزش پاؤں کی لغزش سے زیادہ سخت ہے۔

ایک حدیث میں ہے جو شخص کسی کو کسی گناہ سے عار دلاوے وہ خود مرنے سے پہلے اس گناہ میں مبتلا ہوتا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ گناہ مراد ہے جس سے گناہ گار توبہ کر چکا ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر کھینچتے تھے کہ تیری بدولت ہم ہلاکتوں میں پڑتے ہیں۔ ابن المنکدِر رحمۃ اللہ علیہ مشہور محدِثین میں ہیں اور تابعی ہیں، انتقال کے وقت رونے لگے۔ کسی نے پوچھا: کیا بات ہے؟ فرمانے لگے: مجھے کوئی گناہ تو ایسا معلوم نہیں جو میں نے کیا ہو، اس پر روتا ہوں کہ کوئی بات ایسی ہو گئی ہو جس کو میں نے

سرسری سمجھا ہو اور وہ اللہ کے نزدیک سخت ہو۔

(۱۶) عَنْ اَبِیْ بَرْزَةَ الْاَسْلَمِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ بِاٰخِرِهٖ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّقُوْمَ مِنَ الْمَجْلِسِ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔ فَقَالَ رَجُلٌ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّكَ لَتَقُوْلُ قَوْلًا مَا كُنْتَ تَقُوْلُهٗ فِيْمَا مَضٰى، قَالَ: كَفَّارَةٌ لِّمَا يَكُوْنُ فِي الْمَجْلِسِ.

(رواه ابن أبي شيبة و أبو داود والنسائي والحاكم و ابن مردويه، كذا في الدر وفيه أيضًا برواية ابن أبي شيبة عن أبي العالية بزيادة "عَلَّمَنِيْهِنَّ جبرئيل عليه السلام")

حضورِ اقدس ﷺ کا معمول اخیر زمانہ عمر شریف میں یہ تھا کہ جب مجلس سے اٹھتے تو "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ" پڑھا کرتے۔ کسی نے عرض کیا کہ آج کل ایک دعا کا معمول حضور ﷺ کا ہے، پہلے تو یہ معمول نہیں تھا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ مجلس کا کفارہ ہے۔ دوسری روایت میں بھی یہ قصہ مذکور ہے۔ اس میں حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ یہ کلمات مجلس کا کفارہ ہیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے بتائے ہیں۔

ف: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی نقل کیا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب بھی مجلس سے اٹھتے تو "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبِّیْ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ" پڑھتے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ اس دعا کو بڑی کثرت سے پڑھتے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجلس کے ختم پر اس کو پڑھ لیا کرے تو مجلس میں جو لغزشیں اس سے ہوئی ہوں وہ سب معاف ہو جائیں گی۔ مجالس میں عموماً فضول باتیں، بے کار تذکرے ہو ہی جاتے ہیں۔ کتنی مختصر دعا ہے اگر کوئی شخص ان دعاؤں میں سے کوئی سی ایک دعا پڑھ لے تو مجلس کے وبال سے خلاصی پا سکتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے کیسی کیسی سہولتیں مرحمت فرمائی ہیں۔

(۱۷) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرتے ہیں یعنی

مِنْ جَلَالِ اللّٰهِ مِنْ تَسْبِيْحِهٖ وَتَكْبِيْرِهٖ وَتَهْلِيْلِهٖ، يَتَعَاطَفْنَ حَوْلَ الْعَرْشِ، لَهُنَّ دَوِيٌّ كَدَوِيِّ النَّحْلِ يَذْكُرْنَ بِصَاحِبِهِنَّ، اَلَا يُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ لَا يَزَالَ لَهٗ عِنْدَ اللّٰهِ شَيْءٌ يَذْكُرُبِهٖ. (رواه أحمد والحاكم وقال: صحيح الاسناد، قال الذهبي: موسى بن سلام، قال أبو حاتم: مكرّ الحديث، ولفظ الحاكم: "كَدَوِيِّ النَّحْلِ يَقُلْنَ بِصَاحِبِهِنَّ" وأخرجه بسند اٰخر وصححه على شرط مسلم، وأقره عليه الذهبي وفيه: "كَدَوِيِّ النَّحْلِ يَذْكُرْنَ بِصَاحِبِهِنَّ")

"سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" پڑھتے ہیں تو یہ کلمات عرش کے چاروں طرف گشت لگاتے ہیں کہ ان کے لئے ہلکی سی آواز (بھنبھناہٹ) ہوتی ہے اور اپنے پڑھنے والے کا تذکرہ کرتے ہیں۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ کوئی تمہارا تذکرہ کرنے والا اللہ کے پاس موجود ہو جو تمہارا ذکرِ خیر کرتا رہے۔

ف: جو لوگ حکام رس ہیں، کرسی نشین کہلاتے ہیں کوئی ان سے پوچھے کہ بادشاہ نہیں، وزیر نہیں، وائسرائے کو بھی چھوڑ دیجئے، کسی گورنر کے یہاں ان کی تعریف ہو جائے ان کا ذکرِ خیر آ جائے پھولے نہیں سماتے، دماغ آسمان پر پہنچ جاتا ہے، حالانکہ اس تذکرہ سے نہ تو دین کا نفع نہ دنیا کا۔ دین کا نفع نہ ہونا تو ظاہر اور کھلا ہوا ہے اور دنیا کا نفع نہ ہونا اس وجہ سے کہ شاید جتنا نفع اس قسم کے تذکروں سے ہوتا ہو اس سے زیادہ نقصان اس نوع کے مرتبے اور تذکرے حاصل کرنے میں پہنچ جاتا ہے۔ جائدادیں فروخت کر کے، سودی قرض لے کر ایسے مرتبے حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، مفت کی عداوتیں مول لی جاتی ہیں اور ہر قسم کی ذِلتیں برداشت کی جاتی ہیں۔ الیکشنوں کے منظر سب کے سامنے ہیں کہ کیا کیا کرنا پڑتا ہے، اس کے بالمقابل اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے عرش پر تذکرہ، مالکُ الملک کے حضور میں تذکرہ، اس پاک ذات کے یہاں تذکرہ جس کے قبضہ میں دین و دنیا اور سارے جہانوں کی ہر چیز ہے۔ اس قدرت والے کے یہاں تذکرہ جس کے قبضہ میں بادشاہوں کے دِل ہیں، حاکموں کے اختیارات اس کے اختیار میں ہیں، نفع اور نقصان کا واحد مالک وہی ہے۔ سارے جہان کے تمام آدمی، حاکم و محکوم، بادشاہ و رعایا کسی کو نقصان پہنچانا چاہیں اور مالِکُ المُلک نہ چاہے تو کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا۔ ساری مخلوق کسی کو نفع پہنچانا چاہے اور اس کی رضا نہ ہو تو ایک قطرہ

پانی کا نہیں پلا سکتی۔ ایسی پاک ذات کے یہاں اپنا ذکرِ خیر ہو، کوئی دولتِ دنیا کی اس کا مقابلہ کر سکتی ہے؟ کوئی عزت دنیا کی خواہ کتنی ہی بڑی ہو جائے اس کی برابری کر سکتی ہے؟ نہیں! ہرگز نہیں۔ اور اس کے مقابلہ میں دنیا کی کسی عزت کو اگر وقیع سمجھا جائے تو کیا اپنے اوپر ظلم نہیں؟

(۱۸) عَنْ يُسَيْرَةَ رضی اللہ عنہا وَكَانَتْ مِنَ الْمُهَاجِرَاتِ، قَالَتْ: قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: عَلَيْكُنَّ بِالتَّسْبِيْحِ وَالتَّهْلِيْلِ وَالتَّقْدِيْسِ، وَاعْقِدْنَ بِالْأَنَامِلِ؛ فَإِنَّهُنَّ مَسْئُوْلَاتٌ مُسْتَنْطَقَاتٌ، وَلَا تَغْفُلْنَ فَتُنْسَيْنَ الرَّحْمَةَ. (رواه الترمذی و ابو داود، كذا فی المشكوة، وفی المنهل اخرجه ايضاً احمد والحاكم. وقال الذهبی فی تلخيصه: صحيح، كذا رقم له بالصحة فی الجامع الصغير وبسط صاحب الاتحاف فی تخريجه، وقال عبدالله بن عمرو "ورأيتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَعْقِدُ التَّسْبِيْحَ" رواه ابوداود والنسائی والترمذی وحسنه الحاكم، كذا فی الاتحاف وبسط فی تخريجه، ثم قال: قال الحافظ: معنی العقد المذكور فی الحديث احصاء العدد، وهو اصطلاح العرب بوضع بعض الانامل على بعض عقد انملة اخرى، فالاحاد والعشرات باليمين والمئون والآلاف باليسار.)

حضرت یسیرہ رضی اللہ عنہا جو ہجرت کرنے والی صحابیات میں سے ہیں فرماتی ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے اوپر تسبیح (سُبْحَانَ اللّٰهِ کہنا) اور تہلیل (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنا) اور تقدیس (اللہ کی پاکی بیان کرنا) مثلاً "سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ" پڑھنا، یا "سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ وَرَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ" کہنا لازم کرلو، اور انگلیوں پر گِنا کرو اس لئے کہ انگلیوں سے قیامت میں سوال کیا جاوے گا (اور ان سے جواب طلب کیا جائے گا کہ کیا عمل کئے اور جواب میں) گویائی دی جائے گی، اور اللہ کے ذکر سے غفلت نہ کرنا (اگر ایسا کروگی تو اللہ کی) رحمت سے محروم کر دی جاؤ گی۔

ف: قیامت میں آدمی کے بدن سے، اس کے ہاتھ پاؤں سے بھی سوال ہوگا کہ ہر ہر حصّۂ بدن نے کیا کیا نیک کام کئے اور کیا کیا نا جائز اور برے کام کئے۔ قرآن پاک میں متعدد جگہ اس کا ذکر ہے: ایک جگہ ارشاد ہے: "يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ

وَاَیْدِیْهِمْ" الآیة (النور: ۲۴) جس روز ان کے خلاف گواہی دیں گی ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور پاؤں ان کاموں کی (یعنی گناہوں کی) جن کو یہ کرتے تھے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: "وَیَوْمَ یُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَی النَّارِ" الآیة (حٰمٓ السجدہ: ۱۹) اس جگہ کئی آیتوں میں اس کا ذکر ہے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ جس دن (حشر میں) اللہ کے دشمن جہنم کی طرف جمع کیے جائیں گے، پھر ان کو ایک جگہ روک دیا جائے گا، پھر سب کے سب اس جہنم کے قریب آجائیں گے تو ان کے کان، ان کی آنکھیں، ان کی کھالیں ان پر گواہیاں دیں گے (اور بتائیں گی) کہ ہمارے ذریعہ سے اس شخص نے کیا کیا گناہ کیے۔ اس وقت وہ لوگ (تعجب سے) ان سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ (ہم تو دنیا میں تمہاری ہی لذت اور راحت کے واسطے گناہ کرتے تھے)۔ وہ جواب دیں گے کہ ہم کو اس پاک اللہ نے گویائی عطا کی جس نے سب چیزوں کو گویائی عطا فرمائی، اسی نے تم کو بھی اول پیدا کیا تھا اور اسی کے پاس اب تم لوٹائے گئے ہو۔ احادیث میں اس گواہی کے متعدد واقعات ذکر کیے گئے ہیں۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ قیامت کے دن کافر باوجودیکہ اپنی بداعمالیوں کو جانتا ہوگا پھر بھی انکار کرے گا کہ میں نے گناہ نہیں کیے، اس سے کہا جائے گا کہ یہ تیرے پڑوسی تجھ پر گواہی دیتے ہیں، وہ کہے گا کہ یہ لوگ دشمنی سے جھوٹ بولتے ہیں، پھر کہا جاوے گا کہ تیرے عزیز واقارب گواہی دیتے ہیں وہ ان کو بھی جھٹلائے گا تو اس کے اعضاء کو گواہ بنایا جائے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے ران گواہی دے گی کہ کیا کیا بداعمالیاں اس سے کرائی گئی تھیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ پل صراط سے آخری گذرنے والا اس طرح گرتا پڑتا گذرے گا جیسے کہ بچہ جب اس کو باپ مار رہا ہو کہ وہ کبھی اِدھر گرتا ہے کبھی اُدھر۔ فرشتے اس سے کہیں گے کہ اچھا! اگر تو سیدھا چل کر پل صراط سے گذر جائے تو اپنے سب اعمال بتادے گا۔ وہ اس کا وعدہ کرے گا کہ میں سچ مچ سب بتادوں گا اور اللہ کی عزت کی قسم کھا کر کہے گا کہ کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ وہ کہیں گے کہ اچھا! سیدھا کھڑا ہو جا اور چل، وہ سہولت سے پل صراط پر گذر جائے گا اور پار ہو جانے کے بعد اس سے پوچھا جائے گا کہ اچھا! اب بتا۔ وہ

سوچے گا کہ اگر میں نے اقرار کرلیا تو ایسا نہ ہو کہ مجھ کو واپس کر دیا جائے۔ اس لئے صاف انکار کر دے گا کہ میں نے کوئی برا عمل نہیں کیا، فرشتے کہیں گے کہ اچھا! اگر ہم نے گواہ پیش کر دیئے تو وہ اِدھر اُدھر دیکھے گا کہ کوئی آدمی آس پاس نہیں۔ اس کو خیال ہوگا کہ اب گواہ کہاں سے آئیں گے، سب اپنے اپنے ٹھکانے پہنچ گئے ہیں۔ اس لئے کہے گا کہ اچھا لاؤ گواہ، تو اس کے اعضاء کو حکم کیا جائے گا اور وہ کہنا شروع کریں گے تو مجبوراً اس کو اقرار کرنا پڑے گا اور کہے گا کہ بے شک ابھی اور بھی بہت سے مہلک گناہ بیان کرنا باقی ہیں، تو ارشاد ہوگا کہ اچھا ہم نے مغفرت کر دی۔

غرض ان وُجوہ سے ضرورت ہے کہ آدمی کے اعضاء سے نیک کام بھی بکثرت ہوں تا کہ گواہ دونوں قسم کے مل سکیں۔ اسی لئے حضورِ اقدس ﷺ نے اس حدیثِ بالا میں انگلیوں پر شمار کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے دوسری احادیث میں مسجد میں کثرت سے آنے جانے کا حکم ہے کہ نشاناتِ قدم بھی گواہی دیں گے اور ان کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ کس قدر خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کے لئے برائی کا گواہ کوئی بھی نہ ہو کہ گناہ کئے ہی نہیں یا توبہ وغیرہ سے معاف ہو گئے اور بھلائی اور نیکی کے گواہ سینکڑوں ہزاروں ہوں۔ جس کی سہل ترین صورت یہ ہے کہ جب کوئی گناہ صادر ہو جائے فوراً توبہ سے اس کو محو کر ڈالیں کہ پھر وہ کالعدم ہو جاتے ہیں، جیسا کہ باب دوم فصل سوم حدیث نمبر ۳۳ کے تحت گذر چکا ہے اور نیکیاں اعمال ناموں میں باقی رہیں جس کے گواہ بھی موجود ہوں اور جن جن اعضاء سے یہ نیک اعمال کئے ہیں وہ سب گواہی دیں۔ متعدِد احادیث میں خود نبیِ اکرم ﷺ کا انگلیوں پر گننا مختلف الفاظ سے نقل کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ (انگلیوں پر) تسبیح گنتے تھے۔ اس کے بعد حدیثِ بالا میں اللہ کے ذِکر سے غفلت پر رحمتِ الٰہیہ سے محروم کئے جانے کی وعید ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے محروم رہتے ہیں وہ اللہ کی رحمت سے بھی محروم رہتے ہیں۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہے کہ تم مجھے یاد کرو، میں (رحمت کے ساتھ) تمہارا ذکر کروں گا۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی یاد کو بندہ کی یاد پر مرتب فرمایا۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہے: "وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ

الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝" (الزخرف:۳۷) اور جو شخص اللہ کے ذکر سے (خواہ کسی قسم کا ہو قرآن پاک ہو یا کسی اور قسم کا جان بوجھ کر) اندھا بن جائے ہم اس پر ایک شیطان کو مسلّط کر دیتے ہیں۔ پس وہ شیطان ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے اور وہ شیطان اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر سب کے سب ان لوگوں کو (جو اللہ کے ذکر سے اندھے بن گئے ہیں سیدھے) راستہ سے ہٹاتے رہتے ہیں اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں۔

حدیث میں ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان مقرر ہے۔ کافر کے ساتھ تو وہ ہر وقت شریکِ حال رہتا ہے۔ کھانے میں بھی، پینے میں بھی، سونے میں بھی، لیکن مومن سے ذرا دور رہتا ہے اور ہر وقت منتظر رہتا ہے۔ جب اس کو ذرا غافل پاتا ہے فوراً اس پر حملہ کر دیتا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ" اِلٰی آخرالسورۃ (المنافقون:۹) اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور اولاد (اور اسی طرح دوسری چیزیں) اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں اور جو لوگ ایسا کریں گے وہی خسارے والے ہیں اور ہم نے جو کچھ (مال و دولت) عطا کر رکھا ہے اس میں سے (اللہ کے راستہ میں) اس سے پہلے پہلے خرچ کر لو کہ تم میں سے کسی کی موت آجائے اور پھر (حسرت و افسوس سے) کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! مجھے کچھ دنوں اور مہلت کیوں نہ دی تاکہ میں خیرات کر لیتا اور نیک بندوں میں شامل ہو جاتا اور اللہ جل جلالہٗ کسی شخص کو بھی موت کا وقت آجانے کے بعد مہلت نہیں دیتے اور اللہ کو تمہارے سارے اعمال کی پوری پوری خبر ہے (جیسا کرو گے، بھلا یا برا، ویسا ہی پاؤ گے) اللہ جل شانہٗ کے ایسے بھی بندے ہیں جن کو کسی وقت بھی غفلت نہیں ہوتی۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک جگہ دیکھا کہ ایک مجنون شخص ہے، لڑکے اس کے ڈھیلے مار رہے ہیں۔ میں نے ان کو دھمکایا۔ وہ لڑکے کہنے لگے کہ یہ شخص یوں کہتا ہے کہ میں خدا کو دیکھتا ہوں۔ میں اس کے قریب گیا تو وہ کچھ کہہ رہا تھا۔ میں نے غور سے سنا تو وہ کہہ رہا تھا کہ تو نے بہت ہی اچھا کیا کہ ان لڑکوں کو مجھ پر مسلّط کر دیا۔ میں نے کہا: یہ لڑکے تجھ پر ایک تہمت لگاتے ہیں،

کہنے لگا: کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا: یہ کہتے ہیں کہ تم خدا کو دیکھنے کے مدعی ہو۔ یہ سن کر اس نے ایک چیخ ماری اور یہ کہا: شبلی! اس ذات کی قسم جس نے اپنی محبت میں مجھ کو شکستہ حال بنا رکھا ہے اور اپنے قرب و بعد میں مجھ کو بھٹکا رکھا ہے، اگر تھوڑی دیر بھی وہ مجھ سے غائب ہو جائے (یعنی حضوری حاصل نہ رہے) تو میں دردِ فراق سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤں۔ یہ کہہ کر وہ مجھ سے منہ موڑ کر یہ شعر پڑھتا ہوا بھاگ گیا۔

خَیَالُكَ فِیْ عَیْنِیْ وَذِكْرُكَ فِی فَمِیْ وَمَثْوَاكَ فِیْ قَلْبِیْ فَاَیْنَ تَغِیْبُ

تیری صورت میری نگاہ میں جمی رہتی ہے اور تیرا ذکر میری زبان پر ہر وقت رہتا ہے۔ تیرا ٹھکانا میرا دل ہے، پس تو کہاں غائب ہو سکتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا جب انتقال ہونے لگا تو کسی نے کلمہ "لَآ اِلٰـــهَ اِلَّا اللّٰهُ" تلقین کیا، فرمانے لگے میں کسی وقت بھی اس کو نہیں بھولا (یعنی یاد تو اس کو دلاؤ جس کو کسی وقت بھی غفلت ہوئی ہو)۔ حضرت مَمشاد دِینوری رحمۃ اللہ علیہ مشہور بزرگ ہیں جس وقت ان کا انتقال ہونے لگا تو کسی پاس بیٹھنے والے نے دعا کی: حق تعالیٰ شانہٗ آپ کو (جنّت کی) فلاں فلاں دولت عطا فرمائیں تو ہنس پڑے فرمانے لگے: تیس برس سے جنّت اپنے سارے ساز و سامان کے ساتھ میرے سامنے ظاہر ہوتی رہی ہے، ایک دفعہ بھی تو (اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی طرف سے توجہ ہٹا کر) اِدھر توجہ نہیں کی ہے۔ حضرت رُوَیم رحمۃ اللہ علیہ کو انتقال کے وقت کسی نے کلمہ تلقین کیا تو فرمانے لگے: میں اس کے غیر کو اچھی طرح جانتا ہی نہیں۔ احمد بن خضرَوَیہ رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کا وقت تھا۔ کسی شخص نے کوئی بات پوچھی، آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ کہنے لگے: پچانوے برس سے ایک دروازہ کھٹکھٹا رہا ہوں وہ اس وقت کھلنے والا ہے، مجھے معلوم نہیں کہ وہ سعادت کے ساتھ کھلتا ہے یا بدبختی کے ساتھ، مجھے اس وقت بات کی فرصت کہاں۔

(۱۹) وَعَنْ جُوَیْرِیَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا بُكْرَةً حِیْنَ صَلَّى

اُمُّ المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے وقت

الصُّبْحَ وَ هِيَ فِيْ مَسْجِدِهَا، ثُمَّ رَجَعَ بَعْدَ اَنْ اَضْحٰى وَهِيَ جَالِسَةٌ، قَالَ: مَازِلْتِ عَلَى الْحَالِ الَّتِيْ فَارَقْتُكِ عَلَيْهَا، قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَقَدْ قُلْتُ بَعْدَكِ اَرْبَعَ كَلِمَاتٍ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ، لَوْ وُزِنَتْ بِمَا قُلْتِ مُنْذُ الْيَوْمِ لَوَزَنَتْهُنَّ: سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَبِحَمْدِهٖ، عَدَدَ خَلْقِهٖ، وَرِضَا نَفْسِهٖ، وَزِنَةَ عَرْشِهٖ، وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ . (رواه مسلم كذا فى المشكوة، قال القارى: وكذا اصحاب السنن الأربعة، وفى الباب عن صفية قالت: دخل على رسولُ الله عليه وسلم وبين يدى أربعة آلاف نواة أسبّح بهن الحديث. اخرجه الحاكم وقال الذهبى صحيح)

ان کے پاس سے نماز کے لئے تشریف لے گئے اور یہ اپنے مُصلّے پر بیٹھی ہوئی (تسبیح میں مشغول تھیں) حضور ﷺ چاشت کی نماز کے بعد (دوپہر کے وقت) تشریف لائے تو یہ اسی حال میں بیٹھی ہوئی تھیں، حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: تم اسی حال پر ہو جس پر میں نے چھوڑا تھا؟ عرض کیا: جی ہاں! حضور ﷺ نے فرمایا: میں نے تم سے (جدا ہونے کے) بعد چار کلمے تین مرتبہ پڑھے، اگر ان کو اس سب کے مقابلہ میں تولا جائے جو تم نے صبح سے پڑھا ہے تو وہ غالب ہو جائیں، وہ کلمے یہ ہیں: "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ، وَرِضَا نَفْسِهٖ، وَزِنَةَ عَرْشِهٖ، وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ" "اللہ کی تسبیح کرتا ہوں اور اس کی تعریف کرتا ہوں بقدر اس کی مخلوقات کے عدد کے اور بقدر اس کی مرضی اور خوشنودی کے اور بقدر وزن اس کے عرش کے اور اس کے کلمات کی مقدار کے موافق"۔

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ ؓ، اَنَّهٗ دَخَلَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ عَلٰى امْرَأَةٍ وَبَيْنَ يَدَيْهَا نَوًى اَوْ حَصًى تُسَبِّحُ بِهٖ، فَقَالَ: اَلَا اُخْبِرُكِ بِمَا هُوَ اَيْسَرُ عَلَيْكِ مِنْ هٰذَا اَوْ اَفْضَلُ؟ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي السَّمَاءِ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي الْاَرْضِ، وَسُبْحَانَ

دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت سعد ؓ حضورِ اقدس ﷺ کے ساتھ ایک صحابی عورت کے پاس تشریف لے گئے، ان کے سامنے کھجور کی گٹھلیاں یا کنکریاں رکھی ہوئی تھیں جن پر وہ تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: میں تجھے ایسی چیز بتاؤں جو اس سے سہل ہو (یعنی کنکریوں پر

اللّٰهِ عَدَدَ مَابَيْنَ ذٰلِكَ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا هُوَ خَالِقٌ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ مِثْلَ ذٰلِكَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ مِثْلَ ذٰلِكَ، وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِثْلَ ذٰلِكَ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ مِثْلَ ذٰلِكَ . (رواه ابو داود والترمذی، وقال الترمذی: حدیث غریب، کذا فی المشکوٰة، قال القاری: وفی نسخة حسن غریب . وفی المنهل اخرج ایضاً النسائی وابن ماجة وابن حبان والحاکم والترمذی، وقال: حسن غریب من هذا الوجه . قلت: وصححه الذهبی)

گنتے سے سہل ہو) یا (یہ ارشاد فرمایا کہ) اس سے افضل ہو "سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَاخَلَقَ" اخیر تک۔ اللہ کی تعریف کرتی ہوں بقدر اس مخلوق کے جو آسمان میں پیدا کی اور بقدر اس مخلوق کے جو زمین میں پیدا کی اور بقدر اس مخلوق کے جو ان دونوں کے درمیان ہے یعنی آسمان و زمین کے درمیان ہے اور اللہ کی پاکی بیان کرتی ہوں بقدر اس کے جس کو وہ پیدا کرنے والا ہے اور اس سب کے برابر "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" اور اس کے برابر ہی "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" اور اسی کی مانند "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ"۔

ف: مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ان کیفیات کے ساتھ تسبیح کے افضل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان الفاظ کے ذکر کرنے سے ان کیفیات اور صفات کی طرف ذہن متوجہ ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ جتنا بھی تدبّر اور غور و فکر زیادہ ہوگا اتنا ہی ذکر افضل ہوگا، اس لئے قرآن پاک میں جو تدبّر سے پڑھا جائے وہ تھوڑا سا بھی اُس تلاوت سے بہت زیادہ افضل ہے جو بلا تدبّر کے ہو اور بعض علماء نے کہا ہے کہ افضلیت اس حیثیت سے ہے کہ اس میں اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی حمد و ثنا کے شمار سے عجز کا اظہار ہے جو کمال ہے عبدیت کا۔ اسی وجہ سے بعض صوفیہ سے نقل کیا گیا ہے: وہ کہتے ہیں کہ گناہ تو بلا حساب اور بیشمار کرتے ہو اور اللہ کے پاک نام کو شمار سے اور گن کر کہتے ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ شمار نہ کرنا چاہئے، اگر ایسا ہوتا تو پھر احادیث میں کثرت سے خاص خاص اوقات میں شمار کیوں بتائی جاتی، حالانکہ بہت سی احادیث میں خاص خاص مقداروں پر خاص خاص وعدے فرمائے گئے ہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف شمار پر قناعت نہ کرنا چاہئے، بلکہ جو اوراد مخصوص اوقات میں متعین ہیں ان کو پورا کرنے کے علاوہ خالی اوقات میں بھی جتنا ممکن ہو بے شمار اللہ کے ذکر میں

مشغول رہنا چاہئے کہ یہ ایسی بڑی دولت ہے جو شمار کی پابندیوں اور اس کے حدود سے بالاتر ہے۔ ان احادیث سے تسبیح متعارف یعنی دھاگہ میں پروئے ہوئے دانوں کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کو بدعت کہہ دیا ہے، مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ جب اس کی اصل ثابت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں اور گٹھلیوں پر گنتے ہوئے دیکھا اور اس پر انکار نہیں فرمایا تو پھر اصل ثابت ہوگئی، دھاگہ میں پرو دینے میں اور نہ پرونے میں کوئی فرق نہیں۔ اسی وجہ سے جملہ مشائخ اور فقہاء اس کا استعمال فرماتے رہے ہیں۔ مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مستقل رسالہ ''نزہۃ الفکر'' اس بارے میں تصنیف فرمایا ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح دلیل ہے تسبیح متعارف کے جواز کی، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گٹھلیوں یا کنکریوں پر گنتے ہوئے دیکھا اور اس پر انکار نہیں فرمایا جو شرعی دلیل ہے۔ اور کھلے ہوئے دانے یا پروئے ہوئے میں کوئی فرق نہیں ہے، اس لئے جو لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں ان کا قول قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ صوفیہ کی اصطلاح میں اس کو شیطان کا کوڑا کہا جاتا ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں کسی نے ایسے وقت میں بھی تسبیح دیکھی جب وہ منتہائے کمال پر پہنچ چکے تھے تو ان سے اس بارہ میں سوال کیا: فرمایا: جس چیز کے ذریعہ سے ہم اللہ تک پہنچے ہیں اس کو کیسے چھوڑ دیں۔ بہت سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ ان کے پاس کھجور کی گٹھلیاں یا کنکریاں رہتی تھیں اور وہ ان پر گن کر تسبیح پڑھا کرتے تھے، چنانچہ حضرت ابوصفیہ صحابی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ کنکریوں پر گِنا کرتے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے گٹھلیاں اور کنکریاں دونوں نقل کی گئی ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی کنکریوں پر پڑھنا نقل کیا گیا ہے۔

''مرقاۃ'' میں لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک دھاگہ رہتا تھا جس میں گرہیں لگی ہوئی تھیں ان پر شمار فرمایا کرتے تھے، اور ابوداؤد میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک تھیلی تھی جس میں کھجور کی گٹھلیاں یا کنکریاں بھری رہتی۔ ان پر تسبیح پڑھا کرتے اور جب وہ تھیلی خالی ہو جاتی تو ایک باندی تھی جو ان سب کو پھر اس میں بھر دیتی اور

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس رکھ دیتی۔ خالی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تھیلی میں سے نکالتے رہتے اور باہر ڈالتے رہتے تھے اور جب وہ خالی ہو جاتی تو سارے دانے سمیٹ کر وہ باندی پھر اس تھیلی میں بھر دیتی۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے بھی یہ نقل کیا گیا ہے کہ ان کے پاس ایک تھیلی میں عجوہ کھجور کی گٹھلیاں جمع رہتیں، صبح کی نماز پڑھ کر اس تھیلی کو لے کر بیٹھتے اور جب تک وہ خالی نہ ہوتی بیٹھے پڑھتے رہتے۔ حضرت ابو صفیہ رضی اللہ عنہ جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے ان کے سامنے ایک چمڑا بچھا رہتا، اس پر کنکریاں پڑی رہتیں اور صبح سے زوال کے وقت تک ان کو پڑھتے رہتے۔ جب زوال کا وقت ہوتا تو وہ چمڑا اٹھا لیا جاتا، وہ اپنی ضروریات میں مشغول ہو جاتے۔ ظہر کی نماز کے بعد پھر وہ بچھا دیا جاتا اور شام تک ان کو پڑھتے رہتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پوتے نقل کرتے ہیں کہ دادا ابّا کے پاس ایک دھاگہ تھا جس میں دو ہزار گرہیں لگی ہوئی تھیں۔ اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک ایک مرتبہ ان پر تسبیح نہ پڑھ لیتے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا سے بھی یہ نقل کیا گیا ہے کہ ان کے پاس ایک دھاگہ تھا جس میں گرہیں لگی ہوئی تھیں ان پر تسبیح پڑھا کرتی تھیں۔ صوفیہ کی اصطلاح میں تسبیح کا نام ''مذکّرہ'' (یاد دلانے والی) بھی ہے، اس وجہ سے کہ جب یہ ہاتھ میں ہوتی ہے تو خواہ مخواہ پڑھنے کو جی چاہتا ہی ہے، اس لئے گویا اللہ کے نام کو یاد دلانے والی ہے۔ اس بارہ میں ایک حدیث بھی نقل کی جاتی ہے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تسبیح کیا ہی اچھی ''مذکّرہ'' یعنی یاد دلانے والی چیز) ہے۔ اس باب میں ایک مسلسل حدیث مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے نقل فرمائی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا سے لے کر اوپر تک ہر اُستاذ نے اپنے شاگرد کو ایک تسبیح عطا فرمائی اور اس کے پڑھنے کی اجازت بھی دی۔ اخیر میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تک یہ سلسلہ پہنچتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں تسبیح دیکھی تو میں نے ان سے کہا کہ آپ اس عُلُوِّ مرتبہ پر بھی تسبیح ہاتھ میں رکھتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے استاذ سِرِّی سَقَطی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں تسبیح دیکھی تو ان سے یہی سوال کیا تھا جو تم نے کیا، انہوں نے فرمایا کہ میں نے بھی اپنے اُستاذ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے

ہاتھ میں تسبیح دیکھی تھی تو یہی سوال کیا تھا، انہوں نے فرمایا تھا کہ میں نے اپنے اُستاذ حضرت بِشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں تسبیح دیکھی تو یہی سوال کیا تھا، انہوں نے فرمایا تھا کہ میں نے اپنے اُستاذ حضرت عمر مکّی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں تسبیح دیکھی تھی تو یہی سوال کیا تھا، انہوں نے فرمایا تھا کہ میں نے اپنے استاذ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (جو سارے مشائخِ چشتیہ کے سرگروہ ہیں) کے ہاتھ میں تسبیح دیکھی تھی تو عرض کیا تھا کہ آپ کی اس رِفعتِ شان اور علوِ مرتبہ کے باوجود بھی اب تک تسبیح آپ کے ہاتھ میں ہے، تو انہوں نے فرمایا تھا کہ ہم نے تو تصوف کی ابتدا میں اس سے کام لیا تھا اور اس کے ذریعہ سے ترقی حاصل کی تھی تو گوارا نہیں کہ اب اخیر میں اس کو چھوڑ دیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے دل سے، زبان سے، ہاتھ سے، ہر طرح اللہ کا ذکر کروں۔ محدِثانہ حیثیت سے ان میں کلام بھی کیا گیا ہے۔

(۲۰) عَنِ ابْنِ اَعْبُدٍ قَالَ: قَالَ عَلِیٌّ رضی اللہ عنہ: اَلَا اُحَدِّثُكَ عَنِّیْ وَعَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَكَانَتْ مِنْ اَحَبِّ اَهْلِهٖ اِلَيْهِ؟ قُلْتُ: بَلٰى! قَالَ اِنَّهَا جَرَّتْ بِالرَّحٰى حَتّٰى اَثَّرَ فِیْ يَدِهَا، وَاسْتَقَتْ بِالْقِرْبَةِ حَتّٰى اَثَّرَ فِیْ نَحْرِهَا، وَكَنَسَتِ الْبَيْتَ حَتّٰى اغْبَرَّتْ ثِيَابُهَا، فَاَتَى النَّبِیَّ ﷺ خَدَمٌ، فَقُلْتُ: لَوْ اَتَيْتِ اَبَاكِ فَسَاَلْتِهٖ خَادِمًا، فَاَتَتْهُ فَوَجَدَتْ عِنْدَهٗ حِدَاثًا، فَرَجَعَتْ، فَاَتَاهَا مِنَ الْغَدِ، فَقَالَ: مَا كَانَ حَاجَتُكِ؟ فَسَكَتَتْ، فَقُلْتُ: اَنَا اُحَدِّثُكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ جَرَّتْ بِالرَّحٰى حَتّٰى اَثَّرَتْ فِیْ يَدِهَا، وَحَمَلَتْ بِالْقِرْبَةِ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک شاگرد سے فرمایا کہ میں تمہیں اپنا اور اپنی بیوی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جو حضور ﷺ کی صاحبزادی اور سب گھر والوں میں زیادہ لاڈلی تھیں قصّہ نہ سناؤں؟ انہوں نے عرض کیا: ضرور سنائیں۔ فرمایا کہ وہ خود چکی پیستی تھیں جس سے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے اور خود ہی مشک بھر کر لاتی تھیں جس سے سینہ پر رسی کے نشان پڑ گئے تھے، خود ہی جھاڑو دیتی تھیں جس کی وجہ سے کپڑے میلے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں کچھ لونڈی غلام آئے، میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم اگر اپنے والد صاحب کی خدمت میں جا کر ایک خادم

حَتّٰى اَثَّرَتْ فِيْ نَحْرِهَا، فَلَمَّا اَنْ جَاءَكَ الْخَدَمُ اَمَرْتُهَا اَنْ تَاتِيَكَ، فَتَسْتَخْدِمَكَ خَادِمًا يَقِيْهَا حَرَّمَا هِيَ فِيْهِ، قَالَ: اِتَّقِي اللّٰهَ يَافَاطِمَةُ! وَاَدِّيْ فَرِيْضَةَ رَبِّكِ، وَاعْمَلِيْ عَمَلَ اَهْلِكِ، فَاِذَا اَخَذْتِ مَضْجَعَكِ، فَسَبِّحِيْ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِيْنَ، وَاحْمَدِيْ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِيْنَ، وَكَبِّرِيْ اَرْبَعًا وَّ ثَلٰثِيْنَ، فَتِلْكَ مِائَةٌ، فَهِيَ خَيْرٌ لَّكِ مِنْ خَادِمٍ، قَالَتْ: رَضِيْتُ عَنِ اللّٰهِ وَعَنْ رَّسُوْلِهٖ (اخرجه ابوداؤد)

وفي الباب عَنِ الْفَضْلِ بْنِ الْحَسَنِ الضَّمْرِيِّ، اَنَّ اُمَّ الْحَكَمِ اَوْضَبَاعَةَ ابْنَتَي الزُّبَيْرِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ حَدَّثَتْهُ عَنْ اِحْدٰهُمَا اَنَّهَا قَالَتْ: اَصَابَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَبْيًا، فَذَهَبْتُ اَنَا وَاُخْتِيْ وَفَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَشَكَوْنَا اِلَيْهِ مَانَحْنُ فِيْهِ، وَسَاَلْنَاهُ اَنْ يَّاْمُرَلَنَا بِشَيْءٍ مِّنَ السَّبْيِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: سَبَقَكُنَّ يَتَامٰى بَدْرٍ وَّلٰكِنْ سَاَدُلُّكُنَّ عَلٰى مَاهُوَ خَيْرٌ لَّكُنَّ مِنْ ذٰلِكَ، تُكَبِّرُوْنَ اللّٰهَ عَلٰى اَثَرِ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِيْنَ تَكْبِيْرَةً، وَّ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِيْنَ تَسْبِيْحَةً، وَّ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِيْنَ

مانگ لاؤ تو اچھا ہے، سہولت رہے گی۔ وہ گئیں، حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں لوگوں کا مجمع تھا، اس لئے واپس چلی آئیں۔ حضور ﷺ دوسرے روز خود ہی مکان پر تشریف لائے اور فرمایا تم کل کس کام کو آئی تھیں؟ وہ چپ ہو گئیں (شرم کی وجہ سے بول بھی نہ سکیں) میں نے عرض کیا: حضور! چکی سے ہاتھ میں نشان پڑ گئے، مشکیزہ بھرنے کی وجہ سے سینہ پر بھی نشان پڑ گیا ہے، جھاڑو دینے کی وجہ سے کپڑے میلے رہتے ہیں، کل آپ کے پاس کچھ لونڈی غلام آئے تھے، اس لئے میں نے ان سے کہا تھا کہ ایک خادم اگر مانگ لائیں تو ان مشقتوں میں سہولت ہو جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: فاطمہ! اللہ سے ڈرتی رہو اور اس کے فرض ادا کرتی رہو اور گھر کے کاروبار کرتی رہو اور جب سونے کے لئے لیٹو تو "سُبْحَانَ اللّٰهِ" تینتیس ۳۳ مرتبہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" تینتیس ۳۳ مرتبہ "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" چونتیس ۳۴ مرتبہ پڑھ لیا کرو۔ یہ خادم سے بہتر ہے، انہوں نے عرض کیا کہ میں اللہ (کی تقدیر) اور اس کے رسول (کی تجویز) سے راضی ہوں۔

تَحْمِيْدَةً وَلَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. (رواه ابو داود وفي الجامع الصغير برواية ابن مندة، عن جليس كان يأمر نساءه إذا أرادت إحداهن أن تنام ان تحمد، الحديث، ورقم له بالضعف.

دوسری حدیث میں حضور ﷺ کی چچازاد بہنوں کا قصہ بھی اسی قسم کا آیا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ ہم دو بہنیں اور حضور ﷺ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا تینوں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنی مشقت اور دِقتیں ذکر کر کے ایک خادم کی طلب کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ خادم دینے میں تو بدر کے یتیم تم سے مقدّم ہیں، تمہیں خادم سے بھی بہتر چیز بتاؤں۔ ہر نماز کے بعد یہ تینوں کلمے یعنی "سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ" تینتیس ۳۳، تینتیس ۳۳ مرتبہ اور ایک مرتبہ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" پڑھ لیا کرو، یہ خادم سے بہتر ہے۔

ف: حضورِ اقدس ﷺ اپنے گھر والوں اور عزیزوں کو خاص طور سے ان تسبیحات کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ اپنی بیویوں کو یہ حکم فرمایا کرتے تھے کہ جب وہ سونے کا ارادہ کریں تو "سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ" ہر ایک تینتیس ۳۳ مرتبہ پڑھیں۔ حدیثِ بالا میں حضورِ اقدس ﷺ نے دنیوی مشقتوں اور تکلیفوں کے مقابلہ میں ان تسبیحات کو تلقین فرمایا۔ اس کی ظاہری وجہ تو ظاہر ہے کہ مسلمان کے لئے دنیوی مشقت اور تکلیف قابلِ التفات نہیں ہے، اس کو ہر وقت آخرت اور مرنے کے بعد کی راحت و آرام کی فکر ضروری ہے۔ اس لئے حضورِ اقدس ﷺ نے چند روزہ زندگی کی مشقت اور تکلیف کی طرف سے توجہ کو ہٹا کر آخرت کی راحت کے سامان بڑھانے کی طرف متوجہ فرمایا اور ان تسبیحات کا آخرت میں زیادہ سے زیادہ نافع ہونا ان روایات سے جو اس باب میں ذکر کی گئیں ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان تسبیحات کو حق تعالیٰ شانہٗ نے جہاں دینی منافع اور ثمرات سے شرف بخشا ہے، دنیوی منافع بھی ان میں رکھے ہیں۔ اللہ کے پاک کلام میں، اس کے رسول کے پاک کلام

میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن میں آخرت کے ساتھ ساتھ دنیاوی منافع بھی حاصل ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ دَجّال کے زمانہ میں مؤمنوں کی غذا فرشتوں کی غذا ہوگی یعنی تسبیح وتقدیس (سبحان اللہ وغیرہ الفاظ کا پڑھنا) کہ جس شخص کا کلام ان چیزوں کا پڑھنا ہوگا حق تعالیٰ شانہٗ اس سے بھوک کی مشقت کو زائل کر دیں گے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس دنیا میں بغیر کھائے پیے صرف اللہ کے ذکر پر گذارہ ممکن ہوسکتا ہے اور دَجال کے زمانہ میں عام مؤمنین کو یہ دولت حاصل ہوگی تو اس زمانہ میں خواص کو اس حالت کا میسّر ہوجانا کچھ مشکل نہیں۔ اس لئے جن بزرگوں سے اس قسم کے واقعات بکثرت منقول ہیں کہ معمولی غذا پر یا بلا غذا کے وہ کئی کئی دن گذار دیتے تھے ان میں کوئی وجہ انکار یا تکذیب کی نہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر کہیں آگ لگ جائے تو تکبیر (یعنی اللہ اکبر کثرت سے) پڑھا کرو، یہ اس کو بجھا دیتی ہے۔ ''حصنِ حَصین'' میں نقل کیا ہے کہ جس شخص کو کسی کام میں تعب اور مشقت معلوم ہو یا قوت کی زیادتی مطلوب ہو تو سوتے وقت ''سُبْحَانَ اللّٰہِ'' تینتیس ۳۳ مرتبہ، ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ'' تینتیس ۳۳ مرتبہ ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' چونتیس ۳۴ مرتبہ پڑھے یا تینوں کلمہ ۳۳، ۳۳ مرتبہ پڑھے یا کوئی سا ایک ۳۴ مرتبہ پڑھ لے (چونکہ مختلف احادیث میں مختلف عدد آئے ہیں اس لئے سب ہی کو نقل کر دیا)۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان احادیث سے جن میں نبیِ اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خادم کے بدلے یہ تسبیحات تعلیم فرمائیں، یہ اِستنباط کیا ہے کہ جو شخص ان پر مداومت کرے اس کو مشقت کے کاموں میں تکان اور تعب نہیں ہوگا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر معمولی تعب ہوا بھی تب بھی مضرت نہ ہوگی۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ عمل مُجرّب ہے یعنی تجربہ سے بھی یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ ان تسبیحوں کا سوتے وقت پڑھنا اِزالۂ تکان اور زیادتیٔ قوت کا سبب ہوتا ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مِرقاۃُ الصُّعود'' میں لکھا ہے کہ ان تسبیحوں کا خادم سے بہتر ہونا آخرت کے اعتبار سے بھی ہوسکتا ہے کہ آخرت میں یہ تسبیحیں جتنی مفید، کارآمد اور نافع ہوں گی دنیا میں خادم اتنا کارآمد اور نافع نہیں ہوسکتا، اور دنیا کے اعتبار سے

بھی ہوسکتا ہے کہ ان تسبیحوں کی وجہ سے کام پر جس قدر قوت اور ہمت ہوسکتی ہے خادم سے اتنا کام نہیں ہوسکتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ دو۲ خصلتیں ایسی ہیں کہ جو ان پر عمل کرے وہ جنّت میں داخل ہو اور وہ دونوں بہت سہل ہیں، لیکن ان پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں: ایک یہ کہ ان تسبیحوں کو ہر نماز کے بعد دس دس مرتبہ پڑھے کہ یہ پڑھنے میں تو ایک سو پچاس ہوئیں، لیکن اعمال کی ترازو میں پندرہ سو ہوں گی۔ دوسرے یہ کہ سوتے وقت "سُبْحَانَ اللّٰہِ"، "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" تینتیس۳۳ تینتیس۳۳ مرتبہ پڑھے اور "اَللّٰہُ اَکْبَرُ" چونتیس۳۴ مرتبہ پڑھے کہ یہ پڑھنے میں سو مرتبہ ہوئیں اور ثواب کے اعتبار سے ایک ہزار ہوئیں۔ کسی نے پوچھا: یارسول اللہ! یہ کیا بات ہے کہ ان پر عمل کرنے والے بہت تھوڑے ہیں؟ حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ نماز کے وقت شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں ضرورت ہے اور فلاں کام ہے اور جب سونے کا وقت ہوتا ہے وہ اِدھر اُدھر کی ضرورتیں یاد دلاتا ہے جس سے پڑھنا رہ جاتا ہے۔

ان احادیث میں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جنّت کی عورتوں کی سردار اور دو جہان کے سردار کی بیٹی اپنے ہاتھ سے آٹا پیستیں حتیٰ کہ ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے۔ خود ہی پانی بھر کر لاتیں حتیٰ کہ سینہ پر مشک کی رسی کے نشان ہو گئے، خود ہی گھر کی جھاڑ دو وغیرہ سارا کام کرتیں، جس سے ہر وقت کپڑے میلے رہتے۔ آٹا گوندھنا، روٹی پکانا، غرض سب ہی کام اپنے ہاتھوں سے کرتی تھیں۔ کیا ہماری بیبیاں یہ سارے کام تو کیا، ان میں سے آدھے بھی اپنے ہاتھ سے کرتی ہیں؟ اور اگر نہیں کرتیں تو کتنی غیرت کی بات ہے کہ جن کے آقاؤں کی یہ زندگی ہو، ان کے نام لیوا، ان کے نام پر فخر کرنے والوں کی زندگی اس کے آس پاس بھی نہ ہو چاہئے تو یہ تھا کہ خادموں کا عمل، ان کی مشقت، آقاؤں سے کچھ آگے ہوتی، مگر افسوس کہ یہاں اس کے آس پاس بھی نہیں۔ فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ۔

خاتمہ

خاتمہ میں ایک نہایت مہتم بالشان چیز کو ذکر کرتا ہوں اور اسی پر اس رسالہ کو ختم کرتا ہوں۔ یہ تسبیحات جن کا اوپر ذکر کیا گیا نہایت ہی اہم اور دین و دنیا میں کارآمد اور مفید ہیں، جیسا کہ احادیثِ بالا سے معلوم ہوا۔ حضورِ اقدس ﷺ نے ان کے اہتمام اور فضیلت کی وجہ سے ایک خاص نماز کی ترغیب بھی فرمائی ہے جو صلوٰۃ التسبیح (تسبیح کی نماز) کے نام سے مشہور ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کو صلوٰۃ التسبیح کہا جاتا ہے کہ یہ تسبیحات اس میں تین سو مرتبہ پڑھی جاتی ہیں۔ حضور ﷺ نے بہت ہی اہتمام اور ترغیبوں کے ساتھ اس نماز کو تعلیم فرمایا۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے:

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لِلْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ: یَاعَبَّاسُ! یَا عَمَّاہ! اَلَا اُعْطِیْكَ؟ اَلَا اَمْنَحُكَ؟ اَلَا اُخْبِرُكَ؟ اَلَا اَفْعَلُ بِكَ عَشْرَ خِصَالٍ؟ اِذَا اَنْتَ فَعَلْتَ ذٰلِكَ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ ذَنْبَكَ، اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ، قَدِیْمَهٗ وَحَدِیْثَهٗ، خَطَأَهٗ وَعَمْدَهٗ، صَغِیْرَهٗ وَكَبِیْرَهٗ، سِرَّهٗ وَعَلَانِیَتَهٗ، اَنْ تُصَلِّیَ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ، تَقْرَأُ فِیْ كُلِّ رَكْعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُوْرَةً، فَاِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِیْ اَوَّلِ رَكْعَةٍ وَاَنْتَ قَائِمٌ. قُلْتَ: "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" خَمْسَ عَشْرَةَ، ثُمَّ

حضورِ اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ اے عباس! اے میرے چچا! کیا میں تمہیں ایک عطیہ کروں؟ ایک بخشش کروں؟ ایک چیز بتاؤں؟ تمہیں دس چیزوں کا مالک بناؤں؟ جب تم اس کام کو کرو گے تو حق تعالیٰ شانہٗ تمہارے سب گناہ پہلے اور پچھلے، پرانے اور نئے، غلطی سے کئے ہوئے اور جان بوجھ کر کئے ہوئے، چھوٹے اور بڑے، چھپ کر کئے ہوئے اور کھلم کھلا کئے ہوئے، سب ہی معاف فرما دیں گے، وہ کام یہ ہے کہ چار رکعت نفل (صلوٰۃ التسبیح کی نیت باندھ کر) پڑھو اور ہر رکعت میں جب اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور سورت پڑھ چکو تو

تَرْكَعُ فَتَقُوْلُهَا وَ اَنْتَ رَاكِعٌ عَشْرًا، ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ الرُّكُوْعِ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا، فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا، ثُمَّ تَهْوِيْ سَاجِدًا فَتَقُوْلُهَا وَ اَنْتَ سَاجِدٌ عَشْرًا، ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ السُّجُوْدِ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا، ثُمَّ تَسْجُدُ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا، ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا فَذٰلِكَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ، تَفْعَلُ ذٰلِكَ فِيْ اَرْبَعِ رَكَعَاتٍ، اِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تُصَلِّيَهَا فِيْ كُلِّ يَوْمٍ مَرَّةً فَافْعَلْ، فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً، فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ شَهْرٍ مَرَّةً، فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً، فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِيْ عُمُرِكَ مَرَّةً.

(رواه أبو داود وابن ماجة والبيهقي في الدعوات الكبير، وروى الترمذي عن أبي رفع نحوه، كذا في المشكوة، قلت: و اخرجه الحاكم وقال: هذا حديث وصله موسى بن عبدالعزيز عن الحكم بن ابان، وقد أخرجه ابو بكر محمد بن اسحاق و أبو داود و أبو عبدالرحمن أحمد بن شعيب في الصحيح، ثم قال بعد ماذكر توثيق رواته، وأما ارسال ابراهيم بن الحكم عن أبيه فلايوهن وصل الحديث، فان الزيادة من الثقة أولى من الارسال على أنّ امام عصره في الحديث اسحق بن ابراهيم الحنظلي قد أقام هذا الاسناد عن ابراهيم بن الحكم ووصله. قال السيوطي في اللآلي: هذا اسناد حسن وما قال الحاكم أخرجه النسائي في كتابه الصحيح لم نره في شيء من نسخ السنن لا الصغرى ولا الكبرى)

رکوع سے پہلے "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" پندرہ مرتبہ پڑھو، پھر جب رکوع کرو تو دس مرتبہ اس میں پڑھو، پھر جب رکوع سے کھڑے ہو تو دس مرتبہ پڑھو۔ پھر سجدہ کرو تو دس مرتبہ اس میں پڑھو، پھر سجدہ سے اٹھ کر بیٹھو تو دس مرتبہ پڑھو، پھر جب دوسرے سجدے میں جاؤ تو دس مرتبہ اس میں پڑھو۔ پھر جب دوسرے سجدہ سے اٹھو تو (دوسری رکعت میں) کھڑے ہونے سے پہلے بیٹھ کر دس مرتبہ پڑھو۔ ان سب کی میزان پچھتر ہوئی۔ اسی طرح ہر رکعت میں پچھتر دفعہ ہوگا، اگر ممکن ہو سکے تو روزانہ ایک مرتبہ اس نماز کو پڑھ لیا کرو، یہ نہ ہو سکے تو ہر جمعہ کو ایک مرتبہ پڑھ لیا کرو، یہ بھی نہ ہو سکے تو مہینہ میں ایک مرتبہ پڑھ لیا کرو، یہ بھی نہ ہو سکے تو ہر سال میں ایک مرتبہ پڑھ لیا کرو، یہ بھی نہ ہو سکے تو عمر بھر میں ایک مرتبہ تو پڑھ ہی لو۔

(۲) وَعَنْ اَبِي الْجَوْزَاءِ، عَنْ رَّجُلٍ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے

كَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ يَرَوْنَ اَنَّهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ: اِئْتِنِيْ غَدًا، اَحْبُوْكَ وَاُثِيْبُكَ وَاُعْطِيْكَ، حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهُ يُعْطِيْنِيْ عَطِيَّةً. قَالَ: اِذَا زَالَ النَّهَارُ فَقُمْ، فَصَلِّ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ، فذكر نحوه وفيه وَقَالَ: فَاِنَّكَ لَوْ كُنْتَ اَعْظَمَ اَهْلِ الْاَرْضِ ذَنْبًا غُفِرَ لَكَ بِذٰلِكَ. قَالَ: قُلْتُ: فَاِنْ لَمْ اَسْتَطِعْ اَنْ اُصَلِّيَهَا تِلْكَ السَّاعَةَ. قَالَ: صَلِّهَا مِنَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ. (رواه ابوداؤد)

حضور ﷺ نے فرمایا: کل صبح کو آنا، تم کو ایک بخشش کروں گا، ایک چیز دوں گا، ایک عطیہ کروں گا، وہ صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں ان الفاظ سے یہ سمجھا کہ کوئی (مال) عطا فرمائیں گے۔ (جب میں حاضر ہوا) تو فرمایا کہ جب دوپہر کو آفتاب ڈھل چکے تو چار رکعت نماز پڑھو، اسی طریقہ سے بتایا جو پہلی حدیث میں گذرا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ اگر تم ساری دنیا کے لوگوں سے زیادہ گنہگار ہو گے، تو تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے، میں نے عرض کیا کہ اگر اس وقت میں کسی وجہ سے نہ پڑھ سکوں تو ارشاد فرمایا کہ جس وقت ہو سکے دن میں یا رات میں پڑھ لیا کرو۔

(۳) عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ: وَجَّهَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَعْفَرَ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ اِلٰى بِلَادِ الْحَبَشَةِ، فَلَمَّا قَدِمَ اعْتَنَقَهُ وَقَبَّلَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: اَلَا اَهَبُ لَكَ؟ اَلَا اُبَشِّرُكَ؟ اَلَا اَمْنَحُكَ؟ اَلَا اُتْحِفُكَ، قَالَ: نَعَمْ، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: تُصَلِّيْ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فذكر نحوه، (أخرجه الحاكم، وقال: اسناد صحيح لا غبار عليه، وتعقبه الذهبي بأن أحمد بن داؤد كذبه الدارقطني، كذا في المنهل، وكذا قال غيره تبعا للحافظ، لكن في النسخة التي بأيدينا من المستدرك: وقد

حضورِ اقدس ﷺ نے اپنے چچا زاد بھائی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو حبشہ بھیج دیا تھا، جب وہ وہاں سے واپس مدینہ طیبہ پہنچے تو حضور ﷺ نے ان کو گلے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دیا، پھر فرمایا: میں تجھے ایک چیز دوں؟ ایک خوشخبری سناؤں؟ ایک بخشش کروں؟ ایک تحفہ دوں؟ انہوں نے عرض کیا: ضرور۔ حضور ﷺ نے فرمایا: چار رکعت نماز پڑھ۔ پھر اسی طریقہ سے بتایا جو اوپر گذرا۔ اس حدیث میں ان چار کلموں کے ساتھ "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

صحت الرواية عن ابن عمر "ان رسول الله ﷺ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ" بھی آیا ہے۔

علّم ابن عمه جعفرًا" ثم ذكر الحديث بسنده، وقال في اخره: هذا اسناد صحيح لاغبار عليه، وهكذا قال الذهبي في أول الحديث واخره، ثم لا يذهب عليك ان في هذا الحديث زيادة "لا حول ولا قوة الّا بالله العلي العظيم" أيضا على الكلمات الاربع)

(۴) وَعَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ: قَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلَا اَهَبُ لَكَ؟ اَلَا اُعْطِيْكَ؟ اَلَا اَمْنَحُكَ؟ فَظَنَنْتُ اَنَّهُ يُعْطِيْنِيْ مِنَ الدُّنْيَا شَيْئًا لَمْ يُعْطِهِ اَحَدًا مِّنْ قَبْلِيْ. قَالَ: اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ. (فذكر الحديث، وفي اخره غير انك إذا جلست للتشهد قلت ذلك عشر مرات قبل التشهد، الحديث، أخرجه الدار قطني في الافراد، وأبو نعيم في القربان وابن شاهين في الترغيب، كذا في اتحاف السادة شرح الاحياء.

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھ سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں بخشش کروں ۔ ایک عطیہ دوں؟ ایک چیز عطا کروں؟ وہ کہتے ہیں: میں یہ سمجھا کہ کوئی دنیا کی ایسی چیز دینے کا ارادہ ہے جو کسی کو نہیں دی (اسی وجہ سے اس قسم کے الفاظ بخشش عطا وغیرہ کو بار بار فرماتے ہیں)۔ پھر آپ ﷺ نے چار رکعت نماز سکھائی جو اوپر گذری، اس میں یہ بھی فرمایا کہ جب التحیات کے لئے بیٹھو تو پہلے ان تسبیحوں کو پڑھو، پھر التحیات پڑھنا۔

(۵) قال الترمذي: وقد روى ابن المبارك وغير واحد من اهل العلم صلوٰة التسبيح، وَذَكَرُوا الْفَضْلَ فِيْهِ، حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ، حَدَّثَنَا اَبُوْ وَهْبٍ سَأَلْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ الْمُبَارِكِ عَنِ الصَّلٰوةِ الَّتِيْ يُسَبَّحُ فِيْهَا، قَالَ: يُكَبِّرُ ثُمَّ يَقُوْلُ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ، ثُمَّ يَقُوْلُ

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے علماء سے اس نماز کی فضیلت نقل کی گئی ہے اور اسکا یہ طریقہ نقل کیا گیا ہے کہ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ پڑھنے کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ شریف پڑھنے سے پہلے پندرہ دفعہ ان کلموں کو پڑھے۔ پھر اَعُوْذُ اور بِسْمِ اللّٰهِ پڑھ کر اَلْحَمْدُ شریف اور پھر کوئی سورت پڑھے، سورت کے بعد رکوع سے پہلے دس مرتبہ پڑھے، پھر رکوع میں دس مرتبہ، پھر

خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، ثُمَّ يَتَعَوَّذُ وَيَقْرَأُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَفَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُوْرَةً، ثُمَّ يَقُوْلُ عَشْرَمَرَّاتٍ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، ثُمَّ يَرْكَعُ فَيَقُوْلُهَا عَشْرًا، ثُمَّ يَرْفَعُ رَاْسَهٗ فَيَقُوْلُهَا عَشْرًا، ثُمَّ يَسْجُدُ

رکوع سے اٹھ کر، پھر دونوں سجدوں میں، اور دونوں سجدوں کے درمیان میں بیٹھ کر دس دس مرتبہ پڑھے، یہ پچھتر پوری ہو گئیں (لہٰذا دوسرے سجدہ کے بعد بیٹھ کر پڑھنے کی ضرورت نہیں رہی) رکوع میں پہلے "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم" اور سجدہ میں پہلے "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی" پڑھے۔ پھر ان کلموں کو پڑھے (حضورِ اقدس ﷺ سے بھی اس طریقہ سے نقل کیا گیا ہے)۔

فَيَقُوْلُهَا عَشْرًا، ثُمَّ يَرْفَعُ رَاْسَهٗ فَيَقُوْلُهَا عَشْرًا، ثُمَّ يَسْجُدُ الثَّانِيَةَ فَيَقُوْلُهَا عَشْرًا، يُصَلِّيْ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ عَلٰى هٰذَا. فَذٰلِكَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ تَسْبِيْحَةً فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ، ثُمَّ قَالَ: قَالَ اَبُوْ وَهْبٍ: اَخْبَرَنِيْ عَبْدُ الْعَزِيْزِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّهٗ قَالَ: يَبْدَاُ فِي الرُّكُوْعِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ، وَفِي السَّجْدَةِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى ثَلٰثًا، ثُمَّ يُسَبِّحُ التَّسْبِيْحَاتِ، قَالَ عَبْدُ الْعَزِيْزِ: قُلْتُ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَكِ: اِنْ سَهَا فِيْهَا يُسَبِّحُ فِيْ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ عَشْرًا عَشْرًا، قَالَ: لَا اِنَّمَا هِيَ ثَلٰثُ مِائَةِ تَسْبِيْحَةٍ.

مختصرًا قلت: وهكذا رواه الحاكم وقال: رواته عن ابن المبارك كلهم ثقات، ثبات ولا يتهم عبدالله ان يعلمه مالم يصح عندهٗ سندهٗ اه وقال الغزالي في الاحياء بعد ماذكر حديث ابن عباس المذكور. وفي رواية اخرىٰ انهٗ يقول في اوّل الصلوٰة: "سبحانك اللّٰهمّ" ثم يسبح خمس عشرة تسبيحة قبل القراءة وعشرًا بعد القراءة، والباقي كما سبق عشرًا عشرًا، ولا يسبح بعد السجود الاخير، وهذا هو الاحسن وهو اختيار ابن المبارك.

قال الزبيدي في الاتحاف: ولفظ القوت هذه الرواية أحب الوجهين إلي. قال الزبيدي: أي لا يسبح في الجلسة الاولىٰ بين الركعتين ولا في جلسة التشهد شيئًا كما في القوت، قال: وكذلك روينا في حديث عبدالله بن جعفر بن أبي طالب أن النبي صلى الله عليه وسلم علمه صلوة التسبيح فذكره. ثم قال الزبيدي: واما حديث عبدالله بن جعفر فأخرجه الدار قطني من وجهين عن عبدالله بن زياد بن سمعان، قال في احدهما عن معاوية و اسمٰعيل بن عبدالله ابني جعفر عن أبيهما، وقال في الأخرى عن عون بدل اسمٰعيل عن أبيهما

قال: قال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم :ألا أعطیك، فذکر الحدیث وابن سمعان ضعیف، وهذه الروایة هی التی أشار الیها صاحب القوت وهی الثانیة عنده قال فیها: یفتتح الصلوٰة فیکبر ثم یقول فذکر الکلمات، وزاد فیها الحوقلة ولم یذکر هذا السجدة الثانیة عند القیام أن یقولها، قال: وهو الذی اختاره ابن المبارك.

قال المنذری فی الترغیب: وروی البیهقی من حدیث أبی جناب الکلبی عن أبی الجوراء عن ابن عمرو (بن العاص) فذکر الحدیث بالصفة التی رواها الترمذی عن ابن المبارك، ثم قال: وهذا یوافق ماروینا ه عن ابن المبارك، ورواه قتیبة بن سعید عن یحیی بن سلیم عن عمران بن مسلم عن أبی الجوزاء، قال: نزل علی عبدالله بن عمرو بن العاص فذکر الحدیث وخالفه فی رفعه إلی النبی صلی الله علیه وسلم ولم یذکر التسبیحات فی ابتداء القراءة، انما ذکرها بعد ها ثم ذکر جلسة الاستراحة کما ذکرها سائر الرواة. قلت: حدیث أبی الجناب مذکور فی السنن علی هذا الطریق طریق ابن المبارك، وما ذکر من کلام البیهقی لیس فی السنن بهذا اللفظ، فلعله ذکره فی الدعوات الکبیر، وما فی السنن انه ذکر أولا حدیث أبی جناب تعلیقا مرفوعا۔ ثم قال: قال أبو داود: ورواه روح ابن المسیب و جعفر بن سلیمان عن عمرو بن مالك النکری عن ابی الجوزاء عن ابن عباس قوله، وقال فی حدیث روح: فقال: حدیث النبی صلی الله علیه وسلم.

وظاهر أن الاختلاف فی السند فقط لا فی لفظ الحدیث، وذکر شارح الاقناع من فروع الشافعیة صلوة التسبیح واقتصر علی صفة ابن المبارك فقط. قال البجیرمی: هذه روایة ابن مسعود. والذی علیه مشایخنا أنه لا یسبح قبل القراءة بل بعد ها خمسة عشر، والعشرة فی جلسة الاستراحة وهذه روایة ابن عباس مختصراً. وعلم منه أنّ طریق ابن المبارك مروی عن ابن مسعود ایضًا، لکن لم أجد حدیث ابن مسعود فیما عندی من الکتب، بل المذکورفیها علی ما بسطه صاحب المنهل وشارح الاحیاء و غیر هما ان حدیث صلوة التسبیح مروی عن جماعة من الصحابة،منهم عبدالله والفضل ابنا العباس وأبو هما عباس بن عبدالمطلب وعبدالله بن عمرو بن العاص وعبدالله بن عمر بن الخطاب، وأبو رافع مولی رسول الله ﷺ وعلی ابن أبی طالب وأخوه جعفر بن أبی طالب وابنه عبدالله بن جعفر، وام المؤمنین امّ سَلَمَة و انصاری غیر مسمّی وقد قیل: انه جابر بن عبدالله، قال له الزبیدی وبسط فی تخریج احادیثهم.

وعلم مما سبق أن حدیث صلوة التسبیح مروی بطرق کثیرة وقد افرط ابن الجوزی ومن تبعه فی ذکره فی الموضوعات، ولذا تعقب علیه غیرواحد من ائمة الحدیث کالحافظ ابن حجر والسیوطی والزرکشی، قال ابن المدینی: قد أساء ابن الجوزی بذکره إیاه فی الموضوعات کذا فی اللآلی، قال الحافظ: وممن صححه أوحسنه ابن مندة وألف فیه کتابا والاجری والخطیب وأبو سعد السمعانی وأبو موسی المدینی وأبو الحسن بن المفضل و المنذری وابن الصلاح والنووی فی تهذیب الاسماء والسبکی واخرون کذا فی الاتحاف، وفی المرقاة عن ابن حجر صححه الحاکم وابن خزیمة وحسنه جماعة . قلت: وبسط السیوطی فی اللآلی فی تحسینه وحکی عن أبی منصور الدیلمی صلوة التسبیح أشهر الصلوٰت وأصحها اسنادًا.

ف: صَلوٰۃُ التسبیح بڑی اہم نماز ہے جس کا اندازہ کچھ احادیثِ بالا سے ہوسکتا ہے کہ

نبی اکرم ﷺ نے کس قدر شفقت اور اہتمام سے اس کو تعلیم فرمایا ہے۔ علمائے امت، محدثین، فقہاء صوفیہ ہر زمانہ میں اس کا اہتمام فرماتے رہے ہیں۔ امام حدیث حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے صحیح ہونے پر یہ بھی دلیل ہے کہ تبعِ تابعین کے زمانہ سے ہمارے زمانہ تک مقتدا حضرات اس پر مداومت کرتے اور لوگوں کو تعلیم دیتے رہے ہیں جن میں عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ یہ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استادوں کے استاد ہیں۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابنِ مبارک سے پہلے ابوالجوزاء رحمۃ اللہ علیہ جو معتمد تابعی ہیں اس کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ روزانہ جب ظہر کی اذان ہوتی تو مسجد میں جاتے اور جماعت کے وقت تک اس کو پڑھ لیا کرتے۔ عبدالعزیز بن ابی رَوّاد رحمۃ اللہ علیہ جو ابنِ مبارک کے بھی اُستاذ ہیں، بڑے عابد، زاہد، متّقی لوگوں میں ہیں، کہتے ہیں کہ جو جنّت کا ارادہ کرے اس کو ضروری ہے کہ صلوٰۃُ التسبیح کو مضبوط پکڑے۔ ابوعثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے زاہد ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں نے مصیبتوں اور غموں کے ازالہ کے لئے صَلوٰۃُ التسبیح جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی۔ علامہ تقی سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ نماز بڑی اہم ہے۔ بعض لوگوں کے انکار کی وجہ سے دھوکا میں نہ پڑنا چاہئے۔ جو شخص اس نماز کے ثواب کو سن کر بھی غفلت کرے وہ دین کے بارے میں سستی کرنے والا ہے۔ صلحاء کے کاموں سے دور ہے، اس کو پکا آدمی نہ سمجھنا چاہئے۔ ''مرقاۃ'' میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہر جمعہ کو پڑھا کرتے تھے۔

ف۲: بعض علماء نے اس وجہ سے اس حدیث کا انکار کیا ہے کہ اتنا زیادہ ثواب صرف چار رکعت پر مشکل ہے۔ بالخصوص کبیرہ گناہوں کا معاف ہونا، لیکن جب روایت بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے تو انکار مشکل ہے، البتہ دوسری آیات واحادیث کی وجہ سے کبیرہ گناہوں کی معافی کیلئے توبہ کی شرط ہوگی۔

ف۳: احادیثِ بالا میں اس نماز کے دو طریقے بتائے گئے ہیں: اول یہ کہ کھڑے ہوکر الحمد شریف اور سورۃ کے بعد پندرہ مرتبہ چاروں کلمے "سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ، اللّٰهُ اَكْبَرُ" پڑھے۔ پھر رکوع میں "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ" کے بعد

دس مرتبہ پڑھے۔ پھر رکوع سے کھڑے ہوکر "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ ، رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ" کے بعد دس مرتبہ پڑھے۔ پھر دونوں سجدوں میں "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی" کے بعد دس دس مرتبہ پڑھے اور دونوں سجدوں کے درمیان جب بیٹھے دس مرتبہ پڑھے، اور جب دوسرے سجدہ سے اٹھے تو اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتا ہوا اٹھے اور بجائے کھڑے ہونے کے بیٹھ جائے اور دس مرتبہ پڑھ کر بغیر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کے کہنے کے کھڑا ہو جائے اور دو رکعت کے بعد اسی طرح چوتھی رکعت کے بعد پہلے ان کلموں کو دس دس مرتبہ پڑھے، پھر التحیات پڑھے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ کے بعد اَلْحَمْدُلِلّٰہِ (سورۃ فاتحہ) سے پہلے پندرہ مرتبہ پڑھے اور پھر اَلْحَمْدُ اور سورۃ کے بعد دس مرتبہ پڑھے اور باقی سب طریقہ بدستور۔ البتہ اس صورت میں نہ تو دوسرے سجدہ کے بعد بیٹھنے کی ضرورت ہے اور نہ التحیات کے ساتھ پڑھنے کی۔ علماء نے لکھا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ کبھی اس طرح پڑھ لیا کرے کبھی اس طرح۔

ف ۴: چونکہ یہ نماز عام طور سے رائج نہیں ہے اس لئے اس کے متعلق چند مسائل بھی لکھے جاتے ہیں تا کہ پڑھنے والوں کو سہولت ہو۔

مسئلہ ۱: اس نماز کے لئے کوئی سورۃ قرآن کی متعیّن نہیں، جونسی سورت دل چاہے پڑھے، لیکن بعض علماء نے لکھا ہے کہ سورۂ حدید، سورۂ حشر، سورۂ صف، سورۂ جمعہ، سورۂ تغابن میں سے چار سورتیں پڑھے۔ بعض حدیثوں میں بیس آیتوں کی بقدر آیا ہے، اس لئے ایسی سورتیں پڑھے جو بیس آیتوں کے قریب قریب ہوں۔ بعض نے اِذَا زُلْزِلَت، وَالْعَادِیَات، تَکَاثُر، وَالْعَصْر، کَافِرُوْن، نَصْر، اِخْلَاص لکھا ہے کہ ان میں سے پڑھ لیا کرے۔

مسئلہ ۲: ان تسبیحوں کو زبان سے ہرگز نہ گنے کہ زبان سے گننے سے نماز ٹوٹ جائے گی، انگلیوں کو بند کر کے گننا اور تسبیح ہاتھ میں لے کر اس پر گننا جائز ہے، مگر مکروہ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ انگلیاں جس طرح اپنی جگہ پر رکھی ہیں ویسی ہی رہیں اور ہر کلمہ پر ایک ایک انگلی کو اسی

جگہ دباتا رہے۔

مسئلہ ۳: اگر کسی جگہ تسبیح پڑھنا بھول جائے تو دوسرے رکن میں اس کو پورا کرے، البتہ بھولے ہوئے کی قضا رکوع سے اٹھ کر اور دو سجدوں کے درمیان نہ کرے۔ اسی طرح پہلی اور تیسری رکعت کے بعد اگر بیٹھے تو ان میں بھی بھولے ہوئے کی قضا نہ کرے، بلکہ صرف ان کی ہی تسبیح پڑھے اور ان کے بعد جو رکن ہو اس میں بھولی ہوئی بھی پڑھ لے، مثلاً اگر رکوع میں پڑھنا بھول گیا تو ان کو پہلے سجدہ میں پڑھ لے، اسی طرح پہلے سجدہ کی دوسرے سجدہ میں، اور دوسرے سجدہ کی دوسری رکعت میں کھڑا ہو کر پڑھ لے اور اگر رہ جائے تو آخری قعدہ میں التحیات سے پہلے پڑھ لے۔

مسئلہ ۴: اگر سجدہ سہو کسی وجہ سے پیش آجائے تو اس میں تسبیح نہیں پڑھنا چاہئے، اس لئے کہ مقدار تین سو ہے وہ پوری ہو چکی، ہاں اگر کسی وجہ سے اس مقدار میں کمی رہی ہو تو سجدہ سہو میں پڑھ لے۔

مسئلہ ۵: بعض احادیث میں آیا ہے کہ التحیات کے بعد سلام سے پہلے یہ دعا پڑھے:

رواه أبو نعيم في الحلية من حديث ابن عباس، ولفظه: اذا فرغت قلت بعد التشهد قبل التسليم: اللّٰهم الخ۔ كذا في الاتحاف وقال: اورده الطبراني ايضًا من حديث العباس، وفي سنده متروك. قلت: زاد في المرقاة في اخر الدعاء بعض الالفاظ بعد قوله خالق النور، زدتها تكميلا للفائدة.

دعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ تَوْفِیْقَ اَهْلِ الْهُدٰی، وَاَعْمَالَ اَهْلِ الْیَقِیْنِ، وَمُنَاصَحَةَ اَهْلِ التَّوْبَةِ، وَعَزْمَ اَهْلِ الصَّبْرِ، وَجِدَّ اَهْلِ الْخَشْیَةِ، وَطَلَبَ اَهْلِ الرَّغْبَةِ، وَتَعَبُّدَ اَهْلِ الْوَرَعِ وَعِرْفَانَ اَهْلِ الْعِلْمِ، حَتّٰی اَخَافَكَ،

اے اللہ! میں آپ سے ہدایت والوں کی سی توفیق مانگتا ہوں اور یقین والوں کے عمل اور توبہ والوں کا خلوص مانگتا ہوں اور صابرین کی پختگی اور آپ سے ڈرنے والوں کی سی کوشش (یا احتیاط) مانگتا ہوں اور رغبت والوں کی سی طلب اور پرہیز

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مَخَافَةً تَحْجُزُنِیْ بِهَا عَنْ مَعَاصِیْكَ، وَحَتّٰی اَعْمَلَ بِطَاعَتِكَ عَمَلاً اَسْتَحِقُّ بِهٖ رِضَاكَ وَحَتّٰی اُنَاصِحَكَ فِیْ التَّوْبَةِ خَوْفًا مِّنْكَ، وَحَتّٰی اُخْلِصَ لَكَ النَّصِیْحَةَ حُبًّا لَّكَ، وَحَتّٰی اَتَوَكَّلَ عَلَیْكَ فِیْ الْاُمُوْرِ حُسْنَ الظَّنِّ بِكَ، سُبْحَانَ خَالِقِ النُّوْرِ، رَبَّنَا! اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْلَنَآ، اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ بِرَحْمَتِكَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ.

گاروں کی سی عبادت اور علماء کی سی معرفت، تاکہ میں آپ سے ڈرنے لگوں، اے اللہ! ایسا ڈر جو مجھے آپ کی نافرمانی سے روک دے اور تاکہ میں آپ کی اطاعت سے ایسے عمل کرنے لگوں جن کی وجہ سے آپ کی رضا اور خوشنودی کا مستحق بن جاؤں اور تاکہ خلوص کی توبہ آپ کے ڈر سے کرنے لگوں اور تاکہ سچا اخلاص آپ کی محبت کی وجہ سے کرنے لگوں اور تاکہ آپ کے ساتھ حُسنِ ظن کی وجہ سے آپ پر توکل کرنے لگوں۔ اے نور کے پیدا کرنے والے! تیری ذات پاک ہے، اے ہمارے رب! ہمیں کامل نور عطا فرما اور تو ہماری مغفرت فرما۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے اے ارحم الرحمین! اپنی رحمت سے درخواست کو قبول فرما۔

مسئلہ ۶: اس نماز کا اوقاتِ مکروہہ کے علاوہ باقی دن رات کے تمام اوقات میں پڑھنا جائز ہے، البتہ زوال کے بعد پڑھنا زیادہ بہتر ہے، پھر دن میں کسی وقت، پھر رات کو۔

مسئلہ ۷: بعض حدیثوں میں سوم کلمہ کے ساتھ لَا حَوْل کو بھی ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ اوپر تیسری حدیث میں گذرا ہے، اس لئے اگر کبھی کبھی اس کو بڑھا لے تو اچھا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

محمد زکریا کاندھلوی
شب جمعہ ۶، شوال ۱۳۵۸ھ

Specialist in
DIGITIZING ISLAMIC BOOKS
Contact: noorbari786@gmail.com
Visit: noorhiraislamicbooks.com
١١ ذالقعدہ ١٤٤٦

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً ط

فضائلِ تبلیغ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ

DIGITIZED ISLAMIC BOOKS
noorhiraislamicbooks.com

فہرست مضامین فضائل تبلیغ

فصل	مضمون	صفحہ
آغاز کتاب	تمہید	۶۸۰
فصل اول	آیت قرآنی در تاکید امر بالمعروف و نہی عن المنکر	۶۸۲
فصل ثانی (دوم)	احادیثِ نبوی در تاکید امر بالمعروف و نہی عن المنکر	۶۸۷
فصل ثالث (سوم)	تنبیہ برائے اصلاحِ نفس	۷۰۰
فصل رابع (چہارم)	فضائل اکرام مسلم و وعید تحقیر مسلم	۷۰۲
فصل خامس (پنجم)	اخلاص اور ایمان و احتساب	۷۰۵
فصل سادس (ششم)	تعظیم علمائے کرام و بزرگانِ دین	۷۰۸
فصل سابع (ہفتم)	اہلِ حق کی پہچان اور ان کی مجالست کی اہمیت	۷۱۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ .

تمہید

حمد وصلوۃ کے بعد، مجدّدینِ اسلام کے ایک درخشندہ جوہر اور علماء ومشائخِ عصر کے ایک آبدار گوہر کا ارشاد ہے کہ تبلیغِ دین کی ضرورت کے متعلق مختصر طور پر چند آیات واحادیث لکھ کر پیش کروں، چونکہ مجھ جیسے سیاہ کار کیلئے ایسے ہی حضرات کی رضا وخوشنودی وسیلۂ نجات اور کفارۂ سیئات ہوسکتی ہے، اسلیے اس عُجالۂ نافِعَہ کو خدمت میں پیش کرتے ہوئے ہر اسلامی مدرسہ، اسلامی انجمن، اسلامی اسکول اور ہر اسلامی طاقت بلکہ ہر مسلمان سے گذارش ہے کہ اس وقت دین کا انحطاط جس قدر روز افزوں ہے، دین کے اوپر جس طرح کفار کی طرف سے نہیں، خود مسلمانوں کی طرف سے حملے ہورہے ہیں۔ فرائض وواجبات پر عمل عام مسلمانوں سے نہیں، بلکہ خاص اور اَخَصُّ الْخَوَاص مسلمانوں سے متروک ہوتا جارہا ہے۔ نماز روزہ کے چھوڑ دینے کا کیا ذکر جب کہ لاکھوں آدمی کھلے ہوئے شرک وکفر میں مبتلا ہیں اور غضب یہ ہے کہ ان کو شرک وکفر نہیں سمجھتے۔ مُحَرَّمات اور فِسق وفُجور کا شُیوع جس قدر صاف اور واضح طریق سے بڑھتا جارہا ہے اور دین کے ساتھ لاپرواہی بلکہ اِستخفاف واِستہزا جتنا عام ہوتا جارہا ہے وہ کسی فردِ بشر سے مخفی نہیں۔

اسی وجہ سے خاص علماء بلکہ عام علماء میں بھی لوگوں سے یکسوئی اور وحشت بڑھتی جارہی ہے۔ جس کا لازمی اثر یہ ہورہا ہے کہ دین اور دینیات سے اجنبیت میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ عوام اپنے کو معذور کہتے ہیں کہ ان کو بتلانے والا کوئی نہیں، اور علماء اپنے کو معذور سمجھتے ہیں کہ ان کی سننے والا کوئی نہیں۔ لیکن خدائے قُدّوس کے یہاں نہ عوام کا یہ عذر کافی کہ کسی نے بتلایا نہ تھا، اس لئے کہ دینی امور کا معلوم کرنا، تحقیق کرنا، ہر شخص کا اپنا فرض ہے۔ قانون سے ناواقفیت کا عذر کسی حکومت میں بھی معتبر نہیں، احکم الحاکمین کے یہاں یہ پوچ عذر کیسے چل سکتا ہے؟ یہ تو ''عذرِ گناہ بدتر از گناہ'' کا مِصداق ہے۔ اسی طرح

نہ علماء کے لئے یہ جواب موزوں کہ کوئی سننے والا نہیں۔ جن اَسلاف کی نیابت کے آپ حضرات دعوے دار ہیں انہوں نے کیا کچھ تبلیغ کی خاطر برداشت نہیں فرمایا۔ کیا پتھر نہیں کھائے، گالیاں نہیں کھائیں، مصیبتیں نہیں جھیلیں؟ لیکن ہر نوع کی تکالیف برداشت فرمانے کے بعد اپنی تبلیغی ذمہ داریوں کا احساس فرما کر لوگوں تک دین پہنچایا۔ ہر سخت سے سخت مزاحمت کے باوجود نہایت شفقت سے اسلام واحکامِ اسلام کی اشاعت کی۔

عام طور پر مسلمانوں نے تبلیغ کو علماء کے ساتھ مخصوص سمجھ رکھا ہے، حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ ہر وہ شخص جس کے سامنے کوئی مُنکَر ہو رہا ہو اور وہ اس کے روکنے پر قادر ہو یا اس کے روکنے کے اسباب پیدا کر سکتا ہو اس کے ذمہ واجب ہے کہ اس کو روکے۔ اور اگر بفرض محال مان بھی لیا جاوے کہ یہ علماء کا کام ہے تب بھی جب کہ وہ اپنی کوتاہی سے یا کسی مجبوری سے اس حق کو پورا نہیں کر رہے ہیں یا ان سے پورا نہیں ہو رہا ہے تو ضروری ہے کہ ہر شخص کے ذمہ یہ فریضہ عائد ہو۔ قرآن وحدیث میں جس قدر اہتمام سے تبلیغ اور اَمر بالمعروف ونہی عَنِ المنکَر کو ارشاد فرمایا گیا ہے، وہ ان آیات واحادیث سے ظاہر ہے، جو آئندہ فصلوں میں آ رہی ہیں۔ ایسی حالت میں صرف علماء کے ذمہ رکھ کر یا ان کی کوتاہی بتا کر کوئی شخص بری الذِمّہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے میری علی العموم[1] درخواست ہے کہ ہر مسلمان کو اس وقت تبلیغ میں کچھ نہ کچھ حصہ لینا چاہئے۔ اور جس قدر وقت بھی دین کی تبلیغ اور حفاظت میں خرچ کر سکتا ہو کرنا چاہئے:

ہر وقت خوش کہ دست دہد مغتنم شمار کس را وقوف نیست کہ انجام کار چیست

یہ بھی معلوم کر لینا ضروری ہے کہ تبلیغ کے لئے یا اَمر بالمعروف ونہی عَنِ المنکَر کیلئے پورا کامل ومکمّل عالم ہونا ضروری نہیں۔ ہر وہ شخص جو کوئی مسئلہ جانتا ہو اس کو دوسروں تک پہنچائے۔ جب اس کے سامنے کوئی ناجائز امر کیا جا رہا ہو اور وہ اس کے روکنے پر قادر ہو تو اس کا روکنا اس پر واجب ہے۔

اس رسالہ میں مختصر طور پر سات فصلیں ذکر کی ہیں۔

---

[1] عام طور پر

فصل اوّل

اس میں تبرّکاً اللہ پاک کے بابرکت کلام میں سے چند آیات کا ترجمہ جن میں تبلیغ و اَمر بالمعروف کی تاکید و ترغیب فرمائی ہے پیش کرتا ہوں جس سے اس کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ خود حق سُبحانہٗ وَتَقَدَّسَ کو اس کا کتنا اہتمام ہے کہ جس کیلئے بار بار مختلف عنوانات سے اپنے پاک کلام میں اس کا اعادہ کیا ہے۔ تقریباً ساٹھ آیات تو میری کوتاہ نظر سے اس کی ترغیب اور توصیف میں گذر چکی ہیں۔ اگر کوئی دَقِیقُ النَّظر غور سے دیکھے تو نہ معلوم کس قدر آیات معلوم ہوں۔ چونکہ ان سب آیات کا اس جگہ جمع کرنا طول کا سبب ہوگا اس لئے چند آیات ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔

(۱) قَالَ اللّٰهُ عَزَّ اسْمُهٗ: وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ○

(حٰمٓ السجدۃ:۳۳)

اور اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو خدا کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے، اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ (بیان القرآن)

مفسّرین نے لکھا ہے کہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی طرف کسی کو بلائے وہ اس بشارت اور تعریف کا مُستحق ہے، خواہ کسی طریق سے بلائے، مثلاً انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام معجزہ وغیرہ سے بلاتے ہیں اور علماء دلائل سے، مجاہدین تلوار سے، اور مُؤَذِّنین اذان سے۔ غرض جو بھی کسی شخص کو دعوت اِلَی الْخَیر کرے وہ اس میں داخل ہے، خواہ اعمالِ ظاہرہ کی طرف بلائے یا اعمالِ باطنہ کی طرف، جیسا کہ مشائخ صوفیہ اللہ کی معرفت کی طرف بلاتے ہیں۔ (خازن)

مفسّرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ "وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ" میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسلمان ہونے کے ساتھ تفاخر بھی ہو، اس کو اپنے لئے باعثِ عزت بھی سمجھتا ہو۔ اس اسلامی امتیاز کو تفاخر کے ساتھ ذکر بھی کرے۔ بعض مفسّرین نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ مقصد یہ ہے کہ اس وعظ، نصیحت، تبلیغ سے اپنے کو بہت بڑی ہستی نہ کہنے لگے، بلکہ یہ کہے کہ عام مسلمین میں سے ایک مسلمان میں بھی ہوں۔

(۲) وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الذّٰریات:۵۵)

اے محمد! لوگوں کو سمجھاتے رہیے، کیونکہ سمجھانا ایمان والوں کو نفع دے گا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے قرآن پاک کی آیت سنا کر نصیحت فرمانا مقصود ہے کہ وہ نفع رساں ہے۔ مومنین کیلئے تو ظاہر ہے، کفار کیلئے بھی اس لحاظ سے کہ وہ ان شاء اللہ اس کے ذریعے سے مومنین میں داخل ہوجائیں گے اور آیت کے مصداق میں شامل ہوں گے۔ ہمارے اس زمانے میں وعظ ونصیحت کا راستہ تقریباً بند ہوگیا ہے، وعظ کا مقصد بالعموم شستگیٔ تقریر بن گیا ہے تاکہ سننے والے تعریف کردیں، حالانکہ نبیِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو شخص تقریر وبلاغت اسلیے سیکھے تاکہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرے تو قیامت کے دن اس کی کوئی عبادت مقبول نہیں، نہ فرض نہ نفل''۔

(۳) وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۝ (طٰہٰ:۱۳۲)

اے محمد! اپنے متعلقین کو بھی نماز کا حکم کرتے رہیے۔ اور خود بھی اس کے پابند رہیے، ہم آپ سے معاش نہیں چاہتے، معاش تو آپ کو ہم دینگے اور بہتر انجام تو پرہیزگاری ہی کا ہے۔

متعدد روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کو کسی کی تنگیٔ معاش کے رفع فرمانے کا فکر ہوتا تو اس کو نماز کی تاکید فرماتے اور آیت بالا کو تلاوت فرما کر گویا اس طرف اشارہ فرماتے کہ وسعتِ رزق کا وعدہ اہتمامِ نماز پر موقوف ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس آیتِ شریفہ میں نماز کے حکم کرنے کیساتھ خود اس پر اہتمام کرنے کا حکم اس لئے ارشاد ہوا ہے کہ یہ أنفع ہے کہ تبلیغ کے ساتھ ساتھ جس چیز کا دوسروں کو حکم کیا جاوے خود بھی اس پر اہتمام کیا جاوے کہ اس سے دوسروں پر اثر بھی زیادہ ہوتا ہے اور دوسروں کے اہتمام کا سبب بنتا ہے۔ اسی لئے ہدایت کے واسطے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو مبعوث فرمایا ہے کہ وہ نمونہ بن کر سامنے ہوں تو عمل کرنیوالوں کو عمل کرنا سہل ہو۔ اور یہ خدشہ نہ گزرے کہ فلاں حکم مشکل ہے، اس پر عمل کیسے ہوسکتا ہے، اس کے بعد رزق کے وعدہ کی مصلحت یہ ہے کہ

نماز کا اپنے اوقات کیساتھ اہتمام بسا اوقات اسبابِ معیشت میں ظاہراً نقصان کا سبب معلوم ہوتا ہے۔ بالخصوص تجارت ملازمت وغیرہ میں، اس لئے اس کو ساتھ کے ساتھ دفع فرمادیا کہ یہ ہمارے ذمہ ہے۔ یہ سب دنیاوی امور کے اعتبار سے ہے، اس کے بعد بطور قاعدۂ کلیہ اور امرِ بدیہی کے فرمایا کہ عاقبت تو ہے ہی متقیوں کیلئے، اس میں کسی دوسرے کی شرکت ہی نہیں۔

(۴) یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا اَصَابَکَ ط اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ o (لقمٰن:۱۷)

بیٹا! نماز پڑھا کر اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور بُرے کاموں سے منع کیا کر اور تجھ پر جو مصیبت واقع ہو اس پر صبر کیا کر کہ یہ ہمّت کے کاموں میں سے ہے۔ (بیان القرآن)

اس آیت شریفہ میں مُہتَم بالشان امور کو ذکر فرمایا ہے اور حقیقۃً یہ امور اہم ہیں، تمام کامیابیوں کا ذریعہ ہیں، مگر ہم لوگوں نے ان ہی چیزوں کو خاص طور سے پس پشت ڈال رکھا ہے۔ امر بالمعروف کا تو ذکر ہی کیا کہ وہ تو تقریباً سب ہی کے نزدیک متروک ہے۔ نماز جو تمام عبادات میں سب سے زیادہ اہم چیز ہے اور ایمان کے بعد سب سے مقدم اسی کا درجہ ہے، اس کی طرف سے بھی کس قدر غفلت برتی جاتی ہے۔ ان لوگوں کو چھوڑ کر جو بے نمازی کہلاتے ہیں خود نمازی لوگ بھی اس کا کامل اہتمام نہیں فرماتے۔ بالخصوص جماعت جس کی طرف اِقامتِ نماز سے اشارہ ہے صرف غرباء کیلئے رہ گئی۔ امراء اور باعزت لوگوں کیلئے مسجد میں جانا گویا عار بن گیا ہے۔ فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی ؎

آنچہ عار تُست اُو فخر مَن است۔

(۵) وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْہَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ ط وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ

اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ خیر کی طرف بُلائے اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کرے اور

الْمُفْلِحُوْنَ○ (آل عمران:۱۰۴) برے کاموں سے روکا کرے اور ایسے لوگ پورے کامیاب ہوں گے۔

حق سُبحَانَہٗ وَتَقَدَّس نے اس آیتِ شریفہ میں ایک اہم مضمون کا حکم فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ امت میں سے ایک جماعت اس کام کیلئے مخصوص ہو کہ وہ اسلام کی طرف لوگوں کو تبلیغ کیا کرے۔ یہ حکم مسلمانوں کے لئے تھا، مگر افسوس! کہ اس اصل کو ہم لوگوں نے بالکلیہ ترک کر دیا ہے اور دوسری قوموں نے نہایت اہتمام سے پکڑ لیا ہے۔ نصاریٰ کی مستقل جماعتیں دنیا میں تبلیغ کیلئے مخصوص ہیں اور اسی طرح دوسری اقوام میں اس کیلئے مخصوص کارکن موجود ہیں، لیکن کیا مسلمانوں میں بھی کوئی جماعت ایسی ہے؟ اس کا جواب نفی میں نہیں تو اثبات میں بھی مشکل ہے۔ اگر کوئی جماعت یا کوئی فرد اس کیلئے اٹھتا بھی ہے تو اس وجہ سے کہ بجائے اعانت کے اس پر اعتراضات کی اس قدر بھرمار ہوتی ہے کہ وہ آج نہیں تو کل تھک کر بیٹھ جاتا ہے، حالانکہ خیر خواہی کا مقتضا یہ تھا کہ اس کی مدد کی جاتی اور کوتاہیوں کی اصلاح کی جاتی، نہ یہ کہ خود کوئی کام نہ کیا جاوے اور کام کرنے والوں کو اعتراضات کا نشانہ بنا کر ان کو کام کرنے سے گویا روک دیا جاوے۔

(۶) كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط (آل عمران:۱۱۰) تم بہترین امت ہو کہ لوگوں کے (نفع رسانی) کیلئے نکالے گئے ہو۔ تم لوگ نیک کام کا حکم کرتے ہو اور برے کام سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو (بیان القرآن وترجمہ عاشقی)

مسلمانوں کا اَشرَفُ النَّاس اور اُمّتِ محمدیہ کا اَشرَفُ الاُمم ہونا متعدد احادیث میں تصریح سے وارد ہوا ہے۔ قرآنِ پاک کی آیات میں بھی کئی جگہ اس مضمون کو صراحۃً واشارۃً بیان فرمایا گیا ہے۔ اس آیتِ شریفہ میں بھی خیرِ امت کا اطلاق فرمایا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کی علت کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ تم بہترین امت ہو اس لئے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہو۔

مفسّرین نے لکھا ہے کہ اس آیت شریفہ میں اَمر بالمَعْرُوف اور نَہی عَنِ المُنکَر کو ایمان

سے بھی پہلے ذکر فرمایا حالانکہ ایمان سب چیزوں کی اصل ہے، بغیر ایمان کے کوئی خیر بھی معتبر نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان میں تو اور اُمم سابقہ بھی شریک تھیں۔ یہ خاص خصوصیت جس کی وجہ سے تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے متبعین سے اُمتِ محمدیہ کو تفوق ہے وہ یہی اَمر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے جو اس امت کا تمغۂ امتیاز ہے اور چونکہ بغیر ایمان کے کوئی عملِ خیر معتبر نہیں اسلیے ساتھ ہی بطور قید کے اس کو بھی ذکر فرمادیا، ورنہ اصل مقصود اس آیتِ شریفہ میں اسی کا ذکر فرمانا ہے اور چونکہ وہی اس جگہ مقصود بالذکر ہے اس لئے اس کو مقدم فرمایا۔

اس اُمت کے لئے تمغۂ امتیاز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا مخصوص اہتمام کیا جائے، ورنہ کہیں چلتے پھرتے تبلیغ کردینا اس میں کافی نہیں۔ اس لئے کہ یہ امر پہلی امتوں میں بھی پایا جاتا تھا جس کو فَلَمَّا نَسُوْا مَاذُكِّرُوْا بِهٖ (الانعام:٤٤) وغیرہ آیات میں ذکر فرمایا ہے، امتیاز مخصوص اہتمام کا ہے کہ اس کو مستقل کام سمجھ کر دین کے اور کاموں کی طرح سے اس میں مشغول ہوں۔

(۷) لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ط وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ○ (النساء: ١١٤)

عام لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں خیر (وبرکت) نہیں ہوتی، مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ صدقہ خیرات کی، یا اور کسی نیک کام کی یا لوگوں میں باہم اصلاح کردینے کی ترغیب دیتے ہیں (اور اس تعلیم وترغیب کے لئے خفیہ تدبیریں اور مشورے کرتے ہیں، ان کے مشوروں میں البتہ خیر وبرکت ہے) اور جو شخص یہ کام (یعنی نیک اعمال کی ترغیب محض) اللہ کی رضا کے واسطے کریگا (نہ کہ لالچ یا شہرت کی غرض سے) اس کو ہم عنقریب اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ شانہ نے اَمر بالمعروف کرنیوالوں کیلئے بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے اور جس اجر کو حق جَلَّ جَلَالُہٗ بڑا فرمادیں اس کی کیا انتہا ہوسکتی ہے۔ اس آیت شریفہ کی تفسیر میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد مبارک نقل کیا گیا ہے کہ آدمی کا ہر کلام اس پر بار ہے، مگر یہ کہ

اَمر بالمَعْرُوف اور نھی عن المنکر ہو یا اللہ کا ذکر ہو۔

دوسری احادیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے ”کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں جو نفل، نماز، روزہ صدقہ سب سے افضل ہو؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ضرور ارشاد فرمایئے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”لوگوں میں مُصالحت کرانا کیونکہ آپس کا بگاڑ نیکیوں کو اس طرح صاف کر دیتا ہے جیسا کہ استرا بالوں کو اڑا دیتا ہے“۔ اور بھی بہت سی نصوص میں لوگوں کے درمیان مُصالحت کرانے کی تاکید فرمائی گئی ہے، اس جگہ اس کا ذکر مقصود نہیں۔ اس جگہ اس بات کا بیان کرنا مقصود ہے کہ امر بالمعروف میں یہ بھی داخل ہے کہ لوگوں میں مصالحت کی صورت جس طریق سے بھی پیدا ہو سکے، اس کا بھی ضرور اہتمام کیا جائے۔

فصلِ ثانی

اس میں اُن احادیث میں سے بعض کا ترجمہ ہے جو مضمونِ بالا کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔ تمام احادیث کا نہ اِحاطہ مقصود ہے نہ ہو سکتا ہے، نیز اگر کچھ زیادہ مقدار میں آیات واحادیث جمع بھی کی جائیں تو ڈر یہ ہے کہ دیکھے گا کون۔ آج کل ایسے امور کیلئے کسے فرصت اور کس کے پاس وقت ہے۔ اس لئے صرف یہ امر دکھلانے کیلئے اور آپ حضرات تک پہنچا دینے کے لئے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے کس قدر اہمیّت کیساتھ اس کی تاکید فرمائی ہے اور نہ ہونے کی صورت میں کس قدر سخت وعید اور دھمکی فرمائی ہے۔ چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَنْ رَّاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ، فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ، فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ، وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ.

(رواہ مسلم والترمذی وابن ماجۃ والنسائی، کذا فی الترغیب)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی ناجائز امر کو ہوتے ہوئے دیکھے، اگر اس پر قدرت ہو کہ اس کو ہاتھ سے بند کر دے تو اس کو بند کر دے۔ اگر اتنی مَقْدِرَت نہ ہو تو زبان سے اس پر انکار کر دے، اگر اتنی بھی قدرت نہ ہو تو دل سے اس کو بُرا سمجھے۔ اور یہ ایمان کا بہت ہی کم درجہ ہے۔

ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ اگر اس کو زبان سے بند کرنے کی طاقت ہو تو بند کردے، ورنہ دل سے اس کو برا سمجھے کہ اس صورت میں بھی وہ بَری الذّمّہ ہے۔

ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص دل سے بھی اس کو برا سمجھے تو وہ بھی مومن ہے، مگر اس سے کم درجہ ایمان کا نہیں۔

اس مضمون کے متعلق کئی ارشادات نبیِ کریم ﷺ کے مختلف احادیث میں نقل کئے گئے ہیں۔ اب اس کے ساتھ اس ارشاد کی تعمیل پر بھی ایک نظر ڈالتے جائیں کہ کتنے آدمی ہم میں سے ایسے ہیں کہ کسی ناجائز کام کو ہوتے ہوئے دیکھ کر ہاتھ سے روک دیتے ہیں یا فقط زبان سے اس کی برائی اور ناجائز ہونے کا اظہار کر دیتے ہیں، یا کم از کم اس ایمان کے ضعیف درجہ کے موافق دل ہی سے اس کو بُرا سمجھتے ہیں یا اس کام کو ہوتا ہوا دیکھنے سے دل تلملاتا ہے۔ تنہائی میں بیٹھ کر ذرا تو غور کیجئے کہ کیا ہونا چاہئے تھا اور کیا ہو رہا ہے۔

(۲) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَثَلُ الْقَائِمِ فِيْ حُدُوْدِ اللّٰهِ وَالْوَاقِعِ فِيْهَا، كَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهَمُوْا عَلٰى سَفِيْنَةٍ، فَصَارَ بَعْضُهُمْ اَعْلَاهَا وَ بَعْضُهُمْ اَسْفَلَهَا، فَكَانَ الَّذِيْ فِيْ اَسْفَلِهَا اِذَا اسْتَقَوْا مِنَ الْمَاءِ مَرُّوْا عَلٰى مَنْ فَوْقَهُمْ، فَقَالُوْا: لَوْ اَنَّا خَرَقْنَا فِيْ نَصِيْبِنَا خَرْقًا وَلَمْ نُؤْذِ مَنْ فَوْقَنَا، فَاِنْ تَرَكُوْهُمْ وَمَا اَرَادُوْا هَلَكُوْا جَمِيْعًا، وَاِنْ اَخَذُوْا عَلٰى اَيْدِيْهِمْ نَجَوْا وَنَجَوْا جَمِيْعًا. (رواه البخاری والترمذی)

نبیِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس شخص کی مثال جو اللہ کی حدود پر قائم ہے اور اس شخص کی جو اللہ کی حدود میں پڑنے والا ہے، اس قوم کی سی ہے جو ایک جہاز میں بیٹھے ہوں اور قُرعہ سے (مثلاً) جہاز کی منزلیں مقرر ہوگئی ہوں کہ بعض لوگ جہاز کے اوپر کے حصہ میں ہوں اور بعض لوگ نیچے (طبق) کے حصہ میں ہوں۔ جب نیچے والوں کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ جہاز کے اوپر کے حصہ پر آ کر پانی لیتے ہیں، اگر وہ یہ خیال کر کے کہ ہمارے بار بار اُوپر پانی کے لئے جانے سے اوپر والوں کو

تکلیف ہوتی ہے اس لئے ہم اپنے ہی حصہ میں یعنی جہاز کے نیچے کے حصہ میں ایک سوراخ سمندر میں کھول لیں جس سے پانی یہاں ہی ملتا رہے، اوپر والوں کو ستانا نہ پڑے، ایسی صورت میں اگر اوپر والے ان احمقوں کی اس تجویز کو نہ روکیں گے اور خیال کرلیں گے کہ وہ جانیں ان کا کام، ہمیں ان سے کیا واسطہ۔ تو اس صورت میں وہ جہاز غرق ہوجائے گا اور دونوں فریق ہلاک ہوجائیں گے اور اگر وہ ان کو روک دیں گے تو دونوں فریق ڈوبنے سے بچ جائیں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ ہم لوگ ایسی حالت میں بھی تباہ و برباد ہوسکتے ہیں جب کہ ہم میں صُلحاء اور متقی لوگ موجود ہوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہاں جب خباثت غالب ہوجائے۔

اِس وقت مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے ہر طرف گیت گائے جارہے ہیں اور اس پر شور مچایا جارہا ہے۔ نئے نئے طریقے ان کی اصلاح کے واسطے تجویز کئے جارہے ہیں، مگر کسی روشن خیال (تعلیمِ جدید کے شیدائی) کی تو کیا کسی تاریک خیال مولوی صاحب کی بھی نظر اس طرف نہیں جاتی ہے کہ حقیقی طبیب اور شفیق مُربّی نے کیا مرض تشخیص فرمایا اور کیا علاج بتلایا ہے اور اس پر کس درجہ عمل کیا جارہا ہے۔ کیا اس ظلم کی کچھ انتہا ہے کہ جو سببِ مرض ہے، جس سے مرض پیدا ہوا ہے، وہی علاج تجویز کیا جارہا ہے کہ دین کی ترقی کیلئے دین و اسبابِ دین سے بے توجہی کی جارہی ہے، اپنی ذاتی رائیوں پر عمل کیا جارہا ہے تو یہ مریض کل کی جگہ آج ہلاک نہ ہوگا تو کیا ہوگا۔

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب — اُسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

(۳) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَوَّلُ مَا دَخَلَ النَّقْصُ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اَنَّهٗ كَانَ الرَّجُلُ يَلْقَى الرَّجُلَ فَيَقُوْلُ: يَا هٰذَا! اِتَّقِ

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا تنزل اس طرح شروع ہوا کہ ایک شخص کسی دوسرے سے ملتا اور کسی ناجائز بات کو کرتے ہوئے دیکھتا تو

اللّٰهَ وَدَعْ مَاتَصْنَعُ بِهٖ؛ فَاِنَّهٗ لَا يَحِلُّ لَكَ، ثُمَّ يَلْقَاهُ مِنَ الْغَدِ وَهُوَ عَلٰى حَالِهٖ، فَلَا يَمْنَعُهٗ ذٰلِكَ اَنْ يَّكُوْنَ اَكِيْلَهٗ وَشَرِيْبَهٗ وَقَعِيْدَهٗ. فَلَمَّا فَعَلُوْا ذٰلِكَ ضَرَبَ اللّٰهُ قُلُوْبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ، ثُمَّ قَالَ: لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اِلٰى قَوْلِهٖ فَاسِقُوْنَ (المائدۃ:۷۸۔۸۱)، ثُمَّ قَالَ: كَلَّا وَاللّٰهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ، وَ لَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَلَتَأْخُذُنَّ عَلٰى يَدِ الظَّالِمِ، وَلَتَأْطُرُنَّهٗ عَلَى الْحَقِّ اَطْرًا. (رواہ ابو داود والترمذی، کذا فی الترغیب)

اس کو منع کرتا کہ دیکھ! اللہ سے ڈر، ایسا نہ کر، لیکن اس کے نہ ماننے پر بھی وہ اپنے تعلّقات کی وجہ سے کھانے پینے میں اور نشست و برخاست میں ویسا ہی برتاؤ کرتا جیسا کہ اس سے پہلے تھا۔ جب عام طور پر ایسا ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے بعضوں کے قلوب کو بعضوں کیساتھ خلط کر دیا (یعنی نافرمانوں کے قلوب جیسے تھے ان کی نحوست سے فرمانبرداروں کے قلوب بھی ویسے ہی کر دیئے)۔ پھر ان کی تائید میں کلامِ پاک کی آیتیں لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے فَاسِقُوْنَ تک پڑھیں۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے بڑی تاکید سے یہ حکم فرمایا کہ اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ظالم کو ظلم سے روکتے رہو اور اس کو حق بات کی طرف کھینچ کر لاتے رہو۔

دوسری حدیث میں وارد ہے کہ حضور ﷺ تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے، جوش میں اٹھ کر بیٹھ گئے اور قسم کھا کر فرمایا کہ تم نجات نہیں پاؤ گے جب تک کہ ان کو ظلم سے نہ روک دو۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا کہ تم اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو اور ظالموں کو ظلم سے روکتے رہو اور حق بات کی طرف کھینچ کر لاتے رہو، ورنہ تمہارے قلوب بھی اسی طرح خلط کر دیئے جائینگے جس طرح ان لوگوں کے کر دیئے گئے اور اسی طرح تم پر بھی لعنت ہوگی جس طرح ان پر یعنی بنی اسرائیل پر لعنت ہوئی۔ قرآنِ پاک کی آیات تائید میں اس لیے پڑھیں کہ ان آیاتِ شریفہ میں ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے اور سببِ لعنت منجملہ اور اسباب کے یہ بھی ہے کہ وہ منکرات سے ایک دوسرے کو نہیں روکتے تھے۔

آج کل یہ خوبی سمجھی جاتی ہے کہ آدمی صلحِ کُل رہے، جس جگہ جاوے ویسی ہی کہنے لگے۔ اسی کو کمال اور وسعتِ اخلاق سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ علی الاطلاق غلط ہے، بلکہ جہاں امر بالمعروف وغیرہ قطعاً مفید نہ ہو ممکن ہے کہ صرف سکوت کی کچھ گنجائش نکل آوے (نہ کہ ہاں میں ہاں ملانے کی)۔ لیکن جہاں مفید ہوسکتا ہے مثلاً اپنی اولاد، اپنے ماتحت، اپنے دست نگر لوگوں میں، وہاں کسی طرح بھی یہ سکوت کمالِ اخلاق نہیں، بلکہ سکوت کرنے والا شرعاً وعُرفاً خود مجرم ہے۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو شخص اپنے پڑوسیوں کو محبوب ہو، اپنے بھائیوں میں محمود ہو، (اَغْلَب یہ ہے کہ) وہ مُدَاہِن ہوگا۔

متعدد روایات میں یہ مضمون آیا ہے کہ جب کوئی گناہ مخفی طور سے کیا جاتا ہے اس کی مضرت کرنے والے ہی کو ہوتی ہے لیکن جب کوئی گناہ کھلم کھلا کیا جاتا ہے اور لوگ اس کے روکنے پر قادر ہیں اور پھر نہیں روکتے تو اس کی مضرت اور نقصان بھی عام ہوتا ہے۔

اب ہر شخص اپنی ہی حالت پر غور کرلے کہ کتنے معاصی اس کے علم میں ایسے کئے جاتے ہیں جن کو وہ روک سکتا ہے اور پھر بے توجہی، لاپرواہی، بے اِلتفاتی سے کام لیتا ہے اور اس سے بڑھ کر ظلم یہ ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ اس کو روکنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی مخالفت کی جاتی ہے، اس کو کوتاہ نظر بتلایا جاتا ہے، اس کی اعانت کرنے کی بجائے اس کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ فَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ. (الشعراء:۲۲۷)

(۴) عَنْ جَرِيْرِبْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَامِنْ رَّجُلٍ يَّكُوْنُ فِيْ قَوْمٍ يَّعْمَلُ فِيْهِمْ بِالْمَعَاصِيْ، يَقْدِرُوْنَ عَلٰى اَنْ يُّغَيِّرُوْا عَلَيْهِ وَلَا يُغَيِّرُوْنَ، اِلَّا اَصَابَهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ قَبْلَ اَنْ يَّمُوْتُوْا.

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر کسی جماعت اور قوم میں کوئی شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور وہ جماعت وقوم باوجود قدرت کے اس شخص کو اس گناہ سے نہیں روکتی تو ان پر مرنے سے پہلے دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ کا عذاب مُسلّط ہوجاتا ہے۔

(رواہ ابو داود وابن ماجۃ وابن حبان والأصبہانی وغیرھم کذا فی الترغیب)

میرے مخلص بزرگو! اور ترقیٔ اسلام و مسلمین کے خواہشمند دوستو! یہ ہیں مسلمانوں کی تباہی کے اسباب اور روز افزوں بربادی کی وجوہ۔ ہر شخص اجنبیوں کو نہیں، برابر والوں کو نہیں، اپنے گھر کے لوگوں کو، اپنے چھوٹوں کو، اپنی اولاد کو، اپنے ماتحتوں کو ایک لمحہ اس نظر سے دیکھ لے کہ کتنے کھلے ہوئے معاصی میں وہ لوگ مبتلا ہیں، اور آپ حضرات اپنی ذاتی وجاہت اور اثر سے ان کو روکتے ہیں یا نہیں؟ روکنے کو چھوڑیئے، روکنے کا ارادہ بھی کر لیتے ہیں یا نہیں؟ یا آپ کے دل میں کسی وقت اس کا خطرہ بھی گذر جاتا ہے کہ لاڈلا بیٹا کیا کر رہا ہے۔ اگر وہ حکومت کا کوئی جرم کرتا ہے، جرم بھی نہیں سیاسی مجالس میں شرکت ہی کر لیتا ہے تو آپ کو فکر ہوتی ہے کہ کہیں ہم نہ ملوث ہو جائیں۔ اس کو تنبیہ کی جاتی ہے اور اپنی صفائی اور تبرّیٰ کی تدبیریں اختیار کی جاتی ہیں۔ مگر کہیں اَحکمُ الحاکمین کے مجرم کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کیا جاتا ہے جو معمولی حاکمِ عارضی کے مجرم کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

آپ خوب جانتے ہیں کہ پیارا بیٹا شطرنج کا شوقین ہے، تاش سے دل بہلاتا ہے، نماز کئی کئی وقت کی اڑا دیتا ہے، مگر افسوس کہ آپ کے منہ سے کبھی حرفِ غلط کی طرح بھی یہ نہیں نکلتا کہ کیا کر رہے ہو۔ یہ مسلمانوں کے کام نہیں ہیں، حالانکہ اس کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دینے کے بھی مامور تھے، جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

بَبیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ایسے بہت سے لوگ ملیں گے جو اپنے لڑکے سے اس لئے ناخوش ہیں کہ وہ اَحدی ہے، گھر پڑا رہتا ہے، ملازمت کی سعی نہیں کرتا ہے، یا دوکان کا کام تندہی سے نہیں کرتا ہے، لیکن ایسے لوگ بہت کم ملیں گے جو لڑکے سے اس لئے ناراض ہوں کہ وہ جماعت کی پرواہ نہیں کرتا یا نماز قضا کر دیتا ہے۔

بزرگو اور دوستو! اگر صرف آخرت ہی کا وبال ہوتا تب بھی یہ امور اس قابل تھے کہ ان سے کوسوں دور بھاگا جاتا، لیکن قیامت تو یہ ہے کہ اس دنیا کی تباہی کو جس کو ہم عملاً آخرت سے

مقدم سمجھتے ہیں انہیں امور کی وجہ سے ہے۔غور تو کیجئے اس اندھے پن کی کوئی حد بھی ہے:

"مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى" (بنی اسرائیل:۷۲) حقیقی بات یہ ہے کہ "خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ" (البقرۃ:۷) کا پڑتو ہے۔

(۵) رُوِيَ عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا تَزَالُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تَنْفَعُ مَنْ قَالَهَا وَتَرُدُّ عَنْهُمُ الْعَذَابَ وَالنِّقْمَةَ مَالَمْ يَسْتَخِفُّوْا بِحَقِّهَا قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَاالْاِسْتِخْفَافُ بِحَقِّهَا؟ قَالَ يَظْهَرُ الْعَمَلُ بِمَعَاصِي اللّٰهِ، فَلَا يُنْكَرُ وَلَا يُغَيَّرُ. (رواه الأصبهاني، ترغيب)

حضور ﷺ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ (کلمۂ توحید) لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ (مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰـه،) کہنے والے کو ہمیشہ نفع دیتا ہے اور اس سے عذاب و بلا کو دفع کرتا ہے جب تک کہ اس کے حقوق سے بے پرواہی اور اِستخفاف نہ کیا جائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اس کے حقوق سے بے پرواہی واستخفاف کئے جانے کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی نافرمانیاں کھلے طور پر کی جائیں اور ان کو بند کرنے کی کوئی کوشش نہ کی جائے۔

اب آپ ہی ذرا انصاف فرمایئے کہ اس زمانے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی کوئی انتہا، کوئی حد ہے، اس کے روکنے یا بند کرنے کی یا کم از کم تقلیل کی کوئی سعی کوئی کوشش ہے، ہرگز نہیں۔ ایسے خطرناک ماحول میں مسلمانوں کا عالم میں موجود ہونا ہی اللہ تعالیٰ کا حقیقی انعام ہے ورنہ ہم نے اپنی بربادی کے لئے کیا کچھ اَسباب نہیں پیدا کر لئے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ کیا کوئی اللہ کا عذاب اگر زمین والوں پر نازل ہو، اور وہاں کچھ دین دار لوگ بھی ہوں تو اُن کو بھی نقصان پہنچتا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دنیا میں تو سب کو اثر پہنچتا ہے مگر آخرت میں وہ لوگ گنہگاروں سے علیحدہ ہو جائیں گے، اس لئے وہ حضرات جو اپنی دین داری پر مطمئن ہو کر دنیا سے یکسو ہو بیٹھے اس سے بے فکر نہ رہیں کہ خدانخواستہ اگر مُنکرات کے اس شُیُوع پر کوئی بلا نازل ہوگئی

تو ان کو بھی اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

(٦) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ، فَعَرَفْتُ فِيْ وَجْهِهٖ اَنْ قَدْ حَضَرَهٗ شَيْءٌ، فَتَوَضَّأَ وَمَا كَلَّمَ اَحَدًا، فَلَصِقْتُ بِالْحُجْرَةِ اَسْتَمِعُ مَايَقُوْلُ، فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ، وَقَالَ: يَآاَيُّهَاالنَّاسُ! اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ لَكُمْ: مُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ قَبْلَ اَنْ تَدْعُوْا فَلَا اُجِيْبَ لَكُمْ، وَتَسْأَلُوْنِيْ فَلَا اُعْطِيَكُمْ، وَتَسْتَنْصِرُوْنِيْ فَلَااَنْصُرَكُمْ، فَمَا زَالَ عَلَيْهِنَّ حَتّٰى نَزَلَ. (رواه ابن ماجة وابن حبان فی صحيحه كذا فی الترغيب)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ دولت کدہ پر تشریف لائے تو میں نے چہرۂ انور پر ایک خاص اثر دیکھ کر محسوس کیا کہ کوئی اہم بات پیش آئی ہے۔ حضور ﷺ نے کسی سے کچھ بات چیت نہیں فرمائی اور وضو فرما کر مسجد میں تشریف لے گئے۔ میں حُجرہ کی دیوار سے لگ کر سننے کھڑی ہوگئی کہ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حمد وثنا کے بعد ارشاد فرمایا "لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، مبادا وہ وقت آجائے کہ تم دعا مانگو اور قبول نہ ہو، تم سُوال کرو اور سُوال پورا نہ کیا جائے، تم اپنے دشمنوں کے خلاف مجھ سے مدد چاہو اور میں تمہاری مدد نہ کروں" یہ کلمات طیبات حضور ﷺ نے ارشاد فرمائے اور منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔

اس مضمون پر وہ حضرات خصوصیت سے توجہ فرمائیں جو دشمن کے مقابلہ کے لئے امورِ دینیہ میں تسامح اور مُسامحت پر زور دیتے ہیں کہ مسلمانوں کی اعانت اور امداد دین کی پختگی ہی میں مُضمر ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ جو ایک جلیل القدر صحابی ہیں فرماتے ہیں کہ تم اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر ایسے ظالم بادشاہ کو مسلط کردے گا جو تمہارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، تمہارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے، اس وقت تمہارے برگزیدہ لوگ دعائیں کریں گے تو قبول نہ ہوں گی، تم مدد چاہو گے تو مدد نہ ہوگی، مغفرت مانگو گے تو مغفرت نہ ملے گی۔ خود حق جَلَّ جَلَالُہٗ کا ارشاد ہے "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ" (محمد:۷) (ترجمہ) اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا (اور دشمنوں کے مقابلہ میں) تمہارے قدم جمادے گا (بیان القرآن)۔ دوسری جگہ ارشادِ باری عَزَّاسْمُہٗ ہے "اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ" (اٰلِ عمران:۱۰۷) (ترجمہ) اگر اللہ تعالیٰ شانہٗ تمہاری مدد کریں تو کوئی شخص تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہاری مدد نہ کریں تو پھر کون شخص ہے جو تمہاری مدد کرسکتا ہے اور صرف اللہ تعالیٰ ہی پر ایمان والوں کو اعتماد رکھنا چاہئے۔

دُرِمَنثُور میں بروایت ترمذی وغیرہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر یہ ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اَمر بالمَعْروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو۔ ورنہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ اپنا عذاب تم پر مسلّط کردیں گے، پھر تم دعا بھی مانگو گے تو قبول نہ ہوگی۔

یہاں پہنچ کر میرے بزرگ اول یہ سوچ لیں کہ ہم لوگ اللہ کی کس قدر نافرمانیاں کرتے ہیں، پھر معلوم ہوجائے گا کہ ہماری کوششیں بیکار کیوں جاتی ہیں، ہماری دعائیں بے اثر کیوں رہتی ہیں، ہم اپنی ترقی کے بیج بو رہے ہیں یا تنزّل کے۔

(۷) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا عَظَّمَتْ اُمَّتِیْ الدُّنْيَا، نُزِعَتْ مِنْهَا هَيْبَةُ الْاِسْلَامِ، وَاِذَا تَرَكَتِ الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْیَ عَنِ الْمُنْكَرِ، حُرِمَتْ بَرَكَةَ الْوَحْیِ، وَاِذَا تَسَابَّتْ اُمَّتِیْ سَقَطَتْ مِنْ عَيْنِ اللّٰهِ. (كذا فی الدر عن الحكيم الترمذی)

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب میری امت دنیا کو بڑی چیز سمجھنے لگے گی تو اسلام کی ہیبت اور وقعت اس کے قلوب سے نکل جائیگی، اور جب اَمر بالمَعْروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ بیٹھے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہوجائے گی، اور جب آپس میں گالی گلوچ اختیار کرے گی تو اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی نگاہ سے گر جائے گی۔

اے بہی خواہانِ قوم! ترقیٔ اسلام اور ترقیٔ مسلمین کے لئے ہر شخص کوشاں اور ساعی ہے، لیکن جو اسباب اس کے لئے اختیار کئے جارہے ہیں وہ تنزل کی طرف لے جانے

والے ہیں۔ اگر درحقیقت تم اپنے رسول (رُوحی فِداہُ ﷺ) کو سچا رسول سمجھتے ہو، ان کی تعلیم کو سچی تعلیم سمجھتے ہو۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ جس چیز کو وہ سببِ مرض بتا رہے ہیں، جن چیزوں کو وہ بیماری کی جڑ فرما رہے ہیں وہی چیزیں تمہارے نزدیک سببِ شفا و صحت قرار دی جا رہی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش اس دین کے تابع نہ ہو جائے جس کو میں لے کر آیا ہوں۔ لیکن تمہاری رائے ہے کہ مذہب کی آڑ کو بیچ سے ہٹا دیا جائے تاکہ ہم بھی دیگر اقوام کی طرح ترقی کر سکیں۔ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝ (الشوریٰ: ۲۰)

"جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو ہم اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو ہم اس کو کچھ دنیا دے دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔" (بیان القرآن)

حدیث میں آیا ہے کہ جو مسلمان آخرت کو اپنا نصب العین بنا لیتا ہے اللہ جَلَّ شَانُہٗ اس کے دل کو غنی فرما دیتے ہیں اور دنیا ذلیل ہو کر اس کے پاس آتی ہے اور جو شخص دنیا کو اپنا نصبُ العین قرار دیتا ہے پریشانیوں میں مبتلا ہوتا ہے اور دنیا میں جتنا حصہ مقدر ہو چکا ہے اس سے زیادہ ملتا ہی نہیں۔

نبیِ کریم ﷺ نے اس آیتِ پاک کی تلاوت فرما کر ارشاد فرمایا کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا ارشاد ہے کہ: "اے ابنِ آدم! تو میری عبادت کے لئے فارغ ہو جا، میں تیرے سینہ کو تفکرات سے خالی کر دونگا اور تیرے فقر کو ہٹا دوں گا، ورنہ تیرے دل میں (سینکڑوں طرح کے) مشاغل بھر دوں گا اور تیرا فقر بند نہیں کروں گا۔" یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ارشاد ہے اور تمہاری رائے ہے کہ مسلمان ترقی میں اس لئے پیچھے ہٹے ہوئے ہیں کہ جو راستہ ترقی کے لئے اختیار کیا جاتا ہے یہ مُلّا نے اس میں رکاوٹیں پیدا کر دیتے ہیں۔ آپ ہی ذرا انصاف کی نظر سے ملاحظہ فرمائیں کہ اگر یہ مُلّا نے ایسے ہی لالچی ہیں تو آپ حضرات کی ترقیات

ان کیلئے تو مَسرّت کا سبب ہوں گی کیونکہ جب ان کی روزی آپ کے زعم میں آپ کے ذریعہ سے ہے تو جس قدر وسعت اور فتوحات آپ پر ہوں گی وہ اُن کے لئے بھی سببِ وسعت اور فتوحات ہوں گی، مگر یہ خودغرض پھر بھی آپ کی مخالفت کرتے ہیں تو کوئی تو مجبوری ان کو درپیش ہے جس کی وجہ سے یہ اپنے نفع کو بھی کھو رہے ہیں اور آپ جیسے محسن ومُربّیوں سے بگاڑ کر گویا اپنی دنیا خراب کررہے ہیں۔ میرے دوستو! ذرا غور تو کرو، اگر یہ مُلّا نے کوئی ایسی بات کہیں جو قرآن پاک میں بھی صاف طور پر موجود ہو تو پھر تو اُن کی ضد سے منہ پھیرنا نہ صرف عقل ہی سے دور ہے، بلکہ شانِ اسلام سے بھی دور ہے۔ یہ مُلّا نے خواہ کتنے ہی نااہل ہوں، مگر جب کہ صریح ارشادِ باری عَزَّاسْمُہٗ اور ارشادِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ تک پہنچا رہے ہوں تو آپ پر ان ارشادات کی تعمیل فرض ہے اور حکم عدولی کی صورت میں جواب دہی لازمی ہے۔ کوئی بیوقوف سے بیوقوف بھی یہ نہیں کہہ سکتا سرکاری قانون کی اس لئے پرواہ نہیں کہ اعلان کرنے والا بھنگی تھا۔

آپ حضرات یہ نہ فرمائیں کہ یہ مولوی جو دینی کاموں کے لئے مخصوص ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، ہمیشہ دنیا سے سوال کرتے ہیں۔ اس لئے کہ میرا جہاں تک خیال ہے حقیقی مولوی اپنی ذات کے لئے شاید ہی کبھی سوال کریں بلکہ جس قدر بھی وہ اللہ کی عبادت میں منہمک ہیں اسی قدر استغنا سے ہدیہ بھی قبول فرماتے ہیں، البتہ کسی دینی کام کے لئے سوال کرنے میں ان شاء اللہ وہ اس سے زیادہ ماٴجور ہیں جتنا اپنے لئے سوال نہ کرنے میں۔

ایک عام اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ دینِ محمدی علی صاحبہ الصلوۃ والسلام میں رَہبانیت کی تعلیم نہیں۔ اس میں دین ودنیا دونوں کو ساتھ رکھا گیا ہے۔ ارشاد باری عَزَّاسْمُہٗ ہے: "رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ" (البقرۃ:۲۰۱) اور اس آیتِ شریفہ پر بہت زور دیا جاتا ہے، گویا تمام قرآنِ پاک میں عمل کرنے کے لئے یہی ایک آیت نازل ہوئی ہے، لیکن اوّل تو آیتِ شریفہ کی تفسیر رَاسخین فی العلم سے معلوم کرنے کی ضرورت تھی اور اسی وجہ سے علماء کا ارشاد ہے کہ صرف لفظی ترجمہ دیکھ کر اپنے کو عالمِ قرآن سمجھ لینا جہالت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علماءِ تابعین رحمۃ اللہ علیہم سے جو آیتِ شریفہ کی تفسیریں منقول ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دنیا کی بھلائی سے مراد عافیت اور بقدرِ کفایت روزی ہے۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ سے منقول ہے کہ اس سے صالح بیوی مراد ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد علم اور عبادت ہے۔ سُدّی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ پاک مال مراد ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نیک اولاد اور خلقت کی تعریف مراد ہے۔ جعفر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ صحت اور روزی کا کافی ہونا اور اللہ پاک کے کلام کا سمجھنا دشمنوں پر فتح اور صالحین کی صحبت مراد ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر ہر قسم کی دنیا کی ترقی مراد ہو جیسا کہ میرا بھی دل چاہتا ہے تب بھی اس میں اللہ تعالیٰ سے دعا کا ذکر ہے نہ کہ اس کی تحصیل میں انہماک اور مشغولی کا، اور اللہ تعالیٰ سے مانگنا خواہ ٹوٹے ہوئے جوتے کی اصلاح ہی کیوں نہ ہو، یہ خود دین ہے۔ تیسرے یہ کہ دنیا کے حاصل کرنے کو، اس کے کمانے کو کون منع کرتا ہے یقیناً حاصل کیجئے اور بہت شوق سے حاصل کیجئے۔ ہم لوگوں کی ہرگز یہ غرض نہیں ہے کہ خدانخواستہ آپ دنیا جیسی مُغتنَم ومقصود چیز کو چھوڑ دیں۔

مقصد یہ ہے کہ جتنی کوشش دنیا کے لئے کریں اس سے زیادہ نہیں تو کم از کم اس کے برابر تو دین کے لئے کریں۔ اس لئے کہ خود آپ کے قول کے موافق دین اور دنیا دونوں کی تعلیم دی گئی ہے، ورنہ میں پوچھتا ہوں کہ جس قرآنِ پاک میں یہ آیت ارشاد فرمائی ہے، اسی کلامِ پاک کی وہ آیت بھی تو ہے جو اُوپر گذر چکی "مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ" (الشوریٰ:۲۰) اور اسی کلام پاک میں یہ بھی ہے: "مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا" (بنی اسرائیل:۱۸،۱۹) اسی کلام پاک میں ہے "ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ۝" (آل عمران:۱۴) اسی کلام پاک میں ہے "مِنْكُمْ مَنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ" (آل عمران:۱۵۲) اسی کلامِ پاک میں ہے "قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَّالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى" (النساء:۷۷) اسی کلام پاک میں ہے "وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ط وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ" (الانعام:۳۲) اسی کلام پاک میں ہے

"وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا". (الانعام:۷۰) اسی کلام پاک میں ہے "تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ" (الانفال:۶۷) اسی کلام پاک میں ہے "اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ" (التوبہ:۳۸) اسی کلام پاک میں ہے "مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝" (ھود:۱۵،۱۶) اسی کلام پاک میں ہے "وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ" (الرعد:۲۶) اسی کلام پاک میں ہے "فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ" (النحل:۱۰۶،۱۰۷)۔

ان کے علاوہ بہت سی آیات ہیں جن میں دنیا وآخرت کا تقابل کیا گیا ہے۔ اس وقت نہ اِحصاء مقصود نہ ضرورت، نمونہ کے طور پر چند آیات اختصاراً لکھ دی ہیں اور اختصار ہی کی وجہ سے ترجمہ کی بجائے پارہ کا حوالہ لکھ دیا ہے۔ کسی مُترجَم قرآن شریف سے ترجمہ دیکھ لیجئے، مقصود سب کا یہ ہے کہ آخرت کے مقابلہ میں جو لوگ دنیا کو ترجیح دیتے ہیں وہ نہایت خسران میں ہیں۔ اگر دونوں کو آپ نہیں سنبھال سکتے تو پھر صرف آخرت ہی قابلِ ترجیح ہے۔ مجھے انکار نہیں کہ دنیا کی زندگی میں آدمی ضروریاتِ دُنیویہ کا سخت محتاج ہے، مگر اس وجہ سے کہ آدمی کو بیت الخلا جانا لابُدّ ہے اور اس کے بغیر چارہ نہیں، اس لئے دن بھر وہیں بیٹھا رہے اس کو کوئی بھی عقلِ سلیم گوارا نہیں کرے گی۔

حکمتِ الٰہی پر ایک نگاہِ عمیق ڈالیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ شریعتِ مطہرہ میں ایک ایک چیز کا اِنضباط ہے۔ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ وَعَمَّ نَوَالُہٗ نے ایک ایک چیز کو واضح فرما دیا۔ نمازوں کے اوقات کے تقسیم نے صاف طور سے اس جانب اشارہ کر دیا کہ روز وشب کے چوبیس گھنٹوں میں نصف بندہ کا حق ہے چاہے وہ اس کو اپنی راحت میں خرچ کرے یا طلبِ معیشت میں، اور نصف اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اور آپ کی تجویز کے موافق دین و دنیا کے ساتھ ساتھ رکھنے کا مقتضیٰ بھی یہی ہونا چاہئے کہ روز وشب میں سے آدھا وقت دین کے لئے خرچ ہونا چاہئے

اور آدھا دنیا کے لئے۔ ورنہ اگر دنیاوی مشاغل خواہ فکر معاش کے ہوں یا راحتِ بدن کے، نصف سے بڑھ گئے تو یقیناً آپ نے دنیا کو راجح بنالیا۔ پس آپ کی تجویز کے موافق بھی مقتضائے عدل یہی ہے کہ شب و روز کے چوبیس گھنٹوں میں سے ۱۲ گھنٹے دین کے لئے خرچ کئے جاویں تاکہ دونوں کا حق ادا ہو جائے اور اس وقت یقیناً یہ کہنا بجا ہوگا کہ دنیا و آخرت دونوں کی حسنات کی تحصیل کا حکم کیا گیا ہے اور اسلام نے رہبانیت نہیں سکھلائی۔ یہ مضمون اس جگہ مقصود نہ تھا بلکہ اشکال کے جواب میں تبعاً آ گیا، اس لئے مختصر و مجمل طور پر اشارہ کر کے چھوڑ دیا۔ اس فصل میں مقصود احادیثِ تبلیغ کا ذکر کرنا تھا۔ ان میں سے سات احادیث پر اکتفا کرتا ہوں کہ ماننے والے کے لئے سات تو سات ایک بھی کافی ہے اور نہ ماننے والے کے لئے "فَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ" (الشعراء:۲۲۷) کافی سے زائد ہے۔

اخیر میں ایک ضروری گذارش یہ بھی ہے کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فتنہ کے زمانہ میں جب کہ بخل کی اطاعت ہونے لگے اور خواہشاتِ نفسانیہ کا اتباع کیا جائے، دنیا کو دین پر ترجیح دی جائے، ہر شخص اپنی رائے کو پسند کرے دوسرے کی نہ مانے، اس وقت میں نبیِ کریم ﷺ نے دوسروں کی اصلاح چھوڑ کر یکسوئی کا حکم فرمایا ہے، مگر مشائخ کے نزدیک ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ اس لئے جو کچھ کرنا ہے کر لو۔ خدا نہ کرے کہ وہ وقت دیکھتی آنکھوں آن پہنچے کہ اس وقت کسی قسم کی اصلاح ممکن نہ ہوگی۔ نیز ان عیوب سے جن کا ذکر اس حدیث شریف میں وارد ہوا ہے اہتمام سے بچنا ضروری ہے کہ یہ فتنوں کے دروازے ہیں۔ ان کے بعد سراسر فتنے ہی فتنے ہیں۔ نبیِ کریم ﷺ نے ایک حدیث میں ان کو ہلاک کر دینے والی چیزوں میں شمار کیا ہے۔ "اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنَ الْفِتَنِ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ".

فصلِ ثالث

اس میں ایک خاص مضمون پر تنبیہ مقصود ہے۔ وہ یہ کہ جس طرح اس زمانہ میں نفس تبلیغ میں کوتاہی ہو رہی ہے اور عام طور پر لوگ اس سے بہت زیادہ غافل ہو رہے ہیں، اسی طرح بعض لوگوں میں ایک خاص مرض یہ ہے کہ جب وہ کسی دینی منصب، تقریر، تحریر، تعلیم، تبلیغ،

وعظ وغیرہ پر مامور ہوجاتے ہیں تو دوسروں کی فکر میں ایسے مبتلا ہوجاتے ہیں کہ اپنے سے غفلت ہوجاتی ہے، حالانکہ جس قدر دوسروں کی اصلاح کی ضرورت ہے اس سے بہت زیادہ اپنے نفس کی اصلاح کی احتیاج ہے۔ نبیِ اکرم ﷺ نے متعددِ مواقع میں بہت زیادہ اہتمام سے منع فرمایا ہے کہ لوگوں کو نصیحت کرتا پھرے اور خود مبتلائے معاصی رہے۔

آپ ﷺ نے شبِ معراج میں ایک جماعت کو دیکھا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کترے جاتے تھے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ لوگ آپ کی امت کے واعظ ومقرر ہیں کہ دوسروں کو نصیحت کرتے تھے، خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے (مشکوٰۃ شریف)۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ اہلِ جنّت کے چند لوگ بعض اہلِ جہنّم سے جاکر پوچھیں گے کہ تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟ ہم تو جنّت میں تمہاری ہی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کرنے کی بدولت پہنچے ہیں۔ وہ کہیں گے کہ ہم تم کو تو بتلاتے تھے مگر خود عمل نہیں کرتے تھے۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ بدکار قرّاء (علماء) کی طرف عذابِ جہنّم زیادہ سرعت سے چلے گا۔ وہ اس پر تعجب کریں گے کہ بت پرستوں سے بھی پہلے ان کو عذاب دیا جاتا ہے۔ تو جواب ملے گا کہ جاننے کے باوجود کسی جرم کا کرنا انجان ہوکر کرنے کے برابر نہیں ہوسکتا۔

مشائخ نے لکھا ہے کہ اس شخص کا وعظ نافع نہیں ہوتا جو خود عامل نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں ہر روز جلسے، وعظ، تقریریں ہوتی رہتی ہیں مگر ساری بے اثر، مختلف انواع کی تحریرات ورسائل شائع ہوتے رہتے ہیں مگر سب بے سود۔ خود اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا ارشاد ہے:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (البقرۃ:۴۴)

”کیا تم حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور بھولتے ہوئے اپنے آپ کو، حالانکہ پڑھتے ہو کتاب۔ کیا تم سمجھتے نہیں؟“ (ترجمہ عاشق)

نبیِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَا تَزَالُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى

”قیامت میں آدمی کے قدم اس وقت تک

يُسْأَلَ عَنْ اَرْبَعٍ: عَنْ عُمْرِهٖ فِيْمَ اَفْنَاهُ، وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَ اَبْلَاهُ، وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَ اَنْفَقَهٗ، وَعَنْ عِلْمِهٖ مَا ذَا عَمِلَ فِيْهِ. (ترغيب عن البيهقي وغيره)

اپنی جگہ سے نہیں ہٹ سکتے جب تک چار سوال نہ کر لئے جاویں: ۱عمر کس مشغلہ میں ختم کی، ۲جوانی کس کام میں خرچ کی، ۳مال کس طرح کمایا تھا اور کس کس مصرف میں خرچ کیا تھا، ۴اپنے علم پر کیا عمل کیا تھا۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ جو ایک بڑے صحابی ہیں فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ اس امر کا خوف ہے کہ قیامت کے دن تمام مجمعوں کے سامنے مجھے پکار کر یہ سوال نہ کیا جاوے کہ جتنا علم حاصل کیا تھا اس پر کیا عمل کیا۔ خود نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صحابی نے دریافت کیا کہ بدترین خلائق کون شخص ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ برائی کے سوالات نہیں کیا کرتے، بھلائی کی باتیں پوچھو۔ بدترین خلائق بدترین علماء ہیں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ علم دو طرح کا ہوتا ہے: ایک وہ جو صرف زبان پر ہو، وہ اللہ تعالیٰ کا الزام ہے اور گویا اس عالم پر حجت تام ہے۔ دوسرے وہ علم ہے جو دل پر اثر کرے، وہ علم نافع ہے۔ حاصل یہ ہے کہ علمِ ظاہری کے ساتھ علمِ باطن بھی حاصل کرے تاکہ علم کے ساتھ قلب بھی متصف ہو جائے ورنہ اگر دل میں اس کا اثر نہ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی حجت ہوگا اور قیامت کے دن اس پر مواخذہ ہوگا کہ اس علم پر کیا عمل کیا، اور بھی بہت سی روایات میں اس پر سخت سے سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، اس لئے میری درخواست ہے کہ مبلغین حضرات اپنی اصلاحِ ظاہر و باطن کی پہلے فکر کریں۔ مبادا ان وعیدوں میں داخل ہو جائیں۔ اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ اپنی رحمتِ واسعہ کے طفیل اس سیہ کار کو بھی اصلاحِ ظاہر و باطن کی توفیق عطا فرما دیں کہ اپنے سے زیادہ بداعمال کسی کو بھی نہیں پاتا۔ "اِلَّا اَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهِ الْوَاسِعَةِ".

فصلِ رابع

اس میں بھی ایک خاص و نہایت اہم امر کی طرف حضرات مبلغین کی توجہ مبذول کرانا

مقصود ہے جو نہایت ہی اہم ہے، وہ یہ کہ تبلیغ میں بسا اوقات تھوڑی سی بے احتیاطی سے نفع کے ساتھ نقصان بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اس لئے بہت ضروری ہے کہ احتیاط کے ہر پہلو کا لحاظ رکھا جائے۔ بہت سے لوگ تبلیغ کے جوش میں اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ ایک مسلمان کی پردہ دری ہو رہی ہے، حالانکہ عرضِ مسلم ایک عظیم الشان وقیع شے ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعًا: مَنْ سَتَرَ عَلٰی مُسْلِمٍ سَتَرَهُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ، وَاللّٰهُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ اَخِیْهِ. (رواہ مسلم و ابوداود وغیرھما ترغیب)

"جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ جَلَّ شَانُہٗ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بندہ کی مدد فرماتے ہیں جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے"۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعًا: مَنْ سَتَرَ عَوْرَةَ اَخِیْهِ سَتَرَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ، وَمَنْ كَشَفَ عَوْرَةَ اَخِیْهِ الْمُسْلِمِ، كَشَفَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ حَتّٰی یَفْضَحَهٗ بِهَا فِیْ بَیْتِهٖ. (رواہ ابن ماجہ، ترغیب)

"نبیِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ جَلَّ شَانُہٗ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائیگا۔ جو شخص کسی مسلمان کی پردہ دری کرتا ہے اللہ جَلَّ شَانُہٗ اس کی پردہ دری فرماتا ہے حتیٰ کہ گھر بیٹھے اس کو رسوا کر دیتا ہے۔"

الغرض بہت سی روایات میں اس قسم کا مضمون وارد ہوا ہے، اس لئے مبلغین حضرات کو مسلمان کی پردہ پوشی کا اہتمام بھی نہایت ضروری ہے اور اس سے زیادہ بڑھ کر اس کی آبرو کی حفاظت ہے۔ نبیِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ایسے وقت میں مسلمان کی مدد نہ کرے کہ اس کی آبروریزی ہو رہی ہو تو اللہ جَلَّ شَانُہٗ اس کی مدد سے ایسے وقت میں اعراض فرماتے ہیں جب کہ وہ مدد کا محتاج ہو۔ ایک دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ بدترین سود مسلمان کی آبروریزی ہے۔

اسی طرح بہت سی روایات میں مسلمان کی آبروریزی پر سخت سے سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں اس لئے بہت ضروری ہے کہ مبلّغین حضرات اس کا پُر زور اہتمام رکھیں کہ نہی عن المنکر میں اپنی طرف سے پردہ دری نہ ہو۔ جو منکر مخفی طور سے معلوم ہو اس پر مخفی انکار ہو اور جو علانیہ کیا جائے اس پر علانیہ انکار ہونا چاہئے۔ نیز انکار میں بھی اس کی آبرو کی حتی الوسع فکر رہنی چاہئے، مبادا نیکی برباد گناہ لازم کا مِصداق ہو جائے۔ حاصل یہ ہے کہ مُنکر پر انکار ضرور کیا جائے کہ سابقہ وعیدیں بھی بہت سخت ہیں، مگر اس میں اس کی آبرو کا بھی حتی الوسع سخت اہتمام کیا جائے، جس کی صورت یہ ہے کہ جس معصیت کا وقوع علانیہ طور پر ہو رہا ہو اس پر بے تکلّف علانیہ انکار کیا جائے، لیکن جس منکر کا کرنے والے کی طرف سے اِفشا نہ ہو اس پر انکار کرنے میں اپنی طرف سے کوئی ایسی صورت اختیار نہ فرمائی جائے جس سے اس کا افشا ہو۔ نیز یہ بھی آدابِ تبلیغ میں سے ہے کہ نرمی اختیار کی جائے۔ مامون الرشید خلیفہ کو کسی شخص نے سخت کلامی سے نصیحت کی۔ انہوں نے فرمایا کہ نرمی سے کہو، اس لئے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے تم سے بہتر یعنی حضرت موسیٰ حضرت ہارون عَلَیْہِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو میرے سے زیادہ برے یعنی فرعون کی طرف بھیجا تھا تو فرمایا تھا "فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا" یعنی تم اس سے نرم گفتگو کرنا کہ شاید وہ نصیحت قبول کر لے۔

نبیِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمتِ اقدس میں ایک جوان حاضر ہوا اور درخواست کی کہ مجھے زنا کی اجازت دیدیجئے۔ صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُم اجمعین اس کی تاب نہ لا سکے اور ناراض ہونا شروع فرما دیا۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس سائل سے فرمایا: قریب ہو جاؤ، اور پھر فرمایا کہ کیا تو چاہتا ہے کہ کوئی تیری ماں کیساتھ زنا کرے؟ کہا: میں آپ پر قربان ہوں، یہ میں ہرگز نہیں چاہتا۔ فرمایا: اسی طرح اور لوگ بھی نہیں چاہتے کہ ان کی ماؤں کی ساتھ زنا کیا جائے۔ پھر فرمایا: کیا تو پسند کرتا ہے کہ کوئی تیری بیٹی سے زنا کرے؟ عرض کیا کہ میں آپ پر قربان ہوں، نہیں چاہتا۔ فرمایا: اسی طرح اور لوگ بھی نہیں چاہتے کہ ان کی بیٹیوں کے ساتھ زنا کیا جائے۔ غرض اسی طرح بہن خالہ پھوپھی کو پوچھ کر حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دستِ مبارک اس شخص کے سینہ پر رکھ کر دعا فرمائی کہ یا اللہ! اس کے دل کو پاک کر اور گناہ کو معاف فرما اور شرمگاہ کو معصیت سے محفوظ فرما۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے زنا کی برابر کوئی چیز اس شخص کے نزدیک مبغوض نہ

تھی۔ بالجملہ دعا سے، دوا سے، نصیحت سے، نرمی سے، یہ تصور کر کے سمجھائے کہ میں اس جگہ ہوتا تو میں اپنے لئے کیا صورت پسند کرتا کہ لوگ مجھ کو اس صورت سے نصیحت کریں۔

فصلِ خامس

اس میں بھی مبلّغین کی خدمت میں ایک ضروری درخواست ہے وہ یہ کہ اپنی ہر تقریر و تحریر کو خلوص و اخلاص کے ساتھ متّصف فرمائیں کیونکہ اخلاص کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی دینی اور دُنیوی ثمرات کے اعتبار سے بہت بڑھا ہوا ہے اور بغیر اخلاص کے نہ دنیا میں اس کا کوئی اثر نہ آخرت میں کوئی اجر۔

نبیِ کریم ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَاَمْوَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَّنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ. (مشکوٰۃ عن مسلم)

"حق تعالیٰ شانہ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتے بلکہ تمہارے دلوں کو اور اعمال کو دیکھتے ہیں"۔

ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ نبیِ کریم ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اخلاص۔ ترغیب نے مختلف روایات میں یہ مضمون ذکر کیا ہے۔ نیز ایک حدیث میں وارد ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب نبیِ کریم ﷺ نے یمن میں حاکم بنا کر بھیجا تو انہوں نے درخواست کی کہ مجھے کچھ وصیّت فرما دیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دین میں اخلاص کا اہتمام رکھنا کہ اخلاص کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی کافی ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اعمال میں سے صرف اسی عمل کو قبول فرماتے ہیں جو خالص انہیں کے لئے کیا گیا ہو۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے: "قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنَا اَغْنَی الشُّرَکَاءِ عَنِ الشِّرْکِ، مَنْ عَمِلَ عَمَلاً اَشْرَکَ فِیْہِ مَعِیَ غَیْرِیْ تَرَکْتُہٗ وَشِرْکَہٗ. وَ فِیْ رِوَایَۃٍ: فَاَنَا مِنْہُ بَرِیْءٌ فَھُوَ لِلَّذِیْ عَمِلَہٗ" (مشکوۃ عن مسلم) ترجمہ۔ "حق سبحانہ وتقدس کا ارشاد ہے کہ میں سب شرکاء میں شرکت سے بہت زیادہ بے نیاز ہوں (یعنی دنیا کے شرکاء شرکت کے محتاج اور شرکت پر راضی ہوتے ہیں اور میں خَلّاق علَی الاِطلاق ہوں، بے پرواہوں، عبادت

میں غیر کی شرکت سے بیزار ہوں) جو شخص کوئی عمل ایسا کرے جس میں میرے ساتھ کسی دوسرے کو بھی شریک کرلے میں اس کو اس کے شریک کے حوالہ کر دیتا ہوں"۔ دوسری روایت میں ہے کہ میں اس سے بری ہو جاتا ہوں۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ قیامت کے دن میدانِ حشر میں ایک مُنادی بآوازِ بلند کہے گا کہ جس شخص نے کسی عمل میں دوسرے کو شریک کیا ہو وہ اس کا ثواب اور بدلہ اسی سے مانگے۔ اللہ تعالیٰ سب شرکاء میں شرکت سے بہت زیادہ بے نیاز ہے۔ ایک اور حدیث میں وارد ہے:

مَنْ صَلّٰی یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَكَ، وَ مَنْ صَامَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَكَ، وَ مَنْ تَصَدَّقَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَكَ. (مشکوٰۃ عن احمد)

"جو شخص ریا کاری سے نماز پڑھتا ہے وہ مشرک ہو جاتا ہے، اور جو شخص ریا کاری سے روزہ رکھتا ہے وہ مشرک ہو جاتا ہے، جو شخص ریا کاری سے صدقہ دیتا ہے وہ مشرک ہو جاتا ہے"۔

مشرک ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کو جن کے دکھلانے کے لئے یہ اعمال کئے ہیں اللہ تعالیٰ کا شریک بنالیتا ہے۔ اس حالت میں یہ اعمال اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں رہتے ہیں، بلکہ ان لوگوں کے لئے بن جاتے ہیں جن کو دکھلانے کے لئے کئے جاتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں ارشادِ نبوی ہے:

اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ یُقْضٰی عَلَیْهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ رَجُلُ اِسْتُشْهِدَ، فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعْمَتَهٗ فَعَرَفَهَا، فَقَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِیْهَا؟ قَالَ: قَاتَلْتُ فِیْكَ حَتّٰی اُسْتُشْهِدْتُ، قَالَ: كَذَبْتَ، وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِاَنْ یُقَالَ جَرِیْءٌ، فَقَدْ قِیْلَ، ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰی وَجْهِهٖ حَتّٰی اُلْقِیَ فِی النَّارِ وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَ عَلَّمَهٗ وَقَرَأَ

"قیامت کے دن جن لوگوں کا اول وہلہ میں فیصلہ سنایا جاویگا ان میں سے ایک وہ شہید بھی ہوگا جس کو بلا کر اوّلاً اللہ تعالیٰ اپنی اس نعمت کا اظہار فرمائیں گے جو اس پر کی گئی تھی، وہ اس کو پہچانے گا اور اقرار کریگا۔ اس کے بعد سُوال کیا جاویگا کہ اس نعمت سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا کہ تیری رضا کیلئے جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہوگیا۔ ارشاد ہوگا کہ

الْقُرْاٰنَ، فَأُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا، قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا؟ قَالَ: تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهٗ، وَقَرَأْتُ فِيْكَ الْقُرْاٰنَ قَالَ: كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ اِنَّكَ عَالِمٌ، وَقَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ لِيُقَالَ هُوَ قَارِئٌ، فَقَدْ قِيْلَ، ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى اُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَعْطَاهُ مِنْ اَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهٖ، فَاُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا، قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا؟ قَالَ مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيْلٍ تُحِبُّ اَنْ يُّنْفَقَ فِيْهَا اِلَّا اَنْفَقْتُ فِيْهَا لَكَ، قَالَ: كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِيْلَ، ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ثُمَّ اُلْقِيَ فِي النَّارِ. (مشکوۃ عن مسلم)

جھوٹ ہے، یہ اس لئے کیا تھا کہ لوگ بہادر کہیں گے، سو کہا جاچکا اور جس غرض کیلئے جہاد کیا گیا تھا وہ حاصل ہوچکی۔ اس کے بعد اس کو حکم سنا دیا جاویگا اور وہ منہ کے بَل گھسیٹ کر جہنّم میں پھینک دیا جائیگا۔ دوسرے وہ عالم بھی ہوگا جس نے علم پڑھا اور پڑھایا اور قرآنِ پاک حاصل کیا۔ اس کو بُلا کر اس پر جو انعامات دنیا میں کئے گئے تھے اُن کا اظہار کیا جاویگا اور وہ اقرار کریگا۔ اس کے بعد اس سے بھی پوچھا جائیگا کہ ان نعمتوں میں کیا کیا کام کئے؟ وہ عرض کریگا کہ تیری رضا کیلئے علم پڑھا اور لوگوں کو پڑھایا، قرآن پاک تیری رضا کیلئے حاصل کیا۔ جواب ملے گا جھوٹ بولتا ہے، تو نے علم اس لئے پڑھا تھا کہ لوگ عالم کہیں، اور قرآن اس لئے حاصل کیا تھا کہ لوگ قاری کہیں، سو کہا جاچکا (اور جو غرض پڑھنے پڑھانے کی تھی وہ پوری ہوچکی)۔ اس کے بعد اس کو بھی حکم سُنا دیا جاویگا اور وہ بھی منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ تیسرے وہ مال دار بھی ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے وُسعتِ رزق عطا فرمائی اور ہر قسم کا مال مرحمت فرمایا، بُلایا جائے گا اور اس سے بھی نعمتوں کے اظہار اور ان کے اقرار کے بعد پوچھا جائے گا کہ ان انعامات میں کیا کارگذاری کی ہے؟ وہ عرض کرے گا کہ کوئی مصرفِ خیر ایسا نہیں جس میں خرچ کرنا تیری رضا کا سبب ہو اور میں نے اس میں خرچ نہ کیا ہو۔ ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے، یہ سب اس لئے کیا گیا کہ لوگ فیّاض کہیں سو کہا جاچکا اس کو بھی حکم کے

موافق کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائیگا"۔

لہٰذا بہت ہی اہم اور ضروری ہے کہ مبلغین حضرات اپنی ساری کارگذاری میں اللہ کی رضا، اس کے دین کی اشاعت، نبیِ کریم ﷺ کی سنت کا اتباع مقصود رکھیں۔ شہرت، عزت تعریف کو ذرا بھی دل میں جگہ نہ دیں۔ اگر خیال بھی آجائے تو لاحَولَ، واستغفار سے اس کی اصلاح فرمالیں۔ اللہ جَلَّ شَانُہٗ اپنے لطف اور اپنے محبوب کے صدقے اور محبوب کے پاک کلام کی برکت سے مجھ سیاہ کار کو بھی اخلاص کی توفیق عطا فرمائے اور ناظرین کو بھی۔ آمین

فصل سادس

اس میں عامۃُ المسلمین کو ایک خاص امر کی طرف متوجہ کرنا ہے، وہ یہ کہ اس زمانہ میں علماء کی طرف سے بدگمانی، بے توجہی نہیں بلکہ مقابلہ اور تحقیر کی صورتیں بالعموم اختیار کی جارہی ہیں۔ یہ امر دین کے لحاظ سے نہایت ہی سخت خطرناک ہے۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ دنیا کی ہر جماعت میں جس طرح اچھوں میں برے بھی ہوتے ہیں۔ علماء کی جماعت میں بھی اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ جھوٹے سچوں میں شامل ہیں اور علمائے سوء، علمائے رُشد میں مخلوط ہیں۔ مگر پھر بھی دو امر بے حد لحاظ کے قابل ہیں: اول یہ کہ جب تک کسی شخص کا علماءِ سوء میں سے ہونا محقق نہ ہوجائے اس پر ہرگز کوئی حکم نہ لگادینا چاہئے "وَلَا تَقْفُ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا" (بنی اسرائیل:۳۶) ترجمہ: اور جس بات کی تجھ کو تحقیق نہ ہو اس پر عمل درآمد نہ کیا کر۔ کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی پوچھ ہوگی (بیان القرآن) اور محض اس بدگمانی پر کہ کہنے والا شاید علمائے سوء میں ہو، اس کی بات کو بلا تحقیق رد کردینا اور بھی زیادہ ظلم ہے۔

نبیِ کریم ﷺ نے اس میں اس قدر احتیاط فرمائی ہے کہ یہود توراۃ کے مضامین کو عربی میں نقل کرکے سناتے تھے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ نہ ان کی تصدیق کیا کرو نہ تکذیب بلکہ یہ کہہ دیا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل فرمایا ہے سب پر ہمارا ایمان ہے، یعنی یہ کہ کافروں کی نقل کے متعلق بھی بلا تحقیق تصدیق و تکذیب سے روک دیا، لیکن ہم

لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جب کوئی شخص کسی قسم کی بات ہماری رائے کے خلاف کہتا ہے تو اس کی بات کی وقعت گرانے کے لئے کہنے والے کی ذات پر حملے کئے جاتے ہیں، گو اس کا اہلِ حق ہونا بھی محقق ہو۔

دوسرا ضروری امر یہ ہے کہ علمائے حقانی، علمائے رُشد، علمائے خیر بھی بشریت سے خالی نہیں ہوتے۔ معصوم ہونا انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی شان ہے، اس لئے اُن کی لغزشوں، ان کی کوتاہیوں، ان کے قصوروں کی ذمہ داری انہیں پر عائد ہے اور اللہ تعالیٰ سے اُن کا معاملہ ہے، سزا دیں یا معاف فرمادیں، بلکہ اَغلب یہ ہے کہ اُن کی لغزشیں ان شاء اللہ معاف ہی ہوجاویں گی۔ اس لئے کہ کریم آقا اپنے اس غلام سے جو ذاتی کاروبار چھوڑ کر آقا کے کام میں مشغول ہوجائے اور ہمہ تن اسی میں لگا رہے اکثر تسامح اور درگذر کیا کرتا ہے۔ پھر اللہ جَلَّ وَعَلَا کے برابر تو کوئی کریم ہو ہی نہیں سکتا، لیکن وہ بمُقتضائے عدل گرفت بھی فرمائیں تو وہ ان کا اپنا معاملہ ہے۔ ان امور کی وجہ سے علماء سے لوگوں کو بدگمان کرنا، نفرت دلانا، دور رکھنے کی کوشش کرنا، لوگوں کیلئے بددینی کا سبب ہوگا، اور ایسا کرنے والوں کے لئے وبال عظیم ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللّٰهِ تَعَالٰى إِكْرَامَ ذِى الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ وَ حَامِلِ الْقُرْاٰنِ غَيْرِ الْغَالِىْ فِيْهِ وَلَا الْجَافِىْ عَنْهُ، وَإِكْرَامَ ذِى السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ. (ترغیب عن ابی داود)

”تینوں اصحابِ ذیل کا اعزاز اللہ کا اعزاز ہے، ایک بوڑھا مسلمان، دوسرا وہ محافظِ قرآن جو افراط تفریط سے خالی ہو، تیسرا منصف حاکم۔“

دوسری حدیث میں ارشاد ہے:

لَيْسَ مِنْ اُمَّتِىْ مَنْ لَمْ يُبَجِّلْ كَبِيْرَنَا، وَيَرْحَمْ صَغِيْرَنَا، وَيَعْرِفْ عَالِمَنَا. (ترغیب عن احمد والحاکم وغیرھما)

”وہ شخص جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، ہمارے بچوں پر رحم نہ کرے، ہمارے علماء کی قدر نہ کرے، وہ ہماری امت میں سے نہیں ہے۔“

ایک اور حدیث میں وارد ہے:

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ثَلٰثٌ لَا یَسْتَخِفُّ بِهِمْ اِلَّا مُنَافِقٌ، ذُو الشَّیْبَةِ فِی الْاِسْلَامِ، وَذُو الْعِلْمِ، وَاِمَامٌ مُقْسِطٌ. (ترغیب عن الطبرانی)

''نبیِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تین شخص ایسے ہیں کہ ان کو خفیف سمجھنے والا منافق ہی ہوسکتا ہے (نہ کہ مسلمان' وہ تینوں شخص یہ ہیں) ایک بوڑھا مسلمان، دوسرا عالم، تیسرا منصف حاکم''۔

بعض روایات میں نبیِ کریم ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ مجھے اپنی امت پر سب چیزوں سے زیادہ تین چیزوں کا خوف ہے: ایک یہ کہ ان پر دُنیاوی فتوحات زیادہ ہونے لگیں، جس کی وجہ سے ایک دوسرے سے حسد پیدا ہونے لگے۔ دوسرے یہ کہ قرآن شریف آپس میں اس قدر عام ہوجائے کہ ہر شخص اس کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرے، حالانکہ اس کے معانی اور مطالب بہت سے ایسے بھی ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا' اور جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں وہ بھی یوں کہتے ہیں کہ ہم اس پر یقین رکھتے ہیں' سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے (بیانُ القرآن)۔ یعنی علم میں پختہ کار لوگ بھی تصدیق کے سوا آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کرتے تو پھر عوام کو چوں و چرا کا کیا حق ہے۔ تیسرے یہ کہ علماء کی حق تلفی کی جائے اور ان کے ساتھ لاپروائی کا معاملہ کیا جائے۔ ترغیب میں اس حدیث کو بروایت طبرانی ذکر کیا ہے اور اس قسم کی روایات بکثرت حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔

جس قسم کے الفاظ اس زمانہ میں عُلماء اور علومِ دینیہ کے متعلق اکثر اِستعمال کئے جاتے ہیں، ''فتاویٰ عالمگیری'' میں ان میں سے اکثر الفاظ کو الفاظِ کفریہ میں شمار کیا ہے، مگر لوگ اپنی ناواقفیت سے اس حکم سے غافل ہیں اس لئے نہایت ضروری ہے کہ اس قسم کے الفاظ بالعموم استعمال کرنے میں بہت زیادہ احتیاط کی جائے۔ بالفرض اگر مان بھی لیا جاوے کہ علمائے حقانی کا اس وقت وجود ہی نہیں رہا اور یہ سب جماعتیں جن پر علماء کا اطلاق کیا جاتا ہے علمائے سوء ہی ہیں تب بھی آپ حضرات کی صرف علماء کو علمائے سوء کہنے سے سبکدوشی نہیں ہوسکتی بلکہ ایسی حالت میں تمام دنیا پر یہ فرض عائد ہوجاتا ہے کہ علمائے حقانی کی ایک جماعت پیدا کی جائے،

ان کو علم سکھایا جائے اس لئے کہ علماء کا وجود فرضِ کفایہ ہے۔ اگر ایک جماعت اس کے لئے موجود ہے تو یہ فرض سب سے ساقط ہے، ورنہ تمام دنیا گناہ گار ہے۔

ایک عام اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ ان علماء کے اختلاف نے عوام کو تباہ و برباد کر دیا ہے، ممکن ہے کہ کسی درجہ میں صحیح ہو، مگر حقیقت یہ ہے کہ علماء کا یہ اختلاف آج کا نہیں، سو پچاس برس کا نہیں، خیر القرون بلکہ خود نبی اکرم ﷺ کے زمانہ سے ہے۔

حضورِ اقدس ﷺ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنے نعلین شریف بطورِ علامت کے دے کر اس اعلان کے لئے بھیجتے ہیں کہ جو شخص کلمہ گو ہو وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا۔ راستہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملتے ہیں اور معاملہ پوچھتے ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو حضور ﷺ کا قاصد بتاتے ہیں، لیکن پھر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس زور سے ان کے سینہ پر دونوں ہاتھ مارتے ہیں کہ وہ بیچارے سُرینوں کے بل زمین پر گر پڑتے ہیں، مگر نہ کوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف پوسٹر شائع ہوتا ہے، نہ کوئی جلسہ ہو کر احتجاجی ریزولیوشن پاس ہوتا ہے۔

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہزاروں مسئلے مختلف فیہا ہیں اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے یہاں تو شاید فقہ کی کوئی جُزئی ہو جو مُختلف فیہ نہ ہو۔ چار رکعت نماز میں نیت باندھنے سے سلام پھیرنے تک تقریباً دو سو مسئلے ائمہ اربعہ کے یہاں ایسے مختلف فیہ ہیں جو مجھ کوتاہ نظر کی نگاہ سے بھی گذر چکے ہیں اور اس سے زائد نہ معلوم کتنے ہونگے، مگر کبھی رفع یدین اور آمین بالجہر وغیرہ دو تین مسئلوں کے سوا کانوں میں نہ پڑے ہوں گے، نہ ان کے لئے اشتہارات و پوسٹر شائع ہوئے ہوں گے، نہ جلسے اور مُناظرے ہوتے دیکھے ہوں گے۔ راز یہ ہے کہ عوام کے کان ان مسائل سے آشنا نہیں ہیں۔ علماء میں اختلاف رحمت ہے اور بدیہی امر ہے۔ جب کوئی عالم کسی شرعی دلیل سے کوئی فتوی دے گا دوسرے کے نزدیک اگر وہ حجت صحیح نہیں تو وہ شرعاً اختلاف کرنے پر مجبور ہے۔ اگر اختلاف نہ کرے تو مُداہن اور عاصی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ لوگ کام نہ کرنے کے لئے اس لچر اور پوچ عذر کو حیلہ بناتے ہیں، ورنہ ہمیشہ اَطِبّاء میں اختلاف ہوتا ہے، وکلاء کی رائے میں اختلاف ہوتا ہے، مگر کوئی شخص

علاج کرانا نہیں چھوڑتا، مقدمہ لڑانے سے نہیں رکتا۔ پھر کیا مصیبت ہے کہ دینی امور میں اختلافِ علماء کو حیلہ بنایا جاتا ہے، یقیناً سچے عمل کرنیوالے کے لئے ضروری ہے کہ جس عالم کو وہ اچھا سمجھتا ہے، متبعِ سنت سمجھتا ہے اس کے قول پر عمل کرے اور دوسروں پر لغو حملوں اور طعن و تشنیع سے باز رہے، جس شخص کے ذہن کی رسائی دلائل کے سمجھنے اور اُن میں ترجیح دینے تک نہیں ہے اس کا حق نہیں کہ ان میں دخل دے۔

نبیِ کریم ﷺ سے نقل کیا گیا ہے کہ علم کو ایسے لوگوں سے نقل کرنا جو اسکے اہل نہ ہوں اس کو ضائع کرنا ہے، مگر جہاں بد دینی کی یہ حد ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے صریح ارشادات پر لب کشائی ہر شخص کا حق سمجھا جاتا ہو، وہاں بیچارے علماء کا کیا شمار ہے۔ جس قدر الزامات رکھے جائیں کم ہیں۔ "وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَاللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ○" (البقرۃ:۲۲۹)

فصلِ سابع

گویا چھٹی فصل کا تکملہ اور تتمہ ہے۔ اس میں ناظرین کی خدماتِ عالیہ میں ایک اہم درخواست ہے، وہ یہ کہ اکثر اللہ والوں کے ساتھ اِرتباط، ان کی خدمت میں کثرت سے حاضری، دینی اُمور میں تقویت اور خیر و برکت کا سبب ہوتی ہے۔ نبیِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى مِلَاكِ هٰذَا الْاَمْرِ الَّذِىْ تُصِيْبُ بِهٖ خَيْرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ؟ عَلَيْكَ بِمَجَالِسِ اَهْلِ الذِّكْرِ.

(الحدیث مشکوٰۃ ص ۴۱۹)

"کیا تجھے دین کی نہایت تقویت دینے والی چیز نہ بتاؤں جس سے تو دین و دُنیا دونوں کی فلاح کو پہنچے؟ وہ اللہ تعالیٰ کے یاد کرنے والوں کی مجلس ہے اور جب تو تنہا ہوا کرے تو اپنے کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے رطبُ اللِّسان رکھا کر۔"

اس کی تحقیق بہت ضروری ہے کہ اہلُ اللہ کون لوگ ہیں؟ اہلُ اللہ کی پہچان اتباعِ سنت ہے کہ حق سبحانہ وتقدس نے اپنے محبوب نبی کریم ﷺ کو امت کی ہدایت کے لئے نمونہ بنا کر بھیجا ہے اور اپنے کلامِ پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ "آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدائے تعالیٰ سے

يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (آلِ عمران:۳۱)

محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کردیں گے اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں'' (بیان القرآن)

لہٰذا جو شخص نبیِ اکرم ﷺ کا کامل متبع ہو وہ حقیقتاً اللہ والا ہے اور جو شخص اتباعِ سنت سے جس قدر دُور ہو وہ قربِ الٰہی سے بھی اسی قدر دور ہے۔ مفسّرین نے لکھا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کرے اور سنتِ رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے وہ جھوٹا ہے، اس لئے کہ قاعدۂ محبت اور قانونِ عشق ہے کہ جس سے کسی کو محبت ہوتی ہے اس کے گھر سے، در و دیوار سے، صحن سے، باغ سے، حتیٰ کہ اس کے کتّے سے، اس کے گدھے سے محبت ہوتی ہے۔

اَمُرُّ عَلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيْلٰى ۔۔۔ اُقَبِّلُ ذَا الْجِدَارَ وَذَا الْجِدَارَا
وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِيْ ۔۔۔ وَلٰكِنْ حُبُّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارَا

ترجمہ: کہتا ہے کہ میں لیلیٰ کے شہر پر گذرتا ہوں تو اُس دیوار کو اور اُس دیوار کو پیار کرتا ہوں، کچھ شہروں کی محبت نے میرے دل کو فریفتہ نہیں کیا ہے، بلکہ اُن لوگوں کی محبت کی کارفرمائی ہے جو شہروں کے رہنے والے ہیں۔

دوسرا شاعر کہتا ہے:

تَعْصِي الْإِلٰهَ وَأَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهٗ ۔۔۔ وَهٰذَا لَعَمْرِيْ فِي الْفِعَالِ بَدِيْعٌ
لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَأَطَعْتَهٗ ۔۔۔ إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ مُطِيْعٌ

ترجمہ: تُو اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کی نافرمانی کرتا ہے اگر تو اپنے دعویٰ میں سچّا ہوتا تو کبھی نافرمانی نہ کرتا، اس لئے کہ عاشق ہمیشہ معشوق کا تابع دار ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری تمام اُمت جنّت میں داخل ہوگی، مگر جس نے انکار کردیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ''جس نے انکار کردیا'' سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میری اطاعت کرے گا وہ جنّت میں داخل ہوگا اور جو نافرمانی کرے گا وہ انکار کرنے والا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ

اس کی خواہش اس دین کے تابع نہ ہوجائے جس کو میں لے کر آیا ہوں۔ (مشکوٰۃ)

حیرت کی بات ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی بہبودی کے دعویدار اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے بے بہرہ ہوں۔ کسی بات کو اُن مُدّعیوں کے سامنے یہ کہہ دینا کہ سنت کے خلاف ہے، حضور ﷺ کے طریقہ کے خلاف ہے، گویا برچھی مار دینا ہے۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقہ کیخلاف جو شخص بھی کوئی راستہ اختیار کرے گا کبھی بھی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ بالجملہ اس تحقیق کے بعد کہ یہ شخص اللہ والوں میں سے ہے، اس کے ساتھ ربط کا بڑھانا، اس کی خدمت میں کثرت سے حاضر ہونا، اس کے علوم سے مُنتفع ہونا، دین کی ترقی کا سبب ہے اور نبی کریم ﷺ کا امر بھی ہے۔

ایک حدیث میں ارشادِ عالی ﷺ ہے کہ جب تم جنّت کے باغوں میں سے گذرا کرو تو کچھ حاصل بھی کرلیا کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! جنّت کے باغ کیا چیز ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''علمی مجالس''۔

دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی تھی کہ علماء کی خدمت میں بیٹھنے کو ضروری سمجھو اور حکمائے اُمت کے ارشادات کو غور سے سنا کرو، کہ حق تعالیٰ شانہ حکمت کے نور سے مردہ دلوں کو ایسے زندہ فرماتے ہیں کہ جیسے مردہ زمین کو موسلا دھار بارش سے۔ اور حکماء دین کے جاننے والے ہی ہیں نہ کہ دوسرے اشخاص۔

ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ نبی کریم ﷺ سے کسی نے دریافت کیا کہ بہترین ہمنشین ہم لوگوں کے واسطے کون شخص ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس کے دیکھنے سے اللہ کی یاد پیدا ہو، جس کی بات سے علم میں ترقی ہو، جس کے عمل سے آخرت یاد آجائے۔ ترغیب میں ان روایات کو ذکر کیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے بہترین بندے وہ لوگ ہیں جن کو دیکھ کر خدا یاد

آ جائے۔خود حق سبحانہ وتقدس کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ○ (التوبہ:۱۱۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔(بیان القرآن)

مفسرین نے لکھا ہے کہ سچوں سے مراد اس جگہ مشائخِ صوفیہ ہیں۔جب کوئی شخص انکی چوکھٹ کے خدام میں داخل ہوجاتا ہے تو ان کی تربیت اور قوتِ ولایت کی بدولت بڑے بڑے مراتب تک ترقی کر جاتا ہے۔

شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اگر تیرے کام دوسرے کی مرضی کے تابع نہیں ہوتے تو تُو کبھی بھی اپنے نفس کی خواہشات سے انتقال نہیں کرسکتا، گو عمر بھر مجاہدے کرتا رہے۔ لہٰذا جب بھی تجھے کوئی ایسا شخص ملے جس کا اِحترام تیرے دل میں ہو اس کی خدمت گذاری کر اور اس کے سامنے مردہ بن کر رہ کہ وہ تجھ میں جس طرح چاہے تصرف کرے اور تیری اپنی کوئی بھی خواہش نہ رہے۔اس کے حکم کی تعمیل میں جلدی کر، اور جس چیز سے روکے اس سے احتراز کر، اگر پیشہ کرنے کا حکم کرے پیشہ کر، مگر اس کے حکم سے نہ کہ اپنی رائے سے، بیٹھ جانے کا حکم کرے تو بیٹھ جا۔لہٰذا ضروری ہے کہ شیخِ کامل کی تلاش میں سعی کرتا کہ تیری ذات کو اللہ سے ملادے۔

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کوئی قوم کسی مجلس میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتی ہو تو ملائکہ اس کو گھیر لیتے ہیں، رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے، اور حق سبحانہ وتقدّس اپنی پاک مجلس میں ان لوگوں کا ذکر فرماتے ہیں۔ایک دل ربودہ کے واسطے اس سے بڑھ کر کیا نعمت ہوسکتی ہے کہ محبوب کی مجلس میں اس کا ذکر ہو۔

ایک دوسری حدیث میں اِرشاد ہے کہ اللہ کی یاد کرنے والی جماعت کے لوگوں کو جو اخلاص سے اللہ کو یاد کر رہے ہوں، ایک پکارنے والا آواز دیتا ہے کہ اللہ نے تمہاری مغفرت کردی، اور تمہاری برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا۔دوسری جگہ ارشاد ہے کہ جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کی یاد نہیں، اس کے رسول پر درود نہیں، اس مجلس والوں کو قیامت کے دن حسرت ہوگی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی دعا ہے کہ یا اللہ اگر تو مجھے ذاکرین کی مجلس سے گذر کر غافلین کی مجلس میں جاتا ہوا دیکھے تو میرے پاؤں توڑ دے۔

جب اس کی صَوت وصورت سے ہے محرومی، تو بہتر ہے
مرے کانوں کا کر ہونا ، اور آنکھیں کور ہوجانی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جن مجالس میں اللہ تعالیٰ کی یاد ہوتی ہے وہ آسمان والوں کے نزدیک ایسی چمکتی ہیں جیسے کے زمین والوں کے نزدیک ستارے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ بازار میں تشریف لے گئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم لوگ یہاں بیٹھے ہو اور مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم ہو رہی ہے۔ لوگ دوڑے ہوئے آئے وہاں کچھ بھی تقسیم نہ ہو رہا تھا۔ واپس جا کر عرض کیا کہ وہاں تو کچھ بھی نہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آخر کیا ہو رہا تھا؟ لوگوں نے کہا کہ چند لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول تھے اور کچھ تلاوت میں۔ انہوں نے کہا کہ یہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس نوع کی روایات بکثرت ذکر فرمائی ہیں۔ اس سب سے بڑھ کر یہ کہ خود نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حکم ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ	اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کیساتھ مُقیّد
رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ	رکھا کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی
وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ	عبادت، محض اس کی رضا جوئی کے لئے
زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ	کرتے ہیں اور دنیوی زندگانی کی رونق
اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ	کے خیال سے آپ کی آنکھیں اُن سے
وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ○ (الکھف:۲۸)	ہٹنے نہ پاویں، اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں

جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہش پر چلتا

ہے اور اس کا حال حد سے بڑھ گیا ہے۔

متعدد روایات میں وارد ہے کہ نبی کریم ﷺ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا اس پر شکر ادا فرمایا کرتے تھے کہ میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے جن کی مجلس میں اپنے آپ کو روکے رکھنے کا مامور ہوں، اور اسی آیتِ شریفہ میں دوسری جماعت کا بھی حکم ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جن کے قلوب اللہ کی یاد سے غافل ہیں، اپنی خواہشات کا اتباع کرتے ہیں، حدود سے بڑھ جاتے ہیں، ان کے اِتّباع سے روک دیا گیا ہے۔

اب وہ حضرات جو ہر قول و فعل میں دین و دنیا کے کاموں میں کُفّار و فُسّاق کو مُقتدا بناتے ہیں، مشرکین و نصاریٰ کے ہر قول و فعل پر سو جان سے نثار ہیں، خود ہی غور فرمالیں کہ کس راستے جا رہے ہیں۔

تَرسم نہ رسی بکعبہ اے اَعرابی! — کیں رہ کہ تو میروی بترکستان است
مرادِ ما نصیحت بود و کردیم — حوالت باخدا کردیم و رفتیم

وَمَا عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلَاغُ

ممتثلِ امر
محمد زکریا کاندھلوی
مقیم مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور ۵ صفر ۱۳۵۰ھ
مطابق ۲۱ جون ۱۹۳۱ء شب دوشنبہ

Specialist in
DIGITIZING ISLAMIC BOOKS
Contact: noorbari786@gmail.com
Visit: noorhiraislamicbooks.com
١١ ذالقعدہ ١٤٤٦

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ط

فضائلِ رمضان

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ

DIGITIZED ISLAMIC BOOKS
noorhiraislamicbooks.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ط

حَامِدًا وَّمُصَلِّيًا وَّمُسَلِّمًا ط

حمد وصلوٰۃ کے بعد یہ چند احادیث کا ترجمہ ہے جو رمضان المبارک کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی رحمۃ للعالمین ذات نے مسلمانوں کے لئے ہر باب میں جس قدر فضائل اور ترغیبات ارشاد فرمائی ہیں اُن کا اصل شکریہ اور قدردانی تو یہ تھی کہ ہم ان پر مر مٹتے، مگر ہماری کوتاہیاں اور دینی بے رغبتیاں اس قدر روز افزوں ہیں کہ ان پر عمل تو درکنار ان کی طرف التفات اور توجہ بھی نہیں رہی، حتی کہ اب لوگوں کو ان کا علم بھی بہت کم ہوگیا ہے۔

ان اوراق کا مقصد یہ ہے کہ اگر مساجد کے ائمہ، تراویح کے حفاظ، اور وہ پڑھے لکھے حضرات جن کو دین کی کسی درجہ میں بھی رغبت ہے اوائلِ رمضان میں اس رسالہ کو مساجد اور مجامع میں سنا دیا کریں تو اللہ کی رحمت سے کیا بعید ہے کہ اپنے محبوب کے کلام کی برکت سے ہم لوگوں کو مبارک مہینے کی کچھ قدر اور اُسکی برکات کی طرف کچھ توجہ ہو جایا کرے اور نیک اعمال کی زیادتی اور بداعمالیوں کی کمی کا ذریعہ بن جایا کرے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر حق تعالیٰ شانہ تیری وجہ سے ایک شخص کو بھی ہدایت فرمادیں تو تیرے لئے سُرخ اونٹوں سے (جو عمدہ مال شمار ہوتا ہے) بہتر اور افضل ہے۔

رمضان المبارک کا مہینہ مسلمانوں کے لئے حق تعالیٰ شانہ کا بہت ہی بڑا انعام ہے، مگر جب ہی کہ اس انعام کی قدر بھی کی جائے۔ ورنہ ہم سے محروموں کے لئے ایک مہینہ تک رمضان رمضان چلّائے جانے کے سوا کچھ بھی نہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ رمضان کیا چیز ہے تو میری اُمت یہ تمنّا کرے کہ سارا سال رمضان ہی ہو جائے۔ ہر شخص سمجھتا ہے کہ سال بھر کے روزے رکھنے کا رے وارد، مگر رمضان المبارک کے ثواب کے مقابلہ میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ لوگ اس کی تمنّا کرنے لگیں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ رمضان المبارک کے روزے اور ہر مہینے میں تین

روزے رکھنا دل کے کھوٹ اور وساوس کو دُور کرتا ہے۔ آخر کوئی بات تو ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رمضان کے مہینے میں جہاد کے سفر میں باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بار بار افطار کی اجازت فرما دینے کے روزہ کا اہتمام فرماتے، حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکماً منع فرمانا پڑا۔

مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک غزوہ کے سفر میں ایک منزل پر اُترے، گرمی نہایت سخت تھی اور غربت کی وجہ سے اس قدر کپڑا بھی سب کے پاس نہ تھا کہ دھوپ کی گرمی سے بچاؤ کر لیں، بہت سے لوگ اپنے ہاتھ سے آفتاب کی شعاع سے بچتے تھے، اس حالت میں بھی بہت سے روزے دار تھے جن سے کھڑے ہو سکنے کا تحمّل نہ ہوا اور گر گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت گویا ہمیشہ تمام سال روزے دار ہی رہتی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سینکڑوں روایات میں مختلف انواع کے فضائل نقل کئے گئے جن کا احاطہ تو مجھ جیسے ناکارہ کے امکان سے خارج ہے ہی، لیکن میرا یہ بھی خیال ہے کہ اگر ان کو کچھ تفصیل سے لکھوں تو دیکھنے والے اُکتا جائیں گے کہ اس زمانہ میں دینی اُمور میں جس قدر بے التفاتی کی جارہی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ علم و عمل دونوں میں جس قدر بے پرواہی دین کے بارے میں بڑھتی جارہی ہے وہ ہر شخص اپنی ہی حالت میں غور کرنے سے معلوم کر سکتا ہے۔ اس لئے اکیس ۲۱ احادیث پر اکتفا کرتا ہوں اور ان کو تین فصلوں پر منقسم کرتا ہوں۔

فصل اول: رمضان المبارک کے فضائل میں، جس میں دس احادیث مذکور ہیں۔

دوسری فصل: شب قدر کے بیان میں، جس میں سات حدیثیں ہیں۔

تیسری فصل: میں اعتکاف کا ذکر ہے، جس میں تین حدیثیں ہیں۔ اس کے بعد خاتمہ میں ایک طویل حدیث پر اس رسالہ کو ختم کر دیا۔ حق تعالیٰ شانہ اپنی کریم ذات اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اس کو قبول فرماویں اور مجھ سیہ کار کو بھی اس کی برکات سے انتفاع کی توفیق عطا فرماویں۔

فَاِنَّهٗ بَرٌّ جَوَادٌ كَرِيْمٌ

فصلِ اوّل

فضائل رمضان میں

(۱) عَنْ سَلْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ اٰخِرِ یَوْمٍ مِّنْ شَعْبَانَ، فَقَالَ: یٰاَیُّهَا النَّاسُ! قَدْ اَظَلَّکُمْ شَهْرٌ عَظِیْمٌ مُّبَارَکٌ، شَهْرٌ فِیْهِ لَیْلَةٌ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ. شَهْرٌ جَعَلَ اللّٰهُ صِیَامَهٗ فَرِیْضَةً، وَّقِیَامَ لَیْلِهٖ تَطَوُّعًا، مَنْ تَقَرَّبَ فِیْهِ بِخَصْلَةٍ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَةً فِیْ مَاسِوَاهُ، وَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَةً فِیْهِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی سَبْعِیْنَ فَرِیْضَةً فِیْمَا سِوَاهُ، وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ، وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ، وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ، وَشَهْرٌ یُّزَادُ فِیْ رِزْقِ الْمُؤْمِنِ فِیْهِ. مَنْ فَطَّرَ فِیْهِ صَائِمًا، کَانَ مَغْفِرَةً لِّذُنُوْبِهٖ وَعِتْقَ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ، وَکَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ یُّنْقَصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَیْءٌ، قَالُوْا: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! لَیْسَ کُلُّنَا یَجِدُ مَایُفَطِّرُ الصَّائِمَ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: یُعْطِی اللّٰهُ هٰذَ الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰی تَمْرَةٍ اَوْشَرْبَةِ مَاءٍ اَوْمَذْقَةِ لَبَنٍ، وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ، وَّ اَوْسَطُهٗ

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے شعبان کی آخر تاریخ میں ہم لوگوں کو وعظ فرمایا کہ تمھارے اوپر ایک مہینہ آ رہا ہے جو بہت بڑا مہینہ ہے، بہت مبارک مہینہ ہے، اس میں ایک رات ہے (شب قدر) جو ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے روزہ کو فرض فرمایا اور اس کے رات کے قیام (یعنی تراویح) کو ثواب کی چیز بنایا ہے، جو شخص اس مہینہ میں کسی نیکی کے ساتھ اللہ کا قرب حاصل کرے، ایسا ہے جیسا کہ غیر رمضان میں فرض ادا کیا اور جو شخص اس مہینہ میں کسی فرض کو ادا کرے وہ ایسا ہے جیسا کہ غیر رمضان میں ستر فرض ادا کرے۔ یہ مہینہ صبر کا ہے اور صبر کا بدلہ جنّت ہے اور یہ مہینہ لوگوں کے ساتھ غم خواری کرنے کا ہے، اس مہینہ میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ جو شخص کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے اس کے لئے گناہوں کے معاف ہونے اور آگ سے خلاصی کا سبب ہو گا، اور روزہ دار

مَغْفِرَةٌ، وَّ اٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ. مَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوْكِهٖ فِيْهِ، غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَاَعْتَقَهٗ مِنَ النَّارِ، وَاسْتَكْثِرُوْا فِيْهِ مِنْ اَرْبَعِ خِصَالٍ: خَصْلَتَيْنِ تُرْضُوْنَ بِهِمَا رَبَّكُمْ، وَخَصْلَتَيْنِ لَا غِنَاءَ بِكُمْ عَنْهُمَا. فَاَمَّا الْخَصْلَتَانِ اللَّتَانِ تُرْضُوْنَ بِهِمَا رَبَّكُمْ، فَشَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَتَسْتَغْفِرُوْنَهٗ. وَاَمَّا الْخَصْلَتَانِ اللَّتَانِ لَا غِنَاءَ بِكُمْ عَنْهُمَا، فَتَسْئَلُوْنَ اللّٰهَ الْجَنَّةَ وَتَعُوْذُوْنَ بِهٖ مِنَ النَّارِ. وَمَنْ سَقٰى صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِيْ شَرْبَةً لَّا يَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ. (رواه ابن خزيمة في صحيحه، وقال: ان صح الخبر ورواه البيهقي ورواه ابو الشيخ ابن حبان في الثواب باختصار عنهما، وفي اسانيدهم علي بن زيد بن جدعان ورواه ابن خزيمة ايضًا والبيهقي باختصار عنه من حديث ابي هريرة وفي اسناده كثير بن زيد، كذا في الترغيب، قلت: علي بن زيد ضعفه جماعة، وقال الترمذي: صدوق وصحح له حديثا في الاسلام وحسن له غير ماحديث، وكذا كثير ضعفه النسائي وغيره، قال ابن معين: ثقة، وقال ابن عدي: لم أر بحديثه باسا، واخرج بحديثه ابن خزيمة في صحيحه كذا في رجال المنذري ص:٤٠٧، لكن

کے ثواب کی مانند اس کو ثواب ہوگا، مگر اس روزہ دار کے ثواب سے کچھ کم نہیں کیا جائے گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص تو اتنی وسعت نہیں رکھتا کہ روزہ دار کو افطار کرائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (پیٹ بھر کھلانے پر موقوف نہیں) یہ ثواب تو اللہ جل شانہٗ ایک کھجور سے کوئی افطار کرا دے یا ایک گھونٹ پانی پلا دے یا ایک گھونٹ لسّی پلا دے اس پر بھی مرحمت فرما دیتے ہیں۔ یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس کا اوّل حصّہ اللہ کی رحمت اور درمیانی حصّہ مغفرت ہے اور آخری حصّہ آگ سے آزادی ہے، جو شخص اس مہینہ میں ہلکا کر دے اپنے غلام (و خادم) کے بوجھ کو حق تعالیٰ شانہ اس کی مغفرت فرماتے ہیں اور آگ سے آزادی فرماتے ہیں اور چار چیزوں کی اس میں کثرت رکھا کرو، جن میں سے دو چیزیں اللہ کی رضا کے واسطے اور دو چیزیں ایسی ہیں کہ جن سے تمھیں چارۂ کار نہیں۔ پہلی دو چیزیں جن سے تم اپنے رب کو راضی کرو وہ کلمۂ طیّبہ اور استغفار کی کثرت ہے اور دوسری دو چیزیں یہ ہیں کہ جنّت کی طلب کرو اور آگ سے پناہ مانگو،

قال العینی: الخبر منکر فتامل۔

جو شخص کسی روزہ دار کو پانی پلائے حق تعالیٰ شانہ (قیامت کے دن) میرے حوض سے اس کو ایسا پانی پلائیں گے جس کے بعد جنت میں داخل ہونے تک پیاس نہیں لگے گی۔

ف: محدثین کو اس کے بعض رُواۃ میں کلام ہے، لیکن اوّل تو فضائل میں اس قدر کلام قابلِ تحمّل ہے، دوسرے اس کے اکثر مضامین کی دوسری روایات مؤیّد ہیں۔ اس حدیث سے چند امور معلوم ہوتے ہیں: اول نبی کریم ﷺ کا اہتمام کہ شعبان کی اخیر تاریخ میں خاص طور سے اس کا وعظ فرمایا اور لوگوں کو تنبیہ فرمائی تا کہ رمضانُ المبارک کا ایک سیکنڈ بھی غفلت سے نہ گذر جائے، پھر اس وعظ میں تمام مہینہ کی فضیلت بیان فرمانے کے بعد چند اہم اُمور کی طرف خاص طور سے متوجہ فرمایا۔ سب سے اول شبِ قدر کہ وہ حقیقت میں بہت ہی اہم رات ہے، ان اوراق میں اس کا بیان دوسری فصل میں مستقل آئے گا۔ اس کے بعد ارشاد ہے کہ اللہ نے اس کے روزہ کو فرض کیا اور اس کے قیام یعنی تراویح کو سنت کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تراویح کا ارشاد بھی خود حق سبحانہ وتقدس کی طرف سے ہے، پھر جن روایات میں نبیِ کریم ﷺ نے اس کو اپنی طرف منسوب فرمایا کہ میں نے سنت کیا اُن سے مراد تاکید ہے کہ حضور ﷺ اس کی تاکید بہت فرماتے تھے، اسی وجہ سے سب ائمہ اس کے سنت ہونے پر متفق ہیں، برہان میں لکھا ہے کہ مسلمانوں میں سے رَوافض کے سوا کوئی شخص اس کا مُنکر نہیں۔

حضرت مولانا شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مَاثَبَتَ بِالسُّنَّۃ'' میں بعض کُتُبِ فقہ سے نقل کیا ہے کہ کسی شہر کے لوگ اگر تراویح چھوڑ دیں تو اس کے چھوڑنے پر امام ان سے مُقاتلہ کرے۔ اس جگہ خصوصیّت سے ایک بات کا لحاظ رکھنے کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ بہت سے لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ جلدی سے کسی مسجد میں آٹھ دس دن میں کلامِ مجید سن لیں پھر چھٹی، یہ خیال رکھنے کی بات ہے کہ یہ دو سنتیں الگ الگ ہیں۔ تمام کلام اللہ شریف کا تراویح میں پڑھنا یا سننا یہ مستقل سنت ہے اور پورے رمضان شریف کی تراویح مستقل سنت ہے۔ پس اس صورت میں ایک سنت پر عمل ہوا اور دوسری رہ گئی۔ البتہ جن لوگوں کو

رمضان المبارک میں سفر وغیرہ یا کسی اور وجہ سے ایک جگہ تراویح پڑھنی مشکل ہو ان کے لئے مناسب ہے کہ اوّل قرآن شریف چند روز میں سُن لیں تاکہ قرآن شریف ناقص نہ رہے، پھر جہاں وقت ملا اور موقعہ ہوا وہاں تراویح پڑھ لی کہ قرآن شریف بھی اس صورت میں ناقص نہیں ہوگا اور اپنے کام کا بھی حرج نہ ہوگا۔ حضور ﷺ نے روزہ اور تراویح کا ذکر فرمانے کے بعد عام فرض اور نفل عبادات کے اہتمام کی طرف متوجہ فرمایا کہ اس میں ایک نفل کا ثواب دوسرے مہینوں کے فرائض کے برابر ہے اور اُس کے ایک فرض کا ثواب دوسرے مہینوں کے ستر فرائض کے برابر ہے، اس جگہ ہم لوگوں کو اپنی اپنی عبادات کی طرف بھی ذرا غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس مبارک مہینہ میں فرائض کا ہم سے کس قدر اہتمام ہوتا ہے اور نوافل میں کتنا اضافہ ہوتا ہے۔ فرائض میں تو ہمارے اہتمام کی یہ حالت ہے کہ سَحر کھانے کے بعد جو سوتے ہیں تو اکثر صبح کی نماز قضا ہوگئی اور کم از کم جماعت تو اکثروں کی فوت ہو ہی جاتی ہے، گویا سحر کھانے کا شکریہ ادا کیا کہ اللہ کے سب سے زیادہ مہتم بالشان فرض کو یا بالکل قضا کر دیا یا کم از کم ناقص کر دیا کہ بغیر جماعت کے نماز پڑھنے کو اہلِ اُصول نے اداءِ ناقص فرمایا ہے اور حضورِ اکرم ﷺ کا تو ایک جگہ ارشاد ہے کہ مسجد کے قریب رہنے والوں کی تو (گویا) نماز بغیر مسجد کے ہوتی ہی نہیں۔

''مَظاہرِ حق'' میں لکھا ہے کہ جو شخص بغیر عذر کے بدون جماعت نماز پڑھتا ہے اس کے ذمہ فرض تو ساقط ہو جاتا ہے مگر اس کو نماز کا ثواب نہیں ملتا۔ اسی طرح دوسری نماز مغرب کی بھی جماعت اکثروں کی افطار کی نذر ہو جاتی ہے اور رکعتِ اُولیٰ یا تکبیرِ اُولیٰ کا تو ذکر ہی کیا ہے اور بہت سے لوگ تو عشاء کی نماز بھی تراویح کے احسان کے بدلے میں وقت سے پہلے ہی پڑھ لیتے ہیں۔ یہ تو رمضانُ المبارک میں ہماری نماز کا حال ہے جو اہم ترین فرائض میں ہے کہ ایک فرض کے بدلے میں تین کو ضائع کیا۔ یہ تین تو اکثر ہیں، ورنہ ظہر کی نماز قیلولہ کی نذر اور عصر کی جماعت افطاری کا سامان خریدنے کی نذر ہوتے ہوئے آنکھوں سے دیکھا گیا ہے۔ اسی طرح اور فرائض پر آپ خود غور فرمالیں کہ کتنا اہتمام رمضانُ المبارک میں ان کا کیا جاتا ہے اور جب فرائض کا یہ حال ہے تو نوافل کا کیا پوچھنا۔ اشراق اور چاشت تو

رمضانُ المبارک میں سونے کی نذر ہو ہی جاتے ہیں اور اوّابین کا کیسے اہتمام ہوسکتا ہے جب کہ ابھی روزہ کھولا ہے اور آئندہ تراویح کا سہم ہے اور تہجد کا وقت تو ہے ہی عین سحر کھانے کا وقت، پھر نوافل کی گنجائش کہاں، لیکن یہ سب باتیں بے توجہی اور نہ کرنے کی ہیں کہ ع

''تو ہی اگر نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں''

کتنے اللہ کے بندے ہیں کہ جن کے لئے انہیں اوقات میں سب چیزوں کی گنجائش نکل آتی ہے۔ میں نے اپنے آقا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نوَّرَ اللہ مَرقَدَہٗ کو متعدد رمضانوں میں دیکھا ہے کہ باوجود ضعف اور پیرانہ سالی کے مغرب کے بعد نوافل میں سوا پارہ پڑھنا یا سنانا اور اس کے بعد آدھ گھنٹہ کھانا وغیرہ ضروریات کے بعد ہندوستان کے قیام میں تقریباً دو سوا دو گھنٹے تراویح میں خرچ ہوتے تھے اور مدینہ پاک کے قیام میں تقریباً تین گھنٹے میں عشاء اور تراویح سے فراغت ہوتی، اس کے بعد آپ حسبِ اختلافِ موسم دو تین گھنٹے آرام فرمانے کے بعد تہجد میں تلاوت فرماتے اور صبح سے نصف گھنٹہ قبل سحر تناول فرماتے، اس کے بعد سے صبح کی نماز تک کبھی حفظ، تلاوت فرماتے اور کبھی اوراد و وظائف میں مشغول رہتے۔ اِسفار یعنی چاندنی میں صبح کی نماز پڑھ کر اشراق تک مراقب رہتے اور اشراق کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ آرام فرماتے، اس کے بعد سے تقریباً بارہ بجے تک اور گرمیوں میں ایک بجے تک ''بَذْلُ الْمَجْهُوْد''[1] تحریر فرماتے اور ڈاک وغیرہ ملاحظہ فرما کر جواب لکھاتے۔ اس کے بعد ظہر کی نماز تک آرام فرماتے اور ظہر سے عصر تک تلاوت فرماتے، عصر سے مغرب تک تسبیح میں مشغول رہتے اور حاضرین سے بات چیت بھی فرماتے ''بَذْلُ الْمَجْهُوْد'' ختم ہوجانے کے بعد صبح کا کچھ حصہ تلاوت اور کُتب بینی میں ''بَذْلُ الْمَجْهُوْد'' اور ''وَفَاءُ الْوَفَا'' زیادہ تر اس وقت زیرِ نظر رہتی تھی۔ یہ اس پر تھا کہ رمضانُ المبارک میں معمولات میں کوئی خاص تغیر نہ تھا کہ نوافل کا یہ معمول دائمی تھا اور نوافلِ مذکورہ کا تمام سال بھی اہتمام رہتا تھا، البتہ رکعات کے طول میں رمضانُ المبارک میں اضافہ ہوجاتا تھا، ورنہ جن اکابر کے یہاں رمضانُ المبارک کے خاص

[1] بذل المجہود عربی زبان میں ابوداؤد کی مکمل شرح ہے جو پانچ جلدوں میں ہے۔

معمولات مستقل تھے اُن کا اتباع تو ہر شخص سے نبھنا بھی مشکل ہے۔

حضرت اقدس مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ تراویح کے بعد سے صبح کی نماز تک نوافل میں مشغول رہتے تھے اور یکے بعد دیگرے متفرق حفاظ سے کلامِ مجید ہی سنتے رہتے تھے، اور حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری قُدِّسَ سِرُّہٗ کے یہاں تو رمضانُ المبارک کا مہینہ دن و رات تلاوت ہی کا ہوتا تھا کہ اس میں ڈاک بھی بند اور ملاقات بھی ذرا گوارا نہ تھی، بعض مخصوص خدام کو صرف اتنی اجازت ہوتی تھی کہ تراویح کے بعد جتنی دیر حضرت سادی چائے کے ایک دو فنجان نوش فرمائیں اتنی دیر حاضرِ خدمت ہو جایا کریں۔ بزرگوں کے یہ معمولات اس وجہ سے نہیں لکھے جاتے کہ سرسری نگاہ سے ان کو پڑھ لیا جائے یا کوئی تفریحی فقرہ ان پر کہہ دیا جائے، بلکہ اس لئے ہیں کہ اپنی ہمت کے موافق ان کا اتباع کیا جائے اور حتی الوُسع پورا کرنے کا اہتمام کیا جاوے کہ ہر لائن اپنے مخصوص امتیازات میں دوسرے پر فائق ہے۔ جو لوگ دنیوی مشاغل سے مجبور نہیں ہیں کیا ہی اچھا ہو کہ گیارہ مہینے ضائع کر دینے کے بعد ایک مہینہ مرمٹنے کی کوشش کر لیں۔ ملازم پیشہ حضرات جو دس بجے سے چار بجے تک دفتر میں رہنے کے پابند ہیں اگر صبح سے دس بجے تک کم از کم رمضانُ المبارک کا مبارک مہینہ تلاوت میں خرچ کر دیں تو کیا دقت ہے، آخر دُنیوی ضروریات کے لئے دفتر کے علاوہ اوقات میں سے وقت نکالا ہی جاتا ہے اور کھیتی کرنے والے تو نہ کسی کے نوکر، نہ اوقات کے تغیّر میں ان کو ایسی پابندی کہ اس کو بدل نہ سکیں یا کھیتی پر بیٹھے بیٹھے تلاوت نہ کر سکیں اور تاجروں کے لئے تو اس میں کوئی دِقت ہی نہیں کہ اس مبارک مہینہ میں دوکان کا وقت تھوڑا سا کم کر دیں یا کم از کم دُکان ہی پر تجارت کے ساتھ تلاوت بھی کرتے رہا کریں کہ اس مبارک مہینہ کو کلامِ الٰہی کے ساتھ بہت ہی خاص مناسبت ہے۔

اسی وجہ سے عموماً اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی تمام کتابیں اسی ماہ میں نازل ہوئی ہیں، چنانچہ قرآن پاک لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر تمام کا تمام اسی ماہ میں نازل ہوا اور وہاں سے حسبِ موقع تھوڑا تھوڑا تیئس ۲۳ سال کے عرصہ میں نازل ہوا۔ اس کے علاوہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحیفے اسی ماہ کی یکم یا تین تاریخ کو عطا ہوئے، اور حضرت داؤد علیہ السلام کو

زبور ۱۸ یا ۱۲ رمضان کو ملی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت ۶ رمضان المبارک کو عطا ہوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل ۱۲ یا ۱۳ رمضان المبارک کو ملی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ماہ کو کلامِ الٰہی کے ساتھ خاص مناسبت ہے، اسی وجہ سے تلاوت کی کثرت اس مہینہ میں منقول ہے اور مشائخ کا معمول۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر سال رمضان میں تمام قرآن شریف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سناتے تھے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے تھے۔ علماء نے ان دونوں حدیثوں کے ملانے سے قرآن پاک کے دَور کرنے کا جو عام طور سے رائج ہے استحباب نکالا ہے۔ بالجملہ تلاوت کا خاص اہتمام جتنا بھی ممکن ہو سکے کرے اور جو وقت تلاوت سے بچے اس کو بھی ضائع کرنا مناسب نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حدیث کے آخر میں چار چیزوں کی طرف خاص طور سے متوجہ فرمایا اور اس مہینہ میں اُن کی کثرت کا حکم فرمایا: کلمہ طیبہ[1] اور استغفار[2] اور جنت[3] کے حصول اور دوزخ[4] سے بچنے کی دُعا۔ اس لئے جتنا وقت بھی مل سکے ان چیزوں میں صَرف کرنا سعادت سمجھے اور یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ مبارک کی قدر ہے۔ کیا دقت ہے کہ اپنے دنیوی کاروبار میں مشغول رہتے ہوئے زبان سے درود شریف یا کلمہ طیبہ کا بھی وِرد رہے اور کل کو یہ کہنے کا منہ باقی رہے۔

میں گو رہا رہینِ ستم ہائے روزگار　　لیکن تمھاری یاد سے غافل نہیں رہا

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہینہ کی کچھ خصوصیتیں اور آداب ارشاد فرمائے:

اولاً یہ کہ یہ صبر کا مہینہ ہے یعنی اگر روزہ وغیرہ میں کچھ تکلیف ہو تو اسے ذوق شوق سے برداشت کرنا چاہئے، یہ نہیں کہ مار دھاڑ، ہول پکار، جیسا کہ اکثر لوگوں کی گرمی کے رمضان میں عادت ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر اتفاق سے سحر نہ کھائی گئی تو صبح ہی سے روزہ کا سوگ شروع ہو گیا۔ اسی طرح رات کی تراویح میں اگر دِقت ہو تو اس کو بڑی بشاشت سے برداشت کرنا چاہئے۔ اس کو مصیبت اور آفت نہ سمجھیں کہ یہ بڑی سخت محرومی کی بات ہے۔ ہم لوگ دنیوی معمولی اغراض کی بدولت کھانا پینا، راحت و آرام سب چھوڑ دیتے ہیں تو کیا رضائے الٰہی کے مقابلہ میں ان چیزوں کی کوئی وقعت ہو سکتی ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ یہ غم خواری کا مہینہ ہے، یعنی غرباء مساکین کے ساتھ مدارات کا برتاؤ

کرنا، اگر دس۱۰ چیزیں اپنی افطاری کے لئے تیار کی ہیں تو دو چار غرباء کے لئے بھی کم از کم ہونی چاہئیں، ورنہ اصل تو یہ تھا کہ ان کے لئے اپنے سے افضل نہ ہوتا تو مساوات ہی ہوتی۔ غرض جس قدر بھی ہمت ہو سکے اپنے افطار و سحر کے کھانے میں غرباء کا حصّہ بھی ضرور لگانا چاہئے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اُمت کے لئے عملی نمونہ اور دین کے ہر جزو کو اس قدر واضح طور پر عمل فرما کر دکھلا گئے کہ اب ہر نیک کام کے لئے ان کی شاہراہِ عمل کھلی ہوئی ہے۔ ایثار و غم خواری کے باب میں ان حضرات کا اتباع بھی دل گردہ والے کا کام ہے، سینکڑوں، ہزاروں واقعات ہیں جن کو دیکھ کر بجز حیرت کے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

ایک واقعہ مثالاً لکھتا ہوں، ابو جہم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یرموک کی لڑائی میں، میں اپنے چچازاد بھائی کو تلاش کرنے چلا اور اس خیال سے پانی کا مشکیزہ بھی لے لیا کہ اگر اس میں کچھ رمق باقی ہوئی تو پانی پلا دوں گا اور ہاتھ منہ دھودوں گا۔ وہ اتفاق سے پڑے ہوئے ملے، میں نے اُن سے پانی کو پوچھا، انہوں نے اشارہ سے مانگا کہ اتنے میں برابر سے دوسرے زخمی نے آہ کی، چچازاد بھائی نے پانی پینے سے پہلے اس کے پاس جانے کا اشارہ کیا۔ اس کے پاس گیا اور پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ بھی پیاسے ہیں اور پانی مانگتے ہیں کہ اتنے میں ان کے پاس والے نے اشارہ کر دیا، انہوں نے بھی خود پانی پینے سے قبل اس کے پاس جانے کا اشارہ کیا، اتنے میں وہاں تک پہونچا تو اُن کی روح پرواز کر چکی تھی، واپس دوسرے صاحب کے پاس پہونچا تو وہ بھی ختم ہو چکے تھے، تو لوٹ کر چچازاد بھائی کے پاس آیا تو دیکھا کہ اُن کا بھی وصال ہو گیا۔ یہ ہیں تمہارے اسلاف کے ایثار کہ خود پیاسے جان دے دی اور اجنبی بھائی سے پہلے پانی پینا گوارا نہ کیا۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَاَرْضَاھُمْ وَرَزَقَنَا اتِّبَاعَھُمْ . امین

رُوحُ البیان میں سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی جامع الصغیر اور سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کی مقاصد سے بروایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ میری امت میں ہر وقت پانسو برگزیدہ بندے اور چالیس ابدال رہتے ہیں۔ جب کوئی شخص ان میں سے مرجاتا ہے فوراً دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ان لوگوں کے خصوصی اعمال کیا

ہیں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ظلم کرنے والوں سے درگزر کرتے ہیں اور بُرائی کا معاملہ کرنے والوں سے بھی احسان کا برتاؤ کرتے ہیں اور اللہ کے عطا فرمائے ہوئے رزق میں لوگوں کے ساتھ ہمدردی اور غمخواری کا برتاؤ کرتے ہیں۔ ایک دوسری حدیث سے نقل کیا ہے کہ جو شخص بھوکے کو روٹی کھلائے یا ننگے کو کپڑا پہنائے یا مسافر کو شب باشی کی جگہ دے، حق تعالیٰ شانہ قیامت کے ہولوں سے اس کو پناہ دیتے ہیں۔

یحییٰ بَرمَکی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ پر ہر ماہ ایک ہزار درہم خرچ کرتے تھے تو حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ سجدے میں اُن کے لئے دُعا کرتے تھے کہ یا اللہ! یحییٰ نے میری دنیا کی کفایت کی، تو اپنے لُطف سے اس کی آخرت کی کفایت فرما۔ جب یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو لوگوں نے خواب میں اُن سے پوچھا کہ کیا گذری؟ انہوں نے کہا کہ سفیان رحمۃ اللہ علیہ کی دُعا کی بدولت مغفرت ہوئی۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے روزہ افطار کرانے کی فضیلت ارشاد فرمائی۔ ایک اور روایت میں آیا کہ جو شخص حلال کمائی سے رمضان میں روزہ افطار کرائے اس پر رمضان کی راتوں میں فرشتے رحمت بھیجتے ہیں اور شب قدر میں جبرئیل علیہ السلام اس سے مصافحہ کرتے ہیں اور جس سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مُصافحہ کرتے ہیں (اس کی علامت یہ ہے کہ) اس کے دل میں رِقّت پیدا ہوتی ہے اور آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں۔ حماد بن سَلمہ رحمۃ اللہ علیہ ایک مشہور محدّث ہیں، روزانہ پچاس۵۰ آدمیوں کے روزہ افطار کرانے کا اہتمام کرتے تھے (رُوح البیان)

اِفطار کی فضیلت ارشاد فرمانے کے بعد فرمایا ہے کہ اس مہینہ کا اول حصّہ رحمت ہے، یعنی حق تعالیٰ شانہ کا انعام متوجہ ہوتا ہے اور یہ رحمتِ عامّہ سب مسلمانوں کے لئے ہوتی ہے، اس کے بعد جو لوگ اس کا شکر ادا کرتے ہیں اُن کے لئے اس رحمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ "لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ" اور اس کے درمیانی حصّہ سے مغفرت شروع ہو جاتی ہے، اس لئے کہ روزوں کا کچھ حصّہ گزر چکا ہے، اس کا معاوضہ اور اکرام مغفرت کے ساتھ شروع ہو جاتا ہے اور آخری حصّہ تو بالکل آگ سے خَلاصی ہے ہی۔

اور بھی بہت سی روایات میں ختمِ رمضان پر آگ سے خلاصی کی بشارتیں وارد ہوئی

ہیں۔ رمضان کے تین حصے کئے گئے جیسا کہ مضمون بالا سے معلوم ہوا، بندۂ ناچیز کے خیال میں تین حصے رحمت، مغفرت اور آگ سے خلاصی کے درمیان میں فرق یہ ہے کہ آدمی تین طرح کے ہیں: ایک وہ لوگ جن کے اوپر گناہوں کا بوجھ نہیں، اُن کے لئے شروع ہی سے رحمت اور انعام کی بارش شروع ہوجاتی ہے۔ دوسرے وہ لوگ جو معمولی گناہ گار ہیں اُن کے لئے کچھ حصہ روزہ رکھنے کے بعد اُن روزوں کی برکت اور بدلہ میں مغفرت اور گناہوں کی معافی ہوتی ہے۔ تیسرے وہ جو زیادہ گناہ گار ہیں اُن کے لئے زیادہ حصہ روزہ رکھنے کے بعد آگ سے خلاصی ہوتی ہے اور جن لوگوں کے لئے ابتدا ہی سے رحمت تھی اور اُن کے گناہ بخشے بخشائے تھے اُن کا تو پوچھنا ہی کیا کہ ان کے لئے رحمتوں کے کس قدر انبار ہوں گے۔ (واللّٰہ اعلم وعلمُہ اتمّ)

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور چیز کی طرف رغبت دلائی ہے کہ آقا لوگ اپنے ملازموں پر اس مہینہ میں تخفیف رکھیں۔ اس لئے کہ آخر وہ بھی روزہ دار ہیں، کام کی زیادتی سے ان کو روزہ میں دِقت ہوگی، البتہ اگر کام زیادہ ہو تو اس میں مضائقہ نہیں کہ رمضان کے لئے ہنگامی ملازم ایک آدھ بڑھا لے، مگر جب ہی کہ ملازم روزہ دار بھی ہو، ورنہ اس کے لئے رمضان بے رمضان برابر اور اس ظلم و بے غیرتی کا تو ذکر ہی کیا کہ خود روزہ خور ہو کر بے حیا منہ سے روزہ دار ملازموں سے کام لے اور نماز روزہ کی وجہ سے اگر تعمیل میں کچھ تساہُل ہو تو برسنے لگے "وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ" ۝ (ترجمہ) اور عنقریب ظالم لوگوں کو معلوم ہوجائے گا کہ وہ کیسی (مصیبت) کی جگہ لوٹ کر جائیں گے (مراد جہنّم ہے)۔

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضانُ المبارک میں چار چیزوں کی کثرت کا حکم فرمایا: اول کلمۂ شہادت، احادیث میں اس کو افضلُ الذکر ارشاد فرمایا ہے۔ مشکوٰۃ میں بروایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ اللہ جلّ جلالہٗ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ یا اللہ! تو مجھے کوئی ایسی دُعا بتلا دے کہ اس کے ساتھ میں تجھے یاد کیا کروں اور دُعا کیا کروں۔ وہاں سے "لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـه" ارشاد ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

نے عرض کیا کہ یہ کلمہ تو تیرے سارے ہی بندے کہتے ہیں میں تو کوئی دُعا یا ذکر مخصوص چاہتا ہوں۔ وہاں سے ارشاد ہوا کہ موسیٰ! اگر ساتوں آسمان اور ان کے آباد کرنے والے میرے سوا یعنی ملائکہ اور ساتوں زمین ایک پلڑہ میں رکھ دیئے جاویں اور دوسرے میں کلمۂ طیّبہ رکھ دیا جاوے تو وہی جھک جائے گا۔

ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص اخلاص سے اس کلمہ کو کہے آسمان کے دروازے اُس کے لئے فوراً کھُل جاتے ہیں اور عرش تک پہنچنے میں کسی قسم کی روک نہیں ہوتی، بشرطیکہ کہنے والا کبائر سے بچے۔ عادتُ اللہ اسی طرح جاری ہے کہ ضرورتِ عامّہ کی چیز کو کثرت سے مرحمت فرماتے ہیں۔ دُنیا میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز جس قدر ضرورت کی ہوتی ہے اتنی ہی عام ہوتی ہے۔ مثلاً پانی ہے کہ عام ضرورت کی چیز ہے، حق تعالیٰ شانہ کی بے پایاں رحمت نے اس کو کس قدر عام کر رکھا ہے اور کیمیا جیسی لغو اور بیکار چیز کو عُنقا کر دیا۔ اسی طرح کلمۂ طیّبہ افضلُ الذکر ہے۔ متعدد احادیث سے اس کی تمام اذکار پر افضلیت معلوم ہوتی ہے۔ اس کو سب سے عام کر رکھا ہے کہ کوئی محروم نہ رہے۔ پھر بھی اگر کوئی محروم رہے تو اس کی بدبختی ہے۔ بالجملہ بہت سی احادیث اس کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں جن کو اختصاراً ترک کیا جاتا ہے۔ دوسری چیز جس کی کثرت کرنے کو حدیثِ بالا میں ارشاد فرمایا گیا وہ استغفار ہے۔ احادیث میں استغفار کی بھی بہت ہی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص استغفار کی کثرت رکھتا ہے حق تعالیٰ شانہ ہر تنگی میں اس کے لئے راستہ نکال دیتے ہیں اور ہر غم سے خلاصی نصیب فرماتے ہیں اور ایسی طرح روزی پہنچاتے ہیں کہ اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آدمی گنہگار تو ہوتا ہی ہے۔ بہترین گنہگار وہ ہے جو توبہ کرتا رہے۔ ایک حدیث قریب آنے والی ہے کہ جب آدمی گناہ کرتا ہے تو ایک کالا نقطہ اس کے دل پر لگ جاتا ہے، اگر توبہ کرتا ہے تو وہ دھل جاتا ہے ورنہ باقی رہتا ہے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے دو چیزوں کے مانگنے کا امر فرمایا ہے جن کے بغیر چارہ ہی نہیں: جنّت کا حصول، اور دوزخ سے امن۔ اللہ اپنے فضل سے مجھے بھی مرحمت فرمائے اور تمہیں بھی۔

(۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اُعْطِیَتْ اُمَّتِیْ خَمْسَ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم ﷺ سے نقل کیا کہ میری اُمت کو رمضان شریف کے

خِصَالٍ فِیْ رَمَضَانَ لَمْ تُعْطَهُنَّ اُمَّةٌ قَبْلَهُمْ: خُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ، وَتَسْتَغْفِرُ لَهُمُ الْحِيْتَانُ حَتّٰى يُفْطِرُوْا، وَيُزَيِّنُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ كُلَّ يَوْمٍ جَنَّتَهٗ، ثُمَّ يَقُوْلُ: يُوْشِكُ عِبَادِيَ الصَّالِحُوْنَ اَنْ يُّلْقُوْا عَنْهُمُ الْمُؤْنَةَ وَيَصِيْرُوْا اِلَيْكَ، وَتُصَفَّدُ فِيْهِ مَرَدَةُ الشَّيَاطِيْنَ، فَلَا يَخْلُصُوْا فِيْهِ اِلٰى مَا كَانُوْا يَخْلُصُوْنَ اِلَيْهِ فِيْ غَيْرِهٖ، وَيُغْفَرُ لَهُمْ فِيْ اٰخِرِ لَيْلَةٍ، قِيْلَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اَهِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ؟ قَالَ: لَا، وَلٰكِنَّ الْعَامِلَ اِنَّمَا يُوَفّٰى اَجْرُهٗ اِذَا قَضٰى عَمَلَهٗ. (رواه احمد والبزار والبيهقي، ورواه ابو الشيخ ابن حبان في كتاب الثواب، الا ان عنده وتستغفرلهم الملائكة بدل الحيتان، كذا في الترغيب)

بارے میں پانچ چیزیں مخصوص طور پر دی گئی ہیں جو پہلی امتوں کو نہیں ملی ہیں: (۱) یہ کہ اُن کے منہ کی بدبو اللہ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ (۲) یہ کہ ان کے لئے دریا کی مچھلیاں تک دُعا کرتی رہتی ہیں اور افطار کے وقت تک کرتی رہتی ہے۔ (۳) جنّت ہر روز ان کے لئے آراستہ کی جاتی ہے۔ پھر حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں کہ قریب ہے کہ میرے نیک بندے (دنیا کی) مشقتیں اپنے اوپر سے پھینک کر تیری طرف آویں۔ (۴) اس میں سرکش شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں کہ وہ رمضان میں اُن بُرائیوں کی طرف نہیں پہنچ سکتے جن کی طرف غیرِ رمضان میں پہنچ سکتے ہیں۔ (۵) رمضان کی آخری رات میں روزہ داروں کے لئے مغفرت کی جاتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یہ شبِ مغفرت شبِ قدر ہے؟ فرمایا: نہیں، بلکہ دستور یہ ہے کہ مزدور کو کام ختم ہونے کے وقت مزدوری دے دی جاتی ہے۔

ف: نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث پاک میں پانچ خصوصیتیں ارشاد فرمائی ہیں جو اس اُمت کے لئے حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے مخصوص انعام ہوئیں اور پہلی امت کے روزہ داروں کو مرحمت نہیں ہوئیں۔ کاش! ہمیں اس نعمت کی قدر ہوتی اور ان خصوصی عطایا کے حصول کی کوشش کرتے۔

اوّل یہ کہ روزہ دار کے منہ کی بدبو جو بھوک کی حالت میں ہو جاتی ہے حق تعالیٰ شانہ کے

نزدیک مشک سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔ شُرّاحِ حدیث کے اس لفظ کے مطلب میں آٹھ قول ہیں جن کو مُوطأ[1] کی شرح میں بندہ مفصّل نقل کر چکا ہے۔ مگر بندہ کے نزدیک ان میں سے تین قول راجح ہیں: اول یہ کہ حق تعالیٰ شانہ آخرت میں اس بدبو کا بدلہ اور ثواب خوشبو سے عطا فرمائیں گے جو مشک سے زیادہ عمدہ اور دماغ پرور ہوگی۔ یہ مطلب تو ظاہر ہے اور اس میں کچھ بُعد بھی نہیں۔ نیز دُرِّ مَنثُور کی ایک روایت میں اس کی تصریح بھی ہے، اس لئے یہ بمنزلہ متعیّن کے ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قیامت میں جب قبروں سے اُٹھیں گے تو یہ علامت ہوگی کہ روزہ دار کے منہ سے ایک خوشبو جو مشک سے بھی بہتر ہوگی وہ آئے گی۔ تیسرا مطلب جو بندہ کی ناقص رائے میں ان دونوں سے اچھا ہے وہ یہ کہ دنیا ہی میں اللہ کے نزدیک اس بو کی قدر مُشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے اور یہ امر بابُ المحبّت سے ہے جس کو کسی سے محبّت و تعلّق ہوتا ہے اس کی بدبو بھی فریفتہ کے لئے ہزار خوشبوؤں سے بہتر ہوا کرتی ہے۔ ؎

اے حافظ مسکین چہ کنی مشکِ ختن را ازگیسوئے احمد بستان عطر عدن را

مقصود روزہ دار کا کمالِ تقرُّب ہے کہ بمنزلہ محبوب کے بن جاتا ہے۔ روزہ حق تعالیٰ شانہ کی محبوب ترین عبادتوں میں سے ہے۔ اسی وجہ سے ارشاد ہے کہ ہر نیک عمل کا بدلہ ملائکہ دیتے ہیں، مگر روزہ کا بدلہ میں خود عطا کرتا ہوں، اس لئے کہ وہ خالص میرے لئے ہے۔ بعض مشائخ سے منقول ہے کہ یہ لفظ "اُجزیٰ بِہٖ" ہے۔ یعنی یہ کہ اس کے بدلے میں میں خود اپنے کو دیتا ہوں اور محبوب کے ملنے سے زیادہ اُونچا بدلہ اور کیا ہوسکتا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ساری عبادتوں کا دروازہ روزہ ہے، یعنی روزہ کی وجہ سے قلب منوّر ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے ہر عبادت کی رغبت پیدا ہوتی ہے، مگر جب ہی کہ روزہ بھی روزہ ہو۔ صرف بھوکا رہنا مراد نہیں، بلکہ آداب کی رعایت رکھ کر جن کا بیان حدیث نمبر ۹ کے ذیل میں مفصّل آئے گا۔

اس جگہ ایک ضروری مسئلہ قابلِ تنبیہ یہ ہے کہ اس منہ کی بدبو والی حدیثوں کی بناء پر

---

[1] مُوطأ امام مالک کی عربی زبان میں بہترین شرح موصوف نے کی ہے جو "اوجز المسالک" کے نام سے مشہور ہے، چھ جلدوں میں ہے۔

فضائلِ اعمال صفحہ اول

بعض ائمہ روزہ دار کو شام کے وقت مسواک کرنے کو منع فرماتے ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک مسواک ہر وقت مستحب ہے۔ اس لئے کہ مسواک سے دانتوں کی بو زائل ہوتی ہے اور حدیث میں جس بو کا ذکر ہے وہ معدہ کے خالی ہونے کی ہے نہ کہ دانتوں کی۔ حنفیہ کے دلائل اپنے موقع پر کتبِ فقہ وحدیث میں موجود ہیں۔

دوسری خصوصیت مچھلیوں کے استغفار کرنے کی ہے۔ اس سے مقصود کثرت سے دُعا کرنے والوں کا بیان ہے۔ متعدد روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے، بعض روایات میں ہے کہ ملائکہ اس کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ میرے چچا جانؒ[1] کا ارشاد ہے کہ مچھلیوں کی خصوصیت بظاہر اس وجہ سے ہے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا ارشاد ہے "اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا" (مریم:۹۶) جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اعمال کئے حق تعالیٰ شانہ اُن کے لئے (دنیا ہی میں) محبوبیت فرمادیں گے۔ اور حدیثِ پاک میں ارشاد ہے: جب حق تعالیٰ شانہ کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام سے ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے فلاں شخص پسند ہے تم بھی اس سے محبت کرو، وہ خود محبت کرنے لگتے ہیں اور آسمان پر آواز دیتے ہیں کہ فلاں بندہ اللہ کا پسندیدہ ہے، تم سب اس سے محبت کرو۔ پس اس آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں اور پھر اس کے لئے زمین پر قبولیت رکھ دی جاتی ہے اور عام قاعدہ کی بات ہے کہ ہر شخص کی محبت اس کے پاس رہنے والوں کو ہوتی ہے، لیکن اس کی محبت اتنی عام ہوتی ہے کہ آس پاس رہنے والوں ہی کو نہیں، بلکہ دریا کے رہنے والے جانوروں کو بھی اس سے محبت ہوتی ہے کہ وہ بھی دعا کرتے ہیں اور گویا برّ سے متجاوز ہوکر بحر تک پہنچنا محبوبیت کی انتہا ہے۔ نیز جنگل کے جانوروں کا دُعا کرنا بطریقِ اولیٰ معلوم ہوگیا۔

تیسری خصوصیت جنّت کا مُزیّن ہونا ہے۔ یہ بھی بہت سی روایات میں وارد ہوا ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ سال کے شروع ہی سے رمضان کے لئے جنّت کو آراستہ کرنا شروع ہوجاتا ہے اور قاعدہ کی بات ہے کہ جس شخص کے آنے کا جس قدر اہتمام ہوتا ہے اتنا

---

[1] یعنی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نوراللہ مرقدہٗ۔

ہی پہلے سے اس کا انتظام کیا جاتا ہے۔ شادی کا اہتمام مہینوں پہلے سے کیا جاتا ہے۔

چوتھی خصوصیت سرکش شیاطین کا قید ہو جانا ہے کہ جس کی وجہ سے معاصی کا زور کم ہو جاتا ہے۔ رمضان المبارک میں رحمت کے جوش اور عبادت کی کثرت کا مقتضٰی یہ تھا کہ شیاطین بہکانے میں بہت ہی اَن تھک کوشش کرتے اور ایڑی چوٹی کا زور ختم کر دیتے اور اس وجہ سے معاصی کی کثرت اس مہینہ میں اتنی ہو جاتی کہ حد سے زیادہ، لیکن باوجود اس کے یہ مشاہدہ ہے اور محقّق، کہ مجموعی طور سے گناہوں میں بہت کمی ہو جاتی ہے۔ کتنے شرابی کبابی ایسے ہیں کہ رمضان میں خصوصیت سے نہیں پیتے اور اسی طرح اور گناہوں میں بھی کھلی کمی ہو جاتی ہے، لیکن اس کے باوجود گناہ ہوتے ضرور ہیں، مگر ان کے سرزد ہونے سے حدیثِ پاک میں تو کوئی اشکال نہیں۔ اس لئے کہ اس کا مضمون ہی یہ ہے کہ سرکش شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں۔ اس بنا پر اگر وہ گناہ غیر سرکشوں کا اثر ہو تو کچھ خلجان نہیں، البتہ دوسری روایات میں سرکش کی قید کے بغیر مطلقاً شیاطین کے مقیّد ہونے کا ارشاد بھی موجود ہے۔ بس اگر ان روایات سے بھی سرکش شیاطین کا ہی قید ہونا مراد ہے کہ بسا اوقات لفظ مطلق بولا جاتا ہے مگر دوسری جگہ سے اس کی قیودات معلوم ہو جاتی ہیں تب بھی کوئی اشکال نہیں رہا۔ البتہ اگر ان روایات سے سب شیاطین کا محبوس ہونا مراد ہو تب بھی ان معاصی کے صادر ہونے سے کچھ خلجان نہ ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ اگرچہ معاصی عموماً شیاطین کے اثر سے ہوتے ہیں، مگر سال بھر تک اُن کے تلبّس اور اختلاط اور زہریلے اثر کے جماؤ کی وجہ سے نفس ان کے ساتھ اس درجہ مانوس اور متاثر ہو جاتا ہے کہ تھوڑی بہت غیبت محسوس نہیں ہوتی، بلکہ وہی خیالات اپنی طبیعت بن جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ بغیر رمضان کے جن لوگوں سے گناہ زیادہ سرزد ہوتے ہیں، رمضان میں بھی انہیں سے زیادہ تر صُدور ہوتا ہے اور آدمی کا نفس چونکہ ساتھ رہتا ہے اسی لئے اس کا اثر ہے۔

دوسری بات ایک اور بھی ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب آدمی کوئی گناہ کرتا ہے تو اُس کے قلب میں ایک کالا نقطہ لگ جاتا ہے، اگر وہ سچّی توبہ کر لیتا ہے تو وہ دھل جاتا ہے ورنہ لگا رہتا ہے، اور اگر دوسری مرتبہ گناہ کرتا ہے تو دوسرا نقطہ لگ جاتا ہے حتیٰ کہ اُسکا

قلب بالکل سیاہ ہوجاتا ہے، پھر خیر کی بات اُس کے قلب تک نہیں پہنچتی۔ اسی کو حق تعالیٰ شانہ نے اپنے کلام پاک میں "كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ" (التطفیف: ۱٤) سے ارشاد فرمایا ہے کہ اُن کے قلوب زنگ آلود ہو گئے۔ ایسی صورت میں وہ قلوب ان گناہوں کی طرف خود متوجہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ ایک نوع کے گناہ کو بے تکلف کر لیتے ہیں، لیکن اسی جیسا جب کوئی دوسرا گناہ سامنے ہوتا ہے تو قلب کو اُس سے انکار ہوتا ہے۔ مثلاً جو لوگ شراب پیتے ہیں اُن کو اگر سور کھانے کو کہا جائے تو اُن کی طبیعت کو نفرت ہوتی ہے، حالانکہ معصیت میں دونوں برابر ہیں۔ تو اسی طرح جبکہ غیر رمضان میں وہ اُن گناہوں کو کرتے رہتے ہیں تو دل اُن کیساتھ رنگے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے رمضانُ المبارک میں بھی اُن کے سرزد ہونے کے لئے شیاطین کی ضرورت نہیں رہتی۔ بالجملہ اگر حدیثِ پاک سے سب شیاطین کا مقیّد ہو جانا مراد ہے تب بھی رمضانُ المبارک میں گناہوں کے سرزد ہونے سے کچھ اشکال نہیں، اور اگر مُتمرّد اور خبیث شیاطین کا مقید ہونا مراد ہو تب تو کوئی اشکال ہے ہی نہیں، اور بندہ ناچیز کے نزدیک یہی توجیہ اولیٰ ہے اور ہر شخص اس کو غور کر سکتا ہے اور تجربہ کر سکتا ہے کہ رمضانُ المبارک میں نیکی کرنے کے لئے یا کسی معصیت سے بچنے کے لئے اتنے زور لگانے نہیں پڑتے جتنے کہ غیر رمضان میں پڑتے ہیں۔ تھوڑی سی ہمت اور توجہ کافی ہو جاتی ہے۔

حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ یہ دونوں حدیثیں مختلف لوگوں کے اعتبار سے ہیں یعنی فُسّاق کے حق میں صرف متکبر شیاطین قید ہوتے ہیں اور صلحاء کے حق میں مطلقاً ہر قسم کے شیاطین محبوس ہو جاتے ہیں۔

پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ رمضانُ المبارک کی آخری رات میں سب روزہ داروں کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ یہ مضمون پہلی روایت میں بھی گذر چکا ہے، چونکہ رمضانُ المبارک کی راتوں میں شبِ قدر سب سے افضل رات ہے۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خیال فرمایا کہ اتنی بڑی فضیلت اسی رات کے لئے ہو سکتی ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کے فضائل مستقل علیحدہ چیز ہے۔ یہ انعام تو ختم رمضان کا ہے۔

(۳) عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اُحْضُرُوا الْمِنْبَرَ فَحَضَرْنَا، فَلَمَّا ارْتَقٰى دَرَجَةً، قَالَ: اٰمِيْنَ. فَلَمَّا ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّانِيَةَ، قَالَ: اٰمِيْنَ. فَلَمَّا ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّالِثَةَ، قَالَ: اٰمِيْنَ. فَلَمَّا نَزَلَ قُلْنَا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! لَقَدْ سَمِعْنَا مِنْكَ الْيَوْمَ شَيْئًا مَاكُنَّا نَسْمَعُهُ، قَالَ: اِنَّ جِبْرَئِيْلَ عَرَضَ لِيْ، فَقَالَ بَعُدَ[1] مَنْ اَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْلَهُ، قُلْتُ: اٰمِيْن. فَلَمَّا رَقِيْتُ الثَّانِيَةَ، قَالَ: بَعُدَ مَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَهُ، فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ، قُلْتُ: اٰمِيْنَ. فَلَمَّا رَقِيْتُ الثَّالِثَةَ، قَالَ: بَعُدَمَنْ اَدْرَكَ اَبَوَيْهِ الْكِبَرُ عِنْدَهُ اَوْاَحَدَهُمَا، فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ، قُلْتُ: اٰمِيْنَ. رواه الحاكم وقال: صحيح الاسناد، كذا فى الترغيب، وقال السخاوى رواه ابن حبان فى ثقاته وصححه والطبرانى فى الكبير والبخارى فى برالوالدين له، والبيهقى فى الشعب وغيرهم ورجاله ثقات و بسط طرقه، وروى الترمذى عن ابى هريرة بمعناه، وقال ابن حجر: طرقه كثيرة كما فى المرقاة)

کعب بن عُجرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منبر کے قریب ہو جاؤ۔ ہم لوگ حاضر ہو گئے۔ جب حضور ﷺ نے منبر کے پہلے درجہ پر قدم مبارک رکھا تو فرمایا: آمین۔ جب دوسرے پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین۔ جب تیسرے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا: آمین۔ جب آپ ﷺ خطبہ سے فارغ ہو کر نیچے اُترے تو ہم نے عرض کیا کہ ہم نے آج آپ سے منبر پر چڑھتے ہوئے ایسی بات سنی جو پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اُس وقت جبرئیل علیہ السلام میرے سامنے آئے تھے۔ (جب پہلے درجہ پر میں نے قدم رکھا تو) انہوں نے کہا کہ ہلاک ہو جائے وہ شخص جس نے رمضان کا مبارک مہینہ پایا، پھر بھی اُس کی مغفرت نہ ہوئی۔ میں نے کہا: آمین۔ پھر جب میں دوسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا: ہلاک ہو جائے وہ شخص جس کے سامنے آپکا ذکر مبارک ہو اور وہ درود نہ بھیجے، میں نے کہا: آمین۔ جب میں تیسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا کہ ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے اُس کے والدین یا اُن میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پاویں اور وہ اُس کو جنت میں داخل نہ کرائیں۔ میں نے کہا: آمین۔

---

[1] بَعُدَ بضمّ العين اى عن الخير وبكسرها اى هلك قاله السخاوى۔

ف: اس حدیث میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تین بد دُعائیں دی ہیں اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں پر آمین فرمائی۔ اول تو حضرت جبرئیل علیہ السلام جیسے مقرب فرشتے کی بددُعا ہی کیا کم تھی اور پھر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آمین نے تو جتنی سخت بددُعا بنادی وہ ظاہر ہے۔ اللہ ہی اپنے فضل سے ہم لوگوں کو ان تینوں چیزوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمادیں اور ان بُرائیوں سے محفوظ رکھیں ورنہ ہلاکت میں کیا تردد ہے۔ دُرِّ منثور کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آمین کہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آمین، جس سے اور بھی زیادہ اہتمام معلوم ہوتا ہے۔

اول وہ شخص کہ جس پر رمضان المبارک گزر جائے اور اُس کی بخشش نہ ہو، یعنی رمضان المبارک جیسا خیر و برکت کا زمانہ بھی غفلت اور معاصی میں گزر جائے کہ رمضانُ المبارک میں مغفرت اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی رحمت بارش کی طرح برستی ہے۔ پس جس شخص پر رمضان المبارک کا مہینہ بھی اسی طرح گذر جائے کہ اُس کی بد اعمالیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے وہ مغفرت سے محروم رہے تو اُس کی مغفرت کے لئے کونسا وقت ہوگا اور اُس کی ہلاکت میں کیا تأمُّل ہے، اور مغفرت کی صورت یہ ہے کہ رمضانُ المبارک کے جو کام ہیں یعنی روزہ و تراویح، اُن کو نہایت اہتمام سے ادا کرنے کے بعد ہر وقت کثرت کے ساتھ اپنے گناہوں سے توبہ و استغفار کرے۔

دوسرا شخص جس کے لئے بددُعا کی گئی وہ ہے جس کے سامنے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ مبارک ہو اور وہ درود نہ پڑھے۔ اور بھی بہت سی روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے، اسی وجہ سے بعض علماء کے نزدیک جب بھی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ مبارک ہو تو سننے والوں پر درود شریف کا پڑھنا واجب ہے۔ حدیثِ بالا کے علاوہ اور بھی بہت سی وعیدیں اُس شخص کے بارے میں وارد ہوئی ہیں جس کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہو اور وہ درود نہ بھیجے۔ بعض احادیث میں اُس کو شقی اور بخیل تر لوگوں میں شمار کیا گیا ہے۔ نیز جفا کار اور جنت کا راستہ بھولنے والا حتی کہ جہنّم میں داخل ہونے والا اور بددین تک فرمایا ہے۔ یہ بھی وارد ہوا ہے کہ وہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک نہ دیکھے گا۔ محقّقین علماء نے ایسی روایات کی تاویل فرمائی ہو

مگر اُس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ درود شریف نہ پڑھنے والے کے لئے آپ ﷺ کے ظاہر ارشادات اس قدر سخت ہیں کہ اُن کا تحمّل دشوار ہے اور کیوں نہ ہو کہ آپ ﷺ کے احسانات اُمت پر اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ تحریر و تقریر ان کا احصاء کر سکے، اس کے علاوہ آپ ﷺ کے حقوق اُمت پر اس قدر زیادہ ہیں کہ اُن کو دیکھتے ہوئے درود شریف نہ پڑھنے والوں کے حق میں ہر وعید اور تنبیہ بجا اور موزوں معلوم ہوتی ہے، خود درود شریف کے فضائل اس قدر ہیں کہ اُن سے محرومی مستقل بدنصیبی ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہوگی کہ جو شخص نبی کریم ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجے حق تعالیٰ شانہ اُس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتے ہیں۔ نیز ملائکہ کا اس کے لئے دُعا کرنا گناہوں کا معاف ہونا، درجات کا بلند ہونا، احد پہاڑ کے برابر ثواب کا ملنا، شفاعت کا اس کے لئے واجب ہونا وغیرہ وغیرہ امور مزید برآں۔ نیز اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی رضا، اس کی رحمت، اُس کے غصہ سے امان، قیامت کے ہول سے نجات، مرنے سے قبل جنّت میں اپنے ٹھکانے کا دیکھ لینا وغیرہ، بہت سے وعدے درود شریف کی خاص خاص مقداروں پر مقرر فرمائے گئے ہیں۔ ان سب کے علاوہ درود شریف سے تنگیٔ معیشت اور فقر دور ہوتا ہے۔ اللہ اور اُس کے رسول کے دربار میں تقرّب نصیب ہوتا ہے۔ دشمنوں پر مدد نصیب ہوتی ہے اور قلب کی، نفاق اور زنگ سے صفائی ہوتی ہے۔ لوگوں کو اُس سے محبّت ہوتی ہے اور بہت سی بشارتیں ہیں جو درود شریف کی کثرت پر احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ فقہاء نے اسکی تصریح کی ہے کہ ایک مرتبہ عمر بھر میں درود شریف پڑھنا عملاً فرض ہے اسی پر علماءِ مذہب کا اتفاق ہے، البتہ اس میں اِختلاف ہے جب نبی کریم ﷺ کا ذکر مبارک ہو ہر مرتبہ درود شریف کا پڑھنا واجب ہے یا نہیں، بعض علماء کے نزدیک ہر مرتبہ درود شریف کا پڑھنا واجب ہے اور دوسرے بعض کے نزدیک مستحب۔

تیسرے وہ شخص جس کے بوڑھے والدین میں سے دونوں یا ایک موجود ہوں اور وہ اُن کی اس قدر خدمت نہ کرے کہ جس کی وجہ سے جنّت کا مستحق ہو جائے۔ والدین کے حقوق کی بھی بہت سی احادیث میں تاکید آئی ہے۔ علماء نے ان کے حقوق میں لکھا ہے کہ مباح امور میں اُن کی اطاعت ضروری ہے، نیز یہ بھی لکھا ہے کہ اُن کی بے ادبی نہ کرے،

تکبُّر سے پیش نہ آئے اگرچہ وہ مشرک ہوں، اپنی آواز کو اُن کی آواز سے اُونچی نہ کرے، اُن کا نام لے کر نہ پکارے، کسی کام میں اُن سے پیش قدمی نہ کرے، اَمر بالمَعْرُوف اور نَہی عَنِ المُنکر میں نرمی کرے۔ اگر قبول نہ کریں تو سلوک کرتا رہے اور ہدایت کی دُعا کرتا رہے۔ غرض ہر بات میں اُن کا بہت اِحترام ملحوظ رکھے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جنّت کے دروازوں میں سے بہترین دروازہ باپ ہے، تیرا جی چاہے اُس کی حفاظت کر یا اُس کو ضائع کردے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ والدین کا کیا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تیری جنّت ہیں یا جہنّم، یعنی ان کی رضا جنّت ہے اور ناراضگی جہنّم ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مطیع بیٹے کی محبت اور شفقت سے ایک نگاہ والد کی طرف ایک مقبول حج کا ثواب رکھتی ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ شرک کے سوا تمام گناہوں کو جس قدر دل چاہے اللہ معاف فرمادیتے ہیں، مگر والدین کی نافرمانی کا مرنے سے قبل دنیا میں بھی وبال پہنچاتے ہیں۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں جہاد میں جانے کا ارادہ کرتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تیری ماں زندہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ زندہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُن کی خدمت کر کہ ان کے قدموں کے نیچے تیرے لئے جنّت ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کی رضا باپ کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے۔

اور بھی بہت سی روایات میں اس کا اہتمام اور فضل وارد ہوا ہے۔ جو لوگ کسی غفلت سے اس میں کوتاہی کر چکے ہیں اور اب اُن کے والدین موجود نہیں، شریعتِ مُطہّرہ میں اس کی تلافی بھی موجود ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس کے والدین اس حالت میں مرگئے ہوں کہ وہ ان کی نافرمانی کرتا ہو تو اُن کے لئے کثرت سے دعا اور استغفار کرنے سے مُطیع شمار ہوجاتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ بہترین بھلائی باپ کے بعد اس کے ملنے والوں سے حُسنِ سُلوک ہے۔

(۴) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ يَوْمًا وَّحَضَرَنَا

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضانُ المبارک کے قریب

رَمَضَانُ اَتَاكُمْ رَمَضَانُ شَهْرُ بَرَكَةٍ يَغْشَاكُمُ اللّٰهُ فِيْهِ، فَيُنْزِلُ الرَّحْمَةَ، وَيَحُطُّ الْخَطَايَا، وَيَسْتَجِيْبُ فِيْهِ الدُّعَاءَ، يَنْظُرُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلٰى تَنَا فُسِكُمْ فِيْهِ وَيُبَاهِيْ بِكُمْ مَلٰٓئِكَتَهٗ، فَاَرُوا اللّٰهَ مِنْ اَنْفُسِكُمْ خَيْرًا فَاِنَّ الشَّقِيَّ مَنْ حُرِمَ فِيْهِ رَحْمَةَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ. (رواه الطبرانی ورواته ثقات، الا ان محمد بن قیس لایحضرنی فیه جرح ولا تعدیل، کذا فی الترغیب)

ارشاد فرمایا کہ رمضان کا مہینہ آ گیا ہے جو بڑی برکت والا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اس میں تمہاری طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اپنی رحمتِ خاصہ نازل فرماتے ہیں، خطاؤں کو معاف فرماتے ہیں، دُعاؤں کو قبول کرتے ہیں، تمہارے تنافس کو دیکھتے ہیں اور ملائکہ سے فخر کرتے ہیں۔ پس اللہ کو اپنی نیکی دکھلاؤ۔ بدنصیب ہے وہ شخص جو اس مہینہ میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہ جاوے۔

ف: تنافس اُس کو کہتے ہیں کہ دوسرے کی حرص میں کام کیا جائے اور مقابلہ پر دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کام کیا جاوے، تفاخر اور تقابل والے آویں اور یہاں اپنے اپنے جوہر دکھلاویں۔ فخر کی بات نہیں، تحدیث بالنعمہ کے طور پر لکھتا ہوں، اپنی نااہلیت سے خود اگرچہ کچھ نہیں کرسکتا، مگر اپنے گھرانہ کی عورتوں کو دیکھ کر خوش ہوتا ہوں کہ اکثروں کو اس کا اہتمام رہتا ہے کہ دوسری سے تلاوت میں بڑھ جاوے۔ خانگی کاروبار کے ساتھ پندرہ بیس پارے روزانہ بے تکلف پورے کر لیتی ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ اپنی رحمت سے قبول فرماویں اور زیادتی کی توفیق عطا فرماویں۔

(۵) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ لِلّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عُتَقَآءَ فِیْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، يَعْنِیْ فِیْ رَمَضَانَ وَاِنَّ لِكُلِّ مُسْلِمٍ فِیْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ دَعْوَةً مُسْتَجَابَةً. (رواه البزار كذا فی الترغیب)

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ رمضان المبارک کی ہر شب و روز میں اللہ کے یہاں سے (جہنم کے) قیدی چھوڑے جاتے ہیں، اور ہر مسلمان کے لئے ہر شب و روز میں ایک دُعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

ف: بہت سی روایات میں روزے دار کی دُعا قبول ہونا وارد ہوا ہے۔ بعض روایات

میں آتا ہے کہ افطار کے وقت دُعا قبول ہوتی ہے، مگر ہم لوگ اس وقت کھانے پر اس طرح گرتے ہیں کہ دُعا مانگنے کی کہاں فرصت، خود افطار کی دُعا بھی یاد نہیں رہتی۔ افطار کی مشہور دُعا یہ ہے:

"اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ"

(ترجمہ) اے اللہ! تیرے ہی لئے روزہ رکھا اور تجھ ہی پر ایمان لایا ہوں اور تجھ ہی پر بھروسہ ہے، تیرے ہی رزق سے افطار کرتا ہوں۔

حدیث کی کتابوں میں یہ دُعا مختصر ملتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عَمرو بن عاص رضی اللہ عنہما افطار کے وقت یہ دُعا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ اَنْ تَغْفِرَلِیْ." (ترجمہ) اے اللہ! تیری اس رحمت کے صدقے جو ہر چیز کو شامل ہے یہ مانگتا ہوں کہ تو میری مغفرت فرمادے۔ بعض کتب میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دُعا منقول ہے "یَاوَاسِعَ الْفَضْلِ اِغْفِرْلِیْ" (ترجمہ) اے وسیع عطا والے! میری مغفرت فرما۔ اور بھی متعدد دُعائیں روایات میں وارد ہوئی ہیں، مگر کسی دُعا کی تخصیص نہیں، اِجابتِ دُعا کا وقت ہے، اپنی اپنی ضرورت کے لئے دُعا فرماویں۔ یاد آجاوے تو اس سیاہ کار کو بھی شامل فرمالیں کہ سائل ہوں اور سائل کا حق ہوتا ہے۔

چشمۂ فیض سے گر ایک اشارہ ہوجائے — لطف ہو آپ کا اور کام ہمارا ہوجائے

(۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ثَلٰثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَاتُهُمْ: اَلصَّائِمُ حَتّٰی یُفْطِرَ، وَالْاِمَامُ الْعَادِلُ، وَدَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ، یَرْفَعُهَا اللّٰهُ فَوْقَ الْغَمَامِ وَیُفْتَحُ لَهَا اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَیَقُوْلُ الرَّبُّ: وَعِزَّتِیْ! لَاَنْصُرَنَّكَ وَلَوْ بَعْدَ حِیْنٍ. (رواہ احمد فی حدیث والترمذی و

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین آدمیوں کی دُعا رد نہیں ہوتی: ایک روزہ دار کی افطار کے وقت، دوسرے عادل بادشاہ کی دُعا، تیسرے مظلوم کی جسے حق تعالیٰ شانہٗ بادلوں سے اُوپر اُٹھا لیتے ہیں اور آسمان کے دروازے اُس کے لئے کھول دیئے جاتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے کہ میں تیری

حسنہ، وابن خزیمة وابن حبان فی صحیحیهما، کذا فی الترغیب) ضرور مدد کرونگا گو (کسی مصلحت سے) کچھ دیر ہو جائے۔

ف: دُرِمَنثُور میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ جب رمضان آتا تھا تو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ بدل جاتا تھا اور نماز میں اضافہ ہو جاتا تھا اور دُعا میں بہت عاجزی فرماتے تھے اور خوف غالب ہو جاتا تھا۔ دوسری روایت میں فرماتی ہیں کہ رمضان کے ختم تک بستر پر تشریف نہیں لاتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ رمضان میں عرش کے اُٹھانے والے فرشتوں کو حکم فرما دیتے ہیں کہ اپنی اپنی عبادت چھوڑ دو اور روزہ داروں کی دُعا پر آمین کہا کرو۔ بہت سی روایات سے رمضان کی دُعا کا خصوصیّت سے قبول ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ بے تَرَدُّد بات ہے کہ جب اللہ کا وعدہ ہے اور سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نقل کیا ہوا ہے تو اُس کے پورا ہونے میں کچھ تردد نہیں لیکن اس کے بعد بھی بعض لوگ کسی غرض کے لئے دُعا کرتے ہیں مگر وہ کام نہیں ہوتا تو اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ وہ دُعا قبول نہیں ہوئی بلکہ دُعا کے قبول ہونے کے معنی سمجھ لینا چاہئے۔

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب مسلمان دُعا کرتا ہے بشرطیکہ قطعِ رحمی یا کسی گناہ کی دُعا نہ کرے تو حق تعالیٰ شانہ کے یہاں سے تین چیزوں میں سے اُسے ایک چیز ضرور ملتی ہے: یا خود وہی چیز ملتی ہے جس کی دُعا کی، یا اُس کے بدلہ میں کوئی بُرائی یا مصیبت اُس سے ہٹا دی جاتی ہے، یا آخرت میں اُسی قدر ثواب اُس کے حصہ میں لگا دیا جاتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہ بندہ کو بُلا کر ارشاد فرمائیں گے کہ اے میرے بندے میں نے تجھے دُعا کرنے کا حکم دیا تھا اور اس کے قبول کرنے کا وعدہ کیا تھا تو نے مجھ سے دُعا مانگی تھی؟ وہ عرض کرے گا کہ مانگی تھی۔ اس پر ارشاد ہوگا کہ تو نے کوئی دُعا ایسی نہیں کی جس کو میں نے قبول نہ کیا ہو، تو نے فلاں دُعا مانگی تھی کہ فلاں تکلیف ہٹا دی جائے، میں نے اُس کو دنیا میں پورا کر دیا تھا۔ اور فلاں غم کو دفع ہونے کے لئے دُعا کی تھی، مگر اس کا اثر کچھ تجھے معلوم نہیں ہوا، میں نے اُس کے بدلہ میں فلاں اجر و ثواب تیرے لئے متعیّن کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد

فرماتے ہیں کہ اُس کو ہر ہر دُعا یاد کرائی جائے گی اور اُس کا دنیا میں پورا ہونا یا آخرت میں اُس کا عوض بتلایا جاوے گا۔ اس اجر وثواب کی کثرت کو دیکھ کر وہ بندہ اس کی تمنا کرے گا کہ کاش! دنیا میں اُس کی کوئی دُعا بھی قبول نہ ہوئی ہوتی کہ یہاں اس کا اس قدر اجر ملتا۔ غرض دُعا نہایت ہی اہم چیز ہے۔ اُسکی طرف سے غفلت بڑے سخت نقصان اور خسارہ کی بات ہے اور ظاہر میں اگر قبول کے آثار نہ دیکھیں تو بددل نہ ہونا چاہئے۔

اس رسالہ کے ختم پر جو لمبی حدیث آرہی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بھی حق تعالیٰ شانہ بندہ ہی کے مصالح پر نظر فرماتے ہیں۔ اگر اس کے لئے اس چیز کا عطا فرمانا مصلحت ہوتا ہے تو مرحمت فرماتے ہیں ورنہ نہیں۔ یہ بھی اللہ کا بڑا احسان ہے کہ ہم لوگ بسا اوقات اپنی نافہمی سے ایسی چیز مانگتے ہیں جو ہمارے مناسب نہیں ہوتی۔ اس کے ساتھ دوسری ضروری اور اہم بات قابلِ لحاظ یہ ہے کہ بہت سے مرد اور عورتیں تو خاص طور سے اس مرض میں مبتلا ہیں کہ بسا اوقات غصّے اور رنج میں اولاد وغیرہ کو بددُعا دیتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے عالی دربار میں بعض اوقات ایسے خاص قبولیت کے ہوتے ہیں کہ جو مانگو مل جاتا ہے۔ یہ احمق غصّہ میں اول تو اولاد کو کوستی ہیں اور جب وہ مرجاتی ہے یا کسی مصیبت میں مبتلا ہو جاتی ہے تو پھر روتی پھرتی ہیں اور اس کا خیال بھی نہیں آتا کہ یہ مصیبت خود ہی اپنی بددُعا سے مانگی ہے۔

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ اپنی جانوں اور اولاد کو نیز مال اور خادموں کو بددُعا نہ دیا کرو، مبادا اللہ کے کسی ایسے خاص وقت میں واقع ہو جائے جو قبولیت کا ہے، بالخصوص رمضانُ المبارک کا تمام مہینہ تو بہت ہی خاص وقت ہے، اس میں اہتمام سے بچنے کی کوشش اشد ضروری ہے۔

حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے نقل کرتے ہیں کہ رمضان المبارک میں اللہ کو یاد کرنے والا شخص بخشا بخشایا ہے اور اللہ سے مانگنے والا نامراد نہیں رہتا۔

حضرت ابنِ مسعود رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی ایک روایت سے ترغیب میں نقل کیا ہے کہ رمضان کی

ہر رات میں ایک منادی پُکارتا ہے کہ اے خیر کی تلاش کرنے والے! متوجہ ہو اور آگے بڑھ، اور اے بُرائی کے طلبگار! بس کر اور آنکھیں کھول۔ اس کے بعد وہ فرشتہ کہتا ہے کہ کوئی مغفرت کا چاہنے والا ہے کہ اس کی مغفرت کی جائے، کوئی توبہ کرنیوالا ہے کہ اس کی توبہ قبول کی جائے، کوئی دُعا کرنے والا ہے کہ اسکی دعا قبول کی جائے، کوئی مانگنے والا ہے کہ اس کا سوال پورا کیا جائے۔ اس سب کے بعد یہ امر بھی نہایت ضروری اور قابلِ لحاظ ہے کہ دُعا کے قبول ہونے کے لئے کچھ شرائط بھی وارد ہوئی ہیں کہ ان کے فوت ہونے سے بسا اوقات دُعا رد کر دی جاتی ہے۔ منجملہ ان کے حرام غذا ہے کہ اس کی وجہ سے بھی دُعا رد ہوتی ہے۔ نبیِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بہت سے پریشان حال آسمان کی طرف ہاتھ کھینچ کر دُعا مانگتے ہیں اور یا رَبّ یا رَبّ کرتے ہیں مگر کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام، ایسی حالت میں کہاں دُعا قبول ہو سکتی ہے۔

مؤرّخین نے لکھا ہے کہ کوفہ میں مُستجاب الدّعاء لوگوں کی ایک جماعت تھی۔ جب کوئی حاکم ان پر مسلّط ہوتا، اس کے لئے بددعا کرتے وہ ہلاک ہو جاتا۔ حجاج ظالم کا جب وہاں تسلّط ہوا تو اس نے ایک دعوت کی جس میں ان حضرات کو خاص طور سے شریک کیا اور جب کھانے سے فارغ ہو چکے تو اس نے کہا کہ میں ان لوگوں کی بددُعا سے محفوظ ہو گیا کہ حرام کی روزی ان کے پیٹ میں داخل ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہمارے زمانہ کی حلال روزی پر بھی ایک نگاہ ڈالی جائے جہاں ہر وقت سود تک کے جواز کی کوششیں جاری ہوں۔ ملازمین رشوت کو اور تاجر دھوکہ دینے کو بہتر سمجھتے ہوں۔

(۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الْمُتَسَحِّرِيْنَ. (رواہ الطبرانی فی الاوسط وابن حبان فی صحیحہ کذا فی الترغیب)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ خود حق تعالیٰ شانہ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت نازل فرماتے ہیں۔

ف: کس قدر اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا انعام واحسان ہے کہ روزہ کی برکت سے اس سے پہلے کھانے کو جس کو سحری کہتے ہیں اُمت کے لئے ثواب کی چیز بنا دیا اور اس میں بھی مسلمانوں

کو اجر دیا جاتا ہے۔ بہت سی احادیث میں سحر کھانے کی فضیلت اور اجر کا ذکر ہے۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے سترہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے اسکی فضیلت کی احادیث نقل کی ہیں اور اس کے مستحب ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔ بہت سے لوگ کاہلی کی وجہ سے اس فضیلت سے محروم رہ جاتے ہیں اور بعض لوگ تراویح پڑھ کر کھانا کھا کر سو جاتے ہیں اور وہ اس کے ثواب سے محروم رہتے ہیں، اس لئے کہ لغت میں سحر اس کھانے کو کہتے ہیں جو صبح کے قریب کھایا جائے جیسا کہ قاموس میں لکھا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ آدھی رات سے اس کا وقت شروع ہو جاتا ہے[1]۔ صاحبِ کشاف رحمۃ اللہ علیہ نے اخیر کے چھٹے حصہ کو بتلایا ہے یعنی تمام رات کو چھ حصوں پر تقسیم کر کے اخیر کا حصہ، مثلاً اگر غروب آفتاب سے طلوع صبح صادق تک بارہ گھنٹے ہوں تو اخیر کے دو گھنٹے سحر کا وقت ہے اور ان میں بھی تاخیر اولیٰ ہے۔ بشرطیکہ اتنی تاخیر نہ ہو کہ روزہ میں شک ہونے لگے۔ سحر کی فضیلت بہت سی احادیث میں آئی ہے۔

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہمارے اور اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے روزہ میں سحری کھانے سے فرق ہوتا ہے کہ وہ سحری نہیں کھاتے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ سحری کھایا کرو کہ اس میں برکت ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ تین چیزوں میں برکت ہے: جماعت میں، ثرید میں، اور سحری کھانے میں۔ اس حدیث میں جماعت سے عام مراد ہے نماز کی جماعت اور ہر وہ کام جس کو مسلمانوں کی جماعت مل کر کرے کہ اللہ کی مدد اس کے ساتھ فرمائی گئی ہے، اور ثرید گوشت میں پکی ہوئی روٹی کہلاتی ہے جو نہایت لذیز کھانا ہوتا ہے، تیسرے سحری۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی صحابی کو اپنے ساتھ سحر کھلانے کے لئے بلاتے تو ارشاد فرماتے کہ آؤ! برکت کا کھانا کھالو۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ سحری کھا کر روزہ پر قوت حاصل کرو، اور دوپہر کو سو کر اخیر شب کے اُٹھنے پر مدد چاہا کرو۔

حضرت عبداللہ بن حارث ایک صحابی سے نقل کرتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایسے وقت حاضر ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سحری نوش فرما رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایک برکت کی چیز ہے جو اللہ نے تم کو عطا فرمائی ہے اس کو مت چھوڑنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد

---

[1] مرقاۃ

روایات میں سُحور کی ترغیب فرمائی ہے حتی کہ ارشاد ہے کہ اور کچھ نہ ہو تو ایک چھوہارہ ہی کھالے یا ایک گھونٹ پانی ہی پی لے۔ اس لئے روزہ داروں کو اس ہم خرما وہم ثواب کا خاص طور سے اہتمام کرنا چاہئے کہ اپنی راحت اپنا نفع اور مفت کا ثواب۔ مگر اتنا ضروری ہے کہ اِفراط وتَفریط ہر چیز میں مضر ہے اس لئے نہ اتنا کم کھاوے کہ عبادت میں ضعف محسوس ہونے لگے اور نہ اتنا زیادہ کھاوے کہ دن بھر کھٹی ڈکاریں آتی رہیں۔ خود ان احادیث میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ چاہے ایک چھوارہ ہو یا ایک گھونٹ پانی۔ نیز مستقل احادیث میں بھی بہت کھانے کی ممانعت آئی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ بخاری کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ سحری کی برکات مختلف وجوہ سے ہیں، اتباعِ سنت، اہلِ کتاب کی مخالفت کہ وہ سحری نہیں کھاتے اور ہم لوگ حتی الوُسع ان کی مخالفت کے مامور ہیں۔

نیز عبادت پر قوت، عبادت میں دل بستگی کی زیادتی، نیز شدتِ بھوک سے اکثر بدخلقی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی مدافعت، اس وقت کوئی ضرورت مند سائل آجائے تو اس کی اعانت، کوئی پڑوس میں غریب فقیر ہو اس کی مدد، یہ وقت خصوصیت سے قبولیتِ دُعا کا ہے، سحری کی بدولت دُعا کی توفیق ہو جاتی ہے، اس وقت میں ذکر کی توفیق ہو جاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

ابن دَقیق العید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ صوفیاء کو سحور کے مسئلہ میں کلام ہے کہ وہ مقصدِ روزہ کے خلاف ہے اس لئے کہ مقصدِ روزہ پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت کا توڑنا ہے اور سحری کھانا اس مقصد کے خلاف ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ مقدار میں اتنا کھانا کہ یہ مصلحت بالکلیہ فوت ہو جائے، یہ تو بہتر نہیں، اس کے علاوہ حسب حیثیت وضرورت مختلف ہوتا رہتا ہے، بندہ کے ناقص خیال میں اس بارے میں قولِ فیصل بھی یہی ہے کہ اصل سحور وافطار میں تقلیل ہے، مگر حسبِ ضرورت اس میں تغیر ہو جاتا ہے، مثلاً طلباء کی جماعت کہ ان کے لئے تقلیلِ طعام منافعِ صوم کے حاصل ہونے کے ساتھ تحصیلِ علم کی مَضرت کو شامل ہے، اس لئے ان کے لئے بہتر یہ ہے کہ تقلیل نہ کریں کہ علمِ دین کی اہمیت شریعت میں بہت زیادہ ہے، اسی طرح ذاکرین کی جماعت۔ علیٰ ہٰذا دوسری جماعتیں جو تقلیلِ طعام کی وجہ سے کسی دینی کام میں اہمیت کے ساتھ مشغول نہ ہو سکیں۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ جہاد کو تشریف لے جاتے ہوئے اعلان

فرمادیا کہ سفر میں روزہ نیکی نہیں، حالانکہ رمضانُ المبارک کا روزہ تھا مگر اس جگہ جہاد کا تقابل آپڑا تھا۔ البتہ جس جگہ کسی ایسے دینی کام میں جو روزے سے زیادہ اہم ہو ضعف اور کسل پیدا نہ ہو وہاں تقلیلِ طعام ہی مناسب ہے۔ شرح اِقناع میں علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ہم سے اس پر عہد لئے گئے کہ پیٹ بھر کر کھانا نہ کھائیں، بالخصوص رمضانُ المبارک کی راتوں میں۔ بہتر یہ ہے کہ رمضان کے کھانے میں غیر رمضان سے کچھ تقلیل کرے اس لئے کہ افطار وسحر میں جو شخص پیٹ بھر کر کھائے اُس کا روزہ ہی کیا ہے۔ مشائخ نے کہا ہے کہ جو شخص رمضان میں بھوکا رہے آئندہ رمضان تک تمام سال شیطان کے زور سے محفوظ رہتا ہے اور بھی بہت سے مشائخ سے اس باب میں شدت منقول ہے۔

شرح اِحیاء میں عوارف سے نقل کیا ہے کہ سہل بن عبداللہ تُستری رحمۃ اللہ علیہ پندرہ روز میں ایک مرتبہ کھانا تناول فرماتے تھے اور رمضانُ المبارک میں ایک لقمہ، البتہ روزانہ اتباعِ سنت کی وجہ سے محض پانی سے روزہ افطار فرماتے تھے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ روزہ رکھتے لیکن (اللہ والے) دوستوں میں سے کوئی آتا تو اس کی وجہ سے روزہ افطار فرماتے اور فرمایا کرتے تھے کہ (ایسے) دوستوں کے ساتھ کھانے کی فضیلت کچھ روزہ کی فضیلت سے کم نہیں۔ اور بھی سَلَف کے ہزاروں واقعات اس کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ کھانے کی کمی کے ساتھ نفس کی تادیب کرتے تھے، مگر شرط وہی ہے کہ اس کی وجہ سے اور دینی اہم امور میں نقصان نہ ہو۔

(۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: رُبَّ صَائِمٍ لَیْسَ لَهٗ مِنْ صِیَامِهٖ اِلَّا الْجُوْعُ، وَرُبَّ قَائِمٍ لَیْسَ لَهٗ مِنْ قِیَامِهٖ اِلَّا السَّهَرُ. (رواہ ابن ماجہ واللفظ لہ والنسائی وابن خزیمة فی صحیحہ، والحاکم وقال علی شرط البخاری، ذکر لفظهما المنذری فی الترغیب بمعناہ)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ بہت سے روزہ رکھنے والے ایسے ہیں کہ اُن کو روزہ کے ثمرات میں بجز بھوکا رہنے کے کچھ بھی حاصل نہیں اور بہت سے شب بیدار ایسے ہیں کہ اُن کو رات کے جاگنے (کی مشقت) کے سوا کچھ بھی نہ ملا۔

ف: علماء کے اس حدیث کی شرح میں چند اقوال ہیں: اول یہ کہ اس سے وہ شخص مراد ہے جو دن بھر روزہ رکھ کر مالِ حرام سے افطار کرتا ہے۔ جتنا ثواب روزہ کا ہوا تھا اس سے زیادہ گناہ حرام مال کھانے کا ہو گیا اور دن بھر بھوکا رہنے کے سوا اور کچھ نہ ملا۔

دوسرے یہ کہ وہ شخص مراد ہے جو روزہ رکھتا ہے، لیکن غیبت میں بھی مبتلا رہتا ہے جس کا بیان آگے آ رہا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ روزہ کے اندر گناہ وغیرہ سے احتراز نہیں کرتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات جامع ہوتے ہیں، یہ سب صورتیں اس میں داخل ہیں اور ان کے علاوہ بھی۔ اسی طرح جاگنے کا حال ہے کہ رات بھر شب بیداری کی، مگر تفریحاً تھوڑی سی غیبت یا کوئی اور حماقت بھی کر لی تو وہ سارا جاگنا بیکار ہو گیا۔ مثلاً صبح کی نماز ہی قضا کر دی یا محض ریا اور شہرت کے لئے جاگا تو وہ بیکار ہے۔

(۹) عَنْ اَبِیْ عُبَیْدَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: اَلصِّیَامُ جُنَّةٌ مَالَمْ یَخْرُقْهَا. (رواہ النسائی وابن ماجة وابن خزیمة والحاکم وصححه علی شرط البخاری، والفاظهم مختلفة حکاها المنذری فی الترغیب)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ روزہ آدمی کے لئے ڈھال ہے جب تک اُس کو پھاڑ نہ ڈالے۔

ف: ڈھال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے آدمی ڈھال سے اپنی حفاظت کرتا ہے اسی طرح روزہ سے بھی اپنے دشمن یعنی شیطان سے حفاظت ہوتی ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ روزہ حفاظت ہے اللہ کے عذاب سے۔ دوسری روایت میں ہے کہ روزہ جہنّم سے حفاظت ہے۔

ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ کسی نے عرض کیا: یارسولَ اللہ! روزہ کس چیز سے پھٹ جاتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھوٹ اور غیبت سے۔ ان دونوں روایتوں میں اور اسی طرح اور بھی متعدِد روایات میں روزہ میں اس قسم کے اُمور سے بچنے کی تاکید آئی ہے اور روزہ کا گویا ضائع کر دینا اس کو قرار دیا ہے۔ ہمارے اس زمانہ میں روزہ کے کاٹنے کے لئے مشغلہ اس کو قرار دیا جاتا ہے کہ واہی تباہی میری تیری باتیں شروع کر دی جائیں۔ بعض علماء

کے نزدیک جھوٹ اور غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں ان حضرات کے نزدیک ایسی ہیں جیسے کہ کھانا پینا وغیرہ سب روزہ کو توڑنے والی اشیاء ہیں۔ جمہور کے نزدیک اگرچہ روزہ ٹوٹتا نہیں، مگر روزہ کے برکات جاتے رہنے سے تو کسی کو بھی انکار نہیں۔ مشائخ نے روزہ کے آداب میں چھ اُمور تحریر فرمائے ہیں کہ روزہ دار کو ان کا اہتمام ضروری ہے: اوّل نگاہ کی حفاظت کہ کسی بے محل جگہ پر نہ پڑے حتی کہ کہتے ہیں کہ بیوی پر بھی شہوت کی نگاہ نہ پڑے، پھر اجنبی کا کیا ذکر اور اسی طرح کسی لہو ولعب وغیرہ ناجائز جگہ نہ پڑے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ نگاہ ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے، جو شخص اس سے اللہ کے خوف کی وجہ سے بچ رہے حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ اس کو ایسا نورِ ایمانی نصیب فرماتے ہیں جس کی حلاوت اور لذت قلب میں محسوس کرتا ہے۔ صوفیاء نے بے محل کی تفسیر یہ کی ہے کہ ہر ایسی چیز کا دیکھنا اس میں داخل ہے جو دل کو حق تعالیٰ شانہ سے ہٹا کر کسی دوسری طرف متوجہ کردے۔ دوسری چیز زبان کی حفاظت ہے۔ جھوٹ، چغل خوری، لغو، بکواس، غیبت، بدگوئی، بدکلامی، جھگڑا وغیرہ سب چیزیں اس میں داخل ہیں۔

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ روزہ آدمی کے لئے ڈھال ہے اس لئے روزہ دار کو چاہئے کہ زبان سے کوئی فحش بات یا جہالت کی بات مثلاً تمسخر جھگڑا وغیرہ نہ کرے۔ اگر کوئی دوسرا جھگڑنے لگے تو کہہ دے کہ میرا روزہ ہے، یعنی دوسرے کی ابتدا کرنے پر بھی اس سے نہ اُلجھے۔ اگر وہ سمجھنے والا ہو تو اس سے کہہ دے کہ میرا روزہ ہے اور اگر وہ بیوقوف ناسمجھ ہو تو اپنے دل کو سمجھا دے کہ تیرا روزہ ہے، تجھے ایسی لغویات کا جواب مناسب نہیں، بالخصوص غیبت اور جھوٹ سے تو بہت ہی احتراز ضروری ہے کہ بعض علماء کے نزدیک اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں دو عورتوں نے روزہ رکھا۔ روزہ میں اس شدت سے بھوک لگی کہ ناقابلِ برداشت بن گئی، ہلاکت کے قریب پہنچ گئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا تو حضور ﷺ نے ایک پیالہ ان کے پاس بھیجا اور ان دونوں کو اس میں قے کرنے کا حکم فرمایا، دونوں نے قے کی تو اس میں گوشت کے ٹکڑے اور تازہ کھایا ہوا خون نکلا۔ لوگوں کو حیرت ہوئی تو حضور ﷺ

نے ارشاد فرمایا کہ انہوں نے حق تعالیٰ شانہ کی حلال روزی سے تو روزہ رکھا اور حرام چیزوں کو کھایا کہ دونوں عورتیں لوگوں کی غیبت کرتی رہیں۔

اس حدیث سے ایک مضمون اور بھی مُتَرَشَّح ہوتا ہے کہ غیبت کرنے کی وجہ سے روزہ بہت زیادہ معلوم ہوتا ہے، حتی کہ وہ دونوں عورتیں روزہ کی وجہ سے مرنے کے قریب ہو گئیں۔ اسی طرح اور بھی گناہوں کا حال ہے اور تجربہ اس کی تائید کرتا ہے کہ روزہ میں اکثر متّقی لوگوں پر ذرا بھی اثر نہیں ہوتا اور فاسق لوگوں کی اکثر بُری حالت ہوتی ہے، اس لئے اگر یہ چاہیں کہ روزہ نہ لگے تب بھی اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ گناہوں سے اس حالت میں احتراز کریں۔ بالخصوص غیبت سے جس کو لوگوں نے روزہ کاٹنے کا مشغلہ تجویز کر رکھا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے اپنے کلام پاک میں غیبت کو اپنے بھائی کے مردار گوشت سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور احادیث میں بھی بکثرت اس قسم کے واقعات ارشاد فرمائے گئے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کی غیبت کی گئی اس کا حقیقۃً گوشت کھایا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ چند لوگوں کو دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ دانتوں میں خلال کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے تو آج گوشت چکھا بھی نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ فلاں شخص کا گوشت تمہارے دانتوں کو لگ رہا ہے، معلوم ہوا کہ اُن کی غیبت کی تھی، اللہ تعالیٰ اپنے حفظ میں رکھے کہ ہم لوگ اس سے بہت ہی غافل ہیں، عوام کا ذکر نہیں خواص مبتلا ہیں۔ ان لوگوں کو چھوڑ کر جو دنیادار کہلاتے ہیں دین داروں کی مجالس بھی بالعموم اس سے کم خالی ہوتی ہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اکثر اس کو غیبت بھی نہیں سمجھا جاتا ہے۔ اگر اپنے یا کسی کے دل میں کچھ کھٹکا بھی پیدا ہو تو اس پر اظہارِ واقعہ کا پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ سے کسی نے دریافت کیا غیبت کیا چیز ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کسی کی پسِ پشت ایسی بات کرنی جو اسے ناگوار ہو۔ سائل نے پوچھا کہ اگر اس میں واقعۃً وہ بات موجود ہو جو کہی گئی؟ حضور ﷺ نے فرمایا جب ہی تو غیبت ہے۔ اگر واقعۃً موجود نہ ہو تب تو بُہتان ہے۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کا دو قبروں سے گذر ہوا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کو عذابِ قبر ہو رہا ہے۔ ایک کو لوگوں کی غیبت کرنے کی وجہ سے، دوسرے کو پیشاب

سے احتیاط نہ کرنے کی وجہ سے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ سود کے ستّر سے زیادہ باب ہیں، سب سے سہل اور ہلکا درجہ اپنی ماں سے زنا کرنے کے برابر ہے اور ایک درہم سود کا پینتیس زنا سے زیادہ سخت ہے اور بدترین سود اور سب سے زیادہ خبیث ترین سود مسلمان کی آبروریزی ہے۔ احادیث میں غیبت اور مسلمان کی آبروریزی پر سخت سے سخت وعیدیں آئی ہیں۔ میرا دل چاہتا تھا کہ ان میں سے کچھ مُعتد بہ روایات جمع کروں اس لئے کہ ہماری مجلسیں اس سے بہت ہی زیادہ پُر رہتی ہیں مگر مضمون دوسرا ہے اس لئے اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو اس بلا سے محفوظ فرمائیں اور بزرگوں اور دوستوں کی دُعا سے مجھ سیہ کار کو بھی محفوظ فرمائیں کہ باطنی امراض میں کثرت سے مبتلا ہوں۔

کبر و نخوت، جہل و غفلت، حقد و کینہ بدظنی کذب و بدعہدی، ریاء و بغض و غیبت دشمنی
کون بیماری ہے یارب جو نہیں مجھ میں ہوئی عَافِنِیْ مِنْ کُلِّ دَاءٍ وَاقْضِ عَنِّیْ حَاجَتِیْ
اِنَّ لِیْ قَلْبًا سَقِیْمًا اَنْتَ شَافٍ لِلْعَلِیْلِ

تیسری چیز جس کا روزہ دار کو اہتمام ضروری ہے وہ کان کی حفاظت ہے ہر مکروہ چیز سے جس کا کہنا اور زبان سے نکالنا ناجائز ہے، اس کی طرف کان لگانا اور سننا بھی ناجائز ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ غیبت کا کرنے ولا اور سننے والا دونوں گناہ میں شریک ہیں۔ چوتھی چیز باقی اعضاءِ بدن مثلاً ہاتھ کا ناجائز چیز کے پکڑنے سے، پاؤں کا ناجائز چیز کی طرف چلنے سے روکنا اور اسی طرح اور باقی اعضاءِ بدن کا۔ اسی طرح پیٹ کا افطار کے وقت مُشتبہ چیز سے محفوظ رکھنا، جو شخص روزہ رکھ کر حرام مال سے افطار کرتا ہے اُس کا حال اس شخص کا سا ہے کہ کسی مرض کے لئے دوا کرتا ہے، مگر اس میں تھوڑا سا سنکھیا بھی ملا لیتا ہے کہ اس مرض کے لئے تو وہ دوا مفید ہو جائے گی، مگر یہ زہر ساتھ ہی ہلاک بھی کر دے گا۔

پانچویں چیز افطار کے وقت حلال مال سے بھی اتنا زیادہ نہ کھانا کہ شکم سیر ہو جائے اس لئے کہ روزہ کی غرض اس سے فوت ہو جاتی ہے۔ مقصود روزہ سے قوتِ شہوانیہ اور بہیمیہ کا کم کرنا ہے اور قوتِ نورانیہ اور مَلَکیہ کا بڑھانا ہے۔ گیارہ مہینہ تک بہت کچھ کھایا ہے، اگر ایک مہینہ اس میں کچھ کمی ہو جائے گی تو کیا جان نکل جاتی ہے؟ مگر ہم لوگوں کا حال ہے کہ افطار

کے وقت تلافیٔ مَافَات میں سحر کے وقت حفظ ماتَقَدَّم میں اتنی زیادہ مقدار کھا لیتے ہیں کہ بغیر رمضان کے اور بغیر روزہ کی حالت کے اتنی مقدار کھانے کی نوبت بھی نہیں آتی۔ رمضانُ المبارک بھی ہم لوگوں کے لئے خَوِید کا کام دیتا ہے۔ علامہ غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ روزہ کی غرض یعنی قہرِ ابلیس اور شہوتِ نفسانیہ کا توڑنا کیسے حاصل ہوسکتا ہے اگر آدمی افطار کے وقت اس مقدار کی تلافی کرلے جو فوت ہوئی۔ حقیقۃً ہم لوگ بجز اس کے کہ اپنے کھانے کے اوقات بدل دیتے ہیں اس کے سوا کچھ بھی کمی نہیں کرتے، بلکہ اور زیادتی مختلف انواع کی کر جاتے ہیں جو بغیر رمضان کے میسّر نہیں ہوتی۔ لوگوں کی کچھ ایسی عادت ہوگئی ہے کہ عمدہ عمدہ اشیاء رمضان کے لئے رکھتے ہیں اور نفس دن بھر کے فاقہ کے بعد جب ان پر پڑتا ہے تو خوب زیادہ سیر ہوکر کھاتا ہے تو بجائے قوتِ شہوانیہ کے ضعیف ہونے کے اور بھڑک اٹھتی ہے اور جوش میں آجاتی ہے اور مقصد کے خلاف ہوجاتا ہے۔ روزہ کے اندر مختلف اغراض اور فوائد اور اس کے مشروع ہونے سے مختلف منافع مقصود ہیں، وہ سب جب ہی حاصل ہوسکتے ہیں جب کچھ بھوکا بھی رہے۔ بڑا نفع تو یہی ہے جو معلوم ہوچکا، یعنی شہوتوں کا توڑنا یہ بھی اسی پر موقوف ہے کہ کچھ وقت بھوک کی حالت میں گذرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شیطان آدمی کے بدن میں خون کی طرح چلتا ہے اس کے راستوں کو بھوک سے بند کرو۔ تمام اعضاء کا سیر ہونا نفس کے بھوکا رہنے پر موقوف ہے، جب نفس بھوکا رہتا ہے تو تمام اعضاء سیر رہتے ہیں اور جب نفس سیر ہوتا ہے تو تمام اعضاء بھوکے رہتے ہیں۔ دوسری غرض روزہ سے فقراء کے ساتھ تشبّہ اور ان کے حال پر نظر ہے۔ وہ بھی جب ہی حاصل ہوسکتی ہے جب سحر میں معدہ کو دودھ جلیبی سے اتنا نہ بھرلے کہ شام تک بھوک ہی نہ لگے۔ فقراء کے ساتھ مشابہت جب ہی ہوسکتی ہے جب کچھ وقت بھوک کی بے تابی کا بھی گذرے۔ بِشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص گئے وہ سردی میں کانپ رہے تھے اور کپڑے پاس رکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ وقت کپڑے نکالنے کا ہے؟ فرمایا کہ فقراء بہت ہیں اور مجھ میں اُن کی ہمدردی کی طاقت نہیں، اتنی ہمدردی کرلوں کہ میں بھی ان جیسا ہوجاؤں۔

مشائخ صوفیاء نے عامۃً اس پر تنبیہ فرمائی ہے اور فقہاء نے بھی اسکی تصریح کی ہے۔ صاحب مراقی الفلاح رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ سحور میں زیادتی نہ کرے جیسا کہ متنعّم لوگوں کی عادت ہے کہ یہ غرض کو فوت کر دیتا ہے۔ علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ غرض کا مقصود یہ ہے کہ بھوک کی تلخی کچھ محسوس ہوتا کہ زیادتیٔ ثواب کا سبب ہو اور مساکین وفقراء پر ترس آسکے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کو کسی برتن کا بھرنا اس قدر ناپسند نہیں جتنا کہ پیٹ کا پُر ہونا ناپسند ہے۔ ایک جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی کے لئے چند لقمے کافی ہیں جن سے کمر سیدھی رہے۔ اگر کوئی شخص بالکل کھانے پر تُل جائے تو اس سے زیادہ نہیں کہ ایک تہائی پیٹ کھانے کے لئے رکھے اور ایک تہائی پینے کے لئے اور ایک تہائی خالی۔ آخر کوئی تو بات تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کئی کئی روز تک مسلسل لگاتار روزہ رکھتے تھے کہ درمیان میں کچھ بھی نوش نہیں فرماتے تھے۔ میں نے اپنے آقا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ کو پورے رمضانُ المبارک دیکھا ہے کہ افطار و سحر دونوں وقت کی مقدار تقریباً ڈیڑھ چپاتی سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ کوئی خادم عرض بھی کرتا تو فرماتے کہ بھوک نہیں ہوتی۔ دوستوں کے خیال سے ساتھ بیٹھ جاتا ہوں اور اس سے بڑھ کر حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق سنا ہے کہ کئی کئی دن مسلسل ایسے گذر جاتے تھے کہ تمام شب کی مقدار سحر و افطار بے دودھ کی چائے کے چند فنجان[1] کے سوا کچھ نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت کے مخلص خادم حضرت مولانا شاہ عبدالقادرؒ صاحب (نوراللہ مرقدہ) نے لجاجت سے عرض کیا کہ ضعف بہت ہو جائے گا، حضرت کچھ تناول ہی نہیں فرماتے تو حضرت نے فرمایا کہ الحمد اللہ جنّت کا لطف حاصل ہو رہا ہے۔ حق تعالیٰ ہم سیہ کاروں کو بھی ان پاک ہستیوں کا اتباع نصیب فرماویں تو زہے نصیب، مولانا سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ندارند تن پروراں آگہی — کہ پُر معدہ باشد ز حکمت تہی

---

[1] حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں ہیں۔ رائپور ہی قیام رہتا ہے، اپنے شیخ کے قدم بقدم متبع ہیں، جو لوگ رائے پوری دربار سے محروم رہ گئے مولانا کے وجود کو غنیمت سمجھیں کہ ہر جانے والا اپنی نظیر نہیں چھوڑتا۔ (اب حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ۱۵، ربیع الاوّل ۱۳۸۲ھ جمعرات کو وصال ہو گیا)۔

چھٹی چیز جس کا لحاظ روزہ دار کے لئے ضروری فرماتے ہیں یہ ہے کہ روزہ کے بعد اس سے ڈرتے رہنا بھی ضروری ہے کہ نا معلوم یہ روزہ قابلِ قبول ہے یا نہیں اور اسی طرح ہر عبادت کے ختم پر کہ نہ معلوم کوئی لغزش جس کی طرف اِلتفات بھی نہیں ہوتا ایسی تو نہیں ہوگئی جس کی وجہ سے یہ منہ پر مار دیا جائے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بہت سے قرآن پڑھنے والے ہیں کہ قرآن پاک ان کو لعنت کرتا رہتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت میں جن لوگوں کا اولین وہلہ میں فیصلہ ہوگا (ان کے) منجملہ ایک شہید ہوگا جس کو بُلایا جائے گا اور اللہ کے جو جو انعام دنیا میں اُس پر ہوئے تھے وہ اس کو جتائے جائیں گے۔ وہ ان سب نعمتوں کا اقرار کریگا، اس کے بعد اس سے پوچھا جائے گا کہ ان نعمتوں میں کیا حق ادائیگی کی؟ وہ عرض کرے گا کہ تیرے راستہ میں قِتال کیا حتی کہ شہید ہوگیا۔ ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے، بلکہ قتال اس لئے کیا تھا کہ لوگ بہادر کہیں، سو کہا جاچکا۔ اس کے بعد حکم ہوگا اور منہ کے بَل کھینچ کر جہنّم میں پھینک دیا جائے گا۔ ایسے ہی ایک عالم بلایا جائے گا، اس کو بھی اسی طرح سے اللہ کے انعامات جتلا کر پوچھا جائیگا کہ ان انعامات کے بدلے میں کیا کارگذاری ہے؟ وہ عرض کرے گا کہ علم سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور تیری رضا کی خاطر تلاوت کی۔ ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے، یہ اس لئے کیا گیا تھا کہ لوگ علاّمہ کہیں، سو کہا جاچکا۔ اس کو بھی حکم ہوگا اور منہ کے بل کھینچ کر جہنّم میں پھینک دیا جائے گا۔ اسی طرح ایک دولت مند بلایا جائے گا، اس سے انعاماتِ الٰہی شمار کرانے اور اقرار لینے کے بعد پوچھا جائے گا کہ اللہ کی ان نعمتوں میں کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا: کوئی خیر کا راستہ ایسا نہیں چھوڑا جس میں میں نے کچھ خرچ نہ کیا ہو۔ ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے۔ یہ اس لئے کیا گیا تھا کہ لوگ سخی کہیں، سو کہا جاچکا۔ اس کو بھی حکم ہوگا اور منہ کے بل کھینچ کر جہنّم میں پھینک دیا جائے گا۔ اللہ محفوظ فرمائیں کہ یہ سب بدنیتی کے ثمرات ہیں۔ اس قسم کے بہت سے واقعات احادیث میں مذکور ہیں اس لئے روزہ دار کو اپنی نیت کی حفاظت کے ساتھ اس سے خائف بھی رہنا چاہئے اور دعا بھی کرتے رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ شانہ اس کو اپنی رضا کا سبب بنالیں۔ مگر ساتھ ہی یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اپنے عمل کو قابلِ قبول نہ سمجھنا امرِ آخر، اور کریم آقا کے لطف پر نگاہ امرِ آخر ہے، اس کے لطف

کے انداز بالکل نرالے ہیں۔ معصیت پر بھی کبھی ثواب دیدیتے ہیں تو پھر کوتاہیٔ عمل کا کیا ذکر۔

خوبی ہمیں کرشمہ وناز وخرام نیست　　بسیار شیوہا است بتاں را کہ نام نیست

یہ چھ چیزیں عام صلحاء کے لئے ضروری بتلائی جاتی ہیں۔ خواص اور مقربین کے لئے ان کے ساتھ ایک ساتویں چیز کا بھی اضافہ کرتے ہیں کہ دل کو اللہ کے سوا کسی چیز کی طرف بھی متوجہ نہ ہونے دے، حتی کہ روزہ کی حالت میں اس کا خیال اور تدبیر کہ افطار کے لئے کوئی چیز ہے یا نہیں یہ بھی خطا فرماتے ہیں۔ بعض مشائخ نے لکھا ہے کہ روزہ میں شام کو افطار کے لئے کسی چیز کے حاصل کرنے کا قصد بھی خطا ہے، اس لئے کہ یہ اللہ کے وعدۂ رزق پر اعتماد کی کمی ہے۔ شرحِ احیاء میں بعض مشائخ کا قصہ لکھا ہے کہ اگر افطار کے وقت سے پہلے کوئی چیز کہیں سے آجاتی تھی تو اس کو کسی دوسرے کو دیدیتے تھے مبادا دل کو اس کی طرف التفات ہوجائے اور توکّل میں کسی قسم کی کمی ہوجائے۔ مگر یہ اُمور بڑے لوگوں کے لئے ہیں، ہم لوگوں کو ان امور کی ہوس کرنا بھی بے محل ہے اور اس حالت پر پہنچے بغیر اس کو اختیار کرنا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ مفسّرین نے لکھا ہے کہ "كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ" میں آدمی کے ہر جزو پر روزہ فرض کیا گیا ہے، پس زبان کا روزہ جھوٹ وغیرہ سے بچنا ہے اور کان کا روزہ ناجائز چیزوں کے سننے سے احتراز، آنکھ کا روزہ لہو ولعب کی چیزوں سے احتراز ہے اور ایسے ہی باقی اعضاء حتی کہ نفس کا روزہ حرص وشہوتوں سے بچنا، دل کا روزہ حُبِّ دنیا سے خالی رکھنا، روح کا روزہ آخرت کی لذتوں سے بھی اِحتراز اور سرِّ خاص کا روزہ غیر اللہ کے وجود سے بھی احتراز ہے۔

(۱۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ اَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ رُخْصَةٍ وَلَا مَرَضٍ، لَمْ يَقْضِهِ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ وَاِنْ صَامَهٗ.

(رواہ احمد والترمذی و ابو داود و ابن ماجة والدارمی والبخاری فی ترجمة باب، کذا فی المشکوٰة قلت: و بسط الکلام علی طرقه العینی فی شرح البخاری)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص (قصداً) بلا کسی شرعی عذر کے ایک دن بھی رمضان کے روزہ کو افطار کردے، غیر رمضان کا روزہ چاہے تمام عمر کے روزے رکھے اس کا بدل نہیں ہوسکتا۔

ف: بعض علماء کا مذہب جن میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ وغیرہ حضرات بھی ہیں، اس حدیث کی بناء پر یہ ہے کہ جس نے رمضانُ المبارک کے روزہ کو بلا وجہ کھودیا اس کی قضا ہو ہی نہیں سکتی، چاہے عمر بھر روزے رکھتا رہے، مگر جمہور فقہاء کے نزدیک اگر رمضان کا روزہ رکھا ہی نہیں تو ایک روزے کے بدلے ایک روزہ سے قضا ہو جائے گی اور اگر روزہ رکھ کر توڑ دیا تو قضا کے ایک روزہ کے علاوہ دو مہینہ کے روزہ کفارہ کے ادا کرنے سے فرض ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے، البتہ وہ برکت اور فضیلت جو رمضان المبارک کی ہے ہاتھ نہیں آسکتی، اور اس حدیث پاک کا مطلب یہی ہے کہ وہ برکت ہاتھ نہیں آسکتی جو رمضان شریف میں روزہ رکھنے سے حاصل ہوتی۔ یہ سب کچھ اس حالت میں ہے کہ بعد میں قضا بھی کرے اور اگر سرے سے رکھے ہی نہیں جیسا کہ اس زمانہ کے بعض فساق کی حالت ہے تو اُس کی گمراہی کا کیا پوچھنا۔ روزہ ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن ہے۔ نبیِ کریم ﷺ نے اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ارشاد فرمائی ہے: سب سے اول توحید و رسالت کا اقرار، اس کے بعد اسلام کے چاروں مشہور رکن نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج۔ کتنے مسلمان ہیں جو مردم شماری میں مسلمان شمار ہوتے ہیں، لیکن ان پانچوں میں سے ایک کے بھی کرنے والے نہیں۔ سرکاری کاغذات میں وہ مسلمان لکھے جائیں، مگر اللہ کی فہرست میں وہ مسلمان شمار نہیں ہو سکتے۔ حتی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ اسلام کی بنیاد تین چیز پر ہے: کلمۂ شہادت اور نماز، روزہ۔ جو شخص ان میں سے ایک بھی چھوڑ دے وہ کافر ہے، اس کا خون کر دینا حلال ہے۔ علماء نے ان جیسی روایات کو انکار کے ساتھ مقید کیا ہو یا کوئی تاویل فرمائی ہو، مگر اس سے انکار نہیں کہ نبیِ کریم ﷺ کے ارشادات ایسے لوگوں کے بارے میں سخت سے سخت وارد ہوئے ہیں۔ فرائض کے ادا کرنے میں کوتاہی کرنے والوں کو اللہ کے قہر سے بہت ہی زیادہ ڈرنے کی ضرورت ہے کہ موت سے کسی کو چارہ نہیں، دنیا کی عیش و عشرت بہت جلد چھوٹنے والی چیز ہے۔ کارآمد چیز صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ بہت سے جاہل تو اتنے ہی پر کفایت کرتے ہیں کہ روزہ نہیں رکھتے، لیکن بہت سے بددین زبان سے بھی اس قسم کے الفاظ بک دیتے ہیں کہ جو کفر تک پہنچا دیتے ہیں، مثلاً روزہ وہ رکھے جس کے گھر کھانے کو نہ

ہو یا ہمیں بھوکا مارنے سے اللہ کو کیا مل جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے الفاظ سے بہت ہی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

اور بہت غور و اہتمام سے ایک مسئلہ سمجھ لینا چاہئے کہ دین کی چھوٹی سے چھوٹی بات کا تمسخر اور مذاق اُڑانا بھی کفر کا سبب ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص عمر بھر نماز نہ پڑھے، کبھی بھی روزہ نہ رکھے۔ اسی طرح اور کوئی فرض ادا نہ کرے بشرطیکہ اس کا منکر نہ ہو وہ کافر نہیں۔ جس فرض کو ادا نہیں کرتا اُس کا گناہ ہوتا ہے اور جو اعمال ادا کرتا ہے ان کا اجر ملتا ہے، لیکن دین کی کسی ادنیٰ سے ادنیٰ بات کا تمسخر بھی کفر ہے جس سے اور بھی تمام عمر کے نماز روزہ نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں، یہ بہت زیادہ قابلِ لحاظ امر ہے، اس لئے روزہ کے متعلق بھی کوئی ایسا لفظ ہرگز نہ کہے، اور اگر تمسخر وغیرہ نہ کرے تب بھی بغیر عذر افطار کرنیوالا فاسق ہے، حتیٰ کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جو شخص رمضان میں علی الاِعلان بغیر عذر کے کھاوے اس کو قتل کیا جاوے، لیکن قتل پر اگر اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے قدرت نہ ہو کہ وہ کام امیرُ المومنین کا ہے تو اس فرض سے کوئی بھی سبکدوش نہیں کہ اس کی اس ناپاک حرکت پر اظہارِ نفرت کرے اور اس سے کم تو ایمان کا کوئی درجہ ہی نہیں کہ اس کو دل سے بُرا سمجھے۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے مطیع بندوں کے طفیل مجھے بھی نیک اعمال کی توفیق نصیب فرماویں کہ سب سے زیادہ کوتاہی کرنے والوں میں ہوں۔ فصل اول میں دس حدیثیں کافی سمجھتا ہوں کہ ماننے والے کے لئے ایک بھی کافی ہے، چہ جائیکہ "تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ" اور نہ ماننے والے کے لئے جتنا بھی لکھا جائے بیکار ہے۔ حق تعالیٰ شانہ سب مسلمانوں کو عمل کی توفیق نصیب فرماویں۔ آمین

☆☆☆☆☆☆

فصلِ ثانی

شبِ قدر کے بیان میں

رمضانُ المبارک کی راتوں میں سے ایک رات شبِ قدر کہلاتی ہے جو بہت ہی برکت اور خیر کی رات ہے۔ قرآنِ پاک میں اس کو ہزار مہینوں سے افضل بتلایا ہے۔ ہزار مہینے کے تراسی برس چار ماہ ہوتے ہیں۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو اس رات کی عبادت نصیب ہو جائے کہ جو شخص اس ایک رات کو عبادت میں گذار دے اس نے گویا تراسی برس چار ماہ سے زیادہ زمانہ کو عبادت میں گزار دیا اور اس زیادتی کا بھی حال معلوم نہیں کہ ہزار مہینے سے کتنے ماہ زیادہ افضل ہے۔ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا حقیقتاً بہت ہی بڑا انعام ہے کہ قدر دانوں کے لئے یہ ایک بے نہایت نعمت مرحمت فرمائی۔ دُرِّ منثور میں حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ شبِ قدر حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ نے میری اُمت کو مرحمت فرمائی ہے، پہلی اُمتوں کو نہیں ملی۔ اس بارے میں مختلف روایات ہیں کہ اس انعام کا سبب کیا ہوا، بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے پہلی اُمتوں کی عمروں کو دیکھا کہ بہت بہت ہوئی ہیں اور آپ کی اُمت کی عمریں بہت تھوڑی ہیں، اگر وہ نیک اعمال میں اُن کی برابری بھی کرنا چاہیں تو ناممکن۔ اس سے اللہ کے لاڈلے نبی کو رنج ہوا۔ اس کی تلافی میں یہ رات مرحمت ہوئی کہ اگر کسی خوش نصیب کو دس راتیں بھی نصیب ہو جاویں اور ان کو عبادت میں گزار دے تو گویا آٹھ سو تینتیس ۸۳۳ برس چار ماہ سے بھی زیادہ زمانہ کامل عبادت میں گزار دیا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبیِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ ایک ہزار مہینے تک اللہ کے راستہ میں جہاد کرتا رہا۔ صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ کو اس پر رشک آیا تو اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ وَعَمَّ نَوَالُہٗ نے اس کی تلافی کے لئے اس رات کا نزول فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے بنی اسرائیل کے چار حضرات کا ذکر فرمایا: حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت حزقیل علیہ السلام، حضرت یوشع علیہ السلام کہ اسی اسی ۸۰ برس تک اللہ کی عبادت میں مشغول رہے اور پل جھپکنے کے برابر بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی۔ اس پر

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حیرت ہوئی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضرِ خدمت ہوئے اور سورۃ القدر سنائی۔ اس کے علاوہ اور بھی روایات ہیں۔ اس قسم کے اختلافِ روایات کی اکثر وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایک ہی زمانہ میں جب مختلف واقعات کے بعد کوئی آیت نازل ہوتی ہے تو ہر واقعہ کی طرف نسبت ہو سکتی ہے۔ بہر حال سببِ نزول جو بھی کچھ ہوا ہو، لیکن اُمتِ محمدیہ کے لئے یہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا بہت ہی بڑا انعام ہے، یہ رات بھی اللہ ہی کا عطیہ ہے اور اس میں عمل بھی اسی کی توفیق سے میسّر ہوتا ہے ورنہ ؎

تہیدستان قسمت راچہ سُود از راہبرِ کامل کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

کس قدر قابلِ رشک ہیں وہ مشائخ جو فرماتے ہیں کہ بُلوغ کے بعد سے مجھ سے شبِ قدر کی عبادت کبھی فوت نہیں ہوئی۔ البتہ اس رات کی تعیین میں علماءِ امت کے درمیان میں بہت ہی کچھ اختلاف ہے، تقریباً پچاس کے قریب اقوال ہیں، سب کا احاطہ دشوار ہے، البتہ مشہور اقوال کا ذکر عنقریب آنے والا ہے۔ کتبِ احادیث میں اس رات کی فضیلت مختلف انواع اور متعدد روایات سے وارد ہوئی ہے جن میں سے بعض کا ذکر آتا ہے، مگر چونکہ اس رات کی فضیلت خود قرآن پاک میں بھی مذکور ہے اور مستقل ایک سورۃ اس کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس لئے مناسب ہے کہ اول اس سورۃ شریفہ کی تفسیر لکھ دی جائے۔ ترجمہ حضرت اقدس حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ کی تفسیر بیان القرآن سے ماخوذ ہے اور فوائد دوسری کتب سے۔ "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ o" "بیشک ہم نے قرآن پاک کو شبِ قدر میں اُتارا ہے"۔

ف: یعنی قرآن پاک لوحِ محفوظ سے آسمان دنیا پر اسی رات میں اُترا ہے۔ یہ ہی ایک بات اس رات کی فضیلت کے لئے کافی تھی کہ قرآنِ پاک جیسی عظمت والی چیز اس میں نازل ہوئی، چہ جائیکہ اُس میں اور بہت سے برکات و فضائل شامل ہو گئے ہوں۔ آگے زیادتیٔ شوق کے لئے ارشاد فرماتے ہیں "وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ o" "آپ کو کچھ معلوم بھی ہے کہ شبِ قدر کیسی بڑی چیز ہے"۔ یعنی اس رات کی بڑائی اور فضیلت کا آپ کو علم بھی ہے کہ کتنی خوبیاں اور کس قدر فضائل اس میں ہیں، اس کے بعد چند فضائل کا ذکر فرماتے ہیں۔ "لَيْلَةُ الْقَدْرِ

خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ○" شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ یعنی ہزار مہینہ تک عبادت کرنے کا جس قدر ثواب ہے اُس سے زیادہ شبِ قدر میں عبادت کرنے کا ثواب ہے اور اس زیادتی کا علم بھی نہیں کہ کتنی زیادہ ہے" تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ" اس رات میں فرشتے اُترتے ہیں۔ علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ملائکہ نے جب ابتدا میں تجھے دیکھا تھا تو تجھ سے نفرت ظاہر کی تھی اور بارگاہِ عالی میں عرض کیا تھا کہ ایسی چیز کو آپ پیدا فرماتے ہیں جو دنیا میں فساد کرے اور خون بہاوے، اس کے بعد والدین نے جب تجھے اول دیکھا تھا جب کہ تو منی کا قطرہ تھا تو تجھ سے نفرت کی تھی۔ حتی کہ کپڑے کو اگر لگ جاتا تو کپڑے کو دھونے کی نوبت آتی، لیکن جب حق تعالیٰ شانہ نے اس قطرہ کو بہتر صورت مرحمت فرمادی تو والدین کو بھی شفقت اور پیار کی نوبت آئی اور آج جب کہ توفیق الٰہی سے تو شب قدر میں معرفتِ الٰہی اور طاعت ربانی میں مشغول ہے تو ملائکہ بھی اپنے اس فقرہ کی معذرت کرنے کے لئے اُترتے ہیں۔

"وَالرُّوْحُ فِيْهَا" اور اس رات میں رُوحُ القُدس یعنی حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی نازل ہوتے ہیں۔ روح کے معنی میں مفسّرین کے چند قول ہیں: جمہور کا یہی قول ہے جو اوپر لکھا گیا کہ اس سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں۔ علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہی قول زیادہ صحیح ہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی افضلیت کی وجہ سے ملائکہ کے ذکر کے بعد خاص طور سے ان کا ذکر فرمایا۔ بعض کا قول ہے کہ روح سے مراد ایک بہت بڑا فرشتہ ہے کہ تمام آسمان و زمین اس کے سامنے ایک لقمہ کے بقدر ہیں۔ بعضوں کا قول ہے کہ اس سے مراد فرشتوں کی ایک مخصوص جماعت ہے جو اور فرشتوں کو بھی صرف لیلۃُ القدر ہی میں نظر آتے ہیں۔ چوتھا قول یہ ہے کہ یہ اللہ کی کوئی مخصوص مخلوق ہے جو کھاتے پیتے ہیں، مگر نہ فرشتے ہیں نہ انسان۔ پانچواں یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں جو اُمتِ محمدیہ کے کارنامے دیکھنے کے لئے ملائکہ کے ساتھ اُترتے ہیں۔ چھٹا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے، یعنی اس رات میں ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور ان کے بعد میری رحمت خاص نازل ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی چند اقوال ہیں، مگر مشہور قول پہلا ہی ہے۔ "سُنَنِ بیہقی" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے واسطے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ شبِ قدر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے

ایک گروہ کے ساتھ اترتے ہیں اور جس شخص کو ذکر وغیرہ میں مشغول دیکھتے ہیں اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ "بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ" اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امرِ خیر کو لے کر زمین کی طرف اُترتے ہیں۔ مظاہرِ حق میں لکھا ہے کہ اسی رات میں ملائکہ کی پیدائش ہوئی اور اسی رات میں آدم علیہ السلام کا مادّہ جمع ہونا شروع ہوا۔ اسی رات میں جنّت میں درخت لگائے گئے اور دُعا وغیرہ کا قبول ہونا تو بکثرت روایات میں وارد ہے۔ دُرِّ منثور کی ایک روایت میں ہے کہ اسی رات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اُٹھائے گئے اور اسی رات میں بنی اسرائیل کی توبہ قبول ہوئی۔ "سَلٰمٌ" وہ رات سراپا سلام ہے یعنی تمام رات ملائکہ کی طرف سے مومنین پر سلام ہوتا رہتا ہے کہ ایک فوج آتی ہے دوسری جاتی ہے، جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح ہے یا یہ مراد ہے کہ یہ رات سراپا سلامتی ہے، شر و فساد وغیرہ سے امن ہے۔ "هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝" وہ رات (ان ہی برکات کے ساتھ) طلوعِ فجر تک رہتی ہے۔ یہ نہیں کہ رات کے کسی خاص حصہ میں یہ برکت ہو، اور کسی میں نہ ہو بلکہ صبح ہونے تک ان برکات کا ظہور رہتا ہے۔ اس سورۃ شریفہ کے ذکر کے بعد کہ خود اللہ جل جلالہٗ کے کلام پاک میں اس رات کی کئی نوع کی فضیلتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ احادیث کے ذکر کی ضرورت نہیں رہتی، لیکن احادیث میں بھی اس کی فضیلت بکثرت وارد ہوئی ہے۔ اُن میں سے چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ. (كذا فى الترغيب عن البخارى ومسلم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص لَيْلَةُ الْقَدْر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے (عبادت کے لئے) کھڑا ہو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

ف: کھڑا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھے اور اسی حکم میں یہ بھی ہے کہ کسی اور عبادت تلاوت اور ذکر وغیرہ میں مشغول ہو اور ثواب کی اُمید رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ریا وغیرہ کسی بدنیتی سے کھڑا نہ ہو، بلکہ اخلاص کے ساتھ محض اللہ کی رضا اور ثواب کے حصول کی نیت سے کھڑا ہو۔ خطّابی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ثواب کا یقین کر کے بشاشتِ قلب سے کھڑا ہو، بوجھ سمجھ کر بددلی کے ساتھ نہیں، اور کھلی ہوئی بات ہے کہ جس قدر

ثواب کا یقین اور اعتقاد زیادہ ہوگا اتنا ہی عبادت میں مَشَقَّت کا برداشت کرنا سہل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص قُربِ الٰہی میں جس قدر ترقی کرتا جاتا ہے عبادت میں انہماک زیادہ ہوتا رہتا ہے، نیز یہ معلوم ہو جانا بھی ضروری ہے کہ حدیثِ بالا اور اُس جیسی احادیث میں گناہوں سے مراد علماء کے نزدیک صغیرہ گناہ ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ قرآنِ پاک میں جہاں کبیرہ گناہوں کا ذکر آتا ہے ان کو "اِلَّا مَنْ تَابَ" کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اسی بناء پر علما کا اجماع ہے کہ کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا۔ پس جہاں احادیث میں گناہوں کے معاف ہونے کا ذکر آتا ہے علماء اُس کو صغائر کے ساتھ مقیّد فرمایا کرتے ہیں۔ میرے والد صاحب نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ وَبَرَّدَ مَضْجَعَہٗ کا ارشاد ہے کہ احادیث میں صغائر کی قید دو وجہ سے مذکور نہیں ہوتی، اول تو یہ کہ مسلمان کی شان یہ ہے ہی نہیں کہ اس کے ذمہ کبیرہ گناہ ہو، کیونکہ جب کبیرہ گناہ اس سے صادر ہو جاتا ہے تو مسلمان کی اصل شان یہ ہے کہ اس کو اُس وقت تک چین ہی نہ آوے جب تک کہ اس گناہ سے توبہ نہ کر لے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب اس قسم کے مواقع ہوتے ہیں مثلاً لیلۃُ القدر ہی میں جب کوئی شخص بامیدِ ثواب عبادت کرتا ہے تو اپنی بداعمالیوں پر ندامت اس کے لئے گویا لازم ہے اور ہو ہی جاتی ہے۔ اس لئے توبہ کا تحقُّق خود بخود ہو جاتا ہے کہ توبہ کی حقیقت گذشتہ پر ندامت اور آئندہ کو نہ کرنے کا عزم ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص کبائر کا مُرتکب بھی ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ لیلۃُ القدر ہو یا کوئی اور اِجابت کا موقع ہو اپنی بداعمالیوں سے سچّے دل سے پختگی کے ساتھ دل و زبان سے توبہ بھی کر لے تا کہ اللہ کی رحمتِ کاملہ متوجہ ہو اور صغیرہ کبیرہ سب طرح کے گناہ معاف ہو جاویں اور یاد آ جاوے تو اس سیہ کار کو بھی اپنی مخلصانہ دُعاؤں میں یاد فرمالیں۔

(۲) عَنْ اَنَسٍ ﷺ قَالَ: دَخَلَ رَمَضَانُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ ھٰذَا الشَّھْرَ قَدْ حَضَرَکُمْ، وَفِیْہِ لَیْلَۃٌ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ، مَنْ حُرِمَھَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَیْرَ کُلَّہٗ، وَلَایُحْرَمُ خَیْرَھَا اِلَّا مَحْرُوْمٌ. (رواہ ابن

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رمضانُ المبارک کا مہینہ آیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمھارے اُوپر ایک مہینہ آیا ہے جس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ جو شخص اس رات سے

ماجة واسناده حسن ان شاء الله، كذا فى الترغيب وفى المشكوة عنه الا كل محروم)

محروم رہ گیا گویا ساری خیر سے محروم رہ گیا اور اس کی بھلائی سے محروم نہیں رہتا، مگر وہ شخص جو حقیقۃً محروم ہی ہے۔

ف: حقیقتاً اسکی محرومی میں کیا تأمل ہے جو اس قدر بڑی نعمت کو ہاتھ سے کھودے۔ ریلوے ملازم چند کوڑیوں کی خاطر رات رات بھر جاگتے ہیں اگر اسی۸۰ برس کی عبادت کی خاطر کوئی ایک مہینہ تک رات میں جاگ لے تو کیا دِقت ہے۔ اصل یہ ہے کہ دل میں تڑپ ہی نہیں اور اگر ذرا سا چسکہ پڑ جائے تو پھر ایک رات کیا، سینکڑوں راتیں جاگی جاسکتی ہیں۔

الفت میں برابر ہے وفا ہو کہ جفا ہو ہر چیز میں لذت ہے اگر دل میں مزا ہو

آخر کوئی بات تو تھی کہ نبیِ کریم ﷺ باوجود ساری بشارتوں اور وعدوں کے جن کا آپ کو یقین تھا، پھر اتنی لمبی نماز پڑھتے تھے کہ پاؤں ورم کر جاتے تھے۔ انہی کے نام لیوا اور اُمتی آخر ہم بھی کہلاتے ہیں۔ ہاں جن لوگوں نے اُن امور کی قدر کی وہ سب کچھ کر گئے اور نمونہ بن کر امت کو دکھلا گئے۔ کہنے والوں کو یہ موقع بھی نہیں رہا کہ حضور ﷺ کی حرص کون کرسکتا ہے اور کس سے ہوسکتی ہے۔ دل میں سما جانے کی بات ہے کہ چاہنے والے کے لئے دودھ کی نہر پہاڑ سے کھودنی بھی مشکل نہیں ہوتی، مگر یہ بات کسی کی جوتیاں سیدھی کئے بغیر مشکل سے حاصل ہوتی ہے۔

تمنا دردِ دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

آخر کیا بات تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عشاء کی نماز کے بعد گھر میں تشریف لے جاتے اور صبح تک نماز میں گزار دیتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دن بھر روزہ رکھتے اور رات بھر نماز میں گزار دیتے، صرف رات کے اوّل حصہ میں تھوڑا سا سوتے تھے، رات کی ایک ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھ لیتے تھے۔ شرحِ احیاء میں ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ چالیس تابعین سے بطریق تواتر یہ بات ثابت ہے کہ وہ عشاء کے وضو سے نماز صبح پڑھتے تھے۔ حضرت شدّاد رحمۃ اللہ علیہ رات کو لیٹتے اور تمام رات کروٹیں بدل کر صبح کر دیتے اور کہتے:

یااللہ! آگ کے ڈر نے میری نیند اُڑا دی۔ اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ رمضان میں مغرب عشاء کے درمیان تھوڑی دیر سوتے اور بس۔

سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق منقول ہے کہ پچاس برس تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی۔ صِلہ بن اَشیم رحمۃ اللہ علیہ رات بھر نماز پڑھتے اور صبح کو یہ دُعا کرتے کہ یااللہ! میں اس قابل تو نہیں ہوں کہ جنّت مانگوں، صرف اتنی درخواست ہے کہ آگ سے بچا دیجیو۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ تمام رمضان تو ہر تین رات میں ایک قرآن ختم فرماتے، مگر عشرۂ اخیر میں ہر رات میں ایک قرآن شریف ختم کرتے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھنا اتنا مشہور و معروف ہے کہ اس سے انکار تاریخ کے اعتماد کو ہٹاتا ہے۔ جب اُن سے پوچھا گیا کہ آپ کو یہ قوت کس طرح حاصل ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے اللہ کے ناموں کے طفیل ایک مخصوص طریق پر دُعا کی تھی، صرف دو پہر کو تھوڑی دیر سوتے اور فرماتے کہ حدیث میں قیلولہ کا ارشاد ہے، گویا دوپہر کے سونے میں بھی اتباعِ سنت کا ارادہ ہوتا۔ قرآن شریف پڑھتے ہوئے اتنا روتے کہ پڑوسیوں کو ترس آنے لگتا تھا۔ ایک مرتبہ ساری رات اس آیت کو پڑھتے اور روتے گزار دی "بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ" الخ (القمر:۴۶) ابراہیم بن اَدہم رحمۃ اللہ علیہ رمضانُ المبارک میں نہ تو دن کو سوتے اور نہ رات کو۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ رمضانُ المبارک میں دن رات کی نمازوں میں ساٹھ قرآن شریف ختم کرتے، اور اِن کے علاوہ سینکڑوں کے واقعات ہیں جنہوں نے "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ" پر عمل کر کے بتلا دیا کہ کرنے والے کے لئے کچھ مشکل نہیں۔ یہ سلف کے واقعات ہیں، اب بھی کرنے والے موجود ہیں، اس درجہ کا مجاہدہ نہ سہی، مگر اپنے زمانے کے موافق اپنی طاقت و قدرت کے موافق نمونۂ سلف اب بھی موجود ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا اقتدا کرنے والے اس دورِ فساد میں بھی موجود ہیں۔ نہ راحت و آرام انہماکِ عبادت سے مانع ہوتا ہے، نہ دنیوی مشاغل سدِّراہ ہوتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے: اے ابن آدم! تو میری عبادت کے لئے فارغ ہو جا، میں تیرے سینے کو غنا سے بھر دونگا اور تیرے فقر کو بند کر دوں گا، ورنہ تیرے سینہ کو

مشاغل سے بھر دوں گا اور فقر زائل نہیں ہوگا۔ روز مرہ کے مشاہدات اس سچے ارشاد کے شاہدِ عدل ہیں۔

(۳) عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ نَزَلَ جِبْرَئِيْلُ فِيْ كَبْكَبَةٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ، يُصَلُّوْنَ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ اَوْ قَاعِدٍ، يَذْكُرُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ، فَاِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدِهِمْ يعنى يَوْمَ فِطْرِهِمْ، بَاهٰى بِهِمْ مَلَائِكَتَهٗ، فَقَالَ: يَا مَلَائِكَتِيْ! مَاجَزَاءُ اَجِيْرٍ وَّفّٰى عَمَلَهٗ؟ قَالُوْا: رَبَّنَا جَزَاؤُهٗ اَنْ يُّوَفّٰى اَجْرَهٗ[1] قَالَ: مَلَائِكَتِيْ! عَبِيْدِيْ وَاِمَائِيْ قَضَوْا فَرِيْضَتِيْ عَلَيْهِمْ، ثُمَّ خَرَجُوْا يَعُجُّوْنَ اِلَى الدُّعَآءِ، وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ وَكَرَمِيْ وَعُلُوِّيْ وَارْتِفَاعِ مَكَانِيْ! لَاُجِيْبَنَّهُمْ، فَيَقُوْلُ: ارْجِعُوْا فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ وَبَدَّلْتُ سَيِّاٰتِكُمْ حَسَنَاتٍ، قَالَ: فَيَرْجِعُوْنَ مَغْفُوْرًا لَّهُمْ. (رواه البيهقي في شعب الايمان، كذافي المشكوٰة)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ شبِ قدر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام ملائکہ کی ایک جماعت کے ساتھ آتے ہیں اور اُس شخص کے لئے جو کھڑے یا بیٹھے اللہ کا ذکر کر رہا ہے (اور عبادت میں مشغول ہے) دعائے رحمت کرتے ہیں اور جب عیدُ الفطر کا دن ہوتا ہے تو حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ اپنے فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں کی عبادت پر فخر فرماتے ہیں۔ (اس لئے کہ انہوں نے آدمیوں پر طعن کیا تھا) اور اُن سے دریافت فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! اس مزدور کا جو اپنی خدمت پوری پوری ادا کر دے کیا بدلہ ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اُس کی اُجرت پوری دیدی جائے تو ارشاد ہوتا ہے کہ فرشتو! میرے غلاموں اور باندیوں نے میرے فریضے کو پورا کر دیا، پھر دُعا کے ساتھ چلاّتے ہوئے (عیدگاہ کی طرف) نکلے ہیں، میری عزت کی قسم! میرے جلال کی قسم! میری بخشش کی قسم! میرے عُلوِ شان کی قسم! میرے بلندیٔ مرتبہ کی قسم! میں اُن لوگوں کی دُعا ضرور قبول کروں گا۔ پھر اُن لوگوں کو خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ جاؤ، تمہارے گناہ معاف کر دیئے ہیں

---

[1] بالنصب وقيل بالرفع، كذافي المرقاة

اور تمہاری بُرائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا ہے۔ پس یہ لوگ عیدگاہ سے ایسے حال میں لوٹتے ہیں کہ اُن کے گناہ معاف ہو چکے ہوتے ہیں۔

ف: حضرت جبرئیل علیہ السلام کا ملائکہ کے ساتھ آنا خود قرآن پاک میں بھی مذکور ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا اور بہت سی احادیث میں بھی اس کی تصریح ہے۔ رسالہ کی سب سے اخیر حدیث میں اس کا مُفَصَّل ذکر آ رہا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تمام فرشتوں کو تقاضا فرماتے ہیں کہ ہر ذاکر و شاغل کے گھر جاویں اور اُن سے مصافحہ کریں۔ ''غالیۃ المواعظ'' میں حضرت اقدس شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ''غُنیۃ'' سے نقل کیا ہے کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ فرشتے حضرت جبرئیل کے کہنے سے متفرق ہو جاتے ہیں اور کوئی گھر چھوٹا بڑا جنگل یا کشتی ایسی نہیں ہوتی جس میں کوئی مومن ہو اور وہ فرشتے مصافحہ کرنے کے لئے وہاں نہ جاتے ہوں، لیکن اُس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا سور یا حرام کاری کی وجہ سے جنبی یا تصویر ہو۔ مسلمانوں کے کتنے گھر ایسے ہیں جن میں خیالی زینت کی خاطر تصویریں لٹکائی جاتی ہیں اور اللہ کی اتنی بڑی نعمتِ رحمت سے اپنے ہاتھوں اپنے کو محروم کرتے ہیں۔ تصویر لٹکانے والا ایک آدھ ہوتا ہے، مگر اُس گھر میں رحمت کے فرشتوں کے داخل ہونے سے روکنے کا سبب بن کر سارے ہی گھر کو اپنے ساتھ محروم رکھتا ہے۔

(۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ. (مشكوة عن البخاري)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبیِ کریم ﷺ سے نقل فرماتی ہیں کہ لیلۃ القدر کو رمضان کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کیا کرو۔

ف: جمہور علماء کے نزدیک اخیر عشرہ اکیسویں رات سے شروع ہوتا ہے عام ہے کہ مہینہ ۲۹ کا ہو یا ۳۰ کا۔ اس حساب سے حدیث بالا کے مطابق شب قدر کی تلاش ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ راتوں میں کرنا چاہئے، اگر مہینہ ۲۹ کا ہو تب بھی اخیر عشرہ یہی کہلاتا ہے۔ مگر ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ عشرہ کے معنی دس کے ہیں، لہٰذا اگر تیس ۳۰ کا چاند رمضان المبارک کا ہو تب تو یہ ہے، لیکن ۲۹ کا چاند ہو تو اس صورت میں اخیر عشرہ بیسویں شب

سے شروع ہوتا ہے اور اس صورت میں وتر راتیں یہ ہونگی: ۲۰، ۲۲، ۲۴، ۲۶، ۲۸ لیکن نبی کریم ﷺ لیلۃ القدر ہی کی تلاش میں رمضان المبارک کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور وہ بالاتفاق اکیسویں شب سے شروع ہوتا تھا۔ اس لئے بھی جمہور کا قول اکیسویں رات سے طاق راتوں میں قوی احتمال ہے زیادہ راجح ہے۔ اگرچہ احتمال اور راتوں میں بھی ہے اور دونوں قولوں پر تلاش جب ممکن ہے کہ بیسویں شب سے لے کر عید کی رات تک ہر رات میں جاگتا رہے اور شب قدر کی فکر میں لگا رہے۔ دس گیارہ راتیں کوئی ایسی اہم یا مشکل چیز نہیں جن کو جاگ کر گذار دینا اس شخص کے لئے کچھ مشکل ہو جو ثواب کی اُمید رکھتا ہو ؎

عُرفی اگر بگریہ مُیسر شدے وصال صد سال میتواں بہ تمنا گریستن

(۵) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ لِيُخْبِرَنَا بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ، فَتَلَاحَى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، فَقَالَ: خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ، فَتَلَاحَى فُلَانٌ وَّفُلَانٌ فَرُفِعَتْ، وَعَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ خَيْرًا لَّكُمْ، فَالْتَمِسُوْهَا فِي التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ. (مشکوٰۃ عن البخاری)

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اس لئے باہر تشریف لائے تا کہ ہمیں شب قدر کی اطلاع فرما دیں، مگر دو مسلمانوں میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس لئے آیا تھا کہ تمھیں شب قدر کی خبر دوں، مگر فلاں فلاں شخصوں میں جھگڑا ہو رہا تھا کہ جس کی وجہ سے اس کی تعیین اٹھالی گئی، کیا بعید ہے کہ یہ اُٹھا لینا اللہ کے علم میں بہتر ہو لہٰذا اس رات کو نویں اور ساتویں اور پانچویں رات میں تلاش کرو۔

ف: اس حدیث میں تین مضمون قابلِ غور ہیں: امرِ اول جو سب سے اہم ہے وہ جھگڑا ہے جو اس قدر سخت بُری چیز ہے کہ اس کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے شبِ قدر کی تعیین اُٹھا لی گئی اور صرف یہی نہیں بلکہ جھگڑا ہمیشہ برکات سے محرومی کا سبب ہوا کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تمہیں نماز، روزہ، صدقہ وغیرہ سب سے افضل چیز بتلاؤں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ضرور۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ آپس کا سلوک سب سے افضل ہے اور آپس کی لڑائی دین کو مونڈنے والی ہے، یعنی استرے سے سر کے بال ایک دم صاف ہو جاتے ہیں،

آپس کی لڑائی سے دین بھی اسی طرح صاف ہو جاتا ہے۔ دُنیادار دین سے بے خبر لوگوں کا کیا ذکر، جبکہ بہت سی لمبی لمبی تسبیحیں پڑھنے والے دین کے دعویدار بھی ہر وقت آپس کی لڑائی میں مبتلا رہتے ہیں۔ اول حضور ﷺ کے ارشاد کو غور سے دیکھیں اور پھر اپنے اس دین کی فکر کریں جس کے گھمنڈ میں صلح کے لئے جھکنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ فصلِ اول میں روزہ کے آداب میں گزر چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کی آبروریزی کو بدترین سود اور خبیث ترین سود ارشاد فرمایا ہے، لیکن ہم لوگ لڑائی کے زور میں نہ مسلمان کی آبرو کی پروا کرتے ہیں اور نہ اللہ اور اُس کے سچے رسول ﷺ کے ارشادات کا خیال۔ خود اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا ارشاد ہے "وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا" الآیۃ اور نزاع مت کرو، ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی[1]۔ آج وہ لوگ جو ہر وقت دوسروں کا وقار گھٹانے کی فکر میں رہتے ہیں تنہائی میں بیٹھ کر غور کریں کہ خود وہ اپنے وقار کو کتنا صدمہ پہنچا رہے ہیں اور اپنی ان ناپاک اور کمینہ حرکتوں سے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کتنے ذلیل ہو رہے ہیں اور پھر دُنیا کی ذلت بدیہی۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ چھوٹ چھٹاؤ رکھے اگر اس حالت میں مر گیا تو سیدھا جہنم میں جاوے گا۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ہر پیر و جمعرات کے دن اللہ کی حضوری میں بندوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی رحمت سے (نیک اعمال کی بدولت) مشرکوں کے علاوہ اوروں کی مغفرت ہوتی رہتی ہے، مگر جن دو میں جھگڑا ہوتا ہے ان کی مغفرت کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ ان کو چھوڑے رکھو جب تک صلح نہ ہو۔

ایک حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ ہر پیر جمعرات کو اعمال کی پیشی ہوتی ہے۔ اس میں توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول ہوتی ہے اور استغفار کرنے والوں کی استغفار قبول کی جاتی ہے مگر آپس میں لڑنے والوں کو اُن کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ شب برأت میں اللہ کی رحمت عامہ خلقت کی طرف متوجہ ہوتی ہے (اور ذرا ذرا سے بہانہ سے) مخلوق کی مغفرت فرمائی جاتی ہے، مگر دو شخصوں کی مغفرت نہیں ہوتی: ایک کافر، دوسرا جو کسی سے کینہ رکھے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ تین شخص ہیں جن کی نماز قبولیت کے لئے ان

[1] بیان القرآن

کے سر سے ایک بالشت بھی اوپر نہیں جاتی، جن میں آپس کے لڑنے والے بھی فرمائے ہیں۔ یہ جگہ ان روایات کے احاطہ کی نہیں، مگر چند روایات اس لئے لکھ دی ہیں کہ ہم لوگوں میں عوام کا ذکر نہیں خواص میں اور ان لوگوں میں جو شرفاء کہلاتے ہیں، دیندار سمجھے جاتے ہیں، اُن کی مجالس، اُن کے مجامع اُن کی تقریبات، اس کمینہ حرکت سے لبریز ہیں۔ فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ. لیکن ان سب کے بعد یہ بھی معلوم ہونا ضروری ہے کہ یہ سب دنیوی دشمنی اور عداوت پر ہے۔ اگر کسی شخص کے فسق کی وجہ سے یا کسی دینی امر کی حمایت کی وجہ سے ترک تعلق کرے تو جائز ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرمایا تو اُن کے بیٹے نے اس پر ایسا لفظ کہہ دیا جو صورتاً حدیث پر اعتراض تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ مرنے تک اُن سے نہیں بولے۔ اور بھی اس قسم کے واقعات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ثابت ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ شانہ دانا و بینا ہیں، قلوب کے حال کو اچھی طرح جاننے والے ہیں، اس سے خوب واقف ہیں کہ کون سا ترک تعلق دین کی خاطر ہے اور کون سا اپنی وجاہت اور کسرِ شان اور بڑائی کی وجہ سے ہے۔ ویسے تو ہر شخص اپنے کینہ اور بغض کو دین کی طرف منسوب کر ہی سکتا ہے۔

دوسرا امر جو حدیثِ بالا میں معلوم ہوتا ہے وہ حکمتِ الٰہی کے سامنے رضا اور قبول و تسلیم ہے۔ کہ باوجود اس کے کہ شب قدر کی تعیین کا اُٹھ جانا صورتاً بہت ہی بڑی خیر کا اُٹھ جانا تھا، لیکن چونکہ اللہ کی طرف سے ہے، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شاید ہمارے لئے یہی بہتر ہو۔ نہایت عبرت اور غور کا مقام ہے۔ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی رحیم و کریم ذات بندہ پر ہر وقت مہربان ہے۔ اگر بندہ اپنی بداعمالی سے کسی مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے تب بھی اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی طرف سے تھوڑی سی توجہ اور اقرار عجز کے بعد اللہ کا کرم شاملِ حال ہو جاتا ہے اور وہ مصیبت بھی کسی بڑی خیر کا سبب بنا دیجاتی ہے اور اللہ کے لئے کوئی چیز مشکل نہیں۔ چنانچہ علماء نے اُس کے اِخفاء میں بھی چند مصالح ارشاد فرمائے ہیں: اول یہ کہ اگر تعیین باقی رہتی تو بہت سی کوتاہ طبائع ایسی ہوتیں کہ اور راتوں کا اہتمام بالکل ترک کر دیتیں اور اس صورتِ موجودہ میں اس احتمال پر کہ آج ہی شاید شب قدر ہو متعدد راتوں میں عبادت کی توفیق، طلب والوں

کونصیب ہو جاتی ہے۔ دوسری یہ کہ بہت سے لوگ ہیں کہ معاصی کئے بغیر اُن سے رہا ہی نہیں جاتا۔ تعیین کی صورت میں اگر باوجود معلوم ہونے کے اس رات میں معصیت کی جرأت کی جاتی تو سخت اندیشہ ناک تھا۔ نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لائے، ایک صحابی رضی اللہ عنہ سو رہے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ سے ارشاد فرمایا کہ ان کو جگادو تا کہ وضو کرلیں۔ حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ نے جگا تو دیا، مگر حضور ﷺ سے پوچھا کہ آپ تو خیر کی طرف بہت تیزی سے چلنے والے ہیں، آپ نے خود کیوں نہ جگادیا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: مبادا انکار کر بیٹھتا اور میرے کہنے پر انکار کفر ہو جاتا، تیرے کہنے سے انکار پر کفر نہیں ہوگا۔ تو اسی طرح حق سبحانہ وتقدس کی رحمت نے گوارا نہ فرمایا کہ اس عظمت والی رات کے معلوم ہونے کے بعد کوئی گناہ پر جرأت کرے۔

تیسری یہ کہ تعیین کی صورت میں اگر کسی شخص سے وہ رات اتفاقاً چھوٹ جاتی تو آئندہ راتوں میں افسردگی وغیرہ کی وجہ سے پھر کسی رات کا بھی جاگنا نصیب نہ ہوتا اور اب رمضان کی ایک دو رات تو کم از کم ہر شخص کو میسر ہو ہی جاتی ہیں۔ چوتھی یہ کہ جتنی راتیں طلب میں خرچ ہوتی ہیں اُن سب کا مستقل ثواب علیحدہ ملے گا۔ پانچویں یہ کہ رمضان کی عبادت میں حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ ملائکہ پر تفاخر فرماتے ہیں جیسا کہ پہلی روایات میں معلوم ہو چکا۔ اس صورت میں تفاخر کا زیادہ موقع ہے کہ بندے باوجود معلوم نہ ہونے کے محض احتمال اور خیال پر رات رات بھر جاگتے ہیں اور عبادت میں مشغول رہتے ہیں کہ جب احتمال پر اس قدر کوشش کر رہے ہیں اگر بتلا دیا جاتا کہ یہی رات شب قدر ہے تو پھر ان کی کوششوں کا کیا حال ہوتا۔ ان کے علاوہ اور بھی مصالح ہو سکتی ہیں۔ ایسے امور کی وجہ سے عادۃً اللہ یہ جاری ہے کہ اس نوع کی اہم چیزوں کو مخفی فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ اسمِ اعظم کو مخفی فرما دیا۔ اسی طرح جمعہ کے دن ایک وقت خاص مقبولیتِ دُعا کا ہے، اس کو بھی مخفی فرما دیا۔ ایسے ہی اور بھی بہت سی چیزیں اس میں شامل ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ جھگڑے کی وجہ سے اس خاص رمضانُ المبارک میں تعیین بھلا دی گئی ہو اور اس کے بعد دیگر مصالح مذکورہ کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے تعیین ہٹا دی گئی ہو۔

تیسری بات جو اس حدیث پاک میں وارد ہے وہ شب قدر کی تلاش کے لئے تین راتیں ارشاد فرمائی ہیں: نویں، ساتویں، پانچویں۔ دوسری روایات کے ملانے سے اتنا تو محقق ہے کہ یہ تینوں راتیں اخیر عشرہ کی ہیں، لیکن اس کے بعد پھر چند احتمال ہیں کہ عشرہ میں اگر اول سے شمار کیا جائے تو حدیث کا محمل ۲۹، ۲۷، ۲۵ رات ہوتی ہے اور اگر اخیر سے شمار کیا جائے جیسا کہ بعض الفاظ سے مُترَجّح ہے تو پھر ۲۹ کے چاند کی صورت میں ۲۱، ۲۳، ۲۵۔ اور ۳۰ کے چاند کی صورت میں ۲۲، ۲۴، ۲۶ ہے۔ اس کے علاوہ بھی تعیین میں روایات بہت مختلف ہیں اور اسی وجہ سے علماء کے درمیان میں اس کے بارے میں بہت کچھ اختلاف ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ پچاس کے قریب علماء کے اقوال ہیں۔

روایات کے بکثرت اختلاف کی وجہ محققین کے نزدیک یہ ہے کہ یہ رات کسی تاریخ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ مختلف سالوں میں مختلف راتوں میں ہوتی ہے، جس کی وجہ سے روایات مختلف ہیں کہ ہر سال نبی کریم ﷺ نے اس سال کے متعلق مختلف راتوں میں تلاش کا حکم فرمایا اور بعض سالوں میں متعین طور سے بھی ارشاد فرمایا۔ چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ کی مجلس میں ایک مرتبہ شب قدر کا ذکر آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج کونسی تاریخ ہے؟ عرض کیا گیا کہ ۲۲ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ آج ہی رات کی میں تلاش کرو۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ شبِ قدر نبی کے زمانہ کے ساتھ خاص رہتی ہے یا بعد میں بھی ہوتی ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت تک رہے گی۔ میں نے عرض کیا کہ رمضان کے کس حصہ میں ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عشرۂ اوّل اور عشرۂ آخر میں تلاش کرو۔ پھر حضور ﷺ اور باتوں میں مشغول ہو گئے تو میں نے موقع پا کر عرض کیا: اجی! یہ تو بتلا ہی دیجئے کہ عشرہ کے کون سے حصہ میں ہوتی ہے۔ حضور ﷺ اتنے ناراض ہوئے کہ نہ اس سے قبل مجھ پر اتنے خفا ہوئے تھے نہ بعد میں، اور فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ شانہ کا یہ مقصود ہوتا تو بتلا نہ دیتے، آخر کی سات رات میں تلاش کرو، بس اس کے بعد اور کچھ نہ پوچھو۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو حضور نے ۲۳ شب متعیّن طور پر ارشاد فرمائی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ

کہتے ہیں کہ میں سو رہا تھا، مجھے خواب میں کسی نے کہا کہ اُٹھ آج شب قدر ہے، میں جلدی سے اُٹھ کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں گیا تو آپ کی نماز کی نیت بندھ رہی تھی اور یہ رات ۲۳ ویں شب تھی۔ بعض روایات میں متعیّن طور سے ۲۴ کی شب کا ہونا بھی معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص تمام سال رات کو جاگے وہ شبِ قدر کو پا سکتا ہے (یعنی شب قدر تمام سال میں دائر رہتی ہے)، کسی نے ابیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے اس کو نقل کیا تو وہ فرمانے لگے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی غرض یہ ہے کہ لوگ ایک رات پر قناعت کر کے نہ بیٹھ جائیں، پھر قسم کھا کر یہ بتلایا کہ وہ ۲۷ رمضان کو ہوتی ہے۔ اور اسی طرح سے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی رائے ہے کہ وہ ۲۷ ویں شب میں ہوتی ہے۔ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی تحقیق یہی ہے، ورنہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تحقیق وہی ہے کہ جو شخص تمام سال جاگے وہ اس کو معلوم کر سکتا ہے۔ اور دُرِّ منثور کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ سے یہی نقل کرتے ہیں۔ ائمہ میں سے بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ یہ تمام سال میں دائر رہتی ہے۔ دوسرا قول امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ہے کہ تمام رمضان میں دائر رہتی ہے۔ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے کہ تمام رمضان کی کسی ایک رات میں جو متعیّن ہے مگر معلوم نہیں۔ شافعیہ کا راجح قول یہ ہے کہ ۲۱ کی شب میں ہونا اقرب ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ رمضان کے آخر عشرہ کی طاق راتوں میں دائر رہتی ہے۔ کسی سال کسی رات میں اور کسی سال کسی دوسری رات میں۔ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ ستائیسویں رات میں زیادہ امید ہے۔

شیخ العارفین محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک ان لوگوں کا قول زیادہ صحیح ہے جو کہتے ہیں کہ تمام سال میں دائر رہتی ہے۔ اس لئے کہ میں نے دو مرتبہ اس کو شعبان میں دیکھا ہے ایک مرتبہ ۱۵ کو، اور ایک مرتبہ ۱۹ کو، اور دو مرتبہ رمضان کے درمیانی عشرہ میں ۱۳ کو، اور ۱۸ کو، اور رمضان کے آخر عشرہ کی ہر طاق رات میں دیکھا ہے۔ اس لئے مجھے اس کا یقین ہے کہ وہ سال کی راتوں میں پھرتی رہتی ہے، لیکن رمضانُ المبارک میں بکثرت پائی جاتی ہے۔ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

شبِ قدر سال میں دو مرتبہ ہوتی ہے: ایک وہ رات ہے جس میں احکامِ خداوندی نازل ہوتے ہیں اور اسی رات میں قرآن شریف لوحِ محفوظ سے اُترا ہے، یہ رات رمضان کے ساتھ مخصوص نہیں، تمام سال میں دائر رہتی ہیں، لیکن جس سال قرآن پاک نازل ہوا اس سال رمضانُ المبارک میں تھی اور اکثر رمضانُ المبارک ہی میں ہوتی ہے، اور دوسری شب قدر وہ ہے جس میں روحانیت کا ایک خاص انتشار ہوتا ہے اور ملائکہ بکثرت زمین پر اُترتے ہیں اور شیاطین دور رہتے ہیں، دُعائیں اور عبادتیں قبول ہوتی ہیں یہ ہر رمضان میں ہوتی ہیں اور اخیر عشرہ کی وتر راتوں میں ہوتی ہے اور بدلتی رہتی ہے۔ میرے والد صاحب نَوَّرَ اللہُ مَرْقَدَہٗ وَبَرَّدَ مَضْجَعَہٗ اسی قول کو راجح فرماتے تھے۔

بہر حال شبِ قدر ایک ہو یا دو، ہر شخص کو اپنی ہمت و وسعت کے موافق تمام سال اس کی تلاش میں سعی کرنا چاہئے، نہ ہو سکے تو رمضان بھر جستجو چاہئے۔ اگر یہ بھی مشکل ہو تو عشرۂ اخیرہ کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔ اتنا بھی نہ ہو سکے تو عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہئے اور خدانخواستہ یہ بھی نہ ہو سکے تو ستائیسویں شب کو تو بہر حال غنیمتِ بارِدہ سمجھنا ہی چاہئے کہ اگر تائید ایزدی شامل حال ہے اور کسی خوش نصیب کو میسّر ہو جائے تو پھر تمام دنیا کی نعمتیں اور راحتیں اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں، لیکن اگر میسّر نہ بھی ہو تب بھی اجر سے خالی نہیں، بالخصوص مغرب عشاء کی نماز جماعت سے مسجد میں ادا کرنے کا اہتمام تو ہر شخص کو تمام سال بہت ہی ضروری ہونا چاہئے کہ اگر خوش قسمتی سے شب قدر کی رات میں یہ دو نمازیں جماعت سے میسّر ہو جائیں تو کس قدر با جماعت نمازوں کا ثواب ملے۔ اللہ کا کس قدر بڑا انعام ہے کہ کسی دینی کام میں اگر کوشش کی جاوے تو کامیابی نہ ہونے کی صورت میں بھی اس کوشش کا اجر ضرور ملتا ہے، لیکن اس کے باوجود کتنے ہمت والے ہیں جو دین کے درپے ہیں، دین کے لئے مرتے ہیں، کوششیں کرتے ہیں اور اس کے بالمقابل اغراضِ دُنیویہ میں کوشش کے بعد اگر نتیجہ مرتب نہ ہو تو وہ کوشش بے کار اور ضائع، لیکن اس پر بھی کتنے لوگ ہیں کہ دنیوی اغراض اور بے کار و لغو اُمور کے حاصل کرنے کے لئے جان و مال دونوں کو برباد کرتے ہیں۔

ع ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

(۶) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ فَقَالَ: فِيْ رَمَضَانَ فِي الْعَشْرَةِ الْاَوَاخِرِ، فَاِنَّهَا فِيْ لَيْلَةِ وِتْرٍ: فِيْ اِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ، اَوْ ثَلٰثٍ وَّعِشْرِيْنَ، اَوْخَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ، اَوْسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ، اَوْتِسْعٍ وَّعِشْرِيْنَ، اَوْاٰخِرِ لَيْلَةٍ مَنْ رَمَضَانَ مَنْ قَامَهَا اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا، غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ، وَمِنْ اَمَارَاتِهَا اَنَّهَا لَيْلَةٌ بَلْجَةٌ، صَافِيَةٌ سَاكِنَةٌ، سَاجِيَةٌ، لَا حَارَّةٌ وَلَا بَارِدَةٌ، كَاَنَّ فِيْهَا قَمَرًا سَاطِعًا، وَّلَا يَحِلُّ لِنَجْمٍ اَنْ يُّرْمٰى بِهٖ تِلْكَ اللَّيْلَةَ حَتَّى الصَّبَاحِ، وَمِنْ اَمَارَاتِهَا اَنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ صَبِيْحَتَهَا لَا شُعَاعَ لَهَا مُسْتَوِيَةً، كَاَنَّهَا الْقَمَرُ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، وَحَرَّمَ اللّٰهُ عَلَى الشَّيْطَانِ اَنْ يَّخْرُجَ مَعَهَا يَوْمَئِذٍ. (درمنثور عن احمد و البیهقی ومحمد بن نصر وغیرهم)

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے شبِ قدر کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں ہے ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ یا رمضان کی آخری رات میں۔ جو شخص ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے اس رات میں عبادت کرے اس کے پچھلے سب گناہ مُعاف ہو جاتے ہیں۔ اس رات کی منجملہ اور علامتوں کے یہ ہے کہ وہ رات کھلی ہوئی چمکدار ہوتی ہے، صاف شفاف، نہ زیادہ گرم، نہ زیادہ ٹھنڈی، بلکہ معتدل گویا کہ اس میں (انوار کی کثرت کی وجہ سے) چاند کھلا ہوا ہے، اس رات میں صبح تک آسمان کے ستارے شیاطین کو نہیں مارے جاتے، نیز اُسکی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اُس کے بعد کی صبح کو آفتاب بغیر شعاع کے طلوع ہوتا ہے، ایسا بالکل ہموار تکیہ کی طرح ہوتا ہے جیسا کہ چودھویں رات کا چاند، اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے اس دن کے آفتاب کے طلوع کے وقت شیطان کو اس کے ساتھ نکلنے سے روک دیا (بخلاف اور دنوں کے کہ طلوعِ آفتاب کے وقت شیطان کا اس جگہ ظہور ہوتا ہے)۔

ف: اس حدیث کا اول مضمون تو سابقہ روایات میں ذکر ہو چکا ہے۔ آخر میں شبِ قدر

کی چند علامات ذکر کی ہیں جن کا مطلب صاف ہے، کسی توضیح کا محتاج نہیں، ان کے علاوہ اور بھی بعض علامات روایات میں اور ان لوگوں کے کلام میں ذکر کی گئی ہیں جن کو اس رات کی دولت نصیب ہوئی ہے، بالخصوص اس رات کے بعد جب صبح کو آفتاب نکلتا ہے تو بغیر شعاع کے نکلتا ہے۔ یہ علامت بہت سی روایات حدیث میں وارد ہوئی ہے اور ہمیشہ پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اور علامتیں لازمی اور لابُدّی نہیں ہیں۔ عبدۃ بن ابی لُبابہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رمضان المبارک کی ستائیس ویں شب کو سمندر کا پانی چکھا تو بالکل میٹھا تھا۔ ایوب بن خالد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے نہانے کی ضرورت ہوگئی، میں نے سمندر کے پانی سے غسل کیا تو بالکل میٹھا تھا اور یہ تئیس ویں شب کا قصہ ہے۔

مشائخ نے لکھا ہے کہ شبِ قدر میں ہر چیز سجدہ کرتی ہے۔ حتی کہ درخت زمین پر گر جاتے ہیں اور پھر اپنی جگہ کھڑے ہو جاتے ہیں، مگر ایسی چیزوں کا تعلق امورِ کشفیہ سے ہے جو ہر شخص کو محسوس نہیں ہوتے۔

(۷) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَرَاَيْتَ اِنْ عَلِمْتُ اَيُّ لَيْلَةٍ لَيْلَةُ الْقَدْرِ مَا اَقُوْلُ فِيْهَا؟ قَالَ: قُوْلِيْ: اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ. (رواه احمد وابن ماجة والترمذی وصححه، كذا فی المشكوة)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ! اگر مجھے شبِ قدر کا پتہ چل جاوے تو کیا دُعا مانگوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اَللّٰهُمَّ سے اخیر تک دُعا بتلائی جس کا ترجمہ یہ ہے: اے اللہ! تو بیشک معاف کرنیوالا ہے اور پسند کرتا ہے معاف کرنے کو۔ پس معاف فرمادے مجھ سے بھی۔

ف: نہایت جامع دُعا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے لُطف وکرم سے آخرت کے مطالبہ سے معاف فرمادیں تو اس سے بڑھ کر اور کیا چاہئے ؎

من نگویم کہ طاعتم بہ پذیر قلمِ عفو بر گناہم کش

حضرت سفیانِ ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس رات میں دُعا کے ساتھ مشغول ہونا زیادہ

بہتر ہے بہ نسبت دوسری عبادات کے۔ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ صرف دُعا نہیں، بلکہ مختلف عبادات میں جمع کرنا افضل ہے مثلاً تلاوت، نماز، دُعا اور مُراقبہ وغیرہ، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سب امور منقول ہیں، یہی قول زیادہ اقرب ہے کہ سابقہ احادیث میں نماز، ذکر وغیرہ کئی چیزوں کی فضیلت گذر چکی ہے۔

فصلِ ثالث

اعتکاف کے بیان میں

اعتکاف کہتے ہیں مسجد میں اعتکاف کی نیت کر کے ٹھہرنے کو، حنفیہ کے نزدیک اُس کی تین قسمیں ہیں، ایک واجب، جو منّت اور نذر کی وجہ سے ہو، جیسے یہ کہے کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو اتنے دنوں کا اعتکاف کروں گا یا بغیر کسی کام پر موقوف کرنے کے یونہی کہہ لے کہ میں نے اتنے دنوں کا اعتکاف اپنے اوپر لازم کرلیا یہ واجب ہوتا ہے اور جتنے دنوں کی نیت کی ہے اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ دوسری قسم سنت ہے جو رمضانُ المبارک کے اخیر عشرہ کا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ ان ایام کے اعتکاف فرمانے کی تھی۔ تیسرا اعتکاف نفل ہے جس کے لئے نہ کوئی وقت نہ ایام کی مقدار، جتنے دن کا جی چاہے کر لے، حتی کہ اگر کوئی شخص تمام عمر کے اعتکاف کی نیت کر لے تب بھی جائز ہے، البتہ کمی میں اختلاف ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک دن سے کم کا جائز نہیں، لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تھوڑی دیر کا بھی جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، اس لئے ہر شخص کے لئے مناسب ہے کہ جب مسجد میں داخل ہو اعتکاف کی نیت کرلیا کرے کہ اتنے نماز وغیرہ میں مشغول رہے اعتکاف کا ثواب بھی رہے۔ میں نے اپنے والد صاحب نَوَّرَ اللہُ مَرْقَدَہٗ وَبَرَّدَ مَضْجَعَہٗ کو ہمیشہ اس کا اہتمام کرتے دیکھا کہ جب مسجد میں تشریف لے جاتے تو دایاں پاؤں اندر داخل کرتے ہی اعتکاف کی نیت فرماتے تھے اور بسا اوقات خدام کی تعلیم کی غرض سے آواز سے بھی نیت فرماتے تھے۔ اعتکاف کا بہت زیادہ ثواب ہے اور اس کی فضیلت اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ

نبی کریم ﷺ ہمیشہ اس کا اہتمام فرماتے تھے۔ معتکف کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ کسی کے در پر جا پڑے کہ اتنے میری درخواست قبول نہ ہو ٹلنے کا نہیں۔

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

اگر حقیقتاً یہی حال ہو تو سخت سے سخت دل والا بھی پسیجتا ہے اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی کریم ذات تو بخشش کے لئے بہانہ ڈھونڈتی ہے، بلکہ بے بہانہ مرحمت فرماتے ہیں۔

تُو وہ داتا ہے کہ دینے کے لئے در تری رحمت کے ہیں ہر دم کھلے
خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

اس لئے جب کوئی شخص اللہ کے دروازے پر دنیا سے منقطع ہو کر جا پڑے تو اس کے نوازے جانے میں کیا تأمل ہو سکتا ہے اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ جس کو اکرام فرما دیں اس کے بھرپور خزانوں کا بیان کون کر سکتا ہے، اس کے آگے کہنے سے قاصر ہوں کہ نامرد بلوغ کی کیفیت کیا بیان کر سکتا ہے، مگر ہاں یہ ٹھان لے کہ۔

جس گُل کو دل دیا ہے جس پھول پر فدا ہوں یا وہ بغل میں آئے یا جاں قفس سے چھوٹے

ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اعتکاف کا مقصود اور اُسکی روح دل کو اللہ کی پاک ذات کے ساتھ وابستہ کر لینا ہے کہ سب طرف سے ہٹ کر اسی کے ساتھ مجتمع ہو جائے اور ساری مشغولیوں کے بدلہ میں اُسی کی پاک ذات سے مشغول ہو جائے اور اس کے غیر کی طرف سے منقطع ہو کر ایسی طرح اس میں لگ جاوے کہ خیالات تفکرات سب کی جگہ اس کا پاک ذکر اُسکی محبت سما جاوے، حتی کہ مخلوق کے ساتھ اُنس کے بدلہ اللہ کے ساتھ اُنس پیدا ہو جاوے کہ یہ اُنس قبر کی وحشت میں کام دے کہ اس دن اللہ کی پاک ذات کے سوا نہ کوئی مُونس، نہ دل بہلانے والا، اگر دل اس کے ساتھ مانوس ہو چکا ہوگا تو کس قدر لذت سے وقت گذرے گا۔

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن بیٹھا رہوں تصورِ جاناں کئے ہوئے

صاحب مَراقِی الفلاح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اعتکاف اگر اخلاص کے ساتھ ہو تو افضل ترین

اعمال میں سے ہے۔اس کی خصوصیتیں حدِ اِحصاء سے خارج ہیں کہ اس میں قلب کو دُنیا و مافیہا سے یکسو کر لینا ہے اور نفس کو مولیٰ کے سپرد کر دینا اور آقا کی چوکھٹ پر پڑ جانا ہے۔

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑا رہوں سر زیرِ بارِ منّتِ درباں کئے ہوئے

نیز اس میں ہر وقت عبادت میں مشغولی ہے کہ آدمی سوتے جاگتے ہر وقت عبادت میں شمار ہوتا ہے اور اللہ کے ساتھ تقرّب ہے۔حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص میری طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے میں اس سے دو ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جو میری طرف (آہستہ بھی) چلتا ہے میں اُسکی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ نیز اس میں اللہ کے گھر پڑ جانا ہے اور کریم میزبان ہمیشہ گھر آنے والے کا اکرام کرتا ہے، نیز اللہ کے قلعہ میں محفوظ ہوتا ہے کہ دشمن کی رسائی وہاں تک نہیں وغیرہ وغیرہ، بہت سے فضائل اور خواص اس اہم عبادت کے ہیں۔

مسئلہ: مرد کے لئے سب سے افضل جگہ مسجدِ مکّہ ہے، پھر مسجدِ مدینہ مُنوّرہ پھر مسجد بیت المقدس، اُن کے بعد مسجدِ جامع پھر اپنی مسجد۔امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ جس مسجد میں اعتکاف کرے اس میں پانچوں وقت کی جماعت ہوتی ہو۔ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک شرعی مسجد ہونا کافی ہے، اگرچہ جماعت نہ ہوتی ہو۔عورت کے لئے اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرنا چاہئے۔اگر گھر میں کوئی جگہ مسجد کے نام سے متعیّن نہ ہو تو کسی کونہ کو اس کے لئے مخصوص کر لے۔عورتوں کے لئے اعتکاف بہ نسبت مردوں کے زیادہ سہل ہے کہ گھر میں بیٹھے بیٹھے کاروبار بھی گھر کی لڑکیوں وغیرہ سے لیتی رہیں اور مفت کا ثواب بھی حاصل کرتی رہیں، مگر اس کے باوجود عورتیں اس سنت سے گویا بالکل ہی محروم رہتی ہیں۔

(۱) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اِعْتَکَفَ الْعَشْرَ الْاَوَّلَ مِنْ رَمَضَانَ، ثُمَّ اعْتَکَفَ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ فِیْ قُبَّۃٍ تُرْکِیَّۃٍ، ثُمَّ اَطْلَعَ

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے رمضان المبارک کے پہلے عشرہ میں اعتکاف فرمایا اور پھر دوسرے عشرہ میں بھی، پھر ترکی خیمہ سے جس میں اعتکاف

رَأْسَهُ، فَقَالَ: إِنِّي اعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَّلَ أَلْتَمِسُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ، ثُمَّ اعْتَكَفْتُ الْعَشْرَ الْأَوْسَطَ، ثُمَّ أُتِيتُ، فَقِيلَ لِي: إِنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ، فَمَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعِي فَلْيَعْتَكِفِ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ، فَقَدْ أُرِيتُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ أُنْسِيتُهَا، وَقَدْ رَأَيْتُنِي أَسْجُدُ فِي مَاءٍ وَطِينٍ مِنْ صَبِيحَتِهَا، فَالْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ وَالْتَمِسُوا فِي كُلِّ وِتْرٍ. قَالَ: فَمَطَرَتِ السَّمَآءُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ، وَكَانَ الْمَسْجِدُ عَلٰى عَرِيشٍ فَوَكَفَ الْمَسْجِدُ، فَبَصُرَتْ عَيْنَايَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَعَلٰى جَبْهَتِهِ أَثَرُ الْمَاءِ وَالطِّينِ مِنْ صَبِيحَةِ إِحْدٰى وَعِشْرِينَ. (مشكوة عن المتفق عليه باختلاف اللفظ)

فرمارہے تھے باہر سر نکال کر ارشاد فرمایا کہ میں نے پہلے عشرہ کا اعتکاف شبِ قدر کی تلاش اور اہتمام کی وجہ سے کیا تھا، پھر اسی کی وجہ سے دوسرے عشرہ میں کیا، پھر مجھے کسی بتلانے والے (یعنی فرشتہ) نے بتلایا کہ وہ رات اخیر عشرہ میں ہے، لہٰذا جو لوگ میرے ساتھ اعتکاف کر رہے ہیں وہ اخیر عشرہ کا بھی اعتکاف کریں۔ مجھے یہ رات دکھلا دی گئی تھی، پھر بھلا دی گئی (اس کی علامت یہ ہے) میں نے اپنے آپ کو اس رات کے بعد کی صبح میں کیچڑ میں سجدہ کرتے دیکھا۔ لہٰذا اب اس کو اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ روای کہتے ہیں کہ اس رات میں بارش ہوئی اور مسجد چھپر کی تھی، وہ ٹپکی اور میں نے اپنی آنکھوں سے نبی کریم ﷺ کی پیشانی مبارک پر کیچڑ کا اثر اکیسویں کی صبح کو دیکھا۔

ف: نبی کریم ﷺ کی عادتِ شریفہ اعتکاف کی ہمیشہ رہی ہے، اس مہینہ میں تمام مہینہ کا اعتکاف فرمایا اور جس سال وصال ہوا ہے اس سال بیس روز کا اعتکاف فرمایا تھا، لیکن اکثر عادتِ شریفہ چونکہ اخیر عشرہ ہی کے اعتکاف کی رہی ہے، اس لئے علماء کے نزدیک سنتِ مؤکدہ وہی ہے۔ حدیثِ بالا سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس اعتکاف کی بڑی غرض شبِ قدر کی تلاش ہے اور حقیقت میں اعتکاف اس کے لئے بہت ہی مناسب ہے کہ اعتکاف کی حالت میں اگر آدمی سوتا ہوا بھی ہو تب بھی عبادت میں شمار ہوتا ہے۔

نیز اِعتکاف میں چونکہ آنا جانا اور اِدھر اُدھر کے کام بھی کچھ نہیں رہتے اس لئے عبادت اور کریم آقا کی یاد کے علاوہ اور کوئی مشغلہ بھی نہ رہے گا، لہٰذا شبِ قدر کے قدر دانوں کے لئے اعتکاف سے بہتر صورت نہیں۔ نبی کریم ﷺ اول تو سارے ہی رمضان میں عبادت کا بہت زیادہ اہتمام اور کثرت فرماتے تھے، لیکن اخیر عشرہ میں کچھ حد ہی نہیں رہتی تھی۔ رات کو خود بھی جاگتے اور گھر کے لوگوں کو بھی جگانے کا اہتمام فرماتے تھے جیسا کہ صحیحین کی متعدِد روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ بخاری و مسلم کی ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اخیر عشرہ میں حضور ﷺ لنگی کو مضبوط باندھ لیتے اور راتوں کا اِحیاء فرماتے اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی جگاتے۔ لنگی مضبوط باندھنے سے کوشش میں اہتمام کی زیادتی بھی مراد ہوسکتی ہے اور بیویوں سے بالکلیہ احتراز بھی مراد ہوسکتا ہے۔

(۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فِی الْمُعْتَكِفِ: هُوَ يَعْتَكِفُ الذُّنُوْبَ وَيُجْزٰى لَهٗ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا (مشکوٰۃ عن ابن ماجۃ)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مُعتکف گناہوں سے محفوظ رہتا ہے اور اُس کے لئے نیکیاں اتنی ہی لکھی جاتی ہیں جتنی کہ کرنے والے کے لئے۔

ف: دو مخصوص منافع اعتکاف کے اس حدیث میں ارشاد فرمائے گئے ہیں: ایک یہ کہ اعتکاف کی وجہ سے گناہوں سے حفاظت ہو جاتی ہے، ورنہ بسا اوقات کوتاہی اور لغزش سے کچھ اسباب ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ اس میں آدمی گناہ میں مبتلا ہو ہی جاتا ہے اور ایسے متبرک وقت میں مَعصیت کا ہو جانا کسی قدر ظلم عظیم ہے۔ اعتکاف کی وجہ سے ان سے امن اور حفاظت رہتی ہے، دوسرے یہ کہ بہت سے نیک اعمال جیسا کہ جنازہ کی شرکت، مریض کی عیادت وغیرہ ایسے اُمور ہیں کہ اعتکاف میں بیٹھ جانے کی وجہ سے معتکف ان کو نہیں کرسکتا، اس لئے اعتکاف کی وجہ سے جن عبادتوں سے رُکا رہا اُن کا اجر بغیر کئے بھی ملتا رہے گا۔ اللہ اکبر کس قدر رحمت اور فیاضی ہے کہ ایک عبادت آدمی کرے اور دس عبادتوں کا ثواب مل جائے۔ درحقیقت اللہ کی رحمت بہانہ ڈھونڈھتی ہے اور تھوڑی سی توجہ اور مانگ سے دھواں دار برستی ہے۔ ع

بہانہ مے دہد بہانہ مے دہد

مگر ہم لوگوں کو سرے سے اس کی قدر ہی نہیں، ضرورت ہی نہیں، توجہ کون کرے اور کیوں کرے کہ دین کی وَقعت ہی ہمارے قُلوب میں نہیں ؎

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

(۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﷺ اَنَّهُ كَانَ مُعْتَكِفًا فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، ثُمَّ جَلَسَ، فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ ﷺ : يَافُلَانُ! اَرَاكَ مُكْتَئِبًا حَزِيْنًا؟ قَالَ: نَعَمْ، يَاابْنَ عَمِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ، لِفُلَانٍ[1] عَلَيَّ حَقٌّ وَلَاوَحُرْمَةِ صَاحِبِ هٰذَا الْقَبْرِ، مَا اَقْدِرُ عَلَيْهِ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ﷺ: اَفَلَا اُكَلِّمُهُ فِيْكَ؟ قَالَ اِنْ اَحْبَبْتَ، قَالَ: فَانْتَعَلَ ابْنُ عَبَّاسٍ ﷺ ثُمَّ خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ، قَالَ لَهُ الرَّجُلُ: اَنَسِيْتَ مَاكُنْتَ فِيْهِ قَالَ: لَا، وَلٰكِنِّيْ سَمِعْتُ صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ ﷺ، وَالْعَهْدُ بِهٖ قَرِيْبٌ فَدَمَعَتْ عَيْنَاهُ وَهُوَ يَقُوْلُ: مَنْ مَّشٰى فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ وَبَلَغَ فِيْهَا كَانَ خَيْرًا لَّهٗ مِنْ اِعْتِكَافِ عَشْرِ سِنِيْنَ، وَمَنِ اعْتَكَفَ يَوْمًا اِبْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ جَعَلَ اللّٰهُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ النَّارِ ثَلٰثَ خَنَادِقَ اَبْعَدَ مِمَّا بَيْنَ الْخَافِقَيْنِ. (رواه الطبرانی فی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ مسجدِ نبوی علی صاحبہ الصلوۃ والسلام میں معتکف تھے، آپ کے پاس ایک شخص آیا اور سلام کر کے (چُپ چاپ) بیٹھ گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اُس سے فرمایا کہ میں تمھیں غمزدہ اور پریشان دیکھ رہا ہوں کیا بات ہے؟ اُس نے کہا: اے رسول اللہ کے چچا کے بیٹے! میں بیشک پریشان ہوں کہ فلاں کا مجھ پر حق ہے اور (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ اطہر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ) اس قبر والے کی عزت کی قسم! میں اس حق کے ادا کرنے پر قادر نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اچھا، کیا میں اس سے تیری سفارش کروں؟ اُس نے عرض کیا کہ جیسے آپ مناسب سمجھیں۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ یہ سُن کر جوتا پہن کر مسجد سے باہر تشریف لائے، اس شخص نے عرض کیا کہ آپ اپنا اعتکاف بھول گئے؟ فرمایا: بھولا نہیں ہوں، بلکہ میں نے اس قبر والے

[1] هكذا فى النسخة التى بأيدينا بلفظ حرف النهى وهوالصواب عندى لوجوه ووقع فى بعض النسخ بلفظ ولاء بالهمزة فى اخره وهو تصحيف عندى من الكاتب وعليه قرائن ظاهرة ١٢.

الاوسط والبیهقی واللفظ له، والحاکم مختصرا وقال صحیح الاسناد، وکذا فی الترغیب وقال السیوطی فی الدر: صححه الحاکم وضعفه البیهقی)

(صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے اور ابھی زمانہ کچھ زیادہ نہیں گذرا۔ (یہ لفظ کہتے ہوئے) ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ جو شخص اپنے بھائی کے کسی کام میں چلے پھرے اور کوشش کرے اس کے لئے دس برس کے اعتکاف سے افضل ہے اور جو شخص ایک دن کا اعتکاف بھی اللہ کی رضا کے واسطے کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں آڑ فرما دیتے ہیں جن کی مسافت آسمان اور زمین کی درمیانی مسافت سے بھی زیادہ چوڑی ہے (اور جب ایک دن کے اعتکاف کی یہ فضیلت ہے تو دس برس کے اعتکاف کی کیا کچھ مقدار ہوگی)۔

ف: اس حدیث سے دو مضمون معلوم ہوئے: اوّل یہ کہ ایک دن کے اعتکاف کا ثواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں حائل فرما دیتے ہیں اور ہر خندق اتنی بڑی ہے جتنا سارا جہاں اور ایک دن سے زیادہ جس قدر زیادہ دنوں کا اعتکاف ہوگا اتنا ہی اجر زیادہ ہوگا۔ علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے "کشف الغمۃ" میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص عشرۂ رمضان کا اعتکاف کرے اس کو دو حج اور دو عمروں کا اجر ہے اور جو شخص مسجدِ جماعت میں مغرب سے عشاء تک کا اعتکاف کرے کہ نماز، قرآن کے علاوہ کسی سے بات نہ کرے حق تعالیٰ شانہ اس کے لئے جنّت میں ایک محل بناتے ہیں۔ دوسرا مضمون جو اس سے بھی زیادہ اہم ہے وہ مسلمانوں کی حاجت روائی ہے کہ دس برس کے اعتکاف سے افضل ارشاد فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے اعتکاف کی پرواہ نہیں فرمائی کہ اس کی تلافی پھر بھی ہوسکتی ہے اور اس کی قضا ممکن ہے۔ اسی وجہ سے صوفیاء کا مقولہ ہے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے یہاں ٹوٹے ہوئے دل کی جتنی قدر ہے اتنی کسی چیز کی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مظلوم کی بددُعا سے احادیث میں بہت ڈرایا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو حاکم بنا کر بھیجتے تھے، اور نصائح کے ساتھ "وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ" بھی ارشاد فرماتے تھے کہ مظلوم کی بددُعا سے بچیو۔

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگام دُعا کردن اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید

اس جگہ ایک مسئلہ کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ کسی مسلمان کی حاجت روائی کے لئے بھی مسجد سے نکلنے سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے اور اگر اعتکاف واجب ہو تو اس کی قضا واجب ہوتی ہے۔ نبیِ کریم ﷺ ضرورتِ بشری کے علاوہ کسی ضرورت سے بھی مسجد سے باہر تشریف نہیں لاتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ ایثار کہ دوسرے کی وجہ سے اپنا اعتکاف توڑ دیا ایسے ہی لوگوں کے مناسب ہے کہ دوسروں کی خاطر خود پیاسے تڑپ تڑپ کر مر جاویں، مگر پانی کا آخری قطرہ اس لئے نہ پئیں کہ دوسرا زخمی جو پاس لیٹا ہوا ہے وہ اپنے سے مقدم ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا یہ اعتکاف نفلی اعتکاف ہو۔ اس صورت میں کوئی اشکال نہیں۔ خاتمہ میں ایک طویل حدیث جس میں کئی نوع کے فضائل ارشاد فرمائے ہیں ذکر کر کے اس رسالہ کو ختم کیا جاتا ہے۔

(۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اِنَّ الْجَنَّةَ لَتُبَخَّرُ وَ تُزَيَّنُ مِنَ الْحَوْلِ اِلَى الْحَوْلِ لِدُخُوْلِ شَهْرِ رَمَضَان، فَاِذَا كَانَتْ اَوَّلُ لَيْلَةٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ، هَبَّتْ رِيْحٌ مِّنْ تَحْتِ الْعَرْشِ، يُقَالُ لَهَا الْمُثِيْرَةُ، فَتُصَفِّقُ وَرَقُ اَشْجَارِ الْجِنَانِ وَحَلَقُ الْمَصَارِيْعِ، فَيُسْمَعُ لِذٰلِكَ طَنِيْنٌ لَمْ يَسْمَعِ السَّامِعُوْنَ اَحْسَنَ مِنْهُ، فَتَبْرُزُ الْحُوْرُ الْعِيْنُ حَتّٰى يَقِفْنَ بَيْنَ شُرَفِ الْجَنَّةِ، فَيُنَادِيْنَ: هَلْ مِنْ خَاطِبٍ اِلَى اللّٰهِ؟ فَيُزَوِّجَهٗ، ثُمَّ يَقُلْنَ الْحُوْرُ الْعِيْنُ : يَارِضْوَانَ الْجَنَّةِ! مَا هٰذِهِ اللَّيْلَةُ؟

ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جنّت کو رمضان شریف کے لئے خوشبوؤں کی دھونی دی جاتی ہے اور شروع سال سے آخر سال تک رمضان کی خاطر آراستہ کیا جاتا ہے۔ پس جب رمضانُ المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے تو عرش کے نیچے سے ایک ہوا چلتی ہے جس کا نام ''مُثیرہ'' ہے (جس کے جھونکوں کی وجہ سے) جنّت کے درختوں کے پتے اور کواڑوں کے حلقے بجنے لگتے ہیں جس سے ایسی دل آویز سُریلی آواز نکلتی ہے کہ سننے والوں نے اس سے اچھی آواز کبھی

فَيُجِيْبُهُنَّ بِالتَّلْبِيَةِ، ثُمَّ يَقُوْلُ: هٰذِهِ اَوَّلُ لَيْلَةٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ، فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ لِلصَّائِمِيْنَ مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ، قَالَ: وَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: يَارِضْوَانُ! اَفْتَحْ اَبْوَابَ الْجِنَانِ، وَيَامَالِكُ! اَغْلِقْ اَبْوَابَ الْجَحِيْمِ عَنِ الصَّائِمِيْنَ مِنْ اُمَّةِ اَحْمَدَ ﷺ. وَيَا جِبْرَئِيْلُ! اِهْبِطْ اِلَى الْاَرْضِ فَاصْفِدْ مَرَدَةَ الشَّيَاطِيْنِ وَغُلَّهُمْ بِالْاَغْلَالِ، ثُمَّ اقْذِفْهُمْ فِي الْبِحَارِ حَتّٰى لَا يُفْسِدُوْا عَلٰى اُمَّةِ مُحَمَّدٍ حَبِيْبِيْ ﷺ صِيَامَهُمْ. قَالَ: وَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ لِمُنَادٍ يُنَادِيْ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ: هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَاُعْطِيَهُ سُؤْلَهُ؟ هَلْ مِنْ تَائِبٍ فَاَتُوْبَ عَلَيْهِ؟ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرَلَهُ؟ مَنْ يُقْرِضُ الْمَلِيَّ غَيْرَ الْعَدُوْمِ وَ الْوَفِيَّ غَيْرَ الظَّلُوْمِ؟ قَالَ: وَلِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ عِنْدَ الْاِفْطَارِ اَلْفُ اَلْفِ عَتِيْقٍ مِّنَ النَّارِ كُلُّهُمْ قَدِاسْتَوْجَبُوا النَّار. فَاِذَا كَانَ اٰخِرُ يَوْمٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ اَعْتَقَ اللّٰهُ فِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ بِقَدْرِ مَا اَعْتَقَ مِنْ اَوَّلِ الشَّهْرِ اِلٰى اٰخِرِهٖ.

نہیں سنی۔ پس خوشنما آنکھوں والی حوریں اپنے مکانوں سے نکل کر جنّت کے بالا خانوں کے درمیان کھڑے ہو کر آواز دیتی ہیں کہ کوئی ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہم سے منگنی کرنیوالا تا کہ حق تعالیٰ شانہ اس کو ہم سے جوڑ دیں۔ پھر وہی حوریں جنّت کے داروغہ ''رضوان'' سے پوچھتی ہیں کہ یہ کیسی رات ہے؟ وہ لبّیک کہہ کر جواب دیتے ہیں کہ رمضانُ المبارک کی پہلی رات ہے، جنّت کے دروازے محمد ﷺ کی اُمت کیلئے (آج) کھول دیئے گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ ''رضوان'' سے فرما دیتے ہیں کہ جنّت کے دروازے کھول دے اور ''مالک'' (جہنّم کے داروغہ) سے فرما دیتے ہیں کہ احمد ﷺ کی اُمت کے روزہ داروں پر جہنّم کے دروازے بند کر دے۔ اور جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے کہ زمین پر جاؤ اور سرکش شیاطین کو قید کرو اور گلے میں طوق ڈال کر دریا میں پھینک دو کہ میرے محبوب محمد ﷺ کی اُمت کے روزوں کو خراب نہ کریں۔ نبیِ کریم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ رمضان کی ہر رات میں ایک مُنادی کو حکم

وَاِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ الْقَدْرِ يَأْمُرُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ جِبْرَئِيْلَ، فَيَهْبِطُ فِيْ كَبْكَبَةٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَ مَعَهُمْ لِوَاءٌ اَخْضَرُ، فَيَرْكُزُ اللِّوَاءَ عَلٰى ظَهْرِ الْكَعْبَةِ وَلَهٗ مِائَةُ جَنَاحٍ، مِنْهَا جَنَاحَانِ لَا يَنْشُرُهُمَا اِلَّا فِيْ تِلْكَ اللَّيْلَةِ فَيَنْشُرُهُمَا اِلَّا فِيْ تِلْكَ اللَّيْلَةِ، فَيَنْشُرُهُمَا فِيْ تِلْكَ اللَّيْلَةِ، فَيُجَاوِزُ الْمَشْرِقَ اِلَى الْمَغْرِبِ، فَيَحُثُّ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْمَلَائِكَةَ فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ، فَيُسَلِّمُوْنَ عَلٰى كُلِّ قَائِمٍ وَّقَاعِدٍ وَّمُصَلٍّ وَّذَاكِرٍ، وَيُصَافِحُوْنَهُمْ وَيُؤَمِّنُوْنَ عَلٰى دُعَائِهِمْ حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ، فَاِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ يُنَادِيْ جِبْرَئِيْلُ مَعَاشِرَ الْمَلَائِكَةِ: الرَّحِيْلَ! الرَّحِيْلَ! فَيَقُوْلُوْنَ: يَاجِبْرَئِيْلُ! فَمَا صَنَعَ اللّٰهُ فِيْ حَوَائِجِ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اُمَّةِ اَحْمَدَ ﷺ؟ فَيَقُوْلُ: نَظَرَ اللّٰهُ اِلَيْهِمْ فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ فَعَفٰى عَنْهُمْ اِلَّا اَرْبَعَةً، فَقُلْنَا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَنْ هُمْ؟ قَالَ: رَجُلٌ مُدْمِنُ خَمْرٍ وَّ عَاقٌّ لِوَالِدَيْهِ وَقَاطِعُ رَحِمٍ وَّمُشَاحِنٌ قُلْنَا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ مَاالْمُشَاحِنُ؟ قَالَ: هُوَ الْمُصَارِمُ. فَاِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ الْفِطْرِ سُمِّيَتْ

فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ یہ آواز دے کہ ہے کوئی مانگنے والا جس کو میں عطا کروں؟ ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ میں اُسکی توبہ قبول کروں؟ کوئی مغفرت چاہنے والا میں اس کی مغفرت کروں؟ کون ہے جو غنی کو قرض دے؟ ایسا غنی جو نادار نہیں ایسا پورا پورا ادا کرنے والا جو ذرا بھی کمی نہیں کرتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہٗ رمضان شریف میں روزانہ افطار کے وقت ایسے دس لاکھ آدمیوں کو جہنّم سے خُلاصی مَرحمت فرماتے ہیں جو جہنّم کے مستحق ہو چکے تھے اور جب رمضان کا آخری دن ہوتا ہے تو یکم رمضان سے آج تک جس قدر لوگ جہنّم سے آزاد کئے گئے تھے اُن کے برابر اُس ایک دن میں آزاد فرماتے ہیں اور جس رات شبِ قدر ہوتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم فرماتے ہیں وہ فرشتوں کے ایک بڑے لشکر کے ساتھ زمین پر اُترتے ہیں، اُن کے ساتھ ایک سبز جھنڈا ہوتا ہے جس کو کعبہ کے اُوپر کھڑا کرتے ہیں اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سَو بازو ہیں جن میں سے دو بازو کو صرف اسی رات میں کھولتے

تِلْكَ اللَّيْلَةُ لَيْلَةَ الْجَائِزَةِ، فَإِذَا كَانَتْ غَدَاةُ الْفِطْرِ بَعَثَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ الْمَلٰئِكَةَ فِيْ كُلِّ بِلَادٍ، فَيَهْبِطُوْنَ إِلَى الْأَرْضِ فَيَقُوْمُوْنَ عَلٰى أَفْوَاهِ السِّكَكِ، فَيُنَادُوْنَ بِصَوْتٍ يَسْمَعُ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا الْجِنَّ وَالْإِنْسَ، فَيَقُوْلُوْنَ: يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ ﷺ! اُخْرُجُوْا إِلٰى رَبٍّ كَرِيْمٍ يُعْطِي الْجَزِيْلَ وَيَعْفُوْ عَنِ الْعَظِيْمِ فَإِذَا بَرَزُوْا إِلٰى مُصَلَّاهُمْ، فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِلْمَلٰئِكَةِ: مَا جَزَاءُ الْأَجِيْرِ إِذَا عَمِلَ عَمَلَهُ؟ قَالَ: فَتَقُوْلُ الْمَلٰئِكَةُ: إِلٰهُنَا وَسَيِّدُنَا! جَزَاؤُهُ أَنْ تُوَفِّيَهُ أَجْرَهُ. قَالَ: فَيَقُوْلُ: فَإِنِّيْ أُشْهِدُكُمْ يَا مَلَائِكَتِيْ أَنِّيْ قَدْ جَعَلْتُ ثَوَابَهُمْ مِنْ صِيَامِهِمْ شَهْرَ رَمَضَانَ وَقِيَامِهِمْ رِضَائِيْ وَمَغْفِرَتِيْ وَيَقُوْلُ: يَا عِبَادِيْ! سَلُوْنِيْ فَوَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ لَا تَسْئَلُوْنِيْ الْيَوْمَ شَيْئًا فِيْ جَمْعِكُمْ لِآخِرَتِكُمْ إِلَّا أَعْطَيْتُكُمْ، وَلَا لِدُنْيَاكُمْ إِلَّا نَظَرْتُ لَكُمْ، فَوَعِزَّتِيْ لَأَسْتُرَنَّ عَلَيْكُمْ عَثَرَاتِكُمْ مَا رَاقَبْتُمُوْنِيْ وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ! لَا أُخْزِيْكُمْ وَلَا

ہیں جن کو مشرق سے مغرب تک پھیلا دیتے ہیں پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کو تقاضا فرماتے ہیں کہ جو مسلمان آج کی رات کھڑا ہو یا بیٹھا ہو، نماز پڑھ رہا ہو یا ذکر کر رہا ہو، اس کو سلام کریں اور مصافحہ کریں اور ان کی دُعاؤں پر آمین کہیں، صبح تک یہی حالت رہتی ہے۔ جب صبح ہو جاتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام آواز دیتے ہیں کہ اے فرشتوں کی جماعت! اب کوچ کرو اور چلو۔ فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے مومنوں کی حاجتوں اور ضرورتوں میں کیا معاملہ فرمایا؟ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی اور چار شخصوں کے علاوہ سب کو معاف فرما دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! وہ چار شخص کون ہیں؟ ارشاد ہوا کہ ایک وہ شخص جو شراب کا عادی ہو، دوسرا وہ شخص جو والدین کی نافرمانی کرنیوالا ہوا، تیسرا وہ شخص جو قطع رحمی کرنے والا اور ناطہ توڑنے والا ہو، چوتھا وہ شخص جو کینہ رکھنے والا ہو اور آپس میں قطع تعلق کرنیوالا ہو۔ پھر جب عید الفطر کی رات ہوتی ہے تو اُس

اُفْضِحُكُمْ بَيْنَ اَصْحَابِ الْحُدُوْدِ، وَانْصَرِفُوْا مَغْفُوْرًا لَّكُمْ، قَدْ اَرْضَيْتُمُوْنِيْ وَرَضِيْتُ عَنْكُمْ. فَتَفْرَحُ الْمَلٰئِكَةُ وَتَسْتَبْشِرُ بِمَا يُعْطِي اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ هٰذِهِ الْاُمَّةَ اِذَا اَفْطَرُوْا مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ. (كذا في الترغيب، وقال رواه ابو الشيخ بن حبان في كتاب الثواب والبيهقي واللفظ له، وليس في اسناده من اجمع على ضعفه، قلت: قال السيوطي في التدريب: قد التزم البيهقي ان لايخرج في تصانيفه حديثا يعلمه موضوعا الخ۔ وذكر القاري في المرقات بعض طرق الحديث، ثم قال فاختلاف طرق الحديث يدل على ان له اصلا .)

کا نام (آسمانوں پر) لیلۃ الجائزہ (انعام کی رات) سے لیا جاتا ہے اور جب عید کی صبح ہوتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں کو تمام شہروں میں بھیجتے ہیں۔ وہ زمین پر اُتر کر تمام گلیوں، راستوں کے سروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایسی آواز سے جس کو جنات اور انسان کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے پکارتے ہیں کہ اے محمد ﷺ کی اُمت! اس کریم رب کی (درگاہ) کی طرف چلو جو بہت زیادہ عطا فرمانے والا ہے اور بڑے سے بڑے قصور کو معاف فرمانے والا ہے۔ پھر جب لوگ عید گاہ کی طرف نکلتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں سے دریافت فرماتے ہیں: کیا بدلہ ہے اُس مزدور کا جو اپنا کام پورا کر چکا ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ ہمارے معبود اور ہمارے مالک اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کی مزدوری پوری پوری دے دی جائے تو حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! میں تمھیں گواہ بناتا ہوں میں نے اُن کو رمضان کے روزوں اور تراویح کے بدلہ میں اپنی رضا اور مغفرت عطا کر دی اور بندوں سے خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ اے میرے بندو! مجھ سے مانگو۔ میری عزت کی قسم! میرے جلال کی قسم! آج کے دن اپنے اس اجتماع میں مجھ سے اپنی آخرت کے بارے میں جو سوال کرو گے عطا کروں گا اور دُنیا کے بارے میں جو سوال کرو گے اس میں تمہاری مصلحت پر نظر کرونگا۔ میری عزت کی قسم کہ جب تک تم میرا خیال رکھو گے میں تمھاری لغزشوں پر ستاری کرتا رہوں گا (اور اُن کو چھپاتا رہونگا)۔ میری عزت کی قسم اور میرے جلال کی قسم! میں تمہیں مجرموں (اور کافروں) کے سامنے رسوا اور فضیحت نہ کرونگا۔ بس اب بخشے بخشائے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ، تم نے مجھے

راضی کر دیا اور میں تم سے راضی ہو گیا۔ پس فرشتے اس اجر و ثواب کو دیکھ کر جو اس اُمت کو افطار کے دن ملتا ہے خوشیاں مناتے ہیں اور کِھل جاتے ہے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ.

ف: اس حدیث کے اکثر مضامین رسالہ کے گذشتہ اوراق میں بیان ہو چکے ہیں، البتہ چند امور قابل غور ہیں جن میں سب سے اوّل اور اہم تو یہ ہے کہ بہت سے محروم رمضان کی مغفرتِ عامّہ سے بھی مستثنیٰ تھے جیسا کہ پہلی روایت میں معلوم ہو چکا ہے اور وہ عید کی اس مغفرتِ عامّہ سے بھی مستثنیٰ کر دیئے گئے جن میں سے آپس کے لڑنے والے اور والدین کی نافرمانی کرنے والے بھی ہیں اُن سے کوئی پوچھے کہ تم نے اللہ کو ناراض کر کے اپنے لئے کون سا ٹھکانا ڈھونڈ رکھا ہے؟ افسوس! تم پر بھی اور تمہاری اس عزت پر بھی جس کے حاصل کرنے کے غلط خیال میں تم رسول اللہ ﷺ کی بددُعائیں برداشت کر رہے ہو، جبرئیل علیہ السلام کی بددُعائیں اُٹھا رہے ہو اور اللہ کی رحمت و مغفرتِ عامّہ سے بھی نکالے جا رہے ہو۔ میں پوچھتا ہوں کہ آج تم نے اپنے مقابل کو زک دے ہی دی اپنی مونچھ اُونچی کر ہی لی، وہ کتنے دن تمہارے ساتھ رہ سکتی ہے، جبکہ اللہ کا پیارا رسول ﷺ تمہارے اُوپر لعنت کر رہا ہے اللہ کا مقرّب فرشتہ تمہاری ہلاکت کی بددُعا دے رہا ہے، اللہ جَلَّ شَانُہٗ تمہیں اپنی مغفرت و رحمت سے نکال رہے ہیں، اللہ کے واسطے سوچو اور بس کرو صبح کا بھٹکا شام کو گھر آ جائے تو کچھ نہیں گیا۔ آج وقت ہے اور تلافی ممکن اور کل جب ایسے حاکم کی پیشی میں جانا ہے جہاں نہ عزت و وجاہت کی پوچھ، نہ مال و متاع کارآمد، وہاں صرف تمہارے اعمال کی پوچھ ہے اور ہر حرکت لکھی لکھائی سامنے ہے۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے حقوق میں درگذر فرماتے ہیں، مگر بندوں کے آپس کے حقوق میں بغیر بدلہ دیئے نہیں چھوڑتے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مُفلس میری اُمّت میں وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نیک اعمال کے ساتھ آوے اور نماز روزہ صدقہ سب ہی کچھ لاوے، لیکن کسی کو گالی دے رکھی ہے، کسی کو تہمت لگا دی تھی، کسی کو مار پیٹ کی تھی پس یہ سب دعویدار آویں گے اور اس کے نیک اعمال میں سے ان حرکتوں کا بدلہ وصول کر لیں گے اور جب اُس کے پاس نیک اعمال ختم ہو جاویں گے تو اپنی بُرائیاں اُن حرکتوں کے بدلہ میں اس پر ڈالتے رہیں گے اور پھر اس انبار کی بدولت وہ جہنّم رسید ہو

جائے گا اور اپنی کثرت اعمال کے باوجود جو حسرت و یاس کا عالم ہوگا وہ محتاج بیان نہیں۔

وہ مایوسِ تمنا کیوں نہ سوئے آسماں دیکھے کہ جو منزل بمنزل اپنی محنت رائیگاں دیکھے

دوسرا امر قابل غور یہ ہے کہ اس رسالہ میں چند مواقع مغفرت کے ذکر کئے گئے ہیں اور اُن کے علاوہ بھی بہت سے اُمور ایسے ہیں کہ وہ مغفرت کے سبب ہوتے ہیں اور گناہ ان سے معاف ہو جاتے ہیں۔ اس پر ایک اشکال ہوتا ہے، وہ یہ کہ جب ایک مرتبہ گناہ معاف ہو چکے تو اُس کے بعد دوسری دفعہ معافی کے کیا معنی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مغفرت کا قاعدہ یہ ہے کہ جب وہ بندہ کی طرف متوجہ ہوتی ہے اگر اس پر کوئی گناہ ہوتا ہے تو اس کو مٹاتی ہے اور اگر اس کے اُوپر کوئی گناہ نہیں ہوتا تو اس کے بقدر اس پر رحمت اور اِنعام کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

تیسرا امر یہ ہے کہ سابقہ احادیث میں بھی بعض جگہ اور اس حدیث میں ابھی حق تعالیٰ شانہ نے اپنے مغفرت فرمانے پر فرشتوں کو گواہ بنایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کی عدالت کے معاملات ضابطہ پر رکھے گئے ہیں۔ انبیا علیہم الصّلاۃ والسّلام سے ان کی تبلیغ کے بارے میں بھی گواہ طلب کئے جائیں گے۔ چنانچہ احادیث کی کتابوں میں بہت سے مواقع پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم سے میرے بارے میں سوال ہوگا، لہٰذا تم گواہ رہو کہ میں پہنچا چکا ہوں۔ بخاری وغیرہ میں روایت ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام قیامت کے دن بلائے جائیں گے۔ اُن سے دریافت کیا جائے گا کہ تم نے رسالت کا حق ادا کیا، ہمارے احکام پہنچائے؟ وہ عرض کریں گے کہ پہنچائے تھے، پھر ان کی اُمت سے پوچھا جائے گا کہ تمھیں احکام پہنچائے تھے؟ وہ کہیں گے "مَا جَآءَ نَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ" ہمارے پاس نہ کوئی بشارت دینے والا آیا نہ ڈرانے والا تو حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ اپنے گواہ پیش کرو۔ وہ محمد ﷺ اور ان کی اُمت کو پیش کریں گے، اُمتِ محمد یہ بلائی جائے گی اور گواہی دے گی، بعض روایات میں آتا ہے کہ ان سے جرح کی جائے گی کہ تم کو کیا خبر کہ نوح علیہ السلام نے اپنے اُمت کو احکام پہنچائے؟ یہ عرض کریں گے کہ ہمارے رسول ﷺ نے خبر دی۔ ہمارے رسول پر جو سچّی کتاب اُتری اُس میں خبر دی گئی۔ اس طرح اور انبیاء علیہم الصّلاۃ والسّلام کی اُمت کے ساتھ بھی پیش آئے گا۔ اسی کے متعلق ارشادِ خداوندی

ہے "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ." (البقرة:۱۴۳)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہی کہ قیامت میں گواہیاں چار طرح کی ہوں گی۔ ایک ملائکہ کی جس کے متعلق آیات ذیل میں تذکرہ ہے "وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّ شَهِيْدٌ ○ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ○ (ق:۲۱،۱۸) وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِيْنَ ○ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ○ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ" (الانفطار:۱۰،۱۱،۱۲)۔

دوسری گواہی انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کی ہوگی جس کے متعلق ارشاد ہے وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ (المائدۃ:۱۱۷) فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ○ (النساء:۴۱)۔

تیسری اُمتِ محمدیہ کی گواہی ہوگی جس کے متعلق ارشاد ہے "وَجِایْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ" (الزمر:۶۹)۔ چوتھی آدمی کی اپنے اعضاء کی گواہی جس کے متعلق ارشاد ہے "يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ" (النور:۲۴) الایۃ اور "اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ" (یٰسٓ:۶۵)۔

اختصار کے خیال سے ان آیات کا ترجمہ نہیں لکھا۔ سب آیات کا حاصل قیامت کے دن ان چیزوں کی گواہی دینے کا ذکر ہے جن کا بیان آیت کے شروع میں لکھ دیا گیا۔ چوتھا امر حدیثِ بالا میں یہ ارشاد مبارک ہے میں تم کو کفار کے سامنے رسوا اور فضیحت نہ کرونگا۔ یہ حق تعالیٰ شانہ کا غایت درجہ کا لطف وکرم اور مسلمانوں کے حال پر غیرت ہے کہ اللہ کی رضا کے ڈھونڈنے والوں کے لئے یہ بھی لطف وانعام ہے کہ ان کی لغزشوں اور سیئات سے وہاں بھی درگزر اور پردہ پوشی کی جاتی ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہ ایک مومن کو اپنی قریب بُلا کر اس پر پردہ ڈال کر کہ کوئی دوسرا نہ دیکھے، لغزشوں اور سیئات یاد دلا کر اس سے ہر ہر گناہ کا اقرار کرائیں گے اور وہ اپنے گناہوں کی کثرت اور اقرار پر یہ سمجھے گا کہ اب ہلاکت کا وقت قریب آ گیا، تو ارشاد ہوگا کہ میں نے دنیا میں تجھ پر

ستاری فرمائی ہے تو آج بھی اُن پر پردہ ہے اور معاف ہیں۔ اس کے نیک اعمال کا دفتر اُس کے حوالہ کر دیا جائے گا۔

اور بھی سینکڑوں روایات سے یہ مضمون مُستنبط ہوتا ہے کہ اللہ کی رضا کے ڈھونڈنے والوں، اس کے احکام کی پابندی کرنے والوں کی لغزشوں سے درگذر کر دیا جاتا ہے۔ اس لئے نہایت اہمیّت کے ساتھ ایک مضمون سمجھ لینا چاہئے کہ جو لوگ اللہ والوں کی کوتاہیوں پر ان کی غیبت میں مبتلا رہتے ہیں وہ اس کا لحاظ رکھیں کہ مَبادا قیامت میں ان کے نیک اعمال کی برکت سے ان کی لغزشیں تو معاف کر دی جائیں اور پردہ پوشی فرمائی جائے، لیکن تم لوگوں کے اعمال نامے غیبت کا دفتر بن کر ہلاکت کا سبب بنیں۔ اللہ جَلَّ شَانُہٗ اپنے لطف سے ہم سب سے درگذر فرمائیں۔

پانچواں امر ضروری یہ ہے کہ حدیث بالا میں عید کی رات کو انعام کی رات سے پکارا گیا، اس رات میں حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے اپنے بندوں کو انعام دیا جاتا ہے اس لئے بندوں کو بھی اُس رات کی بے حد قدر کرنی چاہئے۔ بہت سے لوگ عوام کا تو پوچھنا ہی کیا خواص بھی رمضان کے تھکے ماندے اس رات میں میٹھی نیند سوتے ہیں، حالانکہ یہ رات بھی خصوصیّت سے عبادت میں مشغول رہنے کی ہے۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ثواب کی نیت کر کے دونوں عیدوں میں جاگے (اور عبادت میں مشغول رہے) اس کا دل اُس دن نہ مرے گا جس دن سب کے دل مر جاویں گے۔ (یعنی فتنہ وفساد کے وقت جب لوگوں کے قُلوب پر مردنی چھاتی ہے، اس کا دل زندہ رہے گا اور ممکن ہے کہ صور پھونکے جانے کا دن مراد ہو کہ اس کی رُوح بیہوش نہ ہوگی)۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص پانچ راتوں میں (عبادت کے لئے) جاگے اُس کے واسطے جنّت واجب ہو جاوے گی۔ لیلۃُ التَّرویَہ (آٹھ ذی الحجہ کی رات)، لیلۃُ العَرَفہ (۹ ذی الحجہ کی رات)، لیلۃُ النَّحر (۱۰ ذی الحجہ کی رات) اور عید الفطر کی رات اور شب برأت یعنی ۱۵ شعبان کی رات۔

فقہاء نے بھی عیدین کی رات میں جاگنا مستحب لکھا ہے۔ ''مَاثَبَتَ بِالسُّنَّۃِ'' میں امام شافعی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ پانچ راتیں دُعا کی قبولیت کی ہیں: جمعہ کی رات، عیدین کی راتیں، غرہ رَجب کی رات، اور نصف شعبان کی رات۔

تنبیہ: بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ رمضان المبارک میں جمعہ کی رات کا بھی خصوصیت سے اہتمام چاہئے کہ جمعہ اور اُسکی رات بہت متبرک اوقات ہیں۔ احادیث میں ان کی بہت فضیلت آئی ہے، مگر چونکہ بعض روایات میں جمعہ کی رات کو قیام کے ساتھ مخصوص کرنے کی ممانعت بھی وارد ہوئی ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ ایک دو رات کو اس کے ساتھ اور بھی شامل کرلے۔

آخر میں ناظرین سے لجاجت سے درخواست ہے کہ رمضان المبارک کے مخصوص اوقات میں جب آپ اپنے لئے دُعا فرمائیں تو ایک سیہ[1] کار کو بھی شامل فرمائیں کیا بعید ہے کہ کریم آقا تمہاری مخلصانہ دُعا سے اس کو بھی اپنی رضا و محبت سے نواز دیں۔

گرچہ میں بدکار و نالائق ہوں، اے شاہِ جہاں! پر ترے در کو بتا اب چھوڑ کر جاؤں کہاں؟
کون ہے تیرے سوا مجھ بے نوا کے واسطے

کشمکش سے ناامیدی کو ہوا ہوں میں تباہ دیکھ مت میرے عمل، کر لُطف پر اپنے نگاہ
یارب اپنے رحم و احسان و عطا کے واسطے

چرخ عصیاں سر پہ ہے زیر قدم بحرِ اَلم چار سو ہے فوجِ غم، کر جلد اب بہرِ کرم
کچھ رہائی کا سبب اس مبتلا کے واسطے

عبادت کا سہارا عابدوں کے واسطے اور تکیہ زہد کا ہے زاہدوں کے واسطے
ہے عصائے آہ مجھ بے دست و پا کے واسطے

نے فقیری چاہتا ہوں، نے امیری کی طلب نے عبادت، نے ورع، نے خواہشِ علم ادب
درد دل پر چاہئے مجھ کو خدا کے واسطے

عقل و ہوش و فکر اور نعمائے دنیا بے شمار کی عطا تُو نے مجھے، پر اب تو اے پروردگار

---

[1] یعنی حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ

بخش وہ نعمت جو کام آئے سدا کے واسطے

حد سے ابتر ہو گیا ہے حال مجھ ناشاد کا کر مری امداد، اللہ! وقت ہے امداد کا

اپنے لطف و رحمتِ بے انتہا کے واسطے

گو میں ہوں ایک بندۂ عاصی غلامِ پر قصور جرم میرا حوصلہ ہے نام ہے تیرا غفور

تیرا کہلاتا ہوں میں جیسا ہوں اے ربِّ شکور

اَنْتَ شَافِ اَنْتَ کَافٍ فِیْ مُهِمَّاتِ الْاُمُوْرِ

اَنْتَ حَسْبِی اَنْتَ رَبِّی اَنْتَ لِیْ نِعْمَ الْوَکِیْلُ

محمد زکریا کاندھلوی

مُقیم مظاہر العلوم سہارنپور

(وارد بستی حضرت نظام الدین دہلی)

۲۷/ شب رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ

Specialist in
DIGITIZING ISLAMIC BOOKS
Contact: noorbari786@gmail.com
Visit: noorhiraislamicbooks.com
١١ ذالقعدہ ١٤٤٦


إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا

فضائلِ دُرود شریف

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ

DIGITIZED ISLAMIC BOOKS
noorhiraislamicbooks.com

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اے ایمان والو! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور خوب سلام بھیجو

فضائلِ درود شریف

مؤلف

قطب الاقطاب امام ربانی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب
کاندھلوی مہاجر مدنی قدس سرہٗ۔ متوفی ۱۴۰۲ھ

جس میں

درود شریف کے فضائل اور نہ پڑھنے پر وعیدیں
اور خاص خاص درودوں کے فضائل اور آداب و مسائل، اور
روضۂ اقدس پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا طریقہ اور
درود شریف کے متعلق پچاس قصے ذکر کئے گئے ہیں۔

اس مبارک رسالہ کی اہمیت اور اس خصوصی اشاعت
کے وجوہ آخر کتاب صفحہ ۲۱۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

فہرستِ مضامین فضائلِ دُرود شریف

مضمون	صفحہ
تمہید	۵
﴿فصلِ اوّل﴾	۸
دُرود شریف کے فضائل میں۔	″
انّ اللہ وملٰئکتہ یصلّون علی النبی الآیۃ	۸
اللہ تعالیٰ شانہٗ کے درود بھیجنے کا مطلب	۱۱
قل الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی	۱۷
من صلّی علیّ واحدۃ صلی اللہ علیہ عشرًا	۱۸
اعمال کے ثواب میں کمی زیادتی	۱۹
من صلّی علیّ واحدۃً حط عنہ عشر سیئات	۲۰
دُرود شریف کے ثواب پر حضور ﷺ کی انتہائی مسرت اور طویل سجدۂ شکر	۲۱
حضور ﷺ کی شان میں گستاخی	۲۴
اِنّ اولی النّاس بی یوم القیٰمۃ اکثرہم علیّ صلٰوۃ	۲۵
اِنّ للہ ملٰئکۃ سیاحین الخ	۲۸
اِنّ اللہ وکّل بقبری ملکًا	۲۹
من صلّٰی علیّ عند قبری سمعتہ	۳۱
انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں	۳۴
قبرِ شریف پر کھڑے ہو کر دُرود کے الفاظ	۳۶
کم اجعل لک من صلٰوتی الخ	۴۱
جو شخص صبح و شام مجھ پر دس دفعہ دُرود پڑھے اُس پر میری شفاعت اُتر پڑتی ہے	۴۵
ہر دُرود پر ایک فرشتہ مقرر ہوتا ہے جو اُس کو اللہ کی پاک بارگاہ میں لیجاتا ہے	۴۶
دُرود کا ایک پرچہ اعمال کے پلڑے کو جُھکا دیگا۔ حدیث البطاقہ	۴۷
جس کے پاس کوئی چیز صدقہ کو نہ ہو وہ مجھ پر دُرود بھیجے۔	۴۸
دُرود شریف کے فضائل کی اجمالی فہرست۔	۵۱
﴿دُوسری فصل﴾	۵۵
خاص خاص دُرود کے خاص خاص فضائل کے بیان میں	″
کیف الصّلٰوۃ علیکم اہل البیت	۵۶
حضور ﷺ کے دُرود کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دُرود کے ساتھ تشبیہ	۶۱
جو یہ چاہے کہ اُس کا دُرود بڑی ترازو میں تُلے وہ یہ دُرود پڑھے	۶۲
مجھ پر جمعہ کے دن کثرت سے دُرود پڑھا کرو	۶۶

مضمون	صفحہ
اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو حرام کر دیا ہے۔	٦٦
جمعہ کے دن اَسّی مرتبہ درود کا ثواب	٦٩
اَللّٰھُمَّ انزلہ المقعد المقرب الخ پر وجوبِ شفاعت۔	٧٢
جَزَی اللہ عَنَّا مُحَمَّدًا الخ کا ثواب	٧٥
اذان کے جواب کے بعد دُرود	٧٨
وسیلہ اور مقامِ محمود کی تحقیق	٨٠
مسجد میں داخل ہوتے وقت دُرود	٦١
حضورِ اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کے لئے دُرود شریف	٨٦
حضور ﷺ کی خواب میں زیارت کے لئے دو تنبیہیں	٩١
درود و سلام کے الفاظ کی ایک چہل حدیث	٩٨
﴿تکملہ﴾	١١٥
درود شریف کے خاص خاص مواقع کی اجمالی فہرست	〃
﴿تیسری فصل﴾	١١٩
دُرود شریف نہ پڑھنے پر وعیدیں	〃
حضور ﷺ کے نام آنے پر درود شریف نہ پڑھنے پر حضرت جبرئیل علیہ السلام اور حضور ﷺ کی بددعائیں	١٢٠
بخیل وہ ہے جس کے سامنے حضور ﷺ کا نامِ مبارک آئے اور دُرود نہ پڑھے	١٢٣
حضور ﷺ کے پاک نام پر دُرود نہ پڑھنا جفا ہے۔	١٢٦
جس مجلس میں حضور ﷺ کا ذکر نہ ہو وہ قیامت کے دن وبال ہے۔	١٢٧
دُعا مانگنے کے وقت درود شریف کا پڑھنا۔	١٢٨
صلوٰۃ الحاجت	١٣٢
﴿چوتھی فصل﴾	١٣٣
فوائدِ متفرقہ کے بیان میں	〃
دُرود شریف کا حکم	〃
تحریر میں جہاں نامِ مبارک آئے وہاں بھی دُرود لکھنا چاہیئے	١٤٣
دُرود شریف کے متعلق آدابِ متفرقہ	١٤٧
دُرود شریف کے متعلق مسائل	١٤٨
﴿پانچویں فصل﴾	١٥٠
دُرود شریف کے متعلق پچاس حکایات	〃
مثنوی مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ	٢٠٠
اشعار از قصائدِ قاسمی	٢٠٦
اس مبارک رسالہ کی اہمیت اور اس خصوصی اشاعت کے وجوہ	٢١١

فضائلِ دُرود شریف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا وَّمُسَلِّمًا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمَوْجُوْدَاتِ الَّذِیْ قَالَ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اِلٰی یَوْمِ الْحَشْرِ

اَمَّا بَعْدُ اللہ جل جلالہٗ عم نوالہٗ کے لطف و انعام اور محض اُس کے فضل و احسان اور اُس کے نیک بندوں کی شفقت اور توجّہات سے اس ناکارہ ونابکار سیاہ کار کے قلم سے فضائل کے سلسلہ میں متعدد رسائل لکھے گئے جو نظام الدّین کے تبلیغی سلسلہ کے نصاب میں بھی داخل ہیں اور احباب کے سینکڑوں خطوط سے ان کا بہت زیادہ نافع ہونا معلوم ہوتا رہا۔ اِس ناکارہ کا اِس میں کوئی دخل نہیں۔ اوّلاً محض اللہ جل شانہٗ کا انعام، ثانیاً اُس پاک رسُول ﷺ کے کلام کی برکت جس کے تراجم ان رسائل میں پیش کئے گئے، ثالثاً اُن اللہ والوں کی برکتیں جن کے ارشادات سے یہ رسائل لکھے گئے ہیں۔ یہ اللہ کا محض لُطف وکرم ہے کہ ان ساری برکات میں اس ناپاک کی گندگی حائل نہ ہوئی۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کُلُّہٗ وَلَکَ الشُّکْرُ کُلُّہٗ اَللّٰھُمَّ لَا اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ۔

اِس سلسلہ کا سب سے پہلا رسالہ ۱۳۴۸ھ میں "فضائلِ قرآن" کے نام سے حضرتِ اقدس شاہ محمّد یٰسین[1] صاحب رحمۃ اللہ علیہ نگینوی خلیفۂ قطبِ عالم شیخ المشائخ حضرت گنگوہی قدس سرّہ العزیز کی تعمیلِ حکم میں لکھا گیا تھا، جیسا کہ اُس رسالہ کے شروع میں تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب نوّراللہ مرقدہٗ کا وصال ۳۰ شوّال ۱۳۶۰ھ شبِ پنجشنبہ میں ہوا تھا۔ نوّراللہ مرقدہٗ وَاَعلَی اللہ مَرَاتِبَہٗ۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصال کے وقت اپنے اجل خلیفہ مولانا الحاج عبدالعزیز سے دُعا جو کے ذریعہ یہ پیام اور وصیّت بھیجی کہ جس طرح "فضائلِ قرآن" لکھا گیا ہے میری خواہش ہے کہ اُسی طرح "فضائلِ دُرود شریف" بھی لکھدے۔ حضرت شاہ صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے وصال کے بعد مولانا عبدالعزیز صاحب بار بار اِس وصیّت کی یاد دہانی اور تکمیل پر اصرار کرتے رہے اور یہ ناکارہ بھی اپنی نا اہلیت کے باوجود دل سے خواہش کرتا رہا کہ یہ سعادت میسّر ہو جائے، شاہ صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات کا اصرار ہوتا رہا مگر اِس ناکارہ پر سیّدُالکونین فخرالرّسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلالتِ شان کا کچھ ایسا رعب طاری رہا کہ جب بھی اس کا ارادہ کیا یہ خوف طاری ہوا کہ مبادا کوئی چیز شانِ عالی کے خلاف نہ لکھی جائے۔

---

[1] حضرت شاہ صاحب کی ولادت ربیع الاوّل ۱۲۸۵ھ میں ہوئی۔ اِس لحاظ سے ۷۵ سال کی عمر میں وصال ہوا۔ نہایت بزرگ نہایت متواضع، نہایت کم گو، صاحبِ کشف اور صاحبِ تصرفات بزرگ تھے۔ اِس ناکارہ پر بہت ہی شفقت فرماتے تھے۔ حضرتِ ممدوح مدرسہ کے سالانہ جلسوں میں نہایت اہتمام سے تشریف لایا کرتے اور جلسہ سے فراغ پر کئی کئی دن اِس ناکارہ کے پاس قیام فرماتے۔ اہتمام سے اِس ناکارہ کے حدیث کے سبق میں بھی تشریف فرما ہوتے۔ اِس نابکار کی عادت اسباق میں ڈبیہ بٹوہ ساتھ لیجانے کی بھی تھی۔ ایک مرتبہ مرحوم نے یوں فرمایا کہ میں پان کھانے کو تو منع نہیں کرتا لیکن حدیثِ پاک کے سبق میں نہ کھایا کریں۔ اُس وقت سے آج تک تقریباً ۳۵ سال ہو چکے ہیں، بعض مرتبہ ۵-٦ گھنٹے مسلسل بھی سبق ہوا، لیکن سبق میں کبھی پان کا خیال بھی نہیں آیا۔ یہ حضرت ہی کا تصرف تھا۔ اس کے علاوہ اور بہت سے واقعات حضرت کی کرامتوں کے سُننے میں آئے ہیں۔ رفع اللہ درجاتہ۔

اِسی لیت ولعل میں گذشتہ سال عزیزی مولانا محمّد یوسُف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اصرار پر تیسری مرتبہ حجاز کی حاضری میسّر ہوئی اور اللہ کے فضل سے چوتھے حج کی سعادت حاصِل ہوئی۔ حج سے فراغ پر جب مدینہ پاک حاضری ہوئی تو وہاں پہنچکر بار بار دلمیں یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ "فضائلِ درود شریف" نہ لکھنے کا کیا جواب ہے؟ ہر چند کہ مَیں اپنے اعذار سوچتا تھا لیکن بار بار اس قلبی سوال پر یہ ناکارہ پختہ ارادہ کر کے آیا تھا کہ سفر سے واپسی پر انشاء اللہ اس مبارک رسالہ کی تکمیل کی کوشش کروں گا۔ مگر "خوئے بد را بہانہ بسیار" یہاں واپسی پر بھی اِمروز و فردا ہوتا رہا۔ اِس ماہِ مبارک میں اس داعیہ نے پھر عود کیا تو آج ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ آخری جمعہ کو جمعہ کی نماز کے بعد اللہ کے نام سے ابتداء تو کر ہی دی، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے تکمیل کی توفیق عطاء فرمائے اور اِس رسالہ میں اور اِس سے پہلے جتنے رسائل لکھے گئے ہیں یا عربی کی کتابیں لکھی گئی ہیں، اُن میں جو لغزشیں ہوئی ہوں محض اپنے لطف وکرم سے اُن کو معاف فرمائے۔

اِس رسالہ کو چند فصُول اور ایک خاتمہ پر لکھنے کا خیال ہے۔ پہلی فصل میں فضائلِ دُرود شریف۔ دوسری فصل میں خاص خاص دُرود شریف کے خاص فضائل، تیسری فصل میں دُرود شریف نہ پڑھنے کی وعیدیں۔ چوتھی فصل فوائدِ متفرقہ میں۔ پانچویں فصل حکایات میں۔ حق تعالیٰ شانہٗ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ دُرود شریف پڑھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ اِس رسالہ کے دیکھنے سے ہر شخص خود ہی محسوس کرلیگا کہ دُرود شریف کتنی بڑی دَولت ہے، اور اس میں کوتاہی کرنیوالے کتنی بڑی سعادت سے محروم ہیں۔

ع۵ ۶ ذی قعدہ ۱۳۸۳ھ کو سہارنپور سے روانگی ہوئی۔ ع۵ بُری عادت والے کے لئے بہت سے بہانے ۱۲

﴿فصلِ اوّل﴾
دُرود شریف کے فضائل میں

اس میں سب سے اہم اور سب سے مقدم تو خود حق تعالیٰ شانہٗ جلّ جلالہٗ عمّ نوالہٗ کا پاک ارشاد اور حکم ہے۔ چنانچہ قرآنِ پاک میں ارشاد ہے :

﴿۱﴾ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

﴿پ ۲۲ - ع ۳﴾

بیشک اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں اِن پیغمبر ﷺ پر۔ اے ایمان والو تم بھی آپ ﷺ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

﴿بیان القرآن﴾

﴿ف﴾ حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآنِ پاک میں بہت سے احکامات ارشاد فرمائے۔ نماز، روزہ، حج وغیرہ۔ اور بہت سے انبیاءِ کرام کی توصیفیں اور تعریفیں بھی فرمائیں اُن کے بہت سے اعزاز و اکرام بھی فرمائے۔ حضرت آدم علی نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو پیدا فرمایا تو فرشتوں کو حکم فرمایا کہ ان کو سجدہ کیا جائے، لیکن کسی حکم یا کسی اعزاز و اکرام میں یہ نہیں فرمایا کہ مَیں بھی یہ کام کرتا ہوں تم بھی کرو۔ یہ اعزاز صرف سیّد الکونین فخرِ عالم ﷺ ہی کے لئے ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے صلوٰۃ کی نسبت اوّلاً اپنی طرف، اس کے بعد اپنے پاک فرشتوں کی طرف کرنے کے بعد مسلمانوں کو حکم فرمایا کہ اللہ اور اُس کے فرشتے دُرود بھیجتے ہیں، اے مؤمنو تم بھی درود بھیجو۔

اِس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی کہ اِس عمل میں اللہ اور اُس کے فرشتوں کے سَاتھ مؤمنین کی شرکت ہے۔ پھر عربی دان حضرات جانتے ہیں کہ آیت شریفہ کو لفظ "اِنَّ" کے سَاتھ شروع فرمایا جو نہایت تاکید پر دلالت کرتا ہے، اور صیغۂ مضارع کے سَاتھ ذکر فرمایا جو اِستمرار اور دوام پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی یہ قطعی چیز ہے کہ اللہ اور اُس کے فرشتے ہمیشہ درود بھیجتے رہتے ہیں نبی ﷺ پر۔

علّامہ سخاویؒ لکھتے ہیں کہ :

"آیتِ شریفہ مضارع کے صیغہ کے سَاتھ جو دلالت کرنے والا ہے اِستمرار اور دوام پر، دلالت کرتی ہے اِس بات پر کہ اللہ اور اُس کے فرشتے ہمیشہ درود بھیجتے رہتے ہیں نبیّ کریم ﷺ پر۔" (اھ)

صَاحبِ رُوح البیان لکھتے ہیں :

"بعض علماء نے لکھا ہے کہ اللہ کے درود بھیجنے کا مطلب حضورِ اقدس ﷺ کو مقامِ محمُود تک پُہنچانا ہے اور وہ مقامِ شفاعت ہے۔ اور ملائکہ کے دُرود کا مطلب اُن کی دُعاء کرنا ہے حضور اقدس ﷺ کی زیادتیٔ مرتبہ کے لئے، اور حضور ﷺ کی اُمّت کے لئے استغفار، اور مؤمنین کے دُرود کا مطلب حضور ﷺ کا اتباع اور حضورِ اقدس ﷺ کے سَاتھ محبّت اور حضور ﷺ کے اَوصَافِ جمیلہ کا تذکرہ اور تعریف۔ یہ بھی لکھا ہے کہ یہ اعزاز و اکرام جو اللہ جلّ شانہٗ نے حضور ﷺ کو عطاء فرمایا ہے اُس اعزاز سے بہت بڑھا ہوا ہے جو حضرتِ آدم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو فرشتوں سے سجدہ کرا کر عطا فرمایا تھا، اِس لئے کہ حضور اقدس ﷺ کے اِس اعزاز و

اکرام میں اللہ جلّ شانہٗ خود بھی شریک ہیں، بخلاف حضرت آدم علیہ السلام کے اعزاز کے کہ وہاں صرف فرشتوں کو حکم فرمایا" ؎

عقل دور اندیش میداند کہ تشریفے چنیں
ہیچ دیں پرور ندید و ہیچ پیغمبر نیافت

؎ یُصَلِّیْ عَلَیْہِ اللّٰہُ جَلَّ جَلَالُہٗ ۞ بِھٰذَا بَدَا لِلْعَالَمِیْنَ کَمَالُہٗ

علماء نے لکھا ہے کہ آیتِ شریفہ میں حضور ﷺ کو "نبی" کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا "محمّد" ﷺ کے لفظ سے تعبیر نہیں کیا جیسا کہ اور انبیاء علیہم السلام کو اُن کے اسماء کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، یہ حضورِ اقدس ﷺ کی غایت عظمت اور غایت شرافت کی وجہ سے ہے۔ اور ایک جگہ جب حضور ﷺ کا ذکر حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ساتھ آیا تو اُن کو تو نام کے ساتھ ذکر کیا اور آپ ﷺ کو نبی کے لفظ سے جیسا کہ :-

" اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرَاھِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ وَھٰذَا النَّبِیُّ "

میں ہے اور جہاں کہیں نام لیا گیا ہے وہ خصوصی مصلحت کی وجہ سے لیا گیا ہے۔ علامہ سخاوی نے اِس مضمون کو تفصیل سے لکھا ہے۔

یہاں ایک بات قابلِ غور یہ ہے کہ صلوٰۃ کا لفظ جو آیتِ شریفہ میں وارد ہوا ہے اور اس کی نسبت اللہ جل شانہ کی طرف اور اُس کے فرشتوں کی طرف اور مؤمنین کی طرف کی گئی ہے وہ ایک مشترک لفظ ہے جو کئی معنٰی میں مستعمل ہوتا ہے اور کئی مقاصد اس سے حاصِل ہوتے ہیں، جیسا کہ صاحبِ رُوح البیان کے کلام میں بھی گزر چکا۔

علماء نے اِس جگہ صلٰوۃ کے بہت سے معنٰی لکھے ہیں۔ ہر جگہ جو معنٰی اللہ تعالٰی شانہ اور فرشتوں اور مؤمنین کے حال کے مناسب ہوں گے وہ مُراد ہوں گے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ صلٰوۃ علی النّبی کا مطلب نبی کی ثناء و تعظیم رحمت و عطوفت کے سَاتھ ہے۔ پھر جس کی طرف یہ صلٰوۃ منسوب ہوگی اسی کے شان و مرتبہ کے لائق ثناء و تعظیم مُراد لی جائے گی، جیسَا کہ کہتے ہیں کہ باپ بیٹے پر، بیٹا باپ پر، بھائی بھائی پر مہربان ہے، تو ظاہر ہے کہ جس طرح کی مہربانی باپ کی بیٹے پر ہے اُس نوع کی بیٹے کی باپ پر نہیں، اور بھائی کی بھائی پر دونوں سے جُدا ہے، اِسی طرح یہاں بھی اللہ جل شانہٗ بھی نبی کریم ﷺ پر صلٰوۃ بھیجتا ہے یعنی رحمت و شفقت کے سَاتھ آپ کی ثناء و اعزاز و اکرام کرتا ہے اور فرشتے بھی بھیجتے ہیں مگر ہر ایک کی صلٰوۃ اور رحمت و تکریم اپنی شان و مرتبہ کے موافق ہوگی۔ آگے مؤمنین کو حکم ہے کہ تم بھی صلٰوۃ و رحمت بھیجو۔ امام بخاری نے ابو العالیہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ کے دُرود کا مطلب اُس کا آپ کی تعریف کرنا ہے فرشتوں کے سامنے اور فرشتوں کا دُرود اُن کا دُعا کرنا ہے۔ حضرت ابنِ عبّاس سے یُصَلُّوْنَ کی تفسیر یُبَرِّکُوْنَ نقل کی گئی ہے یعنی برکت کی دُعا کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں :-

"یہ قول ابو العالیہ کے موافق ہے البتّہ اس سے خاص ہے۔

حافظ نے دوسری جگہ صلٰوۃ کے کئی معنٰی لِکھ کر لکھا ہے کہ ابو العالیہ کا قول میرے نزدیک زیادہ اَولٰی ہے کہ اللہ کی صلٰوۃ سے مُراد اللہ کی تعریف ہے

حضور ﷺ پر، اور ملائکہ وغیرہ کی صلوٰۃ اُس کی اللہ سے طلب ہے
اور طلب سے مُراد زیادتی کی طلب ہے نہ کہ اصل کی طلب۔" (اھ)
حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہؓ نے عرض کیا یارسُول اللہ
سَلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا یعنی التّحیّات میں جو پڑھا جاتا ہے اَلسَّلَامُ
عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ صلوٰۃ کا طریقہ بھی ارشاد فرمادیجئے۔
آپ نے یہ درود شریف ارشاد فرمایا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ
مُحَمَّدٍ الخ فصلِ ثانی کی حدیث ۱ پر یہ درود مفصّل آرہا ہے۔ یعنی اللہ
جلّ شانہ نے مؤمنین کو حکم دیا تھا کہ تم بھی نبی پر صلوٰۃ بھیجو۔ نبی نے اس کا طریقہ
بتادیا کہ تمہارا بھیجنا یہی ہے کہ تم اللہ ہی سے درخواست کرو کہ وہ اپنی بیش
از بیش رحمتیں ابدالآباد تک نبی پر نازل فرماتا رہے، کیونکہ اُس کی رحمتوں کی
کوئی حد و نہایت نہیں۔ یہ بھی اللہ کی رحمت ہے کہ اِس درخواست پر جو مزید
رحمتیں نازل فرمائے وہ ہم عاجز و ناچیز بندوں کی طرف منسوب کر دیجائیں
گویا ہم نے بھیجی ہیں۔ حالانکہ ہر حال میں رحمت بھیجنے والا وہی اکیلا ہے کسی
بندے کی کیا طاقت تھی کہ سیّدالانبیاء کی بارگاہ میں اُن کے رتبہ کے لائق تحفہ پیش کرسکتا۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نوراللہ مرقدہٗ لکھتے ہیں :۔

" اللہ سے رحمت مانگنی اپنے پیغمبر پر اور اُن کے ساتھ اُن کے
گھرانہ پر بڑی قبولیت رکھتی ہے۔ ان پر ان کے لائق رحمت اُترتی ہے اور
ایک دفعہ مانگنے سے دس رحمتیں اُترتی ہیں مانگنے والے پر، اب جس کا جتنا
بھی جی چاہے اُتنا حاصِل کرلے۔" (اھ مختصرًا)

یہ حدیث جس کی طرف شاہ صاحب نے اشارہ فرمایا عنقریب ۳ پر آرہی ہے۔

اس مضمون سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ بعض جاہلوں کا یہ اعتراض کہ آیتِ شریفہ میں مسلمانوں کو حضور ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنے کا حکم ہے اور اس پر مسلمانوں کا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ اے اللہ تو درود بھیج محمد ﷺ پر مضحکہ خیز ہے۔ یعنی جس چیز کا حکم دیا تھا اللہ نے بندوں کو وہی چیز اللہ تعالےٰ شانہٗ کی طرف لوٹا دی بندوں نے۔ چونکہ اوّل تو خود حضورِ اقدس ﷺ نے آیتِ شریفہ کے نازل ہونے پر جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے اِس کی تعمیل کی صورت دریافت کی تو حضورِ اقدس ﷺ نے یہی تعلیم فرمایا جیسا کہ اُوپر گزرا۔ نیز جیسا کہ فصلِ ثانی کی حدیث ۱ پر مفصّل آرہا ہے۔ دوسرے اِس وجہ سے کہ ہمارا یہ درخواست کرنا اللہ جلّ شانہٗ سے کہ تو اپنی رحمتِ خاص نازل کر یہ اس سے بہت ہی زیادہ اُونچا ہے کہ ہم اپنی طرف سے کوئی ھدیہ حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجیں۔

علّامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ قولِ بدیع میں تحریر فرماتے ہیں :۔

﴿فائدہ مہمہ﴾ امیر مصطفےٰ ترکمانی حنفی کی کتاب میں لکھا ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ اِس میں کیا حکمت ہے کہ اللہ نے ہمیں درود کا حکم فرمایا ہے اور ہم یوں کہکر کہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ خود اللہ جلّ شانہٗ سے اُلٹا سوال کریں کہ وہ درود بھیجے یعنی نماز میں ہم اُصَلِّیْ عَلٰی مُحَمَّدٍ کی جگہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ پڑھیں۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ حضورِ اقدس

ﷺ کی پاک ذات میں کوئی عیب نہیں اور ہم سَراپا عیوب و نقائص ہیں، پس جس شخص میں بہت عیب ہوں وہ ایسے شخص کی کیا ثنا کرے جو پاک ہے اِس لئے ہم اللہ ہی سے درخواست کرتے ہیں کہ وہی حضور ﷺ پر صلوٰۃ بھیجے تاکہ ربِّ طاہر کی طرف سے نبیِّ طاہر پر صلوٰۃ ہو۔"

ایسے ہی علّامہ نیشاپُوری سے بھی نقل کیا ہے کہ ان کی کتاب لطائف و حکم میں لِکھا ہے کہ آدمی کو نماز میں صَلَّیْتُ عَلٰی مُحَمَّدٍ نہ پڑھنا چاہیئے۔ اِس واسطے کہ بندہ کا مرتبہ اِس سے قاصر ہے اِس لئے اپنے رب ہی سے سوال کرے کہ وہ حضور ﷺ پر صلوٰۃ بھیجے تو اِس صورت میں رحمت بھیجنے والا توحقیقت میں اللہ جلّ شانہٗ ہی ہے اور ہماری طرف اِس کی نسبت مجازاً بحیثیت دُعا کے ہے۔

ابن ابی حجلہ نے بھی اسی قسم کی بات فرمائی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب اللہ جل شانہٗ نے ہمیں درود کا حکم فرمایا اور ہمارا درود حقِّ واجب تک نہیں پہنچ سکتا تھا اِس لئے ہم نے اللہ جلّ شانہٗ ہی سے درخواست کی کہ وہی زیادہ واقف ہے اِس بات سے کہ حضور ﷺ کے درجہ کے موافق کیا چیز ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا دوسری جگہ لَآ اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَآ اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ یا اللہ میں آپ کی تعریف کرنے سے قاصر ہوں، آپ ایسے ہی ہیں جیسا کہ آپ نے اپنی خود ثناء فرمائی ہے۔

علّامہ سخاویؒ فرماتے ہیں کہ جب یہ بات معلوم ہوگئی تو جس طرح

حضور ﷺ نے تلقین فرمایا ہے اسی طرح تیرا درود ہونا چاہیئے کہ اسی سے تیرا مرتبہ بلند ہوگا اور نہایت کثرت سے درود شریف پڑھنا چاہیئے۔ اور اس کا بہت اہتمام اور اس پر مداومت چاہیئے اِس لئے کہ کثرتِ درود محبّت کی علامات میں سے ہے فَمَنْ اَحَبَّ شَیْئاً اَکْثَرَ مِنْ ذِکْرِہٖ جس کو کِسی سے محبّت ہوتی ہے اس کا ذکر بہت کثرت سے کیا کرتا ہے۔ ﴿اھ مختصراً﴾

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام زین العابدین سے نقل کیا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ پر کثرت سے درود بھیجنا اہلِ سُنّت ہونے کی علامت ہے ﴿یعنی سُنّی ہونے کی﴾۔

علامہ زرقانی شرح مواہب میں نقل کرتے ہیں کہ مقصود درود شریف سے اللہ تعالٰی شانہ، کی بارگاہ میں اس کے امتثالِ حکم سے تقرب حاصِل کرنا ہے اور حضور اقدس ﷺ کے حقوق جو ہم پر ہیں اس میں سے کچھ کی ادائیگی ہے۔

حافظ عز الدّین ابن عبدالسّلام کہتے ہیں کہ ہمارا درود حضور ﷺ کیلئے سفارش نہیں ہے اس لئے کہ ہم جیسا حضور ﷺ کیلئے سفارش کیا کرسکتا ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ اللہ جلّ شانہ، نے ہمیں محسن کے احسان کے بدلہ دینے کا حکم دیا ہے اور حضور ﷺ سے بڑھ کر کوئی محسنِ اعظم نہیں۔ ہم چونکہ حضور ﷺ کے احسانات کے بدلہ سے عاجز تھے اللہ جلّ شانہ، نے ہمارا عجز دیکھکر ہم کو اس کی مکافات کا طریقہ بتایا کہ درود پڑھا جائے اور چونکہ ہم اس سے بھی عاجز تھے اِس لئے ہم نے اللہ جلّ شانہ، سے درخواست کی کہ تو اپنی شان کے موافق مکافات فرما اھ مختصراً

چونکہ قرآنِ پاک کی آیتِ بالا میں درود شریف کا حکم ہے اس لئے علمائے نے درود شریف پڑھنے کو واجب لکھا ہے، جس کی تفصیل چوتھی فصل میں فائدہ ۱

پر آئے گی۔

یہاں ایک اشکال پیش آتا ہے جس کو علامہ رازی نے تفسیرِ کبیر میں لکھا ہے کہ :۔

"جب اللہ جلّ شانہٗ اور اُس کے ملائکہ حضور ﷺ پر درود بھیجتے ہیں تو پھر ہمارے درود کی کیا ضرورت رہی۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا حضور ﷺ پر درود حضور ﷺ کی احتیاج کی وجہ سے نہیں اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے درود کے بعد فرشتوں کے درود کی بھی ضرورت نہ رہتی، بلکہ ہمارا درود حضور اقدس ﷺ کی اظہارِ عظمت کے واسطے ہے جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے پاک ذکر کا بندوں کو حکم کیا، حالانکہ اللہ جلّ شانہٗ کو اس کے پاک ذکر کی بالکل ضرورت نہیں۔" ﴿اھ مختصراً﴾

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مجھ سے بعض لوگوں نے یہ اشکال کیا کہ آیتِ شریفہ میں صلوٰۃ کی نسبت تو اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے سلام کی نہیں کی گئی۔ مَیں نے اس کی وجہ بتائی کہ شاید اِس وجہ سے کہ سلام دو معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے، ایک دعا میں، دوسرے انقیاد و اتباع میں۔ مؤمنین کے حق میں دونوں معنیٰ صحیح ہو سکتے تھے اِس لئے ان کو اس کا حکم کیا گیا۔ اور اللہ اور فرشتوں کے لحاظ سے تابعداری کے معنیٰ صحیح نہیں ہو سکتے تھے اِس لئے اس کی نسبت نہیں کی گئی۔

اِس آیتِ شریفہ کے متعلق علّامہ سخاوی نے ایک بہت ہی عبرتناک قصّہ لکھا ہے، وہ احمد یمانی سے نقل کرتے ہیں کہ مَیں صنعاء میں تھا، میں نے دیکھا کہ ایک شخص کے گرد بڑا مجمع ہو رہا ہے۔ مَیں نے پُوچھا یہ کیا بات ہے؟

لوگوں نے بتایا یہ شخص بڑی اچھی آواز سے قرآن پڑھنے والا تھا۔ قرآن پڑھتے ہوئے جب اِس آیت پر پہنچا تو یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ کے بجائے یُصَلُّوْنَ عَلٰی عَلِیِّ النَّبِیِّ پڑھ دیا۔ جس کا ترجمہ یہ ہوا کہ اللہ اور اُس کے فرشتے حضرت علیؓ پر درود بھیجتے ہیں جو نبی ہیں (غالباً پڑھنے والا رافضی ہوگا) اُس کے پڑھتے ہی گونگا ہوگیا، برص اور جذام یعنی کوڑھ کی بیماری میں مبتلا ہوگیا اور اندھا اور اپاہج ہوگیا۔ اھ

بڑی عبرت کا مقام ہے، اللہ ہی محفوظ رکھے اپنی پاک بارگاہ میں اور اپنے پاک کلام اور پاک رسولوں کی شان میں بے ادبی سے ہم لوگ اپنی جہالت اور لاپروائی سے اس کی بالکل پرواہ نہیں کرتے کہ ہماری زبان سے کیا نکل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنی پکڑ سے محفوظ رکھے۔

﴿۲﴾ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ؕ ﴿پ ۱۹۔ ع ۲۰﴾

آپ کہئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے سزاوار ہیں اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جس کو اُس نے منتخب فرمایا ہے ﴿بیان القرآن﴾

﴿ف﴾ علماء نے لکھا ہے کہ یہ آیتِ شریفہ اگلے مضمون کے لئے بطور خطبہ کے ارشاد ہے۔ اِس آیتِ شریفہ میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی تعریف اور اللہ کے منتخب بندوں پر سلام کا حکم کیا گیا ہے۔

حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ نے اپنے رسُول کو حکم فرمایا ہے کہ سَلام بھیجیں اللہ کے مختار بندوں پر اور وہ اُس کے رسُول اور انبیاء کرام ہیں۔ جیسا کہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے نقل کیا گیا ہے کہ

عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى سے مُراد انبیاء ہیں جیسا کہ دوسری جگہ اللہ کے پاک ارشاد "سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○" میں ارشاد ہے۔ اور امام ثوری وسدی وغیرہ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ اس سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ قول نقل کیا گیا ہے اور ان دونوں میں کوئی منافاۃ نہیں کہ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے مصداق ہیں تو انبیاء کرام علیہم السلام اس میں بطریقِ اَولیٰ داخل ہیں۔ اھ

﴿۳﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً وَّاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے اللہ جلّ شانہٗ اُس پر دس دفعہ صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔

﴿رواہ مسلم وابوداؤد وابن حبان فی صحیحہ وغیرھم کذا فی الترغیب﴾

﴿ف﴾ اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے تو ایک ہی دُرود اور ایک ہی رحمت سَاری دنیا کے لئے کافی ہے چہ جائیکہ ایک دفعہ درود پڑھنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس رحمتیں نازل ہوں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت درود شریف کی ہوگی کہ اس کے ایک دفعہ درود پڑھنے پر اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے دس دفعہ رحمتیں نازل ہوں۔ پھر کتنے خوش قسمت ہیں وہ اکابر جن کے معمولات میں روزانہ سوا لاکھ درود شریف کا معمول ہو جیسا کہ میں نے اپنے بعض خاندانی اکابر کے متعلق سُنا ہے۔

علّامہ سخاوی نے عامر بن ربیعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے

کہ جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ جلّ شانہٗ اس پر دس دفعہ درود بھیجتا ہے، تمہیں اختیار ہے جتنا چاہے کم بھیجو جتنا چاہے زیادہ۔ اور یہی مضمون عبداللہ بن عمروؓ سے بھی نقل کیا گیا اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے دس دفعہ درود بھیجتے ہیں۔ اور بھی متعدد صحابہ سے علّامہ سخاوی نے یہ مضمون نقل کیا ہے اور ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

"جیسا اللہ جلّ شانہٗ نے حضورِ اقدس ﷺ کے پاک نام کو اپنے پاک نام کے ساتھ کلمۂ شہادت میں شریک کیا اور آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت، آپ کی محبت کو اپنی محبت قرار دیا۔ ایسے ہی آپ پر دُرود کو اپنے دُرود کے ساتھ شریک فرمایا۔ بس جیسا کہ اپنے ذکر کے متعلق فرمایا اُذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ ایسے ہی دُرود کے بارے میں ارشاد فرمایا جو آپ پر ایک دفعہ دُرود بھیجتا ہے اللہ اُس پر دس دفعہ دُرود بھیجتا ہے۔"

ترغیب کی ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص حضور ﷺ پر ایک دفعہ درود بھیجے اللہ تعالیٰ شانہٗ اور اُس کے فرشتے اُس پر ستّر دفعہ درود ﴿رحمت﴾ بھیجتے ہیں۔

یہاں ایک بات سمجھ لینا چاہیئے کہ کسی عمل کے متعلق اگر ثواب کے متعلق کمی زیادتی ہو جیسا یہاں ایک حدیث میں دس اور ایک میں ستّر آیا ہے تو اس کے متعلق بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ چونکہ اللہ جلّ شانہٗ کے احسانات اُمّتِ محمدیہ پر روز افزوں ہوئے ہیں، اِس لئے جن روایتوں میں ثواب کی زیادتی ہے وہ بعد کی ہیں۔ گویا اوّلاً حق تعالیٰ شانہٗ نے دس کا وعدہ فرمایا بعد میں ستّر کا اور بعض علماء نے اِس کو اشخاص اور احوال اور اوقات کے

اعتبار سے کم وبیش بتایا ہے۔ فضائلِ نماز میں جماعت کی نماز میں پچیس ۲۵ گنے اور ستائیس ۲۷ گنے کے اختلاف کے بارے میں یہ مضمون گذر چکا ہے۔ مُلّا علی قاریؒ نے ستّر والی روایت کے متعلق لکھا ہے کہ شاید یہ جمعہ کے دن کے ساتھ مخصوص ہے، اِس لئے کہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ نیکیوں کا ثواب جمعہ کے دن ستّر گنا ہوتا ہے۔

﴿۴﴾ عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلْیُصَلِّ عَلَیَّ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ مَرَّۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا وَفِیْ رِوَایَۃٍ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَّحَطَّ عَنْہُ عَشْرَ سَیِّئَاتٍ وَّرَفَعَہٗ بِھَا عَشْرَ دَرَجَاتٍ *

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس کے سامنے میرا تذکرہ آوے اُس کو چاہیئے کہ مجھ پر درود بھیجے اور جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے گا اللہ جلّ شانہٗ اُس پر دس دفعہ درود بھیجے گا اور اُس کی دس خطائیں معاف کرے گا اور اُس کے دس درجے بلند کرے گا *

﴿رواہ احمد والنسائی واللفظ لہٗ وابن حبان فی صحیحہ کذا فی الترغیب﴾

﴿ف﴾ علامہ منذریؒ نے ترغیب میں حضرت براءؓ کی روایت سے بھی یہی مضمون نقل کیا ہے اور اس میں اتنا اضافہ ہے کہ یہ اس کیلئے دس غلام آزاد کرنے کے بقدر ہوگا۔ اور طبرانی کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اُس پر دس دفعہ

درود بھیجتا ہے اور جو مجھ پر دس دفعہ درود بھیجتا ہے، اللہ جلّ شانہٗ اُس پر سَو مرتبہ درود بھیجتا ہے، اور جو مجھ پر سَو دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالےٰ اُس کی پیشانی پر بَرَآءَۃٌ مِّنَ النِّفَاقِ وَبَرَآءَۃٌ مِّنَ النَّارِ لکھ دیتے ہیں یعنی یہ شخص نفاق سے بھی بَری ہے اور جہنّم سے بھی بَری ہے اور قیامت کے دن شہیدوں کے سَاتھ اُس کا حشر فرمائیں گے۔

علّامہ سخاویؒ نے حضرت ابو ہُریرہؓ سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو مجھ پر دس دفعہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر سَو دفعہ درود بھیجیں گے اور جو مجھ پر سَو دفعہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اُس پر ہزار دفعہ درود بھیجیں گے اور جو عشق و شوق میں اس پر زیادتی کرے گا مَیں اُس کے لئے قیامت کے دن سفارشی ہوں گا اور گواہ۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے مختلف الفاظ کے سَاتھ یہ مضمون نقل کیا گیا ہے کہ ہم چار پانچ آدمیوں میں سے کوئی نہ کوئی شخص حضورِ اقدس ﷺ کے ساتھ رہتا تھا تاکہ کوئی ضرورت اگر حضورِ اقدس ﷺ کو پیش آئے تو اس کی تعمیل کی جائے۔ ایک دفعہ حضورِ اقدس ﷺ کسی باغ میں تشریف لے گئے، میں بھی پیچھے پیچھے حاضر ہو گیا۔ حضورِ اقدس ﷺ نے وہاں جاکر نماز پڑھی اور اتنا طویل سجدہ کیا کہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ حضورِ اقدس ﷺ کی رُوح پرواز کر گئی۔ مَیں اِس تصوّر سے رونے لگا۔ حضور ﷺ کے قریب جاکر حضور ﷺ کو دیکھا۔ حضور ﷺ نے سجدہ سے فارغ ہو کر دریافت فرمایا عبدالرحمٰن کیا بات ہے؟ مَیں نے عرض کیا یا رسُولَ اللہ! آپ نے

اتنا طویل سجدہ کیا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں (خدانخواستہ) آپ کی رُوح تو پرواز نہیں کر گئی۔ حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے میری اُمّت کے بارے میں مجھ پر ایک انعام فرمایا ہے اُس کے شکرانہ میں اتنا طویل سجدہ کیا۔ وہ انعام یہ ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے یوں فرمایا کہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے اللہ جلّ شانہٗ اُس کے لئے دس نیکیاں لکھیں گے اور دس گناہ معاف فرمائیں گے۔

ایک روایت میں اِسی قصّہ میں ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا کہ عبدالرحمٰن کیا بات ہے؟ میں نے اپنا اندیشہ ظاہر کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ابھی جبرئیل میرے پاس آئے تھے اور مجھ سے یوں کہا کہ کیا تمہیں اِس سے خوشی نہیں ہوگی کہ اللہ جلّ شانہٗ نے یہ ارشاد فرمایا ہے جو تم پر درود بھیجے گا مَیں اُس پر درود بھیجوں گا اور جو تم پر سَلام بھیجے گا میں اُس پر سَلام بھیجوں گا۔ (کذا فی الترغیب)

حضرت علّامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اِسی قسم کا مضمون نقل کیا ہے۔

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ بہت ہی بشّاش تشریف لائے۔ چہرۂ انور پر بشاشت کے اثرات تھے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسُولَ اللہ! آپ کے چہرۂ انور پر آج بہت ہی بشاشت ظاہر ہو رہی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا صحیح ہے، میرے پاس میرے ربّ کا پیام آیا ہے جس میں اللہ جلّ شانہٗ نے یوں فرمایا

ہے کہ تیری اُمّت میں سے جو شخص ایک دفعہ درود بھیجے گا اللہ جلّ شانہٗ اُس کے لئے دس نیکیاں لکھے گا اور دس سیّئات اُس سے مٹائیں گے اور دس درجے اس کے بلند کریں گے۔

ایک روایت میں اِسی قصّہ میں ہے کہ تیری اُمّت میں سے جو شخص ایک دفعہ درود بھیجے گا مَیں اُس پر دس دفعہ درود بھیجوں گا اور جو مجھ پر ایک دفعہ سَلام بھیجے گا میں اُس پر دس دفعہ سَلام بھیجوں گا۔

ایک اور روایت میں اسی قصّہ میں ہے کہ ایک دن نبیِّ کریم ﷺ کا چہرۂ انور خوشی سے بہت ہی چمک رہا تھا اور خوشی کے انوار چہرۂ انور پر بہت ہی محسُوس ہو رہے تھے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسُولَ اللہ! جتنی خوشی آج چہرۂ انور پر محسُوس ہو رہی ہے اتنی تو پہلے محسُوس نہیں ہوتی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے کیوں نہ خوشی ہو، ابھی جبرئیلؑ میرے پاس سے گئے ہیں اور وہ یوں کہتے تھے کہ آپ کی اُمّت میں سے جو شخص ایک دفعہ بھی درود پڑھے گا اللہ جلّ شانہٗ اس کی وجہ سے دس نیکیاں اُس کے نامۂ اعمال میں لکھیں گے اور دس گناہ معاف فرمائیں گے اور دس درجے بلند کریں گے اور ایک فرشتہ اس سے وہی کہے گا جو اُس نے کہا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں مَیں نے جبرئیلؑ سے پوچھا یہ فرشتہ کیسا؟ تو جبرئیلؑ نے کہا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے ایک فرشتہ کو قیامت تک کے لئے مقرر کر دیا ہے کہ جو آپ پر درود بھیجے وہ اس کے لئے وَاَنْتَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ کی دعا کرے (کذا فی الترغیب)

" علّامہ سخاویؒ نے ایک اشکال کیا ہے کہ جب قرآن پاک کی

آیت مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا کی بناء پر ہر نیکی کا ثواب دس گُنے ملتا ہے تو پھر درود شریف کی کیا خصوصیت رہی۔ بندہ کے نزدیک تو اس کا جواب آسان ہے اور وہ یہ کہ حسبِ ضابطہ اس کی دس نیکیاں علیحدہ ہیں اور اللہ جلّ شانہٗ کا دس دفعہ درود بھیجنا مستقل مزید انعام ہے۔ اور خود علّامہ سخاویؒ نے اس کا جواب یہ نقل کیا ہے کہ اوّل تو اللہ جلّ شانہٗ کا دس دفعہ درود بھیجنا اس کی اپنی نیکی کے دس گُنے ثواب سے کہیں زیادہ ہے، اس کے علاوہ دس مرتبہ درود کے ساتھ دس درجوں کا بلند کرنا، دس گناہوں کا معاف کرنا، دس نیکیوں کا اس کے نامۂ اعمال میں لکھنا اور دس غلاموں کے آزاد کرنے کے بقدر ثواب ملنا مزید برآں ہے۔"

حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہٗ نے زادالسّعید میں تحریر فرمایا ہے کہ:

"جس طرح حدیث شریف کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ایکبار درود پڑھنے سے دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں اسی طرح سے قرآن شریف کے اشارہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی شانِ ارفع میں ایک گستاخی کرنے سے نعوذ باللہ منہا اس شخص پر منجانب اللہ دس لعنتیں نازل ہوتی ہیں۔ چنانچہ ولید بن مغیرہ کے حق میں اللہ تعالیٰ نے بسزا استہزاء[عہ] یہ دس کلمات ارشاد فرمائے۔ حلّافَ، مہینَ، ہمّازَ، مشّاءٍ بنمیم، منّاعَ للخیر، معتدٍ، اثیمَ عتلٍّ، زنیمَ، مکذّبَ للآیات بدلالت قولہ تعالیٰ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیَاتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ۔" فقط

یہ الفاظ جو حضرت تھانوی نوّراللہ مرقدہٗ نے تحریر فرمائے ہیں یہ سب کے سب

عہ ہنسی اُڑانے کی سزا میں ۱۲

انتیسویں پارے میں سُورۂ نون کی اِس آیت میں وارد ہوئے ہیں:

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ○

ترجمہ: اور آپ کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا ہو، بے وقعت ہو، طعنہ دینے والا ہو، چغلیاں لگاتا پھرتا ہو، نیک کام سے روکنے والا ہو، حد سے گذرنے والا ہو، گُناہوں کا کرنے والا ہو، سخت مزاج ہو، اس کے علاوہ حرام زادہ[1] ہو، اِس سبب سے کہ وہ مال و اولاد والا ہو جب ہماری آیتیں اُس کے سامنے پڑھکر سُنائی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے منقول چلی آتی ہیں۔

﴿ بیان القرآن ﴾

﴿۵﴾ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلٰوةً۔

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ بلاشک قیامت میں لوگوں میں سے سب سے زیادہ مجھ سے قریب وہ شخص ہوگا جو سب سے زیادہ مجھ پر درود بھیجے۔

﴿ رواہ الترمذی وابن حبّان فی صحیحہ کلاھما من روایۃ موسٰی بن یعقوب کذا فی الترغیب وبسط السخاوی فی القول البدیع الکلام علی تخریجہ ﴾

﴿ف﴾ علامہ سخاویؒ نے قولِ بدیع میں الدُّرُّ المُنَظَّم سے حضور ﷺ کا یہ اِرشاد نقل کیا ہے کہ تم میں کثرت سے درود پڑھنے والا کل قیامت کے دن

[1] حرام زادہ جس کے متعلق ان آیات کا نزول ہوا ہے یہ زنا کی اولاد تھا ۱۲

مجھ سے سب سے زیادہ قریب ہوگا۔

حضرت انسؓ کی حدیث سے بھی یہ اِرشاد نقل کیا ہے کہ قیامت میں ہر موقع پر مجھ سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو مجھ پر کثرت سے درود پڑھنے والا ہوگا۔ فصل دوم کی حدیث نمبر ۳ میں بھی یہ مضمون آرہا ہے۔ نیز حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو، اِس لئے کہ قبر میں ابتداءً تم سے میرے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

ایک دوسری حدیث میں نقل کیا ہے کہ مجھ پر درود بھیجنا قیامت کے دن پُلِ صراط کے اندھیرے میں نور ہے۔ اور جو یہ چاہے کہ اس کے اعمال بہت بڑی ترازو میں تُلیں اُس کو چاہیئے کہ مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرے۔

ایک اور حدیث میں حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے، سب سے زیادہ نجات والا قیامت کے دن اُس کے ہَولوں سے اور اُس کے مقامات سے وہ شخص ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ مجھ پر درود بھیجتا ہو۔

زادالسّعید میں حضرت انسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو مجھ پر درود کی کثرت کریگا وہ عرش کے سایہ میں ہوگا۔

علّامہ سخاویؒ نے ایک حدیث میں حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ تین آدمی قیامت کے دن اللہ کے عرش کے سایہ میں ہوں گے جس دن اُس کے سایہ کے علاوہ کسی چیز کا سایہ نہ ہوگا۔ ایک وہ شخص جو کسی مصیبت زدہ کی مصیبت ہٹائے۔ دوسرا وہ جو میری سُنّت کو زندہ کرے۔ تیسرے وہ جو میرے اُوپر کثرت سے درود بھیجے۔

ایک اور حدیث میں علّامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ اپنی مجالس کو درود شریف کے ساتھ مزیّن کیا کرو اِس لئے کہ مجھ پر درود پڑھنا تمہارے لئے قیامت میں نور ہے۔

علّامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے قوت القلوب سے نقل کیا ہے کہ کثرت کی کم سے کم مقدار تین سو مرتبہ ہے، اور حضرتِ اقدس گنگوہی قُدِّسَ سِرُّہٗ بھی اپنے متوسّلین کو تین سو مرتبہ بتایا کرتے تھے جیسا کہ آئندہ فصل سوم حدیث نمبر ۳ پر آرہا ہے۔

علّامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیثِ بالا اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ کے ذیل میں لکھا ہے کہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں حدیثِ بالا کے بعد لکھا ہے کہ اس حدیث میں واضح دلیل ہے اِس بات پر کہ قیامت کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سب سے زیادہ حضراتِ محدّثین ہوں گے، اِس لئے کہ یہ حضرات سب سے زیادہ درود پڑھنے والے ہیں۔

اسی طرح حضرت ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہا ہے کہ اِس فضیلت کے ساتھ حضراتِ محدّثین مخصوص ہیں، اِس لئے کہ جب وہ حدیث نقل کرتے ہیں یا لکھتے ہیں تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک نام کے ساتھ درود شریف ضرور ہوتا ہے۔ اِسی طرح سے خطیب نے ابو نعیم سے بھی نقل کیا ہے کہ یہ فضیلت محدّثین کے ساتھ مخصوص ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ احادیث پڑھتے ہیں یا نقل کرتے ہیں یا لکھتے ہیں تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک نام کے ساتھ کثرت سے درود لکھنے یا پڑھنے کی نوبت آتی ہے۔ محدّثین سے مُراد اِس موقعہ میں ائمہ حدیث نہیں ہیں بلکہ وہ سب حضرات اِس میں داخل ہیں جو حدیثِ پاک کی کتابیں پڑھتے یا پڑھاتے ہوں چاہے عربی میں ہوں یا اردو میں۔

زادالسعید میں طبرانی سے حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص مجھ پر درود بھیجے کسی کتاب میں (یعنی لکھے) ہمیشہ فرشتے اس پر درود بھیجتے رہیں گے جب تک میرا نام اِس کتاب میں رہے گا۔ اور طبرانی ہی سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص صبح کو مجھ پر دس۱۰ بار درود بھیجے اور شام کو دس۱۰ بار، قیامت کے دن اُس کے لئے میری شفاعت ہوگی۔

اور امام مستغفری رحمۃ اللہ علیہ سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو کوئی ہر روز ستّر۷۰ بار مجھ پر درود بھیجے اُس کی ستّر۷۰ حاجتیں پُوری کی جائیں، تیس۳۰ دنیا کی، باقی آخرت کی۔

﴿۶﴾ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةً سَيَّاحِيْنَ يُبَلِّغُوْنِيْ عَنْ اُمَّتِيَ السَّلَامَ۔

ابن مسعودؓ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اللہ جلّ شانہٗ کے بہت سے فرشتے ایسے ہیں جو (زمین میں) پھرتے رہتے ہیں اور میری اُمّت کی طرف سے مجھے سلام پہنچاتے ہیں۔

رواہ النسائی وابن حبان فی صحیحہ کذا فی الترغیب زاد فی القول البدیع احمد والحاکم وغیرھما وقال الحاکم صحیح الاسناد ﴾

﴿ف﴾ اور بھی متعدد صحابۂ کرامؓ سے یہ مضمون نقل کیا گیا ہے۔ علّامہ سخاویؒ نے حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کی روایت سے بھی یہی مضمون نقل کیا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ کے کچھ فرشتے زمین میں پھرتے رہتے ہیں جو میری اُمّت کا درود مجھ تک پہنچاتے رہتے ہیں۔

ترغیب میں حضرت امام حسنؓ سے حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ تم جہاں کہیں ہو مجھ پر درود پڑھتے رہا کرو بیشک تمہارا درود میرے پاس پہنچتا رہتا ہے اور حضرت انسؓ کی حدیث سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے جو کوئی مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے اور میں اُس کے بدلہ میں اُس پر درود بھیجتا ہوں اور اس کے علاوہ اس کیلئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

مشکوٰۃ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث سے بھی حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ مجھ پر درود پڑھا کرو، اِس لئے کہ تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے۔

﴿۷﴾ عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ اللّٰهَ وَكَّلَ بِقَبْرِيْ مَلَكًا أَعْطَاهُ أَسْمَاعَ الْخَلَائِقِ فَلَا يُصَلِّيْ عَلَيَّ أَحَدٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ إِلَّا أَبْلَغَنِيْ بِاسْمِهٖ وَاسْمِ أَبِيْهِ هٰذَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ قَدْ صَلّٰى عَلَيْكَ۔

حضرت عمار بن یاسرؓ نے حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے ایک فرشتہ میری قبر پر مقرر کر رکھا ہے جس کو ساری مخلوق کی باتیں سُننے کی قدرت عطا فرما رکھی ہے پس جو شخص بھی مجھ پر قیامت تک درود بھیجتا رہے گا وہ فرشتہ مجھ کو اُس کا اور اُس کے باپ کا نام لے کر درود پہنچاتا ہے کہ فلاں شخص جو فلاں کا بیٹا ہے اُس نے آپ پر درود بھیجا ہے۔

﴿رواہ البزار کذا فی الترغیب و ذکر تخریجہ السخاوی فی القول البدیع﴾

﴿ف﴾ علّامہ سخاویؒ نے قولِ بدیع میں بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس میں اِتنا اِضافہ ہے کہ فلاں شخص جو فلاں کا بیٹا ہے اُس نے آپ پر درود بھیجا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ پھر اللہ جلّ شانہٗ اُس کے ہر درود کے بدلہ میں اس پر دسؔ مرتبہ درود (رحمت) بھیجتے ہیں۔

ایک اور حدیث سے یہ مضمون نقل کیا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کو ساری مخلوق کی بات سُننے کی قوت عطا فرمائی ہے وہ قیامت تک میری قبر پر متعین رہے گا، جب کوئی شخص مجھ پر درود بھیجیگا تو وہ فرشتہ اُس شخص کا اور اُس کے باپ کا نام لے کر مجھ سے کہتا ہے کہ فلاں نے جو فلاں کا بیٹا ہے آپ پر درود بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مجھ سے یہ ذمّہ لیا ہے کہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجیگا اللہ جلّ شانہٗ اُس پر دسؔ دفعہ درود بھیجینگے۔

ایک اور حدیث میں بھی یہی فرشتہ والا مضمون نقل کیا ہے اور اُس کے آخر میں مضمون ہے کہ مَیں نے اپنے ربّ سے یہ درخواست کی تھی کہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے اللہ جلّ شانہٗ اُس پر دسؔ دفعہ درود بھیجے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے میری یہ درخواست قبول فرمالی۔

حضرت ابو اُمامہؓ کے واسطہ سے بھی حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ جلّ شانہٗ اس پر دسؔ دفعہ درود (رحمت) بھیجتے ہیں اور ایک فرشتہ اُس پر مقرر ہوتا ہے جو اس درود کو مجھ تک پہنچاتا ہے۔

ایک جگہ حضرت انسؓ کی حدیث سے حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل

کیا ہے کہ جو شخص میرے اوپر جمعہ کے دن یا جمعہ کی شب میں درود بھیجے اللہ جلّ شانہٗ اُس کی سّو حاجتیں پُوری کرتے ہیں اور اُس پر ایک فرشتہ مقرر کر دیتے ہیں جو اُس کو میری قبر میں مجھ تک ایسی طرح پہنچا تا ہے جیسے تم لوگوں کے پاس ہدایا بھیجے جاتے ہیں۔

"اِس حدیث پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ اِس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک فرشتہ ہے جو قبرِ اطہر پر متعین ہے جو ساری دُنیا کے صلوٰۃ وسَلام حضور ﷺ تک پہنچا تا رہے۔ اور اس سے پہلی حدیث میں آیا تھا کہ اللہ کے بہت سے فرشتے زمین میں پھرتے رہتے ہیں جو حضور ﷺ تک اُمّت کا سَلام پہنچاتے رہتے ہیں۔ اِس لئے کہ جو فرشتہ قبرِ اطہر پر متعیّن ہے اُس کا کام صرف یہی ہے کہ حضور ﷺ تک اُمّت کا سَلام پہنچا تا رہے۔ اور یہ فرشتے جو سَیّاحین ہیں یہ ذکر کے حلقوں کو تلاش کرتے رہتے ہیں اور جہاں کہیں درود ملتا ہے اُس کو حضورِ اقدس ﷺ تک پہنچاتے ہیں۔ اور یہ عام مشاہدہ ہے کہ کسی بڑے کی خدمت میں اگر کوئی پیام بھیجا جاتا ہے اور مجمع میں اُس کو ذکر کیا جاتا ہے تو ہر شخص اس میں فخر اور تقرب سمجھتا ہے کہ وہ پیام پہنچائے۔ اپنے اکابر اور بزرگوں کے یہاں یہ منظر بارہا دیکھنے کی نوبت آئی۔ پھر سَیِّدُ الکَوْنَین فَخْرُ الرُّسُل ﷺ کی پاک بارگاہ کا تو پُوچھنا ہی کیا، اِس لئے جتنے بھی فرشتے پہنچائیں برمحل ہے۔

﴿۸﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ

حضرت ابوھُریرہ رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص

صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا اُبْلِغْتُہٗ۔

میرے اُوپر میری قبر کے قریب درود بھیجتا ہے مَیں اُس کو خود سُنتا ہوں اور جو دُور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ مجھ کو پہنچا دیا جاتا ہے۔

﴿رواہ البیھقی فی شعب الایمان کذا فی المشکوٰۃ وبسط السخاوی فی تخریجہ﴾

﴿ف﴾ علّامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے قولِ بدیع میں متعدّد روایات سے یہ مضمون نقل کیا ہے کہ جو شخص دُور سے درود بھیجے فرشتہ اُس پر متعین ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائے۔ اور جو شخص قریب سے پڑھتا ہے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اُس کو خود سُنتے ہیں۔ جو شخص دُور سے درود بھیجے اُس کے متعلق تو پہلی روایات میں تفصیل سے گذر ہی چکا ہے کہ فرشتے اس پر متعین ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر جو شخص درود بھیجے اُس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیں۔ اس حدیثِ پاک میں دوسرا مضمون کہ جو قبرِ اطہر کے قریب درود پڑھے اُس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس خود سُنتے ہیں بہت ہی قابلِ فخر، قابلِ عزّت، قابلِ لذّت چیز ہے۔

علّامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے قول بدیع میں سلیمان بن سحیم رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ مَیں نے خواب میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، مَیں نے دریافت کیا یا رسُولَ اللہ! یہ جو لوگ حاضر ہوتے ہیں اور آپ پر سَلام کرتے ہیں آپ اُس کو سمجھتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا ہاں سمجھتا ہوں اور اُن کے سَلام کا جواب بھی دیتا ہوں۔

ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ بن شیبان کہتے ہیں کہ مَیں حج سے فراغ پر مدینہ منوّرہ حاضر ہوا اور مَیں نے قبرِ شریف کے پاس جا کر سَلام عرض کیا تو مَیں نے حجرۂ شریف کے اندر سے

وَعَلَيْكَ السَّلَامُ کی آواز سُنی۔

مُلا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ درود شریف قبرِ اطہر کے قریب پڑھنا افضل ہے دور سے پڑھنے سے۔ اس لئے کہ قُرب میں جو خشوع خضوع اور حضورِ قلب حاصل ہوتا ہے وہ دُور میں نہیں ہوتا۔

صاحبِ مظاہرِ حق اِس حدیث پر لکھتے ہیں :۔

"یعنی پاس والے کا درود خود سُنتا ہوں بِلاواسطہ، اور دُور والے کا درود ملائکہ سیاحین پہنچاتے ہیں، اور جواب سَلام کا بہر صورت دیتا ہوں۔ اِس سے معلوم کیا چاہیئے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سَلام بھیجنے کی کیا بزرگی ہے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سَلام بھیجنے والے کو خصوصاً بہت بھیجنے والے کو کیا شرف حاصِل ہوتا ہے۔ اگر تمام عمر کے سَلاموں کا ایک جواب آوے سعادت ہے، چہ جائیکہ ہر سَلام کا جواب آوے" ؎

بہر سَلام مکن رنجہ در جواب آں لب
کہ صد سَلام مرا بس یکے جواب از تو (انتہی)

اس مضمون کو علّامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس طرح ذکر کیا ہے کہ :۔

"کِسی بندے کی شرافت کیلئے یہ کافی ہے کہ اس کا نام خیر کے ساتھ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آجائے"۔

اسی ذیل میں یہ شعر بھی کہا گیا ہے ؎

وَمَنْ خَطَرَتْ مِنْهُ بِبَالِكَ خَطْرَةٌ
حَقِيْقٌ بِاَنْ يَسْمُوْ وَاَنْ يَتَقَدَّمَا

ترجمہ: جس خوش قسمت کا خیال بھی تیرے دل میں گذر جائے
وہ اس کا مستحق ہے کہ جتنا بھی چاہے فخر کرے اور پیش قدمی کرے
(اُچھلے کُودے) ع
ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہے

اِس روایت میں حضورِ اقدس ﷺ کے خود سُننے میں کوئی اشکال نہیں۔ اِس لئے کہ انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔

علّامہ سخاویؒ نے قولِ بدیع میں لکھا ہے کہ ہم اِس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ زندہ ہیں اپنی قبرِ شریف میں۔ اور آپ کے بدنِ اطہر کو زمین نہیں کھا سکتی، اور اِس پر اجماع ہے۔

امام بیہقیؒ نے انبیاء علیہم السلام کی حیات میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے۔ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ کہ انبیاء علیہم السّلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ علّامہ سخاویؒ نے اِس کی مختلف طُرق سے تخریج کی ہے اور امام مسلمؒ نے حضرت انسؓ ہی کی روایت سے حضورِ اقدس ﷺ کا یہ اِرشاد نقل کیا ہے کہ مَیں شبِ معراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذرا وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ نیز مسلم ہی کی روایت سے حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ مَیں نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی ایک جماعت کے ساتھ اپنے آپ کو دیکھا تو مَیں نے حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراھیم علی نبیّنا وعلیہما الصّلوٰۃ والسّلام کو کھڑے ہوئے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔

حضورِ اقدس ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ جب نعشِ مبارک کے قریب حاضر ہوئے تو حضورِ اقدس ﷺ کے چہرۂ انور کو جو چادر سے ڈھکا ہوا تھا، کھولا اور اس کے بعد حضور اقدس ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر قربان اَے اللہ کے نبی! اللہ جلّ شانہٗ آپ پر دو مَوتیں جمع نہ کریں. ایک مَوت جو آپ کے لئے مقدر تھی وہ آپ پوری کر چکے (بخاری)

علّامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے حیاتِ انبیاء علیہم السلام میں مستقل ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے اور فصلِ ثانی کی حدیث نمبر ۳ پر بھی مستقل یہ مضمون آرہا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے زمین پر یہ چیز حرام کر رکھی ہے کہ وہ انبیاء علیہم السّلام کے بدنوں کو کھائے۔

علّامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ قولِ بدیع میں تحریر فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ جب مدینہ منوّرہ کے مکانات اور درختوں وغیرہ پر نظر پڑے تو درود شریف کثرت سے پڑھے اور جتنا قریب ہوتا جائے اُتنا ہی درود شریف میں اضافہ کرتا جائے اِس لئے کہ یہ مواقع وحی اور قرآنِ پاک کے نزول سے معمور ہیں. حضرت جبرئیلؑ حضرت میکائیلؑ کی بار بار یہاں آمد ہوئی ہے اور اس کی مٹی سیّد البشر ﷺ پر مشتمل ہے۔ اسی جگہ سے اللہ کے دین اور اُس کے پاک رسُول ﷺ کی سُنّتوں کی اشاعت ہوئی ہے یہ فضائل اور خیرات کے مناظر ہیں۔ یہاں پہنچ کر اپنے قلب کو نہایت ہیبت اور تعظیم سے بھرپور کرلے گویا کہ وہ حضور ﷺ کی زیارت کر رہا ہے اور یہ تو محقق ہے کہ حضور ﷺ اُس کا سلام سُن رہے ہیں۔ آپس کے جھگڑے اور فضول باتوں سے احتراز کرے۔ اس کے بعد قبلہ کی جانب سے

قبرِ شریف پر حاضر ہو اور بقدر چار ہاتھ فاصلہ سے کھڑا ہو اور نیچی نگاہ رکھتے ہوئے نہایت خشوع، خضوع اور ادب و احترام کے ساتھ یہ پڑھے :۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ۔ آپ پر سلام اے اللہ کے رسُول۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَانَبِيَّ اللّٰهِ۔ آپ پر سلام اے اللہ کے نبی۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاخِيْرَةَ اللّٰهِ آپ پر سلام اے اللہ کی برگزیدہ ہستی۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاخَيْرَ آپ پر سلام اے اللہ کی مخلوق میں

خَلْقِ اللّٰهِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ سب سے بہتر۔ آپ پر سلام اے اللہ کے

يَاحَبِيْبَ اللّٰهِ۔ اَلسَّلَامُ حبیب۔ آپ پر سلام اے رسُولوں

عَلَيْكَ يَاسَيِّدَ الْمُرْسَلِيْنَ کے سردار۔ آپ پر سلام اے

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاخَاتَمَ خاتم النبیین۔ آپ پر سلام اے

النَّبِيِّيْنَ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ ربّ العٰلمین کے رسُول۔ آپ پر

يَارَسُوْلَ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ سلام اے سردار اُن لوگوں کے

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاقَائِدَ جو قیامت میں روشن چہرے والے

الْغُرِّ الْمُحَجَّلِيْنَ اور روشن ہاتھ پاؤں والے ہوں گے

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَابَشِيْرُ (یہ مسلمانوں کی خاص علامت ہے

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَانَذِيْرُ کہ دنیا میں جن اعضاء کو وہ وضو

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰى اَهْلِ میں دھوتے رہے ہیں وہ قیامت کے

بَيْتِكَ الطَّاهِرِيْنَ دن نہایت روشن ہوں گے) آپ پر

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰى سلام اے جنّت کی بشارت دینے والے

اَزْوَاجِكَ الطَّاهِرَاتِ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ السَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰى أَصْحَابِكَ أَجْمَعِيْنَ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰى سَائِرِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَسَائِرِ عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ جَزَاكَ اللهُ عَنَّا يَا رَسُوْلَ اللهِ أَفْضَلَ مَا جَزٰى نَبِيًّا عَنْ قَوْمِهٖ وَرَسُوْلًا عَنْ أُمَّتِهٖ وَصَلَّى اللهُ عَلَيْكَ كُلَّمَا ذَكَرَكَ الذَّاكِرُوْنَ وَكُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِكْرِكَ الْغَافِلُوْنَ وَصَلّٰى عَلَيْكَ فِي الْأَوَّلِيْنَ وَصَلّٰى عَلَيْكَ فِي الْآخِرِيْنَ أَفْضَلَ وَ

آپ پر سلام اے جہنم سے ڈرانے والے
آپ پر اور آپ کے اہل بیتؓ پر سلام جو
طاہر ہیں۔ سلام آپ پر اور آپ کی ازواجِ
مطہراتؓ پر جو سارے مؤمنوں کی مائیں
ہیں۔ سلام آپ پر اور آپ کے تمام صحابہ کرامؓ
پر۔ سلام آپ پر اور تمام انبیاءؑ اور تمام
رسولوں پر اور تمام اللہ کے نیک بندوں
یا رسول اللہ، اللہ جل شانہٗ آپ کو ہم
لوگوں کی طرف سے ان سب سے بڑھ کر جزائے
خیر عطا فرمائے جتنی کہ کسی نبی کو اس کی
قوم کی طرف سے اور کسی رسول کو اس کی
اُمت کی طرف سے عطا فرمائی ہو۔ اور
اللہ تعالیٰ آپ پر درود بھیجے جب بھی ذکر
کرنے والے آپ کا ذکر کریں اور جب بھی
کہ غافل لوگ آپ کے ذکر سے غافل ہوں۔
اللہ تعالیٰ شانہٗ آپ پر اوّلین میں درود بھیجے
اللہ تعالیٰ شانہٗ آپ پر آخرین میں درود بھیجے
اس سب سے افضل اور اکمل اور پاکیزہ
جو اللہ نے اپنی ساری مخلوق میں سے

اَكْمَلَ وَاَطْيَبَ مَاصَلّٰى
عَلٰى اَحَدٍ مِّنَ الْخَلْقِ
اَجْمَعِيْنَ كَمَا اسْتَنْقَذَنَا
بِكَ مِنَ الضَّلَالَةِ
وَبَصَّرَنَا بِكَ مِنَ الْعَمٰى
وَالْجَهَالَةِ اَشْهَدُ اَنْ
لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ
اَنَّكَ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَ
اَمِيْنُهٗ وَخِيَرَتُهٗ مِنْ
خَلْقِهٖ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ
قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ
وَاَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ وَ
نَصَحْتَ الْاُمَّةَ وَ
جَاهَدْتَّ فِى اللّٰهِ
حَقَّ جِهَادِهٖ۔ اَللّٰهُمَّ
اٰتِهٖ نِهَايَةَ مَايَنْبَغِىْ
اَنْ يَّأْمُلَهُ الْاٰمِلُوْنَ۔
(قلت و ذكره النووى
فى مناسكه باكثر منه)

کسی پر بھی بھیجا ہو جیسا کہ اُس نے
نجات دی ہم کو آپ کی برکت سے
گُمراہی سے، اور آپ کی وجہ سے
جہالت اور اندھے پَن سے بصیرت
عطا فرمائی۔ مَیں گواہی دیتا ہوں کہ
اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور
گواہی دیتا ہوں اِس بات کی کہ
آپ اللہ کے بندے اور اُس کے
رسُول ہیں اور اُس کے امین ہیں
اور ساری مخلوق میں سے اس کی
برگزیدہ ذات ہیں۔ اور اس کی
گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے اللہ کی
رسالت کو پہنچا دیا اُس کی امانت
کو ادا کر دیا۔ اُمّت کے ساتھ پُوری
پُوری خیر خواہی فرمائی اور اللہ کے
بارے میں کوشش کا حق ادا فرما دیا۔
یا اللہ آپ کو اس سے زیادہ سے زیادہ
عطا فرما جس کی امید کرنے والے امید
کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد اپنے نفس کے لئے اور سارے مؤمنین اور مؤمنات کیلئے دعا کرے۔ اس کے بعد حضرات شیخین حضرت ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر سلام پڑھے اور اُن کے لئے بھی دعا کرے اور اللہ سے اس کی بھی دعا کرے کہ اللہ جلّ شانہٗ ان دونوں حضرات کو بھی ان کی مساعیٔ جمیلہ جو انہوں نے حضور اقدس ﷺ کی مدد میں خرچ کی ہیں اور جو حضور اقدس ﷺ کے حق کی ادائیگی میں خرچ کی ہیں اُن پر بہتر سے بہتر جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ نبی کریم ﷺ کی قبرِ اطہر کے پاس کھڑے ہوکر سلام پڑھنا درود پڑھنے سے زیادہ افضل ہے (یعنی السّلام علیک یارسُولَ اللہ افضل ہے الصّلٰوۃ علیک یارسُولَ اللہ سے)۔

علّامہ باجیؒ کی رَائے یہ ہے کہ درود افضل ہے۔

"علّامہ سخاویؒ کہتے ہیں کہ پہلا ہی قول زیادہ صحیح ہے جیسا کہ علّامہ مجدالدّین صاحبِ قاموسؒ کی رائے ہے۔ اِس لئے کہ حدیث میں مَامِنْ مُّسْلِمٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ آیا ہے"۔ (انتہٰی)

علّامہ سخاویؒ کا اشارہ اُس حدیثِ پاک کی طرف ہے جو ابوداود شریف وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کی گئی ہے، کہ جب کوئی شخص مجھ پر سَلام کرتا ہے تو اللہ جلّ شانہٗ مجھ پر میری رُوح لَوٹا دیتے ہیں، یہاں تک کہ مَیں اُس کے سَلام کا جواب دیتا ہوں۔ لیکن اس ناکارہ کے نزدیک صلٰوۃ کا لفظ (یعنی درود) بھی کثرت سے روایات میں ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ اسی روایت میں جو اُوپر ابھی نمبر ۸ پر گذری ہے اُس میں یہ ہے کہ جو شخص میری قبر کے قریب درود پڑھتا ہے مَیں اُس کو

سُنتا ہوں۔ اِسی طرح بہت سی روایات میں یہ مضمون آیا ہے اِس لئے بندہ کے خیال میں اگر ہر جگہ درود و سَلام دونوں کو جمع کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ یعنی بجائے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ وغیرہ کے اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ۔ اسی طرح اَخیر تک اَلسَّلَامُ کے ساتھ اَلصَّلٰوةُ کا لفظ بھی بڑھا دے تو زیادہ اچھّا ہے۔ اِس صورت میں علّامہ باجیؒ اور علّامہ سخاویؒ دونوں کے قول پر عمل ہو جائے گا۔

وفاء الوفا میں لکھا ہے کہ ابو عبداللہ محمّد بن عبداللہ بن الحسین سامری حنبلیؒ اپنی کتاب مُستَوعِب میں زیارۃ قبر النّبی ﷺ کے باب میں آدابِ زیارت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "پھر قبرِ شریف کے قریب آئے اور قبر شریف کی طرف مُنہ کر کے اور منبر کو اپنی بائیں طرف کر کے کھڑا ہو"۔ اور اس کے بعد علّامہ سامری حنبلیؒ نے سَلام اور دُعاء کی کیفیت لکھی ہے اور منجملہ اس کے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ قُلْتَ فِيْ كِتَابِكَ لِنَبِيِّكَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ وَاِنِّيْ

اے اللہ تو نے اپنے کلامِ پاک میں اپنے نبی ﷺ سے یوں ارشاد فرمایا کہ اگر وہ لوگ جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور پھر اللہ جلّ شانہٗ سے معافی چاہتے اور رسُول اللہ ﷺ بھی اُن کیلئے اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ کا قبول کرنے والا رحمت کرنیوالا پاتے۔ اور میں تیرے

قَدْ اَتَيْتُ نَبِيَّكَ — نبی کے پاس حاضر ہوا ہوں اس حال میں کہ
مُسْتَغْفِرًا فَاَسْئَلُكَ اَنْ — استغفار کرنیوالا ہوں۔ تجھ سے یہ مانگتا ہوں
تُوْجِبَ لِيَ الْمَغْفِرَةَ — کہ تو میرے لئے مغفرت کو واجب کردے جیسا
كَمَا اَوْجَبْتَهَا لِمَنْ — کہ تو نے مغفرت واجب کی تھی اُس شخص کے لئے
اَتَاهُ فِيْ حَيَاتِهٖ، اَللّٰهُمَّ — جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں انکی زندگی
اِنِّيْ اَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ — میں آیا ہو۔ اے اللہ میں تیری طرف متوجہ ہوتا
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ — ہوں تیرے نبی ﷺ کے وسیلے سے۔

(اس کے بعد اور لمبی چوڑی دعائیں ذکر کریں)

﴿۹﴾ عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍؓ — حضرت اُبی بن کعبؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ
قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ — میں آپ پر درود کثرت سے بھیجنا چاہتا ہوں
اِنِّيْ اُكْثِرُ الصَّلٰوةَ — تو اس کی مقدار اپنے اوقاتِ دعا میں سے
عَلَيْكَ فَكَمْ اَجْعَلُ لَكَ — کتنی مقرر کروں۔ حضورِ اقدس ﷺ نے
مِنْ صَلٰوتِيْ فَقَالَ — فرمایا جتنا تیرا جی چاہے۔ میں نے عرض کیا
مَا شِئْتَ، قُلْتُ الرُّبُعَ — یا رسول اللہ ایک چوتھائی۔ حضور ﷺ نے
قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ — فرمایا تجھے اختیار ہے اور اگر اس پر بڑھادے تو
زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ — تیرے لئے بہتر ہے۔ تو میں نے عرض کیا کہ نصف
قُلْتُ النِّصْفَ قَالَ مَا — کردوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تجھے اختیار
شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ — ہے اور اگر بڑھادے تو تیرے لئے زیادہ بہتر ہے
فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ، قُلْتُ — میں نے عرض کیا تو دو تہائی کردوں۔ حضور

فَالثُّلُثَيْنِ قَالَ مَا شِئْتَ — ﷺ نے فرمایا تجھے اختیار ہے اور اگر اس
فَإِنْ زِدْتَّ فَهُوَ — سے بڑھادے تو تیرے لئے زیادہ بہتر ہے میں نے
خَيْرٌ لَّكَ، قُلْتُ أَجْعَلُ — عرض کیا یارسُولَ اللہ پھر میں اپنے سارے وقت
لَكَ صَلٰوتِيْ كُلَّهَا — کو آپ کے درود کیلئے مقرر کرتا ہوں حضورِ اقدس
قَالَ إِذًا تُكْفٰى هَمَّكَ — ﷺ نے فرمایا تو اس صورت میں تیرے سارے فکروں
وَيُكَفَّرُ لَكَ ذَنْبُكَ۔ — کی کفایت کیجائیگی اور تیرے گناہ بھی معاف کردیئے جائینگے۔

﴿رواہ الترمذی بزاد المنذری فی الترغیب احمد والحاکم وقال صحیح وبسط السخاوی فی تخریجہ﴾

﴿ف﴾ مطلب تو واضح ہے وہ یہ کہ میں نے کچھ وقت اپنے لئے دُعاؤں کا مقرر کر رکھا ہے اور چاہتا یہ ہوں کہ درود شریف کثرت سے پڑھا کروں تو اپنے اس معین وقت میں سے درود شریف کے لئے کتنا وقت تجویز کروں۔ مثلاً میں نے اپنے اَوراد وظائف کے لئے دو گھنٹے مقرر کر رکھے ہیں تو اِس میں سے کتنا وقت درود شریف کے لئے تجویز کروں۔

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت سے یہ نقل کیا ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا یارسُولَ اللہ! اگر میں اپنے سارے وقت کو آپ پر درود کے لئے مقرر کردوں تو کیسا؟ حضور ﷺ نے فرمایا "ایسی صورت میں حق تعالیٰ شانہٗ تیرے دُنیا اور آخرت کے سارے فکروں کی کفایت فرمائے گا۔" علّامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے ایسی قسم کا مضمون نقل کیا ہے، اس میں کوئی اشکال نہیں کہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اِس قسم کی درخواستیں کی ہوں۔

علّامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ درود شریف چونکہ اللہ کے ذکر پر اور حضورِ اقدس

ﷺ کی تعظیم پر مشتمل ہے تو حقیقت میں یہ ایسا ہی ہے جیسا دوسری حدیث میں اللہ جلّ شانہٗ کا یہ اِرشاد نقل کیا گیا ہے کہ جس کو میرا ذکر مجھ سے دُعا مانگنے میں مانع ہو (یعنی کثرتِ ذکر کی وجہ سے دُعا کا وقت نہ ملے) تو مَیں اُس کو دعا مانگنے والوں سے زیادہ دوں گا۔

صاحبِ مظاہرِ حق نے لکھا ہے کہ :

" سبب اِس کا یہ ہے کہ جب بندہ اپنی طلب و رغبت کو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیز میں کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم رکھتا ہے اپنے مطالب پر تو وہ کفایت کرتا ہے اس کے سب مہمات کی مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ یعنی جو اللہ کا ہو رہتا ہے وہ کفایت کرتا ہے اُس کو۔ جب شیخ بزرگوار عبدالوہاب متقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اِس مسکین کو یعنی شیخ عبدالحق کو واسطے زیارت مدینہ منوّرہ کی رخصت کیا۔ فرمایا کہ جانو اور آگاہ ہو کہ نہیں ہے اِس راہ میں کوئی عبادت بعد ادائِ فرض کے مانند درود کے اُوپر سیّدِ کائنات صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے۔ چاہیئے کہ تمام اوقات اپنے کو اِس میں صَرف کرنا اور چیز میں مشغول نہ ہونا۔ عرض کیا گیا کہ اِس کے لئے کچھ عدد معیّن ہو، فرمایا یہاں معیّن کرنا عدد کا شرط نہیں، اتنا پڑھو کہ ساتھ اس کے رطب اللسان ہو اور اُس کے رنگ میں رنگین ہو اور مستغرق ہو اس میں۔" اھ

اِس پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ اِس حدیثِ پاک سے یہ معلوم ہوا کہ درود شریف سب اوراد و وظائف کے بجائے پڑھنا زیادہ مفید ہے۔ اِس لئے کہ اوّل تو خود اِس حدیثِ پاک کے درمیان میں اشارہ ہے کہ انہوں نے یہ وقت

اپنی ذات کے لئے دُعاؤں کا مقرر کر رکھا تھا اُس میں سے درود شریف کیلئے مقرر کرنے کا ارادہ فرمارہے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ چیز لوگوں کے احوال کے اعتبار سے مختلف ہوا کرتی ہے جیسا کہ فضائلِ ذکر کے باب دوم حدیث نمبر ۲۰ کے ذیل میں گزرا ہے کہ بعض روایات میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کو افضل الدّعاء کہا گیا ہے اور بعض روایات میں اِستغفار کو افضل الدّعاء کہا گیا ہے۔ اسی طرح سے اور اعمال کے درمیان میں بھی مختلف احادیث میں مختلف اعمال کو سب سے افضل قرار دیا گیا ہے یہ اختلاف لوگوں کے حالات کے اختلاف کے اعتبار سے اور اوقات کے اعتبار سے ہوا کرتا ہے جیسا کہ ابھی مظاہرِ حق سے نقل کیا گیا ہے کہ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہٗ کو اُن کے شیخ نے مدینۂ پاک کے سفر میں یہ وصیت کی کہ تمام اَوقات درود شریف ہی میں خرچ کریں۔ اپنے اکابر کا بھی یہی معمول ہے کہ وہ مدینۂ پاک کے سفر میں درود شریف کی بہت تاکید کرتے ہیں۔

علامہ منذری نے ترغیب میں حضرت اُبَیّ رضی اللہ عنہ کی حدیثِ بالا میں اُن کے سوال سے پہلے ایک مضمون اور بھی نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب چوتھائی رات گزر جاتی تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو جاتے اور ارشاد فرماتے "اے لوگو اللہ کا ذکر کرو اے لوگو اللہ کا ذکر کرو (یعنی بار بار فرماتے) رَاجفہ آگئی اور رادفہ آرہی ہے، مَوت اُن سب چیزوں کے ساتھ جو اُس کے ساتھ لاحق ہیں آرہی ہے۔ مَوت اُن سب چیزوں کے ساتھ جو اُس کے ساتھ لاحق ہیں آرہی ہے۔" اِس کو بھی دو مرتبہ فرماتے۔ رَاجفہ اور رَادِفہ قرآنِ پاک کی آیت جو سورۂ والنازعات میں ہے، کی طرف اِشارہ ہے جس میں اللہ پاک کا ارشاد ہے :

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ○ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ○ قُلُوْبٌ
يَوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ○ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ○

جس کا ترجمہ اور مطلب یہ ہے کہ اُوپر چند چیزوں کی قسم کھا کر اللہ تعالےٰ کا اِرشاد ہے "قیامت ضرور آئے گی، جس دن ہِلا دینے والی چیز سب کو ہِلا ڈالیگی اِس سے مُراد پہلا صُور ہے۔ اس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آئے گی، اِس سے مُراد دوسرا صُور ہے۔ بہت سے دل اُس روز کے خَوف کے مارے دَھڑک رہے ہوں گے، شرم کی وجہ سے اُن کی آنکھیں جُھک رہی ہوں گی۔" (بیان القرآن مع زیادۃ)

﴿۱۰﴾ عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ — حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ — ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص
مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ حِیْنَ یُصْبِحُ — صبح اور شام مجھ پر دس دس مرتبہ
عَشْرًا وَّحِیْنَ یُمْسِیْ عَشْرًا — درود شریف پڑھے اُس کو قیامت
اَدْرَکَتْہُ شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔ — کے دن میری شفاعت پہنچ کر رہیگی۔

﴿رواہ الطبرانی باسنادین احدھما جید لکن فیہ انقطاع کذا فی القول البدیع﴾

﴿ف﴾ علامہ سخاوی نے متعدد احادیث سے درود شریف پڑھنے والے کو حضور ﷺ کی شفاعت حاصِل ہونے کا مژدہ نقل کیا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے جو مجھ پر درود پڑھے قیامت کے دن مَیں اُس کا سفارشی بنوں گا۔ اِس حدیثِ پاک میں کِسی مقدار کی بھی قید نہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک اور حدیث سے درودِ نماز

کے بعد بھی یہ لفظ نقل کیا ہے کہ مَیں قیامت کے دن اُس کی گواہی دوں گا اور اس کے لئے سفارش کروں گا۔

حضرت رویفع بن ثابتؓ کی روایت سے حضورﷺ کا یہ اِرشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص یہ درود شریف پڑھے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَنْزِلْہُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَکَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ

اُس کے لئے میری شفاعت واجب ہے۔

علامہ سخاویؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے مَیں اُس کو سُنتا ہوں، اور جو شخص دُور سے مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ جلّ شانہٗ اُس کیلئے ایک فرشتہ مقرر کر دیتے ہیں جو مجھ تک درود کو پہنچائے۔ اور اُس کے دنیا و آخرت کے کاموں کی کفایت کر دیجاتی ہے اور مَیں قیامت کے دن اُس کا گواہ یا سفارشی بنوں گا۔ "یا" کا مطلب یہ ہے کہ بعض کیلئے سفارشی اور بعض کیلئے گواہ۔ مثلاً اہلِ مدینہ کیلئے گواہ اور دوسروں کیلئے سفارشی، یا فرمانبرداروں کے لئے گواہ اور گناہگاروں کیلئے سفارشی۔ وغیر ذلک کما قالہ السخاوی۔

﴿۱۱﴾ عَنْ عَائِشَۃَؓ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَا مِنْ عَبْدٍ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً اِلَّا عَرَجَ بِھَا مَلَکٌ حَتّٰی یُحَیِّیَ

حضرت عائشہؓ نے حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص مجھ پر دُرود بھیجتا ہے تو ایک فرشتہ اُس دُرود کو لیجا کر اللہ جلّ شانہٗ کی

بِهَا وَجْهَ الرَّحْمٰنِ عَزَّ وَجَلَّ فَيَقُوْلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اِذْهَبُوْا بِهَا اِلٰى قَبْرِ عَبْدِىْ تَسْتَغْفِرُ لِقَائِلِهَا وَتَقَرُّ بِهَا عَيْنُهٗ ۔

پاک بارگاہ میں پیش کرتا ہے، وہاں سے ارشادِ عالی ہوتا ہے کہ اِس دُرود کو میرے بندہ کی قبر کے پاس لیجاؤ یہ اُس کے لئے استغفار کریگا اور اِسکی وجہ سے اُس کی آنکھ ٹھنڈی ہوگی۔

﴿اخرجہ ابوعلی بن البناء والدیلمی فی مسند الفردوس وفی سندہ عمر بن خبیب ضعفہ النسائی وغیرہ کذا فی القول البدیع﴾

﴿ف﴾ زادالسعید میں مواہب لدنیہ سے نقل کیا ہے کہ قیامت میں کسی مؤمن کی نیکیاں کم ہوجائیں گی تو رسُول اللہ ﷺ ایک پرچہ سرِانگشت کی برابر نکال کر میزان میں رکھدیں گے جس سے نیکیوں کا پلّہ وزنی ہوجائیگا۔ وہ مؤمن کہیگا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوجائیں آپ کون ہیں، آپ کی صورت وسیرت کیسی اچھی ہے آپ فرمائیں گے مَیں تیرا نبی ہوں اور یہ درود ہے جو تونے مجھ پر پڑھا تھا، تیری حاجت کے وقت مَیں نے اس کو ادا کر دیا۔

اس پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ ایک پرچہ سرِانگشت کی برابر میزان کے پلڑے کو کیسے جھکا دیگا۔ اِس لئے کہ اللہ جلّ شانہٗ کے یہاں اخلاص کی قدر ہے اور جتنا بھی اخلاص زیادہ ہوگا وتنا ہی وزن زیادہ ہوگا۔ حدیث البطاقہ یعنی ایک ٹکڑا کاغذ کا جس پر کلمۂ شہادت لکھا ہوا تھا وہ ننانوے دفتروں کے مقابلہ میں اور ہر دفتر اتنا بڑا کہ منتہائے نظر تک ڈھیر لگا ہوا تھا غالب آگیا۔

یہ حدیث مفصل اِس ناکارہ کے رسالہ فضائلِ ذکر باب دوم فصل سوم

کی ۱۴ پر گزر چکی ہے جس کا جی چاہے مفصّل وہاں دیکھے۔ اور اُس میں یہ بھی ہے کہ اللہ کے نام کے مقابلہ میں کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی۔ اور بھی اُس رسالہ میں متعدد روایات اسی مضمون کی گزری ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے یہاں وزن اخلاص کا ہے۔ فصل پنجم حکایات کے ذیل میں حکایت ۲۰ پر بھی اس کے متعلق مختصر سا مضمون آرہا ہے۔

﴿۱۲﴾ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اَنَّہٗ قَالَ اَیُّمَا رَجُلٍ مُّسْلِمٍ لَّمْ یَکُنْ عِنْدَہٗ صَدَقَۃٌ فَلْیَقُلْ فِیْ دُعَائِہٖ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ وَصَلِّ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ فَاِنَّھَا زَکٰوۃٌ وَقَالَ لَا یَشْبَعُ الْمُؤْمِنُ خَیْرًا حَتّٰی یَکُوْنَ مُنْتَھَاہُ الْجَنَّۃَ.

حضرت ابو سعید خدریؓ حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس کے پاس صدقہ کرنے کو کچھ نہ ہو وہ یوں دُعا مانگا کرے (اللّٰھم صلّ سے اخیر تک) اے اللہ درود بھیج محمد ﷺ پر جو تیرے بندے ہیں اور تیرے رسُول ہیں، اور رحمت بھیج مؤمن مَرد اور مؤمن عورتوں پر اور مسلمان مَرد اور مسلمان عورتوں پر۔ پس یہ دعا اُس کیلئے زکوٰۃ یعنی صدقہ ہونیکے قائم مقام ہے اور مؤمن کا پیٹ کسی خیر سے کبھی نہیں بھرتا یہاں تک کہ وہ جنت میں پہنچ جائے۔

﴿رواہ ابن حبان فی صحیحہ کذا فی الترغیب و بسط السخاوی فی تخریجہ وعزاہ السیوطی فی الدر الی الادب المفرد للبخاری﴾

﴿ف﴾ علامہ سخاویؒ نے لکھا ہے کہ حافظ ابن حبان نے اِس حدیث پر یہ فصل باندھی ہے" اس چیز کا بیان کہ حضورِ اقدس ﷺ پر درود پڑھنا صَدقہ نہ ہونے کی صورت میں صَدقہ کے قائم مقام ہو جاتا ہے"۔

علماء میں اِس بات میں اِختلاف ہے کہ صدقہ افضل ہے یا حضورِ اقدس ﷺ پر درود۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ حضورؐ پر درود صدقہ سے بھی افضل ہے، اِس لئے کہ صدقہ صرف ایک ایسا فریضہ ہے جو بندوں پر ہے، اور درود شریف ایسا فریضہ ہے جو بندوں پر فرض ہونیکے علاوہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اور اُس کے فرشتے بھی اِس عمل کو کرتے ہیں۔ اگرچہ علّامہ سخاوی خود اِس کے موافق نہیں ہیں۔

علّامہ سخاوی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ مجھ پر درود بھیجا کرو اِس لئے کہ مجھ پر درود بھیجنا تمہارے لئے زکوٰۃ (صدقہ) کے حکم میں ہے ایک اور حدیث سے نقل کیا ہے کہ مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو کہ وہ تمہارے لئے زکوٰۃ (صدقہ) ہے۔

نیز حضرت علیؓ کی روایت سے حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ مجھ پر تمہارا درود بھیجنا تمہاری دُعاؤں کو محفوظ کرنیوالا ہے، تمہارے ربّ کی رضا کا سبب ہے، اور تمہارے اعمال کی زکوٰۃ ہے (یعنی ان کو بڑھانے والا اور پاک کرنیوالا ہے)۔ حضرت انسؓ کی حدیث سے حضورؐ کا یہ اِرشاد نقل کیا ہے کہ مجھ پر درود بھیجا کرو اِس لئے کہ مجھ پر درود تمہارے لئے (گناہوں کا) کفّارہ ہے اور زکوٰۃ (یعنی صدقہ) ہے۔ اور حدیثِ پاک کا آخری ٹکڑا کہ مؤمن کا پیٹ نہیں بھرتا اُس کو صاحبِ مشکوٰۃ نے فضائلِ علم میں نقل کیا ہے اور صاحبِ مرقات وغیرہ نے خیر سے علم

مراد لیا ہے۔ اگرچہ خیر کا لفظ عام ہے اور ہر خیر کی چیز اور ہر نیکی کو شامل ہے، اور مطلب ظاہر ہے کہ مؤمنِ کامل کا پیٹ نیکیاں کمانے سے کبھی نہیں بھرتا وہ ہر وقت اِس کوشش میں رہتا ہے کہ جو نیکی بھی جس طرح اس کو مِل جائے وہ حاصل ہو جائے۔ اگر اس کے پاس مالی صدقہ نہیں ہے تو درود شریف ہی سے صدقہ کی فضیلت حاصِل کرے۔

اِس ناکارہ کے نزدیک خیر کا لفظ علی العموم ہی زیادہ بہتر ہے کہ وہ علم اور دوسری چیزوں کو شامِل ہے، لیکن صَاحبِ مظاہرِ حق نے بھی صاحبِ مرقات وغیرہ کے اتباع میں خیر سے علم ہی مراد لیا ہے، اِس لئے وہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"ہرگز نہیں سیر ہوتا مؤمن خیر سے یعنی علم سے۔ یعنی اخیر عمر تک طلبِ علم میں رہتا ہے اور اس کی برکت سے بہشت میں جاتا ہے۔ اِس حدیث میں خوشخبری ہے طالبِ علم کو کہ دنیا سے باایمان جاتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور اِس درجہ کو حاصل کرنے کیلئے بعض اہل اللہ اخیر عمر تک تحصیلِ علم میں مشغول رہے ہیں باوجود حاصل کرنے بہت سے علم کے اور دائرہ علم کا وسیع ہے جو کہ مشغول ہو ساتھ علم کے، اگرچہ ساتھ تعلیم و تصنیف کے ہو حقیقت میں ثواب طلبِ علم اور تکمیل اُس کی کا ہی ہے اُس کو۔" ﴿حق﴾

﴿تکملہ﴾

اِس فصل کو قرآنِ پاک کی دو آیتوں اور دس احادیثِ شریفہ پر اختصاراً ختم کرتا ہوں کہ فضائل کی روایات بہت کثرت سے ہیں ان کا احصاء بھی اس مختصر رسالہ میں دشوار ہے اور سعادت کی بات یہ ہے کہ اگر ایک بھی فضیلت نہ ہوتی

تب بھی حضورِ اقدس صلّی اللہ تعالیٰ علیہٖ وآلہٖ وصحبہٖ اتباعہٖ وبارک وسلّم کے اُمّت پر اِس قدر احسانات ہیں کہ نہ ان کا شمار ہوسکتا ہے اور نہ ان کی حق ادائیگی ہوسکتی ہے۔ اِس بنا پر جتنا بھی زیادہ سے زیادہ آدمی درودِ پاک میں رطب اللسان رہتا وہ کم تھا۔ چہ جائیکہ اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے لطف وکرم سے اس حق ادائیگی کے اُوپر بھی سینکڑوں اَجر وثواب اور احسانات فرمادیئے۔

علّامہ سخاوی نے اوّل مجملاً ان انعامات کی طرف اشارہ کیا ہے جو درود شریف پر مرتّب ہوئے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"بابِ ثانی دُرود شریف کے ثواب میں: اللہ جلّ شانہٗ کا بندہ پر درود بھیجنا اُس کے فرشتوں کا درود بھیجنا اور حضورِ اقدس ﷺ کا خود اس پر درود بھیجنا، اور درود پڑھنے والوں کی خطاؤں کا کفّارہ ہونا، اور ان کے اعمال کو پاکیزہ بنادینا اور ان کے درجات کا بلند ہونا اور گناہوں کا معاف ہونا، اور خود درود کا مغفرت طلب کرنا درود پڑھنے والے کے لئے، اور اُس کے نامۂ اعمال میں ایک قیراط کی برابر ثواب کا لکھا جانا، اور قیراط بھی وہ جو اُحد پہاڑ کے برابر ہو۔ اور اُس کے اعمال کا بہت بڑی ترازو میں تُلنا۔ اور جو شخص اپنی ساری دُعاؤں کو درود بنادے اُس کے دُنیا وآخرت کے سارے کاموں کی کفایت (جیسا کہ قریب ہی ۹۷ پر حضرت اُبَیؓ کی حدیث میں گزر چکا)۔ اور خطاؤں کو مٹادینا اور اُس کے ثواب کا غلاموں کے آزاد کرنے سے زیادہ ہونا، اور اس کی وجہ سے خطرات سے نجات پانا، اور نبی کریم ﷺ کا قیامت کے دن اُس کے لئے شاہد وگواہ بننا اور آپ کی شفاعت کا واجب ہونا اور اللہ کی رضا اور اُس کی رحمت کا نازل ہونا۔ اور اُس کی ناراضگی سے امن کا حاصِل ہونا۔ اور قیامت کے

دن عرش کے سایہ میں داخل ہونا اور اعمال کے تُلنے کے وقت نیک اعمال کے پلڑے کا جُھکنا۔ اور حوضِ کوثر پہ حاضری کا نصیب ہونا۔ اور قیامت کے دن کی پیاس سے اَمن نصیب ہونا۔ اور جہنم کی آگ سے خلاصی کا نصیب ہونا۔ اور پُل صراط پر سہولت سے گزر جانا۔ اور مَرنے سے پہلے اپنا مقرب ٹھکانہ جنّت میں دیکھ لینا۔ اور جنّت میں بہت ساری بیبیوں کا ملنا۔ اور اس کے ثواب کا بیس جہادوں سے زیادہ ہونا۔ اور نادار کیلئے صَدقہ کے قائم مقام ہونا۔ اور دُرود شریف زکوٰۃ ہے اور طہارت ہے۔ اور اس کی وجہ سے مال میں برکت ہوتی ہے۔ اور اِس کی برکت سے سَو حاجتیں بلکہ اس سے بھی زیادہ پُوری ہوتی ہیں۔ اور عبادت تو ہے ہی اور اعمال میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اور مجالس کیلئے زینت ہے۔ اور فقر اور تنگیٔ معیشت کو دور کرتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے اسبابِ خیر تلاش کئے جاتے ہیں اور یہ کہ درود پڑھنے والا قیامت کے دن حضورِ اقدس ﷺ کے سب سے زیادہ قریب ہوگا۔ اور اس کی برکت سے خود درود پڑھنے والا اور اُس کے بیٹے اور پوتے منتفع ہوتے ہیں اور وہ بھی منتفع ہوتا ہے کہ جس کو درود شریف کا ایصالِ ثواب کیا جائے اور اللہ اور اُس کے رسُول کی بارگاہ میں تقرب حاصل ہوتا ہے اور وہ بے شک نور ہے اور دشمنوں پر غلبہ حاصل ہونے کا ذریعہ ہے، اور دلوں کو نفاق سے اور زنگ سے پاک کرتا ہے۔ اور لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا ہونے کا ذریعہ ہے۔ اور خواب میں حضورِ اقدس ﷺ کی زیارت کا ذریعہ ہے۔ اور اس کا پڑھنے والا اِس سے محفوظ رہتا ہے کہ لوگ اس کی غیبت کریں۔ دُرود شریف بہت بابرکت اعمال میں سے ہے اور افضل ترین اعمال میں سے ہے۔ اور دین و دُنیا دونوں میں سب سے زیادہ نفع دینے والا عمل ہے۔ اور اس کے

علاوہ بہت سے ثواب جو سمجھدار کیلئے اس میں رغبت پیدا کرنے والے ہیں۔ ایسا سمجھدار جو اعمال کے ذخیروں کے جمع کرنے پر حریص ہو اور ذخائرِ اعمال کے ثمرات حاصل کرنا چاہتا ہو۔"

علامہ سخاویؒ نے باب کے شروع میں یہ اجمالی مضمون ذکر کرنے کے بعد پھر اِن مضامین کی روایات کو تفصیل سے ذکر کیا، جن میں سے بعض فصلِ اوّل میں گزر چکی ہیں اور بعض فصلِ ثانی میں آرہی ہیں۔ اور ان روایات کو ذکر کرنیکے بعد لکھتے ہیں کہ:

"اِن احادیث میں اس عبادت کی شرافت پر تین دلیل ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ کا دُرود، دُرود پڑھنے والے پر المضاعف (یعنی دس گنا) ہوتا ہے اور اُسکی نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے، گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے، درجات بلند ہوتے ہیں۔ پس جتنا بھی ہوسکتا ہو سیّد السّادات اور معدن السّعادات پر درود کی کثرت کیا کر، اِس لئے کہ وہ وسیلہ ہے مسرّات کے حصول کا اور ذریعہ ہے بہترین عطاؤں کا اور ذریعہ ہے مضرّات سے حفاظت کا اور تیرے لئے ہر اُس دُرود کے بدلہ میں جو تو پڑھے دس دُرود ہیں جبّار الارضین والسمٰوات کی طرف سے اور دُرود ہے اسکے ملائکہ کرام کی طرف سے۔" وغیرہ وغیرہ۔

ایک اور جگہ افلیشی کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:

"کونسا وسیلہ زیادہ شفاعت والا ہوسکتا ہے اور کونسا عمل زیادہ نفع والا ہوسکتا ہے اُس ذاتِ اقدس پر دُرود کے مقابلہ میں جس پر اللہ جلّ شانہٗ درود بھیجتے ہیں اور اُس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ اور اللہ جلّ شانہٗ نے اس کو دنیا و آخرت میں اپنی قربت کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔ یہ بہت بڑا نور ہے اور ایسی تجارت ہے جس میں گھاٹا نہیں۔ یہ اولیاء کرام کا صبح و شام کا مستقل معمول

رہا ہے پس جہاں تک ہو سکے دُرود شریف پر جمارہا کر، اِس سے اپنی گمراہی سے نکل آئیگا اور تیرے اعمال صاف ستھرے ہو جائیں گے، تیری اُمیدیں بر آئیں گی، تیرا قلب منور ہو جائیگا۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی رضا حاصل ہو گی، قیامت کے سخت ترین دہشتناک دن میں امن نصیب ہو گا۔"

﴿دُوسری فصل
خاص خاص درود کے خاص خاص فضائل کے بیان میں

﴿۱﴾ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی قَالَ لَقِیَنِیْ کَعْبُ بْنُ عُجْرَۃَ فَقَالَ اَلَا اُھْدِیْ لَکَ ھَدِیَّۃً سَمِعْتُھَا مِنَ النَّبِیِّ ﷺ فَقُلْتُ بَلٰی فَاَھْدِ ھَالِیْ فَقَالَ سَاَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ فَاِنَّ اللّٰہَ قَدْ عَلَّمَنَا کَیْفَ نُسَلِّمُ عَلَیْکُمْ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا

﴿۱﴾ حضرت عبدالرحمٰنؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت کعبؓ کی ملاقات ہوئی، وہ فرمانے لگے کہ میں تجھے ایک ایسا ہدیہ دوں جو میں نے حضور ﷺ سے سُنا ہے۔ میں نے عرض کیا ضرور مرحمت فرمایئے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ ہم نے حضورِ اقدس ﷺ سے عرض کیا یارسُول اللہ آپ پر درود کن الفاظ سے پڑھا جائے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتلادیا کہ آپ پر سلام کس طرح بھیجیں۔ حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس طرح درود پڑھا کرو (اَللّٰھُمَّ صَلِّ سے اخیر تک۔ یعنی اے اللہ درود بھیج محمد (ﷺ) پر اور اُن کی آل پر جیسا کہ آپ نے درود بھیجا حضرت ابراہیمؑ پر اور اُن کی آل (اولاد) پر۔ اے اللہ بیشک آپ ستودہ صفات اور بزرگ ہیں۔ اے اللہ برکت نازل فرما محمد (ﷺ) پر اور اُن کی آل

بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ .

(اولاد) پر جیسا کہ برکت نازل فرمائی آپنے حضرت ابراہیمؑ پر اور اُن کی آل (اولاد) پر بیشک آپ ستودہ صفات اور بزرگ ہیں۔

﴿رواہ البخاری وبسط السخاوی فی تخریجہ واختلاف الفاظہ وقال ھکذا لفظ البخاری علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم فی الموضعین﴾

﴿ف﴾ ہدیہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان حضرات کے ہاں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) مہمانوں اور دوستوں کے لئے بجائے کھانے پینے کی چیزوں کے بہترین تحائف اور بہترین ہدیے حضورِ اقدس ﷺ کا ذکرِ شریف حضورؐ کی احادیث حضورؐ کے حالات تھے۔ اِن چیزوں کی قدر ان حضرات کے ہاں مادّی چیزوں سے کہیں زیادہ تھی جیسا کہ ان کے حالات اس کے شاہدِ عدل ہیں۔ اِسی بناء پر حضرت کعبؓ نے اس کو ہدیہ سے تعبیر کیا۔ یہ حدیث شریف بہت مشہور حدیث ہے اور حدیث کی سب کتابوں میں بہت کثرت سے ذکر کی گئی ہے اور بہت سے صحابہ کرامؓ سے مختصر اور مفصّل الفاظ میں نقل کی گئی ہے۔

علّامہ سخاوی نے قولِ بدیع میں اس کے بہت طرق اور مختلف الفاظ نقل کئے ہیں۔ وہ ایک حدیث میں حضرت حسنؓ سے مرسلاً نقل کرتے ہیں کہ جب آیتِ شریفہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ نازل ہوئی تو صحابہؓ نے عرض کیا یارسُولَ اللہ سَلام تو ہم جانتے ہیں کہ وہ کس طرح ہوتا ہے آپ ہمیں درود شریف پڑھنے کا کس طرح حکم فرماتے ہیں؟ تو حضورؐ نے فرمایا کہ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلٰوتِكَ وَبَرَكَاتِكَ الخ پڑھا کرو۔

دوسری حدیث میں ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ہم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں تھے کہ وہاں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ حضرت بشیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ، اللہ جلّ شانہٗ نے ہمیں درود پڑھنے کا حکم دیا ہے، پس ارشاد فرمایئے کہ کس طرح آپ پر درود پڑھا کریں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا، یہاں تک کہ ہم تمنّا کرنے لگے کہ وہ شخص سوال ہی نہ کرتا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یوں کہا کرو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ الخ۔ یہ روایت مسلم و ابوداؤد وغیرہ میں ہے۔ اِس کا مطلب کہ "ہم اِس کی تمنا کرنے لگے" یہ ہے کہ ان حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو غایت محبّت اور غایت احترام کی وجہ سے جس بات کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تأمل ہوتا یا سکوت فرماتے تو اُن کو یہ خوف ہوتا کہ یہ سوال کہیں منشاءِ مبارک کے خلاف تو نہیں ہوگیا، یا یہ کہ اس کا جواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہیں تھا جس کی وجہ سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تأمّل فرمانا پڑا۔ بعض روایات سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے طبری کی روایت سے یہ نقل کیا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی۔

مسند احمد و ابن حبان وغیرہ میں ایک اور روایت سے نقل کیا ہے کہ ایک صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گئے، ہم لوگ مجلس میں حاضر تھے۔ ان صاحب نے سوال کیا یا رسول اللہ، سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہوگیا، جب ہم نماز پڑھا کریں تو اُس میں آپ پر درود کیسے پڑھا کریں؟

حضورؐ نے اتنا سکوت فرمایا کہ ہم لوگوں کی یہ خواہش ہونے لگی کہ یہ شخص سوال ہی نہ کرتا۔ اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ جب نماز پڑھا کرو تو یہ درود پڑھا کرو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ الخ۔

ایک اور روایت میں عبدالرحمٰن بن بشیرؓ سے نقل کیا ہے، کسی نے عرض کیا یا رسُولَ اللہ، اللہ جلّ شانہٗ نے ہمیں صلوٰۃ وسلام کا حکم دیا ہے، سَلام تو ہمیں معلوم ہوگیا، آپ پر درود کیسے پڑھا کریں؟ تو حضورؐ نے فرمایا یوں پڑھا کرو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ الخ۔

مسند احمد، ترمذی وبیہقی وغیرہ کی روایات میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب آیتِ شریفہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ الآیۃ نازل ہوئی تو ایک صَاحب نے آکر عرض کیا یا رسُولَ اللہ، سَلام تو ہمیں معلوم ہے، آپ پر درود کیسے پڑھا کریں؛ تو حضورؐ نے ان کو درود تلقین فرمایا۔

اور بھی بہت سی روایات میں اِس قسم کے مضمون ذکر کئے گئے ہیں اور درودوں کے الفاظ میں اختلاف بھی ہے، جو اختلاف روایات میں ہوا ہی کرتا ہے جسکی مختلف وجوہ ہوتی ہیں۔ اس جگہ ظاہر یہ ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے مختلف صحابہ کو مختلف الفاظ ارشاد فرمائے تاکہ کوئی لفظ خاص طور سے واجب نہ بن جائے نفسِ درود شریف کا وجوب علیٰحدہ چیز ہے جیسا کہ فصلِ رابع میں آرہا ہے اور درود شریف کے کسی خاص لفظ کا وجوب علیٰحدہ چیز ہے کوئی خاص لفظ واجب نہیں۔ یہ دُرود شریف جو اس فصل کے شروع میں لکھا گیا ہے یہ بخاری شریف کی روایت ہے جو سب سے زیادہ صحیح ہے اور حنفیہ کے نزدیک نماز میں اسی کا پڑھنا اَولیٰ ہے۔ جیسا کہ علّامہ شامی نے لکھا ہے کہ

حضرت امام محمدؒ سے سوال کیا گیا کہ حضورؐ پر درود کن الفاظ سے پڑھے، تو انہوں نے یہی درود شریف ارشاد فرمایا جو فصل کے شروع میں لکھا گیا اور یہ درود موافق ہے اس کے جو صحیحین (بخاری و مسلم) وغیرہ میں ہے، علامہ شامی نے یہ عبارت شرح منیہ سے نقل کی ہے۔ شرح منیہ کی عبارت یہ ہے کہ یہ درود موافق ہے اس کے جو صحیحین میں کعب بن عجرہؓ سے نقل کیا گیا ہے (انتہی) اور کعب بن عجرہؓ کی یہی روایت ہے جو اُوپر گزری۔

علامہ سخاویؒ کہتے ہیں کہ حضرت کعبؓ وغیرہ کی حدیث سے ان الفاظ کی تعیین ہوتی ہے جو حضورؐ نے اپنے صحابہؓ کو آیتِ شریفہ کے امتثالِ امر میں سکھلائے اور بھی بہت سے اکابر سے اس کا افضل ہونا نقل کیا گیا ہے۔

ایک جگہ علامہ سخاویؒ لکھتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ نے صحابہؓ کے اس سوال پر کہ ہم لوگوں کو اللہ جل شانہٗ نے صلوٰۃ و سلام کا حکم دیا ہے تو کونسا درود پڑھیں، حضورؐ نے یہ تعلیم فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب سے افضل ہے۔ امام نووی نے اپنی کتاب روضہ میں تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ قسم کھا بیٹھے کہ مَیں سب سے افضل درود پڑھوں گا تو اس درود کے پڑھنے سے قسم پوری ہو جائے گی۔

حصن حصین کے حاشیہ پر حرز ثمین سے نقل کیا ہے کہ یہ درود شریف سب سے زیادہ صحیح ہے اور سب سے زیادہ افضل ہے۔ نماز میں اور بغیر نماز کے اسی کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

یہاں ایک بات قابلِ تنبیہ یہ ہے کہ زاد السّعید کے بعض نسخوں میں

کاتب کی غلطی سے حرزِ ثمین کی یہ عبارت بجائے اِس درود شریف کے ایک دوسرے درود کے نمبر پر لکھدی گئی اس کا لحاظ رہے۔

اس کے بعد اس حدیث شریف میں چند فوائد قابلِ ذکر ہیں:

اوّل یہ کہ صحابہ کرامؓ کا یہ عرض کرنا کہ سلام ہم جان چکے ہیں، اس سے مراد التحیات کے اندر اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ ہے۔ علّامہ سخاوی کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ یعنی حافظ ابن حجر کے نزدیک یہی مطلب زیادہ ظاہر ہے۔ اوجز میں امام بیہقی سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے اور اس میں بھی متعدد علماء سے یہی مطلب نقل کیا گیا ہے۔

٢ ایک مشہور سوال کیا جاتا ہے کہ جب کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے مثلاً یوں کہا جائے کہ فلاں شخص حاتم طائی جیسا سخی ہے تو سخاوت میں حاتم کا زیادہ سخی ہونا معلوم ہوتا ہے اس وجہ سے اس حدیثِ پاک میں حضرت ابراہیم علی نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے درود کا افضل ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بھی اوجز میں کئی جواب دیئے گئے ہیں۔ اور حافظ ابنِ حجر نے فتح الباری میں دس جواب دیئے ہیں۔ کوئی عالِم ہو تو خود دیکھ لے، غیر عالم ہو تو کسی عالم سے دل چاہے تو دریافت کرلے۔ سب سے آسان جواب یہ ہے کہ قاعدہ اکثریہ تو وہی ہے جو اُوپر گزرا لیکن بسا اوقات بعض مصالح سے اس کا اُلٹا ہوتا ہے جیسے قرآنِ پاک کے درمیان میں اللہ جلّ شانہٗ کے نور کے متعلق ارشاد ہے مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ۔ الایۃ۔ ترجمہ: "اس کے نور کی مثال اُس طاق کی سی ہے جس میں چراغ ہو" اخیر آیت تک۔ حالانکہ

اللہ جلّ شانہٗ کے نور کو چراغوں کے نور کے ساتھ کیا مناسبت۔

۳۔ یہ بھی مشہور اشکال ہے کہ سارے انبیاء کرام علی نبینا وعلیہم الصّلوٰۃ والسّلام میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام ہی کے درود کو کیوں ذکر کیا۔ اس کے بھی اوجز میں کئی جواب دیئے گئے ہیں۔

حضرت اقدس تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ نے بھی زاد السّعید میں کئی جواب ارشاد فرمائے ہیں۔ بندے کے نزدیک تو زیادہ پسندیدہ جواب ہے کہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو اللہ جلّ شانہٗ نے اپنا خلیل قرار دیا چنانچہ ارشاد ہے وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا۔ لہٰذا جو درود اللہ تعالےٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السّلام پر ہوگا وہ محبّت کی لائن کا ہوگا، اور محبت کی لائن کی ساری چیزیں سب سے اُونچی ہوتی ہیں۔ لہٰذا جو درود محبّت کی لائن کا ہوگا وہ یقیناً سب سے زیادہ لذیذ اور اُونچا ہوگا۔ چنانچہ ہمارے حضورِ اقدس ﷺ کو اللہ جلّ شانہٗ نے اپنا حبیب قرار دیا اور حبیب اللہ بنایا اور اسی لئے دونوں کا درود ایک دوسرے کے مشابہ ہوا۔

مشکوٰۃ میں حضرت ابن عبّاس رضی اللہ عنہما کی روایت سے قصّہ نقل کیا گیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ کر رہی تھی کہ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا کلمہ اور روح ہیں، اور حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ نے اپنا صفی قرار دیا۔ اِتنے میں حضور ﷺ تشریف لائے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا میں نے تمہاری گفتگو سنی، بیشک ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں اور موسیٰ نجی اللہ ہیں (یعنی کلیم اللہ) اور ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا کلمہ اور روح ہیں اور

آدم علیہ السلام اللہ کے صفی ہیں، لیکن بات یوں ہے، غور سے سُنو کہ مَیں اللہ کا حبیب ہوں اور اس پر کوئی فخر نہیں کرتا۔ اور قیامت کے دن حَمْد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور اس جھنڈے کے نیچے آدم علیہ السلام اور سارے انبیاء علیہم السلام ہوں گے، اور اس پر فخر نہیں کرتا۔ اور قیامت کے دن سب سے پہلے مَیں شفاعت کرنیوالا ہوں گا اور سب سے پہلے جس کی شفاعت قبول کی جائے گی وہ مَیں ہوں گا، اور اِس پر بھی مَیں کوئی فخر نہیں کرتا۔ اور سب سے پہلے جنّت کا دروازہ کھلوانے والا مَیں ہونگا اور سب سے پہلے جنّت میں مَیں اور میری اُمّت کے فقراء داخِل ہوں گے اور اس پر بھی کوئی فخر نہیں کرتا۔ اور مَیں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرّم ہوں اوّلین اور آخرین میں اور کوئی فخر نہیں کرتا۔

اور بھی متعدد روایات سے حضور ﷺ کا حبیب اللہ ہونا معلوم ہوتا ہے، محبّت اور خلّت میں جو مناسبت ہے وہ ظاہر ہے اسی لئے ایک کے درود کو دوسرے کے درود کے ساتھ تشبیہ دی۔ اور چونکہ حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام حضور اقدس ﷺ کے آباء میں ہیں اِس لئے بھی من اشبہ اباہ فما ظلم آباء واجداد کے ساتھ مشابہت ممدوح ہے۔

مشکوٰۃ کے حاشیہ پر لمعات سے اس میں ایک نکتہ بھی لکھا ہے وہ یہ کہ حبیب اللہ کا لقب سب سے اُونچا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

"حبیب اللہ کا لفظ جامع ہے خلّت کو بھی اور کلیم اللہ ہونے کو بھی اور صفی اللہ ہونے کو بھی بلکہ اِن سے زائد چیزوں کو بھی جو دیگر انبیاءؑ کے لئے ثابت نہیں۔ اور وہ اللہ کا محبوب ہونا ہے ایک خاص محبت

کے ساتھ جو حضورِ اقدس ﷺ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔"

﴿٢﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یَّكْتَالَ بِالْمِكْیَالِ الْاَوْفٰی اِذَا صَلّٰی عَلَیْنَا اَهْلَ الْبَیْتِ فَلْیَقُلْ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَ اَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ ذُرِّیَّتِهٖ وَ اَهْلِ بَیْتِهٖ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰۤی اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ.

حضرت ابوہریرہؓ نے حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ جب وہ درود پڑھا کرے ہمارے گھرانے پر تو اُسکا ثواب بہت بڑے پیمانہ میں ناپا جائے تو وہ اِن الفاظ سے درود پڑھا کرے (اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ سے اخیر تک) ترجمہ: اے اللہ درود بھیج محمد ﷺ پر جو نبیِ اُمّی ہیں، اور آپکی بیویوں پر جو سارے مسلمانوں کی مائیں ہیں اور آپکی آل اَولاد پر اور آپکے گھرانے پر جیسا کہ درود بھیجا آپ نے ابراہیمؑ پر، بیشک آپ ہی سزاوارِ حمد ہیں بزرگ ہیں۔

﴿رواہ ابوداؤد وذکرہ السخاوی بطرق عدیدۃ﴾

﴿ف﴾ نبی اُمّی حضورِ اقدس ﷺ کا خاص لقب ہے، اور یہ لقب آپ کا تورات، انجیل اور تمام کتابوں میں جو آسمان سے اُتریں ذکر کیا گیا ہے (کذا فی المظاہر)

آپ کو نبیِ اُمّی کیوں کہا جاتا ہے اِس میں علماء کے بہت سے اقوال ہیں جن کو شرحِ حدیث مرقات وغیرہ میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ مشہور قول یہ ہے کہ اُمّی اَن پڑھ کو کہتے ہیں کہ جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔ اور یہ چونکہ اہم ترین معجزہ

ہے کہ جو شخص لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو وہ ایسا فصیح و بلیغ قرآنِ پاک لوگوں کو پڑھائے۔ غالباً اِسی معجزہ کی وجہ سے کتبِ سابقہ میں اس لقب کو ذکر کیا گیا ہے

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست کتب خانۂ چند ملّت بشست

﴿ جو یتیم کہ اُس نے پڑھنا بھی نہ سیکھا ہو اُس نے کتنے ہی مذہبوں کے کتب خانے دھو دیئے یعنی منسوخ کر دیئے ﴾

؎ نگارِ من کہ بمکتب نہ رفت و خط نہ نوشت
بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

﴿ میرا محبوب جو کبھی مکتب میں بھی نہیں گیا، لکھنا بھی نہیں سیکھا وہ اپنے اشاروں سے سینکڑوں مُدرّسوں کا مُعلّم بن گیا ﴾

حضرتِ اقدس شیخ المشائخ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب حرزِ ثمین ص ۱۳ پر تحریر فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے ان الفاظ کے ساتھ درود پڑھنے کا حکم کیا تھا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ میں نے خواب میں اِس درود شریف کو حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں پڑھا تو حضورؐ نے اس کو پسند فرمایا۔

اس کا مطلب کہ بہت بڑے پیمانہ میں ناپا جائے یہ ہے کہ عرب میں کھجوریں غلّہ وغیرہ پیمانوں میں ناپ کر بیچا جاتا تھا جیسا کہ ہمارے شہروں میں یہ چیزیں وزن سے بکتی ہیں تو بہت بڑے پیمانہ کا مطلب گویا بہت بڑی ترازو ہوا، اور گویا حدیثِ پاک کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اُس کے درود کا ثواب بہت بڑی ترازو میں تولا جائے، اور ظاہر ہے کہ بہت بڑی ترازو

میں وہی چیز تولی جائے گی جس کی مقدار بہت زیادہ ہوگی، تھوڑی مقدار بڑی ترازو میں تولی بھی نہیں جا سکتی۔ جن ترازوؤں میں حمّام کے لکڑ تولے جاتے ہوں ان میں تھوڑی چیز وزن میں بھی نہیں آسکتی یا سنگ میں رہ جائے گی۔

ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اور اس سے قبل علّامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لکھا ہے کہ جو چیزیں تھوڑی مقدار میں ہوا کرتی ہیں وہ ترازو میں تُلا کرتی ہیں اور جو بڑی مقداروں میں ہوا کرتی ہیں وہ عام طور سے پیمانوں ہی میں ناپی جاتی ہیں، ترازوؤں میں اُن کا آنا مشکل ہوتا ہے۔

علّامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی حضور ﷺ کا یہی ارشاد نقل کیا ہے اور حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کی حدیث سے بھی یہی نقل کیا ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اُس کا دُرود بہت بڑے پیمانہ سے ناپا جائے جب وہ ہم اہلِ بیت پر دُرود بھیجے تو یوں پڑھا کرے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ وَ اَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اور حسن بصری رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حوض سے بھرپور پیالہ پیوے وہ یہ دُرود پڑھا کرے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَوْلَادِهٖ وَ اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَاَصْهَارِهٖ وَاَنْصَارِهٖ وَاَشْيَاعِهٖ وَمُحِبِّيْهِ وَاُمَّتِهٖ وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ اَجْمَعِيْنَ

يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

اس حدیث کو قاضی عیاض نے بھی شفاء میں نقل کیا ہے ؎

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

﴿٣﴾ عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَكْثِرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاِنَّهٗ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ تَشْهَدُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَاِنَّ اَحَدًا لَّنْ يُّصَلِّيَ عَلَيَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَيَّ صَلٰوتُهٗ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهَا قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَآءِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ

حضرت ابوالدرداءؓ حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ میرے اُوپر جمعہ کے دن کثرت سے درود بھیجا کرو اِس لئے کہ یہ ایسا مبارک دن ہے کہ ملائکہ اس میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور جب کوئی شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے تو وہ درود اُس کے فارغ ہوتے ہی مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ مَیں نے عرض کیا یارسُولَ اللہ (ﷺ) آپکے انتقال کے بعد بھی؟ حضور (ﷺ) نے اِرشاد فرمایا ہاں انتقال کے بعد بھی۔ اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ نے زمین پر یہ بات حرام کردی ہے کہ وہ انبیاءؑ کے بدنوں کو کھائے پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہی رزق دیا جاتا ہے۔

﴿رواہ ابن ماجۃ باسناد جید کذا فی الترغیب زاد السخاوی فی الدر الحدیث فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يُرْزَقُ وبسط فی تخریجہ واخرج معناہ عن عدۃ من الصحابۃ وقال القاری ولہ طرق کثیرۃ بالفاظ مختلفۃ﴾

﴿ف﴾ ملّا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ اللہ جلّ شانہٗ نے انبیاءؑ کے اجساد

کو زمین پر حرام کر دیا پس کوئی فرق نہیں ہے ان کیلئے دونوں حالتوں میں یعنی زندگی اور موت میں۔ اور اس حدیثِ پاک میں اِس طرف بھی اشارہ ہے کہ دُرود رُوحِ مبارک اور بدنِ مبارک دونوں پر پیش ہوتا ہے۔ اور حضورؐ کا یہ ارشاد کہ اللہ کا نبی زندہ ہے رزق دیا جاتا ہے سے مراد حضورِ اقدس ﷺ کی پاک ذات ہو سکتی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اس سے ہر نبی مراد ہے، اس لئے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا اور اسی طرح حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو بھی دیکھا جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے۔ اور یہ حدیث کہ انبیاءؑ اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں صحیح ہے۔ اور رزق سے مراد رزقِ معنوی بھی ہو سکتا ہے اور اس میں بھی کوئی مانع نہیں کہ رزقِ حسّی مراد ہو، اور وہی ظاہر ہے اور متبادر۔ اھ

علّامہ سخاویؒ نے یہ حدیث بہت سے طُرق سے نقل کی ہے حضرت اوسؓ کے واسطہ سے حضورؐ کا ارشاد نقل کیا ہے تمہارے افضل ترین ایّام میں سے جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن میں حضرت آدمؑ کی پیدائش ہوئی، اسی میں ان کی وفات ہوئی۔ اسی دن میں نفخہ (پہلا صُور) اور اسی میں صعقہ (دوسرا صور) ہوگا۔ پس اس دن میں مجھ پر کثرت سے دُرود بھیجا کرو، اِس لئے کہ تمہارا دُرود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسُولَ اللہ ہمارا دُرود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا آپ تو (قبر میں) بوسیدہ ہو چکے ہوں گے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے زمین پر یہ بات حرام کر دی ہے کہ وہ انبیاءؑ

علیہم السّلام کے بدنوں کو کھاوے۔

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ میرے اُوپر ہر جمعہ کے دن کثرت سے دُرود بھیجا کرو، اِس لئے کہ میری اُمّت کا دُرود ہر جمعہ کو پیش کیا جاتا ہے۔ پس جو شخص میرے اُوپر دُرود پڑھنے میں سب سے زیادہ ہوگا وہ مجھ سے (قیامت کے دن) سب سے زیادہ قریب ہوگا۔ یہ مضمون کہ کثرت سے دُرود پڑھنے والا قیامت کے دن حضورؐ سے سب سے زیادہ قریب ہوگا فصلِ اوّل کے ۵ میں گزر چکا ہے۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جمعہ کے دن میرے اُوپر کثرت سے دُرود بھیجا کرو اس لئے کہ جو شخص بھی جمعہ کے دن مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ مجھ پر فوراً پیش ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ میرے اُوپر روشن رات (یعنی جمعہ کی رات) اور روشن دن (یعنی جمعہ کے دن) میں کثرت سے درود بھیجا کرو، اس لئے کہ تمہارا دُرود مجھ پر پیش ہوتا ہے تو مَیں تمہارے لئے دُعاء اور استغفار کرتا ہوں۔ اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حضرت حسَن بصری رحمۃ اللہ علیہ حضرت خالد بن معدان وغیرہ سے حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو۔

سلیمان بن سحیم کہتے ہیں کہ مَیں نے خواب میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ مَیں نے عرض کیا یا رسُولَ اللہ جو لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ کی خدمت میں سَلام کرتے ہیں کیا آپ کو اس کا پتہ چلتا ہے

حضورؐ نے فرمایا ہاں اور میں اُن کے سَلام کا جواب دیتا ہوں۔

ابراہیم بن شیبان کہتے ہیں کہ مَیں نے جب حج کیا اور مدینہ پاک حاضری ہوئی اور مَیں نے قبرِ اطہر کی طرف بڑھ کر حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں سَلام عرض کیا تو مَیں نے روضۂ اطہر سے وعلیک السّلام کی آواز سُنی۔

بلوغ المسرات میں حافظ ابن قیم سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ جمعہ کے دن دُرود شریف کی زیادہ فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار ہے اور حضورِ اقدس ﷺ کی ذاتِ اطہر ساری مخلوق کی سردار ہے اس لئے اس دن کو حضورِ اقدس ﷺ پر دُرود کے ساتھ ایک ایسی خصوصیت ہے جو اَور دنوں کو نہیں۔ اور بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ باپ کی پشت سے اپنی ماں کے پیٹ میں اسی دن تشریف لائے تھے۔

علامہ سخاوی کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن دُرود شریف کی فضیلت حضرت ابوہریرہ، حضرت انس، اوس بن اوس، ابو اُمامہ، ابو الدرداء، ابو مسعود حضرت عمر، ان کے صاحبزادے عبداللہ وغیرہ حضرات رضی اللہ عنہم سے نقل کی گئی ہے جن کی روایات علامہ سخاوی نے نقل کی ہیں۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا — عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

﴿۴﴾ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ — ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضورِ اقدس

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ — ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ مجھ پر

اَلصَّلٰوةُ عَلَيَّ نُوْرٌ عَلَى — درود پڑھنا پُلِ صراط پر گزرنے کے

الصِّرَاطِ وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ — وقت نور ہے اور جو شخص جمعہ کے

يَوْمَ الْجُمُعَةِ ثَمَانِيْنَ مَرَّةً غُفِرَتْ لَهٗ ذُنُوْبُ ثَمَانِيْنَ عَامًا.

دن اَسّی دفعہ مجھ پر درود بھیجے اُسکے اسّی سال کے گُناہ معاف کردیئے جائیں گے۔

﴿ذکرہ السخاوی من عدۃ روایات ضعیفۃ بالفاظ مختلفۃ﴾

﴿ف﴾ علامہ سخاوی نے قولِ بدیع میں اس حدیث کو متعدد روایات سے جن پر ضعف کا حکم بھی لگایا ہے نقل کیا ہے۔ اور صاحبِ اتحاف نے بھی شرح احیاء میں اس حدیث کو مختلف طرق سے نقل کیا ہے۔ اور محدّثین کا قاعدہ ہے کہ ضعیف روایت بالخصوص جبکہ وہ متعدد طرق سے نقل کی جائے فضائل میں معتبر ہوتی ہے۔ غالباً اِسی وجہ سے جامع الصغیر میں ابوہریرہؓ کی اس حدیث پر حسَن کی علامت لگائی ہے۔ ملا علی قاریؒ نے شرح شفاء میں جامع الصغیر کے حوالہ سے بروایت طبرانی و دارقطنی اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

علّامہ سخاویؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت انسؓ کی روایت سے بھی نقل کی جاتی ہے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ کی ایک حدیث میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد اپنی جگہ سے اُٹھنے سے پہلے اَسّی مرتبہ یہ دُرود شریف پڑھے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ إِلنَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا

اُس کے اَسّی سال کے گناہ معاف ہوں گے اور اَسّی سال کی عبادت کا ثواب اُس کے لئے لِکھا جائے گا۔

دارقطنی کی ایک روایت میں حضورؐ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن مجھ پر اَسّی مرتبہ درود شریف پڑھے اُس کے اَسّی سال کے گناہ معاف کئے جائیں گے۔ کسی نے عرض کیا یارسُولَ اللہ دُرود کس طرح پڑھا جائے؟ حضورؐ نے اِرشاد فرمایا:

" اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَنَبِیِّكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ "

اور یہ پڑھکر ایک اُنگلی بند کرلے۔ اُنگلی بند کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اُنگلیوں پر شمار کیا جائے۔

نبی کریم ﷺ سے اُنگلیوں پر گِننے کی ترغیب وارد ہوئی ہے اور ارشاد ہوا کہ اُنگلیوں پر گِنا کرو، اِس لئے کہ قیامت میں ان کو گویائی دی جائے گی اور ان سے پُوچھا جائے گا۔ جیسا کہ فضائلِ ذکر کی فصل دوم کی حدیث نمبر ۱۸ میں یہ مضمون تفصیل سے ذکر کیا جاچکا۔

ہم لوگ اپنے ہاتھوں سے سینکڑوں گناہ کرتے ہیں، جب قیامت کے دن پیشی کے وقت میں ہاتھ اور اُنگلیاں وہ ہزاروں گناہ گنوائیں جو اُن سے زندگی میں کئے گئے ہیں تو اُن کے ساتھ کچھ نیکیاں بھی گنوائیں جو اُن سے کی گئی ہیں، یا اُن سے گنی گئی ہیں۔ دارقطنی کی اس روایت کو حافظ عراقی نے حسَن بتلایا ہے۔

حضرت علیؓ سے حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن تسو مرتبہ دُرود پڑھے اُس کے ساتھ قیامت کے دن ایک ایسی روشنی آئیگی کہ اگر اس روشنی کو ساری مخلوق پر تقسیم کیا جائے تو سب کو کافی ہوجائے۔

حضرت سہل بن عبداللہ سے نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد:

"اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلِّمْ"

اَسّی دفعہ پڑھے اُس کے اَسّی سال کے گناہ معاف ہوں۔

علّامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری جگہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک دفعہ دُرود بھیجے اور وہ قبول ہو جائے تو اُس کے اسّی سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

حضرت تھانوی نوّراللہ مرقدہٗ نے زاد السعید میں بحوالہ درمختار اصبہانی سے بھی حضرتِ انس رضی اللہ عنہ کی اِس حدیث کو نقل فرمایا ہے۔ علّامہ شامی نے اس میں طویل بحث کی ہے کہ درود شریف میں بھی مقبول اور غیر مقبول ہوتے ہیں یا نہیں شیخ ابوسلیمان دارانی سے نقل کیا ہے کہ ساری عبادتوں میں مقبول اور مردود ہونے کا احتمال ہے لیکن حضورِ اقدس ﷺ پر تو دُرود شریف قبول ہی ہوتا ہے۔ اور بھی بعض صوفیہ سے یہی نقل کیا ہے ؎

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا — عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

﴿۵﴾ عَنْ رُوَیْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ الْاَنْصَارِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ قَالَ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَنْزِلْہُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ

حضرت رویفع رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں جو شخص اِس طرح کہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَنْزِلْہُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَکَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ

عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ. اُس کے لئے میری شفاعت واجب ہوجاتی ہے۔

﴿رواہ البزار والطبرانی فی الکبیر والاوسط وبعض اسانید ھم حسن کذا فی الترغیب﴾

﴿ف﴾ دُرود شریف کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے:

"اے اللہ آپ محمدؐ (ﷺ) پر دُرود بھیجئے اور اُن کو قیامت کے دن ایسے مبارک ٹھکانے پر پہنچائیے جو آپ کے نزدیک مقرب ہو"

علماء کے 'مقعد مقرب' یعنی مقرب ٹھکانے میں مختلف اقوال ہیں۔ علامہ سخاویؒ کہتے ہیں کہ محتمل ہے کہ اس سے وسیلہ مراد ہو یا مقامِ محمود، یا آپ کا عرش پر تشریف رکھنا یا آپ کا وہ مقامِ عالی جو سب سے اعلیٰ و اَرفع ہے۔ حرزِ ثمین میں لکھا ہے کہ مقعد کو مقرب کے ساتھ اس لئے موصوف کیا ہے کہ جو شخص اس میں ہوتا ہے وہ مقرب ہوتا ہے۔ اس وجہ سے گویا اس مکان ہی کو مقرب قرار دیا اور اس کے مصداق میں علاوہ ان اقوال کے جو سخاوی سے گزرے ہیں کرسی پر تشریف فرما ہونے کا اضافہ کیا ہے۔

ملّا علی قاری کہتے ہیں کہ مقعد مقرب سے مراد مقامِ محمود ہے اس لئے کہ روایت میں 'یوم القیٰمۃ' کا لفظ ذکر کیا گیا ہے۔ اور بعض روایات میں 'المقرب عندک فی الجنۃ' کا لفظ آیا ہے، یعنی وہ ٹھکانا جو جنّت میں مقرب ہو۔ اس بنا پر اس سے مراد وسیلہ ہوگا جو جنت کے درجات میں سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ کے لئے دو مقام علیٰحدہ علیٰحدہ ہیں۔ ایک مقام تو وہ ہے جب کہ حضورِ اقدس ﷺ شفاعت کے میدان

میں عرشِ معلّٰی کے دائیں جانب ہوں گے جس پر اوّلین و آخرین سب کو رشک ہوگا۔ اور دوسرا آپ کا مقام جنّت میں جس کے اُوپر کوئی درجہ نہیں۔

بخاری شریف کی ایک بہت طویل حدیث میں جس میں نبی کریم ﷺ کا بہت طویل خواب جس میں حضورِ اقدس ﷺ نے دوزخ جنّت وغیرہ اور زناکار سُود خوار وغیرہ لوگوں کے ٹھکانے دیکھے اس کے اخیر میں ہے کہ پھر وہ دونوں فرشتے مجھے ایک گھر میں لے گئے جس سے زیادہ حَسین اور بہتر مکان مَیں نے نہیں دیکھا تھا۔ اُس میں بہت سے بوڑھے اور جوان عورتیں اور بچّے تھے، اس کے بعد وہاں سے نکال کر مجھے وہ ایک درخت پر لے گئے، وہاں ایک مکان پہلے سے بھی بڑھیا تھا۔ میرے پُوچھنے پر اُنہوں نے بتایا کہ پہلا مکان عام مسلمانوں کا ہے اور یہ شہداء کا۔ اس کے بعد اُنہوں نے کہا ذرا اُوپر سر اُٹھایئے تو مَیں نے سَر اُٹھا کر دیکھا تو ایک اَبر سا نظر آیا۔ مَیں نے کہا مَیں اس کو بھی دیکھ لوں، ان دونوں فرشتوں نے کہا ابھی آپ کی عمر باقی ہے جب پوری ہو جائے گی جب آپ اس میں تشریف لے جائیں گے۔

درود شریف کی مختلف احادیث میں مختلف الفاظ پر شفاعت واجب ہونے کا وعدہ پہلے بھی گزر چکا آئندہ بھی آرہا ہے۔ کسی قیدی یا مجرم کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ حاکم کے یہاں فلاں شخص کا اثر ہے اور اس کی سفارش حاکم کے یہاں بڑی وقیع ہوتی ہے تو اس سفارشی کی خوشامد میں کتنی دَوڑ دھوپ کی جاتی ہے۔ ہم میں سے کونسا ایسا ہے جو بڑے سے بڑے گناہ کا مجرم نہیں۔ اور حضورِ اقدس ﷺ جیسا سفارشی جو اللہ کا حبیب، سارے رسُولوں اور تمام مخلوق کا سَردار وہ کیسی

آسان چیز پر اپنی سفارش کا وعدہ اور وعدہ بھی ایسا مؤکد کہ فرماتے ہیں کہ مجھ پر اس کی سفارش واجب ہے۔ پھر بھی اگر کوئی شخص اس سے فائدہ نہ اُٹھائے تو کِس قدر خسارہ کی بات ہے۔ لغویات میں اَوقات ضائع کرتے ہیں۔ فضول باتوں بلکہ غیبت وغیرہ گناہوں میں قیمتی اَوقات کو برباد کرتے ہیں ان اَوقات کو دُرود شریف میں اگر خرچ کیا جائے تو کِتنے فوائد حاصِل ہوں ؎

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا ۔۔۔ عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

﴿۶﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ ۔۔۔ حضرت اِبن عباسؓ حضور (ﷺ) کا ارشاد

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ ۔۔۔ نقل کرتے ہیں کہ جو شخص یہ دُعا کرے جَزَى اللّٰهُ

قَالَ جَزَى اللّٰهُ عَنَّا ۔۔۔ عَنَّا مُحَمَّدًا مَّا هُوَ اَهْلُهٗ (ترجمہ: اللہ

مُحَمَّدًا مَّا هُوَ اَهْلُهٗ ۔۔۔ جلّ شانہٗ جزا دے محمد (ﷺ) کو ہم لوگوں

اَتْعَبَ سَبْعِيْنَ كَاتِبًا ۔۔۔ کی طرف سے جس بدلے کے وہ مستحق ہیں تو اسکا ثواب

اَلْفَ صَبَاحٍ. ۔۔۔ ستر فرشتوں کو ایک ہزار دن تک مشقت میں ڈالیگا۔

﴿رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط کذا فی الترغیب وبسط السخاوی فی تخریجہٖ لفظہ اتعب سبعین ملکا الف صباح﴾

﴿ف﴾ نزہۃ المجالِس میں بروایت طبرانی حضرت جابرؓ کی حدیث سے حضورﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص صبح و شام یہ دُرود پڑھا کرے اَللّٰهُمَّ رَبَّ مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّاجْزِ مُحَمَّدًا ﷺ مَّا هُوَ اَهْلُهٗ۔ وہ اس کا ثواب لکھنے والوں کو ایک ہزار دن تک مشقت میں ڈالے رکھے گا۔ مشقت میں ڈالیگا کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک ہزار دن

تک اس کا ثواب لکھتے لکھتے تھک جائیں گے۔ بعض علماء نے "جس بدلے کے وہ مستحق ہیں" کی جگہ "جو بدلہ اللہ کی شان کے مناسب ہے" لکھا ہے۔ یعنی جتنا بدلہ عطا کرنا تیری شایانِ شان ہو وہ عطا فرما اور اللہ تعالیٰ کی شان کے مناسب بالخصوص اپنے محبوب کے لئے ظاہر ہے کہ بے انتہا ہوگا۔

حضرت حسن بصریؒ سے ایک طویل درود شریف کے ذیل میں نقل کیا گیا ہے کہ وہ اپنے درود شریف میں یہ الفاظ بھی پڑھا کرتے تھے:

"وَاجْزِہٖ عَنَّا خَیْرَ مَا جَزَیْتَ نَبِیًّا عَنْ اُمَّتِہٖ (اے اللہ حضورؐ کو ہماری طرف سے اس سے زیادہ بہتر بدلہ عطا فرمائیے جتنا کسی نبی کو اس کی اُمّت کی طرف سے آپ نے عطا فرمایا)

ایک اور حدیث میں نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص یہ الفاظ پڑھے "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَکُوْنُ لَکَ رِضًا وَّلِحَقِّہٖ اَدَاءً وَّاَعْطِہِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ وَاجْزِہٖ عَنَّا مَا ھُوَ اَھْلُہٗ وَاجْزِہٖ عَنَّا مِنْ اَفْضَلِ مَا جَزَیْتَ نَبِیًّا عَنْ اُمَّتِہٖ وَصَلِّ عَلٰی جَمِیْعِ اِخْوَانِہٖ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصَّالِحِیْنَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔ جو شخص سات جمعوں تک ہر جمعہ کو سات مرتبہ اس دُرود کو پڑھے اس کے لئے میری شفاعت واجب ہے۔

ایک علّامہ جو ابن المشتہر کے نام سے مشہور ہیں یوں کہتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اللہ جلّ شانہٗ کی ایسی حمد کرے جو اس سب سے زیادہ افضل ہو جو اَب تک اُس کی مخلوق میں سے کسی نے کی ہو اوّلین و آخرین اور ملائکہ

مقربین آسمان والوں اور زمین والوں سے بھی افضل ہو، اور اسی طرح یہ چاہے کہ حضورِ اقدس ﷺ پر ایسا درود شریف پڑھے جو اس سب سے افضل ہو جتنے درود کسی نے پڑھے ہیں، اور اسی طرح یہ بھی چاہتا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ شانہٗ سے کوئی ایسی چیز مانگے جو اس سب سے فضل ہو جو کسی نے مانگی ہو تو وہ یہ پڑھا کرے:

"اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَآ اَنْتَ اَھْلُہٗ فَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَآ اَنْتَ اَھْلُہٗ وَافْعَلْ بِنَا مَآ اَنْتَ اَھْلُہٗ فَاِنَّکَ اَنْتَ اَھْلُ التَّقْوٰی وَاَھْلُ الْمَغْفِرَۃِ۔" جس کا ترجمہ یہ ہے "اے اللہ تیرے ہی لئے حمد ہے جو تیری شان کے مناسب ہے پس تو محمد ﷺ پر دُرود بھیج جو تیری شان کے مناسب ہے اور ہمارے ساتھ بھی وہ معاملہ کر جو تیری شایانِ شان ہو۔ بیشک تو ہی اس کا مستحق ہے کہ تجھ سے ڈرا جائے اور مغفرت کرنے والا ہے۔"

ابوالفضل قومانی کہتے ہیں کہ ایک شخص خراسان سے میرے پاس آیا اور اس نے یہ بیان کیا کہ مَیں مدینہ پاک میں تھا مَیں نے حضورِ اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی تو حضور ﷺ نے مجھ سے یہ ارشاد فرمایا جب تو ہمدان جائے تو ابوالفضل بن زیرک کو میری طرف سے سَلام کہدینا۔ مَیں نے عرض کیا یارسُولَ اللہ یہ کیا بات! تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ مجھ پر روزانہ سَو مرتبہ یا اس سے بھی زیادہ یہ دُرود پڑھا کرتا ہے "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ جَزَی اللّٰہُ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنَّا

مَا هُوَ اَهْلُهٗ۔ ابولفضل کہتے ہیں کہ اس شخص نے قسم کھائی کہ وہ مجھے یا میرے نام کو حضورِ اقدس ﷺ کے خواب میں بتلانے سے پہلے نہیں جانتا تھا۔ ابولفضل کہتے ہیں کہ مَیں نے اُس کو کچھ غلّہ دینا چاہا تو اُس نے یہ کہکر انکار کر دیا کہ مَیں حضورِ اقدس ﷺ کے پیام کو بیچتا نہیں (یعنی اس کا کوئی معاوضہ نہیں لیتا)۔ ابولفضل کہتے ہیں کہ اس کے بعد پھر مَیں نے اس شخص کو نہیں دیکھا۔ (بدیع)

اس نوع کا ایک دوسرا قصہ حکایات میں ۳۹ پر آرہا ہے ؎

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا — عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

﴿۷﴾ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ فَاِنَّهٗ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ فَاِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِيْ اِلَّا لِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِ اللّٰهِ وَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں جب تم اذان سُنا کرو تو جو الفاظ مؤذن کہے وہی تم کہا کرو، اس کے بعد مجھ پر درود بھیجا کرو اِس لئے کہ جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ جلّ شانہٗ اُس پر دس دفعہ درود بھیجتے ہیں۔ پھر اللہ جلّ شانہٗ سے میرے لئے وسیلہ کی دُعا کیا کرو۔ وسیلہ جنت کا ایک درجہ ہے جو صرف ایک ہی شخص کو ملے گا، اور مجھے امید ہے کہ وہ ایک شخص مَیں ہی ہوں۔ پس جو شخص میرے لئے

اَنَا هُوَ فَمَنْ سَاَلَ لِیَ الْوَسِیْلَةَ حَلَّتْ عَلَیْهِ الشَّفَاعَةُ — اللہ سے وسیلہ کی دُعا کرے گا اُس پر میری شفاعت اُتر پڑے گی۔

﴿رواہ مسلم وابوداود والترمذی کذا فی الترغیب﴾

﴿ف﴾ "اُتر پڑیگی" کا مطلب یہ ہے کہ محقق ہو جائے گی۔ اس لئے کہ بعض روایات میں اس کی جگہ یہ ارشاد ہے کہ اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔

بخاری شریف کی ایک حدیث میں یہ ہے کہ جو شخص اذان سُنے اور یہ دُعا پڑھے "اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِیْلَةَ وَالْفَضِیْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ" اُس کے لئے میری شفاعت اُتر جاتی ہے۔

حضرت ابو الدرداءؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ جب حضورِ اقدس ﷺ اذان سُنتے تو خود بھی یہ دُعا پڑھتے "اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰتِهِ سُؤْلَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اور حضورؐ اتنی آواز سے پڑھا کرتے تھے کہ پاس والے اس کو سُنتے تھے۔

اور بھی متعدد احادیث سے علّامہ سخاوی نے یہ مضمون نقل کیا ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جب تم مجھ پر دُرود پڑھا کرو تو میرے لئے وسیلہ بھی مانگا کرو۔ کسی نے عرض کیا یا رسُولَ اللہ وسیلہ کیا چیز ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ جنّت کا اعلیٰ درجہ ہے جو صرف ایک ہی شخص کو ملیگا اور مجھے یہ اُمید ہے کہ وہ شخص مَیں ہی ہوں گا۔

علّامہ سخاویؒ کہتے ہیں کہ وسیلہ کے اصل معنٰی لُغت میں تو وہ چیز ہے کہ جس کی وجہ سے کسی بادشاہ یا کسی بڑے آدمی کی بارگاہ میں تقرب حاصِل کیا جائے، لیکن اس جگہ ایک عالی درجہ مراد ہے، جیسا کہ خود حدیث میں وارد ہے کہ وہ جنّت کا ایک درجہ ہے۔ اور قرآنِ پاک کی آیت وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ میں ائمۂ تفسیر کے دو قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس سے وہی تقرب مراد ہے جو اُوپر گزرا۔ حضرت ابنِ عبّاسؓ مجاہد عطاء وغیرہ سے یہی قول نقل کیا گیا ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں اللہ کی طرف ..... تقرب حاصِل کرو اس چیز کے ساتھ جو اس کو راضی کر دے۔

واحدی، بغوی، زمخشری سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے کہ وسیلہ ہر وہ چیز ہے جس سے تقرب حاصل کیا جاتا ہو۔ قرابت ہو یا کوئی عمل اور اس قول میں نبی کریم ﷺ کے ذریعہ سے توسّل حاصل کرنا بھی داخِل ہے۔ اھ

علّامہ جزریؒ نے حِصن حصین میں آدابِ دُعا میں لکھا ہے:

"وَاَنْ يَّتَوَسَّلَ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى بِاَنْبِيَآئِهٖ (خ ومص) وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِهٖ (خ)" یعنی "توسّل حاصل کرے اللہ جل شانہٗ کی طرف اُس کے انبیاء کے ساتھ" جیسا کہ بخاری، مسند بزار اور حاکم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ اور "اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ" جیسا کہ بخاری سے معلوم ہوتا ہے۔

علّامہ سخاویؒ کہتے ہیں اور دوسرا قول آیتِ شریفہ میں یہ ہے کہ اس سے مُراد محبّت ہے۔ یعنی اللہ کے محبوب بنو، جیسا کہ ماوردی وغیرہ نے

ابوزید سے نقل کیا ہے۔ اور حدیثِ پاک میں فضیلت سے مراد وہ مرتبہ عالیہ ہے جو ساری مخلوق سے اُونچا ہو اور احتمال ہے کوئی اور مرتبہ مراد ہو یا وسیلہ کی تفسیر ہو۔ اور مقامِ محمود وہی ہے جس کو اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے کلامِ پاک میں سُورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا:

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (ترجمہ) امید ہے کہ پہنچائیں گے آپ کو آپ کے ربّ مقامِ محمود میں۔

مقامِ محمود کی تفسیر میں علماء کے چند اقوال ہیں، یہ کہ وہ حضور اقدس ﷺ کا اپنی اُمّت کے اُوپر گواہی دینا ہے اور کہا گیا ہے کہ حمد کا جھنڈا جو قیامت کے دن آپ کو دیا جائے گا مراد ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے آپ کو قیامت کے دن عرش پر اور بعض نے کہا کُرسی پر بٹھانے کو کہا ہے۔ ابن جوزی نے ان دونوں قولوں کو بڑی جماعت سے نقل کیا ہے اور بعضوں نے کہا کہ اس سے مراد شفاعت ہے اس لئے کہ وہ ایسا مقام ہے کہ اس میں اوّلین و آخرین سب ہی آپ کی تعریف کریں گے۔

علّامہ سخاویؒ اپنے استاذ حافظ ابن حجرؒ کے اتباع میں کہتے ہیں:

"ان اقوال میں کوئی منافات نہیں اِس واسطے کہ احتمال ہے کہ عرش و کُرسی پر بٹھانا شفاعت کی اجازت کی علامت ہو اور جب حضور ﷺ وہاں تشریف فرما ہو جائیں تو اللہ جلّ شانہٗ اُن کو حمد کا جھنڈا عطا فرمائے اور اس کے بعد حضورِ اقدس ﷺ اپنی اُمت پر گواہی دیں"۔

ابن حبان کی ایک حدیث میں حضرت کعب بن مالکؓ سے حضور ﷺ کا ارشاد

نقل کیا گیا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ قیامت کے دن لوگوں کو اُٹھائیں گے۔ پھر مجھے ایک سبز جوڑا پہنائیں گے، پھر مَیں وہ کہوں گا جو اللہ چاہیں۔ پس یہی مقامِ محمود ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ "پھر مَیں کہوں گا" سے مراد وہ حمد وثنا ہے جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت سے پہلے کہیں گے اور مقامِ محمود ان سب چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے جو اس وقت میں پیش آئیں گی۔ انتہی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس ارشاد کا مطلب کہ "مَیں وہ کہوں گا جو اللہ تعالےٰ چاہیں گے" حدیث کی کتابوں بخاری مسلم شریف وغیرہ میں شفاعت کی طویل حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ جب مَیں اللہ تعالیٰ کی زیارت کروں گا تو سجدہ میں گر جاؤنگا۔ اللہ جلّ شانہٗ مجھے سجدہ میں جب تک چاہیں گے پڑا رہنے دیں گے۔ اس کے بعد اللہ جلّ شانہٗ کا ارشاد ہوگا محمدؐ سر اُٹھاؤ اور کہو تمھاری بات سُنی جائے گی، سفارش کرو قبول کی جائے گی، مانگو تمھارا سوال پُورا کیا جائے گا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس پر مَیں سجدہ سے سر اُٹھاؤں گا، پھر اپنے رب کی وہ حمد وثنا کروں گا جو اس وقت میرا رب مجھے الہام کریگا، پھر مَیں اُمّت کیلئے سفارش کروں گا۔ بہت لمبی حدیث سفارش کی ہے جو مشکوٰۃ میں بھی مذکور ہے ؎

ہاں ہاں اجازت ہے تجھے	آ آج عزّت ہے تجھے
زیبا شفاعت ہے تجھے	بے شک یہ ہے حصّہ ترا

یہاں ایک بات قابلِ لحاظ ہے کہ اُوپر کی دُعا میں اَلْوَسِیْلَۃَ وَ

الْفَضِيْلَةَ کے بعد وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ کا لفظ بھی مشہور ہے۔ محدثین فرماتے ہیں کہ یہ لفظ اس حدیث میں ثابت نہیں۔ البتہ بعض روایات میں جیسا کہ حِصنِ حصین میں بھی ہے اس کے اخیر میں اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ کا اضافہ ہے ؎

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا ۔۔۔ عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

﴿۸﴾ عَنْ اَبِيْ حُمَيْدٍ اَوْ اَبِيْ اُسَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمْ فِي الْمَسْجِدِ فَلْيُسَلِّمْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَاِذَا خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَلْيُسَلِّمْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ.

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا کرے تو نبی (کریم) ﷺ پر سلام بھیجا کرے پھر یوں کہا کرے "اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ" اے اللہ میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ اور جب مسجد سے نکلا کرے تب بھی نبی (کریم) ﷺ پر سلام بھیجا کرے اور یوں کہا کرے اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ اے اللہ میرے لئے اپنے فضل (یعنی روزی) کے دروازے کھول دے۔

﴿اخرجہ ابوعوانۃ فی صحیحہ وابوداؤد والنسائی وابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحیہما کذا فی الترغیب﴾

﴿ف﴾ مسجد میں جانے کے وقت رحمت کے دروازے کھلنے کی

وجہ یہ ہے کہ جو مسجد میں جاتا ہے وہ اللہ کی عبادت میں مشغول ہونے کے لئے جاتا ہے، وہ اللہ کی رحمت کا زیادہ محتاج ہے کہ وہ اپنی رحمت سے عبادت کی توفیق عطا فرمائے، پھر اس کو قبول فرمائے۔

مظاہرِ حق میں لکھا ہے:

"دروازے رحمت کے کھول بسبب برکت اس مکان شریف کے یا بسبب توفیق دینے نماز کی اس میں، یا بسبب کھولنے حقائقِ نماز کے اور مُراد فضل سے رزقِ حلال ہے کہ بعد نکلنے کے نماز سے اس کی طلب کو جاتا ہے۔" (اھ)

اس میں قرآنِ پاک کی اِس آیت کی طرف اشارہ ہے جو سُورۂ جمعہ میں وارد ہے فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔

علّامہ سخاویؒ نے حضرت علیؓ کی حدیث سے نقل کیا ہے کہ جب مسجد میں داخل ہوا کرو تو حضورؐ پر درود بھیجا کرو۔ اور حضورِ اقدس ﷺ کی صاحب زادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو دُرود و سَلام بھیجتے محمدؐ پر (یعنی خود اپنے اُوپر) اور پھر یوں فرماتے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ اور جب مسجد سے نکلتے تب بھی اپنے اُوپر دُرود و سَلام بھیجتے اور فرماتے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ۔

حضرت انسؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ جب مسجد میں داخل

ہوتے تو پڑھا کرتے بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ اور جب باہر تشریف لاتے تب بھی یہ پڑھا کرتے بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔

حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے اپنے نواسے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ دُعاء سکھلائی تھی کہ جب وہ مسجد میں داخل ہوا کریں تو حضورِ اقدس ﷺ پر دُرود بھیجا کریں اور یہ دُعاء پڑھا کریں اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَافْتَحْ لَنَا اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ اور جب نکلا کریں جب بھی یہی دُعاء پڑھا کریں اور اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ کی جگہ اَبْوَابَ فَضْلِكَ۔

حضرت ابوہریرہؓ سے حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص تم میں سے مسجد میں جایا کرے تو حضورؐ پر سلام پڑھا کرے اور یوں کہا کرے اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ اور جب مسجد سے نکلا کرے تو حضورؐ پر سلام پڑھا کرے اور یوں کہا کرے اَللّٰھُمَّ اعْصِمْنِیْ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔

حضرت کعبؓ نے حضرت ابوہریرہؓ سے کہا میں تجھے دو باتیں بتاتا ہوں انہیں بھولنا مت۔ ایک یہ کہ جب مسجد میں جائے تو حضورؐ پر دُرود بھیجے اور یہ دُعا پڑھے اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ اور جب باہر نکلے (مسجد سے) تو یہ دُعا پڑھا کر اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَاحْفَظْنِیْ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔

اور بھی بہت سے صحابہؓ اور تابعینؒ سے یہ دُعائیں نقل کی گئی ہیں۔

صاحبِ حصن حصین نے مسجد میں جانے کی اور مسجد سے نکلنے کی متعدد دُعائیں مختلف احادیث سے نقل کی ہیں۔ ابوداؤد شریف کی روایت سے

مسجد میں داخل ہونے کے وقت یہ دُعا نقل کی ہے:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِوَجْھِہِ الْکَرِیْمِ وَسُلْطَانِہِ الْقَدِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ (میں پناہ مانگتا ہوں اس اللہ کے ذریعہ سے جو بڑی عظمت والا ہے اور اُس کی کریم ذات کے ذریعہ سے اور اُس کی قدیم بادشاہت کے ذریعہ سے شیطانِ مردود کے حملہ سے)

حِصنِ حصین میں تو اِتنا ہی ہے لیکن ابوداؤد میں اس کے بعد حضورِ اقدس ﷺ کا یہ پاک اِرشاد بھی نقل کیا ہے کہ جب آدمی یہ دُعا پڑھتا ہے تو شیطان یوں کہتا ہے کہ مجھ سے تو یہ شخص شام تک کے لئے محفوظ ہوگیا۔ اس کے بعد صاحبِ حِصن .... مختلف احادیث سے نقل کرتے ہیں کہ جب مسجد میں داخل ہو تو بِسْمِ اللّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ کہے۔ ایک اور حدیث میں وَعَلٰی سُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ہے۔ اور ایک حدیث میں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ ہے، اور مسجد میں داخل ہونے کے بعد اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ پڑھے اور جب مسجد سے نکلنے لگے جب بھی حضورِ اقدس ﷺ پر سلام پڑھے بِسْمِ اللّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ اور ایک حدیث میں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ اَللّٰھُمَّ اعْصِمْنِیْ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ؎

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلھم

﴿۹﴾ حضورِ اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی تمنا کونسا

مسلمان ایسا ہوگا جس کو نہ ہو لیکن عشق و محبّت کی بقدر اس کی تمنّائیں بڑھتی رہتی ہیں اور اکابر و مشائخ نے بہت سے اعمال اور بہت سے دُرودوں کے متعلق اپنے تجربات تحریر کئے ہیں کہ ان پر عمل سے سیّد الکونین ﷺ کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی۔

علامہ سخاویؒ نے قولِ بدیع میں خود حضورِ اقدس ﷺ کا بھی ایک ارشاد نقل کیا ہے "مَنْ صَلّٰی عَلٰی رُوْحِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَرْوَاحِ وَعَلٰی جَسَدِہٖ فِی الْاَجْسَادِ وَعَلٰی قَبْرِہٖ فِی الْقُبُوْرِ" جو شخص روحِ محمد (ﷺ) پر اَرواح میں اور آپ کے جسدِ اطہر پر بدنوں میں اور آپ کی قبرِ مبارک پر قبور میں درود بھیجے گا وہ مجھے خواب میں دیکھے گا، اور جو مجھے خواب میں دیکھیگا وہ قیامت میں دیکھے گا، اور جو مجھے قیامت میں دیکھے گا مَیں اُس کی سفارش کروں گا، اور جس کی مَیں سفارش کروں گا وہ میرے حوض سے پانی پیئے گا۔ اور اللہ جلّ شانہٗ اُس کے بدن کو جہنم پر حَرام فرمادیں گے۔ علّامہ سخاویؒ کہتے ہیں کہ ابوالقاسم بستی نے اپنی کتاب میں یہ حدیث نقل کی ہے، مگر مجھے اب تک اس کی اصل نہیں ملی۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں جو شخص یہ ارادہ کرے کہ نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھے وہ یہ دُرود پڑھے:

"اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا اَمَرْتَنَا اَنْ نُّصَلِّیَ عَلَیْہِ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا ھُوَ اَھْلُہٗ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی
مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی"

جو شخص اس درود شریف کو طاق عدد کے موافق پڑھے گا وہ حضورِ اقدس

ﷺ کی خواب میں زیارت کریگا اور اس پر اس کا اضافہ بھی کرنا چاہیئے
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی رُوْحِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَرْوَاحِ، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی جَسَدِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَجْسَادِ، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی قَبْرِ مُحَمَّدٍ فِی الْقُبُوْرِ۔

حضرت تھانوی نوّراللہ مرقدہٗ زاد السّعید میں تحریر فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ لذیذ تر اور شیریں تر خاصیت درود شریف کی یہ ہے کہ اس کی بدولت عشاق کو خواب میں حضور پُر نور ﷺ کی دولتِ زیارت میسّر ہوئی ہے بعض درودوں کو بالخصوص بزرگوں نے آزمایا ہے۔

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ترغیب اہل السّعادات میں لکھا ہے کہ شبِ جمعہ میں دو رکعت نماز نفل پڑھے اور ہر رکعت میں گیارہ بار آیت الکرسی اور گیارہ بار قل ھواللہ..... اور بعد سلام سَو بار یہ دُرود شریف پڑھے، انشاءاللہ تین جمعے نہ گزرنے پائیں گے کہ زیارت نصیب ہوگی۔ وہ درود شریف یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلِّمْ

دیگر شیخ موصوف نے لکھا ہے کہ جو شخص دو رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں بعد الحمد کے پچیس بار قُل ھواللہ اور بعد سلام کے یہ دُرود شریف ہزار مرتبہ پڑھے دولتِ زیارت نصیب ہو وہ یہ ہے "صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ"۔ دیگر۔ نیز شیخ موصوف نے لکھا ہے کہ سوتے وقت ستّر بار اِس دُرود کو پڑھنے سے زیارت نصیب ہو:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بَحْرِ اَنْوَارِكَ وَمَعْدِنِ اَسْرَارِكَ
وَلِسَانِ حُجَّتِكَ وَعُرُوْسِ مَمْلَكَتِكَ وَاِمَامِ حَضْرَتِكَ وَطِرَازِ
مُلْكِكَ وَخَزَآئِنِ رَحْمَتِكَ وَطَرِيْقِ شَرِيْعَتِكَ الْمُتَلَذِّذِ
بِتَوْحِيْدِكَ، اِنْسَانُ عَيْنِ الْوُجُوْدِ وَالسَّبَبُ فِیْ كُلِّ مَوْجُوْدٍ
عَيْنُ اَعْيَانِ خَلْقِكَ، الْمُتَقَدِّمُ مِنْ نُوْرِ ضِيَآئِكَ، صَلٰوةً
تَدُوْمُ بِدَوَامِكَ وَتَبْقٰی بِبَقَآئِكَ لَا مُنْتَهٰی لَهَا دُوْنَ
عِلْمِكَ صَلٰوةً تُرْضِيْكَ وَتُرْضِيْهِ وَتَرْضٰی بِهَا عَنَّا يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۔

دیگر اس کو بھی سوتے وقت چند بار پڑھنا زیارت کے لئے شیخ نے لکھا ہے

اَللّٰھُمَّ رَبَّ الْحِلِّ وَالْحَرَامِ وَرَبَّ الْبَيْتِ الْحَرَامِ وَرَبَّ الرُّكْنِ
وَالْمَقَامِ اَبْلِغْ لِرُوْحِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مِّنَّا السَّلَامَ۔

مگر بڑی شرط اِس دولت کے حصول میں قلب کا شوق سے پُر ہونا اور ظاہری و باطنی معصیتوں سے بچنا ہے۔ (انتہی)

ہمارے حضرت شیخ المشائخ قطب الارشاد شاہ ولی اللہ صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ نے اپنی کتاب نوادر میں بہت سے مشائخِ تصوّف اور ابدال کے ذریعہ سے حضرت خضر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے متعدد اعمال نقل کئے ہیں۔ اگرچہ محدّثانہ حیثیت سے ان پر کلام ہے لیکن کوئی فقہی مسئلہ نہیں جس میں دلیل اور حُجّت کی ضرورت ہو مبشرات اور منامات ہیں۔ منجملہ ان کے لکھا ہے کہ ابدال میں سے ایک بزرگ نے حضرت خضر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے درخواست کی کہ مجھے کوئی عمل بتلائیے جو میں رات میں کیا کروں۔ انہوں نے فرمایا کہ

مغرب سے عشاء تک نفلوں میں مشغول رہا کر کسی شخص سے بات نہ کر۔ نفلوں کی دو دو رکعت پر سلام پھیرتا رہا کر اور ہر رکعت میں ایک مرتبہ سُورۂ فاتحہ اور تین مرتبہ قُل ھواللہ پڑھتا رہا کر۔ عشاء کے بعد بھی بغیر بات کئے اپنے گھر چلا جا، اور وہاں جا کر دو رکعت نفل پڑھ، ہر رکعت میں ایک دفعہ سُورۂ فاتحہ اور سات مرتبہ قل ھواللہ۔ نماز کا سلام پھیرنے کے بعد ایک سجدہ کر جس میں سات دفعہ استغفار، سات مرتبہ دُرود شریف اور سات دفعہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ پھر سجدہ سے سر اُٹھا کر دُعاء کیلئے ہاتھ اُٹھا اور یہ دُعاء پڑھ:

"یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَا اِلٰہَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ یَا رَحْمٰنَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَرَحِیْمَھُمَا یَا رَبِّ یَا رَبِّ یَا رَبِّ یَا اَللّٰہُ یَا اَللّٰہُ یَا اَللّٰہُ"

پھر اسی حال میں ہاتھ اُٹھائے ہوئے کھڑا ہو اور کھڑے ہو کر پھر یہی دُعا پڑھ، پھر سجدہ میں جا کر یہی دُعا پڑھ، پھر دائیں کروٹ پر قبلہ کی طرف مُنہ کر کے لیٹ جا اور سونے تک دُرود شریف پڑھتا رہ، جو شخص یقین اور نیک نیتی کے ساتھ اس عمل پر مداومت کریگا مرنے سے پہلے حضورِ اقدس ﷺ کو ضرور خواب میں دیکھیگا۔ بعض لوگوں نے اس کا تجربہ کیا، اُنہوں نے دیکھا کہ وہ جنّت میں گئے وہاں انبیاءِ کرام علیہم السلام اور سیّد الکونین ﷺ کی زیارت ہوئی اور ان سے بات کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ اس عمل کے بہت سے فضائل ہیں جن کو ہم نے اختصاراً چھوڑ دیا۔ اور بھی متعدد عمل اس نوع کے حضرت پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ

سے نقل کئے ہیں۔

علامہ دمیری نے حیٰوۃ الحیوان میں لکھا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن جمعہ کی نماز کے بعد باوضو ایک پرچہ پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَحْمَدُ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پینتیس ۳۵ مرتبہ لکھے اور اس کو اپنے ساتھ رکھے۔ اللہ جلّ شانہٗ اس کو طاعت پر قوّت عطا فرماتا ہے اور اُس کی برکت میں مدد فرماتا ہے اور شیاطین کے وساوس سے حفاظت فرماتا ہے۔ اگر اس پرچہ کو روزانہ طلوعِ آفتاب کے وقت درود شریف پڑھتے ہوئے غور سے دیکھتا رہے تو نبی کریم ﷺ کی زیارت خواب میں کثرت سے ہوا کرے۔

﴿تنبیہ﴾ خواب میں حضورِ اقدس ﷺ کی زیارت ہو جانا بڑی سعادت ہے۔ لیکن دو اَمر قابلِ لحاظ ہیں۔ اوّل وہ جس کو حضرت تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ نے نشر الطّیب میں تحریر فرمایا ہے۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں:

"جاننا چاہیئے کہ جس کو بیداری میں یہ شرف نصیب نہیں ہوا اُس کے لئے بجائے اِس کے خواب میں زیارت سے مشرف ہو جانا سرمایۂ تسلّی اور فی نفسہٖ ایک نعمتِ عظمیٰ دولتِ کبریٰ ہے۔ اور اس سعادت میں اکتساب کو اصلاً دخل نہیں محض موہوب ہے۔ ولنعم ما قیل ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(ترجمہ۔ کسی نے کیا ہی اچھا کہا ہے "یہ سعادت قوتِ بازو سے حاصل نہیں ہوتی ہے جب تک اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے عطا اور بخشش نہ ہو")

ہزاروں کی عمریں اس حسرت میں ختم ہو گئیں۔ البتّہ غالب یہ ہے کہ

کثرتِ درود شریف وکمال اتباع سنّت وغلبۂ محبّت پر اس کا ترتّب ہوجاتا ہے لیکن چونکہ لازمی اور کُلّی نہیں اس لئے اس کے نہ ہونے سے مغموم و محزون نہ ہونا چاہیئے کہ بعض کے لئے اسی میں حکمت ورحمت ہے۔ عاشق کو رضاءِ محبوب سے کام خواہ وصل ہو تب، ہجر ہو تب۔ وللہ درمن قال ؎

اُرِیْدُ وِصَالَہٗ وَیُرِیْدُ ھَجْرِیْ فَاَتْرُکُ مَا اُرِیْدُ لِمَا یُرِیْدُ

(اور اللہ ہی کیلئے خوبی ہے اس کہنے والے کی جس نے کہا کہ مَیں اس کا وصال چاہتا ہوں اور وہ مجھ سے فراق چاہتا ہے مَیں اپنی خوشی کو اس کی خوشی کے مقابلہ میں چھوڑتا ہوں) قال العارف الشیرازی ؎

فراق و وصل چہ باشد رضاءِ دوست طلب
کہ حیف باشد ازو غیر او تمنّائے

(ترجمہ: عارف شیرازی فرماتے ہیں "فراق ووصل کیا ہوتا ہے محبوب کی رضا ڈھونڈ کہ محبوب سے اس کی رضا کے سوا تمنا کرنا ظلم ہے۔")

اسی سے یہ بھی سمجھ لیا جاوے کہ اگر زیارت ہوگئی مگر طاعت سے رضا حاصل نہ کی تو وہ کافی نہ ہوگی۔ کیا خود حضورِ اقدس ﷺ کے عہدِ مبارک میں بہت سے صورۃً زائر معنیً مہجور اور بعضے صورۃً مہجور جیسے اویس قرنی۔ اویس قرنی معنیً قرب سے مسرور تھے۔ یعنی حضورِ اقدس ﷺ کے پاک زمانہ میں کتنے لوگ ایسے تھے کہ جن کو حضورِ اقدس ﷺ کی ہر وقت زیارت ہوتی تھی لیکن اپنے کفر ونفاق کی وجہ سے جہنّمی رہے۔ اور حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ مشہور تابعی ہیں، اکابر صوفیہ میں ہیں، حضورِ اقدس ﷺ کے زمانہ میں مسلمان

ہو چکے تھے، لیکن اپنی والدہ کی خدمت کی وجہ سے حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت حاضر نہ ہو سکے لیکن اس کے باوجود حضورِ اقدس ﷺ نے صحابہ سے ان کا ذکر فرمایا اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو تم میں سے ان سے ملے وہ ان سے اپنے لئے دُعاءِ مغفرت کرائے۔

ایک روایت میں حضرت عمرؓ سے نقل کیا گیا کہ حضورؐ نے ان سے حضرت اویس کے متعلّق فرمایا کہ اگر وہ کسی بات پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ اس کو ضرور پُورا کرے تم ان سے دُعاءِ مغفرت کرانا (اصابہ) ؎

گو تھے اویس دور مگر ہو گئے قریب
بو جہل تھا قریب مگر دُور ہو گیا

دوسرا امر قابلِ تنبیہ یہ ہے کہ جس شخص نے حضور اقدس ﷺ کو خواب میں دیکھا اُس نے یقیناً اور قطعاً حضورِ اقدس ﷺ ہی کی زیارت کی روایاتِ صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے اور محقق ہے کہ شیطان کو اللہ تعالےٰ نے یہ قدرت عطا نہیں فرمائی کہ وہ خواب میں آکر کسی طرح اپنے آپ کو نبیِ کریم ﷺ ہونا ظاہر کرے۔ مثلاً یہ کہے کہ مَیں نبی ہوں یا خواب دیکھنے والا شیطان کو نعوذ باللہ نبی کریم ﷺ سمجھ بیٹھے۔ اِس لئے یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن اس کے باوجود اگر نبی کریم ﷺ کو اپنی اصلی ہیئت میں نہ دیکھے، یعنی حضورِ اقدس ﷺ کو ایسی ہیئت اور حلیہ میں دیکھے جو شانِ اقدس کے مناسب نہ ہو تو وہ دیکھنے والے کا قصور ہوگا۔ جیسا کہ کسی شخص کی آنکھ پر سُرخ یا سبز یا سیاہ عینک لگا دی جائے تو جس رنگ کی آنکھ پر عینک ہوگی اُسی رنگ کی سب چیزیں

نظر آئیں گی۔ اسی طرح بھینگے کو ایک کے دو نظر آتے ہیں اگر نئے ٹائم پیس کی لمباتی میں کوئی شخص اپنا چہرہ دیکھے تو اتنا لمبا نظر آئے گا کہ حد نہیں۔ اور اگر اُس کی چوڑائی میں اپنا چہرہ دیکھے تو ایسا چوڑا نظر آئے گا کہ خود دیکھنے والے کو اپنے چہرہ پر ہنسی آجائے گی۔ اسی طرح سے اگر خواب میں حضورِ اقدس ﷺ کا کوئی ارشاد شریعتِ مطہرہ کے خلاف سُنے تو وہ محتاجِ تعبیر ہے۔ شریعت کے خلاف اس پر عمل کرنا جائز نہیں۔ چاہے کتنے ہی بڑے شیخ اور مقتدیٰ کا خواب ہو۔ مثلاً کوئی شخص دیکھے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے کسی ناجائز کام کے کرنے کی اجازت یا حکم دیا تو وہ درحقیقت حکم نہیں بلکہ ڈانٹ ہے۔ جیسا کہ کوئی شخص اپنی اولاد کو کسی بُرے کام سے روکے اور وہ مانتا نہ ہو تو اُس کو تنبیہ کے طور پر کہا جاتا ہے کہ "کر اور کر" یعنی اس کا مزہ چکھاؤں گا۔ اور اسی طرح سے کلام کے مطلب کا سمجھنا جس کو تعبیر کہا جاتا ہے یہ بھی ایک دقیق فن ہے۔

تعطیر الانام فی تعبیر المنام میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے خواب یہ دیکھا کہ اس سے ایک فرشتہ نے یہ کہا کہ تیری بیوی تیرے فلاں دوست کے ذریعہ تجھے زہر پلانا چاہتی ہے۔ ایک صاحب نے اس کی تعبیر یہ دی اور وہ صحیح تھی کہ تیری بیوی اس فلاں سے زنا کرتی ہے۔ اسی طرح اور بہت سے واقعات اس قسم کے فنِ تعبیر کی کتابوں میں لکھے ہیں۔

مظاہرِ حق میں لکھا ہے کہ امام نووی نے کہا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ جس نے حضورؐ کو خواب میں دیکھا اُس نے آنحضرتؐ ہی کو دیکھا، خواہ آپکی صفتِ معروفہ پر دیکھا ہو یا اس کے علاوہ اور اختلاف اور تفاوت صورتوں کا باعتبارِ کمال و نقصان دیکھنے والے کے ہے۔ جس نے حضرتؐ کو اچھی صورت میں دیکھا

بسبب کمالِ دین اپنے کے دیکھا اور جس نے برخلاف اس کے دیکھا بسبب نقصان اپنے دین کے دیکھا۔ اسی طرح ایک نے بڈھا دیکھا، ایک نے جوان اور ایک نے راضی اور ایک نے خفا۔ یہ تمام مبنی ہے اُوپر اختلافِ حال دیکھنے والے کے۔ پس دیکھنا آنحضرتؐ کا گویا کسوٹی ہے معرفت احوال دیکھنے والے کے اور اس میں ضابطہ مفیدہ ہے سالکوں کے لئے کہ اس سے احوال اپنے باطن کا معلوم کر کے علاج اس کا کریں اور اسی قیاس پر بعض اربابِ تمکین نے کہا ہے کہ جو کلام آنحضرتؐ سے خواب میں سُنے تو اُس کو سُنّتِ قویمہ پر عرض کرے، اگر موافق ہے تو حق ہے اور اگر مخالف ہے تو بسببِ خلل سامعہ اُس کی کے ہے۔ پس رؤیائے ذاتِ کریمہ اور اس چیز کا کہ دیکھی یا سُنی جاتی ہے حق ہے اور جو تفاوت اور اختلاف سے ہے تجھ سے ہے۔

حضرت شیخ علی متقی نقل کرتے تھے کہ ایک فقیر نے فقرائے مغرب سے آنحضرتؐ کو خواب میں دیکھا کہ اُس کو شراب پینے کے لئے فرماتے ہیں، اُس نے واسطے رفع اس اشکال کے علماء سے استفتاء کیا کہ حقیقتِ حال کیا ہے۔ ہر ایک عالم نے محمل اور تاویل اس کی بیان کی۔ ایک عالم تھے مدینہ میں نہایت متبع سُنّت، ان کا نام شیخ محمد عرات تھا۔ جب وہ استفتاء ان کی نظر سے گزرا فرمایا یوں نہیں جس طرح اُس نے سُنا ہے، آنحضرتؐ نے اُس کو فرمایا کہ لَاتَشْرَبِ الْخَمْرَ یعنی شراب نہ پیا کر۔ اُس نے لَاتَشْرَبْ کو اِشْرَبْ سُنا۔ حضرت شیخ (عبدالحق) نے اِس مقام کو تفصیل سے لکھا ہے اور مَیں نے مختصراً (انتہیٰ مختصراً بتغیر)

جیسا کہ حضرت شیخ نے فرمایا کہ لَا تشرب کو اشرب سُن لیا محتمل ہو لیکن جیسا اس ناکارہ نے اُوپر لکھا اگر اشرب الخمر ہی فرمایا ہو، یعنی پی شراب تو یہ دھمکی بھی ہو سکتی ہے، جیسا کہ لہجے کے فرق سے اس قسم کی چیزوں میں فرق ہو جایا کرتا ہے۔ سہارنپور سے دہلی جانے والی لائن پر آٹھواں اسٹیشن کھاتولی ہے، مجھے خوب یاد ہے کہ بچپن میں جب مَیں ابتدائی صَرف ونحو پڑھتا تھا اور اسٹیشن پر گزر ہوتا تھا تو اس کے مختلف معنٰی بہت دیر تک دل میں گھوما کرتے تھے۔ یہ مضمون مختصر طور پر رسالہ فضائلِ حج اور شمائلِ ترمذی کے ترجمہ خصائل میں بھی گزر چکا ہے ؎

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلھم

﴿۱۰﴾ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے زاد السعید میں درود وسلام کی ایک چہل حدیث تحریر فرمائی ہے اور اسی سے نشر الطیب میں بھی حوالوں کے حذف کے ساتھ نقل فرمائی ہے، اس کو اس رسالہ میں ترجمہ کے اضافہ کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے تاکہ وہ برکت حاصل ہو جو حضرت نے تحریر فرمائی ہے۔

زاد السعید میں حضرت نے تحریر فرمایا ہے کہ یوں تو مشائخِ کرام سے صدہا صیغے اس کے منقول ہیں، دلائل الخیرات اس کا ایک نمونہ ہے۔ مگر اس مقام پر صرف جو صیغے صلوٰۃ وسلام کے احادیثِ مرفوعہ حقیقیہ یا حکمیہ میں وارد ہیں ان میں سے چالیس[۴۰] صیغے مرقوم ہوتے ہیں، جس میں پچیس[۲۵] صلوٰۃ اور پندرہ[۱۵] سلام کے ہیں گویا یہ مجموعہ درود شریف کی چہل حدیث ہے۔ جس کے باب میں بشارت آئی ہے کہ جو شخص امرِ دین کے متعلق چالیس[۴۰] حدیثیں میری

اُمّت کو پہنچادے اس کو اللہ تعالیٰ زمرۂ علماء میں محشور فرمائیں گے اور مَیں اُس کا شفیع ہوں گا۔ درود شریف کا اَمرِ دین سے ہونا بوجہ اس کا مامور بہ ہونے کے ظاہر ہے تو ان احادیث شریفہ کے جمع کرنے سے مضاعف ثواب (اَجر درود و اَجرِ تبلیغِ چہل حدیث) کی توقع ہے۔ ان احادیث سے قبل دو صیغے قرآن مجید سے تبرّکًا لکھے جاتے ہیں جو اپنے عمومِ لفظی سے صلوٰۃ نبویہ کو بھی شامِل ہیں۔ اگر کوئی شخص ان سب صیغوں کو روزانہ پڑھ لیا کرے تو تمام فضائل و برکات جو جدا جدا ہر صیغے کے متعلّق ہیں بتمامہا اُس شخص کو حاصِل ہو جائیں۔

﴿صیغہ قرآنی﴾

﴿۱﴾ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ؕ (ترجمہ) : سلام نازل ہو اللہ کے برگزیدہ بندوں پر۔

﴿۲﴾ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ سلام ہو رسُولوں پر۔

چہل حدیث مشتمل بر صلوٰۃ وسلام (باضافہ ترجمہ)

﴿صیغ صلوٰۃ﴾

﴿حدیثِ اول﴾ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّاَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ. اے اللہ سیدنا محمد ﷺ اور آلِ محمد ﷺ پر درود نازل فرما، اور آپ کو ایسے ٹھکانے پر پہنچا جو تیرے نزدیک مقرب ہو۔

﴿۲﴾ اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ الْقَآئِمَةِ وَالصَّلٰوةِ النَّافِعَةِ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّارْضَ عَنِّیْ رِضًا لَّا تَسْخَطُ بَعْدَهٗ اَبَدًا. اے اللہ (قیامت تک) قائم رہنے والی اِس پُکار اور نافع نماز کے مالک دُرود نازل فرما سیدنا محمد ﷺ پر اور مجھ سے اِس طرح راضی ہو جا کہ اس کے بعد کبھی ناراض نہ ہو۔

﴿۳﴾ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ اے اللہ درود نازل فرما سیدنا محمد ﷺ پر جو

عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَصَلِّ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ.

تیرے بندے اور رسُول ہیں. اور درود نازل فرما سارے مؤمنین اور مؤمنات اور مسلمین و مسلمات پر۔

﴿۴﴾ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّاٰلَ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ وَرَحِمْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

اے اللہ درود نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر. اور برکت نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر اور رحمت نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر جیسا کہ تو نے درود و برکت و رحمت سیدنا ابراہیمؑ و آلِ سیدنا ابراہیمؑ پر نازل فرمایا بیشک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔

﴿۵﴾ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

اے اللہ درود نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر جس طرح تو نے درود نازل فرمایا آلِ سیدنا ابراہیمؑ پر، بیشک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔ اے اللہ برکت نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر جس طرح تو نے سیدنا ابراہیمؑ کی اولاد پر برکت نازل فرمائی بیشک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔

﴿۶﴾ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ

اے اللہ درود نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر جیسا کہ تو نے درود نازل فرمایا

عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

آلِ سیدنا ابراہیمؑ پر، بیشک تو ستودہ صفات بزرگ ہے، اور برکت نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر جیسا کہ تو نے برکت نازل فرمائی سیدنا ابراہیمؑ کی اولاد پر، بے شک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔

﴿۷﴾ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

اے اللہ درود نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد (ﷺ) پر جس طرح تو نے درود نازل فرمایا سیدنا ابراہیمؑ پر بے شک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔ اے اللہ برکت نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر جس طرح تو نے سیدنا ابراہیمؑ پر برکت نازل فرمائی، بیشک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔

﴿۸﴾ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى

اے اللہ درود نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر، جیسا کہ تو نے درود نازل فرمایا سیدنا ابراہیمؑ اور آلِ سیدنا ابراہیمؑ پر بیشک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔ اور برکت نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا

عہ والفرق بین الخامس والسادس بلفظ اللّٰھم قبل بارك کما یظھر من السعایۃ ومنھا اخذھما فی زاد السعید۔

اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

ﷺ محمد پر جیسا کہ تو نے برکت نازل فرمائی سیدنا ابراہیم پر بیشک تو حمیدہ صفات والا بزرگ ہے۔

﴿۹﴾ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

اے اللہ درود نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر جس طرح تو نے درود نازل فرمایا سیدنا ابراہیم پر اور برکت نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر جس طرح تو نے سیدنا ابراہیم پر برکت نازل فرمائی بیشک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔

﴿۱۰﴾ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

اے اللہ درود نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر جیسا کہ تو نے درود نازل فرمایا سیدنا ابراہیم پر بیشک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔ اے اللہ برکت نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر جیسا کہ تو نے سیدنا ابراہیم کی اولاد پر برکت نازل فرمائی، بیشک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔

﴿۱۱﴾ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

اے اللہ درود نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر جس طرح تو نے آلِ سیدنا ابراہیم پر درود نازل فرمایا، اور برکت نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعٰلَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

جس طرح تونے سیدنا ابراہیمؑ کی اولاد پر برکت نازل فرمائی سارے جہانوں میں بیشک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔

﴿۱۲﴾ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

اے اللہ درود نازل فرما سیدنا محمدؐ اور آپکی ازواجِ مطہراتؓ اور ذریاتؓ پر جس طرح تونے سیدنا ابراہیمؑ کی اولاد پر درود نازل فرمایا اور برکت نازل فرما سیدنا محمدؐ اور آپکی ازواجِ مطہراتؓ اور ذریات پر جس طرح تونے سیدنا ابراہیمؑ کی اولاد پر برکت نازل فرمائی بیشک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔

﴿۱۳﴾ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

اے اللہ درود نازل فرما سیدنا محمدؐ اور آپ کی ازواجِ مطہراتؓ اور آپکی ذریات پر جیسا تونے درود نازل فرمایا آلِ ابراہیمؑ پر اور برکت نازل فرما سیدنا محمدؐ اور آپکی ازواجِ مطہراتؓ اور آپ کی ذریاتؓ پر جیسا کہ تونے آلِ ابراہیمؑ پر برکت نازل فرمائی بیشک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔

﴿۱۴﴾ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهٰتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ

اے اللہ درود نازل فرما نبی اکرم سیدنا محمدؐ اور آپ کی ازواجِ مطہراتؓ پر جو سارے مسلمانوں کی مائیں ہیں اور آپ کی ذریات اور آپ کے

بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اہلِ بیت پر جیسا تو نے سیدنا ابراہیمؑ پر درود نازل فرمایا بیشک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔

﴿۱۵﴾ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَتَرَحَّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ.

اے اللہ درود نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر جس طرح تو نے درود نازل فرمایا سیدنا ابراہیمؑ اور آلِ سیدنا ابراہیمؑ پر اور برکت نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر جس طرح تو نے برکت نازل فرمائی حضرت ابراہیمؑ پر اور رحمت بھیج سیدنا محمد ﷺ پر اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر جس طرح تو نے رحمت بھیجی سیدنا ابراہیمؑ اور سیدنا ابراہیمؑ کی اولاد پر۔

﴿۱۶﴾ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

اے اللہ سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر درود نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی اولاد پر درود نازل فرمایا بیشک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔ اے اللہ سیدنا محمد ﷺ اور سیدنا محمد ﷺ کی اولاد پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے سیدنا ابراہیمؑ اور سیدنا ابراہیمؑ کی اولاد پر برکت نازل فرمائی۔ بیشک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔ اے اللہ

تَرَحَّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ
مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰٓى
اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ
تَحَنَّنْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى
اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَحَنَّنْتَ
عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ
سَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ
مُحَمَّدٍ كَمَا سَلَّمْتَ عَلٰٓى
اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

﴿۱۷﴾ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ
عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ
وَارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّاٰلَ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ
وَتَرَحَّمْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ
وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ فِى الْعٰلَمِيْنَ

رحمت بھیج سیدنا محمد ﷺ اور سیدنا محمد ﷺ کی
اولاد پر جس طرح تو نے سیدنا ابراہیمؑ
اور سیدنا ابراہیمؑ کی اولاد پر رحمت بھیجی،
بیشک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔ اے اللہ
سیدنا محمد ﷺ اور سیدنا محمد ﷺ کی اولاد پر
محبت آمیز شفقت فرما جس طرح تو نے
حضرت ابراہیمؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی اولاد
پر محبت آمیز شفقت فرمائی۔ بیشک تو ستودہ
صفات بزرگ ہے۔ اے اللہ سلام بھیج سیدنا محمد ﷺ
اور سیدنا محمد ﷺ کی اولاد پر جس طرح تو نے حضرت
ابراہیمؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی اولاد پر سلام
بھیجا۔ بیشک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔
اے اللہ درود نازل فرما سیدنا محمد ﷺ
اور سیدنا محمد ﷺ کی آل پر اور برکت و سلام
بھیج سیدنا محمد ﷺ اور سیدنا محمد ﷺ کی اولاد پر
اور رحمت فرما سیدنا محمد ﷺ اور سیدنا محمد ﷺ کی
اولاد پر جیسا تو نے درود و برکت اور رحمت
نازل فرمائی سیدنا ابراہیمؑ اور آلِ سیدنا
ابراہیمؑ پر سارے جہانوں میں، بیشک

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. — تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔

﴿۱۸﴾ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

اے اللہ سیدنا محمد ﷺ اور سیدنا محمد ﷺ کی اولاد پر درود نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی اولاد پر درود نازل فرمایا بیشک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔ اے اللہ سیدنا محمد ﷺ اور سیدنا محمد ﷺ کی اولاد پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے سیدنا ابراہیمؑ اور سیدنا ابراہیمؑ کی اولاد پر برکت نازل فرمائی بیشک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔

یہ نماز والا مشہور دُرود ہے فصلِ ثانی کی حدیث ۱ پر اس پر مفصل کلام گزر چکا ہے۔ زاد السّعید میں لکھا ہے کہ یہ سب صیغوں سے بڑھ کر صحیح ہے۔ ایک ضروری بات قابلِ تنبیہ یہ ہے کہ زاد السّعید کے حوالوں میں کاتب کی غلطی سے تقدّم تأخّر ہو گیا اس کا لحاظ رہے۔

﴿۱۹﴾ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ عه

اے اللہ اپنے بندے اور رسول سیدنا محمد ﷺ پر درود نازل فرما جیسا کہ تو نے حضرت ابراہیمؑ کی اولاد پر درود نازل فرمایا اور سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیمؑ کی اولاد پر برکت نازل فرمائی۔

عه زید فی نشر الطیب بعدہٗ انك حمید مجید ولیس ھو فی زاد السعید وھو الصحیح لانہ اخذہ من الحصن ولیست فیہ ھذہ الزیادۃ ۱۲

﴿۲۰﴾ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اے اللہ درود نازل فرما نبیِ اُمّی سیدنا محمد ﷺ اور سیدنا محمد ﷺ کی اولاد پر جس طرح تو نے حضرت ابراہیمؑ پر درود نازل فرمایا اور برکت نازل فرما نبیِ اُمّی سیدنا محمد ﷺ پر جس طرح تو نے حضرت ابراہیمؑ پر برکت نازل فرمائی بیشک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔

﴿۲۱﴾ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَكُوْنُ لَكَ رِضًى وَّلَهٗ جَزَآءً وَّلِحَقِّهٖ اَدَآءً وَّاَعْطِهِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَالْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ وَاجْزِهٖ عَنَّا مَا هُوَ اَهْلُهٗ وَاجْزِهٖ اَفْضَلَ مَا جَازَيْتَ نَبِيًّا عَنْ قَوْمِهٖ وَرَسُوْلًا عَنْ اُمَّتِهٖ وَصَلِّ عَلٰى جَمِيْعِ اِخْوَانِهٖ مِنَ النَّبِيِّيْنَ

اے اللہ اپنے (برگزیدہ) بندے اور اپنے رسول نبی اُمّی سیدنا محمد ﷺ پر اور سیدنا محمد ﷺ کی اولاد پر درود نازل فرما، اے اللہ سیدنا محمد ﷺ اور سیدنا محمد ﷺ کی اولاد پر ایسا درود نازل فرما جو تیری رضا کا ذریعہ ہو اور حضور ﷺ کے لئے اُس کا بدلہ ہو اور آپ کے حق کی ادائیگی ہو اور آپ کو وسیلہ اور فضیلت اور مقامِ محمود جس کا تو نے وعدہ کیا ہے عطا فرما (ان تینوں کا بیان فصل ثانی کی حدیث ۷ پر گزر گیا) اور حضور ﷺ کو ہماری طرف سے ایسی جزا عطا فرما جو آپ کی شان عالی کے لائق ہو اور آپ کو اُن سب سے افضل جزا عطا فرما جو تو نے کسی نبی کو اُس کی قوم کی طرف سے اور کسی رسول کو اُس کی اُمت کی طرف سے عطا فرمایا اور

وَالصّٰلِحِيْنَ يَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ.

حضور ﷺ کے تمام برادران انبیاء وصالحین پر اے ارحم الراحمین درود نازل فرما۔

﴿۲۲﴾ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

اے اللہ درود نازل فرما نبیِ اُمّی سیدنا محمد ﷺ پر اور سیدنا محمد ﷺ کی اولاد پر جیسا تو نے درود نازل فرمایا حضرت ابراہیمؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی اولاد پر اور برکت نازل فرمائی نبیِ اُمّی سیدنا محمد ﷺ اور سیدنا محمد ﷺ کی اولاد پر جیسا تو نے برکت نازل فرمائی حضرت ابراہیمؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی اولاد پر بیشک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔

﴿۲۳﴾ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْنَا مَعَهُمْ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَيْنَا مَعَهُمْ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَصَلَوَاتُ الْمُؤْمِنِيْنَ

اے اللہ ہمارے اُوپر ان کے ساتھ درود نازل فرما اے اللہ برکت نازل فرما سیدنا محمد ﷺ پر اور آپ کے گھر والوں پر جیسا تو نے حضرت ابراہیمؑ پر درود نازل فرمایا۔ بیشک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔ اے اللہ ہمارے اُوپر ان کے ساتھ درود نازل فرما اے اللہ برکت نازل فرما سیدنا محمد ﷺ پر اور آپ کے گھر والوں پر جیسا تو نے برکت نازل فرمائی حضرت ابراہیمؑ پر، بیشک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔ اے اللہ ہمارے اُوپر ان کے ساتھ برکت نازل فرما اللہ تعالیٰ کے بکثرت درود اور مؤمنین کے بکثرت

عَلٰى مُحَمَّدِ إِلنَّبِيِّ الْأُمِّيِّ
﴿۲۴﴾ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ
وَرَحْمَتَكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا
جَعَلْتَهَا عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَبَارِكْ
عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ
عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ
حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.
﴿۲۵﴾ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى
النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ.

درود نبی اُمّی سیدنا محمد ﷺ پر نازل ہوں.
اے اللہ اپنے درود اور اپنی رحمت اور
اپنی برکتیں سیدنا محمد ﷺ اور سیدنا محمد ﷺ کی اولاد
پر نازل فرما جیسا تو نے حضرت ابراہیمؑ
کی اولاد پر فرمایا۔ بے شک تو
ستودہ صفات بزرگ ہے۔ اور برکت
فرما سیدنا محمد ﷺ اور سیدنا محمد ﷺ کی اولاد پر
جیسا تو نے برکت نازل فرمائی حضرت
ابراہیمؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی اولاد پر
بیشک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔
اور اللہ تعالٰی درود نازل فرمائیں
نبی اُمّی پر۔

﴿صِيَغُ السَّلَام﴾

﴿۲۶﴾ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَ
الصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ
وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، اَلسَّلَامُ
عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ

ساری عباداتِ قولیہ اور عبادات بدنیہ اور
عبادات مالیہ اللہ تعالٰی کیلئے ہیں، سلام ہو
آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اسکی برکتیں
آپ نازل ہوں، سلام ہو ہم پر اور اللہ کے
نیک بندوں پر، میں اس بات کی شہادت

الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

دیتا ہوں کہ بیشک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ بیشک سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اُس کے رسُول ہیں۔

﴿۲۷﴾ اَلتَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

ساری عباداتِ قولیہ، عباداتِ مالیہ، عباداتِ بدنیہ اللہ کیلئے ہیں اے نبی ﷺ آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور اسکی برکتیں نازل ہوں سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ بیشک محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اُسکے رسُول ہیں۔

﴿۲۸﴾ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

تمام عباداتِ قولیہ، مالیہ، بدنیہ اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اے نبی ﷺ آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور اُس کی برکتیں نازل ہوں سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے اُس کا کوئی شریک نہیں ہے اور شہادت دیتا ہوں کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اُس کے رسُول ہیں۔

﴿۲۹﴾ اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ

ساری بابرکت عباداتِ قولیہ، عباداتِ بدنیہ

اَلصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ	عباداتِ مالیہ اللہ کے لئے ہیں۔ سَلام ہو آپ
سَلَامٌ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ	پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اُسکی برکتیں
وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ سَلَامٌ	ہوں۔ سَلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں
عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ	پر۔ مَیں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک اللہ کے
اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ	سِوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں
وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا	کہ بیشک سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور
عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.	اُس کے رسُول ہیں۔
﴿۳۰﴾ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ	اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اور اللہ کی توفیق
اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ	سے شروع کرتا ہوں ساری عباداتِ قولیہ عباداتِ
وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ	بدنیہ، عباداتِ مالیہ اللہ کیلئے ہیں، سلام ہو آپ
اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ	اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اُس کی برکتیں ہوں
اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ	ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر (بھی) سَلام ہو۔
الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ	مَیں شہادت دیتا ہوں کہ بیشک اللہ کے سوا کوئی
اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا	معبود نہیں، اور شہادت دیتا ہوں کہ بیشک سیدنا
عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، اَسْاَلُ اللّٰهَ	محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اسکے رسُول ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے
الْجَنَّةَ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ	مَیں جنّت کی درخواست کرتا ہوں اور
مِنَ النَّارِ.	جہنم سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔
﴿۳۱﴾ اَلتَّحِيَّاتُ الزَّاكِيَاتُ	پاکیزہ عباداتِ قولیہ، عباداتِ مالیہ، عباداتِ
لِلّٰهِ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ	بدنیہ اللہ کیلئے ہیں، سَلام ہو آپ پر اے نبی

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

اور اللہ کی رحمت اور اُس کی برکتیں ہوں تم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر (بھی) سلام ہو، مَیں شہادت دیتا ہوں کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ بیشک سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اُس کے رسُول ہیں۔

﴿۳۲﴾ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ خَيْرُ الْاَسْمَآءِ اَلتَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ، اَللّٰهُمَّ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اور اللہ کی ہی توفیق سے جو سارے ناموں میں سب سے بہتر نام ہے۔ ساری عباداتِ قولیہ، عباداتِ مالیہ، عباداتِ بدنیہ اللہ کیلئے ہیں۔ مَیں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے اُس کا کوئی شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ بلاشک سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اُسکے رسُول ہیں آپکو حق کیساتھ (فرمانبرداروں کیلئے) خوشخبری دینے والا (نافرمانوں کیلئے) ڈرانیوالا بنا کر بھیجا۔ اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ قیامت آنیوالی ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اُس کی برکتیں ہوں سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر، اے

اغْفِرْلِیْ وَاهْدِنِیْ. — اللہ میری مغفرت فرما اور مجھکو ہدایت دے۔

﴿۳۳﴾ اَلتَّحِیَّاتُ الطَّیِّبَاتُ وَالصَّلَوَاتُ وَالْمُلْكُ لِلّٰهِ — ساری عباداتِ قولیہ، عباداتِ مالیہ اور عباداتِ بدنیہ اور مُلک اللہ کے لئے ہے

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ. — سَلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اُس کی برکتیں ہوں۔

﴿۳۴﴾ بِسْمِ اللّٰهِ التَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ الزَّاكِیَاتُ لِلّٰهِ السَّلَامُ عَلَى النَّبِیِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ شَهِدْتُّ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ شَهِدْتُّ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ. — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں ساری عباداتِ قولیہ اللہ کیلئے ہیں۔ ساری عباداتِ بدنیہ اللہ کیلئے ہیں۔ ساری پاکیزہ عبادات اللہ کیلئے ہیں سَلام ہو نبی پر اور اللہ کی رحمت اور اُسکی برکتیں ہوں۔ سَلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر، مَیں نے اِس بات کی گواہی دی کہ بِلاشک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں نے گواہی دی کہ بِلاشک سیدنا محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

﴿۳۵﴾ اَلتَّحِیَّاتُ الطَّیِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ الزَّاكِیَاتُ لِلّٰهِ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ — ساری عباداتِ قولیہ، عباداتِ مالیہ، عباداتِ بدنیہ (اور) ساری پاکیزگیاں اللہ کیلئے ہیں مَیں شہادت دیتا ہوں کہ بیشک اللہ کے سِوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں اور بیشک سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اُس کے رسُول ہیں۔ سَلام

وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ
اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ
الصّٰلِحِيْنَ .

ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اسکی
برکتیں ہوں ۔ سلام ہو ہم پر اور اللہ کے
نیک بندوں پر ۔

﴿۳۶﴾ اَلتَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ
الصَّلَوَاتُ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ
اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ
وَرَسُوْلُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ
اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ
وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا
وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ.

ساری عبادات قولیہ، مالیہ اور عباداتِ
بدنیہ اور ساری پاکیزگیاں اللہ کیلئے ہیں
مَیں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سِوا کوئی
معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد ﷺ
اللہ کے بندے اور اُس کے رسُول ہیں ۔ سلام
ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اُسکی
برکتیں ہوں ۔ سلام ہو ہم پر اور اللہ
کے نیک بندوں پر ۔

﴿۳۷﴾ اَلتَّحِيَّاتُ الصَّلَوَاتُ
لِلّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ
وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ
عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ.

تمام عباداتِ قولیہ، بدنیہ اللہ کے لئے ہیں.
سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت
اور اُس کی برکتیں ہوں ۔ سلام ہو ہم پر اور
اللہ کے نیک بندوں پر ۔

﴿۳۸﴾ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ
الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ
وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا

تمام عباداتِ قولیہ، بدنیہ، مالیہ اللہ کے
لئے ہیں ۔ سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ
کی رحمت ہو ۔ سلام ہو ہم پر اور اللہ کے
نیک بندوں پر ۔ میں گواہی دیتا ہوں

وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ
اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ
وَرَسُوْلُهٗ.

کہ بلاشک اللہ کے سوا کوئی معبود
نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا
محمد ﷺ بے شبہ اللہ کے بندے اور
اُس کے رسُول ہیں۔

﴿۳۹﴾ اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبٰرَكَاتُ
الصَّلَوٰتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ
وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ
عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ
الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ
لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ
اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ.

ساری بابرکت عباداتِ قولیہ، عباداتِ
بدنیہ، عباداتِ مالیہ اللہ کیلئے ہیں، سلام
ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور
اُس کی برکتیں ہوں۔ سلام ہو ہم پر اور اللہ
کے نیک بندوں پر، میں شہادت دیتا
ہوں کہ بے شبہ اللہ کے سوا کوئی معبود
نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ بے شک
سیدنا محمد ﷺ اللہ کے رسُول ہیں۔

﴿۴۰﴾ بِسْمِ اللّٰهِ وَالسَّلَامُ
عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ.

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں
اور سلام ہو اللہ کے رسُول پر۔

﴿تکملہ﴾

علّامہ سخاوی نے قولِ بدیع میں مستقل ایک باب اِن درودوں کے بارے میں تحریر فرمایا ہے جو اَوقاتِ مخصوصہ میں پڑھے جاتے ہیں اور اس میں یہ مواقع گِنوائے ہیں :

وضوء اور تیمّم سے فراغت پر اور غسلِ جنابت اور غسلِ حیض سے فراغت پر، نیز نماز کے اندر اور نماز سے فراغ پر اور نماز قائم ہونے کے وقت۔ اور اس کا مؤکّد ہونا صبح کی نماز کے بعد اور مغرب کے بعد اور التحیّات کے بعد اور قنوت میں، اور تہجّد کے لئے کھڑے ہونے کے وقت اور اس کے بعد۔ اور مساجد پر گزرنے کے وقت۔ اور مَساجد کو دیکھ کر۔ اور مساجد میں داخل ہونے کے وقت اور مَساجد سے باہر آنے کے وقت۔ اور اذان کے جواب کے بعد۔ اور جمعہ کے دن میں اور جمعہ کی رات میں۔ اور شنبہ کو، اتوار کو، پیر کو، منگل کو، اور خطبہ میں جمعہ کے۔ اور دونوں عیدوں کے خطبہ میں اور استسقاء کی نماز کے اور کسوف کے اور خسوف کے خطبوں میں۔ اور عیدین اور جنازہ کی تکبیرات کے درمیان میں۔ اور میّت کے قبر میں داخل کرنے کے وقت۔ اور شعبان کے مہینہ میں۔ اور کعبہ شریف پر نظر پڑنے کے وقت اور حج میں صفا مروہ پر چڑھنے کے وقت۔ اور لبیک سے فراغت

پر۔ اور حجرِ اسود کے بوسہ کے وقت اور ملتزم سے چمٹنے کے وقت اور عرفہ کی شام کو۔ اور منٰی کی مسجد میں۔ اور مدینہ منوّرہ پر نگاہ پڑنے کے وقت۔ اور حضورِ اقدس ﷺ کی قبرِ اطہر کی زیارت کے وقت اور رخصت کے وقت اور حضورِ اقدس ﷺ کے آثارِ شریفہ اور گزرگاہوں اور قیامگاہوں، جیسے بدر وغیرہ پر گزرنے کے وقت۔ اور جانور کو ذبح کرنے کے وقت۔ اور تجارت کے وقت۔ اور وصیّت کے لکھنے کے وقت۔ نکاح کے خطبہ میں۔ دن کے اوّل آخر میں۔ سونے کے وقت اور سفر کے وقت اور سواری پر سوار ہونے کے وقت۔ اور جس کو نیند کم آتی ہو اُسکے لئے۔ اور بازار جانے کے وقت۔ دعوت میں جانے کے وقت۔ اور گھر میں داخل ہونے کے وقت۔ اور رسالے شروع کرنے کے وقت اور بسم اللہ کے بعد۔ اور غم کے وقت، بے چینی کے وقت۔ سختیوں کے وقت۔ اور فقر کی حالت میں۔ اور ڈوبنے کے موقع پر۔ اور طاعون کے زمانہ میں۔ اور دُعاء کے اوّل اور آخر اور درمیان میں کان بجنے کے وقت۔ پاؤں سونے کے وقت۔ چھینک آنے کے وقت۔ اور کسی چیز کو رکھ کر بھول جانے کے وقت۔ اور کسی چیز کے اچھا لگنے کے وقت۔ اور مولی کھانے کے وقت۔ اور گدھے کے بولنے کے وقت۔ اور گُناہ سے توبہ کے وقت۔ اور جب ضرورتیں پیش آویں۔ اور ہر حال میں۔ اور اُس شخص کے لئے جس کو کچھ

تہمت لگائی گئی ہو اور وہ اس سے بَری ہو۔ اور دوستوں سے ملاقات کے وقت۔ اور مجمع کے اجتماع کے وقت۔ اور ان کے علیٰحدہ ہونے کے وقت۔ اور قرآنِ پاک کے ختم کے وقت۔ اور قرآنِ پاک کے حفظ کرنے کی دُعا میں۔ اور مجلس سے اُٹھنے کے وقت۔ اور ہر اُس جگہ میں جہاں اللہ کے ذکر کیلئے اجتماع کیا جاتا ہو۔ اور ہر کلام کے افتتاح میں۔ اور جب حضورِ اقدس ﷺ کا ذکرِ مبارک ہو۔ علم کی اشاعت کے وقت۔ حدیثِ پاک کی قرأت کے وقت۔ فتوٰی اور وعظ کے وقت۔ اور جب حضورِ اقدس ﷺ کا نامِ مبارک لکھا جائے۔

علّامہ سخاوی نے اوقاتِ مخصُوصہ کے باب میں یہ مواقع ذکر کئے ہیں اور پھر ان کی تائید میں روایات اور آثار ذکر کئے ہیں۔ اختصاراً صرف مواقع کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا۔ البتہ ان میں سے بعض کی روایات اس فصل میں ذکر کی جا چکی ہیں۔ البتہ ایک بات قابلِ تنبیہ یہ ہے کہ علّامہ سخاوی شافعی المذہب ہیں اور یہ سب مواقع شافعیہ کے یہاں مستحب ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک بعض مواقع میں مستحب نہیں بلکہ مکروہ ہے۔

علّامہ شامی لکھتے ہیں کہ درود شریف نماز کے قعدۂ اخیرہ میں مطلقاً اور سنتوں کے علاوہ بقیہ نوافل کے قعدۂ اولیٰ میں بھی اور نمازِ جنازہ میں بھی سنّت ہے۔ اور جن اَوقات میں بھی پڑھ سکتا ہو پڑھنا مستحب ہے، بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو۔ اور علماء نے تصریح کی ہے اس کے استحباب کی جمعہ کے

دن میں اور اُس کی رات میں۔ اور شنبہ کو اور اتوار کو، جمعرات کو۔ اور صبح شام اور مسجد کے داخل ہونے میں اور نکلنے میں۔ اور حضورِ اقدس ﷺ کی قبرِ اطہر کی زیارت کے وقت اور صفا مروہ پر۔ جمعہ وغیرہ کے خطبہ میں۔ اذان کے جواب کے بعد اور تکبیر کے وقت۔ اور دُعاء مانگنے کے شروع میں، بیچ میں اور اخیر میں۔ اور دُعاءِ قنوت کے بعد۔ اور لبیک سے فراغت کے بعد۔ اور اجتماع اور افتراق کے وقت۔ وضوء کے وقت۔ کان کے بجنے کے وقت۔ اور کسی چیز کے بھول جانے کے وقت۔ وعظ کے وقت۔ علوم کی اشاعت کے وقت۔ حدیث کی قراءت کے ابتدا میں اور انتہا میں۔ استفتاء اور فتوٰی کی کتابت کے وقت۔ اور ہر مصنّف اور پڑھنے پڑھانے والے کیلئے۔ اور خطیب کیلئے اور منگنی کرنے والے کیلئے۔ اپنا نکاح کرنے والے کیلئے۔ دُوسرے کا نکاح کرانے والے کیلئے۔ اور رسالوں میں اور اہم امور کے شروع کے وقت۔ اور حضورِ اقدس ﷺ کا پاک نام لینے یا سُننے یا لکھنے کے وقت۔ اور سات اَوقات میں دُرود شریف پڑھنا مکروہ ہے۔ صحبت کے وقت۔ پیشاب یا پاخانہ کے وقت بیچنے کی چیز کی تشہیر کے لئے۔ ٹھوکر کھانے کے وقت۔ تعجّب کے وقت۔ جانور کے ذبح کرنیکے وقت، چھینک کے وقت۔ اِسی طرح قرآنِ پاک کی قراءت کے درمیان میں اگر حضورِ اقدس ﷺ کا پاک نام آئے تو درمیان میں درود شریف نہ پڑھے۔ اھ

چوتھی فصل کے آدابِ متفرقہ کے ۵ پر بھی اس کے متعلق بعض مسائل آرہے ہیں۔

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلہم

﴿تیسری فصل﴾

ان احادیث کے بیان میں جن میں نبی کریم ﷺ پر درود نہ پڑھنے کی وعیدیں وارد ہوئی ہیں

﴿۱﴾ عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُحْضُرُوا الْمِنْبَرَ فَحَضَرْنَا فَلَمَّا ارْتَقٰى دَرَجَةً قَالَ اٰمِيْنَ ثُمَّ ارْتَقَى الثَّانِيَةَ فَقَالَ اٰمِيْنَ ثُمَّ ارْتَقَى الثَّالِثَةَ فَقَالَ اٰمِيْنَ فَلَمَّا نَزَلَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ سَمِعْنَا مِنْكَ الْيَوْمَ شَيْئًا مَا كُنَّا نَسْمَعُهٗ فَقَالَ اِنَّ جِبْرِيْلَ عَرَضَ لِيْ فَقَالَ بُعْدًا مَنْ اَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهٗ قُلْتُ اٰمِيْنَ فَلَمَّا رَقِيْتُ الثَّانِيَةَ قَالَ

حضرت کعبؓ بن عجرہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منبر کے قریب ہو جاؤ، ہم لوگ حاضر ہو گئے جب حضورؐ نے منبر کے پہلے درجہ پر قدمِ مبارک رکھا تو فرمایا آمین جب دوسرے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا آمین جب تیسرے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا آمین جب آپ خطبے سے فارغ ہو کر نیچے اُترے تو ہمؓ نے عرض کیا کہ ہم نے آج آپؐ سے (منبر پر چڑھتے ہوئے) ایسی بات سُنی جو پہلے کبھی نہیں سُنی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اُس وقت جبریلؑ علیہ السلام میرے سامنے آئے تھے (جب پہلے درجہ پر مَیں نے قدم رکھا تو) اُنہوں نے کہا ہلاک ہو جیسا وہ شخص جس نے رمضان کا مبارک مہینہ پایا پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہوئی مَیں

بَعُدَ مَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ فَقُلْتُ اٰمِيْنَ فَلَمَّا رَقِيْتُ الثَّالِثَةَ قَالَ بَعُدَ مَنْ اَدْرَكَ اَبَوَيْهِ الْكِبَرُ عِنْدَهٗ اَوْ اَحَدَهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ قُلْتُ اٰمِيْنَ۔

نے کہا آمین۔ پھر جب مَیں دوسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا ہلاک ہو جو وہ شخص جس کے سامنے آپکا ذکرِ مبارک ہو اور وہ درود نہ بھیجے۔ مَیں نے کہا آمین۔ جب مَیں تیسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے اُسکے والدین یا اُن میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پاویں اور وہ اُس کو جنت میں داخل نہ کرائیں مَیں نے کہا آمین۔

﴿رواہ الحاکم وقال صحیح الاسناد والبخاری فی برالوالدین وابن حبان فی صحیحہ وغیرھم وذکرھم السخاوی﴾

﴿ف﴾ یہ روایت فضائلِ رمضان میں گزر چکی ہے۔ اس میں یہ لکھا تھا کہ اس حدیث میں حضرت جبریل علیہ السلام نے تین بد دُعائیں دی ہیں اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں پر آمین فرمائی۔ اوّل حضرت جبرئیل علیہ السّلام جیسے مقرب فرشتہ کی بد دعاء ہی کیا کم تھی اور پھر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آمین نے تو بتنی سخت بد دعاء بنادی وہ ظاہر ہے، اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل سے ہم لوگوں کو ان تینوں چیزوں سے بچنے کی توفیق عطا فرماویں اور ان بُرائیوں سے محفوظ رکھیں، ورنہ ہلاکت میں کیا تردد ہے۔ درمنثور کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت جبریل علیہ السّلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آمین کہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین فرمایا، جس سے اور بھی زیادہ اہتمام معلوم ہوتا ہے۔

علّامہ سخاوی نے اس مضمون کی متعدد روایتیں ذکر کی ہیں۔ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم

ﷺ ایک مرتبہ منبر پر چڑھے، جب پہلے درجہ پر قدم رکھا تو فرمایا آمین۔ پھر دوسرے درجہ پر قدم رکھا تو فرمایا آمین۔ پھر تیسرے پر قدم رکھا تو فرمایا آمین۔ پھر ارشاد فرمایا کہ میرے پاس جبریل آئے تھے، انہوں نے کہا اے محمّد (ﷺ) جو شخص رمضان کو پاوے اور اس کی مغفرت نہ کی جائے اللہ اُس کو ہلاک کرے، میں نے کہا آمین۔ اور وہ شخص کہ جس نے ماں باپ یا اُن میں سے ایک کا زمانہ پایا ہو پھر بھی جہنم میں داخل ہوگیا ہو (یعنی ان کی ناراضی کی وجہ سے) اللہ اُس کو ہلاک کرے۔ مَیں نے کہا آمین۔ اور جس کے سَامنے آپ کا ذکرِ مبارک آوے اور وہ دُرود نہ پڑھے اللہ اُس کو ہلاک کرے۔ مَیں نے کہا آمین۔

حضرتِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ مضمون نقل کیا گیا ہے۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ منبر کے ایک درجہ پر چڑھے اور فرمایا آمین۔ پھر دوسرے درجہ پر چڑھ کر فرمایا آمین۔ پھر تیسرے درجہ پر چڑھ کر فرمایا آمین۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسُولَ اللہ آپ نے آمین کس بات پر فرمائی تھی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل آئے تھے اور انہوں نے کہا (زمین پر) ناک رگڑے وہ شخص جس نے اپنے والدَین یا اُن میں سے ایک کا زمانہ پایا ہو اور انہوں نے اُس کو جنت میں داخل نہ کرایا ہو، مَیں نے کہا آمین۔ اور ناک رگڑے وہ شخص (یعنی ذلیل ہو) جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور اُس کی مغفرت نہ کی گئی ہو۔ مَیں نے کہا آمین۔ اور ناک رگڑے وہ شخص جس کے سامنے آپ کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے۔ مَیں نے کہا آمین۔

حضرت جابرؓ سے بھی یہ قصّہ نقل کیا گیا ہے اور اس میں بھی منبر پر تین مرتبہ

آمین آمین کے بعد صحابہؓ کے سوال پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب میں پہلے درجہ پر چڑھا تو میرے پاس جبریل آئے اور اُنہوں نے کہا بدبخت ہو جیو وہ شخص جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور وہ مبارک مہینہ ختم ہو گیا اور اُس کی مغفرت نہ ہوئی۔ میں نے کہا آمین۔ پھر اُنہوں نے کہا بدبخت ہو جیو وہ شخص جس نے اپنے والدین کو یا اُن میں سے کسی ایک کو پایا ہو اور انہوں نے اُس کو جنّت میں داخل نہ کرایا ہو۔ مَیں نے کہا آمین۔ پھر کہا بدبخت ہو جیو وہ شخص جس کے سَامنے آپ کا ذکرِ مبارک ہو اور اُس نے آپ پر درود نہ بھیجا ہو مَیں نے کہا آمین۔

حضرتِ عمار بن یاسرؓ سے بھی یہ قصّہ نقل کیا گیا ہے اور اس میں حضرت جبرئیلؑ کی ہر بد دعاء کے بعد یہ اضافہ ہے کہ جبریلؑ نے مجھ سے کہا آمین کہو حضرت ابن مسعودؓ سے بھی یہ حدیث نقل کی گئی ہے۔

حضرت ابن عبّاسؓ سے بھی یہ منبر والا قصّہ نقل کیا گیا ہے اور اس میں اور سخت الفاظ ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا جبریل میرے پاس آئے تھے اور اُنہوں نے یوں کہا کہ جس شخص کے سَامنے آپ کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے وہ جہنم میں داخل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اُس کو ہلاک کرے اور اُس کا ملیامیٹ کر دے، مَیں نے کہا آمین۔ اسی طرح والدین اور رمضان کے قصّہ میں بھی نقل کیا۔ حضرت ابوذر و حضرت بریدہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی ان مضامین کی روایتیں ذکر کی گئی ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں بھی یہ اضافہ ہے کہ ہر مرتبہ میں مجھ سے حضرت جبریلؑ نے کہا کہ کہو آمین، جس پر

میں نے آمین کہا۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہ مضمون نقل کیا گیا ہے۔ نیز عبداللہ بن الحارث سے بھی یہ حدیث نقل کی گئی ہے، اس میں بد دُعا دو دفعہ ہے اس میں ارشاد ہے کہ جس کے سامنے آپ کا ذکر کیا گیا ہو اور اُس نے دُرود نہ پڑھا ہو اللہ تعالیٰ اُس کو ہلاک کرے پھر ہلاک کرے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک دوسری حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے وہ بدبخت ہے۔ اور بھی اس قسم کی وعیدیں کثرت سے ذکر کی گئی ہیں۔

علّامہ سخاوی نے ان وعیدوں کو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ مبارک کے وقت درود شریف نہ پڑھنے پر وارد ہوئی ہیں مختصر الفاظ میں جمع کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص پر ہلاکت کی بد دعاء ہے اور شقاوت کے حاصل ہونے کی خبر ہے، نیز جنّت کا راستہ بھول جانے کی اور جہنّم میں داخل ہونے کی۔ اور یہ کہ وہ شخص ظالم ہے، اور یہ کہ وہ سب سے زیادہ بخیل ہے۔ اور کسی مجلس میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود شریف نہ پڑھا جائے اُس کے بارے میں کئی طرح کی وعیدیں ذکر کی ہیں۔ اور یہ کہ جو شخص حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھے اُس کا دین (سالم) نہیں۔ اور یہ کہ وہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی زیارت نہ کر سکے گا۔ اس کے بعد علّامہ سخاوی نے اِن سب مضامین کی روایات ذکر کی ہیں ؎

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا ۔۔۔ عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

﴿۲﴾ عَنْ عَلِیٍّ عَنِ النَّبِیِّ ۔۔۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حضورِ اقدس

ﷺ قَالَ الْبَخِيْلُ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ.

ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ بخیل ہے وہ شخص جس کے سامنے میرا ذکر کیا جاوے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

﴿رواہ النسائی و البخاری فی تاریخہ والترمذی وغیرھم بسط طرقہ السخاوی﴾

﴿ف﴾ علّامہ سخاوی نے کیا ہی اچھا شعر نقل کیا ہے ؎

مَنْ لَّمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ اِنْ ذُكِرَ اسْمُهٗ فَهُوَ الْبَخِيْلُ وَزِدْهُ وَصْفَ جَبَانِ

ترجمہ: جو شخص حضورِ اقدس ﷺ پر درود نہ بھیجے جس وقت کہ حضورؐ کا پاک نام ذکر کیا جارہا ہو، پس وہ پکا بخیل ہے۔ اور اتنا اضافہ کر اس پر کہ وہ بزدل نامرد بھی ہے۔

حدیثِ بالا کا مضمون بھی بہت سی احادیث میں بہت سے صحابہؓ سے نقل کیا گیا ہے۔ علّامہ سخاوی نے حضرت امام حسنؓ کی روایت سے حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ آدمی کے بخل کے لئے یہ کافی ہے کہ میرا ذکر اس کے سامنے کیا جائے اور وہ مجھ پر دُرود نہ بھیجے۔ حضرت امام حسینؓ سے بھی حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ بخیل وہ شخص ہے کہ جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث سے یہ مضمون نقل کیا گیا ہے کہ بخیل اور پُورا بخیل ہے وہ شخص جس کے سامنے میرا ذکر کیا جاوے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ حضرت انسؓ سے بھی حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ وہ شخص بخیل ہے کہ جس کے سامنے میرا ذکر کیا جاوے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ اور ایک حدیث میں یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں کہ مَیں تم کو سب بخیلوں سے زیادہ بخیل بتاؤں، مَیں تمہیں

لوگوں میں سب سے زیادہ عاجز بتاؤں، وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا ہو پھر وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک قصہ نقل کیا گیا ہے جس کے اخیر میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ ہلاکت ہے اُس شخص کے لئے جو مجھے قیامت میں نہ دیکھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ وہ کون شخص ہے جو آپ کی زیارت نہ کرے۔ حضور ﷺ نے فرمایا بخیل۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، بخیل کون؟ حضور ﷺ نے فرمایا جو میرا نام سُنے اور دُرود نہ بھیجے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ آدمی کے بخل کے لئے یہ کافی ہے کہ جب میرا ذکر اُس کے پاس کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے بھی حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ آدمی کے بخل کیلئے یہ کافی ہے کہ مَیں اُس کے سامنے ذکر کیا جاؤں اور وہ مجھ پر دُرود نہ بھیجے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مَیں ایک مرتبہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا، تم کو سب سے زیادہ بخیل آدمی بتاؤں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ضرور۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے سامنے میرا ذکر کیا جاوے اور وہ مجھ پر دُرود نہ بھیجے وہ شخص سب سے زیادہ بخیل ہے۔

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلھم

﴿۳﴾عَنْ قَتَادَةَ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْجَفَاءِ اَنْ اُذْكَرَ عِنْدَهٗ رَجُلٍ فَلَا يُصَلِّيْ عَلَيَّ ﷺ.

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ یہ بات ظلم سے ہے کہ کسی آدمی کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

﴿اخرجہ النمیری ورواتہ ثقات قالہ السخاوی﴾

﴿ف﴾ یقیناً اُس شخص کے ظلم میں کیا تردّد ہے جو نبی کریم ﷺ کے اتنے احسانات پر بھی نبیِ کریم ﷺ پر درود نہ پڑھے۔ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی سوانح عمری "تذکرۃ الرشید" میں لکھا ہے کہ حضرت عموماً متوسّلین کو درود شریف پڑھنے کی تعلیم فرماتے تھے کہ کم سے کم تین سو مرتبہ روزانہ پڑھا جائے، اور اتنا نہ ہو سکے تو ایک تسبیح میں تو کمی نہ ہونی چاہئے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جناب رسُول اللہ ﷺ کا بہت بڑا احسان ہے پھر آپ پر درود بھیجنے میں بھی بخل ہو تو بڑی بے مروتی کی بات ہے۔ درود شریف میں زیادہ تر پسند وہ تھا جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد وہ الفاظ صلوٰۃ وسلام جو احادیث میں منقول ہیں۔ باقی دوسروں کے مؤلفہ دُرودِ تاج لکھّی وغیرہ عموماً آپ کو پسند نہ تھے۔ بلکہ بعض الفاظ کو دوسرے معنیٰ کا موہم ہونے کے سبب خلافِ شرع فرما دیتے تھے۔

علّامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ جفاء سے مراد برّ و صِلہ کا چھوڑنا ہے اور طبیعت کی سختی اور نبی کریم ﷺ سے دُوری پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے۔

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

﴿۴﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَاجَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ یَذْکُرُوا اللّٰهَ تَعَالٰی فِیْهِ وَلَمْ یُصَلُّوْا عَلٰی نَبِیِّهِمْ ﷺ اِلَّا کَانَ عَلَیْهِمْ مِنَ اللّٰهِ تِرَةً یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاِنْ شَآءَ عَذَّبَهُمْ وَاِنْ شَآءَ غَفَرَ لَهُمْ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں جو قوم کسی مجلس میں بیٹھے اور اُس مجلس میں اللہ کا ذکر اور اُس کے نبی ﷺ پر درود نہ ہو تو یہ مجلس اُن پر قیامت کے دن ایک وَبال ہوگی۔ پھر اللہ کو اختیار ہے کہ اُن کو معاف کردے یا عذاب دے۔

﴿رواہ احمد وابوداؤد وغیرھما بسط السخاوی﴾

﴿ف﴾ ایک اور حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں کہ جو قوم کسی مجلس میں بیٹھتی ہے، پھر وہ اللہ کے ذکر اور نبی ﷺ پر دُرود سے پہلے مجلس برخاست کردیں تو ان پر قیامت تک حسرت رہے گی۔

ایک اور حدیث میں ان الفاظ سے نقل کیا گیا ہے کہ جو قوم کسی مجلس میں بیٹھتی ہے اور اُس مجلس میں حضور ﷺ پر دُرود نہ ہو تو وہ مجلس اُن پر وبال ہوتی ہے۔

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے بھی حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں پھر اللہ کے ذکر اور حضورِ اقدس ﷺ پر درود سے پہلے اُٹھ کھڑے ہوں تو وہ مجلس قیامت کے دن وبال ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور وہ حضورِ اقدس ﷺ پر دُرود سے پہلے

مجلس برخاست کریں تو ان کو حسرت ہوگی چاہے وہ جنّت ہی میں (اپنے اعمال کی وجہ سے) داخِل ہوجائیں بوجہ اُس ثواب کے جس کو وہ دیکھیں گے۔ یعنی اگر وہ اپنے دوسرے اعمال کی وجہ سے جنّت میں داخِل ہو بھی جائیں تب بھی ان کو درود شریف کا ثواب دیکھ کر اس کی حسرت ہوگی کہ ہم نے اس مجلس میں درود کیوں نہ پڑھا تھا۔

حضرت جابرؓ سے حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جب لوگ کِسی مجلس سے بغیر اللہ کے ذکر اور حضور ﷺ پر درود کے اُٹھیں تو ایسا ہی جیسے کِسی سڑے ہوئے مردار جانور پر سے اُٹھے ہوں۔ یعنی ایسی گندگی محسُوس ہوگی جیسے کسی سڑے ہوئے جانور کے پاس بیٹھ کر دماغ سڑ جاتا ہے ؎

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا ۔۔۔ عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

﴿۵﴾ عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍؓ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَاعِدٌ اِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَصَلّٰى فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَجِلْتَ اَيُّهَا الْمُصَلِّيْ اِذَا صَلَّيْتَ فَقَعَدْتَ فَاحْمَدِ اللّٰهَ بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ وَصَلِّ عَلَيَّ ثُمَّ ادْعُهُ قَالَ

حضرت فضالہؓ فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ تشریف فرما تھے ایک صاحب داخِل ہوئے اور نماز پڑھی، پھر اللھم اغفرلی وارحمنی کے ساتھ دُعاء کی حضورِ اقدس ﷺ نے اِرشاد فرمایا او نمازی جلدی کردی جب تو نماز پڑھے تو اوّل تو اللہ جلّ شانہٗ کی حمد کر جیسا کہ اُس کی شان کے مناسب ہے، پھر مجھ پر درود پڑھ، پھر دعا مانگ۔ حضرت فضالہؓ کہتے ہیں پھر ایک اور صاحب آئے اُنہوں نے

ثُمَّ صَلّٰی رَجُلٌ اٰخَرُ بَعْدَ ذٰلِكَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَصَلّٰی عَلَی النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ اَيُّهَا الْمُصَلِّيْ اُدْعُ تُجَبْ.

اوّل اللہ جلّ شانہٗ کی حمد کی اور حضورِ اقدس ﷺ پر درود بھیجا حضور ﷺ نے اُن صاحب سے یہ اِرشاد فرمایا اے نمازی اب دُعا کر تیری دعا قبول کی جائے گی۔

﴿رواہ الترمذی وروی ابوداؤد والنسائی نحوہ کذا فی المشکوٰۃ﴾

﴿ف﴾ یہ مضمون بھی بکثرت روایات میں ذکر کیا گیا ہے۔ علّامہ سخاوی کہتے ہیں کہ درود شریف دُعا کے اوّل میں، درمیان میں اور اخیر میں ہونا چاہیئے۔ علماء نے اس کے استحباب پر اتفاق نقل کیا ہے کہ دُعا کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی شان کی حمد وثنا، پھر حضورِ اقدس ﷺ پر درود سے ہونی چاہیئے اور اسی طرح اسی پر ختم ہونا چاہیئے۔

اقلیشی کہتے ہیں کہ جب تو اللہ سے دُعاء کرے تو پہلے حمد کے ساتھ ابتدا کر، پھر حضور ﷺ پر درود بھیج اور درود شریف کو دُعاء کے اوّل میں، دُعاء کے بیچ میں، دُعا کے اخیر میں کر، اور درود کے وقت میں حضورِ اقدس ﷺ کے اعلیٰ فضائل کو ذکر کیا کر، اس کی وجہ سے تو مستجاب الدعوات بنے گا اور تیرے اور اس کے درمیان سے حجاب اُٹھ جائے گا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔

حضرت جابرؓ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ مجھ کو سوار کے پیالے کی طرح سے نہ بناؤ۔ صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسُولَ اللہ سوار کے پیالے سے کیا مطلب؟ حضورؐ نے فرمایا کہ مسافر اپنی حاجت سے فراغت پر برتن میں پانی ڈالتا ہے، اس کے بعد اس کو اگر پینے کی یا وضو کی ضرورت ہوتی ہے تو

پیتا ہے یا وضو کرتا ہے ورنہ پھینک دیتا ہے۔ مجھے اپنی دُعا کے اوّل میں بھی یاد کیا کرو، وسط میں بھی، آخر میں بھی۔

علّامہ سخاوی کہتے ہیں کہ مسافر کے پیالے سے مراد یہ ہے کہ مسافر اپنا پیالہ سواری کے پیچھے لٹکایا کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مجھے دُعا میں سب سے اخیر میں نہ رکھو۔ یہی مطلب صاحبِ اتحاف نے شرح احیاء میں بھی لکھا ہے کہ سوار اپنے پیالہ کو پیچھے لٹکا دیتا ہے یعنی مجھے اپنی دُعا میں سب سے اخیر میں نہ ڈال دو۔

حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص اللہ سے کوئی چیز مانگنے کا ارادہ کرے تو اُس کو چاہیئے کہ اوّلاً اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے ساتھ ابتدا کرے، ایسی حمد وثنا جو اُس کی شایانِ شان ہو۔ پھر نبیِ کریم ﷺ پر درود بھیجے اور اس کے بعد دُعا مانگے۔ پس اقرب یہ ہے کہ وہ کامیاب ہوگا اور مقصد کو پہنچے گا۔

حضرت عبداللہ بن یسرؓ سے حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ دُعائیں ساری کی ساری رُکی رہتی ہیں، یہاں تک کہ اس کی ابتدا اللہ کی تعریف اور حضورؐ پر دُرود سے نہ ہو۔ اگر ان دونوں کے بعد دُعا کریگا تو اُس کی دُعا قبول کی جائیگی۔

حضرتِ انسؓ سے بھی حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ ہر دُعا رُکی رہتی ہے، یہاں تک کہ حضورِ اقدس ﷺ پر درود بھیجے۔

حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ سے حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ تمہارا مجھ پر درود پڑھنا تمہاری دُعاؤں کی حفاظت کرنے والا ہے، تمہارے ربّ کی رضا کا سبب ہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ دُعا آسمان اور زمین کے درمیان معلّق رہتی ہے اُوپر نہیں چڑھتی، یہاں تک کہ حضورِ اقدس ﷺ پر درود پڑھے۔

ایک دوسری حدیث میں یہ مضمون ان الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے کہ دُعا آسمان پر پہنچنے سے رُکی رہتی ہے اور کوئی دُعا آسمان تک اُس وقت تک نہیں پہنچتی جب تک حضورؐ پر دُرود نہ بھیجا جائے جب حضورؐ پر دُرود بھیجا جاتا ہے تب وہ آسمان پر پہنچتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عبّاسؓ سے نقل کیا گیا ہے جب تو دُعا مانگا کرے تو اپنی دُعا میں حضورؐ پر درود بھی شامل کیا کر، اس لئے کہ حضورِ اقدس ﷺ پر درود تو مقبول ہے ہی، اور اللہ جلّ شانہٗ کے کرم سے یہ بعید ہے کہ وہ کچھ کو قبول کرے اور کچھ کو رد کر دے۔

حضرت علیؓ حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں، کوئی دُعا ایسی نہیں ہے کہ جس میں اور اللہ کے درمیان حجاب نہ ہو، یہاں تک کہ حضورِ اقدس ﷺ پر درود بھیجے۔ پس جب وہ ایسا کرتا ہے تو وہ پردہ پھٹ جاتا ہے اور وہ دُعا محلِ اجابت میں داخل ہو جاتی ہے، ورنہ لَوٹا دی جاتی ہے۔

ابنِ عطاء کہتے ہیں کہ دُعا کیلئے کچھ ارکان ہیں اور کچھ پَر ہیں اور کچھ اسباب ہیں، اور کچھ اَوقات ہیں۔ اگر ارکان کے موافق ہوتی ہے تو دُعا قوی ہوتی ہے اور پَروں کے موافق ہوتی ہے تو آسمان پر اُڑ جاتی ہے۔ اور اگر اپنے اَوقات کے موافق ہوتی ہے تو فائز ہوتی ہے، اور اسباب کے موافق ہوتی ہے تو کامیاب ہوتی ہے۔ دُعا کے ارکان حضورِ قلب، رِقّت، عاجزی، خشوع اور اللہ کے ساتھ قلبی تعلق اور اس کے پَر صدق ہے اور اس کے اَوقات رات کا آخری حصّہ، اور اس کے اسباب نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا۔ اور بھی متعدد احادیث میں یہ مضمون آیا ہے

کہ دُعا رُکی رہتی ہے جبتک کہ حضورؐ پر درود نہ بھیجے۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؐ باہر تشریف لائے اور یوں ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو کوئی حاجت اللہ تعالیٰ شانہٗ سے یا کسی بندے سے پیش آجائے تو اُس کو چاہیئے کہ اچھی طرح وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے پھر اللہ جلّ شانہٗ پر حمد و ثنا کرے اور نبی کریم ﷺ پر دُرود بھیجے پھر یہ دُعا پڑھے:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ — نہیں کوئی معبود بجز اللہ کے جو بڑے حلم
الْکَرِیْمُ سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ — والا ہے، ہر عیب سے پاک ہے، اللہ جو رَبّ ہے
الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ وَالْحَمْدُ — عرشِ عظیم کا۔ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں
لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَسْاَلُکَ — جو رب ہے سارے جہانوں کا۔ اے اللہ میں تجھ سے
مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِکَ وَعَزَائِمَ — سوال کرتا ہوں اُن چیزوں کا جو تیری رحمت کو
مَغْفِرَتِکَ وَالْغَنِیْمَۃَ مِنْ — واجب کرنیوالی ہوں اور مانگتا ہوں تیری
کُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَۃَ مِنْ کُلِّ — مغفرت کی موکدات کو (یعنی ایسے اعمال کہ
ذَنْبٍ لَا تَدَعْ لِیْ ذَنْبًا اِلَّا — جن سے تیری مغفرت ضروری ہو جائے) اور مانگتا
غَفَرْتَہٗ وَلَا ھَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَہٗ — ہوں حصہ ہر نیکی سے اور سلامتی ہر گناہ سے
وَلَا حَاجَۃً ھِیَ لَکَ رِضًا اِلَّا — میرے لئے کوئی ایسا گناہ نہ چھوڑیئے جس کی آپ
قَضَیْتَھَا یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔ — مغفرت نہ کر دیں۔ اور نہ کوئی ایسا فکر و غم جس کو
تو زائل نہ کر دے اور نہ کوئی ایسی حاجت جو تیری مرضی کے موافق ہو اور تو اُس کو پُورا نہ کر دے
اے ارحم الراحمین۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا — عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

﴿چوتھی فصل﴾
فوائدِ متفرقہ کے بیان میں

﴿اوّل﴾ فصلِ اوّل میں اللہ جلّ شانہٗ کا حکم دُرود کے بارے میں گزر چکا اور حکم کا تقاضا وجوب ہے اس لئے جمہور علماء کے نزدیک درود شریف کا کم سے کم عمر بھر میں ایک مرتبہ پڑھنا فرض ہے۔ بعض علماء نے اس پر اجماع بھی نقل کیا ہے، لیکن تیسری فصل میں جو وعیدیں اس مضمون کی گزری ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ کے پاک نام آنے پر دُرود نہ پڑھنے والا بخیل ہے، ظالم ہے، بدبخت ہے۔ اس پر حضورؐ کی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف سے ہلاکت کی بددعائیں ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ ان کی بناء پر بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ جب بھی نبی کریم ﷺ کا نامِ نامی آئے اُس وقت ہر مرتبہ درود پڑھنا واجب ہے۔

حافظ ابنِ حجر نے فتح الباری میں اس میں دس مذہب نقل کئے ہیں۔ اور اوجز المسالک میں زیادہ بحث تفصیلی اس پر کی گئی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ بعض علماء نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ ہر مسلمان پر عمر بھر میں کم سے کم ایک مرتبہ پڑھنا فرض ہے اور اس کے بعد میں اختلاف ہے۔ خود حنفیہ کے ہاں بھی اس میں دو قول ہیں۔ امام طحاوی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ جب بھی نبیِ کریم ﷺ کا نامِ نامی آئے تو درود شریف پڑھنا واجب ہے۔ ان روایات کی بناء پر جو تیسری فصل میں گزریں امام کرخی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ فرض کا درجہ ایک ہی مرتبہ ہے اور ہر مرتبہ استحباب کا درجہ ہے۔

﴿دوم﴾ نبی کریم ﷺ کے نامِ نامی کے ساتھ شروع میں سیّدنا کا لفظ بڑھا دینا مستحب ہے۔ درِمختار میں لکھا ہے کہ سیّدنا کا بڑھا دینا مستحب ہے اس لئے کہ ایسی چیز کی زیادتی جو واقعہ میں ہو وہ عین ادب ہے جیسا کہ رملی شافعی نے کہا ہے۔ اھ

یعنی نبی کریم ﷺ کا سید ہونا ایک امرِ واقعی ہے، لہٰذا اس کے بڑھانے میں کوئی اشکال کی بات نہیں، بلکہ ادب یہی ہے۔ لیکن بعض لوگ اس سے منع کرتے ہیں۔ غالباً ان کو ابوداؤد شریف کی ایک حدیث سے اشتباہ ہو رہا ہے۔ ابوداؤد شریف میں ایک صحابی ابو مطرف سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ مَیں ایک وفد کے ساتھ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہم نے حضورؐ سے عرض کیا اَنْتَ سَیِّدُنَا آپ ہمارے سردار ہیں۔ حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا اَلسَّیِّدُ اللّٰہُ یعنی حقیقی سیّد تو اللہ ہی ہے۔ اور یہ ارشادِ عالی بالکل صحیح ہے۔ یقیناً حقیقی سیادت اور کمالِ سیادت اللہ ہی کے لئے ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضورؐ کے نام پر سیّدنا کا بڑھانا ناجائز ہے۔ بالخصوص جبکہ خود حضورِ اقدس ﷺ کا پاک ارشاد جیسا کہ مشکوٰۃ میں بروایۃ شیخین (بخاری و مسلم) حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ اَنَا سَیِّدُ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ الحدیث کہ مَیں لوگوں کا سردار ہوں گا قیامت کے دن۔ اور دوسری حدیث میں مسلم کی روایت سے نقل کیا ہے اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ کہ مَیں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا۔ نیز بروایت ترمذی حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث سے بھی حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا فَخْرَ

کہ مَیں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سَردار ہوں گا اور کوئی فخر کی بات نہیں حضورؐ کے اس پاک ارشاد کا مطلب جو ابوداؤد شریف کی روایت میں گزرا وہ کمال سیادت مراد ہے، جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ مسکین وہ نہیں ہے جس کو ایک ایک دو دو لقمے دربدر پھراتے ہوں بلکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس نہ وسعت ہو نہ لوگوں سے سوال کرے۔

اسی طرح مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ تم پچھاڑنے والا کس کو سمجھتے ہو (یعنی وہ پہلوان جو دوسرے کو زیر کردے) صحابہؓ نے عرض کیا یا رسُولَ اللہ اُس کو سمجھتے ہیں جس کو کوئی دوسرا پچھاڑ نہ سکے۔ حضورؐ نے فرمایا، یہ پہلوان نہیں، بلکہ پچھاڑنے والا (یعنی پہلوان) وہ ہے جو غصّہ کے وقت میں اپنے نفس پر قابو پائے۔

اسی حدیثِ پاک میں حضورؐ کا یہ سَوال بھی نقل کیا گیا کہ تم رقوب (یعنی لاولد) کِس کو کہتے ہو؛ صحابہؓ نے عرض کیا کہ جس کے اولاد نہ ہو۔ حضورؐ نے فرمایا یہ لاولد نہیں، بلکہ لاولد وہ ہے جس نے کِسی چھوٹی اولاد کو ذخیرۂ آخرت نہ بنایا ہو (یعنی اس کے کسی معصوم بچّہ کی مَوت نہ ہوئی ہو)۔

اب ظاہر ہے کہ جو مسکین بھیک مانگتا ہو اُس کو مسکین کہنا کون ناجائز کہیگا۔ اسی طرح جو پہلوان لوگوں کو پچھاڑ دیتا ہو لیکن اپنے غصّہ پر اُس کو قابو نہ ہو وہ تو بہرحال پہلوان ہی کہلائے گا۔ اسی طرح سے ابوداؤد شریف میں ایک صحابی کا قصّہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضورِ اقدس ﷺ کی پُشتِ مبارک پر مُہرِ نبوّت دیکھکر یہ درخواست کی تھی کہ آپ کی پُشتِ مبارک پر (جو اُبھرا ہوا گوشت ہے)

مجھے دکھلائیے کہ مَیں اس کا علاج کروں کیوں کہ مَیں طبیب ہوں حضورؐ نے فرمایا طبیب تو اللہ تعالیٰ شانہٗ ہی ہیں جس نے اس کو پیدا کیا (الیٰ آخر القصہ) اب ظاہر ہے کہ اس حدیثِ پاک سے معالجوں کو طبیب کہنا کون حرام کہدیگا۔ بلکہ صاحبِ مجمع نے تو یہ کہا ہے کہ اللہ کے ناموں میں سے طبیب نہیں ہے۔ اور اسی طرح سے احادیث میں بہت کثرت سے یہ مضمون ملے گا کہ حضورِ اقدس ﷺ نے ایسے مواقع میں کمال کے اعتبار سے نفی فرمائی ہے، حقیقت کی نفی نہیں۔

علّامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ علّامہ مجدالدین (صاحبِ قاموس) نے لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کہتے ہیں۔ اور اس میں بحث ہے۔ وہ یوں کہتے ہیں کہ نماز میں تو ظاہر ہے کہ نہ کہنا چاہیئے نماز کے علاوہ میں حضورِ اقدس ﷺ نے اس شخص پر انکار کیا تھا جس نے آپ کو سیّدنا سے خطاب کیا تھا جیسا کہ حدیثِ مشہور میں ہے (وہی حدیثِ ابوداؤد جو اُوپر گزری) لیکن حضورؐ کا انکار احتمال رکھتا ہے کہ تواضع ہو یا مُنھ پر تعریف کرنے کو پسند نہ کیا ہو، یا اِس وجہ سے کہ یہ زمانۂ جاہلیت کا دستور تھا، یا اِس وجہ سے کہ انھوں نے مبالغہ بہت کیا۔ چنانچہ انہوں نے کہا تھا کہ آپ ہمارے سَردار ہیں، آپ ہمارے باپ ہیں، آپ ہم سے فضیلت میں بہت زیادہ بڑھے ہوئے ہیں۔ آپ ہم پر بخشش کرنے میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں، اور آپ جفنۃ الغرار ہیں۔ یہ بھی زمانۂ جاہلیت کا ایک مشہور مقولہ ہے کہ وہ اپنے اس سردار کو جو بڑا کہلانے والا ہو، اور بڑے بڑے پیالوں میں لوگوں کو دنبوں کی چکتی اور گھی سے لبریز پیالوں میں کِھلاتا ہو، اور آپ ایسے ہیں، اور آپ ایسے ہیں۔ تو اِن سب باتوں کے مجموعہ پر

حضورؐ نے انکار فرمایا تھا اور فرمایا تھا کہ شیطان تم کو مبالغہ میں نہ ڈال دے حالانکہ صحیح حدیث میں حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد ثابت ہے "اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ" کہ مَیں اولادِ آدم کا سردار ہوں۔ نیز حضورؐ کا قول ثابت ہے اپنے نواسہ حسنؓ کے لئے "اِبْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ" میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ اسی طرح سے حضورِ اقدس ﷺ کا حضرتِ سعدؓ کے بارے میں اُن کی قوم کو یہ کہنا "قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ" کہ کھڑے ہو جاؤ اپنے سردار کے لئے۔ اور امام نسائیؒ کی کتاب "عمل الیوم واللیلۃ" میں حضرت سہل بن حنیف کا حضورِ اقدس ﷺ کو "یا سیّدی" کے ساتھ خطاب کرنا وارد ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے دُرود میں "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ" کا لفظ وارد ہے۔ ان سب اُمور میں دلالت واضحہ ہے اور رَوشن دلائل ہیں اس لفظ کے جواز میں اور جو اس کا انکار کرے وہ محتاج ہے اِس بات کا کہ کوئی دلیل قائم کرے علاوہ اس حدیث کے جو اُوپر گزری، اس میں احتمالات مذکورہ ہونے کی وجہ سے اس کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ الیٰ آخر ما ذکر۔ یہ تو ظاہر ہے جیسا کہ اُوپر بھی ذکر کیا گیا کہ کمالِ سیادت اللہ ہی کے لئے ہے لیکن کوئی دلیل ایسی نہیں جس کی وجہ سے اس کا اطلاق غیر اللہ پر ناجائز معلوم ہوتا ہو۔ قرآنِ پاک میں حضرت یحییٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بارے میں سَیِّدًا وَّحَصُوْرًا کا لفظ وارد ہے۔

بخاری شریف میں حضرتِ عمرؓ کا ارشاد منقول ہے وہ فرمایا کرتے تھے اَبُوْبَکْرٍ سَیِّدُنَا وَاَعْتَقَ سَیِّدَنَا یعنی بِلَالًا۔ "ابوبکرؓ ہمارے سردار ہیں اور ہمارے سردار یعنی بلالؓ کو آزاد کیا۔"

علّامہ عینی شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ نے جب انصار کو حضرت سعدؓ کے بارے میں قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ یعنی "اپنے سردار کیلئے کھڑے ہوجاؤ" کہا۔ تو اس سے استدلال کیا جاتا ہے اس بات پر کہ اگر کوئی شخص سَیِّدی اور مولائی کہے تو اُس کو نہیں روکا جائے گا اِس لئے کہ سیادت کا مرجع اور مآل اپنے ماتحتوں پر بڑائی ہے اور ان کے لئے حُسن تدبیر۔ اسی لئے خاوند کو سیّد کہا جاتا ہے۔ جب قرآنِ پاک میں وَاَلْفَیَا سَیِّدَهَا فرمایا۔ حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی شخص نے پُوچھا تھا کہ کیا کوئی شخص مدینہ منوّرہ میں اس کو مکروہ سمجھتا ہے کہ اپنے سردار کو یا سیّدی کہے۔ اُنہوں نے فرمایا کوئی نہیں الخ۔ امام بخاریؒ نے اس کے جواز پر حضورؐ کے ارشاد مَنْ سَیِّدُکُمْ سے بھی استدلال کیا ہے، جو ایک حدیث کا ٹکڑا ہے جس کو خود امام بخاری نے ادب المفرد میں ذکر کیا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے بنو سلمہ سے پُوچھا مَنْ سَیِّدُکُمْ کہ تمہارا سردار کون ہے۔ انہوں نے عرض کیا جد بن قیس۔ حضورؐ نے فرمایا بل سَیِّدکم عمرو بن جموح بلکہ تمہارا سردار عمرو بن جموح ہے۔ نیز اِذَا نَصَحَ الْعَبْدُ سَیِّدَهٗ مشہور حدیث ہے جو متعدّد صحابۂ کرامؓ سے حدیث کی اکثر کتابوں بخاری شریف وغیرہ میں مذکور ہے۔ نیز حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث سے بخاری شریف میں حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ کوئی شخص اَطْعِمْ رَبَّكَ وَضِّئْ رَبَّكَ نہ کہے، یعنی اپنے آقا کو ربّ کے لفظ سے تعبیر نہ کرے وَلْیَقُلْ سَیِّدِیْ وَمَوْلَایَ بلکہ یوں کہے کہ میرا سیّد اور میرا مولیٰ۔ یہ تو سیّد اور مَولیٰ کہنے کا حکم صاف ہے۔

﴿سُوم﴾ اسی طرح سے نبی کریم ﷺ کے پاک نام پر مولانا کا لفظ

بھی بعض لوگ پسند نہیں کرتے۔ ممانعت کی کوئی دلیل باوجود تلاش کے اس ناکارہ کو اب تک نہیں ملی، البتہ غزوۂ احد کے قصہ میں ابوسفیان کو جواب دیتے ہوئے نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد " اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ " وارد ہے۔ اور قرآنِ پاک میں سورۂ محمدؐ میں " ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ○ " وارد ہوا ہے۔ لیکن اس سے غیر اللہ پر لفظِ 'مولیٰ' کے اطلاق کی ممانعت معلوم نہیں ہوتی۔ یہاں بھی کمال ولایت مُراد ہے کہ حقیقی مَولیٰ وہی پاک ذات ہے۔ جیسا کہ اللہ جل شانہٗ نے اِرشاد فرمایا:

مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ط کہ تمہارے لئے اللہ کے سِوا نہ کوئی ولی ہے نہ کوئی مددگار۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے " وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ " اور بخاری شریف میں حضورؐ کا ارشاد ہے " مَنْ تَرَكَ كَلًّا اَوْ ضِيَاعًا فَاَنَا وَلِيُّهٗ " یہاں حضورِ اقدس ﷺ نے اپنے آپ کو ولی بتایا ہے۔ ابھی بخاری شریف کی حدیث سے حضورِ اقدس ﷺ کا پاک ارشاد ولیقل سیّدی ومولای گزر ہی چکا ہے کہ اپنے آقا کو سیّدی ومَولائی کہا کرے۔ حضورؐ کا پاک ارشاد مولی القوم من انفسھم مشہور ہے۔ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے " وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ " الآیۃ۔ اور حدیث وفقہ کی کتاب النکاح تو کتاب الاولیاء سے پُر ہے۔ اور مشکوٰۃ شریف میں بروایت شیخین حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اَنْتَ اَخُوْنَا وَمَوْلَانَا وارد ہے۔ نیز بروایت مسند احمد وترمذی حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ارقم سے حضورِ اقدس ﷺ

کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے "مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ" یعنی جس کا مَیں مَولیٰ ہوں علی اُس کے مَولیٰ ہیں۔ یہ حدیث مشہور[ع] ہے متعدد صحابہ کرام سے نقل کی گئی ہے۔ مُلّا علی قاری اِس حدیث کی شرح میں نہایہ سے لکھتے ہیں کہ مَولیٰ کا اطلاق بہت سے معنیٰ پر آتا ہے۔ جیسے ربّ اور مالک اور سیّد اور منعم یعنی احسان کرنے والا۔ اور معتق یعنی غلام آزاد کرنے والا اور ناصر (مددگار) اور محب اور تابع اور پڑوسی اور چچازاد بھائی اور حلیف وغیرہ وغیرہ بہت سے معنیٰ گنوائے ہیں، اسلئے ہرایک کے مناسب معنیٰ مراد ہوں گے۔ جہاں اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلیٰ لَکُمْ وارد ہوا ہے وہاں ربّ کے معنیٰ میں ہے۔ اور حضورؐ کے نامِ مبارک پر آیا ہے جیسا کہ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ وہاں ناصر اور مددگار کے معنیٰ میں ہے۔

ملا علی قاری نے اس حدیث کا شانِ ورود یہ لکھا ہے کہ حضرت اُسامہ بن زیدؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے یہ کہدیا تھا کہ تم میرے مَولا نہیں ہو میرے مولا حضورِ اقدس ﷺ ہیں۔ اس پر حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا کہ مَیں جس کا مَولیٰ ہوں علی اُس کے مولیٰ ہیں۔

علّامہ سخاوی نے قولِ بدیع میں اور علّامہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں حضورِ اقدس ﷺ کے اسمارِ مبارکہ میں بھی لفظِ مَولیٰ کا شمار کرایا ہے۔

ع قال صاحب تحفة الاحوذی لحدیث الترمذی اخرجه احمد والنسائی والضیاء وفی الباب عن بریدة اخرجه احمد وعن البراء بن عازب اخرجه احمد وابن ماجة وعن سعد بن ابی وقاص اخرجه ابن ماجة وعن علی اخرجه احمد اھ وقال القاری بعد ذکر تخریجه والحاصل ان هذا الحدیث صحیح۔ لامریة فیه بل بعض الحفاظ عده متواترًا إذ فی روایة لاحمد انه سمعه من النبی ﷺ ثلاثون صحابیًا وشهدوا به لعلی لما نوزع فی خلافته اھ۔

علّامہ زرقانی لکھتے ہیں مولیٰ یعنی سیّد منعم، مددگار، محب اور یہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے ناموں میں سے ہے۔ اور عنقریب مصنف یعنی علّامہ قسطلانی کا استدلال اس نام پر آنا اولیٰ بکل مؤمن سے آرہا ہے۔ اس کے بعد علّامہ زرقانی علّامہ قسطلانی کے کلام کی شرح کرتے ہوئے حضورﷺ کے ناموں کی شرح میں کہتے ہیں کہ ولی اور مولیٰ یہ دونوں اللہ کے ناموں میں سے ہیں، اور ان دونوں کے معنیٰ مددگار کے ہیں۔ اور حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے، جیسا کہ بخاری نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے اَنَا وَلِیُّ کُلِّ مُؤْمِنٍ۔ اور بخاری ہی میں حضورﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ کوئی مؤمن ایسا نہیں کہ مَیں اس کے ساتھ دنیا و آخرت میں اولیٰ نہ ہوں۔ پس جس نے مال چھوڑا ہو وہ اس کے ورثاء کو دیا جائے اور جس نے قرضہ یا ضائع ہونے والی چیزیں چھوڑی ہوں وہ میرے پاس آئے مَیں اس کا مَولیٰ ہوں۔ نیز حضورﷺ نے فرمایا ہے کہ جس کا مَیں مَولیٰ ہوں علی اُس کا مَولیٰ ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس کو روایت کیا ہے اور اس کو حسَن بتایا ہے۔ انتہی

علّامہ رازی سُورۂ محمّد کی آیتِ شریفہ وَاَنَّ الْکَافِرِیْنَ لَا مَوْلٰی لَھُمْ کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ اگر یہ اشکال کیا جائے کہ آیتِ بالا اور دوسری آیتِ شریفہ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ مَوْلٰھُمُ الْحَقِّ میں کس طرح جمع کیا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ مولیٰ کے کئی معنی آتے ہیں۔ سردار کے، ربّ کے، مددگار کے۔ پس جس جگہ یہ کہا گیا ہے کہ کوئی مَولیٰ نہیں ہے وہاں یہ مراد ہے کہ کوئی مددگار نہیں۔ اور جس جگہ مَوْلٰھُمُ الْحَقِّ کہا گیا ہے وہاں اُن کا ربّ اور مالک مراد ہے۔ انتہی

صاحبِ جلالَین نے سُورۂ انعام کی آیت مَوْلٰھُمُ الْحَقِّ کی تفسیر مالک

کے ساتھ کی ہے۔ اس پر صاحبِ جمل لکھتے ہیں کہ مالک کے ساتھ تفسیر اس واسطے کی گئی ہے کہ آیتِ شریفہ مؤمن اور کافر دونوں کے بارے میں وارد ہوئی ہے اور دوسری آیت یعنی سُورۂ محمدؐ میں اَنَّ الْکَافِرِیْنَ لَا مَوْلٰی لَھُمْ وارد ہوا ہے. ان دونوں میں جمع اِس طرح پر ہے کہ مَولٰی سے مراد پہلی آیت میں مالک خالق اور معبود ہے، اور دوسری آیت میں مددگار۔ لہٰذا کوئی تعارض نہیں رہا۔ اس کے علاوہ بہت سی وجوہ اس بات پر دال ہیں کہ مولا جب کہ ربّ اور مالک کے معنی میں استعمال ہو تو وہ مخصوص ہے اللہ جلّ شانہٗ کے ساتھ لیکن جب سردار اور اس جیسے دوسرے معنٰی میں مستعمل ہو تو اس کا نہ صرف نبی کریم ﷺ پر بلکہ ہر بڑے پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس سے پہلے نمبر میں حضورؐ کا ارشاد غلاموں کے بارے میں گزر چکا ہے کہ وہ اپنے آقا کو سیّدی و مَولائی کے لفظ سے پُکارا کریں۔

مُلّا علی قاری نے بروایت احمد حضرت رباح سے نقل کیا ہے کہ ایک جماعت حضرت علیؓ کے پاس کوفہ میں آئی، انہوں نے آکر عرض کیا "السّلام علیک یا مولانا" حضرت علیؓ نے فرمایا "مَیں تمہارا مولا کیسے ہوں تم عرب ہو"۔ انہوں نے عرض کیا "ہم نے حضورِ اقدس ﷺ سے سُنا ہے مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ مَیں جس کا مَولا ہوں علی اُس کے مَولا ہیں"۔ جب وہ جماعت جانے لگی تو مَیں اُن کے پیچھے لگا اور مَیں نے پُوچھا یہ کون لوگ ہیں، تو مجھے بتایا گیا کہ یہ انصار کی جماعت ہے جس میں حضرت ابو ایوبؓ انصاری بھی ہیں۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں اس سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مولٰی کا اطلاق سیّد کے بنسبت اقرب الٰی عدم الکراہت ہے۔ اس لئے کہ سیّد

کا لفظ تو اعلیٰ ہی پر بولا جاتا ہے لیکن لفظ مَولیٰ تو اعلیٰ اور اسفل دونوں پر بولا جاتا ہے ؎

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلھم

﴿چہارم﴾ آداب میں سے یہ ہے کہ اگر کسی تحریر میں نبی کریم ﷺ کا پاک نام گزرے تو وہاں بھی درود شریف لکھنا چاہیئے۔ محدثین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے یہاں اس مسئلہ میں انتہائی تشدّد ہے کہ حدیثِ پاک لکھتے ہوئے کوئی ایسا لفظ نہ لکھا جائے جو استاذ سے نہ سُنا ہو حتّٰی کہ اگر کوئی لفظ استاذ سے غلط سُنا ہو تو اُس کو بھی یہ حضرات نقل میں بعینہٖ اسی طرح لکھنا ضروری سمجھتے ہیں جس طرح استاذ سے سُنا ہے۔ اس کو صحیح کر کے لکھنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اسی طرح اگر توضیح کے طور پر کسی لفظ کے اضافہ کی ضرورت سمجھتے ہیں تو اس کو اُستاذ کے کلام سے ممتاز کر کے لکھنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ یہ شبہ نہ ہو کہ یہ لفظ بھی استاذ نے کہا تھا۔ اس سب کے باوجود جملہ حضرات محدّثین اس کی تصریح فرماتے ہیں کہ جب حضورِ اقدس ﷺ کا نامِ نامی آئے تو دُرود شریف لکھنا چاہیئے اگرچہ اُستاذ کی کتاب میں نہ ہو۔ جیسا کہ امام نووی نے شرح مسلم شریف کے مقدمہ میں اس کی تصریح کی ہے اسی طرح امام نووی تقریب میں اور علّامہ سیوطی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

"ضروری ہے یہ بات کہ حضورِ اقدس ﷺ کے ذکرِ مبارک کے وقت زبان کو اور اُنگلیوں کو دُرود شریف کے ساتھ جمع کرے، یعنی زبان سے دُرود شریف پڑھے اور اُنگلیوں سے لکھے بھی، اور اس میں اصل کتاب کا اتباع نہ کرے اگرچہ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اصل کا اتباع کرے" انتہی

بہت سی روایاتِ حدیث بھی اِس میں وارد ہوئیں اگرچہ وہ متکلّم فیہ بلکہ بعض کے اُوپر موضوع ہونے کا بھی حکم لگایا گیا ہے، لیکن کئی روایات اس قسم کے مضمون کی وارد ہونے پر اور جملہ علماء کا اس پر اتفاق اور اس پر عمل اس بات کی دلیل ہے کہ ان احادیث کی کچھ اصل ضرور ہے۔

علامہ سخاوی قولِ بدیع میں لکھتے ہیں کہ جیسا کہ تو حضورِ اقدس ﷺ کا نام نامی لیتے ہوئے زبان سے دُرود پڑھتا ہے اسی طرح نامِ مبارک لکھتے ہوئے اپنی اُنگلیوں سے بھی درود شریف لکھا کر کہ تیرے لئے اس میں بہت بڑا ثواب ہے اور یہ ایک ایسی فضیلت ہے جس کی سَاتھ علمِ حدیث لکھنے والے کامیاب ہوتے ہیں۔ علماء نے اِس بات کو مستحب بتایا ہے کہ اگر تحریر میں بار بار نبی کریم ﷺ کا پاک نام آئے تو بار بار درود شریف لکھے اور پُورا درود لکھے اور کاہلوں اور جاہلوں کی طرح سے 'صلعم' وغیرہ الفاظ کے ساتھ اشارہ پر قناعت نہ کرے۔ اس کے بعد علّامہ سخاوی نے اس سلسلہ میں چند حدیثیں بھی نقل کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد نقل کیا گیا کہ جو شخص کسی کتاب میں میرا نام لکھے فرشتے اُس وقت تک لکھنے والے پر درود بھیجتے رہتے ہیں جب تک میرا نام اس کتاب میں رہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص مجھ سے کوئی علمی چیز لکھے اور اس کے ساتھ درود شریف بھی لکھے اُس کا ثواب اُس وقت تک ملتا رہے گا جب تک وہ کتاب پڑھی جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے

کہ جو شخص مجھ پر کسی کتاب میں درود لکھے اُس وقت تک اُس کو ثواب ملتا رہے گا جب تک میرا نام اس کتاب میں رہے۔

علّامہ سخاوی نے متعدد روایات سے یہ مضمون بھی نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن علماء حدیث حاضر ہوں گے اور اُن کے ہاتھوں میں دَواتیں ہوں گی (جن سے وہ حدیث لکھتے تھے) اللہ جلّ شانہٗ حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمائیں گے کہ ان سے پوچھو یہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔ وہ عرض کریں گے کہ ہم حدیث لکھنے پڑھنے والے ہیں۔ وہاں سے ارشاد ہوگا کہ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ تم میرے نبی پر کثرت سے درود بھیجتے تھے۔

علّامہ نووی تقریب میں اور علّامہ سیوطی اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ ضروری ہے کہ درود شریف کی کتابت کا بھی اہتمام کیا جاوے جب بھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک نام گزرے۔ اور اس کے بار بار لکھنے سے اکتاوے نہیں اس واسطے کہ اس میں بہت ہی زیادہ فوائد ہیں، اور جس نے اس میں تساہل کیا بہت بڑی خیر سے محروم رہ گیا۔

علماء کہتے ہیں کہ حدیثِ پاک اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ (مع فصلِ اوّل میں گزری ہے) اس کے مصداق محدّثین ہی ہیں کہ وہ بہت کثرت سے درود شریف پڑھنے والے ہیں۔ اور علماء نے اس سلسلہ میں اس حدیث کو بھی ذکر کیا ہے جس میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ جو شخص میرے اُوپر کسی کتاب میں درود بھیجے ملائکہ اُس کے لئے اُس وقت تک استغفار کرتے رہتے ہیں جب تک میرا نام اس کتاب میں رہے۔

یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس جگہ اس کا ذکر کرنا مناسب ہے، اور اس کی طرف التفات نہ کیا جائے کہ ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں ذکر کر دیا ہے۔ اس لئے کہ اس کے بہت سے طُرق ہیں جو اس کو موضوع ہونے سے خارج کر دیتے ہیں، اور اس کے مقتضی ہیں کہ اس حدیث کی اصل ضرور ہے اس لئے کہ طبرانی نے اس کو ابو ہریرہؓ کی حدیث سے نقل کیا ہے، اور ابن عدی نے حضرت ابوبکرؓ کی حدیث سے اور اصبہانی نے ابن عباسؓ کی حدیث سے اور ابو نعیم نے حضرت عائشہؓ کی حدیث سے نقل کیا ہے۔ انتہی

صاحبِ اتحاف نے شرح احیاء میں بھی اس کے طُرق پر کلام کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حافظ سخاوی نے کہا ہے کہ یہ حدیث جعفر صادق کے کلام سے موقوفاً نقل کی گئی ہے۔ ابن قیم کہتے ہیں کہ یہ زیادہ اقرب ہے۔ صاحبِ اتحاف کہتے ہیں کہ طلبۂ حدیث کو عجلت اور جلد بازی کی وجہ سے درود شریف کو چھوڑنا نہ چاہیئے ہم نے اس میں بہت مبارک خواب دیکھے ہیں۔ اس کے بعد پھر اُنہوں نے کئی خواب اس کے بارے میں نقل کئے ہیں۔

حضرت سفیان بن عیینہ سے نقل کیا ہے کہ میرا ایک دوست تھا وہ مر گیا تو مَیں نے اُس کو خواب میں دیکھا۔ مَیں نے اُس سے پُوچھا کہ کیا معاملہ گزرا؟ اُس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرما دی۔ مَیں نے کہا کہ کس عمل پر؟ اس نے کہا کہ مَیں حدیثِ پاک لکھا کرتا تھا اور جب حضورِ اقدسؐ کا پاک نام آتا تھا تو مَیں اُس پر صلی اللہ علیہ وسلم لکھا کرتا تھا، اسی پر میری مغفرت ہو گئی۔

ابو الحسن میمونی کہتے ہیں کہ مَیں نے اپنے استاذ ابو علی کو خواب میں دیکھا

اُن کی اُنگلیوں کے اُوپر کوئی چیز سونے یا زعفران کے رنگ سے لکھی ہوئی تھی مَیں نے اُن سے پُوچھا یہ کیا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ مَیں حدیثِ پاک کے اُوپر صلّی اللہ علیہ وسلّم لکھا کرتا تھا۔

حسن بن محمّد کہتے ہیں کہ مَیں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا، اُنہوں نے مجھ سے فرمایا کہ کاش تو یہ دیکھتا کہ ہمارا نبی کریم ﷺ پر کتابوں میں درود لکھنا کیسا ہمارے سامنے روشن اور منوّر ہو رہا ہے (بدیع)

اور بھی متعدد خوابات اِس قسم کے ذکر کئے ہیں فصلِ حکایات میں اس قسم کی چیزیں کثرت سے آئیں گی ؎

یارب صلّ وسلّم دائما ابدًا علی حبیبک خیر الخلق کلّهم

﴿پنجم﴾ حضرت تھانوی نوّراللہ مرقدہٗ نے زادالسّعید میں ایک مستقل فصل آدابِ متفرقہ میں لکھی ہے اگرچہ اس کے متفرق مضامین پہلے گزر چکے ہیں، اہمیت کی وجہ سے ان کو یکجا ہی ذکر کیا جاتا ہے۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں:

① جب اسمِ مبارک لکھے صلٰوۃ وسَلام بھی لکھے یعنی صلی اللہ علیہ وسلّم پُورا لکھے اس میں کوتاہی نہ کرے، صرف 'ص' یا 'صلعم' پر اکتفا نہ کرے۔

② ایک شخص حدیث شریف لکھتا تھا اور بسبب بخل نامِ مبارک کے ساتھ درود شریف نہ لکھتا تھا، اُس کے سیدھے ہاتھ کو مرض اکلہ عارض ہوا، یعنی اُس کا ہاتھ گل گیا۔

③ شیخ ابن حجر مکّی نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص صرف 'صلّی اللہ علیہ' پر

اکتفا کرتا تھا ' وسلّم ' نہ لکھتا تھا۔ حضورِ انور ﷺ نے اُس کو خواب میں ارشاد فرمایا تو اپنے کو چالیسؔ نیکیوں سے کیوں محروم رکھتا ہے، یعنی ' وسلّم ' میں چار حَرف ہیں، ہر حَرف پر ایک نیکی اور ہر نیکی پر دسؔ گنا ثواب۔ لہٰذا ' وسلّم ' میں چالیسؔ نیکیاں ہوئیں۔ مفصل حکایات میں ۲۶ پر بھی اس نوع کا ایک قصّہ آرہا ہے۔

④ درود شریف پڑھنے والے کو مناسب ہے کہ بدن و کپڑے پاک وصَاف رکھے۔

⑤ آپ کے نامِ مبارک سے پہلے لفظِ سیّدنا بڑھا دینا مستحب اور افضل ہے۔ انتہی

اس اکلہ والے قصّہ کو اور چالیسؔ نیکیوں والے قصّہ کو علّامہ سخاوی نے بھی قولِ بدیع میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح حضرت تھانوی نوّراللہ مرقدہ نے درود شریف کے متعلّق ایک مستقل فصل مسائل کے بارے میں تحریر فرمائی ہے اس کا اضافہ بھی اس جگہ مناسب ہے۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں :۔

مسئلہ ① عمر بھر میں ایک بار درود شریف پڑھنا فرض ہے بوجہ حکمِ صَلُّوا کے جو شعبان ۲ھ میں نازل ہوا۔

② اگر ایک مجلس میں کئی بار آپ کا نامِ پاک ذکر کیا جائے تو طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ ہر بار میں ذکر کرنے والے اور سُننے والے پر دُرود پڑھنا واجب ہے مگر مفتیٰ بہٖ یہ ہے کہ ایک بار پڑھنا واجب ہے پھر

مستحب ہے۔

③ نماز میں بجز تشہّدِ اَخیر کے دوسرے ارکان میں درود شریف پڑھنا مکروہ ہے۔ (درمختار)

④ جب خطبہ میں حضور ﷺ کا نامِ مبارک آوے یا خطیب یہ آیت پڑھے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا اپنے دل میں بلا جنبشِ زبان کے صلّی اللہ علیہ وسلّم کہہ لے۔ (درمختار)

⑤ بے وضو درود شریف پڑھنا جائز ہے اور باوضو نورٌ علیٰ نور ہے۔

⑥ بجز حضراتِ انبیاء، حضراتِ ملائکہ علی جمیعہم السّلام کے کسی اور پر استقلالاً درود شریف نہ پڑھے، البتہ تبعًا مضائقہ نہیں، مثلاً یوں نہ کہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ بلکہ یوں کہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ (درمختار)

⑦ دُرِّ مختار میں ہے کہ اسبابِ تجارت کھولنے کے وقت یا ایسے ہی کسی موقع پر یعنی جہاں درود شریف پڑھنا مقصود نہ ہو بلکہ کسی دنیوی غرض کا اس کو ذریعہ بنایا جائے درود شریف پڑھنا ممنوع ہے۔

⑧ درِ مختار میں ہے کہ درود شریف پڑھتے وقت اعضاء کو حرکت دینا اور بلند آواز کرنا جہل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض جگہ جو رسم ہے کہ نمازوں کے بعد حلقہ باندھ کر بہت چِلّا چِلّا کر درود شریف پڑھتے ہیں قابلِ ترک ہے ؎

یارب صل وسلم دائما ابدًا علی حبیبک خیر الخلق کلہم

﴿پانچویں فصل﴾

دُرود شریف کے متعلّق حکایات میں

دُرود شریف کے بارے میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کے حکم اور حضورِ اقدس ﷺ کے پاک ارشادات کے بعد حکایات کی کچھ زیادہ اہمیّت نہیں رہتی لیکن لوگوں کی عادت کچھ ایسی ہے کہ بزرگوں کے حالات سے ترغیب زیادہ ہوتی ہے، اسی لئے اکابر کا دستور اس ذیل میں کچھ حکایات لکھنے کا بھی چلا آرہا ہے۔ حضرت تھانوی نوّراللہ مرقدہٗ نے ایک فصل زادالسّعید میں مستقل حکایات میں لکھی ہے جس کو بعینہٖ لکھتا ہوں، اس کے بعد چند دوسری حکایات بھی نقل کی جائیں گی اور اس سلسلہ کی بہت سی حکایات اِس ناکارہ کے رسالہ فضائلِ حج میں بھی گزر چکی ہیں۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں :

فصلِ پنجم حکایات و اخبارِ متعلّقہ دُرود شریف کے بیان میں

① مواہب لدنیہ میں تفسیر قُشَیری سے نقل کیا ہے کہ قیامت میں کسی مؤمن کی نیکیاں کم وزن ہو جائیں گی تو رسُولُ اللہ ﷺ ایک پرچہ سرِانگشت کے برابر نکال کر میزان میں رکھدیں گے جس سے نیکیوں کا پلّہ وزنی ہو جائے گا وہ مؤمن کہے گا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں آپ کون ہیں، آپ کی صورت اور سیرت کیسی اچّھی ہے۔ آپ فرمائیں گے مَیں تیرا نبی ہوں اور یہ دُرود شریف ہے جو تو نے مجھ پر پڑھا تھا، مَیں نے تیری حاجت کے وقت اس کو

ادا کر دیا (حاشیہ حصن) یہ قصّہ فصلِ اوّل کی حدیث ۱۱ پر بھی گزرا اور اس جگہ اس کے متعلّق ایک کلام اور بھی گزرا۔

② حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کہ جلیل القدر تابعی ہیں اور خلیفۂ راشد ہیں شام سے مدینہ منوّرہ کو خاص قاصد بھیجتے تھے کہ ان کی طرف سے روضۂ شریف پر حاضر ہو کر سلام عرض کرے (حاشیہ حصن از فتح القدیر)

③ روضۃ الاحباب میں امام اسمٰعیل بن ابراہیم مزنی سے جو امام شافعی رحمہ اللہ کے بڑے شاگردوں میں ہیں نقل کیا ہے کہ مَیں نے امام شافعی کو بعد انتقال کے خواب میں دیکھا اور پُوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ فرمایا۔ وہ بولے مجھے بخش دیا اور حکم فرمایا کہ مجھ کو تعظیم و احترام کے ساتھ بہشت میں لے جائیں اور یہ سب برکت ایک دُرود کی ہے جس کو مَیں پڑھا کرتا تھا۔ مَیں نے پُوچھا وہ کونسا درود ہے۔ فرمایا یہ ہے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کُلَّمَا ذَکَرَہُ الذَّاکِرُوْنَ وَکُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِکْرِہِ الْغٰفِلُوْنَ (حاشیہ حصن)

④ مناہج الحسنات میں ابن فاکہانی کی کتاب فجر منیر سے نقل کیا ہے کہ ایک بزرگ نیک صالح موسیٰ ضریر بھی تھے۔ انہوں نے اپنا گزرا ہوا قصّہ مجھ سے نقل کیا کہ ایک جہاز ڈوبنے لگا اور مَیں اُس میں موجود تھا۔ اُس وقت مجھ کو غنودگی سی ہوئی اس حالت میں رسُول اللہ ﷺ نے مجھ کو یہ دُرود تعلیم فرما کر ارشاد فرمایا کہ جہاز والے اس کو ہزار بار پڑھیں۔ ہنوز تین سَو بار نوبت پہنچی تھی کہ جہاز نے نجات پائی۔ اور "بَعْدَ الْمَمَاتِ" کے بعد "اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" بھی اس میں پڑھنا معمول ہے اور خوب ہے۔ وہ دُرود یہ ہے:

ـــ نابینا ۱۲

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُنْجِیْنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ
الْاَھْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِیْ لَنَا بِھَا جَمِیْعَ الْحَاجَاتِ
وَتُطَھِّرُنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ السَّیِّئَاتِ وَتَرْفَعُنَا بِھَا اَعْلَی
الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِھَا اَقْصَی الْغَایَاتِ مِنْ جَمِیْعِ الْخَیْرَاتِ
فِی الْحَیٰوۃِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ

اور شیخ مجدالدّین صاحبِ قاموس نے بھی اِس حکایت کو بسندِ خود ذکر کیا ہے (فض)

⑤ بعض[1] رسائل میں عبیداللہ بن عمر قواریریؒ سے نقل کیا ہے کہ ایک کاتب میرا ہمسایہ تھا وہ مرگیا، مَیں نے اُس کو خواب میں دیکھا اور پُوچھا اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ کہا مجھے بخش دیا۔ مَیں نے سبب پُوچھا، کہا میری عادت تھی جب نامِ پاک رسُولُ اللہ ﷺ کا کتاب میں لکھتا تو صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی بڑھاتا، خدائے تعالیٰ نے مجھ کو ایسا کچھ دیا کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا نہ کسی دل پر گزرا (گلشن جنّت)

⑥ دلائل الخیرات کی وجہ تالیف مشہور ہے کہ مؤلف کو سفر میں وضو کے لئے پانی کی ضرورت تھی اور ڈول رسّی کے نہ ہونے سے پریشان تھے۔ ایک لڑکی نے یہ حال دیکھکر دریافت کیا اور کنوئیں کے اندر تھوک دیا، پانی کنارے تک اُبل آیا۔ مؤلف نے حیران ہوکر وجہ پُوچھی۔ اُس نے کہا یہ برکت ہے درود شریف کی۔ جسکے

ع۵ اس درود شریف کا بکثرت پڑھنا اور مکان میں لکھ کر چسپاں کرنا تمام امراضِ وبائیہ ہیضہ وطاعون وغیرہ سے حفاظت کیلئے مفید اور مجرب ہے اوّل کے عجیب غریب اطمینان بخشتا ہے اور تَرْفَعُنَا بِھَا کے بعد بعض لوگ لفظ عِنْدَکَ بھی پڑھتے ہیں۔ حضرت مولانا مدظلہٗ نے ایک والا نامہ میں احقر کو اسی طرح تحریر فرمایا تھا۔ حررہ محمد انعام اللہ غفرلہ اللہ ۱۲

[1] ذکرہ السخاوی مختصراً ص ۱۹۱

بعد انہوں نے یہ کتاب دلائل الخیرات تالیف کی۔

⑦ شیخ زروق رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ مؤلف دلائل الخیرات کی قبر سے خوشبو مشک و عنبر کی آتی ہے اور یہ سب برکت درود شریف کی ہے۔

⑧ ایک معتمد دوست نے راقم سے ایک خوشنویسِ لکھنؤ کی حکایت بیان کی، اُن کی عادت تھی کہ جب صبح کے وقت کتابت شروع کرتے تو اوّل ایکبار دُرود شریف ایک بیاض پر جو اسی غرض سے بنائی تھی لکھ لیتے اس کے بعد کام شروع کرتے۔ جب ان کے انتقال کا وقت آیا تو غلبۂ فکرِ آخرت سے خوفزدہ ہوکر کہنے لگے کہ دیکھئے وہاں جاکر کیا ہوتا ہے۔ ایک مجذوب آنکلے اور کہنے لگے بابا کیوں گھبراتا ہے، وہ بیاض سرکارؐ میں پیش ہے اور اُس پر صاد بن رہے ہیں۔

⑨ مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری مرحوم کے داماد نے مجھ سے بیان کیا کہ جس مکان میں مولوی صاحب کا انتقال ہوا وہاں ایک مہینہ تک خوشبو عطر کی آتی رہی حضرت مولانا محمدؐ قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس کو بیان کیا۔ فرمایا یہ برکت درود شریف کی ہے۔ مولوی صاحب کا معمول تھا کہ ہر شب جمعہ کو بیدار رہ کر درود شریف کا شغل فرماتے۔

⑩ ابوزرعہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو خواب میں دیکھا کہ آسمان میں فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے۔ اُس سے سببِ حصول اِس درجہ کا پُوچھا، اُس نے کہا مَیں نے دسؔ لاکھ حدیثیں لکھی ہیں جب نامِ مبارک آنحضرت ﷺ کا آتا مَیں دُرود لکھتا تھا، اِس سبب سے مجھے یہ درجہ ملا (فض) زاد السعید میں یہ قصہ اسی طرح نقل کیا ہے۔ بندہ کے خیال میں کاتب سے غلطی ہوئی، صحیح یہ ہے کہ

ابوزرعہ کو ایک شخص نے خواب میں دیکھا جیسا کہ حکایات میں ۲۹ پر آرہا ہے۔

(۱۱) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور حکایت ہے کہ ان کو بعد انتقال کے کسی نے خواب میں دیکھا اور مغفرت کی وجہ پُوچھی، اُنہوں نے فرمایا یہ پانچ دُرود شریف جمعہ کی رات کو مَیں پڑھا کرتا تھا:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ مَنْ صَلّٰی عَلَیْہِ وَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ مَنْ لَّمْ یُصَلِّ عَلَیْہِ وَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَآ اَمَرْتَ بِالصَّلٰوۃِ عَلَیْہِ وَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ اَنْ یُّصَلّٰی عَلَیْہِ وَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا یَنْبَغِیْ اَنْ یُّصَلّٰی عَلَیْہِ.

اس دُرود کو دُرودِ خمسہ کہتے ہیں (فض) امام شافعی کے متعلق اور بھی حکایات نقل کی گئی ہیں جو ۳۰ پر آرہی ہیں۔

(۱۲) شیخ ابن حجر مکیؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک صالح کو کسی نے خواب میں دیکھا اُس سے حال پُوچھا، اُس نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحم کیا اور مجھے بخش دیا اور جنّت میں داخِل کیا۔ سبب پُوچھا گیا تو اُس نے کہا فرشتوں نے میرے گناہ اور میرے دُرود کو شمار کیا، سو دُرود کا شمار زیادہ نکلا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا اتنا بس ہے اس کا حساب مَت کرو اور اس کو بہشت میں لے جاؤ (فض) یہ قصّہ ۱۹ پر قولِ بدیع سے بھی آرہا ہے۔

(۱۳) شیخ ابن حجر مکیؒ نے لکھا ہے کہ ایک مردِ صالح نے معمول مقرر کیا تھا کہ ہر رات کو سوتے وقت دُرود بعددِ معیّن پڑھا کرتا تھا۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ جنابِ رسُولُ اللہ ﷺ اُس کے پاس تشریف لائے اور تمام گھر اُسکا

رَوشن ہوگیا۔ آپ نے فرمایا وہ مُنھ لاؤ جو دُرود پڑھتا ہے کہ بوسہ دوں۔ اُس شخص نے شرم کی وجہ سے رخسارہ سامنے کر دیا۔ آپ نے اس رخسارہ پر بوسہ دیا۔ بعد اسکے وہ بیدار ہوگیا تو سارے گھر میں مشک کی خوشبو باقی رہی (فض) یہ واقعہ ۳۸ پر تفصیل سے آرہا ہے۔

⑭ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مَدارج النبوّۃ میں لکھا ہے کہ جب حضرتِ حوّاء علیہا السّلام پیدا ہوئیں، حضرت آدم علیہ السلام نے اُن پر ہاتھ بڑھانا چاہا، ملائکہ نے کہا صبر کرو جب تک نکاح نہ ہوجائے اور مہر ادا نہ کردو۔ انہوں نے پُوچھا مہر کیا ہے؟ فرشتوں نے کہا کہ رسُولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر تین بار درود شریف پڑھنا۔ اور ایک روایت میں بیس۲۰ بار آیا ہے۔ فقط

یہ واقعات زادالسّعید میں نقل کئے ہیں، ان میں سے بعض کو دوسرے حضرات نے بھی نقل کیا ہے اور ان کے علاوہ بھی بہت سے واقعات اور بہت سے خواب دُرود شریف کے سلسلہ میں مشائخ نے لکھے ہیں جن میں سے بعض کا ذکر اس رسالہ میں کیا جاتا ہے جو زادالسّعید کے قصّوں پر اضافہ ہے ؎

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

⑮ علامہ سخاوی لکھتے ہیں کہ رشید عطار نے بیان کیا کہ ہمارے یہاں مصر میں ایک بزرگ تھے جن کا نام ابوسعید خیاط تھا، وہ بہت یکسو رہتے تھے۔ لوگوں سے میل جول بالکل نہیں رکھتے تھے۔ اس کے بعد اُنہوں نے ابنِ رشیق کی مجلس میں بہت کثرت سے جانا شروع کر دیا اور بہت اہتمام سے جایا کرتے۔ لوگوں کو اس پر بہت تعجّب ہوا۔ لوگوں نے اُن سے دریافت کیا تو اُنہوں نے بتایا کہ اُنہوں نے

حضورِ اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی اور کہا کہ حضور ﷺ نے مجھ سے خواب میں ارشاد فرمایا کہ ان کی مجلس میں جایا کر اس لئے کہ یہ اپنی مجلس میں مجھ پر کثرت سے دُرود پڑھتا ہے۔

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

⑯ ابوالعبّاس احمد بن منصور کا جب انتقال ہوگیا تو اہلِ شیراز میں سے ایک شخص نے اس کو خواب میں دیکھا کہ وہ شیراز کی جامع مسجد میں محراب میں کھڑے ہیں اور اُن پر ایک جوڑا ہے اور سر پر ایک تاج ہے جو جواہر اور موتیوں سے لَدا ہوا ہے۔ خواب دیکھنے والے نے اُن سے پُوچھا اُنہوں نے کہا اللہ جلّ شانہٗ نے میری مغفرت فرما دی اور میرا بہت اکرام فرمایا۔ اور مجھے تاج عطا فرمایا۔ اور یہ سب نبیِ کریم ﷺ پر کثرتِ دُرود کی وجہ سے۔ (قول بدیع) ؎

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

⑰ صوفیا میں سے ایک بزرگ نقل کرتے ہیں کہ مَیں نے ایک شخص کو کہ جس کا نام مسطح تھا اور وہ اپنی زندگی میں دین کے اعتبار سے بہت ہی بے پرواہ اور بیباک تھا (یعنی گناہوں کی کچھ پرواہ نہیں کرتا تھا) مرنے کے بعد خواب میں دیکھا، مَیں نے اُس سے پُوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا۔ اُس نے کہا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے میری مغفرت فرما دی۔ مَیں نے پُوچھا کہ یہ کس عمل سے ہوئی اُس نے کہا کہ مَیں ایک محدّث کی خدمت میں حدیث نقل کر رہا تھا، استاذ نے درود شریف پڑھا مَیں نے بھی ان کے ساتھ بہت آواز سے درود پڑھا۔ میری آواز سُن کر سب مجلس والوں نے دُرود پڑھا، حق تعالیٰ شانہٗ نے اس وقت

سَاری مجلِس والوں کی مغفرت فرمادی (قول بدیع)

نزہۃ المجالِس میں بھی اسی قسم کا ایک اور قصّہ نقل کیا ہے کہ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میرا ایک پڑوسی تھا، بہت گناہگار تھا، مَیں اُس کو بار بار توبہ کی تاکید کرتا تھا مگر وہ نہیں کرتا تھا۔ جب وہ مرگیا تو مَیں نے اُس کو جنّت میں دیکھا مَیں نے اُس سے پُوچھا کہ تو اس مرتبہ پر کیسے پہنچ گیا۔ اُس نے کہا مَیں ایک محدّث کی مجلِس میں تھا، اُنہوں نے یہ کہا کہ جو شخص نبی کریم ﷺ پر زور سے دُرود پڑھے اُس کیلئے جنّت واجب ہے۔ مَیں نے آواز سے درود پڑھا اور اس پر اور لوگوں نے بھی پڑھا اور اس پر ہم سب کی مغفرت ہوگئی۔

اِس قصّہ کو رَوض الفائق میں بھی ذرا تفصیل سے ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ صوفیا میں سے ایک بزرگ نے کہا کہ میرا ایک پڑوسی تھا بہت گناہگار ہر وقت شراب کے نشہ میں مدہوش رہتا تھا۔ اُس کو دن رات کی بھی خبر نہ رہتی تھی۔ مَیں اُس کو نصیحت کرتا تو سُنتا نہیں تھا، مَیں توبہ کو کہتا تو وہ مانتا نہ تھا جب وہ مرگیا تو مَیں نے اُس کو خواب میں بہت اُونچے مقام پر اور جنّت کے لباسِ فاخرہ میں دیکھا بڑے اعزاز و اکرام میں تھا۔ مَیں نے اس کا سبب پُوچھا تو اُس نے اُوپر والا قصہ محدّث کا ذکر کیا ؎

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

⑱ ابوالحسَن بغدادی دارمی کہتے ہیں کہ انہوں نے ابوعبداللہ بن حامد کو مرنے کے بعد کئی دفعہ خواب میں دیکھا، اُن سے پُوچھا کہ کیا گزری۔ اُنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرمادی اور مجھ پر رحم فرمایا۔ اُنہوں نے اُن سے

یہ پُوچھا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتاؤ جس سے مَیں سیدھا جنّت میں داخِل ہوجاؤں۔ انہوں نے بتایا کہ ایک ہزار رکعت نفل پڑھ، اور ہر رکعت میں ایک ہزار مرتبہ قُل ہُواللہ۔ اُنہوں نے کہا کہ یہ تو بہت مشکل عمل ہے۔ تو اُنہوں نے کہا کہ پھر تو ہر شب میں ایک ہزار مرتبہ دُرود شریف پڑھا کر۔ دَارمی کہتے ہیں کہ یہ مَیں نے اپنا معمول بنالیا (بدیع) ؎

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

⑲ ایک صَاحب نے ابوحفص کاغذی کو اُن کے مَرنے کے بعد خواب میں دیکھا۔ اُن سے پُوچھا کہ کیا معاملہ گزرا اُنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مجھ پر رحم فرمایا میری مغفرت فرمادی مجھے جنّت میں داخِل کرنے کا حکم دیدیا۔ انہوں نے کہا یہ کیا ہوا؟ اُنہوں نے بتایا کہ جب میری پیشی ہوئی تو ملائکہ کو حکم دیا گیا اُنہوں نے میرے گناہ اور میرے درود شریف کو شمار کیا تو میرا دُرود شریف گُناہوں پر بڑھ گیا تو میرے مولیٰ جلّ جَلالہٗ نے ارشاد فرمایا کہ اے فرشتو بس بس آگے حساب نہ کرو اور اس کو میری جنّت میں لے جاؤ۔ (بدیع)۔ یہ قصّہ ۱۲ پر ابن حجر مکّی ﷺ سے مختصر گزر چکا ؎

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

⑳ علّامہ سخاوی بعض تواریخ سے نقل کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص بہت گناہگار تھا۔ جب وہ مرگیا تو لوگوں نے اُس کو ویسے ہی زمین پر پھینک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علی نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر وحی بھیجی کہ اس کو غسل دیکر اس پر جنازہ کی نماز پڑھیں مَیں نے اس شخص کی مغفرت کردی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

نے عرض کیا یا اللہ یہ کیسے ہوگیا۔ اللہ جلّ شانہٗ نے فرمایا کہ اس نے ایک دفعہ تورات کو کھولا تھا اُس میں محمدؐ (ﷺ) کا نام دیکھا تھا تو اس نے ان پر دُرود پڑھا تھا تو مَیں نے اس کی وجہ سے اس کی مغفرت کردی۔ (بدیع)

اس قسم کے واقعات میں کوئی اشکال کی بات نہیں، نہ تو ان کا یہ مطلب ہے کہ ایک دفعہ درود شریف پڑھ لینے سے سارے گناہِ کبیرہ اور حقوق العباد سب معاف ہوجاتے ہیں اور نہ اس قسم کے واقعات میں کوئی مبالغہ یا جھوٹ وغیرہ ہے، یہ مالک کے قبول کرلینے پر ہے، وہ کسی شخص کی معمولی سی عبادت ایک دفعہ کا کلمۂ طیّبہ قبول کرلے جیسا کہ فصلِ اوّل کی حدیث ۱۱ میں حدیث البطاقہ میں گزر چکا ہے تو اس کی برکت سے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ اللہ تعالیٰ کا قرآنِ پاک میں ارشاد ہے ترجمہ:۔ بیشک اللہ تعالیٰ شانہٗ اس کی تو مغفرت نہیں فرماتے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے (یعنی مشرک کافر کی تو مغفرت ہے نہیں) اس کے علاوہ جس کو چاہیں گے بخش دیں گے۔ اِس لئے ان قصّوں میں اور اس قسم کے دوسرے قصّوں میں کوئی اشکال نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کو کسی کا ایک دفعہ کا درود پڑھنا پسند آجائے وہ اس کی وجہ سے سارے گناہ معاف کردے بااختیار ہے۔ ایک شخص کے کسی کے ذمّہ ہزاروں روپے قرض ہیں وہ قرضدار کی کسی بات پر جو قرض دینے والے کو پسند آگئی ہو یا بغیر ہی کسی بات کے اپنا سارا قرضہ معاف کردے تو کسی کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ اسی طرح اللہ جلّ شانہٗ اگر کسی کو محض اپنے لُطف وکرم سے بخش دے تو اس میں کیا اشکال کی بات ہے۔

اِن قصّوں سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ درود شریف کو مالک کی خوشنودی میں بہت زیادہ دخل ہے، اِس لئے بہت ہی کثرت سے پڑھتے رہنا چاہیئے۔ نہ معلوم کس وقت کا پڑھا ہوا اور کِس محبّت کا پڑھا ہوا پسند آجائے۔ ایک دفعہ کا بھی پسند آجائے تو بیڑا پار ہے ؎

بس ہے اپنا ایک ہی نالہ اگر پہنچے وہاں
گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالہ و فریاد ہم

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلھم

(۲۱) ایک بزرگ نے خواب میں ایک بہت ہی بُری بدہیئت صورت دیکھی اُنہوں نے اس سے پُوچھا تو کیا بَلا ہے۔ اُس نے کہا مَیں تیرے بُرے عمل ہوں۔ اُنہوں نے پُوچھا تجھ سے نجات کی کیا صورت ہے۔ اُس نے کہا حضرت مصطفٰے محمّد ﷺ پر درود شریف کی کثرت۔ (بدیع)

ہم میں سے کونسا شخص ایسا ہے جو دن رات بداعمالیوں میں مبتلا نہیں ہے اس کے بدرقہ کے لئے دُرود شریف بہترین چیز ہے، چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے جتنا بھی پڑھا جاسکے دریغ نہ کیا جائے کہ اکسیرِ اعظم ہے ؎

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلھم

(۲۲) شیخ المشائخ حضرت شبلی نوراللہ مرقدہٗ سے نقل کیا گیا ہے کہ میرے پڑوس میں ایک آدمی مرگیا۔ مَیں نے اُس کو خواب میں دیکھا، مَیں نے اُس سے پُوچھا کیا گزری۔ اُس نے کہا شبلی بہت ہی سخت سخت پریشانیاں گزریں اور مجھ پر منکر نکیر کے سوال کے وقت گڑبڑ ہونے لگی، میں نے اپنے دل میں سوچا کہ یا اللہ

یہ مصیبت کہاں سے آرہی۔ کیا مَیں اسلام پر نہیں مَرا۔ مجھے ایک آواز آئی کہ یہ دنیا میں تیری زبان کی بے احتیاطی کی سزا ہے۔ جب ان دونوں فرشتوں نے میرے عذاب کا ارادہ کیا تو فوراً ایک نہایت حسین شخص میرے اور اُن کے درمیان حائل ہوگیا۔ اُس میں سے نہایت ہی بہتر خوشبو آرہی تھی۔ اُس نے مجھ کو فرشتوں کے جوابات بتادیئے، مَیں نے فوراً کہدیئے۔ مَیں نے اُن سے پُوچھا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے آپ کون صاحب ہیں۔ اُنہوں نے کہا مَیں ایک آدمی ہوں جو تیرے کثرتِ دُرود سے پَیدا کیا گیا ہوں، مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ مَیں ہر مصیبت میں تیری مدد کروں۔ (بدیع)

نیک اعمال بہترین صورتوں میں اور بُرے اعمال قبیح صُورتوں میں آخرت میں ممثل ہوتے ہیں۔ فضائلِ صدقات حصّہ دوم میں مُردہ کے جو احوال تفصیل سے ذکر کئے گئے ہیں۔ اس میں تفصیل سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ میّت کی نعش جب قبر میں رکھی جاتی ہے تو نماز اس کی دائیں طرف ، روزہ بائیں طرف اور قرآنِ پاک کی تلاوت اور اللہ کا ذکر سر کی طرف وغیرہ وغیرہ کھڑے ہوجاتے ہیں اور جس جانب سے عذاب آتا ہے وہ مدافعت کرتے ہیں۔ اسی طرح سے بُرے اعمال خبیث صورتوں میں۔ زکوٰۃ کا مال ادا نہ کرنے کی صورت میں تو قرآنِ پاک اور احادیث میں کثرت سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ وہ مال اژدہا بن کر اس کے گلے کا طَوق ہوجاتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْہُ۔

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

(۲۳) حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

باہر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ مَیں نے رات ایک عجیب منظر دیکھا کہ ایک شخص ہے وہ پُلِ صراط کے اُوپر کبھی تو گھِسَٹ کر چلتا ہے کبھی گھُٹنوں کے بَل چلتا ہے کبھی کسی چیز میں اٹک جاتا ہے۔ اتنے میں مجھ پر دُرود پڑھنا اُس شخص کا پہنچا اور اُس نے اُس شخص کو کھڑا کر دیا یہاں تک کہ وہ پُلِ صراط سے گزر گیا۔ (بدیع عن الطبرانی وغیرہ) ؎

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

(۲۴) حضرت سفیان بن عیینہؒ حضرت خلف سے نقل کرتے ہیں کہ میرا ایک دوست تھا جو میرے ساتھ حدیث پڑھا کرتا تھا۔ اُس کا انتقال ہو گیا۔ مَیں نے اُس کو خواب میں دیکھا کہ وہ نئے سبز کپڑوں میں دَوڑتا پھر رہا ہے۔ مَیں نے اُس سے کہا کہ تو حدیث پڑھنے میں تو ہمارے ساتھ تھا پھر یہ اعزاز و اکرام تیرا کس بات پر ہو رہا ہے۔ اُس نے کہا حدیثیں تو مَیں تمہارے ساتھ ہی لکھا کرتا تھا لیکن جب بھی نبی کریم ﷺ کا پاک نام حدیث میں آتا مَیں اس کے نیچے صلّی اللہ علیہ وسلّم لکھ دیتا تھا، اللہ جلّ شانہٗ نے اس کے بدلے میں میرا یہ اکرام فرمایا جو تم دیکھ رہے ہو۔ (بدیع)

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

(۲۵) ابو سلیمان محمد بن الحسین حرانی کہتے ہیں کہ ہمارے پڑوس میں ایک صاحب تھے کہ جن کا نام فضل تھا، بہت کثرت سے نماز و روزہ میں مشغول رہتے تھے انہوں نے بیان کیا کہ مَیں حدیث لکھا کرتا تھا لیکن اس میں دُرود شریف نہیں لکھتا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ مَیں نے حضورِ اقدس ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ حضورؐ نے

ارشاد فرمایا کہ جب تو میرا نام لکھتا ہے یا لیتا ہے تو دُرود شریف کیوں نہیں پڑھتا (اس کے بعد اُنہوں نے دُرود کا اہتمام شروع کر دیا) اس کے کچھ دنوں بعد حضورِ اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تیرا دُرود میرے پاس پہنچ رہا ہے جب میرا نام لیا کرے تو صلی اللہ علیہ وسلم کہا کر (بدیع)

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمْ

(۲۶) اِنہیں ابو سلیمان حرانی کا خود اپنا ایک قصہ نقل کیا گیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ مَیں نے ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی حضورؐ نے ارشاد فرمایا ابو سلیمان جب تو حدیث میں میرا نام لیتا ہے اور اُس پر دُرود بھی پڑھتا ہے تو پھر وَسَلَّمَ کیوں نہیں کہا کرتا، یہ چار حروف ہیں اور ہر حرف پر دس نیکیاں مِلتی ہیں تو تو چالیس نیکیاں چھوڑ دیتا ہے۔ (بدیع)

فصلِ چہارم کے اخیر میں آداب کے سلسلہ میں زاد السّعید سے بھی اس نوع کا ایک قصّہ گزر چکا ہے

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمْ

(۲۷) ابراہیم نسفی کہتے ہیں مَیں نے نبیِ کریم ﷺ کی خواب میں زیارت کی تو مَیں نے نبیِ کریم ﷺ کو کچھ اپنے سے منقبض پایا تو مَیں نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر نبیِ کریم ﷺ کے دستِ مبارک کو بوسہ دیا اور عرض کیا یا رسُولَ اللہ مَیں تو حدیث کے خدمت گاروں میں ہوں، اہلِ سُنّت سے ہوں، مسافر ہوں۔ حضورؐ نے تبسّم فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ جب تو مجھ پر دُرود بھیجتا ہے تو سلام کیوں نہیں بھیجتا۔ اس کے بعد سے میرا معمول ہو گیا کہ مَیں صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے لگا۔ (بدیع)

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

(۲۸) ابن ابی سلیمان کہتے ہیں کہ مَیں نے اپنے والد کو انتقال کے بعد خواب میں دیکھا۔ مَیں نے اُن سے پُوچھا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرمادی۔ مَیں نے پوچھا کِس عمل پر؟ اُنہوں نے فرمایا کہ ہر حدیث میں مَیں حضورِ اقدس ﷺ پر دُرود لِکھا کرتا تھا (بدیع)

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

(۲۹) جعفر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ مَیں نے (مشہور محدّث) حضرت ابو زرعہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ آسمان پر ہیں اور فرشتوں کی امامت نماز میں کر رہے ہیں۔ مَیں نے پُوچھا کہ یہ عالی مرتبہ کس چیز سے مِلا۔ اُنہوں نے کہا کہ مَیں نے اپنے اِس ہاتھ سے دس لاکھ حدیثیں لِکھی ہیں اور جب حضورِ اقدس ﷺ کا نامِ مبارک لِکھتا تو حضورِ اقدس ﷺ کے نامِ نامی پر صلوٰۃ و سلام لکھتا اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک دفعہ دُرود بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ دُرود (رحمت) بھیجتے ہیں (بدیع)۔ اس حساب سے حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے ایک کروڑ دُرود ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی تو ایک ہی رحمت سب کچھ ہے پھر چہ جائیکہ ایک کروڑ۔

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

(۳۰) حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے متعلق ایک دو قصّے زادالسعید سے بھی گزر چکے ہیں۔ حضرتِ موصوف کے متعلق اس نوع کے کئی

خواب منقول ہیں۔ علّامہ سخاوی قول بدیع میں عبداللہ بن عبدالحکم سے نقل کرتے ہیں کہ مَیں نے حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا، مَیں نے اُن سے پُوچھا کہ اللہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ انہوں نے کہا اللہ نے مجھ پر رحم فرمایا، میری مغفرت فرمادی اور میرے لئے جنّت ایسی مزیّن کی گئی جیسا کہ دولہن کو مزیّن کیا جاتا ہے اور میرے اُوپر ایسی بکھیر کی گئی جیسا دولہن پر بکھیر کی جاتی ہے (شادی میں دولہا اور دلہنوں پر روپے پیسے وغیرہ نچھاور کئے جاتے ہیں)، مَیں نے پُوچھا کہ یہ مرتبہ کیسے پہنچا؟ مجھ سے کسی کہنے والے نے یُوں کہا کہ کتاب الرسالہ میں جو دُرود لکھا ہے اُس کی وجہ سے۔ مَیں نے پُوچھا وہ کیا ہے، مجھ سے بتایا گیا کہ وہ "صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَا ذَکَرَہُ الذَّاکِرُوْنَ وَعَدَدَ مَا غَفَلَ عَنْ ذِکْرِہِ الْغَافِلُوْنَ" ہے۔ جب مَیں صبح کو اُٹھا تو مَیں نے امام صاحب کی کتاب الرسالہ میں یہ دُرود اسی طرح پایا۔

نمیری وغیرہ نے امام مزنی رضی اللہ عنہ کی روایت سے ان کے خواب کا قصّہ اِس طرح نقل کیا ہے کہ مَیں نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا، مَیں نے پُوچھا کہ آپ کے ساتھ اللہ نے کیا معاملہ کیا؟ اُنہوں نے کہا میری مغفرت فرمادی ایک دُرود کی وجہ سے جو مَیں نے اپنی کتاب رسالہ میں لکھا تھا وہ یہ ہے "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کُلَّمَا ذَکَرَہُ الذَّاکِرُوْنَ وَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِکْرِہِ الْغَافِلُوْنَ۔

بیہقی نے ابوالحسن شافعی رضی اللہ عنہ سے ان کا اپنا خواب نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ مَیں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی۔ مَیں نے حضور ﷺ سے دریافت

کیا کہ یارسُولَ اللہ (ﷺ) امام شافعیؒ نے جو اپنے رسالہ میں دُرود لکھا ہے صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ کُلَّمَا ذَکَرَہُ الذَّاکِرُوْنَ وَغَفَلَ عَنْ ذِکْرِہِ الْغَافِلُوْنَ. آپ کی طرف سے ان کو اس کا کیا بدلہ دیا گیا ہے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ میری طرف سے یہ بدلہ دیا گیا ہے کہ وہ حساب کیلئے نہیں روکے جائیں گے۔

ابن بنان اصبہانی کہتے ہیں کہ مَیں نے حضورِ اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی، مَیں نے پُوچھا یارسُولَ اللہ! محمد بن ادریسؒ یعنی امام شافعیؒ آپ کے چچا کی اَولاد ہیں (چچا کی اولاد اِس وجہ سے کہا کہ آپ کے دادے ہاشم پر جاکر ان کا نسب مِل جاتا ہے وہ عبد یزید ابن ھاشم کی اولاد میں ہیں) آپ نے کوئی خصوصی اکرام ان کے لئے فرمایا ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ھاں مَیں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دُعاء کی ہے کہ قیامت میں اس کا حساب نہ لیا جائے. مَیں نے عرض کیا یارسُولَ اللہ یہ اکرام ان پر کس عمل کی وجہ سے ہوا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا میرے اُوپر دُرود ایسے الفاظ کے ساتھ پڑھا کرتا تھا کہ جن الفاظ کے ساتھ کسی اَور نے نہیں پڑھا۔ مَیں نے عرض کیا یارسُولَ اللہ وہ کیا الفاظ ہیں. حضورؐ نے ارشاد فرمایا "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کُلَّمَا ذَکَرَہُ الذَّاکِرُوْنَ وَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِکْرِہِ الْغَافِلُوْنَ (بدیع) ؎

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

(۳۱) ابوالقاسم مروزی کہتے ہیں کہ مَیں اور میرے والد رحمہ اللہ تعالیٰ رات میں حدیث کی کتاب کا مقابلہ کیا کرتے تھے۔ خواب میں یہ دیکھا گیا کہ جس جگہ ہم مقابلہ کیا کرتے تھے اُس جگہ ایک نور کا ستون ہے جو اتنا اُونچا ہے کہ آسمان تک

پہنچ گیا۔ کسی نے پُوچھا یہ ستون کیسا ہے تو یہ بتایا گیا کہ وہ دُرود شریف ہے جس کو یہ دونوں کتاب کے مقابلہ کے وقت پڑھا کرتے تھے۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَشَرَّفَ وَکَرَّمَ (بدیع) ؎

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

(۳۲) ابو اسحٰق نہشل کہتے ہیں کہ مَیں حدیث کی کتاب لکھا کرتا تھا اور اس میں حضورؐ کا پاک نام اس طرح لکھا کرتا تھا قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا۔ مَیں نے خواب میں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے میری لکھی ہوئی کتاب ملاحظہ فرمائی اور ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ یہ عمدہ ہے (بظاہر لفظ تسلیمًا کے اضافہ کی طرف اشارہ ہے)۔

علّامہ سخاوی نے اور بھی بہت سے حضرات کے خواب اِس قسم کے لِکھے ہیں کہ ان کو مرنے کے بعد جب بہت اچّھی حالت میں دیکھا گیا اور اُن سے پُوچھا گیا کہ یہ اعزاز کِس وجہ سے ہے تو انہوں نے بتایا کہ ہر حدیث میں حضورِ اقدس ﷺ کے پاک نام پر دُرود شریف لِکھنے کی وجہ سے (بدیع) ؎

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

(۳۳) حسَن بن موسٰی الحضرمی رحمۃ اللہ علیہ جو ابن عجینہ کے نام سے مشہور ہیں کہتے ہیں کہ مَیں حدیثِ پاک نقل کیا کرتا تھا اور جلدی کے خیال سے حضورِ اقدس ﷺ کے پاک نام پر دُرود لکھنے میں چُوک ہو جاتی تھی۔ مَیں نے حضورِ اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی۔ حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تو حدیث لکھتا ہے تو مجھ پر دُرود کیوں نہیں لکھتا جیسا کہ ابو عمرو طبری لکھتے ہیں۔ میری آنکھ کھُلی

تو مجھ پر بڑی گھبراہٹ سوار تھی۔ مَیں نے اسی وقت عہد کر لیا کہ اب سے جب کوئی حدیث لکھوں گا تو صلّی اللہ علیہ وسلّم ضرور لکھوں گا۔ (بدیع) ؎

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

(۳۴) ابو علی حسن بن علی عطّار کہتے ہیں کہ مجھے ابو طاہر نے حدیثِ پاک کے چند اجزاء لکھ کر دیئے، مَیں نے ان میں دیکھا کہ جہاں بھی کہیں نبی کریم ﷺ کا پاک نام آیا وہ حضورؐ کے پاک نام کے بعد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا لکھا کرتے تھے۔ مَیں نے پُوچھا کہ اِس طرح کیوں لکھتے ہو، انہوں نے کہا کہ مَیں اپنی نوعمری میں حدیثِ پاک لکھا کرتا تھا اور حضورِ اقدس ﷺ کے پاک نام پر دُرود نہیں لکھا کرتا تھا۔ مَیں نے ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی۔ مَیں حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مَیں نے سَلام عرض کیا۔ حضورِ اقدس ﷺ نے مُنہ پھیر لیا۔ مَیں نے دوسری جانب حاضر ہو کر سَلام عرض کیا۔ حضورؐ نے ادھر سے بھی منہ پھیر لیا۔ مَیں تیسری دفعہ چہرۂ انور کی طرف حاضر ہوا۔ مَیں نے عرض کیا یا رسُولَ اللہ آپ مجھ سے رُوگردانی کیوں فرما رہے ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس لئے کہ جب تو اپنی کتاب میں میرا نام لکھتا ہے تو مجھ پر دُرود نہیں بھیجتا۔ اُس وقت سے میرا یہ دستور ہو گیا کہ جب مَیں حضورِ اقدس ﷺ کا پاک نام لکھتا ہوں تو صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا لکھتا ہوں۔ (بدیع) ؎

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

(۳۵) ابو حفص سمرقندیؒ اپنی کتاب رَونق المجالِس میں لکھتے ہیں کہ

بلخ میں ایک تاجر تھا جو بہت زیادہ مالدار تھا۔ اُس کا انتقال ہوا، اُس کے دو بیٹے تھے۔ میراث میں اس کا مال آدھا آدھا تقسیم ہوگیا لیکن ترکہ میں تین بال بھی حضور اقدس ﷺ کے موجود تھے۔ ایک ایک دونوں نے لے لیا تیسرے بال کے متعلّق بڑے بھائی نے کہا کہ اس کو آدھا آدھا کرلیں۔ چھوٹے بھائی نے کہا ہرگز نہیں، خدا کی قسم حضورؐ کا موئے مبارک نہیں کاٹا جاسکتا۔ بڑے بھائی نے کہا کیا تو اس پر راضی ہے کہ یہ تینوں بال تو لے لے اور یہ مال سارا میرے حصّے میں لگادے۔ چھوٹا بھائی خوشی سے راضی ہوگیا۔ بڑے بھائی نے سارا مال لے لیا اور چھوٹے بھائی نے تینوں موئے مبارک لے لئے، وہ ان کو اپنی جیب میں ہر وقت رکھتا اور بار بار نکالتا اُن کی زیارت کرتا اور دُرود شریف پڑھتا۔ تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا کہ بڑے بھائی کا سارا مال ختم ہوگیا اور چھوٹا بھائی بہت زیادہ مالدار ہوگیا۔ جب اس چھوٹے بھائی کی وفات ہوئی تو صلحاء میں سے بعض نے حضورِ اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی کو کوئی ضرورت ہو اُس کی قبر کے پاس بیٹھ کر اللہ تعالیٰ شانہٗ سے دُعا کیا کرے۔ (بدیع)۔

نزہۃ المجالس میں بھی یہ قصّہ مختصر نقل کیا ہے لیکن اتنا اس میں اضافہ ہے کہ بڑا بھائی جس نے سارا مال لے لیا تھا بعد میں فقیر ہوگیا تو اُس نے حضورِ اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی اور حضورؐ سے اپنے فقر و فاقہ کی شکایت کی۔ حضورؐ نے خواب میں فرمایا او محروم تو نے میرے بالوں میں بے رغبتی کی اور تیرے بھائی نے اُن کو لے لیا اور وہ جب اُن کو دیکھتا ہے

مجھ پر دُرود بھیجتا ہے۔ اللہ جلّ شانہٗ نے اُس کو دنیا اور آخرت میں سعید بنا دیا۔ جب اُس کی آنکھ کھُلی تو آکر چھوٹے بھائی کے خادموں میں داخل ہوگیا۔ فقط

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

(۳۶) ایک عورت حضرت حسَن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس آئی اور عرض کیا کہ میری لڑکی کا انتقال ہوگیا، میری یہ تمنّا ہے کہ مَیں اُس کو خواب میں دیکھوں۔ حضرت حسَن بصریؒ نے فرمایا کہ عشاء کی نماز پڑھ کر چار رکعت نفل نماز پڑھ اور ہر رکعت میں الحمد شریف کے بعد الہٰکم التکاثر پڑھ اور اس کے بعد لیٹ جا اور سونے تک نبی کریم ﷺ پر دُرود پڑھتی رہ۔ اُس نے ایسا ہی کیا۔ اُس نے لڑکی کو خواب میں دیکھا کہ نہایت ہی سخت عذاب میں ہے۔ تارکول کا لباس اُس پر ہے، دونوں ہاتھ اُس کے جکڑے ہوئے ہیں اور اُس کے پاؤں آگ کی زنجیروں میں بندھے ہوئے ہیں۔ مَیں صبح کو اُٹھ کر پھر حسَن بصریؒ کے پاس گئی۔ حضرت حسَن بصریؒ نے فرمایا کہ اُس کی طرف سے صَدقہ کر شاید اللہ جلّ شانہٗ اس کی وجہ سے تیری لڑکی کو معاف فرمادے۔ اَگلے دن حضرت حسَنؒ نے خواب میں دیکھا کہ جنّت کا ایک باغ ہے اور اُس میں ایک بہت اُونچا تخت ہے اور اُس پر ایک بہت نہایت حَسین جمیل خوبصورت لڑکی بیٹھی ہوئی ہے، اُس کے سر پر ایک نور کا تاج ہے۔ وہ کہنے لگی حسَن تم نے مجھے بھی پہچانا۔ مَیں نے کہا نہیں مَیں نے تو نہیں پہچانا۔ کہنے لگی مَیں وہی لڑکی ہوں جس کی ماں کو تم نے دُرود شریف پڑھنے کا حکم دیا تھا (یعنی عشاء کے بعد سونے تک)۔ حضرت حسَنؒ نے فرمایا کہ تیری ماں نے تو تیرا حال اس کے

بالکل برعکس بتایا تھا جو مَیں دیکھ رہا ہوں۔ اُس نے کہا کہ میری حالت وہی تھی جو ماں نے بیان کی تھی۔ مَیں نے پُوچھا پھر یہ مرتبہ کیسے حاصِل ہوگیا۔ اُس نے کہا کہ ہم ستر ہزار آدمی اسی عذاب میں مبتلا تھے جو میری ماں نے آپ سے بیان کیا، صلحاء میں سے ایک بزرگ کا گزر ہمارے قبرستان پر ہوا، انہوں نے ایک دفعہ دُرود شریف پڑھ کر اس کا ثواب ہم سب کو پہنچا دیا۔ ان کا دُرود اللہ تعالیٰ کے یہاں ایسا قبول ہوا کہ اس کی برکت سے ہم سب اس عذاب سے آزاد کر دیئے گئے اور اُن بزرگ کی برکت سے یہ رُتبہ نصیب ہوا (بدیع)۔

رَوض الفائق میں اسی نوع کا ایک دوسرا قصّہ لکھا ہے کہ ایک عورت تھی اُس کا لڑکا بہت ہی گناہگار تھا، اُس کی ماں اُس کو بار بار نصیحت کرتی مگر وہ بالکل نہیں مانتا تھا، اسی حال میں وہ مرگیا۔ اُس کی ماں کو بہت ہی رنج تھا کہ وہ بغیر توبہ کے مرا۔ اُس کو بڑی تمنّا تھی کہ کسی طرح اس کو خواب میں دیکھے اُس کو خواب میں دیکھا تو وہ عذاب میں مبتلا تھا۔ اس کی وجہ سے اس کی ماں کو اور بھی زیادہ صدمہ ہوا۔ ایک زمانہ کے بعد اُس نے دوبارہ خواب میں دیکھا تو بہت اچّھی حالت میں تھا، نہایت خوش وخرم۔ ماں نے پُوچھا کہ یہ کیا ہوگیا۔ اُس نے کہا کہ ایک بہت بڑا گناہگار شخص اس قبرستان پر کو گزرا۔ قبروں کو دیکھ کر اُس کو کچھ عبرت ہوئی، وہ اپنی حالت پر رونے لگا اور سچّے دل سے توبہ کی اور کچھ قرآن شریف اور بیس مرتبہ دُرود شریف پڑھ کر اِس قبرستان والوں کو بخشا جس میں مَیں تھا اُس میں سے جو حصّہ مجھے ملا اُس کا یہ اثر ہے جو تم دیکھ رہی ہو۔ میری امّاں حضور ﷺ پر دُرود دلوں کا نور ہے، گناہوں کا کفّارہ ہے اور زندہ اور مُردہ دونوں کیلئے

رحمت ہے ؎

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلھم

(۳۷) حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ جو تورات کے بہت بڑے عالم ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ جلّ شانہٗ نے حضرتِ موسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پاس وحی بھیجی کہ اے موسیٰ اگر دُنیا میں ایسے لوگ نہ ہوں جو میری حمد وثنا کرتے رہتے ہیں تو آسمان سے ایک قطرہ پانی کا نہ ٹپکاؤں اور زمین سے ایک دانہ نہ اُگاؤں۔ اور بھی بہت سی چیزوں کا ذکر کیا۔ اس کے بعد اِرشاد فرمایا اے موسیٰ اگر تو یہ چاہتا ہے کہ مَیں تجھ سے اس سے بھی زیادہ قریب ہو جاؤں جتنا تیری زبان سے تیرا کلام اور جتنے تیرے دل سے اُس کے خطرات اور تیرے بدن سے اُس کی رُوح اور تیری آنکھ سے اُس کی روشنی۔ حضرت موسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے عرض کیا یا اللہ ضرور بتائیں، ارشاد ہوا کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر کثرت سے دُرود پڑھا کر (بدیع) ؎

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلھم

(۳۸) محمد بن سعید بن مطرف رحمۃ اللہ علیہ جو نیک لوگوں میں سے ایک بزرگ تھے کہتے ہیں کہ مَیں نے اپنا یہ معمول بنا رکھا تھا کہ رات کو جب سونے کے واسطے لیٹتا تو ایک مقدار معیّن دُرود شریف کی پڑھا کرتا تھا۔ ایک رات کو مَیں بالاخانہ پر اپنا معمول پُورا کر کے سو گیا تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی۔ مَیں نے دیکھا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بالاخانہ کے دروازہ سے اندر تشریف لائے حضورؐ کی تشریف آوری سے بالاخانہ سارا ایک دَم رَوشن ہو گیا۔ حضورؐ میری طرف کو تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ لا اس منہ کو لا جس سے تو کثرت سے

مجھ پر دُرود پڑھتا ہے مَیں اس کو چوموں گا۔ مجھے اس سے شرم آئی کہ مَیں دہنِ مبارک کی طرف مُنہ کروں تو مَیں نے اُدھر سے اپنے منہ کو پھیر لیا تو حضورِ اقدس ﷺ نے میرے رخسارے پر پیار کیا۔ میری گھبرا کر ایک دَم آنکھ کھُل گئی۔ میری گھبراہٹ سے میری بیوی جو میرے پاس پڑی ہوئی تھی اُس کی بھی ایک دَم آنکھ کُھل گئی تو سارا بالاخانہ مُشک کی خوشبو سے مہک رہا تھا اور مُشک کی خوشبو میرے رخسار میں سے آٹھ دن تک آتی رہی۔ (بدیع) ؎

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

(۳۹) محمد بن مالکؒ کہتے ہیں کہ مَیں بغداد گیا تاکہ قاری ابوبکر بن مجاہدؒ کے پاس کچھ پڑھوں۔ ہم لوگوں کی ایک جماعت ان کی خدمت میں حاضر تھی اور قرات ہو رہی تھی اتنے میں ایک بڑے میاں ان کی مجلس میں آئے جن کے سر پر بہت ہی پُرانا عمامہ تھا، ایک پُرانا کُرتا تھا، ایک پُرانی سی چادر تھی۔ ابوبکر اُن کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور اُن کو اپنی جگہ بٹھایا اور اُن سے اُن کے گھر والوں کی اہل وعیال کی خیریت پُوچھی۔ ان بڑے میاں نے کہا رات میرے ایک لڑکا پیدا ہوا، گھر والوں نے مجھ سے گھی اور شہد کی فرمائش کی۔ شیخ ابوبکرؒ کہتے ہیں کہ مَیں اُن کا حال سُن کر بہت ہی رنجیدہ ہوا اور اسی رنج وغم کی حالت میں میری آنکھ لگ گئی تو مَیں نے خواب میں نبیِ کریم ﷺ کی زیارت کی حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا اتنا رنج کیوں ہے، علی بن عیسٰی وزیر کے پاس جا اور اُس کو میری طرف سے سَلام کہنا اور یہ علامت بتانا کہ تو ہر جمعہ کی رات کو اُس وقت تک نہیں سوتا جب تک کہ مجھ پر ایک ہزار مرتبہ دُرود نہ پڑھ لے۔ اور اِس جمعہ کی رات میں

تونے سَات سَو مرتبہ پڑھا تھا کہ تیرے پاس بادشاہ کا آدمی بُلانے آگیا تو وہاں چلا گیا اور وہاں سے آنے کے بعد تونے اس مقدار کو پُورا کیا۔ یہ علامت بتلانے کے بعد اُس سے کہنا کہ اس نَومولود کے والد کو سَو دینار (اشرفیاں) دیدے تاکہ یہ اپنی ضروریات میں خرچ کرلے۔ قاری ابوبکر اُٹھے اور اُن بڑے میاں نَومولود کے والد کو سَاتھ لیا اور دونوں وزیر کے پاس پہنچے۔ قاری ابوبکر نے وزیر سے کہا اِن بڑے میاں کو حضورؐ نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ وزیر کھڑے ہوگئے اور اُن کو اپنی جگہ بٹھایا اور اُن سے قصّہ پُوچھا۔ شیخ ابوبکر نے سَارا قصّہ سُنایا جس سے وزیر کو بہت ہی خوشی ہوئی اور اپنے غلام کو حکم کیا کہ ایک توڑا نکال کر لائے (توڑا ہمیانی تھیلی جس میں دس ہزار کی مقدار ہوتی ہے) اس میں سے سَو دینار اُس نومولود کے والد کو دیئے، اس کے بعد سَو اور نکالے تاکہ شیخ ابوبکر کو دے، شیخ نے ان کے لینے سے انکار کیا۔ وزیر نے اصرار کیا کہ ان کو لے لیجئے اِس لئے کہ یہ اس بشارت کی وجہ سے ہے جو آپ نے مجھے اس واقعہ کے متعلّق سُنائی، اِس لئے کہ یہ واقعہ یعنی ایک ہزار دُرود والا ایک راز ہے جس کو میرے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر سَو دینار اور نکالے اور یہ کہا کہ یہ اس خوشخبری کے بدلہ میں ہیں کہ تم نے مجھے اس کی بشارت سُنائی کہ نبی کریم ﷺ کو میرے درود شریف پڑھنے کی اطلاع ہے۔ اور پھر سَو اشرفیاں اور نکالیں اور یہ کہا کہ یہ اُس مشقت کے بدلہ میں ہے جو تم کو یہاں آنے میں ہوئی۔ اور اسی طرح سَو سَو اشرفیاں نکالتے رہے یہاں تک کہ ایک ہزار اشرفیاں نکالیں مگر اُنہوں نے یہ کہکر انکار کردیا کہ ہم اُس مقدار یعنی سَو دینار سے زائد نہیں لیں گے جن کا حضورِ اقدس ﷺ نے

حکم فرمایا (بدیع) ؎

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

(۴۰) عبدالرحیم بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ غسل خانہ میں گرنے کی وجہ سے میرے ہاتھ میں بہت ہی سخت چوٹ لگ گئی، اس کی وجہ سے ہاتھ پر ورم ہوگیا۔ مَیں نے رات بہت بے چینی میں گزاری۔ میری آنکھ لگ گئی تو مَیں نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی۔ مَیں نے اِتنا ہی عرض کیا تھا کہ یارسُول اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ تیرے کثرتِ دُرود نے مجھے گھبرا دیا۔ میری آنکھ کُھلی تو تکلیف بالکل جاتی رہی تھی اور وَرم بھی جاتا رہا تھا۔ (بدیع) ؎

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

(۴۱) علامہ سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھ سے شیخ احمد بن رسلان رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے ایک معتمد نے کہا کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ کتاب القول البدیع فی الصّلٰوۃ علی الحبیب الشفیع (جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود ہی کے بیان میں علّامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تالیف ہے اور اس رسالہ کے اکثر مضامین اسی سے لئے گئے ہیں۔) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ کتاب پیش کی گئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول فرمایا۔ بہت طویل خواب ہے جس کی وجہ سے مجھے انتہائی مسرّت ہوئی۔ اور مَیں اللہ کے اور اُس کے پاک رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کی قبولیت کی اُمید رکھتا ہوں اور انشاء اللہ دارین میں زیادہ سے زیادہ ثواب کا اُمّیدوار ہوں۔ پس تو بھی او مخاطب اپنے پاک نبی کا ذکر خوبیوں کے ساتھ کرتا رہا کر اور دل و زبان سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت

سے دُرود بھیجتا رہا کر، اس لئے کہ تیرا دُرود حضورِ اقدس ﷺ کے پاس حضورؐ کی قبرِ اطہر میں پہنچتا ہے اور تیرا نام حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے (بیہقی)

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا كُلَّمَا ذَكَرَهُ الذَّاكِرُوْنَ وَكُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ ؎

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۴۲) علّامہ سخاویؒ ابوبکر بن محمد سے نقل کرتے ہیں کہ مَیں حضرت ابوبکر بن مجاہدؒ کے پاس تھا کہ اتنے میں شیخ المشائخ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ آئے۔ اُن کو دیکھکر ابوبکر بن مجاہدؒ کھڑے ہوگئے، ان سے معانقہ کیا، ان کی پیشانی کو بوسہ دیا مَیں نے ان سے عرض کیا کہ میرے سردار آپ شبلی کے ساتھ یہ معاملہ کرتے ہیں حالانکہ آپ اور سارے علماءِ بغداد یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ پاگل ہیں۔ اُنہوں نے فرمایا کہ میں نے وہی کیا جو حضورِ اقدس ﷺ کو کرتے دیکھا۔ پھر اُنہوں نے اپنا خواب بتایا کہ مجھے حضورِ اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی کہ حضورؐ کی خدمت میں شبلی حاضر ہوئے، حضورِ اقدس ﷺ کھڑے ہوگئے اور اُن کی پیشانی کو بوسہ دیا اور میرے استفسار پر حضورِ اقدس ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ یہ ہر نماز کے بعد لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ آخر سُورت تک پڑھتا ہے اور اِس کے بعد مجھ پر دُرود پڑھتا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب بھی فرض نماز پڑھتا ہے اُس کے بعد یہ آیتِ شریفہ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ پڑھتا ہے اور اس کے بعد تین مرتبہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ پڑھتا ہے۔ ابوبکر کہتے ہیں کہ اس خواب کے بعد جب شبلی آئے تو مَیں نے اُن سے پُوچھا کہ نماز کے بعد

کیا دُرود پڑھتے ہو تو اُنہوں نے یہی بتایا۔

ایک اور صاحب سے اسی نوع کا ایک قصہ نقل کیا گیا ہے۔ ابوالقاسم خفاف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ ابوبکر بن مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں گئے۔ ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ ان کو دیکھکر کھڑے ہوگئے۔ ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں اس کا چرچا ہوا۔ اُنہوں نے اُستاد سے عرض کیا کہ آپ کی خدمت میں وزیرِ اعظم آئے اُن کیلئے تو آپ کھڑے ہوئے نہیں شبلی کیلئے آپ کھڑے ہوگئے۔ انہوں نے فرمایا کہ مَیں ایسے شخص کیلئے کیوں نہ کھڑا ہوں جسکی تعظیم حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود کرتے ہوں۔ اسکے بعد استاد نے اپنا ایک خواب بیان کیا اور یہ کہا کہ رات مَیں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی تھی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ارشاد فرمایا تھا کہ کل تیرے پاس ایک جنتی شخص آئیگا جب وہ آئے تو اسکا اکرام کرنا۔ ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے دو ایک دن کے بعد پھر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ارشاد فرمایا کہ اے ابوبکر اللہ تعالیٰ تمہارا بھی ایسا ہی اکرام فرمائے جیسا کہ تم نے ایک جنتی آدمی کا اکرام کیا۔ مَیں نے عرض کیا یا رسُولَ اللہ شبلی کا یہ اعزاز آپکے یہاں کس وجہ سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ پانچوں نمازوں کے بعد یہ آیت پڑھتا ہے لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ الآیۃ اور اَسّی برس سے اس کا یہ معمول ہے (بدیع) ؎

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

(۴۳) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیائے علوم میں عبدالواحد بن زید بصری سے نقل کیا ہے کہ مَیں حج کو جا رہا تھا، ایک شخص میرا رفیقِ سفر ہوگیا۔ وہ ہر وقت چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود بھیجا کرتا تھا۔ مَیں نے اُس سے اِس کثرتِ دُرود کا سبب پُوچھا۔ اُس نے کہا کہ جب مَیں سب سے پہلے حج کیلئے حاضر ہوا تو میرے باپ بھی ساتھ تھے۔ جب ہم لَوٹنے لگے تو ہم ایک منزل پر سوگئے

مَیں نے خواب میں دیکھا مجھ سے کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ اُٹھ تیرا باپ مرگیا اور اُس کا منہ کالا ہوگیا۔ مَیں گھبرایا ہوا اُٹھا تو اپنے باپ کے مُنہ پر سے کپڑا اُٹھا کر دیکھا تو واقعی میرے باپ کا انتقال ہوچکا تھا اور اُس کا مُنہ کالا ہورہا تھا۔ مجھ پر اس واقعہ سے اتنا غم سوار ہوا کہ مَیں اس کی وجہ سے بہت ہی مرعوب ہورہا تھا۔ اتنے میں میری آنکھ لگ گئی، مَیں نے دوبارہ خواب میں دیکھا کہ میرے باپ کے سر پر چار حبشی کالے چہرے والے جن کے ہاتھ میں لوہے کے بڑے ڈنڈے تھے مسلّط ہیں۔ اتنے میں ایک بزرگ نہایت حسین چہرہ دو سبز کپڑے پہنے ہوئے تشریف لائے اور انہوں نے ان حبشیوں کو ہٹادیا اور اپنے دستِ مبارک کو میرے باپ کے مُنہ پر پھیرا اور مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اُٹھ اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کے چہرے کو سفید کردیا۔ مَیں نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کون ہیں۔ آپ نے فرمایا میرا نام محمّد ہے (ﷺ)۔ اس کے بعد سے مَیں نے حضورِ اقدس ﷺ پر دُرود کبھی نہیں چھوڑا۔

نزھۃ المجالس میں ایک اور قصّہ اسی نوع کا ابوحامد قزوینی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص اور اُس کا بیٹا دونوں سفر کررہے تھے راستہ میں باپ کا انتقال ہوگیا اور اُس کا سَر (منہ وغیرہ) سور جیسا ہوگیا۔ وہ بیٹا بہت رویا اور اللہ جلّ شانہٗ کی بارگاہ میں دُعا اور عاجزی کی۔ اتنے میں اُس کی آنکھ لگ گئی تو خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ تیرا باپ سود کھایا کرتا تھا اس لئے یہ صورت بدل گئی لیکن حضورِ اقدس ﷺ نے اس کے بارے میں سفارش کی ہے اس لئے کہ جب یہ آپ کا ذکرِ مبارک سُنتا تو دُرود بھیجا کرتا تھا۔ آپ کی سفارش

سے اُس کو اُس کی اپنی صورت پر لوٹا دیا گیا۔

رَوض الفائق میں اِسی نوع کا ایک اور قصّہ نقل کیا ہے۔ وہ حضرت سفیان ثوری سے نقل کرتے ہیں کہ مَیں طواف کر رہا تھا میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ہر قدم پر دُرود ہی پڑھتا ہے اور کوئی چیز تسبیح و تہلیل وغیرہ نہیں پڑھتا مَیں نے اس سے پُوچھا اس کی کیا وجہ۔ اس نے پُوچھا تو کون ہے۔ مَیں نے کہا کہ مَیں سفیان ثوری ہوں۔ اُس نے کہا کہ اگر تو اپنے زمانے کا یکتا نہ ہوتا تو مَیں نہ بتاتا اور اپنا راز نہ کھولتا۔ پھر اس نے کہا کہ مَیں اور میرے والد حج کو جا رہے تھے ایک جگہ پہنچ کر میرا باپ بیمار ہو گیا۔ مَیں علاج کا اہتمام کرتا رہا کہ ایک دَم اُن کا انتقال ہو گیا اور مُنہ کالا ہو گیا مَیں دیکھکر بہت ہی رنجیدہ ہوا اور اِنّا لِلّٰہ پڑھی اور کپڑے سے اُن کا مُنہ ڈھک دیا۔ اتنے میں میری آنکھ لگ گئی۔ مَیں نے خواب میں دیکھا کہ ایک صاحب جن سے زیادہ حَسین مَیں نے کسی کو نہیں دیکھا اور اُن سے زیادہ صَاف ستھرا لباس کسی کا نہیں دیکھا اور اُن سے زیادہ بہترین خوشبو مَیں نے کہیں نہیں دیکھی تیزی سے قدم بڑھائے چلے آ رہے ہیں۔ اُنہوں نے میرے باپ کے مُنہ پر سے کپڑا ہٹایا اور اُس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو اُس کا چہرہ سفید ہو گیا۔ وہ واپس جانے لگے تو مَیں نے جلدی سے اُن کا کپڑا پکڑ لیا اور مَیں نے کہا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے آپ کون ہیں کہ آپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے میرے باپ پر مَسافرت میں احسان فرمایا۔ وہ کہنے لگے کہ تو مجھے نہیں پہچانتا، مَیں محمّد بن عبداللہ صاحبِ قرآن ہوں (ﷺ) یہ تیرا باپ بڑا گناہگار تھا لیکن مجھ پر کثرت سے دُرود بھیجتا تھا جب اس پر یہ مصیبت نازل ہوئی تو

میں اس کی فریاد کو پہنچا اور مَیں ہر اُس شخص کی فریاد کو پہنچتا ہوں جو مجھ پر کثرت سے دُرود بھیجے۔

يَا مَنْ يُّجِيْبُ دُعَا الْمُضْطَرِّ فِي الظُّلَمِ ① يَا كَاشِفَ الضُّرِّ وَالْبَلْوٰى مَعَ السَّقَمِ
شَفِّعْ نَبِيَّكَ فِيْ ذُلِّيْ وَمَسْكَنَتِيْ ② وَاسْتُرْ فَاِنَّكَ ذُوْ فَضْلٍ وَّذُوْ كَرَمِ
وَاغْفِرْ ذُنُوْبِيْ وَسَامِحْنِيْ بِهَا كَرَمًا ③ تَفَضُّلًا مِّنْكَ يَا ذَا الْفَضْلِ وَالنِّعَمِ
اِنْ لَّمْ تُغِثْنِيْ بِعَفْوٍ مِّنْكَ يَا اَمَلِيْ ④ وَاخَجْلَتِيْ وَاحَيَائِيْ مِنْكَ وَانَدَمِيْ
يَا رَبِّ صَلِّ عَلَى الْهَادِي الْبَشِيْرِ وَمَنْ ⑤ لَهُ الشَّفَاعَةُ فِي الْعَاصِيْ اَخِي النَّدَمِ
يَا رَبِّ صَلِّ عَلَى الْمُخْتَارِ مِنْ مُّضَرٍ ⑥ اَزْكَى الْخَلَائِقِ مِنْ عَرَبٍ وَّمِنْ عَجَمِ
يَا رَبِّ صَلِّ عَلٰى خَيْرِ الْاَنَامِ وَمَنْ ⑦ سَادَ الْقَبَائِلَ فِي الْاَنْسَابِ الشِّيَمِ
صَلّٰى عَلَيْهِ الَّذِيْ اَعْطَاهُ مَنْزِلَةً ⑧ عَلْيَاءَ اِذْ كَانَ حَقًّا اَفْضَلَ الْاُمَمِ
صَلّٰى عَلَيْهِ الَّذِيْ اَعْلَاهُ مَرْتَبَةً ⑨ ثُمَّ اصْطَفَاهُ حَبِيْبًا بَارِئُ النَّسَمِ
صَلّٰى عَلَيْهِ صَلٰوةً لَا انْقِطَاعَ لَهَا ⑩ مَوْلَاهُ ثُمَّ عَلٰى صَحْبٍ وَّذِيْ رَحِمِ

﴿تَرْجَمَهُ﴾

① اے وہ پاک ذات جو مضطر کی اندھیریوں کی دُعائیں قبول کرتا ہے۔ اے وہ پاک ذات جو مضرتوں کو بَلاؤں کو بیماریوں کو زائل کرنے والا ہے۔

② اپنے نبی ﷺ کی شفاعت میری ذلّت اور عاجزی میں قبول فرمالے اور میرے گناہوں کی پردہ پوشی فرما۔ بے شک تو احسان اور کرم والا ہے۔

③ میرے گناہوں کو معاف فرما اور اُن سے مسامحت فرما اپنے کرم اور احسان کی وجہ سے اے احسان والے اور اے نعمتوں والے۔

④ اے میری امید گاہ اگر تو اپنے عفو سے میری مدد نہیں فرمائے گا تو مجھے کتنی خجالت ہوگی، کتنی تجھ سے شرم آئے گی اور کتنی ندامت ہوگی۔

⑤ اے میرے ربّ دُرود بھیج ہادی بشیر پر اور اُس ذات پر جس کے لئے شفاعت کا حق ہے گناہگار اور ندامت والے کے حق میں۔

⑥ اے ربّ دُرود بھیج اُس شخص پر جو قبیلہ مضر میں سب سے زیادہ برگزیدہ ہے اور جو ساری مخلوق میں عرب کی ہو یا عجم کی سب سے افضل ہے۔

⑦ اے ربّ دُرود بھیجئے اُس شخص پر جو ساری دُنیا سے افضل ہے اور اس شخص پر جو تمام قبائل کا سردار بن گیا ہے۔ نسب کے اعتبار سے بھی اور اخلاق کے اعتبار سے بھی۔

⑧ جس پاک ذات نے اس کو اعلیٰ مرتبہ عطا فرمایا ہے وہی اُس پر دُرود بھی بھیجے۔ بیشک وہ اس درجے کا مستحق بھی ہے اور ساری مخلوق سے افضل۔

⑨ وہی پاک ذات اُس پر دُرود بھیجے جس نے اُس کو اعلیٰ مرتبہ عطا فرمایا پھر اُس کو اپنا محبوب بنانے کے لئے چھانٹا وہ پاک ذات جو مخلوق کو پیدا کرنے والی ہے۔

⑩ اس کا مولیٰ اُس پر ایسا درود بھیجے جو کبھی ختم ہونے والا نہ ہو، اس کے بعد اس کے صحابہ پر دُرود بھیجے اور اُس کے رشتہ داروں پر (رَوض الفائق) ؎

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمْ

㊹ نزھۃ المجالس میں لکھا ہے کہ ایک صاحب کسی بیمار کے پاس گئے (اُن کی نزع کی حالت تھی) اُن سے پُوچھا کہ مَوت کی کڑواہٹ کیسی مِل رہی ہے۔ اُنہوں نے کہا مجھے کچھ نہیں معلوم ہو رہا ہے اِس لئے کہ مَیں نے علماء سے سُنا ہے کہ جو شخص کثرت سے درود شریف پڑھتا ہے وہ مَوت کی تلخی سے

محفوظ رہتا ہے ؎

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

(۴۵) نزھۃ المجالس میں لکھا ہے کہ بعض صلحاء میں سے ایک صاحب کو حبسِ بول ہوگیا۔ اُنہوں نے خواب میں عارف باللہ حضرت شیخ شہاب الدّین ابن رسلان کو جو بڑے زاہد اور عالم تھے دیکھا اور ان سے اپنے مرض کی شکایت و تکلیف کہی انہوں نے فرمایا تو تریاقِ مجرّب سے کہاں غافل ہے یہ دُرود پڑھا کر اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی رُوْحِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِی الْاَرْوَاحِ وَصَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی قَلْبِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِی الْقُلُوْبِ وَصَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی جَسَدِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِی الْاَجْسَادِ وَصَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی قَبْرِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِی الْقُبُوْرِ۔ خواب سے اُٹھنے کے بعد ان صاحب نے اس دُرود کو کثرت سے پڑھا اور اُن کا مرض زائل ہوگیا ؎

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

(۴۶) حافظ ابونعیم حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ مَیں ایک دفعہ باہر جارہا تھا میں نے ایک جوان کو دیکھا کہ جب وہ قدم اُٹھاتا ہے یا رکھتا ہے تو یوں کہتا ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔ مَیں نے اُس سے پُوچھا کیا کسی علمی دلیل سے تیرا یہ عمل ہے (یا محض اپنی رائے سے) اُس نے پُوچھا تم کون ہو۔ مَیں نے کہا سفیان ثوری۔ اس نے کہا کیا عراق والے سفیان۔ مَیں نے کہا ہاں۔ کہنے لگا تجھے اللہ کی معرفت حاصل ہے۔ مَیں نے کہا ہاں ہے۔ اُس نے پُوچھا کِس طرح معرفت حاصل ہے۔ مَیں نے کہا رات سے

دن نکالتا ہے دن سے رات نِکالتا ہے، ماں کے پیٹ میں بچّے کی صورت پیدا کرتا ہے۔ اُس نے کہا کہ کچھ نہیں پہچانا۔ مَیں نے کہا پھر تو کِس طرح پہچانتا ہے۔ اُس نے کہا کِسی کام کا پختہ ارادہ کرتا ہوں اُس کو فسخ کرنا پڑتا ہے، اور کِسی کام کے کرنے کی ٹھان لیتا ہوں مگر نہیں کرسکتا۔ اس سے مَیں نے پہچان لیا کہ کوئی دُوسری ہستی ہے جو میرے کاموں کو انجام دیتا ہے۔ مَیں نے پُوچھا یہ تیرا دُرود کیا چیز ہے۔ اُس نے کہا مَیں اپنی ماں کے ساتھ حج کو گیا تھا میری ماں وہیں رہ گئی (یعنی مرگئی) اُس کا مُنہ کالا ہوگیا اور اُس کا پیٹ پھُول گیا جس سے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ کوئی بہت بڑا سخت گُناہ ہوا ہے اُس سے۔ مَیں نے اللہ جلّ شانہٗ کی طرف دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے تو مَیں نے دیکھا کہ تہامہ (حجاز) سے ایک ابر آیا اُس سے ایک آدمی ظاہر ہوا۔ اُس نے اپنا مبارک ہاتھ میری ماں کے منہ پر پھیرا جس سے وہ بالکل رَوشن ہوگیا، اور پیٹ پر ہاتھ پھیرا تو ورم بالکل جاتا رہا۔ مَیں نے اُن سے عرض کیا کہ آپ کون ہیں کہ میری اور میری ماں کی مصیبت کو آپ نے دُور کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ مَیں تیرا نبی محمّد (ﷺ) ہوں مَیں نے عرض کیا مجھے کوئی وصیّت کیجئے تو حضورؐ نے فرمایا کہ جب کوئی قدم رکھا کرے یا اُٹھایا کرے تو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ پڑھا کر (نزہۃ) ؎

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا ۔۔۔ عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

(۴۷) صاحبِ احیاء نے لکھا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رو رہے تھے اور یوں کہہ رہے تھے کہ یا رسُولَ اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ایک کھجور کا تنہ جس پر سہارا لگا کر آپ منبر بننے

سے پہلے خطبہ پڑھا کرتے تھے، پھر جب منبر بن گیا اور آپ اس پر تشریف لے گئے تو وہ کھجور کا تنہ آپ کے فراق سے رونے لگا، یہاں تک کہ آپ نے اپنا دستِ مبارک اُس پر رکھا جس سے اُس کو سکون ہوا (یہ حدیث کا مشہور قصّہ ہے) یارسُولَ اللہ آپ کی اُمّت آپ کے فراق سے رونے کی زیادہ مستحق ہے بنسبت اس تنے کے (یعنی اُمّت اپنے سکون کے لئے توجّہ کی زیادہ محتاج ہے) یارسُولَ اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کا عالی مرتبہ اللہ کے نزدیک اس قدر اُونچا ہوا کہ اُس نے آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ جس نے رسُول کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔ یارسُولَ اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کی فضیلت اللہ کے نزدیک اتنی اُونچی ہوئی کہ آپ سے مطالبہ سے پہلے معافی کی اطلاع فرمادی چنانچہ ارشاد فرمایا عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے۔ تم نے ان منافقوں کو جانے کی اجازت دی ہی کیوں۔ یارسولَ اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کا عُلُوِّ شان اللہ کے نزدیک ایسا ہے کہ آپ اگرچہ زمانہ کے اعتبار سے آخر میں آئے لیکن انبیاء کی میثاق میں آپ کو سب سے پہلے ذکر کیا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرَاهِيْمَ الآیۃ۔ یارسُولَ اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کی فضیلت کا اللہ کے یہاں یہ حال ہے کہ کافر جہنّم میں پڑے ہوئے اس کی تمنّا کریں گے کہ کاش آپ کی اطاعت کرتے اور کہیں گے يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا۔ یارسُولَ اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان

اگر حضرت موسٰی (علٰی نبیّنا وعلیہ الصّلٰوۃ والسّلام) کو اللہ جلّ شانہٗ نے یہ معجزہ عطا فرمایا ہے کہ پتّھر سے نہریں نکال دیں تو یہ اس سے زیادہ عجیب نہیں ہے کہ اللہ تعالٰی نے آپ کی اُنگلیوں سے پانی جاری کر دیا (کہ حضورؐ کا یہ معجزہ مشہور ہے) یارسُولَ اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان اگر حضرت سلیمان (علٰی نبیّنا وعلیہ الصّلٰوۃ والسّلام) کہ ہَوَا اُن کو صبح کے وقت میں ایک مہینہ کا راستہ طے کرادے اور شام کے وقت میں ایک مہینہ کا طے کرادے تو یہ اس سے زیادہ عجیب نہیں ہے کہ آپ کا براق رات کے وقت میں آپ کو سَاتویں آسمان سے بھی پرے لے جائے اور صبح کے وقت آپ مکّہ مکرّمہ واپس آجائیں صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ اللہ تعالٰی ہی آپ پر دُرود بھیجے۔ یارسُولَ اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان اگر حضرت عیسٰی (علٰی نبیّنا وعلیہ الصّلٰوۃ والسّلام) کو اللہ تعالٰی نے یہ معجزہ عطا فرمایا کہ وہ مُردوں کو زندہ فرمادیں تو یہ اُس سے زیادہ عجیب نہیں کہ ایک بکری جس کے گوشت کے ٹکڑے آگ میں بھُون دیئے گئے ہوں وہ آپ سے یہ درخواست کرے کہ آپ مجھے نہ کھائیں اِس لئے کہ مجھ میں زہر ملا دیا گیا ہے۔ یارسُولَ اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان حضرت نوح (علٰی نبیّنا وعلیہ الصّلٰوۃ والسّلام) نے اپنی قوم کے لئے یہ ارشاد فرمایا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًا اے ربّ کافروں میں سے زمین پر بسنے والا کوئی نہ چھوڑ۔ اگر آپ بھی ہمارے لئے بددُعا کر دیتے تو ہم میں سے ایک بھی باقی نہ رہتا، بے شک کافروں نے آپ کی پُشتِ مبارک کو رَوندا (کہ جب آپ نماز میں سجدہ میں تھے آپ کی پُشتِ مبارک پر اُونٹ کا بچہ دان رکھدیا تھا) اور غزوۂ احد میں آپ کے

چہرۂ مبارک کو خون آلودہ کیا، آپ کے دندانِ مبارک کو شہید کیا اور آپ نے بجائے بددُعا کے یوں اِرشاد فرمایا اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ اے اللہ میری قوم کو معاف فرما کہ یہ لوگ جانتے نہیں (جاہل ہیں)۔ یارسُولَ اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کی عمر کے بہت تھوڑے سے حصّے میں (کہ نبوّت کے بعد تیئیس ہی سال ملے) اتنا بڑا مجمع آپ پر ایمان لایا کہ حضرت نوح علےٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی طویل عمر (ایک ہزار برس) میں اتنے آدمی مسلمان نہ ہوئے (کہ حجۃ الوداع میں ایک لاکھ چوبیس ہزار تو صحابہ رضی اللہ عنہم تھے اور جو لوگ غائبانہ مسلمان ہوئے حاضر نہ ہو سکے ان کی تعداد تو اللہ ہی کو معلوم ہے) آپ پر ایمان لانے والوں کی تعداد بہت زیادہ سے زیادہ ہے (بخاری کی مشہور حدیث عُرِضَتْ عَلَیَّ الْاُمَمُ میں ہے رَاَیْتُ سَوَادًا کَثِیْرًا سَدَّ الْاُفُقَ کہ حضور ﷺ نے اپنی اُمّت کو اتنی کثیر مقدار میں دیکھا کہ جس نے سارے جہان کو گھیر رکھا تھا) اور حضرت نوح علیہ السّلام پر ایمان لانے والے بہت تھوڑے ہیں (قرآنِ پاک میں ہے وَمَآ اٰمَنَ مَعَہٗٓ اِلَّا قَلِیْلٌ) یارسُولَ اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان اگر آپ اپنے ہمجنسوں ہی کے ساتھ نشست و برخواست فرماتے تو آپ ہمارے پاس کبھی نہ بیٹھتے۔ اور اگر آپ نکاح نہ کرتے مگر اپنے ہی ہم مرتبہ سے تو ہمارے میں سے کسی کے ساتھ بھی آپ کا نکاح نہ ہو سکتا تھا۔ اور اگر آپ اپنی ساتھ کھانا نہ کھلاتے مگر اپنے ہی ہمسروں کو تو ہم میں سے کسی کو اپنے ساتھ کھانا نہ کھلاتے۔ بیشک آپ نے ہمیں اپنے پاس بٹھایا، ہماری عورتوں سے نکاح کیا، ہمیں اپنے ساتھ کھانا کِھلایا، بالوں کے کپڑے پہنے۔ (عربی) گدھے پر سواری فرمائی اور اپنے پیچھے دوسرے کو بٹھایا۔

اور زمین پر (دسترخوان بچھاکر) کھانا کھایا اور کھانے کے بعد اپنی اُنگلیوں کو (زبان سے) چاٹا اور یہ سب امور آپ نے تواضع کے طور پر اختیار فرمائے صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ۔ اللہ تعالیٰ ہی آپ پر دُرود و سَلام بھیجے ؎

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

(۴۸) نزھۃ البساتین میں حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ کو سفر میں پیاس معلوم ہوئی اور شدّتِ پیاس سے بے ہوش ہوکر گر پڑا۔ کسی نے میرے منہ پر پانی چھڑکا۔ مَیں نے آنکھیں کھولیں تو ایک مَردِ حسین خوب رُو کو گھوڑے پر سوار دیکھا، اُس نے مجھ کو پانی پلایا اور کہا میری ساتھ رہو۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اُس جوان نے مجھ سے کہا تم کیا دیکھتے ہو۔ مَیں نے کہا یہ مدینہ ہے۔ اُس نے کہا اُتر جاؤ، میرا سلام حضرت رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنا اور عرض کرنا آپ کا بھائی خضر آپ کو سَلام کہتا ہے۔

شیخ ابوالخیر اقطع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مَیں مدینہ منوّرہ میں آیا، پانچ دن وہاں قیام کیا، کچھ مجھ کو ذوق و لطف حاصل نہ ہوا۔ مَیں قبرِ شریف کے پاس حاضر ہوا اور حضرت رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سلام کیا اور عرض کیا اے رسُولَ اللہ آج میں آپ کا مہمان ہوں۔ پھر وہاں سے ہٹ کر منبر کے پیچھے سو رہا۔ خواب میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کی داہنی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کی بائیں جانب تھے۔ اور حضرت علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہٗ آپ کے آگے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ کو ہِلایا اور فرمایا کہ اُٹھ

حضور رسُولِ خدا ﷺ تشریف لائے ہیں، مَیں اُٹھا اور حضرت کے دونوں آنکھوں کے درمیان چوما۔ حضورؐ نے ایک روٹی مجھ کو عنایت فرمائی، مَیں نے آدھی کھائی اور جاگا تو آدھی میرے ہاتھ میں تھی۔

یہ شیخ ابوالخیرؒ کا قصّہ علّامہ سخاویؒ نے قولِ بدیع میں بھی نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نزہۃ کے ترجمہ میں کچھ تسامح ہوا۔ قول بدیع کے الفاظ یہ ہیں اقمت خمسۃ ایام ماذقت ذواقاً جس کا ترجمہ یہ ہے کہ میں پانچ دن رہا اور مجھے ان دنوں میں کوئی چیز چکھنے کو بھی نہیں ملی، ذوق وشوق حاصل نہ ہونا ترجمہ کا تسامح ہے۔ اس ناکارہ کے رسالہ فضائلِ حج کے زیارتِ مدینہ کے قصّوں میں ص۸ پر بھی یہ قصّہ گزر چکا ہے اور اس میں اسی نوع کا ایک قصّہ ص۲۳ پر ابن الجلا کا بھی وفاء الوفاء سے گزر چکا ہے۔ اور اِس نوع کے اور بھی متعدد قصّے اکابر کے ساتھ پیش آچکے ہیں جو وفاء الوفاء میں کثرت سے ذکر کئے گئے ہیں۔

ہمارے حضرتِ اقدس شیخ المشائخ مسندِ ہند امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نوراللہ مرقدہٗ اپنے رسالہ حرزِ ثمین فی مبشرات النبی الامین جس میں اُنہوں نے چالیس۴۰ خواب یا مکاشفات اپنے یا اپنے والد ماجد کے حضورِ اقدس ﷺ کی زیارت کے سلسلہ میں تحریر فرمائے ہیں، اُس میں ص۱۲ پر تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز مجھے بہت ہی بھوک لگی (نہ معلوم کتنے دن کا فاقہ ہوگا) مَیں نے اللہ جلّ شانہٗ سے دُعا کی تو مَیں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کی رُوحِ مقدّس آسمان سے اُتری اور حضورِ اقدس ﷺ

کے ساتھ ایک روٹی تھی گویا اللہ جلّ شانہٗ نے حضورؐ کو اِرشاد فرمایا تھا کہ یہ روٹی مجھے مرحمت فرمائیں۔

ص۱۳ پر تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن مجھے رات کو کھانے کو کچھ نہیں ملا تو میرے دوستوں میں سے ایک شخص دودھ کا پیالہ لایا جس کو مَیں نے پیا اور سو گیا۔ خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ وہ دُودھ مَیں نے ہی بھیجا تھا، یعنی مَیں نے توجّہ سے اُس کے دل میں یہ بات ڈالی تھی کہ وہ دُودھ لے کر جائے۔

اور جب اکابر صوفیہ کی توجّہات معروف و متواتر ہیں تو پھر سیّد الاوّلین والآخرین ﷺ کی توجّہ کا کیا پُوچھنا۔

حضرت شاہ صاحب ص۱۵ پر تحریر فرماتے ہیں کہ میرے والد نے مجھ سے بتایا کہ وہ ایک دفعہ بیمار ہوئے تو خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی۔ حضورؐ نے اِرشاد فرمایا میرے بیٹے کیسی طبیعت ہے۔ اس کے بعد شفاء کی بشارت عطا فرمائی اور اپنی ڈاڑھی مبارک میں سے دو بال مرحمت فرمائے۔ مجھے اسی وقت صحت ہوگئی اور جب میری آنکھ کھُلی تو وہ دونوں بال میرے ہاتھ میں تھے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ والد صاحب نوّراللہ مرقدہٗ نے ان دو بالوں میں سے ایک مجھے مرحمت فرمایا تھا۔

اسی طرح شاہ صاحب ص۱۸ پر تحریر فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد صاحب نے اِرشاد فرمایا کہ ابتدائے طالبِ علمی میں مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ مَیں ہمیشہ روزہ رکھا کروں، مگر مجھے اس میں علماء کے اختلاف کی وجہ سے تردّد تھا

کہ ایسا کروں یا نہ کروں۔ مَیں نے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کی۔ حضورِ اقدس ﷺ نے مجھے خواب میں ایک روٹی مرحمت فرمائی۔ حضراتِ شیخَین وغیرہ تشریف فرما تھے۔ حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا الھدایا مشترکۃ۔ مَیں نے وہ روٹی اُن کے سامنے کر دی۔ اُنہوں نے ایک ٹکڑا توڑ لیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا الھدایا مشترکۃ۔ میں نے وہ روٹی ان کے سامنے کر دی۔ انہوں نے بھی ایک ٹکڑا توڑ لیا۔ پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا الھدایا مشترکۃ۔ میں نے عرض کیا کہ اگر یہی الھدایا مشترکۃ رہا یہ روٹی تو اِسی طرح تقسیم ہو جائے گی مجھ فقیر کے پاس کیا بچے گا۔

حرزِ ثمین میں تو یہ قصّہ اِتنا ہی لکھا ہے لیکن حضرت کی دوسری کتاب انفاس العارفین میں کچھ اور بھی تفصیل ہے، وہ یہ کہ مَیں نے سونے سے اُٹھنے کے بعد اس پر غور کیا کہ اس کی کیا وجہ کہ حضراتِ شیخین کے کہنے پر تو میں نے روٹی ان کے سامنے کر دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فرمانے پر انکار کر دیا۔ میرے ذہن میں اس کی یہ وجہ آئی کہ میری نسبتِ نقشبندیہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے ملتی ہے اور میرا سلسلۂ نسب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے ملتا ہے۔ اس لئے اِن دونوں حضرات کے سامنے تو مجھے انکار کی جرأت نہیں ہوئی اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میرا نہ تو سلسلۂ سلوک ملتا تھا نہ سلسلۂ نسب، اس لئے وہاں بولنے کی جرأت ہو گئی۔ فقط۔

یہ حدیث الھدایا مشترکۃ والی محدّثین کے نزدیک تو متکلّم فیہ ہے اور اس کے متعلق اپنے رسالہ فضائلِ حج کے ختم پر بھی دو قصّے، ایک قصّہ ایک

بزرگ کا اور دوسرا قصّہ حضرت امام ابو یوسف فقیہ الامّت کا لکھ چکا ہوں اس جگہ اس حدیث سے تعرض نہیں کرنا تھا اس جگہ تو یہ بیان کرنا تھا کہ اَجْوَدُ النَّاسِ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ عَلَیْہِ اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ وَالتَّسْلِیْم کی اُمّت پر مادّی برکات بھی روز افزوں ہیں۔

حضرت شاہ صاحب اپنے رسالہ حرزِ ثمین میں ۱۹ پر تحریر فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے ارشاد فرمایا کہ وہ رمضان المبارک میں سفر کر رہے تھے، نہایت شدید گرمی تھی جس کی وجہ سے بہت ہی مشقت اُٹھانی پڑی۔ اسی حالت میں مجھے اونگھ آگئی تو نبی کریم ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ حضورؐ نے بہت ہی لذیذ کھانا جس میں چاول اور میٹھا اور زعفران اور گھی خوب تھا (نہایت لذیذ زردہ) مرحمت فرمایا جس کو خوب سیر ہو کر کھایا۔ پھر حضورؐ نے پانی مرحمت فرمایا جس کو خوب سیر ہو کر پیا جس سے بھوک پیاس سب جاتی رہی اور جب آنکھ کھلی تو میرے ہاتھوں میں سے زعفران کی خوشبو آرہی تھی۔ (اھ)

اِن قصّوں میں کچھ تردّد نہ کرنا چاہیئے اِس لئے کہ احادیث صومِ وصال میں اِنِّیْ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ (مجھے میرا ربّ کھلاتا اور پلاتا ہے) میں ان چیزوں کا ماخذ اور اصل موجود ہے۔ اور حضورؐ کا یہ اِرشاد اِنِّیْ لَسْتُ کَھَیْئَتِکُمْ (کہ مَیں تم جیسا نہیں ہوں) عوام کے اعتبار سے ہے۔ اگر کسی خوش نصیب کو یہ کرامت حاصل ہو جائے تو کوئی مانع نہیں۔ اہلِ سُنّت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ کراماتِ اولیاء حق ہیں۔ قرآنِ پاک میں حضرت

مریم علیہا السّلام کے قصّہ میں کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَکَرِیَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا الآیۃ وارد ہے۔ یعنی جب بھی حضرت زکریّا علیہ السلام ان کے پاس تشریف لے جاتے تو اُن کے پاس کھانے پینے کی چیزیں پاتے اور اُن سے دریافت فرماتے کہ اے مریم یہ چیزیں تمہارے پاس کہاں سے آئیں۔ وہ کہتیں کہ اللہ تعالےٰ کے پاس سے آتی ہیں بیشک اللہ تعالےٰ جس کو چاہتے ہیں بے استحقاق رزق عطا فرماتے ہیں۔ درمنثور کی روایات میں اس رزق کی تفاصیل وارد ہوئی ہیں کہ بغیر موسم کے انگوروں کی زنبیل بھری ہوئی ہوتی تھی اور گرمی کے زمانہ میں سردی کے پھل اور سردی کے زمانہ میں گرمی کے پھل ؎

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

(۴۹) نزہتہ المجالس میں ایک عجیب قصّہ لکھا ہے کہ رات اور دن میں آپس میں مناظرہ ہوا کہ ہم میں سے کونسا افضل ہے۔ دن نے اپنی افضلیت کے لئے کہا کہ میرے میں تین فرض نمازیں ہیں اور تیرے میں دو اور مجھ میں جمعہ کے دن ایک ساعتِ اجابت ہے جس میں آدمی جو مانگے وہ ملتا ہے (یہ صحیح اور مشہور حدیث ہے) اور میرے اندر رمضان المبارک کے روزے رکھے جاتے ہیں، تو لوگوں کے لئے سونے اور غفلت کا ذریعہ ہے اور میری ساتھ تیقظ اور چوکنّا پن ہے اور مجھ میں حرکت ہے اور حرکت میں برکت ہے۔ اور میرے میں آفتاب نکلتا ہے جو ساری دنیا کو رَوشن کر دیتا ہے۔ رات نے کہا کہ اگر تو اپنے آفتاب پر فخر کرتا ہے تو میرے آفتاب اللہ والوں کے قلوب ہیں اہلِ تہجد اور اللہ کی حِکمتوں میں غور کرنے والوں کے قلوب ہیں، تو ان عاشقوں

کے شراب تک کہاں پہنچ سکتا ہے جو خلوت کے وقت میں میرے ساتھ ہوتے ہیں۔ تُو معراج کی رات کا کیا مقابلہ کرسکتا ہے۔ تو اللہ جلّ شانہٗ کے پاک اِرشاد کا کیا جواب دیگا جو اُس نے اپنے پاک رسُول ﷺ سے فرمایا وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ کہ رات کو تہجد پڑھئے جو بطورِ نافلہ کے ہے آپ کیلئے، اللہ نے مجھے تجھ سے پہلے پیدا کیا۔ میرے اندر لیلۃ القدر ہے جس میں مالک کی نامعلوم کیا کیا عطائیں ہوتی ہیں اللہ کا پاک اِرشاد ہے کہ وہ ہر رات کے آخری حصّہ میں یوں ارشاد فرماتا ہے کوئی ہے مانگنے والا جس کو دوں۔ کوئی ہے توبہ کرنے والا جس کی توبہ قبول کروں۔ کیا تجھے اللہ کے اس پاک ارشاد کی خبر نہیں یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا کیا تجھے اللہ کے اس ارشاد کی خبر نہیں کہ جس میں اللہ نے ارشاد فرمایا سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی پاک ہے وہ ذات جو رات کو لے گیا اپنے بندے کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصٰے تک۔

یقیناً حضورِ اقدس ﷺ کے معجزات میں معراج کا قصّہ بھی ایک بڑی اہمیّت اور بڑی خصوصیت رکھتا ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفا میں فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ کے فضائل میں معراج کی کرامت بہت ہی اہمیّت رکھتی ہے اور بہت ہی فضائل کو متضمن ہے۔ اللہ جلّ شانہٗ سے سرگوشی، اللہ تعالیٰ شانہٗ کی زیارت، انبیاء کرام کی امامت اور سدرۃ المنتہٰی تک تشریف بری لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی کہ اِس جگہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی بڑی بڑی نشانیوں کی سیر کی۔ یہ معراج کا قصّہ حضورِ اقدس ﷺ کی

خصوصیات میں سے ہے اور اس قصّہ میں جتنے درجاتِ رفیعہ جن پر قرآنِ پاک اور احادیثِ صحیحہ میں روشنی ڈالی گئی ہے یہ سب حضورِ اقدس ﷺ کی خصوصیات ہیں۔ اِس قصّہ کو صاحبِ قصیدہ بردہ نے مختصراً لکھا ہے اور جس کو حضرت تھانوی نوّراللہ مرقدہٗ نے مع ترجمہ کے نشر الطیب میں ذکر کیا ہے اسی سے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

﴿مِنَ الْقَصِیْدَۃ﴾

سَرَیْتَ مِنْ حَرَمٍ لَیْلًا اِلٰی حَرَمٍ
کَمَا سَرَی الْبَدْرُ فِیْ دَاجٍ مِّنَ الظُّلَمِ

﴿ترجمہ﴾ آپ ایک شب میں حرم شریف مکّہ سے حرم محترم مسجدِ اقصیٰ تک (باوجودیکہ ان میں فاصلہ چالیس روز کے سفر کا ہے) ایسے (ظاہر و باہر تیز رَو کمال نورانیت وارتفاع کدورت کے ساتھ) تشریف لے گئے جیساکہ بدر تاریکی کے پردہ میں نہایت درخشانی کے ساتھ جاتا ہے۔

وَبِتَّ تَرْقٰی اِلٰی اَنْ نِلْتَ مَنْزِلَۃً
مِنْ قَابِ قَوْسَیْنِ لَمْ تُدْرَکْ وَلَمْ تُرَمِ

اور آپ نے بحالتِ ترقی رات گزاری اور یہاں تک ترقی فرمائی کہ ایسا قُربِ الٰہی حاصِل کیا کہ جس پر مقربانِ درگاہِ خداوندی سے کوئی نہیں پہنچایا گیا تھا۔ بلکہ اِس مرتبہ کا بسبب غایت رفعت کِسی نے قصد بھی نہیں کیا تھا۔

وَقَدَّمَكَ جَمِيْعُ الْاَنْبِيَاءِ بِهَا
وَالرُّسُلِ تَقْدِيْمَ مَخْدُوْمٍ عَلٰى خَدَمٍ

اور آپ کو مسجدِ بیت المقدس میں تمام انبیاء و رُسل نے اپنا امام و پیشوا بنایا جیسا مخدوم خادموں کا امام و پیشوا ہوتا ہے۔

وَاَنْتَ تَخْتَرِقُ السَّبْعَ الطِّبَاقَ بِهِمْ
فِيْ مَوْكَبٍ كُنْتَ فِيْهِ صَاحِبَ الْعَلَمِ

اور (منجملہ آپ کی ترقیات کے یہ امر ہے کہ) آپ سات آسمانوں کو طے کرتے جاتے تھے جو ایک دوسرے پر ہے ایسے لشکر ملائکہ میں (جو بلحاظِ آپ کی عظمت و شان و تالیفِ قلبِ مبارک آپ کے ہمراہ تھا اور) جس کے سردار اور صاحبِ عَلَم آپ ہی تھے۔

حَتّٰى اِذَا لَمْ تَدَعْ شَاْوًا لِمُسْتَبِقٍ
مِنَ الدُّنُوِّ وَلَا مَرْقًا لِمُسْتَنِمِ

(آپ رُتبۂ عالی کی طرف برابر ترقّی کرتے رہے اور آسمانوں کو برابر طے کرتے رہے) یہاں تک کہ جب آگے بڑھنے والے کی قُرب و منزلت کی نہایت نہ رہی اور کسی طالبِ رفعت کے واسطے کوئی موقع ترقی کا نہ رہا تو:

خَفَضْتَ كُلَّ مَكَانٍ بِالْاِضَافَةِ اِذْ
نُوْدِيْتَ بِالرَّفْعِ مِثْلَ الْمُفْرَدِ الْعَلَمِ

(جس وقت آپ کی ترقّیات نہایت درجہ کو پہنچ گئیں تو آپ نے ہر مقامِ انبیاء کو یا ہر صاحبِ مقام کو) بنسبت اپنے مرتبہ کے جو خداوندِ تعالیٰ

سے عنایت ہوا پست کر دیا جبکہ آپ اُدْنُ (یعنی قریب آجا) کہہ کر واسطے ترقی مرتبہ کے مثل یکتا و نامور شخص کے پکارے گئے۔

كَيْمَا تَفُوْزَ بِوَصْلٍ اَیَّ مُسْتَتِرٍ
عَنِ الْعُيُوْنِ وَسِرٍّ اَیَّ مُكْتَتِمِ

(یہ ندا یا محمد کی اِس لئے تھی) تاکہ آپ کو وہ وصل حاصل ہو جو نہایت درجہ آنکھوں سے پوشیدہ تھا (اور کوئی مخلوق اس کو دیکھ نہیں سکتی) اور تاکہ آپ کامیاب ہوں اس اچھے بھید سے جو غایت مرتبہ پوشیدہ ہے۔

﴿عطر الوردہ﴾

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

یہاں تک تو حضرت نے قصیدہ بردہ سے معراج کا قصّہ نقل فرمایا اور عطر الوردہ جو قصیدہ بردہ کی اُردو شرح حضرت شیخ الہند مولانا الحاج محمود الحسن صاحب دیوبندی قدس سرہٗ کے والد ماجد حضرت مولانا ذوالفقار علی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے اس سے ترجمہ نقل کیا، اس کے بعد آخری شعر یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ الخ تحریر فرما کر اپنی طرف سے عبارتِ ذیل کا اضافہ کیا ہے۔

ولنختم الكلام على وقعة الاسراء بالصلوٰة على سيد اهل الاصطفاء
وآله واصحابه اهل الاجتباء ما دامت الارض والسماء

جس کا ترجمہ یہ ہے ہم ختم کرتے ہیں معراج والے قصّہ پر کلام کو

دُرود شریف کے ساتھ اُس ذات پر جو سردار ہے سارے برگزیدہ لوگوں کی اور
ان کے آل و اصحاب پر جو منتخب ہستیاں ہیں جب تک کہ آسمان اور زمین
قائم رہیں ؎

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

⑤ اس سیاہ کار کو ان فضائل کے رسائل لکھنے کے زمانہ میں بعض مرتبہ خود کو اور بعض مرتبہ بعض دوسرے احباب کو کچھ منامات اور مبشرات بھی آئے۔ اِس رسالہ فضائلِ دُرود کے لکھنے کے زمانہ میں ایک رات خواب میں یہ دیکھا کہ مجھے یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ اس رسالہ میں قصیدہ ضرور لکھیو لیکن قصیدہ کی تعیین نہیں معلوم ہو سکی۔ البتّہ خود اس ناکارہ کے ذہن میں خواب ہی میں یا جاگتے وقت دو خوابوں کے درمیان میں۔ اس لئے کہ اسی وقت دوبارہ بھی اسی قسم کا خواب دیکھا تھا۔ یہ خیال آیا کہ اس کا مصداق مولانا جامی نوّر اللہ مرقدہٗ کی وہ مشہور نعت ہے جو یوسف زلیخا کے شروع میں ہے۔ جب اس ناکارہ کی عمر تقریباً دس گیارہ سال کی تھی، گنگوہ میں اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ کتاب پڑھی تھی اسی وقت ان کی زبانی اس کے متعلّق ایک قصّہ بھی سنا تھا اور وہ قصّہ ہی خواب میں اس کی طرف ذہن کے منتقل ہونے کا داعیہ بنا۔ قصّہ یہ سُنا تھا کہ مولانا جامی نور اللہ مرقدہٗ و اعلی اللہ مراتبہٗ یہ نعت کہنے کے بعد جب ایک مرتبہ حج کے لئے تشریف لے گئے تو ان کا ارادہ یہ تھا کہ رَوضۂ اقدس کے پاس کھڑے ہو کر اس نظم کو پڑھیں گے۔ جب حج کے بعد مدینہ منورہ کی حاضری کا ارادہ کیا تو امیرِ مکّہ نے خواب میں حضورِ اقدس ﷺ کی

زیارت کی۔ حضورِ اقدس ﷺ نے خواب میں ان کو یہ اِرشاد فرمایا کہ اس کو (جامی کو) مدینہ نہ آنے دیں۔ امیرِ مکّہ نے ممانعت کر دی۔ مگر اُن پر جذب و شوق اِس قدر غالب تھا کہ یہ چُھپ کر مدینہ منوّرہ کی طرف چل دیئے۔ امیرِ مکّہ نے دوبارہ خواب دیکھا۔ حضورؐ نے فرمایا وہ آرہا ہے اس کو یہاں نہ آنے دو۔ امیر نے آدمی دَوڑائے اور اُن کو راستہ سے پکڑوا کر بُلایا، اُن پر سختی کی اور جیل خانہ میں ڈال دیا۔ اس پر امیر کو تیسری مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ کی زیارت ہوئی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا یہ کوئی مجرم نہیں بلکہ اس نے کچھ اشعار کہے ہیں جن کو یہاں آکر میری قبر پہ کھڑے ہو کر پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے، اگر ایسا ہوا تو قبر سے مصافحہ کے لئے ہاتھ نکلے گا جس میں فتنہ ہوگا۔ اس پر اُن کو جیل سے نکالا گیا اور بہت اعزاز و اکرام کیا گیا۔

اس قصّہ کے سُننے میں یا یاد میں تو اِس ناکارہ کو تردّد نہیں لیکن اس وقت اپنے ضعفِ بینائی اور امراض کی وجہ سے مراجعتِ کتب سے معذوری ہے، ناظرین میں سے کسی کو کسی کتاب میں اِس کا حوالہ اِس ناکارہ کی زندگی میں ملے تو اِس ناکارہ کو بھی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں اور مرنے کے بعد اگر ملے تو حاشیہ اضافہ فرمادیں۔ اِس قصّہ ہی کی وجہ سے اِس ناکارہ کا خیال اِس نعت کی طرف گیا تھا اور اب تک یہی ذہن میں ہے اور اس میں کوئی اِستبعاد نہیں۔

سیّد احمد رفاعی مشہور بزرگ اکابر صوفیہ میں سے ہیں ان کا قصّہ مشہور ہے کہ جب ۵۵۵ھ میں وہ زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور قبرِ اطہر کے

قریب کھڑے ہوکر دو شعر پڑھے تو دستِ مبارک باہر نکلا اور اُنہوں نے اُس کو چُوما۔

اِس ناکارہ کے رسالہ فضائلِ حج کے حکایاتِ زیارتِ مدینہ کے سلسلہ میں نمبر ۱۳ پر یہ قصّہ مفصّل علّامہ سیوطی کی کتاب الحاوی سے گزر چکا ہے اور بھی متعدد قصّے اس میں روضۂ اقدس سے سَلام کا جواب ملنے کے ذکر کئے گئے ہیں۔ بعض دوستوں کا خیال یہ ہے کہ میرے خواب کا مصداق قصیدہ بُردہ ہے، اسی لئے اس سے پہلے نمبر پر چند اشعار اُس سے بہ سلسلۂ معراج نقل کر دیئے۔ اور بعض دوستوں کی رائے یہ ہے کہ حضرت نانَوتوی نوّراللہ مرقدہٗ کے قصائد میں سے کوئی قصیدہ مراد ہے اِس لئے خیال ہے کہ مولانا جامیؒ کی نعت کے بعد حضرتِ اقدس مولانا نانَوتوی نوّراللہ مرقدہٗ کے قصائدِ قاسمی میں سے بھی کچھ اشعار نقل کر دوں اور انہیں پر اس رسالہ کو ختم کر دوں۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

مولانا جامی کا قصیدہ فارسی میں ہے اور ہمارے مدرسہ کے ناظم مولانا الحاج اسعداللہ صاحب فارسی سے خصوصیت کے ساتھ ساتھ اشعار سے بھی خصوصی مناسبت رکھتے ہیں اور حضرتِ اقدس حکیم الاُمت مولانا اشرف علی صاحب نوّراللہ مرقدہٗ کے جلیل القدر خلفاء میں ہیں جس کی وجہ سے عشقِ نبوی کا جذبہ بھی جتنا ہو برمحل ہے۔ اس لئے مَیں نے مولانا موصوف سے درخواست کی تھی کہ وہ اس کا ترجمہ فرما دیں جو اِس نعت کی شان کے مناسب ہو۔ مولانا نے اس کو قبول فرمالیا۔ اس لئے ان اشعار کے بعد

ان کا ترجمہ بھی پیش کر دیا جائے گا اور اس کے بعد قصائدِ قاسمی کے چند اشعار لکھ دیئے جائیں گے۔

مثنوی مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ

زمہجوری برآمد جانِ عالم ① ترحّم یا نبی اللہ ترحّم
نہ آخر رحمۃٌ لّلعالمینی ② زمحرومان چرا غافل نشینی
زخاک اے لالۂ سیراب برخیز ③ چو نرگس خواب چند از خواب برخیز
بروں آور سر از بردِ یمانی ④ کہ روئے تست صبحِ زندگانی
شبِ اندوہِ مارا روز گرداں ⑤ زرویت روزِ ما فیروز گرداں
بہ تن در پوش عنبر بوئے جامہ ⑥ بسر بر بند کافوری عمامہ
فرود آویز از سر گیسواں را ⑦ فگن سایہ بپا سروِ رواں را
ادیمِ طائفے نعلین پاکن ⑧ شراک از رشتۂ جانہائے ماکن
جہانے دیدہ کردہ فرشِ راہ اند ⑨ چو فرش اقبال پابوسِ تو خواہند
زحجرہ پائے در صحنِ حرم نہ ⑩ بفرقِ خاکِ رہ بوساں قدم نہ
بدہ دستی زپا افتادگاں را ⑪ بکن دلدارئیے دلدادگاں را
اگرچہ غرقِ دریائے گناہم ⑫ فتادہ خشک لب بر خاکِ راہم
تو ابرِ رحمتی آں بہ کہ گاہے ⑬ کنی بر حال لب خشکاں نگاہے
خوشا کز گردِ رہ سویت رسیدیم ⑭ بدیدہ گرد از کویت کشیدیم
بمسجد سجدۂ شکرانہ کردیم ⑮ چراغت را زجاں پروانہ کردیم

بگردِ رَوضہ‌ات گشتیم گستاخ ⑯ دلم چُوں پنجرۂ سُوراخ سُوراخ
زدیم از اشکِ ابرِ چشمِ بے خواب ⑰ حریمِ آستانِ رَوضہ‌ات آب
گہے رُفتیم زاں ساحت غبارے ⑱ گہے چیدیم زو خاشاک و خارے
ازاں نورِ سوادِ دیدہ دادیم ⑲ وزیں بر ریش دل مرہم نہادیم
بسوئے منبرت رہ برگرفتیم ⑳ زچہرہ پایہ‌اش در زر گرفتیم
زمحرابت بسجدہ کام جستیم ㉑ قدم گاہت بخون دیدہ شستیم
بپائے ہر ستوں قد راست کردیم ㉒ مقامِ راستاں درخواست کردیم
زداغِ آرزویت بادلِ خوش ㉓ زدیم از دل بہر قندیلِ آتش
کنوں گر تن نہ خاکِ آں حریم است ㉔ بحمداللہ کہ جاں آں جا مقیم است
بخود درماندہ ام از نفس خود رائے ㉕ ببیں درماندۂ چندیں ببخشائے
اگر نبود چو لطفت دست یارے ㉖ زدستِ ما نیاید ہیچ کارے
قضا می افگند از راہ مارا ㉗ خدا را از خدا درخواہ مارا
کہ بخشد از یقیں اوّل حیاتے ㉘ دہد آنگہ بکارِ دیں ثباتے
چو ہَولِ روزِ رُستا خیز خیزد ㉙ باتش آبروئے ما نریزد
کند با ایں ہمہ گمراہیٔ مَا ㉚ ترا اذنِ شفاعت خواہیٔ ما
چو چوگاں سر فگندہ آوری روئے ㉛ بمیدانِ شفاعت امتی گوئے
بحسنِ اہتمامت کارِ جامی
㉜ طفیلِ دیگراں یابد تمامی ○

ترجمہ ﴿ از حضرت مولانا اَسْعَدُ اللہ صاحب ناظم مدرسہ مظاہر علوم

خلیفہ مجاز بیعت از حکیم الاُمّت حضرت مولانا الحاج اشرف علی تھانوی
نوّراللہ مرقدہٗ ﴿

① آپ کے فراق سے کائناتِ عالم کا ذرّہ ذرّہ جاں بلب ہے اور دَم توڑ رہا ہے۔ اے رسُولِ خدا نگاہِ کرم فرمائیے، اے ختم المرسلین رحم فرمائیے۔

② آپ یقیناً رحمۃ للعالمین ہیں ہم حرماں نصیبوں اور ناکامان قسمت سے آپ کیسے تغافل فرما سکتے ہیں۔

③ اے لالۂ خوش رنگ اپنی شادابی اور سیرابی سے عالَم کو مستفید فرمائیے اور خوابِ نرگسیں سے بیدار ہو کر ہم محتاجانِ ہدایت کے قلوب کو منوّر فرمائیے ؎

اے بسرا پردۂ یثرب بخواب　　خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

④ اپنے سرِ مبارک کو یمنی چادروں کے کفن سے باہر نکالئے کیونکہ آپ کا رُوئے انور صبحِ زندگانی ہے۔

⑤ ہماری غمناک رات کو دن بنا دیجئے اور اپنے جمالِ جہاں آرا سے ہمارے دن کو فیروزمندی و کامیابی عطا کر دیجئے۔

⑥ جسمِ اطہر پر حسبِ عادت عنبر بیز لباس آراستہ فرمائیے اور سفید کافوری عمامہ زیبِ سَر فرمائیے۔

⑦ اپنی عنبر بار و مشکیں زلفوں کو سرِ مبارک سے لٹکا دیجئے تاکہ اُن کا سایہ آپ کے بابرکت قدموں پر پڑے (کیونکہ مشہور ہے کہ قامتِ اطہر و جسمِ انور کا سایہ نہ تھا لہٰذا گیسوئے شبگوں کا سایہ ڈالئے)

⑧ حسبِ دستور طائف کے مشہور چمڑے کی مبارک نعلین (پاپوش) پہنئے

اور اُن کے تسمے اور پٹیاں ہمارے رشتۂ جاں سے بنائیے۔

(۹) تمام عالَم اپنے دیدہ و دل کو فرشِ راہ کئے ہوئے اور بچھائے ہوئے ہے اور فرشِ زمین کی طرح آپ کی قدم بوسی کا فخر حاصل کرنا چاہتا ہے۔

(۱۰) حجرۂ شریف یعنی گنبد خضراء سے باہر آکر صحنِ حرم میں تشریف رکھیئے۔ راہِ مبارک کے خاک بوسوں کے سر پہ قدم رکھیئے۔

(۱۱) عاجزوں کی دستگیری بے کسوں کی مدد فرمایئے اور مخلص عشاق کی دلجوئی و دلداری کیجئے۔

(۱۲) اگرچہ ہم گناہوں کے دریا میں از سرتاپا غرق ہیں لیکن آپ کی راہِ مبارک پر تشنہ و خشک لب پڑے ہیں۔

(۱۳) آپ ابرِ رحمت ہیں شایانِ شانِ گرامی ہے کہ پیاسوں اور تشنہ لبوں پر ایک نگاہِ کرم بار ڈالی جائے۔

اب اگلے اشعار کے ترجمہ سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اکثر حضرات کا تو خیال ہے کہ حضرت جامیؒ یہاں سے زمانۂ گزشتہ کی زیارتِ مقدّسہ کا حال بیان فرماتے ہیں اور بعض کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ آئندہ کے لئے تمنّا فرما رہے ہیں۔ حضرتِ اقدس شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ کا رجحان اسی طرف ہے اسی لئے اب ترجمہ میں اس کی رعایت کیجائیگی۔

(۱۴) ہمارے لئے کیسا اچھا وقت ہوتا کہ ہم گردِ راہ سے آپ کی خدمتِ گرامی میں پہنچ جاتے اور آنکھوں میں آپ کے کوچۂ مبارک کی خاک کا سُرمہ لگاتے ؎

وہ دن خدا کرے کہ مدینہ کو جائیں ہم　　خاکِ درِ رسُول کا سُرمہ لگائیں ہم

⑮ مسجد نبوی میں دوگانۂ شکر ادا کرتے، سجدۂ شکر بجالاتے، روضۂ اقدس کی شمعِ روشن کا اپنی جانِ حزیں کو پروانہ بناتے۔

⑯ آپ کے روضۂ اطہر اور گنبدِ خضراء کے اس حال میں مستانہ اور بیتابانہ چکر لگاتے کہ دل صد مہائے عشق اور وفورِ شوق سے پاش پاش اور چھلنی ہوتا۔

⑰ حریمِ قدس اور روضۂ پُرنور کے آستانۂ محترم پر اپنی بے خواب آنکھوں کے بادلوں سے آنسو برساتے اور چھڑکاؤ کرتے۔

⑱ کبھی صحنِ حرم میں جھاڑو دے کر گرد و غبار کو صاف کرنے کا فخر اور کبھی وہاں کے خس و خاشاک کو دُور کرنے کی سعادت حاصل کرتے۔

⑲ گو گرد و غبار سے آنکھوں کو نقصان پہنچتا ہے، مگر ہم اس سے مردمکِ چشم کے لئے سامانِ روشنی مہیا کرتے اور گو خس و خاشاک زخموں کے لئے مُضر ہے مگر ہم اس کو جراحتِ دل کے لئے مرہم بناتے۔

⑳ آپ کے منبر شریف کے پاس جاتے اور اس کے پائے مبارک کو اپنے عاشقانہ زرد چہرے سے مَل مَل کر زرّین و طلائی بناتے۔

㉑ آپ کے مُصلائے مُبارک و محراب شریف میں نماز پڑھ پڑھ کر تمنائیں پُوری کرتے اور حقیقی مقاصد میں کامیاب ہوتے اور مُصلّے میں جس جائے مقدس پر آپ کے قدمِ مُبارک ہوتے تھے اُس کو شوق کے اشکِ خونیں سے دھوتے۔

㉒ آپ کی مسجدِ اطہر کے ہر ستون کے پاس ادب سے سیدھے کھڑے ہوتے اور صدیقین کے مرتبہ کی درخواست و دُعا کرتے۔

㉓ آپ کی دل آویز تمناؤں کے زخموں اور دل نشین آرزوؤں کے داغوں سے

(جو ہمارے دل میں ہیں۔۔) انتہائی مسرت کے ساتھ ہر قندیل کو رَوشن کرتے۔

(۲۴) اب اگرچہ میرا جسم اس حریم انور و شبستانِ اطہر میں نہیں ہے لیکن خُدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ رُوح وہیں ہے۔

(۲۵) مَیں اپنے خود بین وخود رائے نفسِ اَمّارہ سے سخت عاجز آچکا ہوں ایسے عاجز دبیکس کی جانب التفات فرمایئے اور بخشش کی نظر ڈالئے۔

(۲۶) اگر آپ کے الطافِ کریمانہ کی مدد شامل حال نہ ہوگی تو ہم عضوِ معطل ومفلوج ہوجائیں گے اور ہم سے کوئی کام انجام نہ پاسکے گا۔

(۲۷) ہماری بدبختی ہمیں صراطِ مستقیم و راہِ خدا سے بھٹکا رہی ہے۔ خدارا ہمارے لئے خداوندِ قدوس سے دُعا فرمایئے۔

(۲۸) (یہ دُعا فرمایئے) کہ خداوندِ قدوس اوّلاً ہم کو پختہ یقین اور کامل اعتقاد کی عظیم الشان زندگی بخشے اور پھر احکام دین میں مکمل استقلال اور پُوری ثابت قدمی عطا فرمائے۔

(۲۹) جب قیامت کی حشر خیزیاں اور اُس کی زبردست ہَولناکیاں پیش آئیں تو مالکِ یَوم الدّین، رحمٰن ورحیم ہم کو دوزخ سے بچاکر ہماری عزت بچائے۔

(۳۰) اور ہماری غلط روی اور صغیرہ وکبیرہ گناہوں کے باوجود آپ کو ہماری شفاعت کے لئے اجازت مرحمت فرمائے کیونکہ بغیر اس کی اجازت، شفاعت نہیں ہوسکتی ہے۔

(۳۱) ہمارے گناہوں کی شرم سے آپ سرخمیدہ چوگاں کی طرح میدان شفاعت میں سرجھکاکر (نفسی نفسی نہیں بلکہ) یَارَبِّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ فرماتے ہوئے

تشریف لائیں۔

(۳۲) آپ کے حسنِ اہتمام اور سعیِ جمیل سے دوسرے مقبول بندگانِ خدا کے صدقہ میں غریب جامی کا بھی کام بن جائے گا ؎

شنیدم کہ در روزِ امید و بیم
بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

الحمد للہ حضرت شیخ کی توجّہ و برکت سے اُلٹا سیدھا ترجمہ ختم ہوگیا۔

صبح ۲۶ ذیقعد ۸۴ھ

(انتہیٰ از مولانا اسعد اللہ صاحب زاد مجدہٗ)

اس کے بعد قصائدِ قاسمی میں سے حضرتِ اقدس حجۃ الاسلام مولانا محمّد قاسم صاحب بانی دارالعلوم دیوبند نوّر اللہ مرقدہٗ کے مشہور قصیدۂ بہاریہ میں سے چند اشعار پیش کرتا ہوں جیسا کہ اُوپر لکھا جا چکا ہے۔ یہ قصیدہ بہت طویل ہے۔ ڈیڑھ سو سے زائد اشعار اس قصیدہ کے ہیں اس لئے سب کا لکھنا تو موجبِ طول تھا۔ جو صاحب پُورا دیکھنا چاہیں اصل قصیدہ کو ملاحظہ فرمائیں۔ اس میں سے ساٹھ اشعار سے کچھ زائد پر اکتفا کیا جا رہا ہے جس سے حضرت قدس سرّہٗ کی والہانہ محبّت اور عشقِ نبوی کا اندازہ ہوتا ہے۔

نہووے نغمہ سرا کِس طرح سے بلبلِ زار ‖ کہ آئی ہے نئے سر سے چمن چمن میں بہار
ہر اِک کو حسبِ لیاقت بہار دیتی ہے ‖ کِسی کو بَرگ کسی کو گُل اور کِسی کو بار
خوشی سے مرغِ چمن ناچ ناچ گاتے ہیں ‖ کفِ ورق سے بجاتے ہیں تالیاں اشجار
بجھائی ہے دلِ آتش کی بھی تپش یارب ‖ کرم میں آپ کو دشمن سے بھی نہیں انکار

یہ قدرِ خاک ہے ہیں باغ باغ وہ عاشق — کبھی رہے تھا سدا جن کے دل کے بیچ غبار
یہ سبزہ زار کا رتبہ ہے شجرۂ موسیٰ علیہ السلام — بنا ہے خاص تجلّی کا مطلعِ انوار
اسی لئے چمنستاں میں رنگِ مہندی نے — کیا ظہور ورق ہائے سبزہ میں ناچار
پہنچ سکے شجرِ طور کو کہیں طوبےٰ — مقامِ یار کو کب پہنچے مسکنِ اغیار
زمین و چرخ میں ہو کیوں نہ فرق چرخ و زمیں — یہ سب کا بار اُٹھائے وہ سب کے سر پر بار
کرے ہے ذرّہ کوئے محمّدی سے خجل — فلک کے شمس و قمر کو زمین لیل و نہار
فلک پہ عیسیٰ و ادریس ہیں تو خیر سہی — زمیں پہ جلوہ نما ہیں محمّدِ مختار
فلک پہ سب سہی پر ہے نہ ثانیٔ احمد — زمیں پہ کچھ نہ ہو پر ہے محمّدی سرکار
ثنا کر اس کی فقط قاسم اور سب کو چھوڑ — کہاں کا سبزہ کہاں کا چمن کہاں کی بہار
الٰہی کس سے بیاں ہو سکے ثنا اُس کی — کہ جس پہ ایسا تری ذاتِ خاص کا ہو پیار
جو تو اسے نہ بناتا تو سارے عالم کو — نصیب ہوتی نہ دَولت وجود کی زنہار
کہاں وہ رتبہ کہاں عقلِ نارسا اپنی — کہاں وہ نورِ خدا اور کہاں یہ دیدۂ زار
چراغِ عقل ہے گُل اُس کے نور کے آگے — زباں کا مُنہ نہیں جو مدح میں کرے گفتار
جہاں کہ جلتے ہوں پرِ عقلِ کُل کے بھی پھر کیا — لگی ہے جان جو پہنچیں وہاں مرے افکار
مگر کرے مری روح القدس مدد گاری — تو اس کی مدح میں مَیں بھی کروں رقم اشعار
جو جبرئیل مدد پر ہو فکر کی میرے — تو آگے بڑھ کے کہوں اے جہان کے سردار
تو فخرِ کون و مکاں زبدۂ زمین و زماں — امیرِ لشکرِ پیغمبراں شہِ ابرار
تو بوئے گُل ہے اگر مثلِ گُل ہیں اور نبی — تو نورِ شمس گر اور انبیاء ہیں شمس و نہار
حیاتِ جان ہے تُو ہیں اگر وہ جانِ جہاں — تو نورِ دیدہ ہے گر ہیں وہ دیدۂ بیدار

طفیل آپ کے ہے کائنات کی ہستی — بجا ہے کہئے اگر تم کو مبدء الآثار
جلو میں تیرے سب آئے عدم سے تا بوجود — قیامت آپ کی تھی دیکھئے تو اِک رفتار
جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں — ترے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار
پہنچ سکا ترے رتبہ تلک نہ کوئی نبی — ہوئے ہیں معجزہ والے بھی اس جگہ ناچار
جو انبیاء ہیں وہ آگے تری نبوّت کے — کریں ہیں اُمّتی ہونے کا یا نبی اقرار
لگا تا ہاتھ نہ پُتلے کو بوالبشر کے خدا — اگر ظہور نہ ہوتا تمہارا آخرِ کار
خدا کے طالبِ دیدار حضرتِ موسیٰؑ — تمہارا لیجے، خدا آپ طالبِ دیدار
کہاں بلندیٔ طور اور کہاں تری معراج — کہیں ہوئے ہیں زمین آسمان بھی ہموار
جمال کو ترے کب پہنچے حُسن یوسفؑ کا — وہ دلربائے زلیخا تو شاہدِ ستّار
رہا جمال پہ تیرے حجابِ بشریّت — نجانا کون ہے کچھ بھی کسی نے جز ستّار
سما سکے تری خلوت میں کب نبی و مَلک — خدا غیور تو اُس کا حبیب اور اغیار
نہ بن پڑا وہ جمال آپ کا سا اک شب بھی — قمر نے گو کہ کروڑوں کئے چڑھاؤ اتار
خوشا نصیب یہ نسبت کہاں نصیب مرے — تو جس قدر ہے بھلا مَیں بُرا اسی مقدار
نہ پہنچیں گنتی میں ہرگز ترے کمالوں کی — مرے بھی عیب شہِ دوسرا شہِ ابرار
عجب نہیں تری خاطر سے تیری اُمّت کے — گناہ ہوویں قیامت کو طاعتوں میں شمار
بکیں گے آپ کی اُمّت کے جُرم ایسے گراں — کہ لاکھوں مغفرتیں کم سے کم پہ ہوں گی نثار
ترے بھروسہ پہ رکھتا ہے غرۂ طاعت — گناہِ قاسمِ برگشتہ بخت بد اطوار
تمہارے حرفِ شفاعت پہ عفو ہے عاشق — اگر گناہ کو ہے خوفِ غصّۂ قہّار
یہ سُن کے آپ شفیعِ گناہ گاراں ہیں — کئے ہیں مَیں نے اکٹھے گناہ کے انبار

ترے لحاظ سے اتنی تو ہو گئی تخفیف — بشر گناہ کریں اور مَلائک استغفار
یہ ہے اجابتِ حق کو تری دُعا کا لحاظ — قضائے مبرم و مشروط کی سُنیں نہ پکار
بُرا ہوں، بَد ہوں، گنہگار ہوں پہ تیرا ہوں — ترا کہیں ہیں مجھے گو کہ ہوں مَیں ناہنجار
لگے ہے تیرے سگِ کو کو میرے نام سے عیب — پہ تیرے نام کا لگنا مجھے ہے عزّ و وقار
تو بہترینِ خلائق، مَیں بَدترینِ جہاں — تو سرورِ دو جہاں، مَیں کمینہ خدمتگار
بہت دنوں سے تمنّا ہے کیجے عرضِ حال — اگر ہو اپنا کسی طرح تیرے در تک بار
مگر جہاں ہو فلک آستاں سے بھی نیچا — وہاں ہو قاسمِ بے بال و پَر کا کیونکہ گزار
دیا ہے حق نے تجھے سب سے مرتبہ عالی — کیا ہے سارے بڑے چھوٹوں کا تجھے سَردار
جو تو ہی ہم کو نہ پُوچھے تو کون پُوچھے گا — بنے گا کون ہمارا ترے سوا غم خوار
لیا ہے سگ نمط ابلیس نے مرا پیچھا — ہوا ہے نفس مُوا سانپ سا گلے کا ہار
رجاؤ خوف کی موجوں میں ہے اُمید کی ناؤ — کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شمار
جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں — مَروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مور و مار
اُڑا کے بادِ مری مُشتِ خاک کو پسِ مرگ — کرے حضورؐ کے رَوضہ کے آس پاس نثار
وَلے یہ رُتبہ کہاں مُشتِ خاکِ قاسم کا — کہ جائے کوچۂ اطہر میں تیرے بن کے غبار
غرض نہیں مجھے اس سے بھی کچھ رہی لیکن — خدا کی اور تری الفت سے میرا سینہ فگار
لگے وہ تیرِ غمِ عشق کا مرے دل میں — ہزار پارہ ہو دل خونِ دل میں ہو سرشار
لگے وہ آتشِ عشق اپنی جان میں جس کی — جلا دے چرخِ ستم گر کو ایک ہی جھونکا
تمہارے عشق میں رو رو کے ہوں نحیف اتنا — کہ آنکھیں چشمۂ آبی سے ہوں درونِ غبار
رہے نہ منصبِ شیخ المشائخی کی طلب — نہ جی کو بھائے یہ دنیا کا کچھ بناؤ سنگار

ہوا اشارہ میں دو ٹکڑے جوں قمر کا جگر ‖ کوئی اشارہ ہمارے بھی دل کے ہو جا پار
تو تھام اپنے تئیں حد سے پانہ دَھر باہر ‖ سنبھال اپنے تئیں اور سنبھل کے گر گفتار
ادب کی جا ہے یہ چُپ ہو تُو اور زبان بند کر ‖ وہ جانے چھوڑ اسے پر نہ کر تو کچھ اصرار
بس اَب دُرود پڑھ اُس پر اور اُس کی آل پہ تو ‖ جو خوش ہو تجھ سے وہ اور اُس کی عترتِ اطہار

الٰہی اس پر اور اس کی تمام آل پہ بھیج
وہ رحمتیں کہ عدد کر سکے نہ ان کو شمار

یہ رسالہ جیسا کہ شروع میں لکھا گیا ۲۵ رمضان المبارک کو شروع کیا گیا تھا۔ ماہِ مبارک کے مشاغل کی وجہ سے اُس وقت تو بسم اللہ اور چند سطور کے علاوہ لکھوانے کا وقت ہی نہیں مِلا۔ اس کے بعد بھی مہمانوں کے ہجوم اور مدرسہ کے ابتدائِ سال کے مشاغِل کی وجہ سے بہت ہی تھوڑا وقت ملتا رہا تاہم تھوڑا بہت سلسلہ چلتا ہی رہا کہ گزشتہ جمعہ کو عزیز محترم مولانا الحاج محمّد یوسُف صاحب کاندھلوی امیرِ جماعتِ تبلیغ کے حادثۂ انتقال سے یہ تخیّل پیدا ہوا کہ اگر یہ ناکارہ بھی اسی طرح بیٹھے بیٹھے چل دیا تو یہ اَوراق جو اَب تک لکھے ہیں یہ بھی ضائع ہو جائیں گے اِس لئے جتنا ہو چکا ہے اسی پر اکتفا کروں اور آج ۶ ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ جمعہ کی صبح کو اس رسالہ کو ختم کرتا ہوں۔ اللہ جلّ شانہٗ اپنے لطف و کرم سے اپنے پاک رسُول کے طفیل جو لغزشیں اِس میں ہوئی ہوں اُن کو معاف فرمائے۔

محمّد زکریّا عفی عنہ کاندھلوی
مقیم مدرسہ مظاہرِ عُلوم

کتبہ محمد اخلاق بن محمد اسحٰق تلمیذ منشی خلیل احمد صبر برنی مقیم مدینہ منورہ
۲۷ ربیع الاوّل سنہ ۱۴۰۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس مبارک رسالہ کی اہمیّت اور اس خصوصی اشاعت کے وجوہ

رسالہ فضائلِ دُرود شریف کے مؤلّف

یہاں حضرتِ مصنّف کا تعارف نہیں کرانا بلکہ مدہوشی دُور کرانے کیلئے صرف چند اُمور کو جتلانا ہے۔ جامعِ شریعت وطریقت اِمامِ وقت قطب الاقطاب شیخ الحدیث علّامہ محمّد زکریا قدس سرہٗ جنھوں نے جامعہ مظاہرِ علوم میں نصف صَدی سے زائد عرصہ حدیثِ پاک کا درس دیا اور اسی عرصہ میں "اَوجز المسالک شرح مؤطا امام مالکؒ" ۱۵ جلدوں میں، "لامع الدراریؒ شرح بخاری ۱۰ جلدوں میں "کوکب الدریؒ شرح ترمذی ۴ جلدوں میں اور "ابواب تراجم بخاری" جیسی عظیم کتب مرتّب فرمائیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ 'اوجز' اور 'لامع' نے متقدمین کی یاد تازہ کردی۔ حجازِ مقدّس اور دیگر عرب ممالک کے مالکی، حنبلی، شافعی علماء نے اس حنفی عالِم کی وسعتِ علم کا کُھل کر اعتراف کیا۔ اُردو میں تبلیغی نصاب کے رسائل عوام کے لئے اور علمی رسائل علماء کے لئے تصنیف فرمائے جن کی مجموعی تعداد سو کے قریب ہے۔

رسالہ فضائلِ دُرود شریف عمر کے کس دَور میں لکھا گیا

تالیف کے وقت حضرتِ مؤلف کی عمرِ شریف ۶۹ (اُنہتر) برس کی تھی جبکہ حدیثِ پاک کی تدریس ابھی تک جاری تھی اور بذل المجہود شرح ابوداود پر حواشی بھی لکھے جارہے تھے، رسالہ فضائلِ دُرود شریف کا مسودہ حضرت مولانا محمد عاقل صاحب صدر مدرس مظاہرِ علوم کے ہاتھ سے لکھواتے تھے کہ خود نزولِ آب کی وجہ سے لکھ نہیں سکتے تھے، اس سے پہلے حضرت کے اکابر، عمر میں بڑے اور ہمعصرِ علم وفضل سب ہی حضرات حضرت کے رسوخ فی العلم والطریقۃ کی شہادتیں، نسبتیں اور مجنتیں دیکر رخصت ہوگئے تھے اور حضرت کو "اذا احب عبدًا نادٰی جبریل" (الحدیث کا سچا مصداق بنا گئے۔ اور پھر اس وقت حضرت ظاہری وباطنی کمالات کی جامعیّت میں ایسا منفرد مقام حاصل کرچکے تھے کہ حضرت کو حدیث "کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ" (الحدیث کا مصداق قرار دینے کیلئے کسی بھی غور

وتامّل کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ اور جن نامور علماء و مشائخ کا تعلق حضرت کے علمی اور سلوکی سلاسل سے نہ تھا۔ ان حضرات نے بطور برکت حضرت سے سندِ حدیث حاصل کی اور بیعت کی درخواست کی۔

اُس وقت حضرت ہی کے شاگردوں میں بڑے بڑے محدث، مفتی ایسے موجود تھے جن کو حضرت کی طرف سے حضرت کی ہر تحریر پر بے تکلف تنقید کرنے کی ہدایت تھی اور ان کی اس خدمت سے ان پر حضرت کی شفقت بڑھتی تھی۔ رسالہ فضائلِ دُرود شریف کی طباعت کے بعد ۱۸ برس تک حضرت حیات رہے اور رسالہ تبلیغی نصاب میں شامل ہوکر اطرافِ عالم میں پھیل گیا۔

رسالہ کا حجم اور تالیفی مواد | اس مبارک رسالہ کا حجم کتابی سائز کے صرف ستر اوراق ہیں جس میں حضرت حکیم الاُمّت تھانوی قدس سرہٗ کی تصنیف شدہ فضائلِ درود شریف کی کتاب "زادالسعید" کی تین فصلیں تو تقریباً پوری شامل ہیں اور ان پر حضرت کی اپنی دیگر فضائل کی کتب کے طرز پر چند حدیثوں اور چند حکایات اور دو تین مشہور قصائد کے اشعار کا اضافہ ہے، اسی میں حیٰوۃ النبی ﷺ کو صحیح احادیث سے اور بعض دوسرے مسائل کو بہت حکمت سے مؤثر انداز میں بیان فرمایا اور مواجہہ شریفہ پر صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کا طریقہ بھی تحریر فرمایا۔

مدّتِ تالیف | مذکورہ بالا شخصیت کے لئے یہ کام چند گھنٹوں سے زیادہ کا نہ تھا اور بہت آسان تھا کہ جس نے رسالہ 'حکایات صحابہ' اُن دنوں میں لکھا تھا جبکہ ان کو کسی مرض کی وجہ سے چند روز کے لئے دماغی کام سے روک دیا گیا تھا۔ اسی طرح بعض اہم رسائل دہلی سہارنپور کے سفروں کے دوران مرتب کرلئے۔ اور رسالہ حجۃ الوداع (عربی) جس پر علّامہ حضرت بنوری کا مقدمہ ہے اور یہ رسالہ حضرت کی وسعت نظر اور محققانہ انداز کا ایک نمونہ ہے یہ ایک دن ۱½ رات میں لکھا گیا، مگر رسالہ فضائل دُرود شریف دو ماہ میں لکھا جس کے لکھنے کا ارادہ تالیف سے ۲۴ برس پہلے فرمایا تھا، پھر اتنے برس بزرگوں کے تقاضوں اور اپنی دلی خواہش کے باوجود رسالہ کو شروع کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

تالیفِ رسالہ کے متعلق حضرتِ مصنّف کا بیان | رسالہ فضائلِ دُرود شریف میں بعد حمد و صلاۃ کے تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اللہ جلّ جلالہٗ عمّ نوالہٗ کے لطف و انعام اور محض اس کے فضل و احسان اور اُس کے نیک بندوں کی شفقت اور توجہات سے اِس ناکارہ و نابکار سیاہ کار کے

قلم سے فضائل کے سلسلہ میں متعدد رسائل لکھے گئے جو نظام الدین کے تبلیغی سلسلہ کے نصاب میں داخل ہیں، احباب کے سیکڑوں خطوط سے ان کا بہت زیادہ نافع ہونا معلوم ہوتا رہا۔ اِس ناکارہ کا اس میں کوئی دخل نہیں، اوّلاً محض اللہ جلّ شانہ کا انعام، ثانیاً اُس کے پاک رسُول کے کلام کی برکت جس کے تراجم ان رسائل میں پیش کئے گئے۔ ثالثاً اُن اللہ والوں کی برکتیں جن کے ارشادات سے یہ رسائل لکھے گئے یہ اللہ کا محض لطف و کرم ہے کہ ان ساری برکات میں اس ناپاک کی گندگی حائل نہ ہوئی اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کُلُّہٗ وَلَکَ الشُّکْرُ کُلُّہٗ اَللّٰھُمَّ لَآ اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَآ اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ.

اس سلسلہ کا سب سے پہلا رسالہ 'فضائلِ قرآن' کے نام سے حضرتِ اقدس شاہ محمد یٰسین صاحب نگینوی خلیفہ قطبِ عالم شیخ المشائخ حضرتِ گنگوہی قدس سرہٗ کی تعمیلِ حکم میں لکھا گیا، جیسا کہ اِس رسالہ کے شروع میں تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کا وصال ۲۰ شوّال ۱۳۶۰ھ پنجشنبہ میں ہوا تھا، نوراللہ مرقدہ واعلیٰ اللہ مراتبہ۔ حضرت نے اپنے وصال کے وقت اپنے اجلّ خلیفہ مولانا الحاج عبدالعزیز دعا جو کے ذریعہ یہ پیام اور وصیت بھیجی کہ جس طرح فضائلِ قرآن لکھا گیا ہے میری خواہش ہے کہ اسی طرح فضائل دُرود بھی لکھدے۔ حضرت شاہ صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے وصال کے بعد مولانا عبدالعزیز صاحب بار بار اِس وصیت کی یاددہانی اور تکمیل پر اصرار کرتے رہے اور ناکارہ بھی اپنی نااہلیت کے باوجود دل سے خواہش کرتا رہا کہ یہ سعادت میسّر ہو جائے۔ شاہ صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات کا اصرار ہوتا رہا مگر اس ناکارہ پر سیّد الکونین فخر الرسل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی جلالتِ شان کا کچھ ایسا رعب طاری تھا کہ جب بھی اس کا ارادہ کیا یہ خوف طاری ہوا کہ مبادا کوئی چیز شانِ عالی کے خلاف نہ لکھی جائے۔ اسی لیت ولعل میں گذشتہ سال عزیزی مولانا محمد یوسف صاحب کے اصرار پر تیسری مرتبہ حجاز کی حاضری میسّر ہوئی اور اللہ کے فضل سے چوتھے حج کی سعادت حاصل ہوئی۔

حج سے فراغ پر جب مدینہ منورہ حاضری ہوئی تو وہاں پہنچکر بار بار دل میں یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ فضائلِ دُرود نہ لکھنے کا کیا جواب ہے۔ ہر چند کہ اپنے اعذار سوچتا تھا لیکن بار بار اس قلبی سوال پر یہ ناکارہ پختہ ارادہ کرکے آیا تھا کہ سفر سے واپسی پر ان شاءاللہ اس مبارک رسالہ کی تکمیل کی کوشش کروں گا۔ مگر "خوئے بدرا بہانہ بسیار" یہاں واپسی پر بھی امروز و فردا ہوتا رہا۔ اِس ماہِ مبارک میں اِس داعیہ نے پھر عود کیا تو آج ۲۵ رمضان المبارک آخری جمعہ کو جمعہ کی نماز کے بعد اللہ کے نام سے ابتدار تو کر ہی دی، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تکمیل کی توفیق عطا فرمائے اور اس رسالہ میں اور اس سے پہلے جتنے رسائل لکھے گئے یا عربی کی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں جو لغزشیں ہوئی ہوں محض اپنے لُطف و کرم سے ان کو معاف فرمائے۔"

(فائدہ) از احقر اقبال : اس خوف و احتیاط کی وجہ ظاہر ہے کہ خوف بقدرِ معرفت ہوا کرتا ہے۔ اور حضرت کا اپنے وقت کا سید العارفین ہونا اظہر من الشمس ہے۔ تالیف میں دیر لگنے کی دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ درود شریف کا موضوع سراسر عشق و محبت سے تعلق رکھتا ہے، جب بھی لکھنے کا اِرادہ فرماتے ہوں گے اُسی وقت عشق نبوی حضرت کے علم کے سمندر میں تلاطم پیدا کر دیتا ہوگا اور مضامین کا غیر معمولی ورود زبان و قلم کو روک دیتا ہوگا، شاید اسی لئے مجبور ہو کر لکھی لکھائی زاد السعید کو سامنے رکھکر کچھ اضافہ کر دیا۔

نتیجہ حضرتِ مصنف کے اخلاص، عشق و محبت کی نسبت رسالہ کی سطر سطر حرف حرف میں جذب ہو گئی جس سے پڑھنے والوں کے عقائد و خیالات مختلف جہتوں سے درست ہوئے اور دینی جذبات بنے، باطنی ترقیات نصیب ہوئیں اور عمومی طور پر درود شریف کو کثرت سے پڑھنے کی ترغیب ہوئی اور عمل کی توفیق ہوئی، رسالہ اور مصنف کے بارے میں مشائخ و صلحاء کو قبولیت کی بشارتیں ہوئیں۔ نمونہ کے طور پر اُن میں سے صرف ایک بشارت مولانا ڈاکٹر ماجد علی صاحب علیگڑھی کی رؤیائے صالحہ نقل کرتے ہیں جسے خود حضرتِ شیخ قدس سرہٗ نے اپنی آپ بیتی میں ذکر فرمایا ہے۔

حضرت تحریر فرماتے ہیں :

" مخدومی و معظمی حضرتِ اقدس دامت برکاتکم و متعنا اللہ والمسلمین بطول

بقائک وبرکات انفاسک السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'۔

امید ہے کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوں گے۔ دیگر احوال یہ ہیں کہ رمضان المبارک میں اعتکاف کے درمیان حضورِ اکرم ﷺ نے ایک بشارت دی تھی جس کو وہاں بیان نہ کر سکا تھا۔ وہ بشارت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "زکریا (یعنی حضرتِ والا) رسالہ فضائلِ دُرود کی وجہ سے اپنے معاصرین پر سبقت لے گیا"۔ اِس ناکارہ کو اس پر تعجب بھی ہوا کہ حضرتِ والا کی احادیث کی اور دین کی محنت کی اور بھی خدمات ہیں جو بہت اُونچی ہیں، لیکن بعد کو اشکال رفع ہوا کہ دل میں یہ بات آئی کہ رسالہ فضائلِ دُرود حضرتِ والا کے عشقِ نبوی کی دلیل ہے۔ اور اس اعتبار سے بھی حضرتِ والا دوسروں پر سبقت لے گئے ہیں۔ نیز کافی عرصہ ہوا حضور ﷺ سے ہی اس ناکارہ کو یہ بشارت بھی ملی تھی کہ جمعہ کے روز آپ کوئی مخصوص دُرود یا قصیدہ پڑھتے ہیں جو حضور ﷺ کو بہت پسند ہے، اگر ایسا ہے تو وہ درود یا قصیدہ اِس ناکارہ کو بھی بتا دیجئے ممنون ہوگا..... الخ۔

(موصولہ واجیب عنہ ۲۸ شوّال) اللہ تعالیٰ خواب کو میرے اور تمہارے لئے مبارک کرے پسند آنے کے واسطے اُونچی چیز ہونا ضروری نہیں۔ کسی رنڈی کا کُتّے کو پانی پلانا بھی پسند آجاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا خواب میں دیکھنا اور اس کا معتبر ہونا تو احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے..... بندہ کا معمول جمعہ کے دن بعد عصر "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا" اَسّی مرتبہ پڑھنے کا ۲۵-۳۰ سال سے ہے۔ فضائلِ دُرود کی تالیف کے بعد سے اس کے اخیر کے دو قصیدے مُلّا جامی اور حضرت نانوتوی کا کبھی کبھی سُننے کی نوبت آجاتی ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنی اس محبت کے شایانِ شان جو اُن کو اپنے حبیب و محبوب (ﷺ) سے ہے حضرت مصنف کو جزائے خیر دے اور اُن کے مراتب کو ہمیشہ بلند سے بلند کرتا ہی رہے ؎

گو نالہ نارسا ہو، نہ ہو آہ میں اثر
مَیں نے تو درگذر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

﴿ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ ﴾
﴿ وَقَالَ "اَلَا وَاَنَا حَبِیْبُ اللّٰہِ" ﴾

﴿خوش خبری﴾

رسالہ مبارکہ "فضائلِ دُرود شریف" کے متعلق مندرجہ بالا وضاحت سے رسالہ کی اہمیت اور شان ظاہر ہوگئی ہوگی۔ یہ رسالہ تبلیغی نصاب میں اور مستقل طور پر علیحدہ بھی بارہا طبع ہو چکا ہے اور اب تک ہمارے علم کے مطابق سات زبانوں میں اس کے ترجمے بھی شایع ہو چکے ہیں۔ لیکن اِس انتہائی پیارے موضوع کی مقبول کتاب جس شان سے تالیف ہوئی اس کی شایانِ شان اس کی طباعت پہلے نہ ہو سکی تھی[۵۸]۔ اب ایک عاشقِ صادق مؤلفِ کتاب "اطاعتِ رسول" (ﷺ) **حضرت مولانا محمد یوسف متالا** مہتمم دارالعلوم عربیہ اسلامیہ ہولکمب ہال بری انگلینڈ خلیفۂ مجاز حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے عاشقانہ انداز میں دل کھول کر سعی بلیغ کر کے مدینہ منوّرہ سے نہایت اعلیٰ درجہ کی کتابت کروا کر بیروت سے بہترین کاغذ پر مختلف رنگوں میں شایع کیا ہے جسمیں خوبصورتی، تزئین، تصحیح کا غیر معمولی اہتمام کیا گیا ہے۔

شائقین عاشقانِ نبیِ مختار و محبانِ حبیبِ پروردگار (ﷺ) اپنے لئے، اپنے دوستوں کو تحفہ پیش کرنے کیلئے اور اشاعتِ دُرود شریف کی نیت سے تقسیم کر کے ثوابِ دارین حاصل کرنے کیلئے مندرجہ ذیل پتوں سے رابطہ کریں۔ صَلَّی اللّٰہُ وَسَلَّمَ عَلٰی حَبِیْبِہٖ بِقَدْرِ حُسْنِہٖ وَجَمَالِہٖ اھ

(از شفاء الاسقام)

انگلینڈ - حضرت الحاج مولانا محمد یوسف متالا صاحب زید مجدہٗ
DARUL-ULOOM AL-ARABIYA AL-ISLAMIYA
HOLCOMBE HALL HOLCOMBE NR BURY LANCS BL—8 4NG U.K.

سعودی عرب (۱) مکتبۃ الایمان - السمانیۃ - المدینۃ المنوّرۃ
(۲) المکتبۃ الإمدادیۃ - بابُ العمرۃ - مکۃ المکرمۃ

ہندوستان کتب خانہ یحییوی - متصل جامعہ مظاہر علوم - سہارنپور

پاکستان (۱) مکتبۃ الشیخ ۳/۳۶۷ بہادر آباد — کراچی
(۲) مدینہ اسٹیشنری مارٹ ۱۷۸ انارکلی — لاہور - ۵۴۰۰

---

۵۸ شایانِ شانِ عالی ہو بھی کب سکتی ہے ؟ ۱۲ .

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ڈیجیٹائیزڈ (Digitized) کتابیں۔

ڈیجیٹائیزڈ (Digitized) کتاب موبائل، (Mobile) کمپیوٹر، (Computer) یا انٹرنیٹ (Internet) پر آسانی کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔

اس میں کوئی لفظ یا عنوان تلاش کر سکتے ہیں۔ کتاب میں "انٹرنل لنکس" (Internal Links) یعنی اندرونی ربط موجود ہوتے ہیں۔ ان لنکس کے ذریعے آپ کسی بھی صفحے کا نمبر یا عنوان کلک (Click) کر کے فوراً مطلوبہ صفحے تک جاسکتے ہیں۔

ہماری ڈیجیٹائیزڈ کتابیں نیچے دی گئی ویب سائیڈ (Website) پر موجود ہیں

اپنی پسند کی کتابوں کو ڈیجیٹائیزڈ کروانے کے لیے مندرجہ ذیل موبائل یا اِی میل (Email) پر رابطہ کریں۔

DIGITIZING ISLAMIC BOOKS
Email: noorbari786@gmail.com
Mobile: 0092 312 250 2281
Website: noorhiraislamicbooks.com
Karachi, Pakistan.